فنائے ہجر
تحریر :نورالعین مصطفی

READER BURAQ

"اسرا!مجھے ایک بات کی سمجھ نہیں آئی۔"وہ اپنی گھنی پلکیں جھکائے ایک فائل چیک کر رہی تھی

۔نہال کی بات سن کر اس نے لمبی سانس بھری اور فائل بند کردی۔

"کس بات کی سمجھ نہیں آئی؟"اب وہ مکمل طور پر نہال کی جانب متوجہ تھی۔

"تمہیں ارمان کے زخم کو دیکھ کر درد نہیں ہوا؟"وہ الجھن میں تھی۔مگر وہ جانتی تھی کہ اب اسرا کی کیا کیفیت ہو گی۔

یہ بات سننی تھی کہ اسرا کی سانس تھم گئی۔آنکھوں کی پتلیاں سکڑ گئیں۔دل کی دھڑکن معمول سے بڑھ گئی۔

"بتاؤ نا۔"جب وہ کچھ نہیں بولی تو نہال کو دوبارہ پوچھا پڑا۔

"کیا کرو گی جان کر؟" اب اس کا رخ کھڑکی کی جانب تھا۔جہاں سے ہسپتال کا باغ دیکھائی دے رہا تھا۔کتنی بے بسی تھی اس کے لہجے میں۔جبکہ اس کی نظریں آسمان کو تک رہی تھیں۔

”مجھے معلوم ہے کہ میں کچھ نہیں کر سکتی۔ مگر میں جاننا چاہتی ہوں۔“نہال کرسی سے اٹھی اور اس کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔

”تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ مجھے درد نہیں ہوا؟“ وہ نہال کی جانب پلٹی۔اب وہ آمنے سامنے کھڑی تھیں۔نہال اس کی پر اسرار آنکھوں کو تک رہی تھی۔

”جب تم نے مجھے خبر دی تھی کہ اسے گولی لگی ہے تو یہاں درد ہوا تھا۔“اس کا اشارہ اپنے دل کی جانب تھا۔مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ میرا دل پھٹ جائے گا۔

اس کی سنہری آنکھوں میں کرب تھا۔پانے کی چاہ نہیں تھی تو کھونے کا حوصلہ بھی نہیں تھا۔

”مگر پھر تم اس کے زخم کو دیکھ کر مسکرا کیوں رہی تھی۔“اسرا نے اس کی بات سن کر ایک کھوکھلہ قہقہہ لگایا۔

”کیونکہ وہ زخم اسرا یاسر سے زیادہ خوش قسمت ہے۔“اس کے لہجے کا دکھ اس کے دل کے دکھ کو واضح کر رہا تھا۔نہال اس کی بات سن کر ساکت ہو گئی۔

"تمہیں معلوم ہے نا کہ ارمان کا کوئی بھی جذبہ مجھ سے منسلک نہیں ہے۔محبت تو بہت دور کی بات وہ تو میرے ساتھ نفرت کا رشتہ بھی نہیں رکھنا چاہتا۔میں تو اس کی نفرت کے قابل بھی نہیں ہوں۔" وہ ہنستے ہوئے بول رہی تھی اور ناجانے کب آنسو اس کے رخسار کو بھگونے لگے۔اس کی آنکھوں میں ٹوٹے ہوئے خوابوں کی کرچیاں تھیں۔وہ خواب جو اس نے کبھی دیکھے ہی نہیں تھے۔

سفید اوورکوٹ میں ملبوس وہ اس وقت کوئی دیوانی معلوم ہو رہی تھی۔

نہال خاموشی سے اسے سن رہی تھی۔اسے معلوم تھا کہ اس کی دوست اپنے اندر ہی اندر ایک جنگ لڑ رہی ہےاور ایسی جنگوں کا اختتام انسانوں کو مار ڈالتا ہے۔

"ارمان کو اس زخم کی وجہ سے کچھ تو محسوس ہو رہا ہو گا چاہے وہ درد ہی کیوں نہ ہو۔" وہ نہیں چاہتی تھی کہ ارمان اس سے محبت کرے۔وہ تو ان حدود سے ہی باہر نکل چکی تھی جہاں پانا ہی سب کچھ ہو۔

نہال کو اس کی باتیں سن کر حیرت ہو رہی تھی۔اسے اسرا اس وقت کہیں سے بھی ایک قابل ڈاکٹر نہیں لگ رہی تھی۔

”میں کہاں اس قابل کہ وہ انسان مجھے سوچ سکے؟“اس کے لہجے میں زمانوں کی تھکن تھی۔

وہ تھک کر کرسی پر بیٹھ گئی۔اور اپنے سر کی پشت کو کرسی سے ٹکا دیا۔

”بس کرو اسرا! اپنے آپ کو تباہ مت کرو۔“نہال نے اس کے ہاتھ کو پکڑتے ہوئے کہا۔وہ اس کی باتیں سن کر ڈر گئی تھی۔

”یہ تباہی میرے مقدر میں لکھ دی گئی ہے اور مجھے دل و جان سے قبول ہے۔“اس نے نہال کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”تم یہیں بیٹھو میں گارڈن میں جا رہی ہوں۔“نہال نے اسے اس وقت اکیلا چھوڑنا درست سمجھا۔

اسے معلوم تھا کہ وہ دوائیوں کے زیرِاثر سو رہا ہو گا۔اس لیے وہ اسے ایک نظر دیکھنے کے لیے اس کے پرائیویٹ روم کی جانب بڑھ گئی۔

باہر کھڑی سیکورٹی اسے جانتی تھی اس لیے اسے اندر جانے کی اجازت مل گئی۔

وہ وہاں نہیں آنا چاہتی تھی۔ مگر اس کا دل اس سے بغاوت کر رہا تھا۔وہ بس اس دشمنِ جاں کو ایک نظر دیکھنا چاہتا تھا۔

اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے اندر قدم رکھا۔جیسے ہی اس کی نظر اس وجود پر پڑی اس کے قدم ساکت ہو گئے۔کچھ ساعتوں کے لیے سنہری آنکھیں اس منظر میں ہی کھو گئیں۔اس کا من چاہا وجود اس وقت ہسپتال کے نیلے سوٹ میں ملبوس سو رہا تھا۔

وہ جب جب اسے دیکھتی تھی اسے لگتا تھا کہ وہ سانس لینا بھول جائے گی۔وہ اس ایک شخص کے لیے پوری دنیا کیا اپنا آپ بھی فراموش کر سکتی تھی۔

وہ ایک شخص جو اسے دیکھنے کا بھی روادار نہیں تھا۔ہائے وہ شخص۔۔۔۔۔

اس نے لمبی سانس بھری اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے ارمان تک پہنچی۔کہ کہیں اس کے قدموں کی آہٹ سے اس کی نیند میں خلل پیدا نہ ہو۔

وہ اس کے بستر کے قریب اس کے قدموں کے پاس نیچے فرش پر بیٹھ گئی۔اس وقت اسے کسی چیز کا ہوش نہیں تھا۔اسے بس اتنا معلوم تھا کہ وہ اس کی نگاہوں کے سامنے تھا اور تکلیف میں تھا۔

وہ اس کے چہرے کو تکتے ہوئے اپنی روح کو سکون پہنچا رہی تھی۔اس کی داڑھی میں تو اس کا دل اٹک جاتا تھا مگر وہ اپنی نگاہوں کو ان کی حدود میں رکھنا جانتی تھی۔وہ جانتی تھی کہ اس انسان پر اس کا کوئی حق نہیں ہے۔

اب وہ اس کی بند آنکھوں کو تک رہی تھی۔اگر وہ ہوش میں ہوتا تو وہ کبھی بھی ان آنکھوں کی جانب دیکھنے کی گستاخی نہیں کرتی۔

"ماں!آپ اپنا خیال کیوں نہیں رکھتے؟"وہ دل ہی دل میں اس سے مخاطب تھی۔اب اس کی نظریں اس کے پیروں کا طواف کر رہی تھیں۔وہ اپنے آپ کو اس قابل بھی نہیں سمجھتی تھی کہ وہ اس انسان کے قدموں کو بھی ہاتھ لگا سکے۔

"ماں! آپ پلیز اپنے اتنے دشمن مت بنائیں۔اپنا نہیں تو اپنے گھر والوں کا ہی خیال کر لیں۔میں تو خیر کسی گنتی میں ہی شمار نہیں ہوتی۔"کب سے رکے آنسو اس کی پلکوں کی باڑ کو پار کر گئے۔مگر یہاں پرواہ کسے تھی۔وہ جس سے مخاطب تھی وہ تو سب کو بے چین کر کے خود سو رہا تھا۔

اسے معلوم تھا کہ وہ اسے نہیں سن رہا مگر یہ وہ باتیں تھیں جو اس کے ہوش میں ہوتے ہوئے کبھی

بھی نہیں کر پاتی۔وہ قابل ڈاکٹر ایک لا علاج مرض میں مبتلا تھی۔

”مان! اب میں چلتی ہوں۔آپ بس جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔اب ناجانے کب آپ کا دیدار نصیب

ہو۔“وہ ناچاہتے ہوئے بھی اٹھ گئی۔

اس نے آخری دفعہ ارمان کے چہرے کی جانب دیکھا۔

جیسے وہ اسے اپنی نگاہوں میں چھپا لینا چاہتی ہواور پھر اپنے قدم دروازے کی جانب بڑھا دیے۔

وہ اپنے کیبن میں گئی تو وہاں نہال صوفہ پر بیٹھی ہوئی تھی۔وہ صبح سے ہاسپٹل میں تھی۔

”نہال!ارمان کے پاس جاؤ۔اسے تمہاری ضرورت ہو گی۔“وہ نہال کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

”میں گئی تھی۔مگر وہ سو رہا تھا۔اس لئے میں ادھر آ گئی۔“نہال نے اس کا پاس رکھا تھا۔اس نے اسرا

کو

ارمان کے پاس بیٹھا ہوا دیکھ لیا تھا۔مگر وہ اس کا بھرم توڑنا نہیں چاہتی تھی۔

اسرا، نہال کی بات سن کر مسکرائی۔اسے معلوم تھا کہ

نہال اس سے اس بارے میں بات کر کے کبھی بھی شرمندہ نہیں کرے گی۔

”میں بس اسے دیکھنا چاہتی تھی۔“مگر اسرا چاہتی تھی کہ اسے ہر بات بتائے۔

”اچھا نا!اب چھوڑو اس موضوع کو۔“

”نہال ! تم نے ماں جی کو ارمان کے حادثے کے بارے میں نہیں بتایا؟ “ وہ جب سے یہاں تھا سوائے

نہال کہ اس کے گھر سے کوئی نہیں آیا تھا۔

”نہیں۔ماں جی اور بابا جان بلڈ پریشر کے مریض ہیں۔اگر انہیں یہ پتا لگا کہ ارمان کو گولی لگی ہے تو

ان کی طبیعت بگڑ سکتی ہے۔مگر ان سے یہ بات زیادہ دیر تک

چھپائی نہیں جا سکتی۔اس لئے شام میں بتا دوں گی کہ اسکا چھوٹا سا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔“وہ تھکی ہوئی

لگ رہی تھی۔

”مگر وہ ٹی۔وی پر یہ خبر دیکھ سکتے ہیں۔“وہ ابھی بھی مکمل طور پر مطمئن نہیں ہوئی تھی۔

”بابا جان اور اماں جی ٹی۔وی نہیں دیکھتے اسرا !“ نہال کو لگا کہ وہ بھول چکی تھی۔

"اچھا چلو تھوڑی دیر کے لیے باہر چلتے ہیں۔"اس نے نہال کا ہاتھ پکڑا اور باہر لے گئی تاکہ وہ تھوڑا پر سکون ہو سکے۔

"ہیلو!نہال! ابھی وہ دونوں باہر نکلی ہی تھیں کہ انہیں ایک آواز سنائی دی۔" وہ جیسے ہی پیچھے مڑیں وہاں ایک اسٹائلش سی لڑکی کھڑی تھی۔اسے دیکھ کر نہال کی آنکھوں میں بیزاریت در آئی۔اس نے بہت مشکل سے اپنے تاثرات کو درست رکھا۔اسے یہ لڑکی بالکل بھی پسند نہیں تھی۔

"منال!کیسی ہو تم؟"اس کے ہاتھوں میں پھولوں کا بوکے تھا۔وہ یقیناً ارمان سے ملنے آئی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔یہ کون ہیں؟"اس نے سوالیہ نظروں سے اسرا کی جانب دیکھا۔

"یہ میری بیسٹ فرینڈ اسرا ہے اور اسی ہاسپٹل میں سائیکالوجسٹ ہے۔"اس نے منال کو بتایا۔

" اور اسرا یہ منال ہے۔ارمان کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی تھی۔"منال کی مسکراہٹ اس تعارف پر سمٹی تھی۔مگر کسی نے اس کی جانب توجہ نہیں دی۔

اسرا کے لیے ہر وہ انسان قابلِ احترام تھا جس کا تعلق ارمان کے ساتھ تھا۔اس نے مسکراتے ہوئے منال سے مصافحہ کیا۔منال کو بھی یہ معصوم سی سائیکالوجسٹ بہت پسند آئی تھی۔

"ارمان کو گولی کیسے لگی؟" اب وہ نہال سے مخاطب تھی۔

"محترمہ! جہاں سے آپ کو یہ معلوم ہوا ہے کہ اسے گولی لگی ہے۔وہاں یہ بھی بتایا ہو گا کہ کیسے لگی ہے۔"نہال اس کا لحاظ کئے بغیر بولی تو اسرا نے اسے ٹھوکا مارا۔منال اس کا جواب سن کر حیران تھی۔

"دراصل ارمان ایک گروہ کے خلاف آپریشن کر رہے تھے

اور آج انہوں نے اس گروہ کے سربراہ کو گرفتار کرنا تھا۔سارے مجرم پکڑے گئے مگر فائرنگ کے نتیجے میں ایک گولی ارمان کے کندھے میں لگ گئی۔"منال بالکل ساکت ہو کر اسرا کی بات سن رہی تھی۔

"آؤ! میں تمہیں ارمان کے پاس لے جاؤں۔"نہال نے بادل ناخواستہ کہا۔اس نے آنکھوں سے اسرا کو ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔

"آپ لوگ جاؤ۔مجھے اپنے مریضوں کو دیکھنا ہے۔"اس وقت وہ دیکھنا تو کسی اور کو چاہتی تھی۔مگر اسے اپنا فرض بھی نبھانا تھا۔

\-----------

ان کے جانے کے بعد وہ اپنے کیبن کی طرف بڑھ گئی۔

"مام! میں پاگل نہیں ہوں۔" جیسے ہی وہ اپنے کیبن کے باہر پہنچی اسے اندر سے آواز آئی۔اس نے یکدم اپنے سر پر ہاتھ مارا۔وہ کیسے بھول گئی؟

وہ اندر داخل ہوئی تو اس کی راکنگ چئیر کے سامنے ایک نوجوان اور ایک ادھیڑ عمر عورت بیٹھی ہوئی تھی۔یقیناًوہ مسز رضا اور ان کا بیٹا تھا۔

"السلام علیکم! سوری فار کمنگ لیٹ۔" وہ مسکراتے ہوئے اپنی کرسی پر بیٹھ گئی۔وہ جہاں رہتی تھی اس جگہ کو اپنی پسند کے مطابق ڈھال لیتی تھی۔سفید اور نیلے رنگ کے امتزاج میں سجا ہوا کمرہ آنکھوں کو تقویت پہنچاتا تھا۔

"وعلیکم السلام! ڈاکٹر! ہم ابھی آئے تھے۔"مسز رضا مسکراتی ہوئی بولیں۔ڈاکٹر حمنہ نے اس نوجوان کی عمر بیس سے بائیس سال کے درمیان بتائی تھی۔

چہرے پر سجا غصہ اور جھنجھلاہٹ کے تاثرات اس کے تیکھے نقوش کو مزید واضح کر رہے تھے۔اس کیس کو ڈاکٹر حمنہ اس سے ڈسکس کر چکی تھیں۔اس لئے اسے اس بارے میں تھوڑا بہت معلوم تھا۔

جس میں سرِ فہرست یہ بات تھی کہ وہ نوجوان بہت غصیلہ ہے اور علاج کے لئے آسانی سے نہیں مانتا ہے۔مگر اسے اپنی صلاحیت پر پورا یقین تھا۔وہ انسانوں کے دماغ کے متعلق ان سے بات کرتی تھی۔

”مسز رضا! کیسی ہیں آپ؟“اسرا اپنے سامنے بیٹھی مسز رضا سے مخاطب ہوئی۔

”میں بالکل ٹھیک ہوں۔آپ میرے بیٹے کا معائنہ کریں۔“انہوں نے ایک فائل اسرا کی جانب بڑھائی جسے اس نے اپنے سامنے میز پر رکھ دیا۔

”مسز رضا! میں اپنے مریضوں کا معائنہ کسی کی موجودگی میں نہیں کیا کرتی۔“یہ اس کے رولز تھے اور وہ اپنے رولز کو فالو کروانا بہت اچھے سے جانتی تھی۔

”اوکے! میں باہر ویٹ کر رہی ہوں۔“وہ بنا برا منائے باہر چلی گئیں۔وہ نوجوان جب سے آیا تھا تب سے اس کے چہرے پر غصہ واضح طور پر دیکھائی دے رہا تھا۔وہ خاموشی سے اسے نوٹ کر رہی تھی۔جبکہ وہ غصہ اور جھنجھلاہٹ سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

”کیا مسئلہ ہے آپ کے ساتھ؟ “جب وہ اس کی نظروں سے تنگ آگیا تو چڑ کر بولا۔اس کی بات پر اسرا مسکرائی۔

”مسٹر ! آپ میرے مسئلہ کو چھوڑیں اور مجھے اپنا نام بتائیں۔“وہ اپنے سامنے پڑے گلوب کو ہاتھ سے گھماتے ہوئے بولی۔اس کے انداز میں لاپرواہی تھی۔

”آپ کے سامنے میری فائل پڑی ہے۔خود ہی دیکھ لیں۔“

اس نے فائل کی طرف اشارہ کیا۔جو کچھ دیر پہلے اسے مسز رضا نے تھمائی تھی۔

”میری بات آرام سے سنیں۔میرا کام آپ کا علاج کرنا ہے۔اس لئے آپ پلیز میرے ساتھ کو آپریٹ کریں۔“

اس نے پروفیشنل انداز میں سرد لہجہ کے ساتھ کہا۔

”میں پاگل نہیں ہوں۔“اس نے ایک ایک لفظ پر زور ڈالتے ہوئے کہاتو اسرا کے لب مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔

وہ منظر اس قدر خوبصورت تھا کہ مقابل بھی چند لمحوں کے لیے مبہوت ہو گیا۔کیا کوئی منظر اس قدر خوبصورت ہو سکتا تھا؟اسرا اس کے بدلتے تاثرات دیکھ رہی تھی۔

"میں آپ سے دو، تین سال بڑی ہوں۔"وہ اسکی محوگی دیکھ چکی تھی۔اس لیے مسکراہٹ دباتے ہوئے بولی۔

اسرا کی بات سن کر وہ شرمندہ ہو گیا اور اپنی آنکھیں جھکا لیں۔

"اب آپ اپنا نام بتائیں۔"وہ جانتی تھی کہ اب وہ اس کا جواب ضرور دے گا۔

"محب رضا۔"اس نے بنا دیر کیئے بتا دیا۔اب اس کا لہجہ دھیما تھا۔

"کافی پیارا نام ہے آپکا۔"فائل کے مطابق اس کی عمر 22 سال تھی۔مقابل اس کی بات پر کچھ نہیں بولا تھا۔اب وہ بھول کر بھی اسرا کی جانب نہیں دیکھ رہا تھا۔

"مسٹر رضا!آپ سب سے پہلے میری طرف دیکھیں۔"اب وہ مکمل طور پر محب کی جانب متوجہ تھی۔اس کی بات پر محب نے اپنی نظریں اس پر مرکوز کر لیں۔اب اس کے انداز میں جھجک تھی۔

"اب میری بات دھیان سے سنیں۔آپ پاگل نہیں ہیں۔"

اس نے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔اس کی بات سن کر محب کی آنکھیں حیرانی سے بھر گئیں۔گلے کی گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔وہ پہلی انسان تھی جو اسے پاگل نہیں کہہ رہی تھی۔ورنہ جو بھی اس کے کارناموں کو سنتا وہ اسے پاگل ہی سمجھتا تھا۔

اسرا کی نظریں پھر سے اپنے سامنے کھلی فائل پر تھیں۔اور محب اس کے تاثرات دیکھ رہا تھا جو کہ یکدم سائنٹس میں ڈھل گئے تھے۔

"گریٹ! آپ تو خودکشی کی کوشش بھی کر چکے ہیں۔"اس کا لہجہ کہیں سے بھی طنزیہ نہیں لگ رہا تھا۔جبکہ مقابل وہاں سے غائب ہو جانا چاہتا تھا۔ اسرا اب اچھی طرح سے فائل کا مطالعہ کر چکا تھی۔اس نے فائل کو سائیڈ پر رکھ دیا۔

"اپنی تعلیم بتائیں۔" اب وہ اصل مدعے کی جانب آرہی تھی۔

"گریجویشن کے لاسٹ ائیر میں ہوں۔" وہ اسرا سے آنکھیں چراتا ہو بولا تھا۔اسے معلوم ہو گیا تھا کہ اس لڑکی کو اپنے مطلب کی بات بلوانا بہت اچھے سے آ تا تھا۔اب اس کی نظریں شیشے کے میز پر تھیں۔جن پر وہ اپنی انگلیوں سے آری ترچھی لکیریں کھینچ رہا تھا۔

”گڈ!“ اب وہ اس کی ہر حرکت کو نوٹ کر رہی تھی۔اسے جلد ہی یہ معلوم ہو گیا تھا کہ وہ ذہنی انتشار کا شکار تھا۔جسے لوگ اس کا پاگل پن سمجھ رہے تھے وہ اصل میں کوئی ذہنی الجھن تھی۔

”خودکشی کی کوشش کیوں کی؟“وہ اس کے تاثرات جاننا چاہتی تھی۔محب کی انگلیاں اس سوال پر ساکت ہو گئیں۔بھنویں سکڑ گئیں۔اور آنکھیں۔۔۔آنکھیں تو سب بیان کرتی ہیں۔۔۔اس کی آنکھیں ایک ان کہی داستان بیان کر رہی تھیں۔اس نے اسرا کو جواب نہیں دیا۔

”مسٹر رضا! یہ بات جاننا میرے لیے بہت ضروری ہے۔میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ یہ بات اس کمرے سے باہر نہیں جائے گی۔“اسرا کی بات سن کر محب نے اس کی جانب دیکھا۔کیا کچھ نہیں تھا ان نظروں میں۔۔۔

درد۔۔۔کرب۔۔۔حسرت۔۔۔بے چینی۔۔

اسرا اس کی آنکھیں دیکھ کر حیران تھی۔مگر اس نے اپنے تاثرات چھپا لئے۔وہ ہر کسی پر اپنے تاثرات عیاں نہیں کرتی تھی۔

”مجھے کسی چیز کی تلاش تھی اور ابھی بھی ہے۔“

اس نے کرسی سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔اب وہ اپنے اندر کے بوجھ کو ہلکا کرنا چاہتا تھا۔اسرا اس کی بات سن کر مسکرائی۔اسے پتا لگ گیا تھا کہ اس نوجوان کو کس چیز کی تلاش تھی۔اب ساری گتھیاں سلجھ رہی تھیں۔

ابھی وہ کچھ بولنے ہی لگی تھی کہ اس کے موبائل پر الارم بجنے لگا۔محب تعجب سے اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا جس کی آنکھوں میں یکدم ایک چمک آگئی تھی۔

”مسٹر رضا! باقی کا سیشن کل اسی ٹائم ہو گا۔آپ یاد سے آ جایئے گا۔مجھے ابھی بہت ضروری کام ہے۔“

وہ اپنی چیزیں سمیٹتے ہوئے بولی۔

”آپ اس طرح سے بات کو ادھورا چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔“عجیب لڑکی تھی جب بتا نہیں رہا تھا تب جاننے کو بے تاب تھی اور جب بتا رہا ہوں تو سن نہیں رہی تھی۔اس کی آنکھیں غصہ سے بھر گئیں۔

”مسٹر رضا! میرے لئے وہ کام کرنا بہت ضروری ہے۔اگر آپ کو نہیں جانا تو آپ یہاں بیٹھ کر میرا انتظار کر سکتے ہیں۔میں آدھے گھنٹے تک واپس آجاؤں گی۔“

اس نے اپنا بیگ ضمانت کے طور پر واپس رکھ دیا۔

”اور آپ اپنا سامان ایک پاگل کے سہارے چھوڑ کر جائیں گی؟“ اب اس کے لہجے میں تکلیف تھی۔

اسرا جو دروازے کے پاس پہنچ چکی تھی۔اس کی بات سنتے ہوئے مڑی اور اس کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔دونوں کی نظریں ایک دوسرے پر مرکوز تھیں۔ایک کی آنکھیں دنیا کے رنگوں سے بیزار تھیں تو دوسرے کی آنکھیں بے تاثر تھیں۔

”مسٹر رضا! میں آخری دفعہ کہہ رہی ہوں کہ آپ پاگل نہیں ہیں۔اب اپنے آپ کو پاگل کہنا بند کریں۔ورنہ اس طرف دروازا ہے۔آپ جا سکتے ہیں۔اور ایک آخری بات، میرے پاس سچ میں آپ کی الجھن کو سلجھانے کا طریقہ ہے۔اس لیے سوچ سمجھ کر فیصلہ کیجیے گا۔“ اس نے دروازے کی جانب قدم بڑھائے۔

”میں آپ کا ویٹ کر رہا ہوں۔“اسے یہ ڈاکٹر سب سے الگ لگی تھی۔اس کے گرد ایک مثبت ہالہ تھا۔جسے دیکھا تو نہیں جا سکتا تھا مگر محسوس کیا جا سکتا تھا۔محب کی بات سن کر اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔وہ جس زاویہ سے کھڑی تھی سامنے والی دیوار کی کھڑکی سے سورج کی کرنیں اس کیے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔جس کی وجہ سے اس کا سفید ڈوپٹے کے ہالے میں لپٹا ہوا چہرا چمک رہا تھا۔سنہری آنکھیں مزید سنہری لگ رہی تھیں۔یوں لگ رہا تھا جیسے برف کے اوپر سورج کی کرنیں منعکس ہو رہی ہوں۔

اس نے اسرا کی آنکھوں کی چمک سے نظریں چرائیں۔

اف۔۔۔۔۔

اسرا کسی گہری سوچ میں گم تھی اس لیے اس کی توجہ محب پر نہیں گئی۔

”اوکے مسٹر رضا!۔۔“ ابھی وہ اپنی بات مکمل نہیں کر پائی تھی کہ محب نے اسے ٹوک دیا۔

”میرا نام محب ہے۔ابھی کچھ دیر پہلے ہی میں نے آپ کو بتایا تھا۔“ ناجانے وہ کیوں چاہتا تھا کہ اسرا وہاں سے نہ جائے۔

"جی مسٹر محب! مجھے اچھے سے معلوم ہے۔اب میں چلتی ہوں۔"وہ فلحال اس سے کوئی بحث نہیں کرنا چاہتی تھی۔اس لیے جلدی سے وہاں سے چلی گئی۔

اس کے جانے کے کچھ دیر بعدوہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔اسے کمرے کے ایک جانب کتابوں کی شیلف نظر آئی۔وہ کرسی سے اٹھااور شیلف کے پاس کھڑا ہو گیا۔وہ نفسیات کی کتابوں سے بھری ہوئی تھی۔

اس نے نظریں دوڑائیں تو ایک شاعری کی کتاب نظر آئی۔وہ حیران ہوا کہ ایک ماہرِ نفسیات شاعری میں دلچسپی رکھتی تھی۔اس نے کتاب کے اوراق کو پلٹا تو اس کی نگاہ ایک شعر پر جا کر ٹھہر گئی۔

؎ان سے کہیئے زرا پڑھیں آنکھوں کا کلام

وہ جو کہتے ہیں آپ مسکراتی بہت ہیں

جیسے ہی اس نے شعر پڑھا اس کی نظروں کے سامنے کچھ دیر پہلے کا منظر آگیا جہاں اسرا مسکرا رہی تھی۔اس نے خفگی سے اپنا سر جھٹکا۔

اف۔۔۔۔۔۔یہ مجھے کیا ہو رہا ہے؟؟

نہال، منال کو ارمان کے پاس لے کر آئی۔ جہاں وہ ابھی بھی سو رہا تھا۔ منال کی نگاہیں اس کے وجود پر مرکوز تھیں۔ جو بہت کمزور لگ رہا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر اس کی آنکھوں میں نمی گھل گئی۔

”یہ ٹھیک تو ہو جائے گا ؟“ اس کے لہجے میں نمی واضح ہو رہی تھی جو نہال کو الجھن میں ڈال رہی تھی۔

”وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ تم فکر مت کرو۔“ وہ دونوں ارمان کے بیڈ کے پاس پڑی کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔ نہال نے بوکے بیڈ کے سائیڈ پر رکھ دیا۔

منال کی نظریں مسلسل ارمان پر تھیں۔ وہ یونانی دیوتاؤں سا حسن رکھنے والا 28 سالہ نوجوان اس وقت بہت سے لوگوں کی نیندیں چرا کر خود سکون سے سو رہا تھا۔

”منال! تم یہیں بیٹھو۔ میں چائے لے کر آتی ہوں۔“ نہال کرسی سے اٹھتے ہوئے بولی۔

”اس کی ضرورت۔۔۔“ اس کے جملہ مکمل کرنے سے پہلے ہی وہ باہر نکل گئی۔

اب منال کی نگاہوں کا مرکز ارمان تھا۔ مگر اس کی سوچ کے تانے بانے کچھ دیر پہلے اپنے والد سے ہونے والی بحث میں الجھے ہوئے تھے۔

ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ ارمان جاگ گیا۔

اس نے آنکھیں کھولیں تو تیز روشنی کی وجہ سے اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔جب وہ کچھ دیکھنے کے قابل ہوا تو اپنے سامنے منال کو پا کر اس کی آنکھوں میں حیرانی در آئی۔

"ارمان! شکر ہے تم اٹھ گئے۔کیسے ہو تم؟"منال نے اسے جاگتے دیکھ کر کہا۔

"میں ٹھیک ہوں۔آہ۔۔" وہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا جس کی وجہ سے اسے کھچاؤ محسوس ہوا اور کندھے سے درد کی ٹیسیں اٹھنا شروع ہو گئیں۔

"ارمان! تم لیٹے رہو۔"منال کی بات سنتے ہوئے وہ دوبارہ لیٹ گیا۔

"تم سچ میں یہاں ہو یا بس مجھے دیکھائی دے رہی ہو؟" وہ اسے تنگ کرنا چاہتا تھا۔

"ویسے پولیس والوں کو ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں مگر پھر بھی اگر تمہیں یقین نہیں آرہا تو میں تمہیں یقین دلانے کے لیے تمہارے سر میں کوئی چیز مار سکتی ہوں۔"وہ شرارت سے بولی۔اس کی آنکھوں کی چمک مقابل کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ارمان نے اس کی بات سن کر فلک شگاف قہقہہ لگایا۔

”نہیں۔رہنے دو۔میں یقین کر لیتا ہوں۔نہال کہاں ہے

؟“ اس نے نہال کو کہا تھا کہ بابا جان اور ماں جی کو کچھ نہ بتائے۔

”چائے لینے گئی تھی۔“نہال کے نام پر اسے کچھ یاد آگیا۔

”ارمان !میں تم سے ناراض ہوں۔“اس نے ارمان سے اپنا رخ پھیرتے ہوئے کہا۔

”ارے!کیا ہوا؟اب میں نے کیا کر دیا ؟“ وہ بوکھلاتے ہوئے بولا۔وہ کیسے منال کو ناراض دیکھ سکتا

تھا!!

”تم نے اپنے گھر والوں کو یہ بتا رکھا ہے کہ میں تمہارے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی تھی؟“ اسے نہال

کی بات سن کر دکھ ہوا تھا۔

”تو کیا یہ سچ نہیں ہے؟“ وہ بات کو گھمانے کی کوشش کر رہا تھا۔

”اے۔ایس۔پی ارمان احمد! مجھے اچھے سے سمجھ آ رہی ہے کہ آپ بات کو گھمانے کی کوشش کر رہے

ہیں۔مجھے بس اتنا بتاؤ کہ کیا اس کے علاوہ ہمارے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے؟“ آنسو اس کے رخسار

پر بہنے لگے۔وہ اس کی خاطر اپنے گھر والوں سے لڑ رہی تھی۔اور ارمان وہ کیا کر رہا تھا؟ ارمان نے تو اپنے گھر والوں کو یہ تک نہیں بتایا تھا کہ ان کے درمیان کیا رشتہ ہے !

”سوری ! میں آئیندہ تمہاری آنکھوں میں آنسو آنے کی وجہ نہیں بنوں گا اور نہ ہی کسی اور کو وجہ بننے دوں گا۔چپ کر جاؤ۔“وہ کیسے بتاتا کہ اس کے آنسو اے۔ایس۔پی ارمان احمد کے دل پر گر رہے تھے۔اب وہ اپنے چہرے کو ہاتھوں سے چھپا کر رونے لگی۔

”منال! کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ تم میرے لیے کس قدر اہم ہو؟ “وہ بہت مشکل سے اٹھ کر بیٹھا۔منال نے اپنے چہرے سے ہاتھ ہٹا لیے۔

”اگر اتنی ہی اہم ہوں تو تم میری بات مان کیوں نہیں لیتے؟ “اس کی ناک اور آنکھیں رونے کی وجہ سے سرخ ہو چکی تھیں۔

”منال! تم اچھے سے جانتی ہو کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔اس لیے تم یہ ضد چھوڑ دو۔“ منال کی بات پر اس کا لہجہ سرد ہو گیا۔وہ اس بات پر کبھی بھی سمجھوتا نہیں کر سکتا تھا۔

"یہ ضد میری نہیں بلکہ ڈیڈ کی ہے۔اگر تم نے یہ جاب نہیں چھوڑی تو وہ کبھی بھی ہمارا رشتہ نہیں ہونے دے گے۔"اس کی آنکھیں پھر سے آنسو بہانے کے لیے تیار تھیں۔جنہیں دیکھ کر ارمان نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔

"تمہارے ڈیڈ یہ بات کیوں نہیں سمجھ رہے کہ یہ محض ایک جاب نہیں ہے۔اگر تم میری محبت ہو تو یہ وردی میرا عشق ہے۔"اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ منال کو کیسے سمجھائے۔

اس کی بات سن کر منال نے دکھی نظروں سے ارمان کی جانب دیکھا۔اس کی سرخ آنکھوں کو دیکھ کر ارمان نے ضبط سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

"تم حقیقت سے یوں نظریں چرا نہیں سکتے۔اب ڈیڈ کو تم خود ہی سمجھانا۔" اس نے اپنے آنسوؤں کو ٹشو سے صاف کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا نا!تم فکر مت کرو۔میں سمجھا لوں گا۔"اس نے شکر ادا کیا کہ وہ چپ تو ہوئی۔

اسرا پرئینگ ہال میں داخل ہوئی تو عصر کی نماز کا وقت جا رہا تھا۔پہلے ہی محب کی وجہ سے اسے دیر ہو گئی تھی۔وہ نماز کے اوقات کا الارم لگایا کرتی تھی۔کیونکہ پیشینٹس کی وجہ سے اسے اکثر بھول جاتا تھا۔

نماز پڑھنے کے بعد اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

"اے میرے اللہ ! میں جانتی ہوں کہ آپ رحیم اور کریم ہیں اور میں ہر حال میں آپ کا شکر ادا کرتی ہوں۔آپ مجھے جس حال میں رکھیں میں راضی ہوں۔مگر اللہ جی ! میں اپنے دل کا کیا کروں جو اسی کے نام پر دھڑکتا ہے؟"سنہری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"اے میرے رب! آپ بس ماں کو ٹھیک کر دیں۔آپ کو تو پتا ہے نا کہ اسے ہاسپٹل میں رہنا کتنا برا لگتا ہے۔آپ بس اسے ٹھیک کر دیں۔آمین!"

اس نے ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرےاور پرئینگ ہال سے باہر نکل آئی۔اب اس کا ارادہ نہال سے ارمان کی طبیعت کے متعلق بات کرنے کا تھا۔اس لیے اب اس کا رخ ارمان کے روم کی جانب تھا۔

وہ روم کے باہر پہنچ چکی تھی مگر پریشان تھی کہ اب نہال کو کیسے بلائے۔اس نے اپنے کوٹ میں موبائل ڈھونڈنا چاہا۔مگر موبائل ہوتا تو ملتا۔وہ تو بیگ میں رہ گیا تھا۔اوہ! شیٹ!!۔۔۔

وہ ہمت کر کے آگے بڑھی اور درازے سے اندر جھانکا۔ارمان اور منال ایک دوسرے سے بات کر رہے تھے۔اس کی نگاہیں ارمان سے پیوست ہو کر رہ گئیں۔

وہ بھول گئی کہ وہ وہاں کیا کرنے گئی تھی۔سنہری آنکھیں سحر زدہ ہو گئیں۔اس پر ایک فسوں طاری ہو گیا۔وہ اس منظر میں مکمل کھوئی ہوئی تھی کہ منال کی اس پر نظر پڑی۔

”ڈاکٹر اسرا !آپ باہر کیو ں کھڑی ہیں ؟ اندر آ جائیں۔“

منال کے بولنے پر سحر چھٹ گیا۔فسوں ٹوٹ گیا۔۔سںنہری آنکھیں سحر سے باہر نکل آئیں۔

اس کو دیکھ کر ارمان کی نگاہوں میں غصہ بھر گیا۔اس نے اسرا کو ایک نظر دیکھ کر رخ پھیر لیا۔مگر اسرا کے لیے وہ ایک نظر بھی کسی اجر سے کم نہیں تھی۔

یکدم اس کے دماغ میں ماضی کے چند اوراق کھلنے لگے۔۔۔

"اس لڑکی سے کہو کہ آج کے بعد یہ میری نظروں کے سامنے نہ آئے۔۔۔۔" اس نے بہت مشکل سے اپنی سوچوں کو جھٹکا اور منال کے پاس کھڑی ہو گئی۔

"وہ۔۔۔میں نہال کا پوچھنے آئی تھی۔" منال اس کی جانب متوجہ تھی۔جبکہ ارمان ایسے ظاہر کر رہا تھا کہ اسرا کمرے میں موجود ہی نہ ہو۔

"وہ تو کب سے چائے لینے گئی تھی ابھی تک نہیں آئی۔۔"منال کو حیرت ہو رہی تھی کہ اسرا نے ارمان سے اس کی طبیعت کے بارے میں نہیں پوچھا۔

ابھی وہ بول رہی تھی کہ نہال چائے کے دو کپ لے کر اندر داخل ہوئی۔مگر اس نے جیسے ہی اسرا کو دیکھا وہ ٹھٹک کر رک گئی۔پھر اس نے فوراً ارمان کی جانب دیکھا۔جس نے دوسری جانب رخ کیا ہوا تھا۔وہ سمجھ گئی کہ وہ غصہ میں تھا۔

"سوری! مجھے دیر ہو گئی۔وہ مجھے ایک دوست مل گئی تھی تو اس سے بات کر رہی تھی۔" اس نے ایک کپ منال کو پکڑایا اور دوسرا ارمان کو تھما دیا۔

"آؤ ! اسرا ہم باہر چلتے ہیں۔" وہ نہیں چاہتی تھی کہ ارمان منال کے سامنے اسرا کو کچھ کہے۔اس لیے اس کا ہاتھ پکڑتی وہ باہر نکل گئی۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو ؟ اگر ارمان اس منال کے سامنے تمہیں کچھ کہہ دیتا؟ "نہال کو اس کی فکر ہو رہی تھی۔اب ان کا رخ اسرا کے روم کی جانب تھا۔

"میں تم سے ارمان کی طبیعت پوچھنے آ رہی تھی کہ منال نے مجھے دیکھ لیا۔اس لیے مجبوراً اندر جانا پڑا۔"

اب وہ اس کے روم کے پاس پہنچ چکی تھیں۔

"اور تم فکر نہ کرو وہ مجھے مخاطب کرنے کے قابل بھی نہیں سمجھتا۔"اس کی نظروں کے سامنے کچھ دیر پہلے کا منظر آ گیا جہاں وہ اس سے رخ پھیر رہا تھا۔

"تم اب واپس جاؤ۔ اندر میرا پیشنٹ میرا ویٹ کر رہا ہے۔میں کچھ دیر تک تمہیں ٹیکسٹ کرتی ہوں۔"اس کے کہنے پر نہال نے سر ہلایا اور ارمان کے پاس چلی گئی۔

وہ اندر داخل ہوئی تو خاموشی نے اس کا استقبال کیا۔اس نے کمرے میں اپنی نظریں دوڑائیں۔محب سائیڈ پر پڑے صوفہ پر سو رہا تھا۔اور ایک کتاب اس کے منہ پر اوندھی پڑی ہوئی تھی۔اس کی حالت دیکھ کر اسرا نے بہت مشکل سے اپنا قہقہہ روکا۔

"مسٹر محب! اٹھ جائیں۔"وہ محب کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی اور جھک کر اسے اٹھانے لگی۔

"مسٹر محب! صبح ہو گئ ہے۔اٹھ جائیں۔" وہ اپنی ہی بات پر مسکرائی۔اس کی پہلی پکار پر وہ نہیں اٹھا تو اس نے دوبارہ کہا۔اب کی بار آواز تھوڑی اونچی تھی۔

اسرا کی آواز سن کر وہ ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔اس سے پہلے اس کا سر اسرا کے سر سے ٹکراتا اسرا نے اپنا سر پیچھے کر لیا۔

"آپ آ گئیں ؟" اس کی سرمئی آنکھیں نیند کی وجہ سے لال ہو چکی تھیں۔

"نہیں! آپ نیند میں ہیں اور میں آپ کے خواب میں آئی ہوں۔"وہ اسے تنگ کرتے ہوئے بولی۔ناجانے کیوں وہ چاہتی تھی کہ وہ اپنی الجھنوں سے باہر نکل کر اپنی زندگی جیے۔

"جی!خواب میں بھی تنگ کرنے آ گئی ہیں۔"اس کی بڑبڑاہٹ کو اسرا سن نہیں سکی۔

"مسٹر محب! کیا آپ میری بات سن رہے ہیں؟" اس نے محب کے چہرے کے سامنے ہاتھ لہرا کر پوچھا۔

"آپ کی ہی تو سن رہا ہوں۔" اس نے آہستہ آواز میں کہا۔ وہ خود حیران تھا کہ وہ کیسے اس لڑکی کی ساری باتیں مان رہا تھا۔

"یہاں جادو ہے۔" اسرا کتاب کو شیلف میں رکھ رہی تھی کہ اس کی بات سن کر چونکی۔

"کیا مطلب؟" اب وہ اپنی راکنگ چیئر پر بیٹھ گئی۔ اسے محب کی بات پر ہنسی آ رہی تھی۔

"مطلب یہ کہ ڈاکٹر! میں وہ انسان ہوں جسے نیند کی گولیاں کھانے کے بعد بھی بہت مشکل سے نیند آتی ہے اور یہاں مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ میں کب سو گیا" وہ تعجب سے بول رہا تھا۔ اسرا اس کی بات سن کر مسکرائی۔ اس کے اکثر مریض یہی کہا کرتے تھے کہ یہ جگہ کافی پر سکون ہے۔

"انسان کو پرسکون نیند تب آتی ہے۔ جب اسے یہاں سکون حاصل ہو۔" اس نے دماغ کی طرف اشارا کیا۔

”ورنہ نیند تو ڈپریشن میں بھی آجایا کرتی ہے۔اور تب تو زیادہ آتی ہے جب وہ ہر حالت سے فرار حاصل کرنا چاہتا ہو۔“محب بہت غور سے اس کی بات سن رہا تھا۔

”فرار تو حاصل ہو نہیں سکا۔اب تو بس سکون چاہئے۔“اب وہ بلا جھجک اس سے بات کر رہا تھا۔

اس کی بات سن کر اسرا نے نوٹ پیڈ اٹھایا اور پین سے اس پر کچھ لکھنے لگی۔

”مجھے کوئی نیند کی گولیاں نہیں چاہئیں۔انہوں نے مجھ پر اثر کرنا چھوڑ دیا ہے۔“

”فکر نہ کریں۔میں نے کوئی نیند کی گولیاں نہیں لکھیں۔“اسرا مسکراتے ہوئے بولی۔مسکرانے کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں ایک چمک آجایا کرتی تھی۔

کیوں تھی اس کی مسکراہٹ اس قدر جان لیوا؟ محب

نے اپنی نگاہیں جھکا لیں۔وہ پہلی ملاقات میں ہی اسے اپنی آنکھوں کا اسیر بنا چکی تھی۔

”آپ کو یہ چیز گھر میں ہی مل جائے گی۔جس وقت سونے کا دل کرے تب اس پر عمل کر لیجئے گا۔“اس نے کاغذ کو فولڈ کرتے ہوئے محب کو پکڑایا۔

”اوکے۔ڈاکٹر! اب میں چلتا ہوں۔“

"مسٹر محب !سکون حاصل کرنے کیلیے مرنا ضروری نہیں ہے۔" وہ ابھی دروازے تک پہنچا تھا کہ اسے پیچھے سے آواز سنائی دی۔وہ ایک لمحے کے لئے رکا مگر پھر لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

اب اسرا نہال سے بات کر رہی تھی۔جس نے اسے بتایا کہ بابا جان اور اماں جی کو اطلاع کر دی ہے اور منال اسی وقت چلی گئی تھی۔

اس نے نہال کو اپنے گھر جانے کی اطلاع دی اور بیگ اٹھاتے ہوئے باہر نکل آئی۔

محب رات کو سونے کی کوشش کر رہا تھا۔اس نے سکون حاصل کرنے کے لیے کچھ سالوں کے لیے منشیات کا استعمال بھی کیا تھا۔

مگر اسے جلد ہی پتہ لگ گیا تھا کہ یہ منشیات انسان کو صرف کچھ وقت کے لیے ہی سکون فراہم کرتی ہیں۔اس کے بعد انسان مزید بے سکونی کا شکار ہو جاتا ہے۔

وہ مسز رضا کا اکلوتا بیٹا تھا۔مسٹر رضا کا انتقال بہت سالوں پہلے ہی ہو چکا تھا۔اس لیے مسز رضا ان کا بزنس سنبھالتی تھیں۔انہیں اندازا ہی نہیں ہوا کہ کب بزنس سنبھالتے سنبھالتے اپنے بیٹے سے غافل ہو گئیں۔

اس نے اکثر شب و روز تنہائی میں گزارے تھے۔

وہ بچپن سے ہی کسی سے بات کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔وہ اپنی ماں کے سوا کسی کے پاس نہیں جاتا تھا۔مسٹر رضا کے والدین زندہ نہیں تھے اور وہ بھی اکلوتے تھے۔اس لئے اس کے زیادہ رشتہ دار نہیں تھے۔

اسی تنہائی میں وہ جیسے جیسے پلتا رہا اس کا دماغ اسے ہی الجھاتا رہا۔وہ اکثر راتوں کو سب سے چھپ کر باہر نکل جایا کرتا تھا۔اور اکیلا ہی سڑکوں پر گھوما کرتا تھا۔

جیسے ہی وہ بالغ ہوا۔اس نے بارز اور نائٹ کلبز جانا شروع کر دیا۔مگر وہاں بھی اس کے لیے کوئی قابلِ ستائش چیز نہیں تھی۔پھر اس نے منشیات کا استعمال شروع کر دیا۔مگر منشیات بھی اس کی بے چینی کو ختم کرنے میں ناکام رہے۔

در در کی خاک چھاننا اس کے مقدر میں لکھ دیا گیا تھا۔وہ جاننا چاہتا تھا کہ وہ اس دنیا میں کیوں موجود ہے؟وہ اپنی زندگی کا مقصد جاننا چاہتا تھا۔

جب سب اپنے گھروں میں سو رہے ہوتے تھے تو وہ ٹھٹھرتی ہوئی سردی میں، اندھیری راتوں میں گھنٹوں آسمان کو تکتا رہتا تھا۔

وہ غصہ میں ہر چیز کو تباہ کر دیا کرتا تھا۔اپنے آپ کو زخمی کر لیا کرتا تھا۔اس نے سوچا کہ اگر وہ مر گیا تو اسے سکون حاصل ہو جائے گا۔

اس لیے اسنے خودکشی کی کوشش بھی کی مگر وہ اپنے ارادوں میں ناکام رہا۔مسز رضا نے جب اس کی حالت پر غور کیا تو وہ اسے مختلف ڈاکٹروں کے پاس لے کر گئیں۔لوگ اسے پاگل کہا کرتے تھے۔مگر اصل محب رضا حسین کو سوائے ایک انسان کے کوئی نہیں جانتا تھا۔کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کون تھا؟ ڈاکٹرز بھی محب کے سوالوں کے جواب دینے سے قاصر تھے۔اب اس کی ماں ڈاکٹر حمنہ کے مشورے پر اسے ڈاکٹر اسرا یاسر کے پاس لے کر گئی تھیں۔

محب نے جب اسے پہلی نظر دیکھا تو وہ اسے ایک معصوم سی لڑکی لگی۔اس نے مضحکہ خیز انداز میں سوچا کہ یہ لڑکی میرا علاج کرے گی؟ مگر پھر اسی معصوم لڑکی نے جب اسے زچ کیا۔تو اسے معلوم ہو گیا کہ وہ غلط تھا۔کم از کم اس دفعہ وہ واقعی میں غلط تھا۔اب اسے اس کے سوالوں کے جواب ملنے والے تھے۔

جب بہت کوششوں کے بعد بھی اسے نیند نہیں آئی تو اسے اسرا کا دیا ہوا کاغذ یاد آیا۔اس کے ساتھ ہی اسکی خوبصورت آنکھیں یاد آئیں۔اس نے اپنی آنکھیں زور سے میچیں اور سائیڈ ڈرا سے کاغذ نکالا۔ جیسے ہی اس نے کاغذ کھولا تو اس کی آنکھیں حیرانی سے پھیل گئیں۔اسے امید نہیں تھی کہ ایک ڈاکٹر اسے سورۃ الرحمٰن سننے کی تجویز دے گی۔

اس نے کبھی بھی اسلام کے بارے میں جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔اسے لگتا تھا کہ اسے کلمہ آتا ہے بس اس لیے وہ مسلمان ہے۔اس نے کبھی اس سے زیادہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔

وہ پہلے اس کاغذ کو گھورتا رہا۔پھر اس نے لمبا سانس بھرا اور ہینڈ فری لگا کر سورۃ الرحمٰن کی تلاوت سننے لگا۔اسے اپنے دل کی دھڑکن تیز ہوتی ہوئی معلوم ہوئی۔

جیسے ہی قاری اس آیت کو دہراتا اس کا دل سکون سے بھر جاتا

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ

'اور تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو

جھٹلاؤ گے؟'

اسے نہیں معلوم تھا کہ یہاں کونسی نعمتوں کی بات ہو رہی تھی۔مگراس کی بے چینی ختم ہو رہی تھی۔

اس کے دل سے آواز نکلی:

".It is a miracle"

آہستہ آہستہ اسے احساس ہوا کہ اس کی آنکھیں بھاری ہو رہی تھیں۔بہت جلد ہی نیند نے اسے اپنی

آغوش میں لے لیا۔

اس کمرے میں اس وقت اندھیرا تھا۔نائٹ بلب کی مدھم روشنی اس اندھیرے کو ختم کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔اس کمرے میں بیٹھے وجود کی نظریں اوپر کی جانب مرکوز تھیں۔وہ خاموش نظریں تو کوئی گلہ بھی نہیں کر رہی تھیں۔

"میں اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔۔۔"

اس نے شدت سے اپنی آنکھیں میچیں اور منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی سسکیوں کا گلہ گھوٹا۔

وہ ماہرِ نفسیات دوسروں کی بے چینی کا علاج کرنے والی اپنی بی چینی سے سکون حاصل کرتی تھی۔اس کی اکثر راتیں ایسے ہی گزرتی تھیں۔مگر اس نے اپنی تکلیف سے لذت کو پا لیا تھا۔ایسا سرور جس میں گم ہو کر انسان نفع اور نقصان کی حدود سے باہر نکل آتا ہے۔

اسے فرق نہیں پڑتا تھا کہ اسے محبوب ملے گا یا نہیں۔اسے تو بس فنا ہو کر امر ہونا ہو نا تھا۔

وہ بھی تو جل رہی تھی۔مگر ارمان سے کچھ نہیں چاہتی تھی۔اسے معلوم تھا کہ اسے ہر دفع اس انسان کی جانب سے دھتکارا جائے گا۔

"میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔۔۔"

ماضی کی سوچیں جان لیوا ہوتی ہیں۔مگر یہ تو وہ الفاظ تھے۔جو اس دشمنِ جاں نے اس سے آخری دفع کہے تھے۔وہ بھلا تکلیف کیسے دے سکتے تھے؟

رات گزر رہی تھی اور وہ بھی آگ میں سلگتی رہی۔مگر اسے معلوم تھا کہ وہ کبھی نہ کبھی اس درد سے باہر نکل آئے گی۔اسے اللہ پر پورا یقین تھا۔

رات اپنے پر تیزی سے پھیلا رہی تھی۔یہ رات کا تیسرا پہر تھا۔سب اپنے اپنے گھروں میں آرام کر رہے تھے کہ ایک ہیولہ قبرستان کی جانب جا رہا تھا۔روشنی نہ ہونے کے برابر تھی۔اس لیے اس کی شکل واضح نہیں ہو رہی تھی۔بس چمکتی ہوئی لال آنکھیں دیکھائی دے رہی تھیں۔

اس نے قبرستان کے بوسیدہ دروازے کو ٹانگ مار کر کھولا تو وہ چڑ کی آواز کے ساتھ کھل گیا۔وقت اور اندھیرے کی پرواہ کیے بغیر وہ ہیولہ تیز تیز قدم اٹھاتا دو قبروں کے پاس آ کر رک گیا۔

اس کے ہاتھ میں کچھ پھول تھے۔اس نے وہ پھول دونوں قبروں پر ڈال دیئے۔اور خود دونوں قبروں کے درمیان بیٹھ گیا۔اب وہ اپنی سرخ آنکھوں سے ان قبروں کو دیکھ رہا تھا۔

"آپ لوگ دیکھنا! وہ سب تڑپیں گے۔وہ آپ کو پاگل کہتے تھے نا۔اب ان کا انجام دنیا دیکھے گی۔وہ مجھ سے رحم کی بھیک مانگیں گے۔ہاہاہا۔" وہ پاگلوں کی طرح قہقہے لگا رہا تھا۔جن کی آواز فضا کی خاموشی میں شگاف پیدا کر رہی تھی۔

وہ لڑکھڑاتا ہوا اٹھا۔اور قہقہے لگاتا ہوا باہر نکل گیا۔

اسرا صبح ہاسپٹل کے لیے تیار ہو رہی تھی۔اس وقت وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی بال بنا رہی تھی۔اس کے گھنے کالے بال کمر تک آ رہے تھے مگر وہ انہیں ہمیشہ ڈھانپ کر رکھتی تھی۔

اس کے ہاتھ سست روی سے چل رہے تھے نظریں سامنے اپنے عکس پر تھیں۔ان میں خالی پن تھا۔کہ یکدم آنکھوں کے ساتھ ساتھ چہرے کا تاثر بھی تبدیل ہو گیا۔لبوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں چمک در آئی۔ماضی کے چند خوشگوار لمحے اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے۔

ارمان اور نہال چچازاد تھے۔نہال اور نعمان کے والدین کا انتقال ان کے بچپن میں ہی ہو گیا تھا۔اس لیے ان کی ذمہ داری ارمان کے والد یعنی عاقب احمد نے اٹھا لی۔نعمان نہال سے تین سال چھوٹا تھا۔

اسرا کا گھر ان کے گھر کے ساتھ والا تھا۔اس لیے وہ،نہال اور ارمان بہت اچھے دوست تھے۔ارمان اسرا سے تین سال جبکہ نہال سے چار سال بڑا تھا۔وہ بچپن سے ہی ایک دوسرے سے بہت اچھے تھے۔ان کے ویک اینڈ بھی اکٹھے گزرتے تھے۔وہ تینوں اپنی ہر بات ایک دوسرے کو بتاتے تھے۔

مگر ایک بات جو اسرا نے ارمان کو نہیں بتائی وہ یہ تھی کہ وہ کب دوست سے اس کے دل کا مالک بن گیا اسے معلوم ہی نہ ہو سکا۔جبکہ ارمان نہال کے ساتھ ساتھ اسے بھی اپنی بہن ہی سمجھتا تھا۔

وہ ان پر آنے والی ہر مشکل کے سامنے ڈٹ کر کھڑا ہو جاتا تھا۔اسرا کا کوئی بھائی نہ تھا۔اس لئے وہ اپنے آپ کو اس کا بھائی سمجھتا تھا اور نہال کے ساتھ ساتھ اس کی بھی حفاظت کرتا تھا۔

ان کو ہر برے کام اور بری نظر سے بچاتا تھا۔اس کی وجہ سے کسی کی بھی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ ان دونوں کو آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ لے۔

آہستہ آہستہ محبت کا بیج تناور درخت میں تبدیل ہو گیا۔نہال کو سب معلوم تھا مگر اس نے اسرا سے وعدہ کر رکھا تھا کہ وہ ارمان کو نہیں بتائے گی۔

اس نادان لڑکی کو لگتا تھا کہ اسے اس کی محبت پر پھول ملیں گے مگر وہ بھول گئی تھی کہ اگر پھولوں کی تمنا کی جائے تو کانٹے بھی مقدر بنتے ہیں۔

"اسرا! نیچے آؤ۔دیر ہو رہی ہے۔"ابھی وہ آگے کچھ سوچتی کہ اس کی ماں ڈاکٹر نیلو فر کی آواز نے اس کی سوچوں میں خلل ڈال دیا۔

ڈاکٹر نیلوفر ہاسپٹل کی اونر تھیں۔مگر انہوں نے ہمیشہ اسرا پر بھی ویسے ہی سختی کی تھی جیسی وہ باقی ڈاکٹرز پر کرتی تھیں۔

اسرا نے جلدی سے حجاب سے اپنے بالوں کو ڈھانپااور آخری دفعہ اپنے عکس کو دیکھا۔اس کی آنکھوں میں ویرانی صاف دیکھائی دے رہی تھی۔اسے اپنی ماں اور لوگوں کے سامنے یہ ویرانی نہیں لے کر جانی تھی۔

اس نے چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجا کر دیکھا۔وہ مسکراہٹ کہیں سے بھی مصنوعی نہیں لگ رہی تھی۔اس نے اپنا بیگ اور اوور کوٹ اٹھایا اور باہر چلی گئی

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

ارمان کو ہاسپٹل سے ڈسچارج کر دیا گیا تھا مگر ڈاکٹر نے اسے ایک ہفتہ کے لئے بیڈ ریسٹ کی تاکید کی تھی۔وہ جانتا تھا کہ منال اس سے ناراض ہو چکی ہے۔مگر اسے یہ بھی پتہ تھا کہ وہ اسے بھی اور اس کے ڈیڈ کو بھی منا لے گا۔

وہ ایک پیشینٹ کو چیک کرنے کے بعد ایک ڈاکٹر سے ملنے جا رہی تھی کہ راستے میں اسے ڈاکٹر فیصل نے روک لیا۔وہ ایک قابل ڈاکٹر تھا اور نہال کا کرش تھا۔

”ہیلو! ڈاکٹر اسرا! کیسی ہیں آپ؟“ اسرا کو حیرانی ہوئی۔وہ کسی سے بھی بات نہیں کیا کرتا تھا۔اس کی ماں کے مطابق وہ ہاسپٹل کا سب سے قابل اور مغرور ڈاکٹر تھا۔

”آئی ایم فائن ڈاکٹر! سوری مگر مجھے ڈاکٹر حمنہ سے ملنے جانا ہے۔“ اسے واقعی میں دیر ہو رہی تھی۔

”اگر آپ کو کوئی ہیلپ چاہیے تو میں کر سکتا ہوں۔“

اس نے اسرا کے ہاتھ میں موجود فائل کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”تھینک یو۔ڈاکٹر ! میرے پاس ان کی فرینڈ کے بیٹے کا کیس ہے۔وہ مجھ سے اسی کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہیں۔“اب کی بار اس کے چہرے پر بیزاریت دیکھائی دے رہی تھی۔

"اوکے۔یو کین گو۔" اس نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔اسرا وہاں سے چلی گئی۔جبکہ وہ وہیں اکیلا کھڑا رہ گیا۔

اسرا دروازہ ناک کر کے اندر آئی تو وہاں صرف ڈاکٹر حمنہ تھیں۔جو اسی کا انتظار کر رہی تھیں۔ان کی عمر پچاس سے پچپن کے درمیان تھی۔

"السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟" وہ ان کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"وعلیکم السلام ! بچے میں ٹھیک ہوں۔آپ کیسی ہو؟" وہ شفقت سے بولیں۔

"آئی ایم آلسو فائن۔" اسرا نے فائل ڈاکٹر حمنہ کو پکڑائی جسے انہوں نے تھام لیا۔پہلے مسز رضا، محب کو ڈاکٹر حمنہ کے پاس لے کر آئی تھیں۔مگر ڈاکٹر حمنہ نے انہیں اسرا کے پاس بھیج دیا۔وہ جانتی تھیں کہ یہ لڑکی اس کا علاج ضرور کرے گی۔

ڈاکٹر حمنہ نے فائل سائیڈ پر رکھ دی۔وہ اس فائل میں لکھے ہوئے ہر لفظ کو پہلے سے ہی جانتی تھیں۔

"ڈاکٹر اسرا ! محب کیسا ہے؟ "وہ ایک پر وقار عورت تھیں۔

"ابھی ٹھیک نہیں۔ مگر بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔ان شاءاللہ! اس نے مسکراتے ہوئے بولا۔اس کی یہی مسکراہٹ ہر کسی کو اس کا گرویدہ بنا دیتی تھی۔

"آپ اسے اچھے سے ڈیل کیجئے گا۔۔۔۔"

ابھی وہ بول ہی رہی تھیں کہ ان کا فون بجا۔جسے انہوں نے اسرا کے سامنے ہی اٹھا لیا۔

"آئی ایم کمنگ۔"وہ جلدی سے اپنی چیزیں سمیٹتے ہوئے فون پر بولیں۔

"ڈاکٹر اسرا! مجھے جانا ہو گا۔پھر بات ہو گی۔اللہ حافظ!" اسرا بھی ان کے ساتھ ہی باہر نکل آئی۔

وہ فون پر نہال سے بات کر رہی تھی۔پہلے اس نے ارمان کی طبیعت کے بارے میں پوچھا۔پھر اسے یکدم ایک شرارت سوجھی۔

"تمہیں پتا ہے آج کیا ہوا؟ " اس کے لبوں پر نہال کو تصور کر کے مسکراہٹ پھیل گئی۔جسے وہ لب دبائے روک رہی تھی۔

"بتاؤ۔"نہال کو اس کے انداز ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔

"تمہارے ڈاکٹر فیصل نے آج میرا راستہ روکا۔" اس نے قہقہہ لگاتے ہوئی فون کان سے تھوڑا پیچھے کیا۔اسے معلوم تھا کہ اب وہ چینخے گی اور ایسا ہی ہوا۔

"واٹ! ایسا نہیں ہو سکتا۔" نہال کی صدمے بھری چینخ سنائی دی۔جسے سن کر اسرا کا ہنس ہنس کر برا حال ہو رہا تھا۔

دروازے پر کھڑا محب اس منظر میں کھو ہی گیا۔اسے اس پل یہ ادراک ہوا کہ وہ لڑکی ساحرہ ہے۔

اچانک اسرا کو کچھ غیر معمولی سا محسوس ہوا۔اس نے نظریں اٹھا کر سامنے دیکھا تو محب کو دروازے پر کھڑا ہوا پایا۔اس کی مسکراہٹ سمٹ گئ اور اس نے فون بند کر دیا۔

محب نے یہ سوچ کر اپنی مٹھیاں بھینچ لیں کہ اسکی وجہ سے اسرا کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہو گئ۔

"آجائیں مسٹر محب!" اب وہ مکمل طور پر سنجیدہ تھی۔محب تعجب سے اسے دیکھ رہا تھا۔جس نے ایک پل میں اپنے تاثرات تبدیل کر لئے تھے۔وہ اندر داخل ہوا اور اسرا کے سامنے بیٹھ گیا۔اسے یہ لڑکی بہت خالص لگتی تھی۔بالکل سادہ سی۔۔دنیا کی سب برائیوں سے پاک۔

"جی تو مسٹر محب! آپ کو رات میں نیند کیسی آئی؟" اسرا کے لب بول رہے تھے اور آنکھیں خاموش تھیں۔محب ان میں چمک ڈھونڈ رہا تھا مگر ناکام رہا۔

"بہت اچھی ،پرسکون۔" محب رات کو بہت عرصہ بعد پر سکون نیند سویا تھا۔وہ اس کی مسکراہٹ دیکھنا چاہتا تھا۔مگر وہ بالکل سنجیدہ بیٹھی تھی۔کچھ دیر پہلے والے قہقہوں کا اب نام و نشان تک نہ تھا۔

"مجھے پتا تھا کہ آپ کو بہت پرسکون نیند آئے گی۔

مگر یہ آپکی تلاش کی جانب پہلا قدم ہے۔ابھی تو پورا راستہ طے کرنا باقی ہے۔" اسرا اِدھر اُدھر فائل تلاش کر رہی تھی۔مگر پھر اسے یاد آیا کہ فائل تو ڈاکٹر حمنہ کے پاس ہی رہ گئی تھی۔اس نے اپنے سر پر ہاتھ مارا۔جسے دیکھ کر محب ہنس پڑا۔اسے اب وہ سر پر ہاتھ مارتی ایک چھوٹی بچی لگی۔مگر اس نے اپنی سوچ کو جھٹکا۔پچھلی دفعہ لڑکی سمجھ کر بھول کی تھی۔اس بار بچی سمجھ کر نہ کر دے۔

محب کو لگا تھا کہ اب وہ اسے یوں ہنستا دیکھ کر غصہ کرے گی۔مگر وہ اس کے تاثرات جانچ رہی تھی۔اس لئے وہ بھی سنجیدہ ہو گیا۔وہ کہیں نہ کہیں چاہتا تھا کہ اسرا اس پر غصہ کرے۔

"کیا ہوا ڈاکٹر! آپ کو مجھ پر غصہ نہیں آیا؟"

کوئی انسان اس قدر پر سکون کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کی آنکھیں ہمیشہ جذبات سے خالی ہوتی تھیں۔بس اس وقت چمکتی تھیں جب وہ مسکراتی تھی اور محب کو وہ چمک بہت خوبصورت لگتی تھی۔یوں لگتا تھا کہ سنہری آنکھوں میں ستارے ٹمٹما رہے ہوں۔

"مسٹر محب! مجھے انجان لوگوں پر غصہ نہیں آتا۔"

اسرا کے لا پرواہی سے بولے گئے جملے سے محب کے دل پر گھونسا پڑا۔اسے لگا کہ اس کے پاس سب کچھ ہو کر بھی کچھ بھی نہیں تھا۔مگر اس نے اپنے آپ کو نارمل ظاہر کیا۔

"جی ڈاکٹر! آپ نے ٹھیک کہا۔میں آپ کے لیے انجان ہوں۔"اس کی نظریں لاشعوری طور پر اپنے ہاتھوں کی لکیروں پر تھیں۔ناجانے وہ ان میں کیا تلاش کر رہا تھا!

"آپ کے دماغ میں اگر کوئی الجھن ہے تو مجھے بتائیں۔"اسرا کو اس کی آنکھوں میں ملال کے ساتھ ساتھ الجھن بھی نظر آرہی تھی۔وہ اسے ملال سے نہیں نکال سکتی تھی۔مگر اس کی الجھنوں کا حل نکال سکتی تھی۔

"مجھے جاننا ہے کہ

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ

میں کون سی نعمتوں کا زکر ہے؟"

وہ صبح سے اسی بارے میں سوچ رہا تھا۔اسرا کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔چمک لوٹ آئی۔اس سے پہلے وہ ٹرانس کی کیفیت میں جاتا اس نے اپنے آپ کو جھڑکا۔

"مسٹر محب ! آپ کو نعمت کا مطلب پتا ہے؟ میں بتاتی ہوں۔نعمت کہتے ہیں کسی تحفہ کو، blessing کو۔

میں آپکو ایک نظم سناتی ہوں۔شائد آپ کو آپ کے سوال کا جواب مل جائے۔

یہ شعلہ،یہ شبنم،یہ مٹی،یہ سنگ

یہ جھرنوں کے بجتے ہوئے جلترنگ

یہ جھیلوں میں ہنستے ہوئے سے کنول

یہ دھرتی پہ موسم کی لکھی غزل

یہ سردی،یہ گرمی،یہ بارش،یہ دھوپ

یہ چہرہ، یہ قد اور یہ رنگ و روپ

درندوں، چرندوں پہ قابو دیا

تجھے بھائی دے کر کے بازو دیا

بہن دی تجھے اور شریکِ سفر

یہ رشتے، یہ ناتے، گھرانے، یہ گھر

کہ اولاد بھی دی، دیئے والدین

ا ، ل ، م ، ق اور ع ، غ

یہ عقل و ذہانت، شعور و نظر

یہ بستی، یہ صحرا، یہ خشکی، یہ تر

اور اس پر کتابِ ہدایت بھی دی

نبی بھی اتارے، شریعت بھی دی

غرض کہ سبھی کچھ ہے تیرے لئے

بتا کیا کیا تو نے میرے لئے؟؟

اب یقیناً آپ کو سمجھ آگئی ہو گی۔" اس نے بہت عمدہ سخن میں نظم پڑھی تھی۔ محب نے ٹرانس کی کیفیت میں سر ہلایا۔ اسنے کبھی ان چیزوں پر غور ہی نہیں کیا تھا.

"گڈ ! آپ کو نماز آتی ہے؟" اسرا کے چہرے پر اب مدھم مسکان تھی۔

"جی! مگر کبھی پڑھی نہیں۔" اس نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

"مسٹر محب! آپ ایمان کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ اب آپ حق کی تلاش میں نکلے ہیں اور حق صرف ایک ہی ذات ہے اور وہ ہے اللہ کی ذات۔ اگر وہ ذات نہ چاہتی تو آپ اس راستے میں کبھی نہیں نکلتے۔ اس لئے اپنی تمام غلطیوں کو قبول کرنا سیکھیں۔ جب تک انسان اپنی غلطیوں کو قبول نہیں کرتا تب تک وہ کبھی بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔" اسرا اسے بہت اچھے انداز میں سمجھا رہی تھی۔ اس کی باتوں میں تاثیر تھی۔ محب نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اب اس کی نظروں میں تشکر تھا۔

"تھینک یو ڈاکٹر! وہ یہ کہے بغیر نہ رہ سکا۔"

"مسٹر محب! مجھے تھینک یو کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔مجھے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ اللہ نے مجھے آپ کا وسیلہ بنایا ہے۔میں کوئی بہت اچھی مسلمان نہیں ہوں۔ مگر کوشش کروں گی کہ آپکی جتنی مدد کرسکوں کروں۔" اب کی دفعہ محب نے پہلی دفعہ اس کی آنکھوں میں کوئی تاثر دیکھا تھا اور وہ درد کا تاثر تھا۔مگر یہ تاثر بھی کچھ لمحوں کے لیے تھا اور وہ آنکھیں پھر سے بے تاثر ہو گئیں۔

"اوکے۔ مسٹر محب! اب آپ جا سکتے ہیں۔"اسرا نے وقت دیکھتے ہوئے کہا۔جس پر محب سر ہلاتا اٹھ گیا۔وہ کچھ پل ویسے ہی کھڑا رہا۔اسرا اپنے بیگ میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔جب اسے احساس ہوا کہ ابھی محب وہیں کھڑا تھا۔اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور اپنا ایک ابرو اٹھایا۔جیسے پوچھ رہی ہو کہ کیوں کھڑے ہو؟

"فی امان اللہ ڈاکٹر! " پہلے وہ جھجک رہا تھا۔پھر اسرا کی نگاہوں سے ڈر کر آخر کہہ ہی دیا۔

"اللہ حافظ۔مسٹر محب!" اسرا نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ ایک نظر اسے دیکھ کر باہر نکل گیا۔

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

محب ابھی گیا تھا کہ اسرا کا فون بجنے لگا۔یقیناً نہال کی کال ہو گی۔اس نے سر جھٹکا اور فون اٹھایا۔اف!یہ لڑکی بھی نا!

"دیکھو نہال!میں تمہیں ابھی کچھ بھی نہیں بتا رہی۔جب ملو گی تب ہی بتاؤ ں گی۔"وہ تھک گئ تھی۔

"بریک پر پاؤں مارو لڑکی!میرے پاس تمہارے لئے ایک خبر ہے۔"وہ نہائیت رازداری سے بولی۔

"کیسی خبر؟"اب وہ سنجیدہ ہو کر سن رہی تھی۔

"نعمان واپس آگیا ہے۔"اس کا بولنا تھا کہ وہ کھڑی ہو گئ۔وہ گریجویشن کے لیے انگلینڈ گیا ہوا تھا۔

"واٹ!کب آیا واپس ؟" اس نے کھڑے کھڑے ہی پوچھا۔

"رات میں آیا تھا۔وہ تو فوراً تمہارے پاس آنا چاہتا تھا۔مگر اے۔ایس۔پی صاحب نے روک لیا اور وہ صبح سے سو رہا ہے۔تم سے ملنے کل آئے گا۔بس ارمان اس وقت گھر پر نہ ہو۔" ارمان نہیں چاہتا تھا کہ نعمان اسرا سے ملے اس لیے اس نے نعمان کو اس کے گھر جانے سے منع کر دیا۔

"ہمم۔نہال ! پھر بات ہوتی ہے۔"اس نے فون بند کر کے کرسی سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔وہ اپنی ایک غلطی کی وجہ سے اتنا سب کچھ کھو چکی تھی۔کبھی کبھی لوگ غلطیوں کو بھی گناہ بنا دیتے ہیں ۔ایک آنسو اس کی آنکھ سے ڈھلکتا زمین پر گر کر بے مول ہو گیا۔

ڈاکٹر حمنہ رات کے وقت اسٹڈی روم میں کسی فائل کا مطالعہ کر رہی تھیں۔ان کے شوہر اور بچے گھر پر نہیں تھے۔بچے دوسرے ملک میں پڑھتے تھے اور شوہر بزنس کے سلسلے میں شہر سے باہر گئے تھے۔گھر میں صرف وہ اور دو پرانے ملازم تھے اور دروازے پر چوکیدار موجود تھا۔

اندھیرے میں چلتا ایک ہیولہ گھر کی جانب بڑھنے لگا۔وہ خود بھی کالے لباس میں موجود اندھیرے کا ہی حصہ لگ رہا تھا۔اس نے چہرے پر کالا ماسک اور ہاتھوں میں کالے دستانے پہن رکھے تھے۔اس کی لال آنکھیں اندھیرے میں چمک رہی تھیں۔

اس نے اچانک سے چوکیدار کے منہ پر کلوروفارم سے بھرا رومال رکھ دیا کہ اسے سنبھلنے کا موقع ہی نہیں ملا۔کچھ دیر میں وہ بے ہوش ہو گیا۔تو وہ دیوار پھلانگ کر اندر داخل ہو گیا۔اس کے ہاتھ میں ڈرل مشین تھی۔

اب وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا پورے گھر میں کسی کو تلاش کر رہا تھا۔ملازم اپنے کوارٹر میں آرام کر رہے تھے۔

اس کی تلاش اسٹڈی روم پر ختم ہوئی۔اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا تو ڈاکٹر حمنہ کو ایک فائل کا مطالعہ کرتے ہوئے پایا۔اس کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ چھا گئی۔لال آنکھیں چمک اٹھیں۔اس نے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر دیا۔وہ روم ساؤنڈ پروف تھا۔ڈاکٹر حمنہ نے کسی احساس کے تحت سر اٹھا کر اوپر دیکھا تو ان کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

"ت۔۔۔تو۔۔۔تم ککون ہواور یہاں کیا کر رہے ہو؟ " اپنے سامنے مکمل کالے لباس میں کھڑے آدمی کو دیکھ کر ان کی ذبان ہکلانے لگی۔مگر خوف کی وجہ اس کا کالا لباس نہیں تھا۔بلکہ اس کی

آنکھوں سے ٹپکتی وحشت اور ہاتھوں میں پکڑی ڈرل مشین تھی۔وہ ان کے سوال کو نظر انداز کرتا آگے بڑھ رہا تھا۔جبکہ ڈاکٹر پیچھے کی جانب قدم بڑھا رہی تھیں۔

”ہیلو! ڈاکٹر حمنہ! کیسی ہیں آپ؟ اوہ! میں بھی کیسے سوال کر رہا ہوں؟“وہ بولا تو بھاری، گمبھیر آواز فضا میں ارتعاش پیدا کرنے لگی۔ڈاکٹر جیسے جیسے پیچھے جا رہی تھیں۔وہ اتنا ہی ان کے قریب جا رہا تھا۔

”جاننا چاہتی ہیں آپ کہ میں کون ہوں؟“ ڈاکٹر حمنہ کا بدن خوف کی وجہ سے کانپ رہا تھا۔آواز کہیں گلے میں ہی اٹک گئی۔انہوں نے اس کی بات پر آہستہ سے سر ہلایا۔

”آپ کی موت!“ وہ دیوار سے لگ کر کھڑی تھیں اور وہ ہیولہ ڈرل مشین پکڑے ان کے پاس پہنچ چکا تھا۔ڈاکٹر حمنہ پر کپکپی طاری ہو چکی تھی۔

”آج کے بعد آپ کسی کو بھی پاگل نہیں کہہ پائیں گی۔“ اس نے ڈرل مشین والا ہاتھ ان کے سر کی جانب بڑھایا۔وہ نفی میں سر ہلا رہی تھیں۔اس نے مشین آن کر دی اور وہ آہستہ آہستہ ان کے سر میں سوراخ کر رہی تھی۔ڈاکٹر حمنہ کی چینخیں پورے کمرے میں پھیل گئیں۔جبکہ وہ آنکھیں موندیں

ان سے سکون محسوس کر رہا تھا۔جب ڈرل مشین نے اپنا کام کر لیا تو اس نے قہقہہ لگایا۔ڈاکٹر حمنہ کا بے جان وجود فرش پر پڑا تھا۔

”ہیو آ نائس جرنی ٹو دا ہیل!! ہاہاہا! اب سب کو ایسے ہی تڑپا تڑپا کر ماروں گا۔“ اس نے اپنی ڈرل مشین اٹھائی اور دیوار میں سوراخ کر دیااور بھاری قدم اٹھاتا اسی طرح دیوار پھلانگ گیا۔پیچھے ڈاکٹر حمنہ کا بے جان وجود زمین پر پڑا رہ گیا۔

اگلے دن پورے شہر میں یہ بات آگ کی طرح پھیل گئی کہ مشہور ماہرِ نفسیات ڈاکٹر حمنہ کا کسی نے نہائیت بے رحمی سے قتل کر دیا ہے۔ارمان کا کندھا ابھی مکمل طور پر ٹھیک نہیں ہوا تھا۔مگر اس نے پھر سے جاب جوائن کر لی تھی۔آئی۔جی نے یہ کیس ارمان کے حوالے کیا تھا اور وہ خود بھی یہی چاہتا تھا۔

”تم نے سنا جلاد واپس آ رہا ہے ؟“ کانسٹیبل وقاص پھیلی ہوئی فائلوں کو دیکھ رہا تھا کہ کانسٹیبل وقار نے اسے اطلاع دی۔

"ارے نہیں! اس کے تو کندھے پر گولی لگی ہے۔ ایک ہفتے کی لیو پر ہے۔" وقاص ٹیبل پر پاؤں رکھتے ہوئے بولا۔

"نہیں۔ میں نے سنا ہے کہ آئی۔جی نے یہ نیا کیس اسی کے حوالے کیا ہے۔ مانا کہ وہ سخت ہے اور ہمیں بالکل بھی نہیں پسند مگر آئی۔جی کو اس کی طبیعت کا تو خیال کرنا چاہیے تھا۔" وقار باتوں میں مگن تھا۔ اس نے دیکھا ہی نہیں کہ وقاص نے کب اپنی ٹانگیں سیدھی کیں اور کھڑے ہو کر سلیوٹ مارا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اے۔ ایس۔پی ارمان احمد عرف جلاد یونیفارم پہنے ان کی جانب سخت تیوروں سے دیکھ رہا تھا۔ جبکہ اس کے ساتھ ایک نوجوان کھڑا اپنی ہنسی دبا رہا تھا۔ اس نے بوکھلاتے ہوئے اسے سلیوٹ کیا۔

"آپ دونوں کو میری فکر کرنے کی بالکل بھی ضرورت نہیں ہے۔ الحمد اللہ ! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میں کچھ دنوں کے لیے پولیس اسٹیشن نہیں آیا تو آپ لوگوں نے اسے سبزی منڈی ہی سمجھ لیا ہے۔" اس نے اردگرد پھیلی ہوئی چیزوں کو دیکھ کر کرخت لہجے میں کہا تو ان دونوں کے پسینے چھوٹ گئے۔ وہ لوگ ایسے ہی تو اسے جلاد نہیں کہا کرتے تھے۔

"سوری سر! ہم ابھی یہ سب سمیٹتے ہیں۔" وقار ڈرتے ہوئے بولا تو وہ سر ہلاتا اپنے آفس کی جانب بڑھ گیا۔جبکہ نعمان بھی اس کے پیچھے پیچھے تھا۔

"یار بھائی! اتنا غصہ مت کیا کریں۔ویسے نک نیم اتنا برا بھی نہیں تھا۔بس تھوڑا سا پرانی فلموں کے ولنز والا تھا۔جلااااااددددد!! ہاہاہا!" اس نے لفظ جلاد کو کافی لمبا کھینچتے ہوئے بولا۔

"اگر ماتحتوں پر غصہ نہ کیا جائے تو وہ آپ پر ہی حکم چلانے لگ جاتے ہیں اور مجھ پر کوئی حکم چلائے یہ مجھے ہرگز منظور نہیں۔"وہ اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ابھی کچھ دیر تک اسے کرائم سین دیکھنے اور ہاسپٹل پوچھ گچھ کرنے جانا تھا۔

"ایک آپ اور ایک آپ کے فلسفے !میں کبھی نہیں سمجھ سکتا۔"وہ بھی اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"یہ پولیس اسٹیشن ہے۔تمہارے گھومنے پھرنے کی جگہ نہیں۔اٹھو اور سیدھا گھر جاؤ اور ہاں اس لڑکی سے ملنے کی کوشش بھی نہ کرنا۔"آخری جملہ کہتے ہوئے اس کے لہجے میں تلخی گھل گئی۔

اس کی بات سن کر نعمان نے لمبا سانس بھرا۔مگر اب اسے خاموش نہیں رہنا تھا۔اسے سب کو یہ بتانا تھا کہ اب وہ واپس آ چکا تھا اور اس لڑکی کے لیے آواز اٹھانے کے قابل تھا۔

"ارمان بھائی! آپ مجھے اس لڑکی سے ملنے سے نہیں روک سکتے۔"

"تم اس لڑکی کی وجہ سے مجھ سے ،اپنے بھائی سے بحث کرو گے ؟" وہ حیرانی سے بولا۔اسے یہ توقع نہیں تھی کہ نعمان اس کی بات کو یوں رد کرے گا۔نعمان اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بیٹھا تھا۔اس کی آنکھیں حد درجہ سرخ ہو چکی تھیں۔

"جی! میں اس لڑکی کی وجہ سے آپ سے کیا پوری دنیا سے بحث کروں گا۔کیونکہ جب میں مام ڈیڈ کو یاد کر کے یا ڈراؤنے خواب دیکھ کر ڈر جایا کرتا تھا۔تب میرے پاس آپ نہیں تھے۔تب وہی لڑکی اور نہال میرے پاس تھی۔انہوں نے مجھے سنبھالا۔آج صرف اور صرف اس لڑکی کی وجہ سے میں آپ کے سامنے صحیح سلامت بیٹھا ہوں۔ورنہ کسی پاگل خانے میں مر رہا ہوتا۔"

وہ بولنے پر آیا تو بولتا ہی چلا گیا۔اس کی آنکھوں کے سامنے وہ شامیں،وہ راتیں آ رہی تھیں جب وہ ڈر کر کسی کے بھی قابو سے باہر ہو جاتا تھا۔تب اسرا ہی تھی جس نے اسے نارمل رہنے میں مدد کی تھی تو آج وہ اس کے لیے کسی کے خلاف جا سکتا تھا۔چاہے وہ اے۔ایس۔پی ارمان احمد ہی کیوں نہ ہو۔

”کیا تم یہ بھول چکے ہو کہ میں صرف اور صرف اس لڑکی کی وجہ سے تم سے اور اپنے خاندان سے اتنے سال دود رہا ؟“ اس کی آنکھیں انگارے برسا رہی تھیں۔

”تمہیں اپنا درد یاد ہے۔اپنی سیاہ راتیں یاد ہیں مگر میری تنہا راتوں کا حساب کون دے گا؟ مگر میں بھی تو دیکھ کس سے شکوہ کر رہا ہوں۔لوگوں کو صرف اپنی کہانی کا درد یاد رہتا ہے۔کوئی دوسرا کس کرب سے گزر رہا ہو تا ہے۔وہ یہ کبھی بھی نہیں جان سکتے۔“اس کی گرفت اپنی اسٹک پر مضبوط تر ہوتی چلی گئی۔

”اس لڑکی کا نام اسرا یاسر ہے۔ڈاکٹر اسرا یاسر۔۔

یہ مت بھولیں آپ جس کرسی پر بیٹھے ہیں یہ اسی کی بدولت ہے۔اور آپکے وہ سال ضائع نہیں ہوئے۔آپ کو ان کا صلہ اس کرسی کی صورت میں ملا ہے۔بالکل صحیح کہا آپ نے کہ دنیا صرف اپنا دکھ یاد رکھتی ہےاسی لیے تو آج تک آپ کو اسرا کا درد محسوس نہیں ہوا۔“اس دفعہ وہ خاموش تماشائی کا کردار ادا کرنے نہیں آیا تھا۔

”واہ! تو تم واپس اس کی حمایت کرنے آئے ہو۔ایک تم اور ایک تمہاری بہن کو پتا نہیں اس لڑکی میں کیا نظر آتا ہے؟“ اس نے تالی بجاتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”نہیں ارمان بھائی!میری بہن نے کبھی بھی آپ کے سامنے اسرا کی حمایت نہیں کی۔اس نے کبھی بھی آپ کی غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش نہیں کی۔اس نے کبھی آپ کو اس سے ایسے اجنبیت برتنے سے نہیں روکا۔“وہ تکلیف دہ حد تک سچ گو تھا۔

”میری بہن نیوٹرل ہے۔اور اس دنیا میں صرف نیوٹرل لوگ ہی فائدہ پاتے ہیں۔اور وہ یہ بات بہت اچھے سے جانتی ہے۔“ارمان کے پاس اس کی بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

”مگر میں نیوٹرل نہیں ہوں۔اور نہ ہی مجھے کسی فائدہ کی خواہش ہے۔میں ہمیشہ سچ کا ساتھ دوں گا اور سچ یہی ہے کہ آپ اسرا کو پانچ سالوں سے ایک ناکردہ جرم کی سزا دے رہے ہیں۔اس جرم کی جو اس نے کبھی کیا ہی نہیں۔“اس کی بات پر ارمان کی بھوری آنکھیں کرب سے سرخ ہو گئیں۔مگر اس نے نعمان کو بولنے دیا۔

”لوگ تو دشمنوں کی بھی غلطیاں معاف کر دیتے ہیں۔وہ تو پھر آپ کی دوست تھی۔وہ دوست جس کے ساتھ آپ نے اپنی زندگی کے بیس سال گزارے۔بیس سال کم نہیں ہوتے ارمان بھائی! “ اس نے ارمان کو آئینہ دکھانے کی کوشش کی۔مگر وہ بھول گیا تھا کہ جن لوگوں کی آنکھیں بند ہوں ان لوگوں کو آئینہ کیا اندھیرے کے سوا کچھ بھی نظر نہیں آتا۔

”تم ایسے بول رہے ہوں جیسے تم کچھ بھی نہ جانتے ہو۔مگر خیر تم اس وقت بچے تھے۔تمہیں کیا معلوم کہ ماں جی اور بابا جان کے جملوں نے میری روح تک کو چھلنی کر دیا تھا اور یہ سب اس لڑکی کی وجہ سے ہوا تھا۔“ اس کے کانوں میں پانچ سال پہلے کے کچھ جملے گونجنے لگے۔

”اے۔ایس۔پی ارمان احمد! میں بچہ ضرور تھا مگر اتنا ضرور جانتا تھا کہ دوسری طرف کی کہانی کو جانے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہئیے۔“ وہ میز پر دونوں ہاتھ رکھے جھک کر بول رہا تھا۔

”اور ہاں جس دن آپ کو پورا سچ معلوم ہو گا۔اس دن آپ بہت پچھتائیں گے۔اب میں کچھ دیر اور رکا تو اپنا اور آپ کا رشتہ بھول جاؤں گا۔اپنا خیال رکھیے گا۔اللہ حافظ!“ وہ ارمان کو حیرت کے دریا میں چھوڑتا خود باہر چلا گیا۔

ارمان ، ڈاکٹر حمنہ کے گھر پہنچ چکا تھا۔وہاں پہلے سے ہی پولیس اور میڈیا موجود تھی۔رپورٹرز نے جیسے ہی اسے دیکھا وہ ارمان سے سوال کرنے کے لیے لپکے۔مگر کچھ آفیسرز نے انہیں ارمان تک نہیں پہنچنے دیا۔سوائے چند آفیسرز کے گھر کے اندر داخل ہونے کی اجازت کسی کو بھی نہیں تھی۔

وہ جیسے ہی گھر کے اندر داخل ہوا۔اس نے اپنی چیل سی نظروں سے ہر چیز کو سکین کرنا شروع کر دیا۔وہ ہر چیز کا جائزہ لے رہی تھیں۔سب سے پہلے وہ اسٹڈی روم کی طرف گیا۔آفیسر اسے راستہ بتا رہا تھا۔

اسٹڈی روم میں داخل ہونے کے بعد اب اس کا رخ لاش کی جانب تھاجو دیوار کے پاس سفید کپڑے سے ڈھکی ہوئی تھی۔جیسے ہی اس نے کپڑا چہرے سے ہٹایا تو غصہ کی لہر اس کے وجود میں دوڑ گئی۔کوئی اس قدر سفاکی سے کسی کا قتل کیسے کر سکتا ہے؟

وہ وہاں سے اٹھا تو اس کی گھومتی نظریں پورے اسٹڈی روم کو دیکھتی ایک مقام پر آ کر ٹھہر گئیں۔دروازے کے ساتھ دیوار پر ایک بہت بڑا سوراخ بنا ہوا تھا۔جیسے کسی نے ڈرل مشین سے بنایا

ہو۔اس نے پاس جا کر دیکھا تو اس سوراخ میں بہت سا سوکھا خون لگا ہوا تھا۔اس کا دماغ اسے کسی چیز کا اشارا دے رہا تھا۔مگر آخر کیا؟؟؟

وہ کوئی چیز بھول رہا تھا۔اس نے پیچھے مڑ کر لاش کو دیکھااور پھر اپنے سامنے بنے ہوئے نشان کو دیکھا۔اس کے دماغ میں کچھ کلک ہوا۔

اس کی بھنویں سکڑ گئیں۔غصہ کو قابو کرنے کے لیے اس نے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔مگر غصہ تھا کہ بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔اس نے زور سے اپنا ہاتھ اس سوراخ کے ساتھ مارا۔اس سے جونئیر ایک آفیسر اس کے پاس بھاگتا ہوا آیا۔

"کیا ہوا آفیسر؟" اس نے ڈرتے ہوئے پوچھا۔وہ اس وقت اتنے غصہ میں لگ رہا تھا کہ اس سے بات کرنا شیر کے منہ میں ہاتھ ڈالنے کے مترادف تھا۔

"He is a serial killer!!"

اس کی آواز غصہ سے بھاری ہو رہی تھی۔ہاتھ بالکل سرخ ہو چکا تھا اور اس کی نسیں نظر آ رہی تھیں۔

"آپ کو کیسے پتا لگا؟ " آفیسر حیران تھا کہ اسے کرائم سین پر آئے ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی اور اس نے یہ پتا لگا لیا کہ قتل ایک سیریل کلر نے کیا تھا۔ جبکہ وہ لوگ کب سے وہاں تھے مگر انہیں ایک بھی سوراخ نہیں ملا تھا۔

"سیریل کلر اپنی نشانی کے طور پر کچھ نہ کچھ ضرور چھوڑ کر جاتا ہے۔یہ دیکھو دیوار پر بنا یہ ڈرل کا نشان۔ جبکہ اگر کسی نے کسی مقصد کے تحت ان کا مرڈر کیا ہوتا تو وہ کوئی بھی نشان چھوڑ کر نہیں جاتا۔" اسکا غصہ کسی حد تک کم ہو چکا تھا۔مگر ابھی بھی اس کی آنکھیں لال تھیں۔

"مگر یہ کوئی اتفاق بھی تو ہو سکتا ہے۔" اسے ارمان کی سرخ آنکھوں سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔

"یہ اتفاق نہیں ہے۔کوئی اتنا بڑا نشان اتفاق سے یہاں چھوڑ کر نہیں جاسکتا۔ہوا کچھ یوں ہو گا کہ ڈاکٹر یہاں بیٹھی کسی فائل کا مطالعہ کر رہی ہوں گی۔" اب وہ کرسی کی جانب بڑھا۔۔جو نیچے گری پڑی تھی۔

"اور وہاں سے خونی اندر آیا ہو گا۔" اب اس کا اشارہ بائیں جانب دروازے کی طرف تھا۔

”جیسے ہی ڈاکٹر نے اسے دیکھا تو وہ کھڑی ہوئیں اور یہ دائیں جانب دیوار کی طرف جانے لگیں۔“وہ اپنے دماغ میں ایک نقشہ تیار کر رہا تھا۔

”پھر جیسے جیسے وہ دیوار کی طرف گئیں۔ویسے ویسے خونی بھی ان کے قریب جاتا رہا۔پھر جب ان کے فرار کے راستے بند ہو گئے۔اس نے ڈرل مشین سے انکا کام تمام کر دیا۔“وہ ایسے بول رہا تھا کہ جیسے قتل کے وقت وہیں موجود ہو۔اب اس کے قدم دروازے کے ساتھ دیوار پر بنے ہوئے سوراخ کی جانب اٹھے۔

”اس کے بعد جب وہ وہاں سے جا رہا ہو گا تو اس نے اپنی نشانی کے طور پر یہ نشان بنایا ہو گا۔جس طرح لوئس گریویٹو مارنے کے لیے بلیڈز اور سکریو گیج کا استعمال کرتا تھا اسی طرح اس کلر نے ڈرل مشین کا استعمال کیا ہے۔“آفیسر اس کی ذہانت سے بہت متاثر ہوا۔وہ یہ جانتا تھا کہ اگر یہ تجزیہ کسی اور آفیسر نے کیا ہوتا تو اس کے درست ہونے کے امکان پچاس فیصد ہوتے مگر یہ تجزیہ اے۔ایس۔پی ارمان احمد نے کیا تھا اور اس کے درست ہونے کے امکان اسی فیصد تھے۔

"گھر کے کونے کونے کی تلاشی لو۔ان کے ہزبینڈ اور بچوں کو اطلاع کرو اور چوکیدار کا بیان لیا؟"

اب وہ اسٹڈی روم سے باہر آکر لاؤنج کا جائزہ لے رہا تھا۔سب چیزیں اپنی جگہ پر پڑی تھیں۔

"جی سر! انہیں اطلاع دے دی ہے اور چوکیدار کا بیان لے لیا ہے۔اس کے مطابق وہ اپنی ڈیوٹی کر رہا تھا کہ کوئی اچانک سے آیا اور اس نے اس کے چہرے پر کلوروفارم سے بھرا ہوا رومال رکھ دیا ۔جس سے وہ کچھ دیر میں ہی بے ہوش ہو گیا۔اسے مزید اس بارے میں کچھ یاد نہیں۔"

اس کی بات سن کر ارمان نے اپنی کالی سن گلاسس آنکھوں پر لگائیں اور باہر آگیا۔باہر رپورٹرز کا ایک جمِ غفیر اس کے انتظار میں کھڑا تھا۔وہ ان کے پاس گیا اور ہاتھ کے اشارے سے سب کو خاموش کروایا۔جب سب خاموش ہو گئے تو اس نے بولنا شروع کیا۔

"ڈاکٹر حمنہ کا مرڈر کسی سیریل کلر نے ڈرل مشین کا استعمال کرتے ہوئے کیا ہے۔ہم بہت جلد اس کو ڈھونڈ نکالیں گے۔"اس نے بہت سنجیدہ انداز میں کہا اور اپنی جیپ کی جانب بڑھا اسے اپنے پیچھے بہت سی آوازیں آ رہی تھیں۔مگر وہ جانتا تھا اس کے آفیسرز سب ہینڈل کر لیں گے۔اس نے ڈرائیور کو ہاسپٹل جانے کا آرڈر دیا۔

اسرا کو ڈاکٹر حمنہ کے مرڈر کا بہت افسوس ہوا تھا۔زندگی بھی کتنی دھوکے باز ہوتی ہے۔کچھ پل ساتھ رہتی ہے اور جب ساتھ چھوڑتی ہے تو اچھے اچھوں کو مٹی تلے دفن کر دیتی ہے۔

محب کی فائل ڈاکٹر حمنہ کے روم میں موجود تھی۔اور اسے اس فائل کی ضرورت تھی۔اس لیے وہ ڈاکٹر حمنہ کے روم کی جانب بڑھنے لگی۔وہ بس وہاں سے فائل واپس لانا چاہتی تھی۔اور کچھ دیر بعد وہ فائل اس کے ہاتھ میں تھی۔محب کے آنے کا وقت ہونے والا تھا۔ابھی تھوڑا سا وقت گزرا تھا کہ دروازہ ناک ہوا۔محب دروازے پر کھڑا تھا۔وہ بالکل اسی وقت پر آیا تھا جو اسرا نے اسے دیا تھا۔اس نے مسکراتے ہوئے سر کو ہلکا سا خم دیا۔گویا اسے اندر آنے کی اجازت دی۔

محب اپنے دل پر قابو رکھتے ہوئے اس کے سامنے بیٹھ گیا۔اف!!کیا ہے یہ لڑکی!!کیوں مجھے اپنے سامنے بے بس کر رہی ہے۔۔

"السلام علیکم! مسٹر محب!" اسرا کے چہرے پر نرم مسکراہٹ تھی۔مگر محب کو لگا یہی مسکراہٹ اسکے دل کو کمزور کر رہی تھی۔اس کے دل کو بگاڑ رہی تھی۔اسے لگا کہ اگر اس نے ایک لمحہ بھی اس کی جانب دیکھا تو وہ اپنے دل سے سارے اختیار کھو دے گا۔اس نے اپنی نگاہیں جھکا لیں۔

"وعلیکم السلام !" وہ جب بھی وہاں آتا تھا ایک سکون اس کی رگوں میں سرائیت کر جاتا تھا۔

"کیسی کنڈیشن ہے اب آپکی؟ اور آج سے آپ عشاء کی نماز پڑھ کر سویا کریں گے۔" اسرا نے محسوس کیا تھا کہ محب اس سے آنکھیں چراتا تھا۔جیسے کوئی راز اس سے چھپا رہا ہو۔

"میری کنڈیشن ٹھیک ہے۔ڈاکٹر ! ہم نماز کیوں پڑھتے ہیں؟ " اس نے اپنے دل میں پنپتا سوال پوچھا۔اسرا کو اس سے اسی سوال کی توقع تھی۔

"ہم نماز اپنے لیے پڑھتے ہیں۔" اس کی بات پر محب نے نا سمجھی سے اس کی جانب دیکھا۔

"جی مسٹر محب ! ہم نماز اپنے لیے پڑھتے ہیں۔اللہ نے انگنت تعداد میں فرشتے پیدا فرمائے جو اس کی عبادت کر رہے ہیں۔اگر ایک انسان نماز نہ بھی پڑھے تو اس کے لیے کی گئی عبادت میں کمی نہیں

آئے گی۔ مگر ہمارے نیک اعمال میں کمی ضرور آئے گی۔"اب محب آہستہ آہستہ اس کی بات کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔وہ بہت پیچیدہ باتیں کیا کرتی تھی۔

"آپ زرا تصور کر کے دیکھیں کہ اگر نماز فرض نہ ہوتی تو لوگوں کے دلوں میں یہ ڈر کبھی نہیں ہوتا کہ انہیں اللہ کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔صرف اس ایک احساس کی وجہ سے بہت سے لوگ نا جانے کتنے ہی گناہوں سے بچ جاتے ہیں۔اس لیے میں کہتی ہوں کہ انسان نماز اپنے لیے پڑھتا ہے۔" اسرا کی بات کو سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔

"اب آپ آج عشاء کی نماز پڑھیں گے اور ایک اور بات۔۔"

اس نے ایک لمحے کا توقف کیا۔

"اللہ ان لوگوں کی توبہ ضرور قبول کرتا ہے۔جن کے دل ثابت قدم ہوں۔وہ ہر کسی کو اپنے سامنے حاضر ہونے کے لیے نہیں چنتا۔کچھ بنا کوشش کے اس راہ کے مسافر بن جاتے ہیں اور کچھ کو در در کی خاک چھاننے کے بعد یہ راستہ خود منتخب کرتا ہے۔" اسرا نے چند جملوں میں ہی اس کی پریشانی ختم کر دی تھی۔اب وہ دل سے مطمئن تھا۔اور دل سے مطمئن ہونا بہت بڑی نعمت ہوتی ہے۔

جیسے ہی وہ ہسپتال پہنچا تو سیدھا سکیورٹی روم میں گیا اور وہاں سے اس نے ساری ریکارڈنگ دیکھی کہ کل سے آج تک کون کون ڈاکٹر حمنہ کے روم میں گیا تھا۔وہ آخری دفعہ جس کے ساتھ دیکھائی دے رہی تھیں۔وہ یقین کرنا مشکل تھا مگر یہی حقیقت تھی کہ وہ آخری دفعہ ڈاکٹر اسرا یاسر سے ملی تھیں۔اس کی آنکھیں یہ منظر دیکھ کر انگارے اگلنے کو تیار تھیں۔

اگر تمہارا اس قتل سے کوئی بھی تعلق ہوا تو میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔وہ تصور میں اس سے مخاطب ہوا۔

اس نے جیسے ہے صبح کی ریکارڈنگ دیکھی تو اس نے غصہ سے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔وہ یہ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا مگر سارے ثبوت اسی جانب اشارا کر رہے تھے۔

اس سے بات کرنے کا وقت آ چکا تھا۔وہ غصہ سے بھرا ہوا سکیورٹی روم سے نکلا اور اسرا کے روم کی جانب بڑھ گیا۔

پانچ سال۔۔۔ان دونوں کے درمیان پانچ سالوں کا وقفہ آ چکا تھا۔اور نہائیت تلخ وقفہ۔اس نے اپنی آنکھیں میچیں۔اگر اس کے فرض کا سوال نہ ہوتا تو وہ کبھی بھی اس سے مخاطب ہونے کے بارے میں نہ سوچتا۔

وہ اس کے روم کے باہر پہنچ چکا تھا۔ایک لمحے کے لیے اس کے قدم رکے مگر اگلے لمحے ہی وہ بغیر ناک کیے اندر داخل ہو گیا۔تو اسے کسی نوجوان سے باتیں کرنے میں مصروف پایا۔واقعی بدگمانی کبھی بھی سچ کو ظاہر نہیں ہونے دیتی۔

اسرا کو کچھ غیر معمولی محسوس ہوا۔مخصوص کلون کی خوشبو اعصاب پر طاری ہوئی تو اس نے جھٹکے سے سر اوپر اٹھایا اور یہی لمحہ اس کے لیے بھاری تھا۔محب حیرانی سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

سنہری آنکھیں ،بھوری آنکھوں سے ٹکرائیں اور سنہری آنکھوں کے لیے وقت تھم گیا۔دونوں کی نگاہوں کے سامنے ماضی گھومنے لگا۔۔۔۔

پانچ سال پہلے:

وہ اس وقت ایک شرارتی، چلبلی سی لڑکی ہوا کرتی تھی۔جسے اپنا آپ بھی سنبھالنا نہیں آتا تھا۔ارمان گریجویشن کر چکا تھا۔مگر وہ اپنا وقت اپنے دوستوں کے ساتھ یا نہال،اسرا کے ساتھ گزارتا تھا۔اس کی طبیعت میں لاپرواہی تھی۔ماں جی اور بابا جان اس کے اس رویے کی وجہ سے بہت پریشان رہتے تھے۔

ارمان کا خواب تھا کہ وہ پولیس ڈیپارٹمنٹ جوائن کرے مگر وہ بابا جان اور ماں جی کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔اس لیے اس نے اپنے خواب کو دل میں ہی مرنے دیا۔جن خوابوں کو مرنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے ان میں آگ کی چنگاری ہمیشہ جلتی رہتی ہے۔

ایک دن جب وہ یونیورسٹی سے واپس آیا تو اسے شدید بخار ہو گیا اور وہ اپنے کمرے تک محدود ہو کر رہ گیا۔اس نے اپنے کمرے میں آنے کی اجازت نہال اور اسرا کو بھی نہیں دے رکھی تھی۔وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی ان دونوں کو اس کے کمرے میں دیکھے اور ان کے کردار پر انگلی اٹھائے۔

رات کے وقت اسرا اور نہال لان میں موجود جھولے پر بیٹھی تھیں۔اسرا کی نگاہیں بار بار ارمان کے کمرے کی کھڑکی کی جانب اٹھ رہی تھیں۔

”نہال! میں بس اسے دیکھ کر واپس آ جاؤں گی۔“ اسرا نے دس بار کی دہرائی ہوئی بات پھر سے کہی۔

”اسرا! تم سمجھ کیوں نہیں رہی؟ مانا کہ وہ ہمارا دوست ہے۔مگر اس کے باوجود اس نے ہمیں کبھی بھی اپنے کمرے میں آنے کی اجازت نہیں دی۔“ اسرا پریشانی سے اپنے بالوں کو چہرے سے ہٹا رہی تھی۔

”اس کو پتا بھی نہیں لگے گا۔میں بس دروازے سے ایک جھلک دیکھ کر واپس آ جاؤں گی۔پکا۔پلیز ! جانے دو۔“اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں کو پٹپٹاتے ہوئے گردن کو ایک طرف ڈھلکایا۔جسے دیکھ کر نہال کی ہنسی چھوٹ گئی۔

”اوکے۔بلیک میلر! جاؤ۔مگر دھیان سے جانا۔اسے پتا نہ چلے۔“ اسے آخرکار ہار ماننی ہی پڑی۔

اسرا نے سر ہلایا اور جھولے کے ساتھ لٹکے ہوئے ڈوپٹے کو اٹھایا اور گلے میں ڈال کر گھر کے اندر داخل ہو گئی۔جبکہ پیچھے نہال اس کی کچھ دیر بعد بننے والی درگت کے بارے میں سوچتی رہ گئی۔

وہ اپنے ڈوپٹے کو سنبھالتی ہوئی جلدی جلدی سیڑھیاں پھلانگ رہی تھی۔اب اس کا رخ ارمان کے کمرے کی جانب تھا۔بابا جان اور ماں جی اپنے کمرے میں آرام کر رہے تھے۔وہ ارمان کے کمرے کے باہر کھڑی تھی۔اس نے ڈرتے ڈرتے دروازہ کھولا اور اندر جھانکا۔

سفید اور گرے رنگ کی تھیم میں سجا کمرا مکمل اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔جب اس کی آنکھیں کچھ دیکھنے کے قابل ہوئیں تو وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے بیڈ کی جانب بڑھی۔وہ دوسری جانب کروٹ لیے سو رہا تھا۔اس نے ارمان کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر اس کا بخار چیک کرنا چاہا مگر اس کا ہاتھ اس کی پیشانی تک پہنچنے سے پہلے ہی ارمان کی گرفت میں آ چکا تھااور وہ یکدم کروٹ بدل کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے جیسے ہی اسرا کو دیکھا تو اس کا ہاتھ اپنی گرفت سے آزاد کر دیااور لائٹ آن کی۔پورا کمرا روشنی میں چمک اٹھا۔اسرا کو دل ہی دل میں اس سے ڈر لگ رہا تھا کیونکہ وہ انتہائی سخت تیور لیے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" اس کی آواز کچھ بخار کی وجہ سے اور کچھ غصہ کی وجہ سے بوجھل محسوس ہو رہی تھی۔اس کے ماتھے پر بل پڑ چکے تھے۔اس کی اونچی آواز سن کر اسرا نے دو قدم پیچھے کی جانب لیے۔

"کیا تمہیں سنائی نہیں دے رہا؟ میں نے منع کیا تھا نا کہ تم یا نہال میرے کمرے میں نہیں آؤ گی۔پھر تم کیوں آئی ہو؟ " اسرا کو وہ کہیں سے بھی وہ ارمان نہیں لگ رہا تھا۔جس کے ساتھ اس نے اپنی زندگی کے بیس سال گزارے تھے۔

"مم۔ما۔۔مان!وہ۔۔میں آپ کی طبیعت کے بارے میں پوچھنے آئی تھی۔"وہ بامشکل یہ الفاظ ادا کر پائی تھی۔اسے کس انہونی کا احساس ہو رہا تھا۔

"یہ تمہیں مان کہنے کا حق کس نے دیا؟ " وہ بخار کی وجہ سے چڑچڑا ہو رہا تھا۔اسرا کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ اب کیا کرے؟

"پلیز! ریلیکس ہو جائیں۔" اس نے سائیڈ ٹیبل سے پانی اٹھایا اور ارمان کے آگے بڑھایا مگر ارمان نے جھٹکے سے وہ گلاس زمین پر پھینک دیا اور وہ ٹوٹ کر کرچی کرچی ہو گیا۔

"ریلیکس مائی فٹ!!چلی جاؤ یہاں سے۔"اس کو اس بات پر غصہ آرہا تھا کہ وہ اس کے منع کرنے کے باوجود کیوں یہاں آئی تھی۔اسرا کی آنکھوں سے آنسو آبشار کی صورت بہنے لگے۔

"مان! پلیز ! میرے ساتھ ایسا مت کریں۔میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں۔" وہ آخرکار دل کی بات زبان پر لے آئی۔اس بات کو سننا تھا کہ ارمان کا ہاتھ اٹھا اور اسرا کے چہرے پر اپنی چھاپ چھوڑ گیا۔

اسرا کو اس چیز کی توقع بالکل نہیں تھی۔وہ سیدھا ان ٹوٹے ہوئے شیشے کے ٹکڑوں پر گری۔مگر اسے تکلیف تو اس انسان کی بے یقین نگاہوں سے ہو رہی تھی۔یہ تو ابھی شروعات تھی۔ابھی تو اسے بہت کچھ سہنا تھا۔

"تمہیں شرم نہیں آتی؟ میں نے تمہیں ہمیشہ اپنی بہن سمجھا اور تم اس پاکیزہ رشتے کی دھجیاں اڑا رہی ہو۔"وہ کبھی بھی خواب میں بھی اس بات کا تصور نہیں کر سکتا تھا۔

"مان! مگر میں نے آپ کو کبھی بھی اپنا بھائی نہیں سمجھا۔"وہ اب اٹھ کر اس کے سامنے کھڑی ہو گئی تھی۔

"میں نے تو تب سے آپ سے محبت کی ہے جب مجھے دنیا میں کسی اور چیز کا ہوش نہیں تھا۔" اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ ایک پتھر سے اپنا سر پھوڑ رہی تھی اور اکثر پتھروں سے کبھی بھی چشمے نہیں پھوٹتے۔

"شٹ اپ! جسٹ شٹ اپ! اپنی زبان بند رکھو۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اس قدر بے شرم ہو گی کہ ایک نا محرم کے کمرے میں رات کے وقت اپنے پاگل پن کا مظاہرہ کرو گی۔" اس کے تلخ لہجے میں کہے جانے والے زہریلے الفاظ نے اسرا کے دل کو چیر کر دکھ دیا۔ وہ بے یقینی سے اسے تکتی رہی۔ وہ تو اپنی محبت کا اقرار کر رہی تھی اور ارمان اسے ہی بد کردار کہہ رہا تھا۔ دل سے خون رسنا شروع ہو چکا تھا۔ مگر وہ اپنی محبت کی توہین برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

"بس مسٹر ارمان احمد! میں آپ سے محبت کرتی ہوں تو اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ آپ میرے جذبات کی توہین کریں گے۔" اس نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"توہین؟ توہین تو وہ ہے جو تم نے کی ہے۔ تم نے ایک پاکیزہ رشتے پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی ہے۔" اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اسے چھت سے نیچے پھینک دیتا۔

"جی! آپ میرے جذبات کی توہین کر رہے ہیں۔مگر ایک بات سن لیجیے آج کے بعد اسرا یاسر آپ کے پیچھے نہیں آئے گی۔آج کے بعد اسرا یاسر آپ سے اپنے جذبات کی توہین نہیں کروائے گی۔مار دیا آپ نے اسرا یاسر کے دل کو۔مگر یہ دل آپ سے محبت کرنا کبھی نہیں چھوڑے گا۔" اس نے دل پر پتھر رکھ کر کہا۔وہ جانتی تھی کہ اس کا دل اس سے ہزار بار بغاوت کرے گا۔مگر وہ اب اپنے سچے جذبات کو بے مول نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔

"اور آج کے بعد ارمان احمد، اسرا یاسر کی شکل بھی دیکھنا پسند نہیں کرے گا۔تم میرے لیے آج سے اجنبی ہو۔"اس کی بات پر اسرا نے ضبط سے اپنی آنکھیں بند کیں۔مگر اسے رونا نہیں تھا۔

"اجنبی ہونے سے پہلے میری طرف سے ایک دعا قبول کریں۔میری دعا ہے کہ خدا کرے آپ کو کسی سے محبت ہو۔۔"اس کے لبوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں آنسو تھے۔

"بد دعا دے رہی ہو؟ " ارمان اس کی بات کاٹتا ہوا استہزائیہ انداز میں ہنسا۔

"مسٹر ارمان احمد! دعا تو مکمل سن لیجیے۔خدا کرے آپ کو کسی سے محبت ہو۔۔"اس نے ایک لمحے کا توقف کیا۔ارمان اس کے بولنے کا انتظار کر رہا تھا۔

"اور وہ آپ کو مل جائے۔"اب اس کی نگاہیں آسمان کی جانب تھیں۔اس کی بات پر ارمان کو حیرت کا جھٹکا لگا۔اسے لگا تھا کہ وہ اسے کوئی بد دعا دے گی۔مگر اسرا نے دعا دے کر اس کو یہ دیکھایا کہ وہ صبر کے کس مقام تک جا سکتی تھی۔

"عشق کی دعا کیوں نہیں دی؟" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا اس کی بات پر اسرا نے ایک کھوکھلا قہقہہ لگایا۔

"کیونکہ اگر آپ عشق کریں گے تو آپ خود کو تباہ کرلیں گے۔خود کو فنا کر لیں گے۔اور اسرا یاسر خود کو تباہ و برباد دیکھ سکتی ہے۔مگر آپ کو نہیں۔" وہ ابھی تک حیرت زدہ تھا کہ کوئی لڑکی اپنی محبت کو کسی اور سے محبت کرنے کی دعا کیسے دے سکتی تھی۔

"اپنی ان فضول باتوں کے ساتھ یہاں سے دفع ہو جاؤ۔" اب اسے اسرا کی باتوں سے الجھن ہو رہی تھی۔

"مسٹر ارمان احمد! دعا کیجیے گا کہ میرا صبر اپنی انتہا تک نہ پہنچے ورنہ جو ہو گا وہ میں بھی نہیں جانتی۔" وہ ابھی یہ کہہ کر جانے والی تھی کہ ارمان نے اسے بازو سے پکڑ کر روکا۔ اس کی گرفت انتہائی سخت تھی۔

"دھمکی دے کر جا رہی ہو؟" اسرا کو اس کا لہجہ آگ اگلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ابھی اسرا کچھ بولتی کہ زور دار آواز کے ساتھ دروازہ کھلا اور بابا جان اور ماں جی اندر داخل ہوئے۔ان کو دیکھ کر ارمان نے اسرا کا بازو چھوڑ دیا۔

باباجان غصہ سے ارمان کی جانب بڑھےاور ان کاہاتھ اس پر اٹھ گیا۔ارمان اپنے چہرے پر ہاتھ رکھے بےیقینی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔جنہوں نے آج سے پہلے کبھی بھی اس پر ہاتھ نہیں اٹھایا تھا۔

"میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ تم اس قدر گری ہوئی حرکت کرو گے۔" اسرا سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ وہ کس حرکت کی بات کر رہے تھے؟

”نہیں۔۔۔بابا جان! میں نے کچھ نہیں کیا۔آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔“ارمان انہیں بتانا چاہتا تھا کہ اسرا خود اس کے کمرے میں آئی تھی۔مگر بابا جان نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اپنا ہاتھ اٹھایا۔یہ خاموش رہنے کا اشارہ تھا۔

”مجھے کچھ نہیں سننا۔میں جو دیکھ چکا ہوں وہ کافی ہے۔اب تم میرا فیصلہ سنو گے۔“ان کی آواز پورے کمرے میں گونج رہی تھی۔

”تم کل ہی کراچی کے لیے روانہ ہو جاؤ گے۔اور اس وقت تک واپس نہیں آؤ گے۔جب تک اپنے پیروں پر کھڑے نہیں ہو جاتے۔“وہ اپنا فیصلہ سنا چکے تھے کہ اسرا ان کے سامنے آئی۔

”بابا جان! ارمان نے کچھ نہیں کیا۔میں خود یہاں آئی تھی۔“وہ نہیں چاہتی تھی کہ ارمان کو کوئی بھی سزا ملے۔بابا جان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

”بیٹا! آپ اپنے گھر جاؤ۔“ارمان اسے غصہ سے گھور رہا تھا۔

”مگر بابا جان!۔۔“ابھی وہ کچھ بولتی کہ ماں جی نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اسرا بیٹا! آپ اپنے گھر جائیں۔" ان کے لہجے میں سختی تھی۔ اسرا ان کے سخت لہجے کو محسوس کرتی سر ہلا کر وہاں سے چلی گئی۔ اس کے قدموں میں لڑکھڑاہٹ تھی۔

"بابا جان! ایک دفعہ میری بات تو سنیں۔ آپ اس لڑکی کی وجہ سے اپنے بیٹے کو گھر سے نکال رہے ہیں۔" اس کے دل میں اسرا کے لیے بدگمانی پیدا ہو چکی تھیں۔ اور بدگمانیاں تو اس زہر کی طرح ہوتی ہیں جو آہستہ آہستہ وجود کو کھوکھلا کر دیتا ہے۔

"ہمیں اس بات سے فرق نہیں پڑتا کہ تم سچ بول رہے ہو یا جھوٹ۔ تم کل کراچی جاؤ گے اور یہ ہمارا آخری فیصلہ ہے۔ ہم تم سے رابطے میں رہیں گے۔" وہ بات مکمل کر کے بنا اس کی طرف دیکھے باہر جا چکے تھے۔ ماں جی نے تاسف سے اپنے بیٹے کی جانب دیکھا اور وہ بھی کمرے سے باہر نکل گئیں۔

ارمان نے ان کے جانے کے بعد اپنے سر کو پکڑا اور بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"میں ارمان احمد! اپنے آپ سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اب میری زندگی میں اسرا یاسر کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ اور کل کے بعد میں اس گھر میں اس وقت قدم رکھوں گا جب اپنے پیروں پر کھڑا ہو جاؤں گا۔" اس نے اپنے آپ سے عہد کیا تھا۔

جو نفس خارِ گلو بنا،جو اٹھے تو ہاتھ لہو ہوئے

وہ نشاطِ آہِ سحر گئی وہ وقارِ دستِ دعا گیا

جو طلب پہ عہدِ وفا کیا تو وہ آبروئے وفا گئی

سرِ عام جب ہوئے مدعی تو ثوابِ صدق و صفا گیا

ابھی بادبان کو تہ رکھو ابھی مضطرب ہے رخِ ہوا

کسی راستے میں ہے منتظر وہ سکوں جو آ کے چلا گیا

ان کچھ لمحوں میں ان دونوں کی نگاہوں کے سامنے پچھلے پانچ سال گھوم گئے۔سنہری آنکھیں کچھ پلوں کے لئے مبہوت ہوئیں۔مگر پھر بے تاثر ہو گئیں۔جبکہ بھوری آنکھیں سن گلاسز کے پیچھے چھپی ہوئی تھیں۔اسرا سر جھٹک کر محب کی جانب متوجہ ہوئی۔

"مسٹر محب ! آپ کو میری بات کی سمجھ آ گئی نا؟" اس کا دل اتنی زور سے دھڑک رہا تھا کہ اسے اپنی دھڑکن کی آواز کانوں میں سنائی دے رہی تھی۔اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ ارمان اب اس کے سامنے آئے گا۔

جب ارمان نے اسے سر جھٹکتے ہوئے دیکھا تو وہ تیزی سے اس تک پہنچا اور بازو سے پکڑ کر اسے کھڑا کر دیا۔محب نہیں جانتا تھا کہ وہ کون ہے جو ڈاکٹر اسرا کے ساتھ ایسا سلوک کر رہا تھا۔

"آہ۔۔"اس کی پکڑ اس قدر سخت تھی کہ اسرا کے منہ سے سسکی نکلی۔جسے سن کر محب آگے بڑھا اور ارمان کو پیچھے دھکیلا۔جس سے اسرا کا بازو اس کی گرفت سے آزاد ہو گیا۔اسرا کا چہرہ بالکل بے تاثر تھا۔

محب کی اس حرکت پر ارمان نے اپنی سن گلاسسز آنکھوں سے اتاریں اور اپنی پاکٹ میں ڈال لیں۔اب وہ غصہ سے محب کی جانب دیکھنے لگا۔جبکہ محب بھی اسے غصہ سے گھور رہا تھا۔

"تم جو کوئی بھی ہو اس کے اور میرے بیچ میں مت آؤ۔"ارمان کو پہلے ہی بہت غصہ آیا ہوا تھا۔وہ اپنا غصہ اس لڑکے پر نہیں اتارنا چاہتا تھا۔

"میں جو بھی ہوں اس سے آپ کا کوئی لینا دینا نہیں ہے۔آپ بس میری ڈاکٹر کو ایسے ٹریٹ نہیں کر سکتے۔"

ارمان اس کی بات پر استہزائیہ ہنسا۔ایک اور حمایتی!!

"مسٹر محب ! آپ جا سکتے ہیں۔"وہ اپنی پرسنل لائف کو اس کے سامنے ڈسکس نہیں کرنا چاہتی تھی۔اس کا لہجہ انتہائی سرد تھا۔

"سوری ڈاکٹر! میں اس وقت یہاں سے کہیں نہیں جا رہا۔"وہ اسرا کو اس پولیس والے کے حوالے کر کے نہیں جا سکتا تھا۔اگر وہ اسے اکیلا چھوڑ کر چلا جاتا تو پھر اپنے دل کو کیسے مطمئن کرتا؟ ارمان اپنا کان کھجاتے ہوئے بیزاریت سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔

"آئی سیڈ گو مسٹر۔۔۔"ابھی وہ اپنی بات مکمل بھی نہیں کر پائی تھی کہ ارمان نے اپنے گن اس پر تان لی۔اسرا نے کسی سے بھی توقعات کو وابستہ کرنا چھوڑ دیا تھا۔اس لیے اسے اب کسی بھی بات پر حیرت نہیں ہوتی تھی۔

"بند کرو اپنا ڈرامہ۔اور تم یہاں سے جاؤ یا نہ جاؤ مجھے فرق نہیں پڑتا۔بس اب مجھے ڈسٹرب مت کرنا۔ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔" اسرا کے چہرے پر ڈر کا نام و نشان تک نہیں تھا۔مگر محب کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید پڑ چکا تھا۔وہ پہلی دفعہ کسی چیز سے ڈرا تھا۔

"آپ گن نیچے کریں۔میں آپ کو ڈسٹرب نہیں کروں گا۔"وہ کچھ سوچتے ہوئے دائیں جانب پڑے صوفہ پر بیٹھ گیا۔تو ارمان نے گن اسرا کے سر سے ہٹا لی۔اب وہ اسرا کو گھور رہا تھا۔

"آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟" اسرا نے پہلے پوچھنا مناسب سمجھا۔محب صوفہ پر بالکل چوکنا بیٹھا ہوا ان کی باتیں سن رہاتھا۔

"مجھے تم سے بات کرے کا کوئی شوق نہیں ہے۔مگر تم تو مجھ سے بات کرنے کے لیے مر رہی ہو گی نا!" ارمان بہت اچھے طریقہ سے اس کے دل کے زخم ہرے کر رہا تھا۔مگر اسرا نے بھی اپنے تاثرات کو قابو کرنا بہت اچھے سے سیکھ لیا تھا۔

"اے۔ایس۔پی ارمان احمد! اگر میں نے مرنا ہی ہوتا تو بہت پہلے کی مر چکی ہوتی۔ مگر اب مجھے لگتا ہے کہ آپ نے میری محبت ٹھکرا کر بہت اچھا کیا۔" ارمان کو لگا تھا کہ وہ روئے گی، چلائے گی۔ مگر وہ تو پرسکون کھڑی تھی۔ اسرا کی بات سن کر محب کے اندر کچھ ٹوٹا تھا۔

"اچھا! تو محبت کا بھوت سر سے اتر گیا۔" وہ اس کے چہرے سے اطمینان چھیننا چاہتا تھا۔

"ہاہاہا! محبت کا بھوت! کاش کوئی بھوت ہی ہوتا جو دم درود سے اتر جاتا۔ مگر خیر۔۔۔کیا آپ کو میری بات نہیں یاد؟ کچھ نہیں ہوتا میں یاد دلا دیتی ہوں۔" وہ ایک لمحے کے لیے رکی۔

"آپ کی محبت ہمیشہ اسرا یاسر کے دل میں رہی گی۔" اس کا قہقہہ پورے کمرے میں پھیل گیا۔ وہ محب کی موجودگی کو فراموش کر گئی تھی۔

"اس محبت کے بدلے تمہارے حصہ میں ہمیشہ خسارہ ہی آئے گا۔" پچھلے پانچ سالوں کا غصہ الفاظ کی صورت باہر نکل رہا تھا۔

"خسارے اور فائدے کی پرواہ کس کو ہے؟ مگر ایک بات سن لیجیے! میرے حصہ میں کوئی خسارہ نہیں آیا۔" وہ اپنی محبت کو کھو کر بھی یہ کہہ رہی تھی کہ اسے کسی چیز کی پرواہ نہیں۔

"میں نے آپ کی ذات کو کھو کر وہ ذات پائی ہے جسے پانے کے لیے لوگ در در کی ٹھوکریں کھاتے ہیں۔"اس کی بات پر محب مسکرایا۔جبکہ ارمان اسکی بات کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"آپ جاننا چاہتے ہیں نا کہ میں اس قدر اطمینان میں کیوں ہوں؟ تو سنیے مجھے نا ہی اب آپ کی محبت کی چاہت ہے اور نا ہی کسی اور چیز کی چاہت ہے۔کیونکہ اللہ نے میرے دل کو ہر خواہش سے آزاد کر دیا ہے اور جن کے دل ہر خواہش سے آزاد ہوں انہیں کسی کی محبت یا نفرت سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔مجھے اللہ کی ذات ملی ہے تو میرے لیے کوئی خسارہ معنیٰ نہیں رکھتا۔

اللہ قران میں فرماتا ہے

اللہ ان لوگوں کا ساتھ دیتا ہے جو ایمان

لائے اور انہیں اندھیرے سے روشنی میں

نکالتا ہے۔"

محب بہت غور سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔

"شکریہ آپکا۔آپ کی وجہ سے میں اندھیروں سے نکل کر روشنی میں آ گئی۔اب میرے دل میں آپ کو حاصل کرنے کی کوئی تمنا نہیں ہے۔کیونکہ اللہ جن کے دلوں میں اپنی محبت ڈالتا ہے انہیں دنیا کی محبتوں سے غافل کر دیتا ہے۔"

محب کے دل میں اسکے لیے احترام اور بڑھ گیا تھا۔اور ارمان کو لگا کہ اسکے منہ پر کسی نے کھینچ کے طمانچہ مارا ہو۔ایک طمانچہ پانچ سال پہلے بابا جان نے مارا تھا اور ایک طمانچہ آج اسرا کے الفاظ نے مارا تھا اور بے شک اِس طمانچے کی تکلیف زیادہ تھی۔ارمان کے پاس اسرا کی ان باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔مگر وہ اپنے پانچ سال اتنی آسانی سے نہیں بھول سکتا تھا۔

"چلو تم سے میری جان تو چھوٹی۔"اس سے اسرا کا سکون ہضم نہیں ہو رہا تھا۔

"اے۔ایس۔پی ارمان احمد! آپ ایک بات بھول رہے ہیں کہ اسرا یاسر اپنی زبان کی پکی ہے۔میں نے پانچ سالوں میں ایک دفعہ بھی آپ سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی اور نہ ہی پھر کبھی کروں گی۔ابھی بھی آپ خود ہی میرے پاس آئے ہیں۔"ارمان تو بھول ہی گیا تھا کہ وہ اس سے کوئی سوال پوچھنے آیا تھا۔اور محب کو اپنے ہی دل کی کیفیت سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

"ہاسپٹل میں ڈاکٹر حمنہ سے ملنے والی آخری انسان تم تھی؟" اسرا کو سمجھ نہیں آیا کہ وہ اس سے یہ بات پوچھ رہا تھا یا بتا رہا تھا۔ڈاکٹر حمنہ کا نام سن کر محب کے کان کھڑے ہو گئے۔اور اس کے وجود میں ایک بے چینی سی بھرنے لگی۔

"جی! میں ملی تھی۔"اسرا نے سر ہلایا۔

"کیوں؟" اس سوال پر اسرا نے محب کی جانب دیکھا۔جس پر محب نے اپنی آنکھیں چرا لیں۔

"وہ میرے ایک پیشنٹ کی مدر کی فرینڈ تھیں۔انہوں نے اسکا کیس ڈسکس کرنے کے لیے بلایا تھا۔" اسرا نے دانستہ طور پر محب کا نام نہیں لیا تھا۔

"کون سا پیشنٹ؟" اس کے سوال پر اسرا نے سر جھٹکا۔

"اے۔ایس۔پی ارمان احمد! میں آپ کو اپنے پیشنٹ کی پرسنل انفارمیشن نہیں دے سکتی۔یہ میرے رولز کے خلاف ہے۔"اسے معلوم تھا کہ اب ارمان اس پر غصہ کرے گا۔

"تمہارے رولز مائی فٹ!اگر میں اپنے رولز فالو کروانے پر آیا تو اگلی دفعہ تم پولیس اسٹیشن ہو گی۔"ارمان نے اسے ڈرانا چاہا مگر اسرا ان دھمکیوں سے ڈرنے والی نہیں تھی۔ارمان کی بات پر محب نے تھوک نگلا۔اور صوفہ سے اٹھ کر ارمان کے سامنے آگیا۔

"وہ میری مام کی فرینڈ تھیں۔" اس کی بات سن کر ارمان نے اپنے ابرو اچکائے۔

"تو میں اتنی دیر سے فارسی بول رہا تھا! یا تم سوئے ہوئے تھے ؟" وہ اتنی دیر سے پوچھ رہا تھا اور یہ نواب بیٹھا تماشہ دیکھ رہا تھا۔

"آپ تمیز کے دائرے میں رہ کر بات کریں۔"اس سے پہلے ان میں کوئی جھگڑا ہوتا اسرا ان دونوں کے درمیان میں آگئی۔

"تم سائیڈ پر ہو جاؤ اور پہلے مجھے اس سے نبٹنے دو۔" اسرا اس کی بات کو سنتی سائیڈ پر ہو گئی تھی۔ محب کو آج وہ کمرہ اس پولیس والے کی وجہ سے جیل لگ رہا تھا۔

"شکل سے تو تم اچھے بھلے لگتے ہو۔وہ تمہارے کیس کو کیوں ڈسکس کرنا چاہتی تھیں؟"ارمان اپنا سارا غصہ محب پر اتار رہا تھا۔اور محب صرف اور صرف ڈاکٹر اسرا کی وجہ سے خاموش کھڑا تھا۔اگر وہ

انسان اسرا کی محبت نہ ہوتا تو وہ اس کو ایسا مزہ چکھاتا جو اسے ہمیشہ یاد رہتا۔مگر خیر ! انتقام لینا تو اسے بہت اچھے سے آتا تھا۔

"میری مام کے مطابق میں پاگل ہوں اور ڈاکٹر حمنہ میری ڈاکٹر رہ چکی تھیں۔"اس وجہ سے وہ ڈاکٹر اسرا سے کچھ ڈسکس کرنا چاہتی تھیں۔اس کی آنکھیں یکدم لال ہو گئیں۔وہ جس وحشت کو اپنے اندر چھپانا چاہتا تھا۔وہ پولیس والا اسے باہر لانے پر مجبور کر رہا تھا۔

"اگر وہ تمہارا علاج کر رہی تھیں تو پھر اس لڑکی کے پاس آنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ تو خود ایک نفسیاتی مریضہ ہے۔" اس کی بات پر پہلے محب نے شرمندہ نظروں سے اسرا کی جانب دیکھا اور پھر ارمان کے چہرے پر مکا جڑ دیا۔اس کا وار اس قدر زور آور تھا کہ ارمان پیچھے کی جانب گر گیا۔

اسرا محب کا یہ روپ دیکھ کر بوکھلا گئی۔محب کا ہاتھ دوبارہ ارمان پر اٹھتا کہ درمیان میں اسرا آ گئی۔محب کا ہاتھ ویسے ہی ہوا میں حائل ہو گیا۔وہ نم آنکھوں سے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔اس نے اپنے ہاتھ کو پیچھے کر کے سر کو جھٹکا۔

اگر آج ڈاکٹر اسرا اس کے اور اس پولیس والے کے درمیان میں نہ آتی تو وہ اس کو چھوڑتا نہیں ۔اب تک ارمان بھی سنبھل چکا تھا۔وہ بھی محب کو مارنے کے لیے لپکا مگر بیچ میں اسرا حائل تھی۔

”آئی ایم سوری۔اے۔ایس۔پی ارمان احمد ! میں آپ سے اپنے پیشنٹ کی طرف سے معافی مانگتی ہوں ۔“ ارمان کے چہرے پر پتھریلے تاثرات چھائے ہوئے تھے۔جبکہ ہونٹ کے پاس زخم بن گیا تھا۔

”اگر یہ مجھ سے خود معافی مانگے گا تو شائد میں اسے معاف کر دوں۔“پتھریلے تاثرات اب طنزیہ مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔اسے معلوم تھا کہ وہ لڑکا اس سے کبھی معافی نہیں مانگے گا۔

اسرا نے محب کی جانب ایک نظر ڈالی۔اور اسی ایک نظر نے محب کے غصہ کو جھاگ کی طرح بٹھا دیا۔وہ اس ایک نظر کو کیسے جھٹلا سکتا تھا۔

”ڈاکٹر!آپ کو مجھ سے ریکوسٹ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔اگر میرے معافی مانگنے سے اس انسان کی انا کو تسکین ملے گی تو میں معافی مانگنے کے لیے تیار ہوں۔“وہ اس سے یہ نہ کہہ سکا کہ اس کی ایک نظر کے بدلہ میں محب رضا حسین کی جان بھی حاضر ہے۔یہ تو صرف ایک معافی تھی۔

”آئی ایم سوری! “اس نے ایک ہی دفعہ اونچی آواز میں کہا تو اسرا نے اس کی جانب تشکر سے دیکھا۔محب اس انسان سے تو کیا کسی سے بھی معافی نہ مانگتا۔معافی مانگنا اس کی فطرت میں ہی شامل نہیں تھا مگر وہ اسرا کو شرمندہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

”چلو تم پر احسان کر کے تمہیں معاف کر دیتا ہوں۔اب اچھے بچوں کی طرح بتاؤ کہ تم نے ڈاکٹر حمنہ سے علاج کیوں نہیں کروایا؟“ اس نے اپنے ہونٹ سے خون صاف کرتے ہوئے کہا۔اس زخم کو دیکھ کر محب کو بہت خوشی مل رہی تھی۔

”کیونکہ ان کے پاس میرے سوالوں کے جواب نہیں تھے۔“اب وہ دونوں ایک دوسرے سے مخاطب تھے۔اس کی بات پر ارمان کا قہقہہ کمرے میں گونج اٹھا۔

ان کے جیسی اتنی تجربہ کار سائیکالوجسٹ کے پاس تمہارے سوالوں کے جواب نہیں تھے تو کیا اس لڑکی کے پاس تمہارے سوالوں کے جواب ہیں؟“ محب مٹھیاں بھینچے اپنے غصہ کو قابو کر رہا تھا۔

"جی بالکل !مجھے پورا یقین ہے کہ ان کے پاس میرے سارے سوالوں کے جواب ہیں۔" اسرا نے محب کی بات پر اس کی جانب دیکھا۔جو اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔اسرا کے دیکھنے پر وہ دوبارہ ارمان کی جانب دیکھنے لگا۔

"کیونکہ ڈاکٹر حمنہ شائد اس راہ کی مسافر نہیں تھیں جس کی مجھے تلاش تھی اور جن لوگوں کو خود راستے کا معلوم نہ ہو وہ دوسروں کی رہنمائی نہیں کر سکتے۔"اب اس کا لہجہ کچھ جتاتا ہوا تھا۔ارمان اس کی باتیں سن کر الجھ کر رہ گیا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب کو چھوڑیئے اے۔ایس۔پی صاحب! ہدایت انہیں کو ملتی ہے۔جو اس کے متلاشی ہوتے ہیں۔"ارمان لاجواب ہو گیا۔اسے اپنا آپ کمتر محسوس ہو رہا تھا۔

"آپ کو جو کچھ پوچھنا ہے مجھ سے پوچھیے اور مسٹر محب آپ یہاں سے جائیں۔"محب جانے کی بجائے توڑا پیچھے ہو کر کھڑا ہو گیا۔وہ نہیں چاہتا تھا کہ ارمان اسرا کے ساتھ مزید بد سلوکی کرے۔اسرا نے ایک نظر خفگی سے اس کی جانب دیکھا اور پھر سر جھٹک کر ارمان کی جانب متوجہ ہو گئی۔

"اگر آپ کو کچھ نہیں پوچھنا تو آپ بھی جا سکتے ہیں۔" اب وہ سرد مہری سے کہہ رہی تھی۔اس کا دل اور صرف اللہ جانتا تھا کہ وہ وہاں کس ضبط کے ساتھ کھڑی تھی۔

"لڑکی!جب تک مجھے میرے سوالوں کے جواب نہیں ملیں گے تب تک میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔"ارمان نے کافی حد تک اپنے غصہ پر قابو پا لیا تھا۔

"آپ کوئی سوال پوچھیں گے میں تب ہی کوئی جواب دوں گی۔"ارمان کا چہرہ خفت کے مارے سرخ پڑ گیا۔اسرا کی بات پر محب کے لب مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔یہ ہوئی نا بات ڈاکٹر اسرا!

"تم آج صبح ڈاکٹر حمنہ کے روم میں کیوں گئی تھی؟"؟ اسرا مسکرائی۔مطلب کہ وہ اس پر شک کر رہا تھا۔محب کو اس کی مسکراہٹ میں خود اذیتی نظر آئی۔اسے یہ انسان اندھا لگا جسے سامنے کھڑی اس لڑکی کی تکلیف نظر نہیں آ رہی تھی۔

"کیا آپ نے مجھے ڈاکٹر کے روم میں جاتے ہوئے دیکھا؟" اب اس کے چہرے پر سجا اطمینان دیدنی تھا۔وہ لڑکی پل میں اپنے تاثرات تبدیل کرنے کا ہنر جانتی تھی۔

"ہاں ! میں نے اپنی آنکھوں سے تمہیں ان کے روم میں جاتے ہوئے دیکھا ہے۔" وہ اس کے آنکھوں دیکھے کو جھٹلا رہی تھی۔

"بعض دفعہ آنکھوں دیکھی چیز کی بھی تحقیق کر لینی چاہیے۔ مگر خیر۔۔۔اگر آپ نے مجھے اپنی آنکھوں سے اندر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔تو باہر نکلتے ہوئے بھی دیکھا ہو گا؟" اس کے انداز میں بلا کا اعتماد تھا۔ارمان کا سر خود بخود نفی میں ہل گیا۔

اسرا اسے دیکھتے ہوئے شیشے کی میز کی جانب بڑھی اور اس کے اوپر سے ایک فائل نکال کر ارمان کے چہرے کے آگے لہرائی۔ارمان نے نا سمجھی سے اس فائل کی جانب دیکھا اور اپنے ابرو اچکائے۔

"یہ مسٹر محب کی فائل ہے جو میں ڈاکٹر حمنہ کے پاس بھول آئی تھی۔"اس نے فائل کھول کر اسے دیکھائی۔ارمان نے واقعی پوری ریکارڈنگ نہیں دیکھی تھی۔

"اگر تم جھوٹ بول رہی ہوئی تو؟" اس کی بات پر محب نے پہلی دفعہ اسرا کی پیشانی پر دو چھوٹے چھوٹے بل دیکھے۔جو کہ کچھ ہی پلوں میں غائب ہو گئے۔

”اگر آپ جاننا چاہتے ہیں کہ میں سچ بول رہی ہوں یا جھوٹ تو آپ سکیورٹی روم میں جا کر ریکارڈنگ دیکھ سکتے ہیں۔اور اگر میرے ہاتھ میں یہ فائل نہ ہوئی تو مجھے اریسٹ کر لیجیے گا۔“اس کا لہجہ برف کی طرح سرد تھا۔

وہ انسان اس کے ضبط کا امتحان لے رہا تھا۔مگر اب اس کے ضبط کو کوئی چیز نہیں ہرا سکتی تھی۔وہ فنا ہونے کو تیار تھی اور جو چیز فنا ہونے کو تیار ہو۔وہ اپنی پہچان کھو کر فنا کے دائرے میں گھومنے لگتی ہے۔مگر اسے ارمان سے عشق نہیں کرنا تھا۔اسے تو اللہ کے عشق کا سفر طے کرنا تھا۔

”اگر تم دونوں کا اس قتل سے اتنا سا بھی تعلق ہوا تو تم لوگ مجھ سے بچ نہیں سکو گے۔“اس نے اپنے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کو جوڑتے ہوئے کہا۔اس کی بات سن کر محب کا دل کیا کہ وہ قہقہے لگائے۔جبکہ اسرا ویسے ہی بے تاثر کھڑی تھی۔

”جی بالکل۔اگر ہم دونوں کا اس قتل سے اتنا سا بھی تعلق ہوا تو آپ ہمیں نہ چھوڑیے گا۔“محب نے اس کی نقل اتارتے ہوئے کہا۔ارمان نے پاکٹ سے سن گلاسز نکالیں اور آنکھوں پر لگاتا باہر نکل گیا۔

اس کے نکلنے کی دیر تھی کہ پورے کمرے میں محب کے قہقہوں کی آواز گونج اٹھی۔اسرا نے ایک سنجیدہ نظر محب پر ڈالی تو وہ یکدم خاموش ہو گیا۔اب اسرا اپنی راکنگ چئیر پر بیٹھی سرد تاثرات سے محب کو دیکھ کم گھور زیادہ رہی تھی۔

”آئی ایم سوری ڈاکٹر! مجھے آپ کی بات ماننی چاہیے تھی مگر۔۔۔“محب نے اس کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔وہ بول ہی رہا تھا کہ اسرا نے اس کی بات کاٹ دی۔

”مگر کیا مسٹر محب؟ میں آپ کو کہہ رہی تھی کہ چلے جائیں تو آپ کیوں نہیں گئے؟ “ وہ اپنے دونوں ہاتھ ایک دوسرے میں پھنسائے سرد لہجے میں بولی۔

”میں آپ کو اس وحشی انسان کے پاس چھوڑ کر چلا جاتا۔جس نے زرا سی بات پر آپ کے سر پر بندوق تان لی تھی۔“اس نے خفگی سے اپنا سر جھٹکا۔

”مسٹر محب !اگر کچھ ہوتا تو مجھے ہوتا۔آپ کو اس چیز سے کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے۔“اب وہ اسے کیا بتاتا اسے خود کو ہی معلوم نہیں تھا۔کہ جب ارمان نے اس پر گن تانی تھی تو اس کے دل میں یہ

احساس کیوں اتنی شدت سے پیدا ہوا کہ اگر اس لڑکی کو کچھ ہوا تو وہ کسی اپنے کو کھو دے گا۔وہ محب جو کسی سے نہیں ڈرتا تھا۔وہ اس لڑکی کی نظروں سے ڈر رہا تھا۔

”ڈاکٹر اسرا! آپ میری ڈاکٹر ہیں اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو میرا علاج کون کرے گا؟“ اس کے دل کو معلوم تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا۔

”مسٹر محب! اس شہر میں بہت سے سائیکا لوجسٹ ہیں۔ان میں کسی کے پاس تو آپ کے سوالوں کے جواب موجود ہوں گے۔“محب کو آج معلوم ہو گیا تھا کہ وہ بہت تلخ باتیں کیا کرتی تھی۔

”مگر وہ ڈاکٹر اسرا یاسر نہیں ہو سکتا۔“محب نے بااعتماد لہجے میں کہا۔

”مسٹر محب! آپ اپنے قدم روک لیں۔میری طرف سے آپ کو کچھ نہیں ملے گا۔“اسرا کو اس کی نگاہوں کا مفہوم بہت اچھے سے سمجھ آ رہا تھا۔اس کی بات سن کر محب مسکرایا۔وہ جس بات کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔اسرا نے ایک ہی پل میں اس کی الجھن دور کر دی تھی۔

”آپ نے ابھی کچھ دیر پہلے کہا کہ آپ کو اس انسان کی تمنا نہیں ہے۔آپ اسے پانا نہیں چاہتیں۔“اس کی بات سن کر اسرا طنزیہ انداز میں مسکرائی۔

”کیا آپ نے یہ نہیں سنا کہ اس کی محبت آج بھی میرے دل میں زندہ ہے؟“اب کی بار محب کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔

”جس کی تمنا نہ ہو وہ محبت نہیں ہوا کرتی۔“اس کی بات پر اسرا کا دل ڈھڑکا۔وہ اس کی محبت پر شک کر رہا تھا؟؟

”مسٹر محب!آپ میری زندگی سے واقف نہیں ہیں۔اس لیے اپنی طرف سے تخمینے لگانے بند کریں اور میری پرسنل لائف سے دور رہیں۔“اگر اسے سمجھ نہیں آرہی تھی تو وہ اسے سمجھانا بھی نہیں چاہتی تھی۔

”آئیندہ اگر آپ نے میری پرسنل لائف کے بارے میں بات کی تو پہلے آپ اپنے علاج کے لیے کسی اور سائیکالوجسٹ کا انتظام کر لیجیے گا۔کیونکہ آپ کو کوئی دوسری اسرا یاسر نہیں ملے گی۔“اس کا لہجہ خودبخود سرد ہو گیا۔

”مگر آپ اس سے۔۔۔“اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے اسرا میز پر ہاتھ رکھتی کھڑی ہو گئی۔

”مسٹر محب !آپ جا سکتے ہیں اور امید ہے آپ کو میری بات یاد رہے گی۔“اب اس کا لہجہ اکھڑا اکھڑا تھا۔اس کی بات پر محب بنا برا منائے کھڑا ہو گیا۔

”مجھے بھی امید ہے کہ آپ میری بات پر غور ضرور کریں گی۔“اس نے یہ کہنا ضروری سمجھا۔

”آئی سیڈ گو۔“اس نے بہت مشکل سے اپنے آپ کو چینخنے سے روکا۔اب وہ اس سے رخ پھیرے کھڑی تھی۔وہ اپنے آپ کو کسی کے سامنے کمزور ثابت نہیں کرنا چاہتی تھی۔

محب دروازے پر پہنچ کر یکدم مڑا۔اسرا ویسے ہی رخ موڑے کھڑی تھی۔

”ویسے اے۔ایس۔پی کو مار کر بہت مزہ آیا۔“وہ یہ کہتا ہوا باہر نکل گیا۔اس کے جاتے ہی اسرا دروازے کی سمت بڑھی۔اس نے دروازے کو زوردار آواز کے ساتھ بند کیا اور لاک لگا دیا۔اب وہ دروازے کے ساتھ بیٹھتی چلی گئی۔

آنسو پلکوں کی حدود کو پار کر گئے۔سسکیاں حلق سے نکلنے کو بے تاب تھیں۔ایک دفعہ پھر اس کی محبت کو جھوٹا کہا گیا۔بھلا وہ محبت بھی کبھی جھوٹی ہو سکتی ہے جو آپ کو رب سے ملا دے۔رونے کی

وجہ سے اس کی ہچکی بندھ گئی۔سانس سینے میں ہی اٹک گئی۔اس نے لمبی سانس بھر کر اپنے آپ کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔یکدم اسے کبھی پڑھی ہوئی حدیث یاد آئی

”آنکھ نم ہے اور دل غمگین ہے مگر ہم اپنے لب سے

وہی نکالیں گے جس پر ہمارا رب راضی ہو گا۔“

”الحمد اللہ! اے میرے رب! مجھے معاف فرما دے۔میں ہر حال میں تجھ سے راضی ہوں۔“ اس کے آنسو خودبخود تھم گئے۔وہ اپنے چہرے کو صاف کرتی زمین سے اٹھ گئی۔

قرضِ نگاہِ یار ادا کر چکے ہم

سب کچھ نثارِ راہِ وفا کر چکے ہم

اب احتیاط کی کوئی صورت نہیں رہی

قاتل سے رسم و راہ سوا کر چکے ہیں ہم

ان کی نظر میں، کیا کریں، پھیکا ہے اب بھی رنگ

جتنا لہو تھا صرفِ قبا کر چکے ہیں ہم

وہ کچھ دیر بعد راکنگ چیئر پر بالکل نارمل بیٹھی تھی۔وہ ایک پیشنٹ کا ویٹ کر رہی تھی۔وہ انیس سالہ لڑکی اس کی دوست کی بہن تھی۔اس کی دوست اپنی بہن کی وجہ سے بہت پریشان تھی۔کچھ دیر بعد دروازے سے ایک لڑکی اندر آتی نظر آئی۔وہ دیکھنے میں بہت معصوم لگ رہی تھی۔وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی اسرا کے سامنے جا بیٹھی۔اس کی بہن اسے باہر ہی دروازے پر چھوڑ گئی تھی۔وہ سادہ شلوار قمیص میں ملبوس تھی۔کالی آنکھوں میں ڈر صاف طور پر دیکھائی دے رہا تھا۔

"ہیلو ڈاکٹر ! " اسرا سنجیدہ نظروں سے اسکی جانب دیکھ رہی تھی۔

"ہیلو! تو آپ کنزیٰ کی سسٹر ہیں؟ وہ خود کیوں نہیں آئی؟" اسرا نے اس سے فائل پکڑتے ہوئے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اس کا کسی ڈاکٹر کے پاس اپائمنٹ تھا۔"وہ سہمی سہمی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔

"آپ ریلیکس ہوجائیں۔میں کنزیٰ کی فرینڈ ہوں۔آپ مجھ سے کچھ بھی شئیر کر سکتی ہیں۔"اس نے اسے ریلیکس ہونے کو کہا۔وہ بہت بے چین بیٹھی تھی۔

"تھینک یو ڈاکٹر!"اب اس کا ڈر کچھ کم ہو گیا تھا۔

"نو پرابلم۔آپ کا نام کیا ہے؟" اس نے فائل کھولتے ہوئے کہا۔

"فضہ انصاری۔"

"اوکے۔فضہ ! آپ مجھے ڈیٹیل سے سمجھائیں کہ آپ کا کیا مسئلہ ہے؟" اسرا اس کی زبانی سب کچھ سننا چاہتی تھی۔اس کی بات پر فضہ نے کھلے ہوئے دروازے کی جانب دیکھا۔

"آپ گھبرائیں مت۔"اسرا نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔اس کی بات پر فضہ نے سر ہلایا۔

"ڈاکٹر!مجھے اکثر پینک اٹیکس آتے ہیں۔"اس کے ہاتھ کانپنے لگ گئے تھے۔

"کیوں آتے ہیں؟ کوئی تو وجہ ہو گی۔"کسی کو بلا وجہ پینک اٹیکس کیسے آسکتے ہیں؟

"مجھے لوگوں سے خوف آتا ہے۔ایسا لگتا ہے کہ میرے دماغ کی وینز پھٹ جائیں گی۔میرا دل کرتا ہے کہ میں اپنے بال نوچ لوں یا پھر۔۔۔اپ۔۔۔اپنا سر دیوار میں مار لوں۔اینگزائٹی کے دورے پڑنے

لگ جاتے ہیں۔ڈاکٹر! مجھے سمجھ نہیں آتا کہ میں کیا کروں؟ کیسے اپنے آپ کو روکوں؟ “وہ اب اپنے ہاتھوں سے اپنے بال نوچ رہی تھی۔

اسرا بوکھلاتے ہوئے اٹھی اور اس کے ہاتھوں کو اس کے سر سے دور کیا۔

”ڈاکٹر ! مجھے مرنا ہے۔پلیز میری مدد کریں۔“اب وہ سر جھکاتی رونے میں مصروف ہوگئی۔اسرا نے تاسف سے اس کی جانب دیکھا۔کتنے ہی نوجوان اس عمر میں مرنا چاہتے تھے۔یہ جانے بنا کہ ان کے بغیر ان کے گھر والوں کا کیا ہو گا ؟ انہیں کی طرح فضہ کو بھی سوسائڈل ٹھاٹس آ رہی تھیں۔

”ریلیکس۔آپ پانی پیئیں۔“اس نے پانی کا گلاس فضہ کے منہ کے ساتھ لگایا۔اس نے دو گھونٹ لے کر گلاس میز پر رکھ دیا۔اسرا اسکے پاس ہی بیٹھ گئی کہ وہ اپنے آپ کو نقصان نہ پہنچا دے۔

”ڈاکٹر! مجھے ڈر ہے کہ میں کہیں ڈدگز لینے شروع نہ کر دوں۔مجھے ٹھیک ہونا ہے۔میری مدد کریں پلیز! “وہ روتے ہوئے بولی تو اسرا کو لگا کہ اس کا ماضی اس کے سامنے کھڑا ہے۔بعض اوقات ماضی اس وقت تک جان نہیں چھوڑتا جب تک حال بھی ماضی نہ بن جائے۔اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی نظر آنے لگی۔

”فضہ! ڈونٹ وری۔ آپ کو کچھ نہیں ہو گا۔ آپ بلکل ٹھیک ہو جائیں گی۔ جب تک انسان کے اندر امید زندہ ہو وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ اور ابھی آپ کے اندر امید زندہ ہے۔“ اسے اپنے الفاظ کو استعمال کرنا بہت اچھے سے آتا تھا۔ فضہ رونا چھوڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

”آپ سچ کہہ رہی ہیں؟ میں ٹھیک ہو جاؤں گی نا؟“ اس نے اپنے بال پیچھے کرتے ہوئے کہا تو اسرا نے اثبات میں سر ہلایا۔

”بس آپ کو میری کچھ باتیں ماننی پڑے گی۔“ اسرا اس کے پاس سے اٹھی اور اپنی چیئر پر جا بیٹھی۔

”سب سے پہلے آپ اپنے ڈر کو فیس کرنا سیکھیں۔“ اسرا اب قدرے سنجیدہ تھی۔ اس کی بات سن کر فضہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔

”ڈاکٹر! میں یہ نہیں کر سکتی۔ بالکل بھی نہیں کر سکتی۔ میں جب بھی ایسی حالت سے گزرتی ہوں تو مجھے لگتا ہے کہ میرا دل باہر نکل آئے گا۔“ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اسرا کو کیسے سمجھائے۔

”آئی کین انڈر سٹینڈ۔ فضہ! میں آپ کی بات سمجھ سکتی ہوں۔ مگر ہم جس چیز کا سامنا کرنے سے جتنا ڈرتے ہیں وہ چیز ہمیں اتنا ہی ہانٹ کرتی ہے۔“ اس نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

”جتنا ہم اس چیز سے اسکے سامنے نہیں ڈرتے اس سے کہی گنا زیادہ اس کو سوچ کر ڈرتے ہیں۔کہ اگر وہ چیز ہمارے سامنے آگئی تو کیا ہوگا؟ مگر وہ ڈر ان تاش کے پتوں کی طرح ہوتا ہے۔جنہیں ہم اپنی ایک پھونک سے ڈھیڑ کر سکتے ہیں۔“اسرا کی باتیں اس کے ذہن میں نقش ہو رہی تھیں۔

”مگر اس ایک پھونک کے لیے طاقت کہاں سے لاؤں؟“

”یہاں سے۔“ اسرا نے اپنے سر کی جانب اشارہ کیا۔

”جب تک ہم ڈر کو یہاں سے نہیں بھگائیں گے ۔وہ ہمیں بھگاتا رہے گا۔“ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

”یہاں سے کیسے بھگاؤں ؟ “ اسے اسرا سے بات کر کے سکون مل رہا تھا۔کچھ لوگ ہوتے ہیں جو آپ کو اجنبی ہو کر بھی کبھی اجنبی نہیں لگتے۔اسرا کا شمار انہیں لوگوں میں ہوتا تھا۔

”یہ جو دماغ ہوتا ہے نا ! یہ ہماری ساری سوچوں کا سینٹر ہوتا ہے۔جب ہم یہاں سے اپنی سوچ کو بدلیں گے تو ہمارے ڈر خود بخود غائب ہو جائیں گے۔انسان اللہ کی سب سے زیادہ پیچیدہ تخلیق

ہے۔اور یہ پیچیدگی اس چھوٹے سے دماغ کی وجہ سے ہے۔" اسرا کی بات سن کر فضہ کے چہرے پر پہلی دفعہ مسکراہٹ آئی۔

"دماغ تو خودغرض ہوتا ہے اور دل رحمدل۔تو انسان کیسے درست فیصلہ کر سکتا ہے؟ "وہ بھول گئی کہ کچھ لوگوں کے دل رحمدل نہیں ہوتے۔ان کے دلوں پر مہر لگی ہوتی ہے۔وہ کبھی تبدیل نہیں ہو سکتے۔

"ہر چیز میں توازن ہونا بہت ضروری ہے۔اگر دو چیزوں کے درمیان توازن برقرار نہ رہے تو وہ دونوں چیزیں تباہی کے دہانے پر پہنچ سکتی ہیں۔"وہ اٹھی اور کھڑکی کے پاس کھڑی ہو گئی۔

" اللہ نے رات اور دن میں توازن رکھا ہے۔بلکہ جس طرح پوری کائنات ہی توازن پر قائم ہے۔اسی طرح انسان کو بھی اپنے جذبات میں توازن بر قرار رکھنا ضروری ہے۔چاہے غصہ ہو۔

(اس کی نگاہوں کے سامنے کچھ دیر پہلے کا منظر آگیا۔)

نفرت ہو۔

(اس کے سامنے اپنا ہی عکس آ گیا۔

"اس سے کہو مجھ سے نفرت کر لے۔کوئی تو تعلق رکھے مجھ سے۔")

محبت ہو۔

(وہ لڑکی سیڑھیاں پھلانگتی کسی کی ایک جھلک دیکھنے کو بے تاب تھی۔)

یا دوستی ہو۔

(دو لڑکیاں جھولے پر بیٹھیں کسی بات پر ہنس رہی تھیں۔)

یہ سارے جذبات اگر ایک حد سے کم ہو جائیں۔تب بھی ہمارے سکون کے لیے خطرے کی گھنٹی بجنا شروع ہو جاتی ہے اور اگر حد سے زیادہ ہو جائیں تو ہمارا دماغ اس متعلق سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے۔" اب فضہ اس کی باتیں نہائیت غور سے سن رہی تھی۔جبکہ اسرا مسکراتے ہوئے بول رہی تھی۔ مگر اس کی آنکھیں، ہاں اس کی آنکھیں کچھ کہہ رہی تھیں۔کچھ بیان کر رہی تھیں۔آنکھوں کی زبان بھی صرف اہلِ نظر کو ہی پڑھنا آتی ہے۔

"مگر اس توازن کا دل اور دماغ سے کیا تعلق ہے؟" فضہ نے الجھ کر پوچھا۔اسے اس کے سوال کا جواب نہیں ملا تھا۔

"بہت گہرا تعلق ہے۔دماغ کے پاس جذبات نہیں ہوتے۔دل کو درد محسوس ہوتا ہے مگر دماغ کو درد محسوس نہیں ہوتا۔اس کے باوجود وہ ہمیں سب کچھ محسوس کرواتا ہے۔"فضہ کو اس کی باتوں کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

جبکہ اسرا نے اس پر اپنی نظریں جماتے بات کو جاری رکھا۔

"خاص طور پر ایک لڑکی کو بہت سوچ سمجھ کر دوسروں کے ساتھ پیش آنا چاہیئے۔دل اور رماغ کے درمیان توازن بنا کر رکھنا چاہیے۔"

"لڑکی کو ہی کیوں؟" اس کی بات پر اسرا مسکرائی۔

"اللہ فرماتا ہے۔

تو کسی اجنبی سے نرم لہجے میں بات مت کرو

تاکہ وہ شخص جس کے دل میں کسی طرح کا روگ ہے کوئی امید نہ پیدا کر لے۔

میں نے خاص طور پر لڑکی کہا ہے۔ایک لڑکی کو سخت لہجے میں بات کرنا آنا چاہیے۔اسے ان لوگوں کا دل توڑنا آنا چاہیے۔جو اسے دکھ دیں۔میں یہاں نامحرم مردوں کی بات کر رہی ہوں۔ایک لڑکی کو یہ

سب آنا چاہئیے تاکہ کسی مرد کے دل میں مرض پیدا نہ ہو۔کوئی خوش فہمیاں نہ پال بیٹھے۔“اس کی بات پر فضہ نے سر ہلایا۔

”تھینک یو ڈاکٹر! آپ سے بات کر کے میرا دل بہت ہلکا ہو گیا۔“وہ یہاں آنے سے پہلے بہت پریشان تھی۔مگر اس کے سارے شکوک و شبہات اس سے بات کر کے ہی دم توڑ گئے۔

”نو پرابلم۔سب سے پہلے آپ اپنے آپ کو تبدیل کریں۔آپ کا ڈر اسی صورت ختم ہو گا۔جب آپ اپنے آپ کو تبدیل کرنے کی کوشش کریں گی۔ڈر ایسے ہی نہیں جاتا اسے بھگانا پڑتا ہے۔“اس کی بات سن کر فضہ نے تھوک نگلا۔وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔کبھی کبھی اپنے آپ میں تبدیلی لانا بہت ضروری ہو جاتاہے۔

”ڈاکٹر! میں کوشش کروں گی۔“

”میرے ساتھ چلیں گی؟“ اسرا کرسی سے اٹھتے ہوئے بولی۔تو فضہ کے ہاتھ کانپنے لگے۔

”ک۔۔کہاں ڈاکٹر؟“ تبدیلی یکدم سے نہیں آتی۔اس کے لیے مستقل مزاجی ضروری ہوتی ہے۔

”بس ہاسپٹل کے کیفے تک۔آپ میری فرینڈ کی سسٹر ہیں۔تو میں بنا کچھ کھلائے پلائے آپ کو بالکل بھی نہیں جانے دوں گی۔“

”تھینک یو ڈاکٹر! کنزیٰ آنے والی ہو گی۔“اس نے ڈرتے ہوئے کہا تو اسرا مسکراتے ہوئے اس کے پاس آئی۔

”ابھی کچھ دیر پہلے کسی نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ خود کو تبدیل کرے گی۔فضہ پہلا قدم اٹھانے میں ہی سب سے زیادہ مشکل پیش آتی ہے۔اگر کسی نے پہلا قدم اٹھا لیا ہے تو امید ہے کہ وہ کبھی نہ کبھی منزل تک ضرور پہنچے گا۔“ اس کی بات سن کر فضہ ہچکچاتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔

”ویری گڈ۔اگر آپ اسی طرح میری باتیں مانتی رہیں تو آپ بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گی۔“اس کی بات پر فضہ ہنس پڑی۔وہ دونوں کمرے سے باہر نکل کر کیفے کی جانب بڑھ رہی تھیں۔

”میں آپ کو آج کا ٹاسک دیتی ہوں۔امید ہے کہ آپ پورا کریں گی۔“وہ راستے میں ایک دوسرے سے باتیں کر رہی تھیں۔اردگرد زیادہ لوگ نہیں تھے مگر پھر بھی فضہ سہمے سہمے انداز میں چل رہی تھی۔اس کی بات پر فضہ نے اپنا سر ہلایا۔

"آپ نماز پڑھتی ہیں؟"

"نو ڈاکٹر! پہلے پڑھا کرتی تھی مگر پھر پینک اٹیکس کی وجہ سے چھوٹ گئی۔" اس کی بات پر اسرا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔کیا نماز چھوٹ جاتی ہے یا ہم چھوڑ دیتے ہیں؟ یا پھر نماز ہمیں چھوڑ دیتی ہے؟؟

"انسان کا کسی دوسرے کے ساتھ تعلق مضبوط ہو یا نا ہو مگر اللہ کے ساتھ لازمی مضبوط ہونا چاہیے اور۔۔۔۔"

"بھاؤ۔" ابھی وہ بول رہی تھی کہ اسے اپنے پاس سے ایک چینخ سنائی دی۔اس کی آنکھیں مسکرائی۔فضہ نے ڈر کر اسرا کا بازو پکڑ لیا۔

اسرا کو اچھے سے معلوم تھا کہ ایسی حرکت کون کر سکتا ہے۔وہ سامنے آیا تو فضہ نے اسرا کے بازو ہر اپنی گرفت مضبوط کر دی۔

"ہیلو بڈی!" اس نے اسرا کے ہاتھ کے مکے سے اپنے مکے کو ٹکرایا۔

"آہ ! نعمان کے بچے! " فضہ حیرت سے اسرا کو دیکھ رہی تھی۔جو اس لڑکے کے آنے پر اسے بھول گئی تھی۔

"کیسی ہیں آپ؟" نعمان ہنستے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"بالکل ٹھیک۔الحمد اللہ! " اس کی بات پر نعمان نے ناک چڑھایا۔

"یار اسرا ! کبھی تو سچ بول لیا کریں۔اور مجھے یہیں کھڑا رکھنے کا ارادہ ہے کیا اور یہ محترمہ کون ہیں؟" اس نے ایک ہی سانس میں کہا۔

"نعمان ! بہت بولتے ہو تم۔یہ میری پیشنٹ ہیں۔اور کیا اسرا اسرا لگا رکھا ہے۔تم سے چار سال بڑی ہوں۔آپی کہا کرو۔" اس نے نعمان کو ڈپٹتے ہوئے کہا۔

"واٹ ایور! " وہ آنکھیں گھماتا ہوا فضہ کی جانب متوجہ ہوا جو اب بالکل اسرا کے پیچھے چھپی چھوٹی بچی لگ رہی تھی۔

"ہیلو پیشینٹ جی! ویسے اسرا ! آپ کی پیشنٹ کا کوئی نام نہیں ہے کیا؟ " فضہ کی کالی آنکھوں میں ڈر ہچکولے کھا رہا تھا۔

”ریلیکس فضہ! یہ کچھ نہیں کرے گا۔“

”بالکل فضہ جی! میں آپ کو کچھ نہیں کروں گا۔میں تو بس خوبصورت لوگوں کا خون چوستا ہوں۔ویمپائر ہوں نا۔“ اس کی بات پر فضہ نے ہراساں نظروں سے اسرا کی جانب دیکھا۔

”نعمان !!!“ وہ غصے سے بولی۔تو اس نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

”فضہ ! یہ مذاق کر رہا ہے۔آؤ اب اندر ہی چلتے ہیں۔“وہ انہیں کمرے میں لے گئی۔

اسے دیکھا سرِ دارورسن ہم نے تو سر دے کر

ہمارے بعد دیکھیں رُوئے جاناں کون دیکھے گا

میری میت کو کاندھا آج اگر وہ دے نہیں سکتے

تو کل جا کر بھلا گورِ غریباں کون دیکھے گا

سکوتِ بام و در، آثارِ وحشت،رنجِ تنہائی

بھری دنیا میں ہم سا خانہ ویراں کون دیکھے گا

وہ اپنی راکنگ چیئر پر بیٹھی تو اس نے دیکھا کہ اس کے سامنے والی کرسی پر نعمان براجمان تھا۔جبکہ فضہ ایک جانب کھڑی ہوئی تھی۔

”فضہ ! آپ پلیز بیٹھ جائیں۔“اسرا کو سمجھ آگئی کہ وہ نعمان کی وجہ سے نہیں بیٹھ رہی تھی۔اس کی بات پر نعمان نے شرارتی نظروں سے فضہ کی جانب دیکھا۔

”میں ویمپائر نہیں ہوں۔آپ بیٹھ سکتی ہیں۔“نعمان نے دیکھا کہ وہ ہولے ہولے کانپ رہی تھی تو اس نے اسرا کو اشارا کیا۔

”آپ ایسا کریں۔میری چیئر پر بیٹھ جائیں۔میں نعمان کے ساتھ بیٹھ جاتی ہوں۔“اسرا نے فضہ کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنی چیئر پر بٹھا دیا۔وہ جھجکتی ہوئی اس کی چیئر پر بیٹھ گئی۔

”نعمان! اگر اب تم نے کوئی شرارت کی تو میں بالکل بھی یہ لحاظ نہیں کروں گی کہ تم اتنے سالوں بعد آئے ہو۔“وہ اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے بولی۔

”یار! اسرا! کیا ہے آپ کو؟ “وہ اسے تنگ کرتے ہوئے بولا۔فضہ بہت انکفرٹیبل فیل کر رہی تھی۔پتا نہیں کنزیٰ کہاں رہ گئی تھی؟

”مجھے کچھ بھی نہیں ہےاور تم چپ کر کے بیٹھو۔ہم بعد میں بات کرتے ہیں۔“وہ دونوں ایک دوسرے کا کمفرٹ زون تھے۔اس کی بات سن کر نعمان نے ہنستے ہوئے منہ پر انگلی رکھتے ہوئے سر کو ہلکا ساخم دیا۔

”فضہ ! یہ میرا کارڈ ہے۔اگر آپ کو کوئی بھی مسئلہ ہو آپ مجھ سے شئیر کر سکتی ہیں۔“اس نے ٹیبل سے ایک کارڈ اٹھا کر فضہ کی جانب بڑھایا۔جسے اس نے کانپتے ہاتھوں سے تھام لیا۔

”کال کیوں کرنی؟ آپ ان کے گھر بھی جا سکتی ہیں۔یہ ہر وقت دوسرے لوگوں کے لیے اویلیبل رہتی ہیں۔بس ان کے پاس اپنے لیے ہی وقت نہیں ہوتا۔“ اس کا لہجہ سنجیدہ تھا۔اس کی بات پر اسرا نے اس کی جانب خفگی سے دیکھا۔

”مانا کہ آپ کی آنکھیں بہت خوبصورت ہیں۔مگر اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ آپ بار بار ان سے مجھے گھائل کرنے کی کوشش کریں گی۔“

”نعمان! تھوڑی سی تو شرم کر لو۔بہن ہوں میں تمہاری۔“فضہ اپنا ڈر چھوڑ کر ان کی لڑائی دیکھنے لگ گئی۔اب اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

”ڈاکٹر اسرا یاسر!اگر آپ استاد ہیں تو میں بھی آپ کا ہی شاگرد ہوں۔بات کو گھمائیں مت۔“وہ سر کو ہلاتا مان بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ابھی وہ کچھ بولتی کہ دروازے سے کنزیٰ اندر آتی دیکھائی دی۔

”السلام علیکم!“ وہ اسرا سے گلے ملتے ہوئے بولی۔

”وعلیکم السلام !کیسی ہو تم؟ آؤ بیٹھو۔“اپنی بہن کو دیکھ کر فضہ کھڑی ہو گئی۔جسے دیکھ کر نعمان نے اپنی مسکراہٹ دبائی۔

”میں ٹھیک ہوں۔اور مجھے ایک ضروری کام ہےاس لیے ابھی نہیں بیٹھ سکتی۔پھر کسی دن آؤں گی تو تفصیل سے بات کریں گے۔“ بولتے بولتے اس کی نظر خاموش بیٹھے ہوئے ایک نوجوان پر پڑی۔اسے پہچاننے میں کنزیٰ کو چند لمحے لگے۔

”اوہ نعمان!تم واپس کب آئے؟ “وہ جب یہاں سے گیا تھا تو بالکل بچہ تھا اور اب ایک بھرپور نوجوان میں تبدیل ہو چکا تھا۔

”میں کچھ دن پہلے آیا تھا۔“وہ اکثر اسرا سے ملنے اس کے گھر آیا کرتی تھی۔اس لیے وہ ایک دوسرے کو جانتے تھے۔

”اوکے۔اسرا ہم چلتے ہیں۔آؤ فضہ!“اس کے کہنے کی دیر تھی کہ فضہ اسرا کے پاس آئی اور اس سے ہاتھ ملایا۔

”اللہ حافظ۔ڈاکٹر! “وہ مسکراتے ہوئے کنزیٰ کے ساتھ باہر نکل گئی۔ان کے جانے کے بعد نعمان اور اسرا کمرے میں اکیلے رہ گئے۔اب نعمان بالکل سنجیدہ تھا۔کچھ دیر پہلے والے شرارتی نعمان کی رمک بھی اس میں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

”اسرا! مجھے سچ سننا ہے کہ آپ کیسی ہیں؟“ اس کی بات پر اسرا نے اپنی مسکراہٹ دبائی۔مطلب وہ اتنی آسانی سے اس بات کا پیچھا نہیں چھوڑنے والا تھا۔

”بتایا تو تھا کہ بالکل ٹھیک ہوں۔الحمداللہ! “اس کی بات پر نعمان جھنجھلایا۔

”اسرا ! کم از کم مجھ سے یہ جھوٹ نہ بولا کریں۔باہر سے سب کو نظر آتا ہے کہ آپ ٹھیک ہیں۔مگر میں اندر سے پوچھ رہا ہوں۔آپ کے دل کا کیا حال ہے؟آپ کی روح کا کیا حال ہے؟ “ اس کے لہجے میں خفگی تھی۔اس کی بات سن کر اسرا نے اپنا سر جھٹکا۔

”اندر کا حال جاننے کی طاقت صرف اللہ کے پاس ہے۔اور وہ سب کچھ جانتا ہے۔“اس کی بات سن کر نعمان اٹھا اور کمرے میں چکر لگانے لگا۔

”آخر کب تک اسرا ! آخر کب تک سب کچھ اپنے اندر چھپاتی رہیں گی؟ کیوں اپنے دل کو زخمی کر رہیں ہیں؟“وہ اسکو ایسے ویران نہیں دیکھ سکتا تھا۔

”بتایا ہوا ہے نا۔اللہ کو بتا رکھا ہے۔“وہ چاہتا تھا کہ وہ اپنے درد کو عیاں کر دے۔مگر وہ ایسا نہیں کرے گی۔وہ اندر سے مضبوط ہو یا نہ ہو اسے باہر سے مضبوط نظر آنا تھا۔

”یار!اسرا! کبھی کبھار کسی دوسرے انسان کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔“اس کی بات سن کر وہ دوبارہ کرسی پر آ بیٹھا تھا۔

"مگر مجھے نہیں ہے۔میرے لیے میرا اللہ ہی کافی ہے۔"اس کا لہجہ اس قدر پر اعتماد تھا کہ نعمان حیران رہ گیا۔

"اگر یہی بات ہے تو آخر کیوں آپ نے اپنے اللہ سے ارمان بھائی کو نہیں مانگا ؟ آخر کیوں آپ کے اللہ نے آپ کو اتنی مشکلات میں ڈالا ؟ آخر کیوں اللہ نے آپکو ارمان بھائی نہیں دیے ؟ " اسکی بات پر اسرا نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کئی آنسو اپنے اندر اتارے۔

"اللہ نے مجھے بہت کچھ ایسا دیا ہے۔جس پر میں چاہ کر بھی اسکا شکر ادا نہیں کر سکتی تو میں اس کی ناشکری کیوں کروں ؟ مجھے ارمان نہیں چاہیے تو میں اللہ سے اسے کیوں مانگوں ؟" اس کی بات پر نعمان استہزائیہ انداز میں ہنسا۔

"آپ اپنا اصل مجھ سے نہیں چھپا سکتیں اسرا ! یہ بات آپ کا دماغ کہتا ہے۔آپ کا دل نہیں۔اپنے دل سے پوچھیں وہ آج بھی ارمان بھائی کے نام پر کیوں دھڑکتا ہے ؟" اسرا کو یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ آتے ہی بحث شروع کر دے گا۔وہ اسکا کوئی مریض نہیں تھا جسے وہ روک دیتی۔وہ نعمان تھا اور اسے وہ بولنے سے روک نہیں سکتی تھی۔

"مگر مجھے اپنے دل پر پہرے لگانے بہت اچھے سے آتے ہیں۔ اسرا یاسر، ارمان احمد کے بغیر زندہ رہ سکتی ہے۔" ہاں ! وہ اسرا یاسر اپنے دل سے لڑ سکتی تھی۔ اپنے نفس اور خواہشات کا گلہ گھونٹ سکتی تھی۔

"آپ اپنے دل پر پہرے لگانے کی بجائے اپنے دماغ کا علاج کریں۔ بڑی آئیں ماہرِ نفسیات!" اس کی بات سن کر اسرا نے قہقہہ لگایا۔

"مجھے آپ کے ان قہقہوں سے خوف آتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ ماتم کر رہے ہوں۔ پلیز ان کھوکھلے قہقہوں کا پیچھا چھوڑ دیں۔" اس نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"میں تو ان کا ساتھ چھوڑ دوں۔ مگر یہ بہت باوفا ہیں کبھی میرا ساتھ نہیں چھوڑتے۔" وہ زخمی انداز میں مسکرائی۔

"اسرا! آپ مجھ پر طنز کر رہی ہیں؟" اسے لگا تھا کہ وہ اس پر طنز کر رہی تھی۔ کیونکہ وہ اس کے برے وقت میں اس کے ساتھ نہیں تھا۔

”نہیں۔مجھے کوئی بھی بات کہنے کے لیے طنز کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں ہے۔میں کوئی بھی بات تمہارے منہ پر بھی کہہ سکتی ہوں۔“نعمان کیسے بھول گیا کہ اسے لگی لپٹی کہنے کی عادت نہیں تھی۔

”آئی ایم سوری!میں اس وقت آپ کے ساتھ نہیں تھا۔“

وہ واقعی میں شرمندہ تھا۔

”تمہاری غلطی نہیں تھی نعمان! اور اچھا ہی ہوا تم میرے ساتھ نہیں تھے۔“کتنا مشکل ہوتا ہے ماضی کے ان اوراق کو دہرانا جنہیں خود سے بھی چھپا کر رکھا جاتا ہے!

”مجھے یہ سب اکیلے ہی فیس کرنا تھا اور میں نے کیا۔جو لوگ اکیلے سب کچھ فیس کر چکے ہوں۔وہ کچھ بھی برداشت کر سکتے ہیں۔مجھے تم سے اور کسی دوسرے انسان سے کوئی گلہ نہیں ہے۔ہر انسان اپنی کہانی کا ذمہ دار خود ہوتا ہے۔“نعمان کو لگا کہ وہ اسرا سے بحث میں کبھی جیت نہیں سکتا۔

”یار!اسرا ! آپ سے باتوں میں جیت پانا بہت مشکل ہے۔میں ہار مانتا ہوں۔مجھ میں آپ سے بحث کرنے کے لیے مزید ہمت نہیں ہے۔“اس نے اپنے دونوں ہاتھ کھڑے کرتے ہوئے کہا تو اسرا ہلکا سا مسکرائی۔

"تمہیں مجھ سے بحث کرنی بھی نہیں چاہیے اور یہ کیا یار یار لگا رکھا ہے۔اب تم نے مجھے یار کہا نا تو تمہیں یہاں سے دھکے دے کر نکلواؤں گی۔"اس نے ڈراتے ہوئے کہا تو نعمان کی ہنسی چھوٹ گئی۔

اب نعمان اسے انگلینڈ کی باتیں بتا رہا تھا اور وہ غور سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

یہ منظر کسی بنگلے کی بیسمنٹ کا تھا۔جہاں سے اندر جھانکا جائے تو کسی رحمدل انسان کا دل کانپ اٹھے۔وہ منظر اس قدر خوفناک تھا کہ اسے دیکھ کر اچھے اچھوں کا پسینہ چھوٹ جائے۔اس کی دیواروں پر موجود کالے رنگ کا پینٹ اسے مزید خوفزدہ بنا رہا تھا۔اندر صرف ایک بلب کی روشنی تھی۔

بیسمنٹ کی دیواروں پر مختلف قسم کے آلات جیسے چاقو،آری،چوپر وغیرہ نصب کیے گئے تھے۔سامنے کی دیوار پر تین تصویریں لگی ہوئی تھیں۔جنھوں نے سب سفید اوور کوٹ پہن رکھے تھے۔درمیان والی ایک تصویر پر سرخ رنگ کا کراس بنا ہوا تھا پاس جا کر دیکھنے پر معلوم ہوتا تھا کہ وہ تصویر ڈاکٹر حمنہ کی تھی۔

یکدم بیسمنٹ میں کسی کے بھاری جوتوں کی دھمک سنائی دینے لگی۔دیواریں ڈر کر ایک دوسرے کو خاموش رہنے کا اشارہ کرنے لگیں۔آلات خوشی سے جھوم اٹھے۔

”لا۔۔لا۔لالالا۔۔“وہ جو کوئی بھی تھا گنگناتا ہوا بیسمنٹ کی سیڑھیاں اتر رہا تھا۔اس کی بھاری آواز دیواروں سے ٹکرا کر گونج رہی تھی۔دیواروں نے اس کی آواز سن کر جھرجھری لی۔وہ یقیناً کوئی نیا منصوبہ بنا کر آیا تھا۔

اس کے بیسمنٹ میں قدم رکھنے کے ساتھ ہی اس کی گنگناہٹ ختم ہو گئی۔

”ہیلو ایوری ون! “وہ بیسمنٹ ساری خالی تھی۔بس ایک جانب کچھ باکسز پڑے ہوئے تھے۔وہ ان کی جانب بڑھا اور ایک بڑا سرخ رنگ کا باکس اٹھایا۔اس نے اسے نہائیت آرام کے ساتھ اسے کھولا۔اس میں سے ڈرل مشین کو نکالا اور اسے اپنے گلے کے ساتھ لگا لیا۔دوسرے آلات یہ دیکھ کر اپنے ناک چڑھانے لگ گئے اور ایک دوسرے سے سرگوشی میں باتیں کرنے لگے۔

”خاموش!!!!“ اس کی دھاڑ گونجی تو ہر چیز کانپ اٹھی۔تو اس نے قہقہہ لگایا۔”ہاہاہا!!“

”میری پیاری ڈرل ! تم تیار ہو نا نئے شکار کے لئے ؟

مجھے پتا ہے تم ہمیشہ میرا ساتھ دو گی اور مجھے کبھی بھی چھوڑ کر نہیں جاؤ گی۔“وہ چلتا ہوا تصویروں والی دیوار کے پاس آیا۔

”تم سب مرو گے۔سب مرو گے۔تم بھی!تم بھی!میں کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔ہاہاہا! “وہ ہر تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بول رہا تھا۔

اب وہ واپس ڈبوں کی طرف گیا اور ان میں اسے ایک ڈبے میں سے اس نے چھوٹے چھوٹے ڈاٹ نکالے۔اور انہیں لے کر تصویروں والی دیوار سے رخ موڑ کر کھڑا ہو گیا۔اس نے ایک ڈاٹ اپنے پیچھے کی جانب پھینکا۔جو ایک تصویر پر جا لگا۔اس نے مڑ کر تصویر کو دیکھا اور قہقہہ لگایا۔

”ہاہاہا! ڈرل! تم نے اپنے نئے شکار کو دیکھا نا؟ اب تمہارا انجام قریب ہے۔“ و ہ تصویر کو گھورتے ہوئے ہنس رہا تھا۔

”ہاہاہا ! “ اس کے قہقہے ہر طرف گونج رہے تھے۔

اٹھے نہ تھے ابھی ہم حالِ دل سنانے کو

زمانہ بیٹھ گیا حاشیے چڑھانے کو

جلایا آتشِ گل نے چمن میں ہر تنکا

بہار پھونک گئی میرے آشیانے کو

ارمان ہاسپٹل سے نکل کر پولیس اسٹیشن جا رہا تھا۔اسرا ٹھیک کہہ رہی تھی۔کمرے میں جاتے ہوئے اس کے ہاتھ میں فائل نہیں تھی اور نکلتے ہوئے اس کے ہاتھ میں فائل تھی۔مگر وہ اس کی بات پر اتنا جلدی یقین نہیں کر سکتا تھا۔اس وقت سڑک پر رش نہ ہونے کے برابر تھا۔

وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھا تھا جبکہ اس کا ڈرائیور گاڑی چلا رہا تھا۔ابھی وہ لوگ پولیس اسٹیشن سے تھوڑا دور تھے کہ یکدم گاڑی چلتے چلتے رک گئی۔

”کیا ہوا سرور؟“

”پتا نہیں سر۔میں چیک کرتا ہوں۔“وہ گاڑی سے اتر کر انجن چیک کرنے لگا۔

”سر!انجن تو ٹھیک ہے۔میں فیول چیک کرتا ہوں۔“اس نے دیکھا تو ٹینک خالی تھا۔

”سر پیٹرول ختم ہو گیا ہے۔میں کہیں سے پتا کر کے آتا ہوں۔“ ارمان نے سر ہلایا۔

"تم جاؤ میں یہیں انتظار کر رہا ہوں۔" اس کے کہنے پر سرور پیٹرول لینے چلا گیا۔ابھی اسے گئے کچھ دیر ہوئی تھی کہ ارمان کا ماتھا ٹھنکا۔

ابھی وہ باہر نکلنے ہی لگا تھا کہ اسے اپنے پاس سے ایک تیز چلتی گاڑی کی آواز سنائی دی۔وہ آواز لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتی جا رہی تھی۔اس کا دماغ اسے ریڈ سگنل دے رہا تھا۔مگر اس کے سنبھلنے سے پہلے ہی اس گاڑی والے نے زور سے ارمان کی گاڑی کو ٹکر ماری اور خود اپنی گاڑی کو زن سے بھگا لے گیا۔ارمان کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکرایا اور وہ اپنے ہوش کھو بیٹھا۔

سرور کچھ دیر بعد واپس آیا تو ارمان اور گاڑی کی حالت دیکھ کر حیران رہ گیا۔اس نے جلدی سے پیٹرول گاڑی میں ڈالا اور گاڑی کا رخ ہاسپٹل کی جانب کر دیا۔

محب ہاتھ میں کی چین گھماتا اپنے گھر میں داخل ہوا تو لاؤنج میں ہی اس کا سامنا مسز رضا سے ہو گیا۔وہ اس وقت ان سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔اس لیے سیڑھیاں پھلانگتا اوپر کی جانب بڑھا۔

”رکو محب! “ ابھی اس نے آدھی سیڑھیاں پار کی تھیں کہ اسے پیچھے سے مسز رضا کی آواز سنائی دی۔وہ آخری زینے کے پاس کھڑی تھیں۔ان کی آواز سن کر اس نے اپنی آنکھیں گھمائیں۔وہ مڑے بغیر رک گیا۔

”نیچے آؤ۔مجھے تم سے بات کرنی ہے۔“وہ واپس صوفہ پر جا بیٹھیں۔محب بیزاریت سے نیچے اترا اور ان کے سامنے والے صوفہ پر بیٹھ گیا۔بظاہر اس کی توجہ ان پر نہیں تھی۔وہ بے فکری سے اپنا پاؤں جھلا رہا تھا۔

”تم نے ڈرائیور کو واپس کیوں بھجوایا؟ “ان کے لہجے میں سختی تھی۔جس کا محب پر زرا اثر نہیں ہوا۔

”میں بچہ نہیں ہوں۔جو آپ نے میرے پیچھے اپنے آدمی لگا رکھے ہیں۔“وہ تمسخرانہ انداز میں بولا تو مسز رضا کی بھنویں سکڑ گئیں۔

”کیا تمہیں اپنی کنڈیشن کا اندازہ نہیں ہے؟ “ محب جو پہلے صوفے سے پشت لگائے چھت کو گھور رہا تھا۔ان کی بات پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"میں آپ کو کہاں سے پاگل لگتا ہوں ؟ اگر میں پاگل ہوں تو یہ پاگل انسان چٹکیوں میں آپ کی بزنس ایمپائر کو ڈھیر کر سکتا ہے۔"اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"تمہیں کس نے کہا میں تمہیں پاگل ثابت کرنا چاہتی ہوں؟ میں تمہاری ماں ہوں۔"ان کے لہجے میں نمی تھی۔

ان کی بات پر محب نے نخوت سے اپنا سر جھٹکا۔

"آپ نے ہر جگہ مجھے پاگل مشہور کروا دیا تا کہ میں اپنے آپ کو مینٹلی انسٹیبل سمجھنے لگوں۔"اس نے ایک لمحے کا توقف کیا۔

"آپ کو اچھے سے معلوم ہے کہ یہ سب کچھ میرے نام ہے۔یہ کہیں آپ کے ہاتھوں سے نکل نہ جائے۔اس لیے آپ نے یہ سارا کھیل کھیلا۔"اس کے لہجے میں کرختگی تھی۔

"اگر میں نے یہ سب کیا ہے تو پھر تمہارا علاج کیوں کروا رہی ہوں ؟ "ان کی بات پر محب طنزیہ مسکرایا۔

”کیونکہ آپ کو اچھے سے معلوم ہے اگر مجھے کچھ بھی ہوا تو یہ سارا بزنس،یہ بنگلہ،یہ ساری جائیداد آپ کی بھی نہیں رہے گی۔ان سارے پیسوں سے اورفنیج بنے گا۔“اس کے لہجے میں تلخی حد سے سوا تھی۔مسزرضا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

”محب! تم میرے بیٹے ہو۔میں تمہارے ساتھ ایسا کیوں کروں گی ؟“ محب نے نفرت سے سر جھٹکا اور کی چین گھماتا باہر کی جانب بڑھ گیا۔

”بیٹا!کہاں جا رہے ہو؟“وہ ان کے چلانے پر ایک دم سے رکا اور بنا مڑے بولا۔

”فکر نہ کریں۔خودکشی کرنے نہیں جا رہا کیونکہ اب مجھے میرے جینے کی وجہ مل گئی ہے۔“وہ یہ کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

اسرا ہاسپٹل سے گھر جا رہی تھی کہ اسے محسوس ہوا کہ کوئی اس کا پیچھا کر رہا تھا۔اس نے مڑ کر دیکھا تو ایک کالی گاڑی اس کی کار کا پیچھا کر رہی تھی۔اس نے مختلف روٹس بدلے مگر ابھی بھی وہ گاڑی اس کے پیچھے ہی تھی۔

اس نے مارشل آرٹس کی ٹریننگ لے رکھی تھی۔اسے اپنی حفاظت کرنی آتی تھی اور جن لوگوں کو اپنی حفاظت کرنی آتی ہو وہ کسی کو بھی منہ کی کھلا سکتے ہیں۔

اسرا نے گاڑی والے کو ڈاج دینے کے لیے اپنی کار ایک محلہ میں داخل کر دی۔جس کی گلیاں کس بھول بھلیے سے کم نہیں تھیں۔اس نے اپنی گاڑی ایک طرف پارک کی اور اپنی گن لیتے ہوئے گاڑی سے اتر گئی۔اس کے بیگ میں چلی سپرے بھی تھا جس کا وہ بروقت استعمال کر سکتی تھی۔

وہ مختلف گلیوں میں گھوم رہی تھی۔اس وقت وہاں رش نہیں تھا۔اسے اپنے پیچھے بھاری جوتوں کی دھمک سنائی دے رہی تھی۔وہ ایک گلی مڑتی دوسری گلی کی نکڑ پر کھڑی ہو گئی۔سورج کی کرنیں اس کے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔وہ انسان جیسے ہی مڑا اسرا نے اس پر گن تان لی۔

وہ جو کوئی بھی تھا اس نے کالے رنگ کی ہڈی سے اپنا چہرہ ڈھانپ رکھا تھا۔وہ اب بالکل بھی حرکت نہیں کر رہا تھا۔

”کون ہو تم؟ اور میرا پیچھا کیوں کر رہے ہو؟“ اسرا نے سرد لہجے میں پوچھا تو مقابل نے جھرجھری لی۔اس کے سر پر ابھی بھی اسرا نے بندوق تانی ہوئی تھی۔اسکا سایہ اسرا کے اوپر پڑ رہا تھا۔اس انسان نے اپنے ہاتھ کو حرکت دینی چاہی تو اسرا نے بندوق کا زور اس کی کنپٹی پر بڑھا دیا۔

”خبردار ! اگر کوئی بھی حرکت کرنے کی کوشش کی تو یہیں پر مار کر پھینک جاؤں گی۔“اس کے برفیلے لہجے میں کہے جانے والے جملے پر مقابل ہنستا چلا گیا۔اس کی آواز سن کر اسرا نے گن پیچھے کر لی۔

”مسٹر محب! آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟ “ وہ اس کا پیچھا کر رہا تھا مگر کیوں؟ اس نے اسرا کی بات پر اپنے چہرے سے ہڈی ہٹا دی۔تو اس کا چہرہ واضح ہو گیا۔

”میں۔۔میں تو یہاں سے گزر رہا تھا تو آپ نظر آ گئیں۔میں آپ سے بات کرنا چاہتا تھا اس لیے آپ کے پیچھے آ رہا تھا۔“ اس کے منہ میں جو آیا وہ بولتا گیا۔وہ دونوں اب ان گلیوں سے نکل رہے تھے۔اس کی بات پر اسرا رکی اور ایک سنجیدہ نظر محب پر ڈالی۔

”کیا ہوا؟ آپ ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں؟ “ ”ایک تو جب وہ ایسے دیکھتی تھی ایسا لگتا تھا کہ وہ اسے اندر تک پڑھ لے گی۔اف!!!ایسے نہ دیکھا کریں۔

"کچھ نہیں۔آپ کی بات پر یقین کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔" وہ سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔

"اچھا نا سوری۔مجھے آپ کا ایڈریس چاہیے تھا۔"اس کی بات پر اسرا نے اپنے لب بھینچے۔اس کے تاثرات برف کی مانند سرد ہو گئے۔

"اور آپ کو میرا ایڈریس کیوں چاہیے تھا؟ " اس کا لہجہ اس قدر برفیلہ تھا کہ سورج کی کرنیں بھی اسے پگھلا نہیں پا رہی تھیں۔محب سوچ میں پڑ گیا کہ اب وہ اسے کیا جواب دے؟

"وہ۔۔میں آپ کے گھر رشتہ۔۔۔" ابھی وہ اتنا بولا تھا کہ اسرا نے درشتی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"مسٹر محب! آپ آج تو اپنی زبان پر اس بات کو لے آئے مگر آئندہ مت لائیے گا۔ورنہ بہت برا ہو گا۔" وہ تیز تیز قدم اٹھا رہی تھی۔

"مگر اس میں برائی ہی کیا ہے؟" محب کو اتنے ہی شدید ردِعمل کی توقع تھی۔

"مسٹر محب! میں لوگوں کو بار بار موقع نہیں دیا کرتی۔اگر اب آپ نے میری لائف میں انٹر فیئر کیا تو آپکو کسی دوسرے سائیکالوجسٹ کے پاس جانا پڑے گا۔"محب کو پتا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ اسے یہی دھمکی دے گی۔مگر وہ کچھ دیر پہلے کی دھمکی کو بھول گیا تھا۔

"مگر میں آپ کی لائف میں انٹر فیئر نہیں کرنا چاہتا بلکہ آپ کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔"اس کی بات پر اسرا رکی۔اگر کوئی دوسری لڑکی ہوتی تو یقیناً اس کا دل دھڑکتا مگر وہ اسرا یاسر تھی۔اس نے تو اپنی محبت کے معاملے میں بھی اپنے آپ کو آزاد نہیں چھوڑا تھا تو کسی دوسرے انسان کی محبت اس کے دل پر کیسے اثر کر سکتی تھی۔

"کیوں گزارنا چاہتے ہیں؟" اب وہ محب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی تھی۔اس کی آنکھیں محب کو چیلنج کر رہی تھیں۔

"میں آپکو خوشیاں دیناچاہتا ہوں۔"وہ پل بھر کو سوچ میں پڑا اور پھر پر اعتماد لہجے میں بولا۔اسے اسرا کو ہر حال میں منانا تھا۔اس کی بات سن کر اسرا نے قہقہہ لگایا۔

"میری خوشیوں کی آپ کو اتنی پرواہ کیوں ہے؟" محب نے اس کی آنکھوں میں درد دیکھا تھا۔

”ہر محبت کا انجام خوبصورت نہیں ہوا کرتا کچھ کی تقدیروں میں سوائے ادھوری کہانیوں کے کچھ نہیں آتا۔“

”کس نے کہا مجھے آپ سے محبت ہے؟“اس کی بات پر اسرا ٹھٹکی۔

”ڈاکٹر اسرا! مجھے نہیں پتا کہ مجھے آپ سے محبت ہے یا نہیں۔ مگر مجھے آپ سے عقیدت ضرور ہے۔میں چاہتا ہوں آپ ہمیشہ میرے ساتھ رہیں۔اس دل میں آپ کے لیے بہت احترام ہے۔یہ آپ کو کسی دوسرے کے ساتھ نہیں دیکھ پائے گا۔“وہ اپنے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”مجھے پتا ہی نہیں لگا کہ کب آپ نے میری سوچوں پر، میرے خوابوں پر اپنا قبضہ جما لیا۔اب آپ کے خیال سے باہر نکلنا میرے لیے ناممکن ہے۔“ اس کے لہجے میں جذبات کی شدت تھی۔

”دیکھیں۔ مسٹر محب!۔۔۔“

”جی آپ کو ہی دیکھ رہا ہوں۔“وہ شرارتی لہجے میں بولا۔وہ اپنے آپ پر ہی حیران تھا۔اس نے اس لہجہ میں کبھی کسی سے بات نہیں کی تھی۔

”مسٹر محب! خاموش رہ کر میری بات سنیں۔“اس کی بات پر محب مسکرایا۔

"آپ مجھ پر حکم چلاتی ہوئی بہت اچھی لگتی ہیں۔میری تمنا ہے کہ آپ ساری زندگی مجھ پر ایسے ہی حکم چلاتی رہیں۔"اس کا لہجہ پر حدت تھا۔

وہ بولنے سے باز نہ آیا تو اسرا بنا بولے آگے بڑھ گئی۔

"سوری۔ڈاکٹر اسرا ! آپ اپنی بات مکمل کریں۔"وہ اس کے پیچھے بھاگنے لگا۔مگر وہ رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

اسرا اپنی گاڑی کے پاس پہنچ چکی تھی۔اس سے پہلے کہ وہ دروازہ کھول کر اندر بیٹھتی محب اس کے اور گاڑی کے درمیان حائل ہو گیا۔

"مسٹر محب!میرے آگے سے ہٹیے۔"وہ جھنجھلاتی ہوئی بولی۔وہ مزید اس سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"میں اس وقت تک نہیں ہٹوں گا جب تک آپ مجھے اپنا ایڈریس نہیں دیں گی۔اور پہلے اپنی بات مکمل کریں۔"وہ ضدی انداز میں بول رہا تھا۔

”مسٹر محب! میں وہ بات اب نہیں کروں گی اور مجھے دیر ہو رہی ہے۔جائیں یہاں سے۔“اس نے محب کی پہلی بات کو نظرانداز کیا۔محب اس کی گاڑی کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا تھا۔اس نے اسرا کی بات پر سر جھٹکا۔

”ڈاکٹر اسرا! آپ مجھے مجبور کر رہی ہیں کہ میں غیر قانونی طریقے سے آپ کا ایڈریس پتا کرواؤں۔“ اس کی بات پر اسرا طنزیہ مسکرائی۔

”تو پہلے کون سا قانونی طریقے سے میرا پیچھا کر رہے تھے !“ اس کی مسکراہٹ دیکھ کر محب مبہوت ہوا۔وہ اس کے چہرے کو یک ٹک دیکھے گیا۔اسے یوں گم صم دیکھتے ہوئے اسرا نے اس کے چہرے کے آگے ہاتھ لہرایا۔

”مسٹر محب! کیا سوچنے لگ گئے؟“ اس کے یوں کرنے پر محب چونکا۔اس نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔

"کچھ نہیں۔" اب اس کے لہجے میں گھبراہٹ تھی۔اس کی بات سن کر اسرا نے اپنا ابرو اٹھایا۔اس کے اِس انداز پر محب کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔وہ لڑکی بہت خطرناک تھی۔اسے آہستہ آہستہ اپنے قابو میں کر رہی تھی۔

شام گہری ہوتی چلی جا رہی تھی۔

"ایک بات بتائیں۔" اسرا کے کہنے پر محب اپنی تمام حسیات کے ساتھ اس کی جانب متوجہ ہو گیا۔اس نے سفید اور نیلے رنگ کی شلوار قمیص پر نیلے ہی رنگ کا ڈوپٹہ حجاب کی صورت میں سر پر لپیٹا ہوا تھا۔گالوں پر قدرتی لالی اس کو مزید خوبصورت بنا رہی تھی۔اس کا میک اپ سے پاک چہرہ سادہ اور شفاف تھا۔اس کی کانچ سی سنہری آنکھوں میں محب اپنے آپ کو ڈوبتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔

"جی پوچھیں۔" وہ بدقت بولا۔اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس کے سامنے ایسے ہی کھڑی رہے اور وہ یوں ہی ساری عمر اسے دیکھتا رہے۔

"کیا آپ نے میری اور اے۔ایس۔پی ارمان احمد کی باتیں نہیں سنی تھیں ؟" اس کے پاس اب محب کو ٹالنے کا واحد یہی طریقہ تھا۔ورنہ دل کو ریزہ ریزہ کرنا اتنا آسان کام نہیں تھا۔وہ خود اپنے آپ کو اذیت میں ڈال رہی تھی۔جبکہ محب کے دل میں ایک الاؤ جل اٹھا۔

"جی۔ڈاکٹر اسرا ! میں نے آپ کی باتیں سنی تھیں۔"وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔

"پھر آپ یہ سب باتیں کیوں کر رہے ہیں؟ "وہ سنجیدہ لہجے میں سوال کر رہی تھی۔اسے اس معاملہ کو ہر حال میں نبٹانا تھا۔اس کے سوال پر محب مسکرایا۔سرمئی آنکھیں مسکرانے کے باعث سکڑ گئیں۔

"آج صبح میں نے قرآن پاک کی کچھ آیات سنیں۔انہیں سن کر مجھے لگا کہ یہ آپ کو سنانی چاہئیں۔"اس کا لہجہ مبہم تھا۔اسرا اس کی بات سن کر ٹھٹکی۔

"کیا ہو گیا ہے؟ کیسی تجویزیں کرتے ہو؟ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے ؟ جس میں یہ بات پڑھتے ہو کہ جو چیز تم پسند کرو گے۔وہ تم کو ضرور ملے گی یا تم نے ہم سے قسمیں لے رکھی ہیں جو قیامت کے دن تک چلی جائیں گی کہ جو تم چاہو گے وہ تمہارا ہو گا۔"

یہ سن کر اسرا کے قدم زنجیر ہو گئے۔اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔اس نے یکدم اپنا چہرہ آسمان کی جانب کر کے آنکھیں موند لیں۔عجیب سی بے بسی تھی۔

اس نے مٹھیاں بھینچ کر اپنے آنسوؤں کو اندر کی جانب دھکیلا۔محب اس کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔

"کیا آپ کو نہیں لگتا کہ آپ ایک سراب کے پیچھے بھاگ رہی ہیں؟" وہ سادہ انداز میں کہہ رہا تھا۔وہ چاہتا تھا کہ اسرا اس روگ سے باہر نکل آئے۔

اس کی بات سن کر اسرا نے اپنی آنکھیں کھولیں جو کہ آنسو ضبط کرنے کی وجہ سے لال ہو چکی تھیں۔یکدم اس کے تاثرات بدلےاور فضا میں اسکا کا قہقہہ ابھرا۔اس قدر کرب میں ڈوبا ہوا قہقہہ کہ اردگرد کی ہر چیز افسردہ ہو گئی۔وہ ہنستی چلی گئی۔مگر محب کو یہ ہنسی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔یوں لگ رہا تھا کہ وہ اپنے آپ پر ہی ہنس رہی ہو۔آنکھوں کی نمی باہر نکلنے کو تیار تھی۔محب اس کو ایسے دیکھ کر گھبرا گیا۔اس نے اسرا کی جانب بڑھنا چاہا۔مگر اس نے ہاتھ کے اشارے سے محب کو روک دیا۔

”کیا کہا؟ بھاگ رہی ہوں؟“ اس کا لہجہ مزاق اڑاتا ہوا تھا۔

”اسرا یاسر بھاگ رہی ہے؟“ وہ قہقہے لگاتے ہوئے بول رہی تھی۔اگر وہ ماہی بے آب کی مانند تڑپ رہی تھی تو محب کا دل بھی کلبلا رہا تھا۔

”مسٹر محب! اسرا یاسر کسی کے پیچھے نہیں بھاگتی۔اس محبت کا پیچھا تو اس نے پانچ سال پہلے ہی چھوڑ دیا تھا۔اور آپ مجھے یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ میں اس کا پیچھا چھوڑ دوں۔“ اسرا کی یہ حالت دیکھ کر وہ اپنی بات پر پچھتایا۔اسے اسرا سے یہ بات نہیں کرنی چاہئے تھی۔

یکدم اسرا کو احساس ہوا کہ وہ کچھ زیادہ ہی بول چکی ہے۔اسنے اپنا چہرہ صاف کر کے لمبا سانس بھرا۔اب وہ برفیلے تاثرات لیے محب کو گھور رہی تھی۔وہ اپنے تاثرات بدلنے میں ماہر تھی۔محب اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔یہ لڑکی ہر لمحہ اسے نیا جھٹکا دیتی تھی۔

”مسٹر محب! زخمی لوگوں کو تنگ نہیں کیا کرتے کیونکہ جب وہ اپنی کرنی پر آئیں تو آپ کو بھی زخمی کر سکتے ہیں۔“ لہجہ میں انتہا کی تلخی تھی۔

”ڈاکٹر اسرا ! آپ اپنے دل کو جتنا سخت شو کرواتی ہیں یہ اتنا سخت نہیں ہے۔اپنی جان پر ظلم مت کریں۔“ اس کی بات پر اسرا تلخی سے مسکرائی۔

”آپ میرے دل کے بارے میں جاننے کی کوشش نہ ہی کریں تو بہتر ہو گا۔اب آپ میرے پاس ہاسپٹل نہیں آئیں گے۔“

”ڈاکٹر اسرا! اگر آپ میرے ہاسپٹل آنے پر پابندی لگائیں گی۔میں تب بھی آپ کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔“وہ گاڑی سے ٹیک لگائے بے فکری سے کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

”آپ میرا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟“ اسرا اس کی بات سن جھنجھلا اٹھی۔

”کیونکہ ہم دونوں ایک دوسرے کی تقدیر ہیں۔اللہ نے ہمیں اسی لیے ملوایا تھا۔اس لیے میں آپکا پیچھا نہیں چھوڑ سکتا۔“اس نے دو ٹوک لہجے میں کہا۔

”اللہ نے مجھے آپ کی ہداہت کا وسیلہ بنایا تھا اور اس سے زیادہ آپ کچھ بھی مت سوچیں اور نہ ہی کچھ سمجھیں۔“ اسے اچھے سے معلوم تھا کہ محب اسے اپنی باتوں میں گھما رہا تھا۔

”میں نے جو سمجھنا تھا وہ سمجھ لیا۔میری زندگی میں پہلے اندھیرہ تھا۔اور آپ میری تاریک زندگی میں روشنی بن کر آئیں ہیں۔اب میں اپنی زندگی کو دوبارہ تاریکیوں میں ڈوبا ہوا نہیں دیکھنا چاہتا۔پلیز مجھ پر یہ ظلم مت کریں۔میں سنبھل نہیں پاؤں گا۔“ اس کا لہجہ التجائیہ تھا۔مگر اسرا کو کسی چیز سے کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔

”پلیز ڈاکٹر اسرا ! کوئی تو جواب دیں۔“ اسرا خاموش کھڑی تھی۔بالکل ساکت۔

”مسٹر محب! میرا دل آج بھی ارمان کے نام کی مالا جپتا ہے۔میں اسے کبھی بھی بھلا نہیں سکتی۔“اس کے لہجے میں صدیوں کی تکان تھی۔محب نے اپنا سر جھکا لیا۔

”مجھ امید ہے کہ اب آپ مجھ سے اس موضوع پر بات نہیں کریں گے۔“ اسرا کی بات پر محب نے ہولے سے اپنے جھکے سر کو اٹھایا۔اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

”ڈاکٹر اسرا! آپ میری بات کو غلط سمجھ رہی ہیں۔“ وہ بولا تو اس کی آواز جذبات سے بوجھل تھی۔

”ہاں! مجھے کہیں نہ کہیں اس بات سے فرق پڑتا ہے کہ آپ اس سے محبت کرتی ہیں۔مگر یہ بات میرے جذبات کو ماند نہیں کر سکتی۔“ اس کی بات پر اسرا کا دل کیا وہ اپنا سر پیٹ لے۔

"آپ اس دنیا کا وہ انمول ہیرہ ہیں جس کی قدر صرف میرے جیسا جوہری کر سکتا ہے۔نہ کہ وہ ارمان احمد۔وہ نہ ہی کل آپ کے قابل تھا۔نہ ہی آج ہے اور نہ ہی پھر کبھی آپ کے قابل ہو گا۔"اس کے لہجے میں چاشنی بھری ہوئی تھی۔

"بس کریں مسٹر محب! " وہ اب اس کی باتوں سے اکتا رہی تھی۔

"ڈاکٹر اسرا! آپ اس بات پر ملال مت کریں کہ اللہ نے آپ کو آپ کی محبت نہیں دی۔ باخدا! وہ انسان آپ کی پر خلوص محبت کے قابل کبھی نہیں تھا۔" وہ اسے سمجھا رہا تھا اور اسرا کا دماغ کہیں اور الجھا ہوا تھا۔اس کی مما اس کا انتظار کر رہی ہوں گی۔

"مسٹر محب! مجھے جانے دیں۔" وہ انسان اس کی پانچ سالوں کی محنت سے حاصل کی گئی پختہ مزاجی کو یوں ڈھیر نہیں کر سکتا تھا۔

محب نے اسے مزید تنگ نہ کیا اور گاڑی سے ٹیک ہٹا لی۔اسرا نے شکر کا سانس لیا۔

"اب میرا پیچھا مت کیجیے گا۔" وہ سرد لہجہ میں بول رہ تھی۔

”جو حکم آپ کا۔فی امان اللہ ! ڈاکٹر اسرا ! اپنا خیال رکھیے گا۔کیونکہ آپ اپنے پاس میری امانت ہیں۔

“ اس کی بات پر اسرا نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے دھاڑ سے دروازہ بند کیا اور زن سے گاڑی بھگا کر لے گئی۔اس پر محب نے قہقہہ لگایا۔وہ اس وقت تک وہاں کھڑا رہا جب تک گاڑی اس کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو گئی۔پھر وہ مسکراتا ہوا اپنی کار کی جانب بڑھ گیا۔

وہ گھر پہنچی تو رات ہونے کو تھی۔ڈاکٹر نیلوفر لاؤنج میں صوفہ پر بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

”السلام علیکم! مما! کیسی ہیں آپ؟ “وہ خوشگوار لہجے میں بولتے ہوئے جھک کر ان سے ملی۔

”وعلیکم السلام! الحمداللہ! میں ٹھیک ہوں۔مگر تم اتنی دیر سے کیوں آرہی ہو؟ “ انہوں نے دائیں جانب دیوار پر نصب گھڑی کی جانب اشارہ کیا۔

”مما! آئی ایم سوری! راستے میں ایک پیشنٹ مل گیا تھا۔“ وہ بھی ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔اسے پہلے ان کو مطمئن کرنا تھا۔

”دیکھو اسرا ! میں اب بوڑھی ہو رہی ہوں۔تمہارے بابا کے جانے کے بعد میرا واحد سہارا صرف تم ہو۔“ ان کی بات پر اسرا کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

”میں چاہتی ہوں کہ اپنے جیتے جی تمہیں کسی کے مضبوط ہاتھوں کے حوالے کر دوں۔لمحے کا توقف کیا گیا۔اسرا جانتی تھی کہ وہ اسے ایموشنلی بلیک میل کر رہی تھیں۔

”کیا پھر سے میرا کوئی رشتہ آیا ہے ؟ جو آپ ایسی باتیں کر رہی ہیں۔“اس نے پل بھر میں ہی ان کے ایموشنل ڈرامے پر پانی پھیر دیا۔انہوں نے اپنا ناک سکیڑا۔

”وہ تو پچھلے چار سالوں سے آرہے ہیں۔ہاں ! مگر آج ایک بہت اچھا رشتہ آیا تھا۔“اس کا مطلب تھا کہ اسرا کا اندازہ بالکل درست تھا۔اس کی مما اسے ہر رشتہ کی دفعہ ایسے ہی ایموشنلی بلیک میل کرتی تھیں۔

”کیا تم کبھی شادی نہیں کرو گی؟ آخر کب تک اس کے روگ میں جیتی رہو گی ؟ میری بات کان کھول کر سن لو اسرا ! اب میں انتظار نہیں کروں گی۔“اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ آج سب کو اس کی شادی کی فکر کیوں ہو رہی تھی۔

"مما! پلیز! مجھے تھوڑا ٹائم دیں۔" وہ بے بسی سے بولی تو انہوں نے اپنا منہ دوسری جانب پھیر لیا۔

"پانچ سالوں سے انتظار ہی کر رہی ہوں۔ کسی دن مر گئی نا تو پھر تم ماتم کرنا اپنے ان پانچ سالوں کا۔" اسرا کا دل کانپ اٹھا۔ وہ ان کے پیروں میں بیٹھ گئی۔

"اللہ نہ کرے کہ آپ کو کچھ ہو۔ آپ پلیز ایسی باتیں مت کیا کریں۔ میرا دل تڑپ اٹھتا ہے۔" اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

"پھر تم شادی کے لیے ہاں کر دو۔" اس نے ضبط سے اپنی آنکھیں بند کیں۔

"رحمٰن! تیرے بندے مجھے تھکا رہے ہیں!!!"

"مما! بس ایک سال اور۔ پلیز۔۔"

"وعدہ کرو مجھ سے کہ آج سے ایک سال بعد میں جس سے کہوں گی تم اس سے شادی کر لو گی۔" ان کی بات پر اس نے اوپر کی جانب دیکھا اور سر ہلا دیا۔ ڈاکٹر نیلوفر نے مسکراتے ہوئے اس کے آنسو صاف کیے۔

”چلو شاباش! اٹھو نیچے سے اور فریش ہو جاؤ۔میں کھانا لگواتی ہوں۔“ان کی بات پر اسرا اٹھی اور آنکھوں میں آنسو لیے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

نظر ان کی نہیں اٹھتی سرِ محفل میری جانب

کہ وہ میرے لبِ خاموش کا منشا سمجھتے ہیں

جو نکلیں جستجو کا شوق لے کر راہِ جاناں میں

وہ ہر منزل کو اپنے پاؤں کا چھالا سمجھتے ہیں

آج پھر اس کی بھوری ہیلز ہاسپٹل کی مرمریں راہداری میں ٹک ٹک کا شور مچا رہی تھیں۔مگر آج اس کے ساتھ کسی کے بھاری جوتوں کی دھمک بھی سنائی دے رہی تھی۔اس نے گھٹنوں تک آتے پیلے فراک کے ساتھ نیلی جینز پہن رکھی تھی اور نیلا ڈوپٹہ گلے میں لپیٹ رکھا تھا جبکہ کندھوں تک آتے سنہری بال ہمیشہ کی طرح پونی ٹیل میں مقید تھے۔

آج اس کا خوبصورت چہرے پہلے کی طرح پر اعتماد نہیں تھا بلکہ اس پر اس وقت گھبراہٹ طاری تھی۔اس گھبراہٹ کی واحد وجہ اس کے ساتھ موجود انسان تھا۔جن کے چہرے سے ہی ان کے رعب کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ان کے ہاتھوں میں تازہ پھولوں کا بوکے تھا جس کی خوشبو ہاسپٹل کی لمبی راہداری میں پھیل چکی تھی۔

جیسے ہی وہ لوگ مطلوبہ کمرے کے باہر پہنچے تو باہر دو باوردی پولیس والوں کو پہرہ دیتے ہوئے پایا۔وہ ان کے سامنے کھڑے ہو گئے۔منال کو تو سانس بھی رک رک کر آ رہا تھا۔

"اندر اطلاع کرو کہ منال اور اس کا باپ آیا ہے۔"وہ بولے تو ان کی بھاری آواز کی گونج پوری راہداری میں پھیل گئی۔کچھ دیر میں انہیں اندر جانے کا پروانہ مل گیا۔جب وہ دونوں اندر داخل ہوئے تو وہاں ارمان کے علاوہ چار نفوس اور بھی موجود تھے۔منال ارمان کو دیکھ کر شرمندگی سے نظریں جھکا گئی۔آج اس کے بابا نے ارمان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تو وہ انکار نہیں کر پائی۔مگر اب وہ اپنے فیصلہ پر پچھتارہی تھی۔

نہال اور ارمان کے علاوہ باقی سب کی نظروں میں تعجب تھا۔جبکہ نہال کی آنکھوں میں نا گواری بھری ہوئی تھی۔

"السلام علیکم ! " انہوں نے گلا کھنکارتے ہوئے پہل کی۔

"وعلیکم السلام! سر! آئیں بیٹھیں۔" ارمان اٹھتا ہوا بولا تو انہوں نے ہاتھ کے اشارہ سے اسے روک دیا۔ان کے ہر ایک عمل سے ان کی امارت ظاہر ہو رہی تھی۔

ارمان کے سر پر پٹی موجود تھی۔ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ معمولی سی چوٹ ہے۔وہ کچھ دنوں تک ٹھیک ہو جائے گا۔

"برخوردار! میں تم سے اکیلے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔" ارمان نے ابرو کے اشارے سے سب کو باہر جانے کا کہا تو وہ سب متذبذب سے باہر نکل گئے۔وہ ارمان کے دائیں جانب کرسی پر بیٹھ گئے۔جبکہ منال نے بوکے ان سے پکڑ کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔وہ بھی باہر جانے کے لیے دروازے کی جانب بڑھ گئی۔اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔

"تم یہیں رکو۔میں تمہارے سامنے اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔تاکہ بعد میں تمہیں مجھ سے کوئی گلہ نہ رہے۔" منال آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی ان کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی۔وہ پتے کی مانند لرز رہی تھی۔

"ہاں تو برخوردار! سب سے پہلے میں اپنا تعارف کرواؤں گا۔اس کے بعد تم کروانا۔"ان کا لہجہ بے لچک تھا۔پھولوں کی خوشبو اعصاب پر سوار ہو رہی تھی۔

"میں حمید خان ،ایم۔ایچ انڈسٹریز کا مالک۔اور یہ لڑکی جس کے بقول تم اس سے محبت کرتے ہو۔اس کمپنی کی اگلی ایم۔ڈی ہے۔" ان کی بات پر منال نے چونکتے ہوئے اپنے جھکے سر کو اٹھایا۔ایک لمحے کو اس کی اور ارمان کی نگاہیں ملیں۔ان کی نظروں میں حیرانی تھی۔

"اب تم اپنا تعارف کرواؤ۔"ان کے تحکم لہجہ پر ارمان نے اپنا تھوک نگلا۔

"میں اے۔ایس۔پی ارمان احمد ہوں اور آپ کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"اسے یہ بات ان سے کبھی نہ کبھی تو کہنی ہی تھی تو اس سے زیادہ اچھا وقت کیا ہو سکتا تھا۔اس کی بات پر حمید صاحب سوچ میں پڑ گئے۔پھر وہ ارمان کی جانب تھوڑا سا جھکے۔

"میں تمہیں ایک آفر دیتا ہوں اگر تم نے اسے قبول کر لیا تو میں خود اپنی بیٹی کی شادی تم سے کرواؤں گا۔" ان کی بات پر ارمان کے ابرو سوالیہ انداز میں اٹھے۔منال خاموش تماشائی کی طرح یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اس کے بابا ارمان کو کیا آفر دینے والے ہیں۔اور اسے ارمان کے جواب کا بھی معلوم تھا۔

"میں تمہیں آفر دیتا ہوں کہ تم اپنی پولیس کی جاب چھوڑ دو اور بدلے میں ،میں منال کی شادی تم سے کرواؤں گا اور ساتھ ہی ساتھ آفس میں بہت اچھی پوسٹ بھی دوں گا۔" ان کی بات پر منال نے اپنی آنکھیں میچیں۔اب یقیناً ارمان کوئی تلخ جواب دے گا۔

منال کی توقع کے بر عکس ارمان مسکرایا۔

"ویسے آفر تو کافی اچھی ہے۔مگر میں اپنی جاب ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔"اس کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"میری بیٹی آسائشات میں پلی بڑھی ہے۔میں نے اس کی ہر ایک ضد پوری کی ہے۔"ان کا لہجہ بہت کچھ جتاتا ہوا تھا۔ان کی بات پر ارمان کی آنکھوں میں غصہ سما گیا۔

"سر! میں منال کو ہر طرح کی لگزریز دے سکتا ہوں۔اسے کبھی کسی چیز کی کمی نہیں ہو گی۔"اس کے لہجے کی شدت کو انہوں نے محسوس کیا تھا۔

"میں یہاں صرف آسائشات کی بات نہیں کر رہا۔مجھے پتا ہے کہ میری بیٹی ان لگزریز کے بغیر زندگی گزار سکتی ہے۔"ان دونوں کے درمیان منال بری طرح پھنسی تھی۔ایک طرف وہ باپ تھا جس نے آج تک اس کی کسی بھی بات کو نہیں ٹالا تھا تو ایک طرف محبت تھی۔اسے نہیں معلوم تھا کہ اس ملاقات کا کیا نتیجہ نکلنے والا تھا۔

ان کی بات پر ارمان نے تعجب سے ان کی جانب دیکھا۔ہاں!ایک باپ اپنی بیٹی کے لیے آسائشات نہیں مانگ رہا تھا۔اس باپ کا تقاضا تو کچھ اور تھا۔

"جب یہ چھوٹی تھی تب سے میں اس کی ہر ضد پوری کر رہا ہوں۔اس کے لیے میں نے اپنی ساری مصروفیات کو چھوڑ دیا۔"اب وہ اس کے بچپن کو یاد کرتے ہوئے مسکرا رہے تھے۔اب وہ ایک کامیاب بزنس مین کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک باپ کی حیثیت سے بات کر رہے تھے۔

”تمہارا کیا خیال ہے میں تمہیں پولیس کی جاب چھوڑنے کے لیے کیوں کہہ رہا ہوں؟“ ان کی بات پر ارمان نے ایک لمبا سانس بھرا۔

”کیونکہ اس جاب میں بہت خطرہ ہے۔“اس نے شانے اچکاتے ہوئے کہا تو حمید صاحب مسکرائے۔

”برخوردار! موت تو کسی نہ کسی دن آنی ہی ہے۔اگر موت سے ڈرو گے تو زندگی ناراض ہو جائے گی اور جب زندگی ناراض ہوئی تو موت خودبخود تم تک پہنچ جائے گی۔“ وہ دونوں ان کی باتیں غور سے سن رہے تھے۔

”موت تو تمہیں گھر بیٹھے بھی آسکتی ہے اور گھر سے باہر بھی۔بسترِمرگ پر بھی اور کسی مشن کے دوران بھی۔مگر میری شرط کے پیچھے یہ وجہ بالکل بھی نہیں ہے۔“

”پھر کیا ہے؟“ اسنے میکانکی انداز میں پوچھا۔

”میری بیٹی چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوش ہو جایا کرتی ہے ۔ اسے شاپنگ کرنا،لوگوں کیلیے تحفے لینا ، آؤٹنگ پر جانا اور ہوٹلنگ کرنا بہت پسند ہے۔“ یہ سب باتیں ارمان پہلے سے ہی جانتا تھا۔

"میں اگر اسکی شادی کسی بزنس مین سے کرواتا ہوں تو کم از کم مجھے اس بات کی تسلی ہو گی کہ وہ اس کے سارے خواب پورے کرے گا۔ رات میں وقت پر گھر آئے گا۔اس کے ساتھ وقت گزارے گا۔" یہ باتیں سن کر منال کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔اس کے بابا اسے اتنے اچھے سے جانتے تھے۔

"مگر تمہارے معاملے میں مجھے اس بات کی کوئی گارینٹی نہیں ہے کہ تم وقت پر گھر آؤ گے یا نہیں، اس کی چھوٹی چھوٹی خواہشات کو اس کے ساتھ پورا کر پاؤ گے یا نہیں۔"ان کی بات پر ارمان نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔

"سر! مگر میں آپ کو اس بات کی گارینٹی دے سکتا ہوں کہ میں اسے خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔اس کی حفاظت کروں گا۔اور میں آپکو اس بات کا بھی یقین دلاتا ہوں کہ منال میرے علاوہ کسی کے ساتھ خوش نہیں رہ پائے گی۔" اس کی بات پر انہوں نے منال کی جانب دیکھا تو وہ سر جھکائے رونے میں مصروف تھی۔وہ اسے کبھی بھی دکھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔انہوں نے اپنا ہاتھ بڑھا کر منال کے سر پر رکھا تو اس نے آنسوؤں سے بھری آنکھیں اٹھا کر ان کی جانب دیکھا۔

"برخوردار! یہ تو ابھی سے رونے لگ گئی۔بعد میں تو آنسوؤں کی ندیاں بہائے گی۔"ان کی بات پر منال ہنس پڑی۔ارمان کے دل کو ان کی بات سے ایک نئی امید ملی تھی۔

"میں اس کی آنکھوں میں کبھی آنسو نہیں آنے دوں گا۔" وہ عہد کرتا ہوا بولا تو حمید صاحب نے ستائشی انداز میں اپنے ابرو اٹھائے۔

"برخوردار! شروع میں سب یہی کہتے ہیں بعد میں سب جھگڑا ہی کرتے ہیں۔" ارمان کے لبوں پر مسکراہٹ پھوٹ پڑی۔

"کیا آپ کو کبھی محبت ہوئی؟" حمید صاحب کی آنکھیں چمکیں۔

"ہاں! ہوئی تھی اور اس وقت وہ میرے دل کے ساتھ ساتھ میرے گھر کی بھی مالکن ہے۔"ان کی بات پر منال مسکرائی۔

"شادی کے بعد کیا آپ کی محبت کم ہوئی؟" اس کی بات پر وہ سوچ میں پڑ گئے۔

”برخوردار! محبت کبھی بھی کم نہیں ہوتی۔بس پانے کے بعد لاپرواہ ہو جاتی ہے۔اور رہی بات میری محبت کی تو وہ کبھی بھی کم نہیں ہوئی مگر لڑائی جھگڑے تو ہر کسی کی زندگی میں ہوتے ہیں۔“ انہوں نے مصلحانہ انداز میں کہا۔

”پھر آپ کیسے یہ توقع کر سکتے ہیں کہ ہم دونوں کے درمیان جھگڑے نہیں ہوا کریں گے؟ مگر میں وعدہ کرتا ہوں اگر میری غلطی نہ بھی ہوئی میں تب بھی اسے منا لیا کروں گا۔“ اس کی بات پر حمید صاحب نے کرسی کے ساتھ ٹیک لگائی۔منال ان کی گفتگو سن رہی تھی جو لمحہ بہ لمحہ دلچسپ ہوتی جا رہی تھی۔

”برخوردار! سمجھدار لگتے ہو۔اگر تمہیں مجھے کنونس کرنا ہو تو کیسے کرو گے ؟ “ ان کی بات پر ارمان مسکرایا۔

”سر! اگر آپ کنونس نہ ہوتے تو کبھی یہاں آتے ہی نہیں۔آپ اپنی بیٹی کی آنکھ میں ایک آنسو نہیں دیکھ سکتے تو پھر اسے ساری عمر کسی ناپسندیدہ انسان کے ساتھ کیسے رہنے دیں گے ؟“ اس کی بات سن کر انہوں نے ٹیک چھوڑی اور منال کی جانب دیکھا۔

"لڑکا اچھا ہے۔" اس نے اپنی مسکراہٹ دبائی۔اس کے بابا عموماً ایسا تبصرہ نہیں کیا کرتے تھے۔

"اگلی دفعہ جب تمہارے گھر والے منال سے ملیں تو انہیں اچھے سے معلوم ہونا چاہیے کہ یہ کون ہے۔" ان کے لہجہ میں تنبیہ تھی۔جسے سمجھ کر ارمان نے سر ہلایا

"آؤ چلیں۔اللہ حافظ!" وہ منال کو لیتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھے۔یکدم وہ رکے اور پیچھے مڑ کر دیکھا۔

"رشتہ لینے کیلیے مکمل طور پر صحت مند ہو کر آنا۔" وہ مسکراتے ہوئے باہر نکل گئے۔جبکہ ارمان نے شکر کا سانس بھرا۔مشکل پڑاؤ طے ہو چکا تھا۔

بہشت چھین کے ہم سے ہمیں یہ سکھایا گیا

منع کیے گیے پیڑوں کے پھل نہیں کھاتے!!

تمہارے ساتھ تعلق تو چیز ہی کیا ہے

بچھڑ کے یوسف و یعقوب مر نہیں جاتے!!

وہ عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد کچھ دیر لان میں چہل قدمی کرنے کے لیے آگئی۔وہ کھلی فضا میں سانس لینا چاہتی تھی۔لان میں موتیے اور چمبیلی کے پھولوں کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔اس نے لمبی سانس لے کر اس خوشبو کو اپنے اندر اتارا۔

وہ اس وقت بھورے رنگ کے ڈھیلے ڈھالے لباس ملبوس تھی۔ڈوپٹہ اس کے گلے میں موجود تھا۔ ڈاکٹر نیلوفر شام کے وقت ہی سارے ملازمین کو چھٹی دے دیا کرتی تھیں۔رات میں بس ایک ملازمہ نجمہ اپنے کوارٹر میں رہتی تھی۔اس کا اس دنیا میں کوئی نہیں تھا۔اس لیے ڈاکٹر نیلوفر اس کی کافی مدد کیا کرتی تھیں۔

ٹھنڈی ہوا اس کی طبیعت کو تقویت پہنچا رہی تھی۔اور وہ آنکھیں موندیں اس سکون کو محسوس کر رہی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ لان میں موجود کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔اور موبائل ٹیبل پر رکھ دیا۔اب اس کی نظریں آسمان کی جانب تھیں جہاں چاند موجود نہیں تھا۔بس کچھ ستارے ٹمٹما رہے تھے۔

آسمان کو تکنا اس کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔وہ گھنٹوں آسمان کو دیکھ سکتی تھی۔اسے لگتا تھا کہ آسمان اپنے اندر بہت سے راز رکھتا ہے۔اگر زمین نے انسانوں کا ظلم دیکھا تھا ، ان کے اعمال،سزائیں دیکھیں ہیں تو آسمان بھی ان کے رازوں سے واقف تھا۔اسے آسمان کے مختلف رنگ بہت پسند تھے۔

آج وہ کافی دنوں بعد خود کو پرسکون محسوس کر رہی تھی۔آج اس کا دل کوئی شور نہیں مچا رہا تھا۔

"یا اللہ! تیرا شکر ہے۔" وہ کرسی سے سر ٹکائے آسمان کی جانب دیکھنے میں مصروف تھی کہ اس کا فون بجا۔

اس نے بنا گردن موڑے موبائل کی سکرین کی جانب دیکھا تو اس پر لکھا ایک لفظ جگمگا رہا تھا۔"نہالی" اس کے ذہن میں تین نام گونجنے لگے تھے۔"اسری ،نہالی اور ارمانی"۔مگر اب یہ نام کہیں کھو گے تھے۔اس کے چہرے پر ایک اداس مسکراہٹ پھیل گئی۔دوست کا ساتھ ہو کر بھی ساتھ نہ دینا بہت تکلیف دیتا ہے۔اس نے اسی اداس مسکراہٹ کے ساتھ فون کان کے ساتھ لگایا۔

"السلام علیکم !نہال۔۔۔"آواز کہیں گلے میں ہی اٹک گئی۔وہ اسے نہالی کہنا چاہتی تھی۔مگر نہیں کہہ سکی۔وہ پانچ سال پہلے والی اسرا نہیں تھی اور نہ ہی نہال پہلے والی نہالی تھی۔

”وعلیکم السلام! کیسی ہو اسرا؟“ اسپیکر سے نہال کی آواز اسرا کے کانوں تک پہنچی۔

”الحمد اللہ! تم کیسی ہو؟ “ اسے نہال کا لہجہ کچھ عجیب سا محسوس ہوا تھا۔

”نہال! کیا ہوا ہے؟“ جب کافی دیر تک وہ نہیں بولی تو اسرا نے پوچھا۔اب اس نے اپنی آنکھیں موند لیں۔

”ہمم۔میں کہنا چاہتی تھی کہ۔۔“وہ ہچکچاہٹ کا شکار ہو رہی تھی۔آج سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔

”کہ۔۔۔؟“

”کہ تم نعمان سے دور رہو۔“ اس کی بات پر اسرا نے ٹیک چھوڑی اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔اس کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔یعنی نہال اسے نعمان سے دور رہنے کو کہہ رہی تھی۔

”تمہیں ارمان نے کہا نا یہ کہنے کیلیے؟“ وہ تلخی سے مسکرائی۔اس کی نظریں آسمان پر ٹمٹماتے ہوئے سب سے روشن ستارے پر تھیں۔اسے کیا معلوم تھا کہ اللہ نے اس کی قسمت میں چاند لکھا تھا۔

”نہیں۔میں خود کہہ رہی ہوں۔“ اس کی آواز کسی بھی جذبے سے خالی تھی۔

”اور تم یہ کیوں کہہ رہی ہو؟“ اس کے سوال پر چند لمحے کی خاموشی چھا گئی۔پھر دوسری جانب سے نہال کی آواز سنائی دی۔

”میں نہیں چاہتی کہ وہ تم سے محبت کر بیٹھے۔“ وہ بولی تو اسرا قہقہے لگانے لگی۔اسے بہت دنوں بعد کسی بات پر سچ میں ہنسی آئی تھی۔

”آئی تھنگ نہال! یو نیڈ سم ریسٹ۔آرام کرو۔“وہ ہنستے ہوئے بولی تو نہال جھنجھلا اٹھی۔

”اسرا ! میں سیریس ہوں۔“ اس کی ہنسی کو بریک لگی۔

”تم ایسی باتیں کیوں کر رہی ہو؟“ وہ اب مکمل طور پر سنجیدہ تھی۔

”دیکھو اسرا ! وہ تمہاری خاطر ارمان سے لڑ رہا ہے۔میں جانتی ہوں کہ تم اسے اپنا بھائی مانتی ہو مگر اس سے بھی تمہارے والی غلطی ہوگئی تو؟؟“ وہ نعمان کی اسرا جیسی حالت نہیں دیکھ سکتی تھی۔

”نہال! میری محبت کو غلطی کا نام مت دو۔“ وہ انتہائی سرد لہجے میں بولی کہ نہال شرمندہ ہو گئی۔

”آئی ایم سوری اسرا! میں یہ نہیں کہنا چاہتی تھی۔۔“

"نہال! ہم اس بارے میں بعد میں بات کریں گے۔اللہ حافظ!" اسرا نے نہال کی بات کے ساتھ ساتھ کال بھی کاٹ دی۔

اب اسے نہ ہی وہ پرسکون فضا محسوس ہو رہی تھی اور نہ ہی موتیے اور چمبیلی کے پھولوں کی خوشو محسوس ہو رہی تھی۔مگر اس کا دل اندر سے مطمئن تھا۔وہ جانتی تھی کہ نعمان ایسا نہیں کر سکتا۔وہ اسے بہت اچھے سے جانتی تھی۔مگر اسے نہال پر حیرت ہو رہی تھی کیا وہ اسے اور اپنے بھائی کو بھی نہیں جانتی تھی۔

وہ آسمان کی جانب دیکھتے ہوئے یہ سب سوچ رہی تھی کہ اس کے موبائل پر میسج کی بیپ بجی۔اس نے بے دلی سے موبائل اٹھایا۔اسے کسی اجنبی نمبر سے میسج موصول ہوا تھا۔جس میں ایک شعر لکھا ہوا تھا۔

"وہ جو ہم جیسے کبھی خود سے نہیں کر پاتے

وہ محبت ہے کہ ہم تم سے کیے پھرتے ہیں

اور یہ کہ ہم خود سے خالی ہیں اور بہت خالی ہیں

اور حیرت ہے کہ ہم تم سے بھرے پھرتے ہیں“

اس کے چہرے پر بیزاریت پھیل گئی۔اسے اس طرح کا میسج پہلے کسی نے نہیں کیا تھا۔وہ اجنبی نمبرز کو جواب نہیں دیا کرتی تھی۔اور نہ ہی بلاک کیا کرتی تھی۔یہ اس کی عادت تھی۔وہ بس خاموشی اختیار کرتی تھی۔دوسرا انسان خود ہی تنگ آکر پیچھے ہٹ جاتا تھا۔

اس نے موبائل واپس رکھنا چاہا تو دوبارہ بیپ بجی۔اب میسج میں ایک نام لکھا ہوا تھا۔”محب رضا حسین!“

وہ فلحال اس کے ساتھ کوئی بحث نہیں کرنا چاہتی تھی۔کچھ دیر بعد موبائل کی بیل بجنے لگی۔

اف!!ڈھیٹ انسان!

اس نے کال اٹھانے کی بجائے اپنی نظریں آسمان کی جانب مرکوز کر لیں۔جیسے اسے کوئی فرق ہی نہ پڑ رہا ہو۔

دوسری جانب محب فون کان سے لگائے اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔وہ اسرا سے بات کرنا چاہتا تھا۔مگر وہ اس کی کال نہیں اٹھا رہی تھی۔اور نہ ہی اس کے مسیجز کا جواب دے رہی تھی۔اب وہ

اپنے کمرے سے نکل کر بالکنی کی جانب بڑھ گیا۔اب اس کی نظریں بھی آسمان کی جانب تھیں۔اس نے دوبارہ میسج ٹائپ کیا۔

”ڈاکٹر اسرا ! مجھے آپ سے ایک سوال پوچھنا ہے۔پلیز میری کال پک کریں۔اینڈ آئی پرامس میں کوئی پرسنل سوال نہیں پوچھوں گا۔“ وہ موبائل پکڑے بے صبری سے اس کے جواب کا انتظار کر رہا تھا۔

اسرا نے میسج پڑھ کر ایک لمبی سانس خارج کیا اور اوکے کا میسج کر دیا۔

کچھ دیر بعد محب کی کال آگئی۔دوسری جانب سے اس کے بولنے کا انتظار کیا گیا۔

”السلام علیکم! مسٹر محب! “ اسرا کے بولنے پر محب نے آنکھیں بند کر کے اس کی آواز کو محسوس کیا۔اب اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ایک دم سے ہر چیز خوشگوار محسوس ہونے لگی۔

”مسٹر محب! کیا آپ میری بات سن رہے ہیں؟ “ محب کو ان کی پہلی ملاقات یاد آئی۔جب اس نے یہی جملہ بولا تھا۔اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ تب سے صرف اسی کو سننا چاہے گا۔

”جی ڈاکٹر! وعلیکم السلام ! کیسی ہیں آپ؟ “ وہ مدھم لہجہ میں ٹھہر ٹھہر کر بات کر رہا تھا۔

”الحمد اللہ! آپ نے مجھ سے کوئی سوال پوچھنا تھا۔“

محب نظریں آسمان کی جانب مرکوز کیے ہوئے کوئی بہانہ سوچ رہا تھا۔وہ تو بس اس کی آواز سننا چاہتا تھا۔ہاں! آسمان!!

"کیا آپ کو آسمان پسند ہے؟"

"مسٹر محب! آپ مجھ سے میری پسند کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔اٹس آ پرسنل کوئسچن۔" وہ دوٹوک لہجہ میں بولی تو محب مسکرایا۔اسے اسرا کا ہر انداز پسند تھا۔

"ڈاکٹر اسرا! میرا اصل سوال اسی کے متعلق تھا۔اگر آپ اپنی پسند نہیں بتانا چاہتی تو نہ بتائیں۔یہ تو بتا دیں کہ آسمان کتنے ہیں؟" اسے خود کچھ دیر پہلے نہیں معلوم تھا کہ وہ اس سے یہ سوال پوچھنے والا تھا۔

"مسٹر محب! اس کائنات میں سات آسمان ہیں۔" اب وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"مگر تمام انسانوں کو یہ ایک آسمان کیوں نظر آتا ہے؟" اس کے سوال پر اسرا مسکرائی۔

"مسٹر محب! تمام انسانوں کو نہیں۔۔۔"

"کیا مطلب؟" وہ مکمل طور پر متوجہ تھا۔

”مسٹر محب! ہر نگاہ کی اپنی حدود ہوتی ہیں۔یہ حدود جسمانی اور روحانی دونوں قسم کی ہوتی ہیں۔اللہ اپنے خاص بندوں پر بہت سے ایسے راز عیاں کرتا ہے۔جن کے بارے میں ایک عام انسان سوچ بھی نہیں سکتا۔“ اس نے ایک لمحے کا توقف لیا۔دوسری جانب مکمل خاموشی چھائی تھی۔

”مسٹر محب! ہماری آنکھیں صرف ایک آسمان ہی دیکھ پاتی ہیں۔کیونکہ ہم اس مقام تک تو کیا اسکے دور دور تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔“ اسرا دوبارہ ٹہلنے لگی۔

”ڈاکٹر اسرا ! کیا میں آپ سے ایک اور سوال پوچھ سکتا ہوں ؟“ اب اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

”جی مسٹر محب!“ اگر اسے معلوم ہوتا کہ وہ اس سے کیا پوچھنے والا تھا تو وہ اسے کبھی اجازت نہیں دیتی۔

”آپ کس دن فری ہوں گی ؟ میں آپ کے گھر رشتہ لانا چاہتا ہوں۔“اس کے چلتے قدم رک گئے۔ ناک غصہ سے پھول گئی۔سفید رنگت ہلکی ہلکی سرخ پڑنے لگی۔

”مسٹر محب! میں آپ کے اس کام کے لیے کسی دن بھی فارغ نہیں ہوں۔“وہ سرد لہجہ میں بولی۔

"ڈاکٹر۔۔۔"

"مسٹر محب ! اب مجھے کال مت کیجیے گا۔اس نے کال کاٹ دی۔اب اس کا رخ اپنے کمرے کی جانب تھا۔ابھی وہ لاؤنج میں پہنچی تھی کہ اس کا فون دوبارہ بجا مگر وہ نمبر محب کا نہیں تھا۔اف!!! آج ہی سب لوگوں نے اسے تنگ کرنا تھا۔

"ڈ۔۔ڈاکٹر۔۔اسرا ! میں ففففضہ۔۔"اس کی آواز کانپ رہی تھی۔بلکہ وہ ساری ہی کانپ رہی تھی۔

"کیا ہوا فضہ؟آپ ٹھیک تو ہیں؟ " اسرا اس کی آواز سن کر گھبرا گئی تھی۔

"ڈاکٹر ! وہ مجھے مار دے گا۔ڈاکٹ۔۔۔ڈاکٹر پلیز ہیلپ۔"

کوئی لگاتار اس کے کمرے کا دروازہ بجا رہا تھا۔

"کون مار ڈالے گا؟ کنزیٰ کہاں ہے؟ " اس کا سارا سکون بھک سے اڑا تھا۔

"وو۔۔وہ گھررر پر نہیںں ہے۔آہ ڈاکٹر ! مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" وہ اپنے بیڈ کے نیچے چھپی ہوئی تھی۔

"ریلیکس فضہ ! میں آرہی ہوں۔میں بس پندرہ منٹ میں پہنچ رہی ہوں۔آپ دروازہ مت کھولنا۔" وہ بھاگ کر اپنے کمرے میں پہنچی۔ڈوپٹہ کو حجاب کی صورت میں سر پر لپیٹا۔اور ساتھ ہی ایک نمبر پر میسج کیا۔

"نعمان ! ایک منٹ کے اندر اندر میرے گھر پہنو۔" اس نے ایک نظر ڈاکٹر نیلوفر کے کمرے کے بند دروازے پر ڈالی اور باہر نکل گئی۔

چراغ مانگتے رہنے کا کچھ سبب بھی نہیں

اندھیرا کیسے بتائیں اب تو شب بھی نہیں

یہ دکھ نہیں کہ اندھیروں سے صلح کی ہم نے

ملال یہ ہے کہ اب صبح کی طلب بھی نہیں

وہ گیٹ کے باہر گاڑی میں بیٹھی نعمان کا انتظار کر رہی تھی۔اس کا دل گھبرا رہا تھا۔مگر وہ کچھ بھی برا نہیں سوچنا چاہتی تھی۔اسے اللہ پر پورا بھروسا تھا۔"اللہ جی ! فضہ کو اپنے حفظ و امان میں رکھیے گا۔"

ابھی کچھ دیر گزری تھی کہ اسے نعمان اپنے گھر سے نکلتا ہوا دیکھائی دیا۔رات کے گیارہ بج رہے تھے۔وہ تقریباً بھاگتا ہوا اسرا کے پاس آیا اور ونڈو پر جھکا۔

"اسرا ! آپ ٹھیک تو ہیں؟" اسرا کے ماتھے پر بل پڑے۔

"پہلے اندر آؤ۔بعد میں اپنی یہ تفتیش کر لینا۔" وہ جتنا جلدی فضہ کے پاس پہنچنا چاہتی تھی وہ اتنی ہی دیر کروا رہا تھا۔نعمان اس کی بات سن کر پریشان ہوا۔کیونکہ اسرا عموماً غصہ نہیں کیا کرتی تھی۔مطلب سچ میں کوئی سیریس بات تھی۔وہ جلدی سے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔اس کے بیٹھتے ہی اسرا نے گاڑی چلا دی۔

"اسرا ! بتائیں تو سہی کہ ہم کہاں جا رہے ہیں اور کیا ہوا ہے؟" وہ بہت تیز ڈرائیونگ کر رہی تھی۔ جبکہ تاثرات انتہائی پتھریلے تھے۔

"فضہ کے گھر۔۔"اس کا سارا دھیان ڈرائیونگ پر تھا۔باہر دیکھنے پر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ روشنیاں بھاگ رہی ہوں۔نعمان کے تاثرات حیرت میں ڈھلے۔

"مگر ہم وہاں کیوں جا رہے ہیں؟"

" اس کا فون آیا تھا۔وہ کسی سے ڈر رہی تھی۔"نعمان کا دل کیا کہ وہ اپنا سر پیٹ لے۔یا اس کے دل سے تھوڑی سی ہمدردی نکال پھینکے۔

"تو اس کے گھر والے کہاں ہیں؟ "اسرا کی بھنویں سکڑ گئیں۔بس پانچ منٹ کا فاصلہ رہتا تھا۔کنزیٰ کا گھر زیادہ دور نہیں تھا۔

"اس کے گھر والے یہاں نہیں ہوتے۔وہ اپنی بہن کے ساتھ رہتی ہے۔" اب اسے نعمان کو اپنے ساتھ لانے پر پچھتاوا ہو رہا تھا۔

"اس کی بہن کس کے پاس رہتی ہے؟" اس نے اپنی داڑھی کھجاتے ہوئے کہا۔

"شٹ اپ نعمان! " وہ چلاتے ہوئے بولی۔

"اوکے۔اوکے۔آئی انڈرسٹینڈ۔مگر آپ مجھے اپنا باڈی گارڈ بنا کر لے جا رہی ہیں؟" اس کی بات پر اسرا نے بس ایک نظر اس کی جانب دیکھا تو اس نے منہ پر انگلی رکھ لی۔گھورنا اسرا کی عادت تھی اور منہ پر انگلی رکھنا نعمان کی عادت تھی۔اتنا عرصہ ہو گیا تھا مگر پھر بھی وہ دونوں اپنی اپنی عادات کو قائم رکھے ہوئے تھے۔

نعمان اپنی ہی سوچوں میں گم تھا کہ اسے یکدم گاڑی رکتی ہوئی محسوس ہوئی۔نعمان نے باہر کی جانب دیکھا تو وہ ایک بہت بڑے گھر کے باہر موجود تھے جس کے باہر نیم پلیٹ پر حارث ولا کندہ تھا۔

اسرا جلدی سے باہر نکلی۔گھر کے گیٹ پر ایک باوردی گارڈ کھڑا تھا۔اسرا اس کے جانب بڑھنے لگی تو نعمان نے اسے رکنے کا اشارہ کیا۔

”آپ رکیے۔میں بات کرتا ہوں۔“نعمان گارڈ کی جانب بڑھا۔عالیشان ولا روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔

”اندر اطلاع کرو کہ کنزیٰ بی بی کی دوست آئی ہے۔“ وہ دوٹوک لہجہ میں بات کر رہا تھا۔وہ اپنوں کے لیے شرارتی نعمان تھا۔مگر باقی دنیا کے لیے وہ ایک سنجیدہ انسان تھا۔گارڈ اندر چلا گیا۔اسرا گیٹ کے پاس بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔اب نعمان کو کوفت ہو رہی تھی۔

کچھ دیر بعد گارڈ باہر آتا دیکھائی دیا۔

”سر کہہ رہے ہیں کہ بی بی گھر پر نہیں ہیں۔“اس کی بات سن کر اسرا آگے آئی۔

”ہمیں فضہ سے ملنا ہے۔میں ان کی ڈاکٹر بھی ہوں۔“

کچھ دیر بعد گارڈ کے ساتھ تیس اکتیس برس کا ایک جوان باہر نکلا۔اس کے جبڑے بھینچے ہوئے تھے۔ وہ اپنی جسامت کے حساب سے کوئی باکسر لگ رہا تھا۔وہ ان کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔اسرا جو پہلے آگے کھڑی تھی۔نعمان نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنے پیچھے کیا.

"کون ہیں آپ لوگ؟ اور ہمیں کیوں پریشان کر رہے ہیں؟" اس کے آنے سے فضا میں عجیب سا تناؤ گھل گیا تھا۔

"مسئلہ ہمارے ساتھ نہیں بلکہ آپ کے گھر کے اندر ہےاور یہ اس مسئلہ کا حل ہیں۔" نعمان کی بات پر وہ آگے بڑھا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑا ہو گیا۔اب منظر کچھ یوں تھا کہ اسرا نعمان کے پیچھے جبکہ وہ انسان اس کے آگے کھڑا تھا۔گیٹ پر لگے ہوئے لائٹ پولز میں وہ ایک دوسرے کو دیکھ پا رہے تھے۔اسرا کو اس انسان سے اچھی وائبز نہیں آ رہی تھیں۔

"ہمیں کسی حل کی ضرورت نہیں ہے۔"آپ لوگ یہاں سے جاسکتے ہیں۔

"دیکھیں مسٹر۔۔۔۔"

”مجھے کچھ بھی نہیں دیکھنا۔ اگر اب آپ لوگ یہاں سے نہیں گئے تو مجھے مجبوراً پولیس کو بلانا پڑے گا۔“اس کی بات پر نعمان استہزائیہ ہنسا۔

”اسرا! دیکھیں یہ ایک اے۔ایس۔پی کے۔۔۔“وہ پیچھے مڑا تو بات اس کے منہ میں ہی رہ گئی۔اسرا کچھ فاصلہ پر کھڑی کسی سے فون پر بات کر رہی تھی۔کچھ دیر بعد وہ پلٹی۔اب اس کے چہرے پر تپا دینے والی مسکراہٹ تھی۔اس نے اسپیکر آن کیا۔

”ہاں! کنزیٰ! بولو۔سب سن رہے ہیں۔“کنزیٰ ایک آرٹسٹ تھی۔وہ ایک اگزیبیشن اٹینڈ کرنے آؤٹ آف سٹی گئی ہوئی تھی۔

”حارث! ان کو اندر جانے دو۔“

”اوکے۔کنزیٰ!“ وہ بہت مشکل سے بولا۔

”تھینک یو کنزیٰ! میں تم سے کچھ دیر تک بات کرتی ہوں۔“اس نے اپنا فون بیگ کے اندر رکھا اور اب طنزیہ مسکراہٹ چہرے پر سجا کر حارث کی جانب مڑی۔

”جی تو جیجہ جی! کیا اب ہم اندر آ سکتے ہیں؟“ نعمان اس کا انداز دیکھ کر مسکرایا۔

اسرا کے سوال پر حارث سر ہلاتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔اندر دونوں جانب لان تھا۔جس کے درمیان میں ایک لمبی روش بنی ہوئی تھی۔اس روش کو پار کر کے وہ لوگ اب اندرونی دروازے کی جانب بڑھ رہے تھے۔وہ ان لوگوں کو ڈرائینگ روم میں لے گیا۔وہ گھر بہت خوبصورت تھا۔مگر ہر چیز کو زوال آنا ہی ہے۔

"آئیں میں آپ کو فضہ کے روم میں لے چلوں۔"وہ اسرا سے مخاطب ہوا تو نعمان کی تیوری چڑھی۔

وہ اسرا کو اس کے ساتھ اکیلا نہیں بھیجے گا۔

"میں ساتھ چلوں گا۔"اس کی بات پر حارث نے اپنی مٹھیاں بھینچیں اور سر ہلاتا ہوا باہر نکل گیا۔

وہ لوگ ڈرائینگ روم سے باہر نکل کر ایک لمبی راہداری میں داخل ہو گئے۔چمکتی ہوئی ٹائلز پر ان کا عکس پڑ رہا تھا۔دونوں جانب دیواروں پر دلکش پینٹنگز آویزاں تھیں۔حارث سب سے آگے جبکہ وہ دونوں اس کے پیچھے چل رہے تھے۔

وہ یکدم اس راہداری کے دائیں جانب مڑا تو وہاں دو کمرے موجود تھے۔وہ پہلے کمرے کی جانب بڑھا۔زور سے دروازے پر دستک دی مگر اندر سے کوئی آواز نہیں آئی۔

”آپ خود ہی کوشش کر لیں۔ مگر مجھے نہیں لگتا کہ وہ دروازہ کھولے گی۔“وہ شانے اچکاتا ایک طرف کو ہو گیا۔جیسے یہ روز کا معمول ہو۔اسرا آگے بڑھی اور دروازہ کھٹکھٹایا۔مگر اسے بھی جواب میں صرف خاموشی ہی ملی۔

”فضہ! دروازہ کھولیں۔میں ڈاکٹر اسرا ہوں۔“اسرا پریشانی سے دروازے کے ساتھ کان لگائے اندر سے کوئی آواز سننے کی کوشش کر رہی تھی۔

”ڈاکٹر۔۔۔“اسے کچھ دیر بعد مدھم سی کانپتی آواز سنائی دی۔

”جی فضہ! “ اس کے دل کو تھوڑا سکون ملا کہ وہ صحیح سلامت تھی۔

”یا اللہ! تیرا شکر ہے!“ اس نے زیر لب کہا۔

ابھی چند ثانیے گزرے تھے کہ دروازہ کلک کی آواز کے ساتھ کھلا۔اندر کا منظر واضح ہو گیا۔فضہ نے نعمان اور حارث کو دیکھ کر پیچھے کی طرف قدم لیے۔

”اسرا! آپ اندر جائیں۔میں یہیں ہوں۔“اسرا نے اندر داخل ہو کر دروازہ لاک کر دیا۔فضہ بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائے رو رہی تھی۔اسرا جیسے ہی اس کے پاس گئی اس نے اسرا کو گلے سے لگا لیا۔اس کا وجود کانپ رہا تھا۔اسرا نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر نیچے سے اٹھایااور بیڈ پر بٹھا دیا۔

اب اسرا کی نظریں کمرے میں کسی چیز کو تلاش کر رہی تھیں۔جو اسے سائیڈ ٹیبل پر نظر آ گئی۔اس نے پانی کا گلاس اٹھایا اور فضہ کو پانی پلایا۔ناجانے کیا ہوا ہو گا جو فضہ اتنا ڈر گئی ؟ انسان کو اپنے ڈر پر غلبہ پاا آنا چاہیے۔ورنہ ڈر آپ کی زندگی کا ہر مزہ چھین لیتا ہے۔اس نے آنکھیں بند کر کے اوپر کی جانب دیکھا۔یا اللہ !فضہ کو صحت یاب کر دیں۔

”ڈاکٹر۔۔۔وہ آ جائے گا۔۔۔ ممجھے چھپا لیں۔“وہ سہمی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔اس کے ہاتھ کبھی اس کے چہرے کو چھپا رہے تھے تو کبھی وہ اپنے بازوؤں کو اپنے اردگرد لپیٹ رہی تھی۔اسرا نے اس کے ہاتھ پکڑے اور اس پر آیتہ الکرسی پڑھ کر پھونکی۔

”ریلیکس فضہ ! آپ لمبے لمبے سانس لیں۔“ فضہ اس کی ہداہت پر عمل کرتے ہوئے لمبے لمبے سانس لینے لگی۔اس سے اس کا ڈر تھوڑا بہت کم ہوا تھا۔

اسرا نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر اٹھ کر کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ہر چیز اپنی جگہ پر موجود تھی۔کھڑکیاں اندر سے لاکڈ تھیں۔ڈریسنگ ٹیبل پر سارا سامان ترتیب سے پڑا ہوا تھا۔مطلب وہ پینک اٹیکس کے دوران توڑ پھوڑ نہیں کرتی تھی۔اسے کچھ الگ لگ رہا تھا۔یکدم وہ بھاگ کر اس کے پاس آئی اور اسکی قمیص کی آستین کو پیچھے کیا۔فضہ اپنے دوسرے ہاتھ سے اسے روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔مگر اسرا کو جو دیکھنا تھا وہ دیکھ چکی تھی۔

شاک کی کیفیت میں اس نے فضہ کا بازو چھوڑا۔اس کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔فضہ بے بسی کی حد کو پہنچتی رو پڑی۔اب اس کی سسکیوں کی آواز باہر کھڑے نعمان اور حارث کو بھی آ رہی تھی۔حارث موبائل پر مصروف تھا جبکہ نعمان بے دلی سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

فضہ کے بازو پر ناخنوں کے نشان تھے۔وہ چیزوں کو نقصان پہنچانے کی بجائے اپنے آپ کو نقصان پہنچاتی تھی۔اب وہ فضہ کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔اس نے کنزیٰ کا نمبر ملایا اور کھڑکی کی جانب چلی گئی۔فضہ ابھی بھی رو رہی تھی۔

”کنزیٰ ! میں فضہ کو اپنے گھر لے کر جا رہی ہوں۔“اس نے نہ ہی اس سے پوچھا تھا اور نہ ہی درخواست کی تھی۔اس نے تو بغیر لگی لپٹی کے دو ٹوک لہجے میں اپنا فیصلہ سنایا تھا۔اور یہ فیصلہ اس نے بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا۔

”مگر کیوں؟ “ دوسری جانب سے کنزیٰ کی شاکڈ آواز سنائی دی۔وہ بھی فضہ کے لیے پریشان تھی۔مگر اسے اس بات کی بھی تسلی تھی کہ اس کے پاس حارث ہے۔

”کیونکہ وہ یہاں رہ کر ڈر رہی ہے اور اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہی ہے۔“اس نے دھیمے لہجے میں بولتے ہوئے پیچھے دیکھا تو اب فضہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔اسرا اس وقت کھڑکی کے سامنے کھڑی تھی۔

”مگر وہاں حارث ہے۔وہ اس کا خیال رکھ لے گا۔“

”وہ اس کے ہوتے ہوئے بھی ڈر رہی تھی۔اور میں اس کی ڈاکٹر ہوں۔مجھے پتا ہے کہ میرے پیشنٹ کے لیے کیا صحیح ہے!!“اب اس کا لہجہ سرد تھا۔

"اچھا بھئی ڈاکٹر صاحبہ! جو کرنا ہے وہ کرو۔ میں حارث کو میسج کر دیتی ہوں۔ ورنہ وہ اسے تمہارے ساتھ نہیں بھیجے گا۔" آخر میں وہ ہنسی تھی۔

"اوکے۔ اللہ حافظ!" وہ فضہ کے پاس آئی اور اس کے سر کو ہاتھ سے پکڑ کر اوپر کیا۔ اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں ڈر تھا۔ اسرا اس سے جان بوجھ کر ابھی کوئی بات نہیں کر رہی تھی۔ وہ ایک ہی بار تسلی سے ان زخموں کے بارے میں بات کرے گی۔

"فضہ! آپ میرے ساتھ میرے گھر جا رہی ہیں۔ اوکے؟"

اس کی بات پر فضہ نے سر ہلایا۔ اسرا نے اس کا ڈوپٹہ ٹھیک کیا اور اسے باہر لے کر جانے لگی۔ اس نے اسرا کو زور سے پکڑا ہوا تھا۔ نگاہیں شرمندگی کی وجہ سے جھکی ہوئی تھیں۔

"جیسے ہی وہ باہر نکلیں تو باہر نعمان اور حارث کو کھڑا پایا۔" انہیں دیکھ کر وہ اسرا کے پیچھے چھپ گئی۔ اسرا حارث کے آگے جا کر کھڑی ہو گئی۔

"چیک یور فون۔" اس نے اس کے ہاتھ میں پکڑے فون کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ حارث نے اس کی جانب حیرانی سے دیکھتے ہوئے نوٹیفکیشن چیک کیں۔ وہاں کنزیٰ کا میسج جگمگا رہا تھا۔

" فضہ کو ڈاکٹر اسرا کے ساتھ جانے دو۔"نعمان کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اسرا کے دماغ میں کیا چل رہا تھا۔حارث نے غصے کو ضبط کرتے ہوئے سر ہلا دیا۔

"آئیں فضہ! " اس نے فضہ کا بازو پکڑا اور راہداری کی جانب مڑتے ہوئے گاڑی کی چابی نعمان کی طرف اچھالی جسے اس نے کیچ کر لیا۔

اس وقت مرمریں راہداری میں تین نفوس باہر کی جانب بڑھ رہے تھے۔اسرا اپنی سوچوں میں گم تھی۔جبکہ فضہ ڈرتے ہوئے اسرا کے ساتھ چل رہی تھی اور نعمان تعجب میں تھا۔یہ لڑکی کسی دن بہت بڑے خطرے میں پھنسے گی۔

اس نے فضہ کو پچھلی سیٹ پر بٹھایا اور خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔نعمان نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔اپنے کمرے کی بالکنی میں کھڑے حارث نے یہ منظر دیکھ کر اپنا ہاتھ دیوار میں مارا۔اس وقت گاڑی میں خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔نعمان نے ابھی تک گاڑی سٹارٹ نہیں کی تھی۔

"تم کار کیوں نہیں چلا رہے؟" فضہ اس کے ساتھ دبکی بیٹھی تھی۔

”آپ یہ بتائیں گی کہ کہاں جانا ہے تب ہی چلاؤں گا نا۔“ وہ جھنجھلا کر بولا تو اسرا کے ابرو تن گئے۔اسے اچھے سے سمجھ آ رہا تھا کہ نعمان اتنے غصہ میں کیوں تھا۔

”گھر جانا ہے اور اتنا غصہ کرنے کی ضروت نہیں ہے۔کل سب کچھ بتاؤں گی۔“ اس کی بات پر نعمان نے سر جھٹک کر گاڑی اسٹارٹ کی۔اور انہیں چھوڑ کر اپنے گھر کی جانب بڑھ گیا۔

احمد ولا کا منظر کچھ یوں تھا کہ اس وقت ماں جی اور بابا جان کے کمرے میں نہال اور ارمان بھی موجود تھے۔ارمان سب سے کوئی خاص بات کرنا چاہتا تھا۔اس کے زخم آہستہ آہستہ مندمل ہو رہے تھے۔

ماں جی اور بابا جان بیڈ پر بیٹھے تھے۔جبکہ ارمان اور نہال ان کے سامنے صوفے پر بیٹھے تھے۔ارمان کے علاوہ سب کے چہرے پر الجھن موجود تھی۔وہ ارمان کے بولنے کا بے صبری سے انتظار کر رہے تھے۔جبکہ ارمان سر جھکائے بات کرنے کے لیے ہمت اکٹھی کر رہا تھا۔

"بابا جان !میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔" بالآخر اس نے کہہ ہی دیا۔اس کی بات پر بابا جان اور ماں جی کے چہرے کھل اٹھے۔وہ تو کب سے اس دن کا انتظار کر رہے تھے۔جبکہ نہال حیرانی کے عالم میں ارمان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" بابا جان بولے تو اسے تھوڑا حوصلہ ملا۔

"بابا جان! میں منال سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" ارمان کی بات پر ان دونوں کی مسکراہٹ تھم گئی۔نہال کے چہرے پر ناگواری پھیل گئی۔باباجان نے ایک نظر ارمان کی طرف ڈالی۔اور پھر نہال کی جانب دیکھا۔

مگر پھراپنی پانچ سال پہلے کی زیادتی یاد آ گئی۔اسرا کا چہرہ نگاہوں کے سامنے آ گیا۔

مگر ارمان کی خوشی ان سب پر بھاری پڑ گئی۔وہ اپنے بیٹے کے ساتھ مزید نا انصافی نہیں کر سکتے تھے۔ارمان سر اٹھائے بے صبری سے ان کے جواب کا انتظار کر رہا تھا۔

"جیسی تمہاری مرضی میرے بچے! ہم تمہاری خوشی میں خوش ہیں۔" ان کے مسکرا کر بولنے پر ارمان جھٹکے سے اٹھا اور بابا جان کو گلے لگا گیا۔اس کے چہرے سے خوشی پھوٹ رہی تھی۔اب وہ ماں جی کو بھی گلے مل رہا تھا۔

"ہم اس اتوار کو منال بیٹی کے گھر چلیں گے۔" ماں جی کے کہنے پر ارمان ان کے پاس ہی بیٹھ گیا۔نہال اس وقت بس اسرا کے بارے میں سوچ رہی تھی۔وہ اسے یہ سب کیسے بتائے گی ؟

اسی وقت دروازا کھلا اور نعمان اندر داخل ہوا۔اندر کا ماحول دیکھ کر اسے خوشگوار حیرت ہوئی۔

"یہاں کون سی کانفرنس ہو رہی ہے؟ " وہ ارمان کی چھوڑی ہوئی جگہ پر بیٹھ گیا۔

"ہم اتوار کو ارمان کے لیے رشتہ دیکھنے جا رہے ہیں۔"

ماں جی کی بات پر وہ جھٹکے سے کھڑا ہوا۔

"واٹ؟ کس کے گھر جا رہے ہیں آپ لوگ؟" اس کے تصور میں اسرا کا عکس ابھرا۔اگر ایسا ہوا تو؟؟

"منال کے گھر۔" ارمان کے بولنے پر نعمان شاکڈ رہ گیا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔پیچھے سب نے ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھا۔

نعمان کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔چہرے پر ہاتھ پھیر کر اس نے اپنے آپ کو کمپوز کیا۔وہ تو سب کچھ ٹھیک کرنا چاہتا تھا۔اب وہ یہ کیسے کرے گا ؟

”اسرا !میں اب آپ کے لیے کیا کروں؟؟؟“

وہ بتوں نے ڈالے ہیں وسوسے کہ دلوں سے خوفِ خدا گیا

وہ پڑی ہیں روز قیامتیں کہ خیالِ روزِ جزا گیا

نہ وہ رنگ فصلِ بہار کا،نہ روش وہ ابرِ بہار کی

جس ادا سے یار تھے آشنا،وہ مزاجِ بادِ صبا گیا

رات کا یہ پہر بھی کچھ راتوں پہلے کے پہر کی مانند تھا۔اپنے مخصوص لباس میں ملبوس وہ ہیولہ اس وقت ایک عالیشان گھر کے باہر کھڑا تھا۔اندھیرے میں چمکتی سرخ آنکھیں عجب منظر پیش کر رہی تھیں۔ہوا نے بھی اس کو دیکھ کر جھرجھری لی۔

گھر کے مکین اس کی آمد سے بے خبر خوابِ خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔کالے ماسک کے پیچھے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ کسی انہونی کی پیش گوئی کر رہی تھی۔اس نے پہلے کی طرح ہی گارڈ کو بے ہوش کیا۔مگر اسے کیا معلوم تھا کہ اس دفعہ اس کا سارا منصوبہ دھرا کا دھرا رہ جائے گا۔

جیسے ہی اس نے دیوار پھلانگ کر گھر میں قدم رکھا۔اسی وقت ساری لائٹس آن ہو گئیں۔الارم کی آواز گونجنے لگی۔اس نے غصے سے ادھر ادھر دیکھا۔وہ آج اپنے شکار کو نہیں مار پائے گا۔اس کی آنکھیں انگارے اگلنے کو تیار تھیں۔وہ ایسی غلطی کیسے کر سکتا تھا؟ اسے ساری سکیورٹی ڈیٹیلز معلوم ہونی چاہئیے تھیں۔اس سے پہلے کوئی آتا وہ ہوا کے جھونکے کی طرح غائب ہو گیا۔

"آج تو تم بچ گئے۔مگر ہر دفعہ قسمت تمہارا ساتھ نہیں دے گی۔"وہ تصور میں اپنے شکار سے مخاطب ہوا اور اپنے ٹھکانے کی طرف چل دیا۔اسے شکست کا سامنا کرنے کی عادت نہیں تھی۔مگر اب اسے قدم قدم پر ہار کا ہی سامنا کرنا تھا۔

ڈاکٹر فیصل ابھی کچھ دیر پہلے ایک کیس اسٹڈی کر کے سویا تھا کہ اسے الارم کی آواز سنائی دی۔وہ ہڑبڑاکر اٹھا اور اونگتے ہوئے اپنے کمرے سے باہر نکلا۔اس نے پورے گھر میں نظریں دوڑائیں۔مگر اسے کوئی انسان اور نہ ہی کوئی جانور دیکھائی دیا۔سب لوگ الارم کی آواز کی وجہ سے جاگ چکے تھے۔

”آپ لوگ سو جائیں۔کوئی بلی آئی ہو گی۔“اس نے گھر والوں سے زیادہ خود کو تسلی دی۔اس کا دل مطمئن نہیں تھا۔سب لوگ اندر جا چکے تھے۔صرف وہی لان میں کھڑا تھا۔ابھی اس نے اندر کی جانب ایک قدم بڑھایا ہی تھا کہ وہ ٹھٹک کر رک گیا۔دیوار کے ساتھ نیچے گھاس پر کوئی چیز پڑی چمک رہی تھی۔

اس نے اپنے محتاط قدم دیوار کی جانب بڑھائے۔دل سے دھک دھک کی آواز اسے اپنے کانوں میں سنائی دے رہی تھی۔دیوار کے پاس پہنچ کر وہ پاؤں کے بل جھکا۔وہ چمکتی ہوئی چیزایک گھڑی تھی۔اس نے اسے دھیان سے اٹھایا۔وہ گھڑی کچھ الگ تھی۔اس کے ایک جانب لال رنگ کا بچھو بنا ہوا تھا۔اس نے آنکھیں بند کر کے اپنے دماغ پر زور ڈالا۔مگر اسے یہ گھڑی یاد نہیں آئی۔وہ اس کو

پہلی دفعہ ہی دیکھ رہا تھا۔اس نے وہ گھڑی اپنے ٹراؤزر کی پاکٹ میں ڈالی اور اندر کی جانب بڑھ گیا۔وہ یہ بات سوچ چکا تھا کہ وہ کل ہی پولیس کو اس سارے واقعہ کے بارے میں بتائے گا۔

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

صبح اسرا نماز کے لیے بیدار ہوئی تو اس کے دماغ میں پہلا خیال فضہ کا آیا۔وہ جلدی سے اٹھی اور کھڑکی کے پٹ کھولے تو صبح کی ٹھنڈی ہوا اس کے چہرے پر پڑنے لگی۔اس نے چند لمحے آنکھیں بند کر کے اس تازگی کو محسوس کیا اور پھر فریش ہونے چلی گئی۔

کچھ دیر بعد وہ وضو کر کے باہر نکلی تو ڈوپٹہ حجاب کی صورت میں اس کے سر پر موجود تھا۔اب اس کا رخ گیسٹ روم کی جانب تھا۔

اس نے ابھی ڈاکٹر نیلو فر کو فضہ کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔وہ ناشتہ کے وقت انہیں سب بتانے کا ارادہ رکھتی تھی۔

اس نے دروازہ ناک کیا مگر اندر سے کوئی آواز نہ آئی۔وہ آہستہ سے دروازہ کھولتی اندر داخل ہو گئی۔اندر لائٹ آن تھی اور فضہ بستر میں چھپی ہوئی تھی۔وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی فضہ کے پاس

پہنچی۔اس کے چہرے پر مدھم مسکاہٹ کھلی ہوئی تھی۔گلابی ہالے میں لپٹااس کا چہرہ بھی گلابی لگ رہا تھا۔

"فضہ! اٹھ جائیں۔نماز کا ٹائم ہو گیا ہے۔"اس کی بات پر فضہ نے کروٹ بدل کر اپنا رخ دوسری جانب کر لیا۔

"یار کنزیٰ! سونے دو نا۔"اس کی آواز میں جھنجھلاہٹ تھی۔اس کی بات پر اسرا نے قہقہہ لگایا اور پھر تھوڑا سا جھکی۔

"کنزیٰ تو شائد ابھی خود سو رہی ہو گی۔مگر میں آپ کو بالکل بھی نہیں سونے دوں گی۔اٹھ جائیں۔"اس کے کہنے پر وہ جھٹکے سے اٹھی اور ادھر ادھر دیکھا۔اسے یاد آگیا کہ وہ اس وقت اسرا کے گھر پر موجود ہے۔

"سوری ڈاکٹر! "آواز میں نیند کا خمار تھا۔

"اٹس اوکے۔آپ کو نیند کیسی آئی؟"وہ اس کے چہرے کو غور سے دیکھ رہی تھی۔جہاں اب کل جیسی گھبراہٹ نہیں تھی۔

”جی ڈاکٹر! مجھے بہت اچھی نیند آئی۔“وہ کل کافی دنوں بعد پر سکون ہو کر سوئی تھی۔اب وہ بیڈ پر بیٹھی تھی۔جبکہ اسرا اس کے سامنے کھڑی تھی۔

”گڈ! یہ تو بہت اچھی بات ہے۔آپ ابھی اٹھیں اور وضو کر کے آئیں۔نماز کا ٹائم جا رہا ہے۔“اس کی بات پر فضہ نے سر ہلایا اور واش روم چلی گئی۔اسرا کھڑکی کے سامنے کھڑی ہو کر آسمان دیکھنے لگی۔

وہ واش روم سے نکلی تو ڈوپٹہ اس کے ہاتھ میں تھا۔وہ ہچکچاتے ہوئے اسرا کے پاس آئی۔

”ڈاکٹر! مجھے بھی ایسے ہی ڈوپٹہ کرنا ہے۔“اسکی آواز میں جھجک تھی۔اسرا نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ سے ڈوپٹہ پکڑا۔فضہ غور سے اسے حجاب کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔کچھ دیر بعد وہ اپنے آپ کو آئینہ میں دیکھ کر حیران رہ گئی۔سفید ڈوپٹے کے ہالے میں اس کی سنہری رنگت چمک رہی تھی۔

”آئیں پرئینگ روم چلتے ہیں۔“وہ اسرا کے ساتھ باہر نکل گئی۔ایک لمبی راہداری کو عبور کرنے کے بعد وہ ایک روم میں داخل ہوئیں۔وہ کمرا اتنا بڑا نہیں تھا۔مگر اس میں ایک پاکیزگی سی موجود تھی۔چمبیلی کی پھیلی ہوئی خوشبو ان کی طبیعت میں تازگی بھر رہی تھی۔نیچے ایک نیلے رنگ کی قالین بچھی ہوئی

تھی جبکہ ایک جانب الماری میں قرآن پاک اور بہت سی کتابیں ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں۔وہاں اتنا سکون تھا کہ فضہ کو لگا کہ وہ کسی اور دنیا میں پہنچ آئی تھی۔

نماز ادا کرنے کے بعد وہ دونوں لان میں چہل قدمی کر رہی تھیں۔

”ڈاکٹر! میرا نماز پڑھنے کو دل نہیں کرتا۔“وہ کافی وقت سے اس سے یہ بات کرنا چاہتی تھی۔اس کی بات سن کر اسرا کرسیوں کی جانب بڑھ گئی اور اسے بھی اپنے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”فضہ! میں گھر میں آپ کے لیے ڈاکٹر نہیں ہوں۔آپ مجھے میرے نام سے بھی بلا سکتی ہیں۔“وہ نرمی سے بولی تو فضہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

”اب آتے ہیں آپ کی بات کی طرف۔تو مجھے بتائیں کہ آپ کا دل نماز پڑھنے کے لیے کیوں نہیں کرتا؟ “ فضہ کے چہرے پر شرمندگی نظر آنے لگی۔اس نے اپنی نگاہیں جھکا لیں۔

”میں بہت گناہگار ہوں اسرا! “فضہ کی آواز میں نمی گھل گئی۔اس کی نظریں سائیڈ پر لگے پودوں پر تھیں جن پر پھول کھلے ہوئے تھے۔

”فضہ! ہر انسان گناہگار ہوتا ہے۔اس دنیا میں کوئی معصوم نہیں ہوتا۔ہر کسی نے کوئی نہ کوئی گناہ ضرور کیا ہوتا ہے۔مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اپنے فرض کو ہی چھوڑ دیں۔“اب فضہ کی نظریں اسرا پر مرکوز تھیں۔جو ٹھہر ٹھہر کر بہت پیارا بول رہی تھی۔

”سب سے پہلے آپ کو یہ سمجھنا چاہیے کہ نماز ایک اوپشن نہیں ہے کہ جب دل چاہا نماز ادا کر لی اور جب دل چاہا چھوڑ دی۔انسان کو اس دل کی قید سے باہر نکلنا چاہیے۔نماز ایک فرض عبادت ہے۔جس کا ادا کرنا ایک مسلمان کے لیے بہت ضروری ہے۔اگر نماز اتنی اہم نہ ہوتی تو ہمارے نبی ﷺ کو معراج کے موقع پر اس کا تحفہ نہ دیا جاتا، قرآن میں اتنی دفعہ یہ نہ کہا جاتا کہ نماز قائم کرو۔“اس کی باتوں سے فضہ کے دل پر سے گرد کی پرتیں چھٹ رہی تھیں۔وہ ٹرانس کی کیفیت میں اس کی باتیں سن رہی تھی۔

”اور رہی بات آپ کے دل کی تو۔۔۔انسان کو کبھی نہ کبھی،کسی نہ کسی وقت نماز کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔اس وقت آپ کے دل کو صرف اسی سے سکون ملتا ہے۔آپ در در کی ٹھوکریں کھا لیں۔

مگر آپ کو صرف نماز میں ہی پناہ ملے گی۔پتا ہے وہ وقت کون سا ہوتا ہے؟" فضہ کا سر خودبخود نفی میں ہل گیا تو اسرا مسکرائی۔فضہ کو اس وقت صرف اسرا کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"جب انسان کے لیے سارے راستے بند ہو جاتے ہیں۔تب ہی وہ اللہ کی جانب رخ کرتا ہے۔اور بندے اور خدا کے درمیان نماز سے بڑا کنکشن آخر کیا ہو سکتا ہے! واقعی میں انسان بہت خود غرض ہوتا ہے۔جب اس کے پاس سب کچھ موجود ہوتا ہے۔وہ اللہ کو بھول جاتا ہے۔مگر جیسے ہی اس پر کوئی مشکل وقت آتا ہے تو و ہ اللہ کی جانب بھاگتا ہے۔اور اللہ بھی کتنا غفور اور رحیم ہے۔جو انسان کو کبھی بھی ٹھکراتا نہیں ہے اور انسان پھر بھی ان مٹی کے پتلوں میں وفا تلاش کرتا ہے۔" وہ آسمان کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔جبکہ فضہ اپنے آپ سے کوئی عہد کر رہی تھی۔

"چھوٹی بی۔۔" ابھی وہ کچھ اور بولتی کہ نجمہ اچانک سے اس کے پیچھے سے بولتی بولتی خاموش ہو گئی۔

"کیا ہوا نجمہ؟" اسرا نے اپنا رخ پیچھے کی جانب موڑا۔

"وہ چھوٹی بی بی! آپ کو بڑی بی بی بلا رہی ہیں۔" وہ ایک نئی لڑکی کو اسرا کے ساتھ دیکھ کر حیران تھی۔

"میں آرہی ہوں۔اور یہ ہماری مہمان ہیں۔آپ نے ان کا خاص خیال رکھنا ہے۔"آخر میں اس کا لہجہ سخت ہو گیا۔اس پر نجمہ نے اپنا سر ہلایا۔اس کی بی بی زیادہ غصہ نہیں کرتی تھیں۔مگر جب وہ ایسے بولتی تھی تو اس کی جان پر بن جاتی تھی۔نجمہ کی عمر تیس پینتس سال تھی۔وہ ایک بیوہ عورت تھی۔ڈاکٹر نیلو فر نے اس کی دوسری شادی کروانے کی کوشش کی تھی مگر وہ شادی کے لیے نہیں مانی۔

نجمہ کے جانے کے بعد وہ دونوں اندر کی جانب بڑھیں۔فضہ کا گھبراہٹ کے مارے برا حال ہو رہا تھا۔مگر اسے اس بات کی تسلی تھی کہ اسرا اس کے ساتھ تھی۔

"السلام علیکم!" ڈاکٹر نیلو فر ڈائننگ ٹیبل کی سربراہی کرسی پر بیٹھی ہوئیں اس کا انتظار کر رہی تھیں۔اسرا کے سلام کرنے پر انہوں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔مگر اس کے ساتھ ایک لڑکی کو دیکھ کر حیران رہ گئیں۔انہوں نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

”وعلیکم السلام! آؤ بیٹھو۔“اسرا ان کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی۔جبکہ فضہ ویسے ہی کھڑی تھی۔اسرا خاموشی سے جگ سے گلاس میں جوس انڈیلنے لگی۔ڈاکٹر نیلو فر اپنے ابرو اٹھائے فضہ کی جانب سوالیہ انداز میں دیکھ رہی تھیں۔ان کی نظروں سے وہ کنفیوز ہو رہی تھی۔

”وہ۔۔میں کنزیٰ کی بہن ہوں۔“اس کی بات پر ڈاکٹر نیوفر مسکرائیں۔

”بچے! میں نے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ آپ کون ہو! میں تو اس لیے دیکھ رہی تھی کہ آپ نے مجھے سلام ہی نہیں کیا۔“ان کے دوستانہ انداز پر فضہ نے شکر کا سانس لیا۔جوس کے گھونٹ بھرتی اسرا کو پہلی دفعہ ان کا یہ انداز برا لگا تھا۔اس نے بے دلی سے جوس ٹیبل پر رکھ دیا۔وہ چاہتی تھی کہ وہ فضہ کے ساتھ تھوڑی سی سختی برتیں۔خیر یہ کام وہ خود بھی کر سکتی تھی۔

”السلام علیکم آنٹی!“ وہ مسکرا کر بولی۔

”وعلیکم السلام! آؤ ناشتہ کرو بچے! “انھو ں نے اپنی دوسری جانب اشارہ کیا اب اسرا اور وہ آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔

”کیا نام ہے آپکا؟ “

"فضہ انصاری۔" اب وہ اپنے آپ کو کافی پر سکون محسوس کر رہی تھی۔

"نائس نیم !" انہوں نے اس کے آگے بریڈ اور جیم رکھا اور اسرا کی جانب متوجہ ہوئیں۔

"مما! کنزیٰ اپنے گھر پر نہیں ہے تو فضہ کچھ دن ہمارے ساتھ رہیں گی۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔ وہ زیادہ تر گھر ہی رہتی تھیں۔ ان کو بھی فضہ کی کمپنی مل جائے گی۔ اسرا ناشتہ کر کے کھڑی ہو گئی۔

"آپ دونوں ایک دوسرے کو کمپنی دیں۔ میں ہاسپٹل جانے کی تیاری کر لوں۔" وہ یہ کہتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

کمرے میں داخل ہو کر اس نے چارجنگ پر لگے موبائل کو چیک کیا تو نعمان کا میسج جگمگا رہا تھا۔

"اسرا! میں آج آپ کے ہاسپٹل آؤں گا۔ مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"

میسج پڑھ کر اس نے مسکراتے ہوئے اپنے سر کو جھٹکا۔ یہ لڑکا بھی نا!!

کسی کو ہجر تڑپائے، تمہیں کیا؟

جیئے کوئی، کہ مر جائے، تمہیں کیا؟

قیامت بھی اگر آئے، تمہیں کیا؟

کوئی سولی پہ چڑھ جائے، تمہیں کیا؟

نصیرؔ! آہ و فغاں سے باز آؤ

سمجھتے ہوں گے ہمسائے، تمہیں کیا؟

اسرا اور نعمان اس وقت آمنے سامنے بیٹھے تھے۔نعمان چہرہ جھکائے ٹیبل کو دیکھ رہا تھا۔جبکہ اسرا سنجیدگی سے اس کے تاثرات کا جائزہ لے رہی تھی۔وہ نہیں جانتی تھی کہ نعمان اس سے کیا بات کرنے آیا تھا۔مگر اسے نعمان سے کچھ باتیں ڈسکس کرنی تھیں۔

”پہلے آپ کل والی بات بتائیں۔پھر میں اپنی بات شروع کروں گا۔“وہ جھکی نظروں سے الفاظ کو ترتیب دینے لگا۔کتنا مشکل تھا کسی اپنے کو یہ بتانا کہ جس انسان کے لیے آپ نے اپنی پوری زندگی تباہ کر لی۔اس کی کہانی کا مرکزی کردار ہی کوئی اور ہے !! اس نے لمبا سانس لیا۔

”تم ٹھیک ہو نا ؟ میری طرف دیکھو۔لگتا ہے ٹیبل زیادہ پسند آگیا ہے۔“ وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولی تو نعمان نے جھکا چہرہ اٹھایا۔اس کی آنکھوں میں دکھ تھا۔

”میں ٹھیک ہوں۔آپ اپنی بات بتائیں۔“اسرا کو یقین تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا۔مگر اس نے اپنے سر جھٹک دیا۔

”سب سے پہلے میں تم سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ تم مجھے کیا سمجھتے ہو ؟ “اسے پہلے نہال کی بات کو جھٹلانا تھا۔

”کیا مطلب میں آپ کو کیا سمجھتا ہوں؟ آپ میری دوست ہیں، ڈاکٹر ہیں ،میری مینٹور ہیں، مجھے زندگی کی طرف لانے والی ہیں۔“ وہ اس کا سوال سن کر چونکا تھا۔

”میں تمہیں اپنا بھائی سمجھتی ہوں۔“نعمان کا چہرہ اب بے تاثر تھا۔اس کا دماغ کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ وہ کیا بات کرنے آیا تھا اور وہ کیا بات لے کر بیٹھ گئی تھی۔

”کیا تم مجھے آپی نہیں کہہ سکتے؟ “ اس کی بات پر نعمان نے اپنا سر جھٹکا۔

"اسرا! یار! یہ بھوسا آپ کے دماغ میں کس نے بھر دیا ہے اور رہی بات آپی کہنے کی تو میں آپ کو کچھ اور سمجھتا ہوں۔اگر میں نے وہ بول دیا تو آپ نے اپنی ہیل میرے سر میں مارنی ہے۔" وہ جھنجھلا کر بولا تو اسرا چونکی۔وہ اسے کیا سمجھتا تھا؟ جس پر وہ اتنا غصہ کر سکتی تھی۔

"نعمان! مجھے غصہ مت دلاؤ۔بتاؤ تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟" وہ کرسی سے اٹھا اور کمرے کی دوسری جانب چلا گیا۔

"تیسری ماں!!" وہ شرارت سے بولا تو اسرا کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔وہ اس کی جانب بڑھی۔اب نعمان آگے اور اسرا اس کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔جب نعمان نے دیکھا کہ وہ تھک گئی ہے تو واپس کرسی پر بیٹھ گیا۔اسرا نے اس پر اپنا بیگ پھینکا۔مطلب وہ ایک 25 سال کی لڑکی کو ایک 21 سال کے لڑکے کی ماں کہہ رہا تھا۔

"تم انتہائی بدتمیز ہو۔" وہ تھک کر اپنی راکنگ چیئر پر بیٹھی تو نعمان نے دانت نکالتے ہوئے اسے پانی دیا۔اب وہ اس سے کیا بتاتا کہ وہ اسے اپنی بھابھی سمجھتا تھا۔مگر تقدیر اس کے سخت خلاف تھی۔جو

مقدمے تقدیر کے خلاف لڑے جائیں وہ اکثر ہار جایا کرتے ہیں۔ویسے اس نے سچ ہی بولا تھا بھابھی کا درجہ ماں کے ہی برابر ہوتا ہے۔

"تم صرف بدتمیز ہی نہیں۔انتہا کے بدتمیز ہو۔"اب وہ مسکرا کر بولی تو نعمان نے سر کو ہلکا سا خم دے کر اپنی تعریف وصول کی۔

"ویسے اگر میں تیسری ہوں تو باقی دو کون ہیں ؟" اس نے ابرو اچکاتے ہوئے تفتیشی انداز میں پوچھا تو نعمان کے چہرے پر اداس مسکراہٹ چھا گئی۔

"ایک وہ ماں جو بچپن میں ہی ساتھ چھوڑ گئی۔دوسری جنہوں نے بچپن سے آج تک مجھے پالا، میری پرورش کی۔" اسرا کے چہرے پر بھی اداس مسکراہٹ پھیل گئی۔

"لڑکے! مائیں بس وہی ہوتی ہیں۔جنہوں نے جنم دیا ہو، یا پھر پالا ہو۔میں کہاں سے تمہاری ماں ہو گئی؟" اب وہ سختی سے کہہ رہی تھی۔اس کی بات پر نعمان نے ابرو اچکائے۔

"پھر بھائی بھی وہی ہوتے ہیں۔جنہیں اللہ نے آپ کا بھائی بنایا ہو" اس نے استہزائیہ لہجے میں کہتے ہوئے اسرا کو تپا دیا۔

"اچھا نا! بھائی نہیں ہو مگر میں سمجھتی تو ہوں نا۔" اسے معلوم تھا کہ وہ درست کہہ رہا ہے۔اس لیے کمزور لہجے میں احتجاج کیا۔

"اچھا چھوڑیں اس بحث کو۔یہ سوال آپ کے دماغ میں خود نہیں آیا۔میں جس اسرا کو جانتا ہوں وہ کبھی نیگیٹو سوچ ہی نہیں سکتی۔اس لیے لوگوں کی باتوں پر کان مت دھریں۔ماں جی کے بعد آپ میرے لیے سب سے زیادہ قابلِ احترام عورت ہیں۔میں کبھی بھی آپ کی عزت پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔" وہ مضبوط لہجے میں کہتا اسے معتبر کر گیا۔اسرا کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"نعمان! میں لوگوں کی باتوں پر کان نہیں دھرتی۔" نعمان نے اپنا سر جھٹکا۔

"مجھے پتہ ہے۔آپ یہ بتائیں کہ آپ اس لڑکی کو کیوں اپنے گھر لائیں ہیں؟" اس نے بہت خوبصورتی کے ساتھ موضوع تبدیل کر دیا۔

اسرا نے اسے فون کال سے لے کر آج صبح تک سوائے اس میسج کے ساری روداد سنا دی۔نعمان کو اس لڑکی یا اس کے نفسیاتی رشتہ دار میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔وہ بس چاہتا تھا کہ اسرا محفوظ رہے۔

"اسرا !یار !آپ لوگوں سے کم ہمدردی کیا کریں۔لوگ جب مضبوط ہو جاتے ہیں تو سب سے پہلے اپنے سہارے چھوڑتے ہیں۔" اسرا مسکرائی۔اسے پتہ تھا کہ نعمان کو سب کچھ بتانے کے بعد اسے نصیحتیں ہی سننے کو ملنی تھیں۔

"نعمان ! مجھے ان لوگوں کی ضرورت بھی نہیں ہے۔میں یہ سب اللہ کی رضا کے لیے کر رہی ہوں ۔مگر کچھ لوگ واقعی میں اپنے محسن کو نہیں چھوڑتے۔اگر یقین نہ آئے تو گھر جا کر آئینہ دیکھ لینا ۔"اس کے مسکرا کر بولنے پر نعمان ساکت رہ گیا۔وہ اسے کیسے چھوڑ سکتا تھا!! کہنے کو ان کے درمیان کوئی خونی رشتہ نہیں تھا۔مگر وہ اس کے لیے ایک بہت خاص انسان تھی۔یکدم اسے یاد آیا کہ وہ اس خاص انسان کو ایک خاص بات بتانے آیا تھا۔یہ سوچتے ہی اس کے سر میں درد کی ٹیسیں اٹھ گئیں۔آنکھوں میں کرب اتر آیا۔اسرا اس کے بدلتے تاثرات غور سے دیکھ رہی تھی۔

"میں تمہیں ایک ٹیبلٹ لکھ کر دیتی ہوں یہ جا کر کھا لینا سر درد سے آرام آ جائے گا۔"نعمان نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔اسے احساس ہوا کہ ارمان نے ایک ہیرے کو ٹھکرایا تھا۔دل پر بوجھ منوں بڑھ گیا۔اسرا اب پین اٹھا کر کاغذ پر کچھ لکھنے لگی تھی کہ اسے نعمان کی آواز سنائی دی۔

”ارمان بھائی کسی سے محبت کرتے ہیں اور اس سے شادی کرنے والے ہیں۔“ اس کی مدھم آواز اسرا کے کانوں میں پڑی تو پین ہاتھوں سے چھوٹ کر شیشے کی میز پر گر گیا۔آواز پر نعمان کا جھکا سر اٹھا۔ اسرا بے یقینی سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔اسے لگا کہ وہ مذاق کر رہا ہے۔مگر اس کی آنکھیں جھوٹ نہیں بول رہی تھیں۔وہ ساکت سی اسے دیکھے گئی۔اس کا دماغ اس بات کو نقش نہیں کر رہا تھا۔سوچنے سمجھنے کی ساری حسیں بند ہو گئیں۔وہ یوں ساکت تھی کہ نعمان کو اس پر سے کسی پتلے کا گمان ہوا۔

”اسرا ! آئیں میں آپ کو گھر چھوڑ دوں۔“ وہ کرسی سے اٹھ کر اس کی چیزیں سمیٹنے لگا۔اسے معلوم تھا کہ وہ اس حالت میں ہاسپٹل نہیں رہ سکے گی۔مگر وہ اس کی سن ہی کہاں رہی تھی۔وہ تو اسی جگہ کو تک رہی تھی جہاں کچھ دیر پہلے نعمان بیٹھا تھا۔اس کے دماغ میں یہی الفاظ گونج رہے تھے۔

ارمان! محبت! شادی! محبت! شادی! کسی سے !شادی! وہ ان لفظوں کو صحیح طریقے سے سمجھ نہیں پا رہی تھی۔مگر پھر بھی ساکت تھی۔

جب اس نے کوئی بھی حرکت نہ کی تو نعمان اس کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔

"اسرا !آئیں۔" اسے سب کچھ خواب سا معلوم ہو رہا تھا۔اس نے کھوئی کھوئی سی نظروں سے نعمان کو دیکھا۔وہ اسے کہیں آنے کا کہہ رہا تھا۔وہ بنا سوچے سمجھے کھڑی ہو گئی اور اس کے ساتھ چلنے لگی۔ نعمان نے اس کا بیگ اٹھا لیا۔وہ کسی نیند میں چلتی ہوئی گڑیا کی طرح اس کے ساتھ چل رہی تھی۔مگر دماغ انہیں الفاظ میں اٹکا ہوا تھا۔

ارمان !محبت! شادی! یہ تین الفاظ اس کے دماغ کو تنگ کر رہے تھے۔اسے معلوم ہی نہ ہو سکا کہ وہ کب گاڑی میں بیٹھی اور کب گھر پہنچ آئی۔

وہ اسے لے کر لاؤنج میں پہنچا تو ڈاکٹر نیلوفر اور فضہ ٹی وی پر کوئی مووی دیکھنے میں مصروف تھیں۔ انہوں نے دیکھا ہی نہیں کہ کب اسرا ان کی سائیڈ سے گزر کر اپنے کمرے میں گھس گئی تھی۔

"السلام علیکم! "اس نے گلا کھنکھارتے ہوئے کہا۔تو وہ دونوں چونکیں۔فضہ کا ڈر کافی حد تک کم ہو چکا تھا۔

"وعلیکم السلام! آؤ بیٹھو۔"ڈاکٹر نیلو فر مسکرا کر بولیں۔

"نہیں آنٹی! میں چلتا ہوں۔مجھے یہ بتانا تھا کہ اسرا کو تنگ مت کیجئے گا۔اور رات کو کھانا دے دیجئے گا۔" وہ سنجیدگی سے بولا تو نیلوفر صاحبہ چونکیں۔

"کیا ہوا ہے اسے؟ اور وہ کہاں ہے ؟" فضہ بھی اس کی بات سن کر پریشان ہو گئی تھی۔

"وہ ابھی اپنے کمرے میں گئی ہیں۔اور انہیں ایک شاکنگ نیوز سننے کو ملی ہے۔آپ تک بھی جلد ہی پہنچ جائے گی۔وہ کل صبح تک آپ میں سے کسی سے بھی بات نہیں کریں گی۔انہیں اپنے دماغ کے ساتھ کچھ دیر لڑنے دیں۔میں چلتا ہوں۔"وہ انہیں حیرانی میں مبتلا کرتا خود باہر نکل گیا۔انہوں نے ایک نظر اسرا کے کمرے کے بند دروازے کی جانب ڈالی اور پھر مووی دیکھنے میں مصروف ہو گئیں ۔فضہ ان کی لاپرواہی پر حیران ہوئی۔

"آنٹی !ہم انہیں اکیلا کیسے چھوڑ سکتے ہیں ؟"اس کی بات پر ڈاکٹر نیلو فر مسکرائیں۔

"بچے! وہ میری بیٹی ہے۔اسے معلوم ہے کہ کسی بھی دکھ ہم یاشاک سے باہر کیسے نکلنا ہے۔اس کے لیے بس آج کی رات مشکل ہوگی۔کل کا سورج اگتے ہی وہ آج صبح کی طرح نارمل ہو جائے گی۔"

ڈاکٹر نیلوفر کے لہجے میں ایک اعتماد تھا۔جس کی وجہ سے فضہ نے ان کا یقین کر لیا۔مگر کیا وہ آج صبح نارمل تھی!

اندر بیڈ سے ٹیک لگائے اسرا کا چہرہ بے تاثر تھا۔اس کا دماغ کچھ سمجھنے کے قابل ہوا تو اس نے چونک کر ٹیک ہٹائی۔اس کا دماغ سمجھ چکا تھا کہ نعمان نے کیا کہا تھا وہ جملہ اس کے کانوں میں گونجنے لگا۔

(ارمان بھائی کسی سے محبت کرتے ہیں اور اس سے شادی کرنے والے ہیں۔)

آج اس کی روح کانپی تھی۔ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نے اس کا دل اپنی مٹھی میں دبا لیا ہو۔بے یقینی کا لمحہ گزر چکا تھا۔اب جو لمحہ تھا وہ درد کا لمحہ تھا۔آنسو لڑی کی صورت میں آنکھوں سے بہنے لگے۔وہ انسان کسی اور سے محبت کرتا تھا !!اس کی آنسو بھری آنکھیں چھت کی جانب اٹھیں۔

"اللہ جی! مجھے معلوم تھا کہ وہ شخص میرا نہیں ہے۔مگر آپ نے اتنا جلدی اسے کسی اور کے حوالے کر دیا۔" اس کا دل پھٹ رہا تھا۔یوں لگ رہا تھا جیسے آسمان سے کوئی بلا آئی اور اسے اپنی لپیٹ میں

لے گئی۔ کیا اپنے پسندیدہ شخص کو کسی دوسرے کے ساتھ دیکھنا آسان ہوتا ہے ؟ اس کے دل نے فوراً نفی کی۔ نہیں۔ بالکل نہیں !اس کا دل صرف اس بات کو تصور کر کے ہی کرلا اٹھا تھا۔

”اللہ جی! مجھ سے اس کو سوچنے اور دیکھنے کا حق تو نہ چھینتے ! “ سسکیوں کے درمیان وہ چھت کی جانب دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”اللہ جی! میں شکوہ نہیں کر رہی۔ بس آپ کو بتا رہی ہوں۔ آپ کو نہیں بتاؤں گی تو اور کس کو بتاؤں گی۔ سن رہے ہیں نا آپ! مجھے پتہ ہے آپ سن رہے ہیں !آپ ہمیشہ میری بات سنتے ہیں!“ اس کے سینے میں درد سا اٹھ رہا تھا۔ سانس لینے میں دشواری پیش آرہی تھی۔ رونے کی وجہ سے آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں اور وہ خود کانپ رہی تھی۔

”اللہ جی! وہ کسی اور سے محبت کرتا ہے۔ سب کہتے ہیں وہ میرے قابل نہیں ہیں مگر اس کا کیا کروں جو ہر دھڑکن کے ساتھ اسے کہتا ہے۔

قلبم برای نام تومی تپد

(میرا دل آپ کے نام سے دھڑکتا ہے)

اللہ جی! آپ پلیز اس کو پتھر کا بنا دیں۔" وہ ہچکیوں سے روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔وہ نرم دل لڑکی جو اللہ کی رضا کی خاطر لوگوں کی مدد کیا کرتی تھی۔وہ ایک انسان کی وجہ سے اللہ سے اپنے دل کے پتھر ہونے کی دعا کرنے لگی۔

"اللہ جی! اللہ جی! "وہ اب اونچی آواز سے رونے لگی۔اس کا دل کر رہا تھا کہ وہ روئے چیخے۔اتنا چیخے، اتنا چیخے کہ اس کا دل بند ہو جائے۔اتنا روئے کہ اس کے آنسو ختم ہو جائیں۔رونے کی آواز پورے کمرے میں پھیل گئی۔آج وہ ان ہچکیوں کو روکنے کی کوشش نہیں کر رہی تھی۔سانس لینے میں مشکل پیش آئی تو اس نے لمبی سانس بھری۔

"کیا کروں میں ؟بتائیں اب آپ! کیا کروں؟ میرے دوست ہیں نا آپ !آپ الولی ہیں نا! تو بتائیں مجھے میں کیا کروں ؟اللہ جی ! " آج اس کے صبر کا پیمانہ ٹوٹ گیا تھا۔آج اسے رونا تھا اور جی بھر کے رونا تھا۔

”اللہ جی !میں نے کب مانگا تھا اس انسان کو آپ سے!! کبھی بھی تو نہیں مانگا۔بس ان آنکھوں کو اس کی دید چاہیے تھی۔اب آپ ان سے وہ بھی چھین رہے ہیں۔“ آنسو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔اس کی پوری دنیا تباہ و برباد ہو چکی تھی۔

”اللہ جی! آج صبر کرنا بہت مشکل ہے۔مجھے آپ سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔مگر میں بس رونا چاہتی ہوں یہاں۔۔۔۔“اس نے اپنے دل پر ہاتھ رکھا۔

”اللہ جی! یہاں بہت درد ہو رہا ہے۔اگر میں نہ روئی تو یہ پھٹ جائے گا۔اللہ جی !مجھے معاف کر دیجیئے گا۔“ اس کی ہچکیوں کی آواز باہر تک جا رہی تھی۔آج وہ رونے میں اس قدر گم تھی کہ اسے کوئی ہوش ہی نہ رہا۔آج کی رات اسرا پر ان پانچ سالوں کی ہر رات سے زیادہ بھاری تھی۔

ساتھ والے کمرے میں موجود ڈاکٹر نیلوفر اور فضہ کو اس کے رونے کی مدھم آواز سنائی دے رہی تھی۔جسے سن کر فضہ بے چینی سے ادھر ادھر چکر کاٹ رہی تھی۔جبکہ نیلوفر صاحبہ ہاتھ میں تسبیح لیے دانے گھما رہی تھیں۔جب وہ تسبیح مکمل کر چکیں تو اس کی جانب متوجہ ہوئی۔

”بچے !بیٹھ جاؤ۔“وہ ان کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

"آنٹی! وہ رو رہی ہیں۔ہمیں ان کے پاس جانا چاہیے۔"

اس کے لہجے میں اضطراب تھا۔ڈاکٹر نیلو فر مسکرائیں اور اسے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔جسے سمجھ کر وہ ان کے پاس بیٹھ گئی۔

"بچے !میری بیٹی بہت خوددار ہے۔چاہے جو کچھ مرضی ہو جائے وہ کسی کے سامنے ایک آنسو بھی نہیں بہائے گی۔بچے ! مضبوط اور خوددار لوگوں کا بھرم نہیں توڑا کرتے۔"فضہ کے دل میں اسرا کے لیے احترام اور بڑھ گیا۔

"وہ ہمیں دیکھ کر اپنے آنسو اندر ہی دبا لے گی۔مگر میں نہیں چاہتی کہ وہ اب اپنے آنسو اندر دبائے۔ وہ اپنے آپ کو باہر سے مضبوط دکھانے کے لیے اپنے اندر کو کھوکھلا کر رہی ہے۔"ان کی باتوں کی سمجھ اب فضہ کو آرہی تھی۔اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تو جاؤ بچے! آرام سے سو جاؤ۔ انشاءاللہ وہ کل تک ٹھیک ہو جائے گی۔"ان کے کہنے پر وہ گیسٹ روم کی جانب بڑھ گئی۔پیچھے ڈاکٹر نیلوفر نے دعا کے لیے اپنے ہاتھ اٹھا لیے۔

پھر کوئی آیا دل زار، نہیں !کوئی نہیں !

راہرو ہو گا کہیں اور چلا جائے گا

ڈھل چکی رات ،بکھرنے لگا تاروں کا غبار

لڑکھڑانے لگے ایوانوں میں خوابیدہ چراغ

سو گئی راستہ تک تک کے ہر ایک راہ گزار

اجنبی خاک نے دھندلا دیے قدموں کے سراغ

گل کرو شمع بڑھا دو مہ و مینہ و ایاغ

اپنے بے خواب کواڑوں کو مقفل کر لو

اب یہاں کوئی نہیں ،کوئی نہیں آئے گا

درد کا لمحہ گزر چکا تھا۔اب جو لمحہ تھا۔وہ سب سے زیادہ تکلیف دہ تھا۔اور وہ تھا قبولیت کا لمحہ۔ہاں! اسے یہ سب کچھ قبول کرنا تھا۔اسے یہ قبول کرنا تھا کہ جو اس نے کھویا ہے وہ تو کبھی پایا ہی نہیں تھا۔آنسو تھم چکے تھے۔ساکت نظریں چھت پر کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہی تھی۔

اس نے اپنے دل پر ہاتھ رکھا اسے حیرت ہوئی کہ وہ ابھی تک دھڑک رہا تھا۔ نبض پر ہاتھ رکھ کر اسے محسوس کرنا چاہا۔ ہاں !نبض بھی ٹھیک چل رہی تھی۔ وہ زندہ تھی۔ ہاں !وہ زندہ تھی۔ وہ زندگی سے آزاد نہیں ہوئی تھی۔ ہر کسی کے مقدر میں آزادی نہیں ہوتی۔

اسے خود پر حیرت ہوئی مگر پھر سر جھٹک کر اٹھ گئی۔ اور آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ وہ اپنے ہی عکس کو گھور رہی تھی۔ چہرہ بھی کل کی ہی طرح تھا۔ بس جھیل سی آنکھیں سوجھی ہوئی تھیں۔

یکدم اس کا عکس مسکرانے لگا۔ اس کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔ اسرا نے چند قدم واپس لیے۔ مگر وہ عکس وہیں پر کھڑا رہا۔ وہ آگے آئی اور عکس پر اپنا ہاتھ رکھا۔ مگر وہ عکس ابھی بھی مسکرا رہا تھا۔

" ہا ہا! کیا ہوا ڈر گئی ؟" یکدم عکس سے آواز آئی۔ اسرا نے تھکے ہوئے انداز میں نفی میں سر ہلایا تو اس عکس کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔

"تمہیں تو اپنے رب سے بہت محبت تھی۔ بہت یقین تھا نا اللہ پر پر۔ دیکھو کیا کیا تمہارے اللہ نے تمہارے ساتھ۔" وہ اسرا کو بہکانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر اسرا ویسے ہی ساکت کھڑی رہی۔

"دیکھو! محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔تم کوئی نہ کوئی پلان بنا کر اس لڑکی کو ارمان سے دور کر دو۔" یہ تھی اس کے ضمیر اور نفس کی جنگ۔انسان کا شیطان سے پہلے ایک دشمن اس کا اپنا ہی نفس ہوتا ہے۔

جس نے اس نفس کو دبا دیا۔ سمجھو وہ شیطان سے بھی جیت سکتا ہے۔مگر جو اپنے نفس کے تابع ہو جاتا ہے۔وہ شیطان کا بھی غلام بن جاتا ہے۔مگر جہاں اللہ نے نفس کو بنایا وہیں ضمیر کو بھی بنایا۔ضمیر انسان کو انسان بنا کر رکھتا ہے۔عکس کی بات سن کر اسرا مسکرائی۔

"مجھے ابھی بھی اپنے رب سے محبت ہے اور ابھی بھی اس وقت بے حد یقین ہے۔اور رہی بات جو تم نے مشہور زمانہ مقولہ بولا ہے۔کہ محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔یہ سچ نہیں ہے یہ صرف گناہوں کی جسٹیفکیشن ہے۔اپنے آپ کو یہ تسلی دینا کہ آپ جو کر رہے ہیں وہ جائز ہے۔" وہ ویران آنکھوں سے مسکراتے ہوئے بول رہی تھی۔اس کی باتیں سن کر عکس کے چہرے پر غصہ نظر آنے لگا۔

"مگر تم کیسے اس سے دستبردار ہو سکتی ہو؟ اتنے سال تم نے اس کی محبت میں گزارے !!"

"یہ دل اس سے دست بردار نہیں ہو سکتا۔اور میں یہ بات بھی جانتی ہوں کہ مجھے بس تھوڑا دکھ ہوا ہے کہ وہ کسی اور سے محبت کرتا ہے اور شادی کرنے والا ہے۔" آنسو کا پھندا گلے میں پھنس گیا۔ اس نے سر جھکا کر آنسوؤں کو اپنے اندر اتارا۔وہ ان کو اپنے آپ سے بھی چھپانا چاہتی تھی۔

"مگر یہ بات بھی اچھے سے جانتی ہوں کہ آج نہیں تو کل یہ ہونا ہی تھا۔مجھے اللہ کی رضا میں راضی ہونا آتا ہے۔"اس نے زخمی سا مسکراتے ہوئے سر اٹھایا تو عکس غائب تھا۔ہاں! اس کا ضمیر زندہ تھا۔ نفس اور ضمیر کی جنگ میں ضمیر جیت چکا تھا۔

وہ تھک کر واپس بیڈ کر بیٹھ گئی۔اپنے اندر کی جنگ نے اسے تھکا دیا تھا۔

"اللہ جی! میں تو ابھی سے تھک رہی ہوں۔ابھی تو مجھے اس کی شادی میں جا کر اسے مبارک باد بھی دینی ہے۔"اب وہ کافی حد تک سنبھل چکی تھی۔مگر دل میں ابھی بھی درد ہو رہا تھا۔

"اللہ جی !مجھے تھکنے نہ دیں۔مجھے مضبوط بنا دیں۔اب میں لوگوں کے سامنے ہارنا نہیں چاہتی۔الحمدللہ! میں ہر حال میں راضی ہوں۔جس بھی حال میں آپ مجھے رکھیں۔" اس نے آنکھیں موند لیں۔رات آہستہ آہستہ سلگتی جا رہی تھی۔

کل جس پہر نعمان اور اسرا ہاسپٹل میں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ٹھیک اسی پہر ان سے تھوڑا دور ارمان اور منال ایک ریسٹورانٹ میں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

"مبارک ہو! تمہارے بابا مان گئے۔"وہ یونانی دیوتاؤں سا حسن رکھنے والا نوجوان جب بولتا تھا تو قدرت کا کوئی شاہکار معلوم ہوتا تھا۔

"خیر مبارک! "منال گرین کلر کے فراک اور نیلی جینز میں ملبوس تھی۔بال معمول سے ہٹ کر کھلے ہوئے تھے۔جو اس کے کندھوں تک آرہے تھے۔سر اٹھا کر بیٹھی ہوئی منال اس وقت کوئی گڑیا معلوم ہو رہی تھی۔اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"ارمان ایک بات پوچھوں ؟"جوس کا گھونٹ بھرتے ارمان نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کیا میرے علاوہ کسی کو تم سے محبت ہوئی؟ "اس سوال پر ارمان کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔اس کی نظروں کے سامنے اسرا کا چہرہ گھوم گیا۔یہ سوال تو مشکل نہیں تھا مگر اس کا جواب آسان نہیں تھا۔

”مجھے کیا پتہ !کسی نے مجھے بتا کر تو محبت نہیں کی ہو گی نا کہ میں آپ سے محبت کر رہی ہوں۔“ اس نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تو منال نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

”ارمان! اگر کوئی آپ سے محبت کرتا ہو تو اس انسان کے چہرے کا انگ انگ اس بات کی گواہی دیتا ہے۔“ اس کے بات سن کر ارمان جھنجھلایا۔

”یار منال! ہم یہاں کسی اور کو ڈسکس کرنے نہیں آئے تھے بلکہ اپنی باتیں کرنے آئے تھے۔“منال نے سر جھٹکا۔مطلب وہ نہیں بتانے والا تھا۔

”اچھا تم مجھے یہ بتاؤ کہ کیا تم میرے لیے گجرے لایا کرو گے؟“ اب اس کے چہرے پہ شرمیلی مسکراہٹ تھی۔جبکہ ارمان کے چہرے پر شرارتی مسکراہٹ پھیل گئی۔

”تم نے گجروں کا کیا کرنا ہے؟ وہ پھول ہی تو ہوتے ہیں جنہوں نے کچھ دیر بعد مرجھا نا ہی ہوتا ہے۔“ارمان کا ارادہ اسے تنگ کرنے کا تھا۔اس کی بات سن کر منال کے مسکراتے لب سکڑ گئے۔

”تم لڑکے کیا جانو اس کچھ دیر کی خوشی کو! آئے بڑے یہ کہنے والے کہ تم نے گجروں کا کیا کرنا ہے! “وہ اس کی نقل اتارتے ہوئے کہنے لگی تو ارمان کے قہقہے کی آواز گونج اٹھی۔

"سوری یار !مذاق کر رہا تھا۔" اب ان کی نوک جھوک جاری تھی۔

اگلی صبح اسرا آئینے کے سامنے کھڑی اپنے عکس کو دیکھ رہی تھی۔مگر آج وہ عکس نہیں بولا تھا۔اس نے قریب آ کر اپنی سوجھی ہوئی آنکھوں کو دیکھا۔اس نے کاجل اٹھایا اور سنہری آنکھوں کو کاجل سے بھر دیا۔

یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے سنہری پیالے میں سیاہ رنگ بھر ڈالا ہو۔اس کی جھیل سی سنہری آنکھوں میں آج چمک مفقود تھی۔

اپنے آپ پر ایک تنقیدی نگاہ ڈالتے ہوئے وہ باہر نکل گئی۔باہر ڈائننگ ٹیبل پر ڈاکٹر نیلوفر اور فضہ اس کا انتظار کر رہی تھیں۔کل سے آج تک کتنا کچھ تبدیل ہو چکا تھا۔اس نے اپنے لبوں پر بدقت مسکراہٹ سجائی۔

"السلام علیکم!کیسی ہیں آپ؟" وہ بشاشت سے بولی۔اپنے اندر کو چھپانا اسے بہت اچھے سے آتا تھا۔

"وعلیکم السلام! الحمداللہ! تم کیسی ہو ؟" وہ اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھیں۔انہیں اس وقت اپنی بیٹی پر فخر محسوس ہوا۔

"الحمداللہ !" وہ مسکراتے ہوئے اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ گئی۔فضہ اسے غور سے دیکھتی گئی۔جو مسکراتے ہوئے جوس کے گھونٹ اپنے حلق میں اتار رہی تھی۔ڈاکٹر نیلو فر نے ٹھیک کہا تھا۔وہ بالکل نارمل لگ رہی تھی۔

"کیا خبر ملی تھی تمہیں ؟"ان کے سوال پر اسرا کا ہاتھ کانپا تھا۔اس نے گلاس میز پر رکھ دیا اور ایک نظر اپنی ماں کے چہرے کی جانب ڈالی اور دوسری نظر فضہ کی جانب ڈالی۔پھر لمبی سانس لی۔ہاں! وہ یہ کر سکتی تھی۔

"ارمان شادی کر رہا ہے۔" اس کے عام سے انداز پر ڈاکٹر نیلوفر نے حیران نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔جو دوبارہ جوس پینے میں مشغول ہو گئی تھی۔یہ تو اس کے دل کو معلوم تھا کہ یہ جملہ اس نے کس ضبط کے ساتھ ادا کیا تھا۔

"کب ؟"

”یہ نہیں پتہ ! جب ہوگی تب انویٹیشن کارڈ تو آہی جائے گا۔“ وہ زخمی انداز میں مسکرا رہی تھی۔

ڈاکٹر نیلوفر اپنی بیٹی کے ضبط پر حیران رہ گئیں۔جبکہ فضہ کو معلوم ہی نہیں تھا کہ یہ ارمان کون تھا؟

کچھ دیر بعد اسرا اپنی کرسی سے اٹھی۔

”مما! میں ہاسپٹل جا رہی ہوں۔آپ فضہ کا خیال رکھیے گا۔“وہ گاڑی کی چابی اٹھاتی باہر نکل گئی۔

ذکر تیرا میری کہانی میں

چاند کا عکس جیسے پانی میں

وہ تو خاموش رہا اور ہم

جانے کیا کہہ گئے روانی میں

اپنی آنکھیں گنوائی ہیں ہم نے

اپنے خوابوں کی پاسبانی میں

ایک مدت کا ساتھ چھوٹ گیا

ایک چھوٹی سی بدگمانی میں

ارمان اپنے تیاری مکمل کرتا آئینہ میں اپنا عکس دیکھ کر کچھ سوچ رہا تھا کہ اس کی نظریں سامنے پیکٹ میں موجود اس بچھو والی گھڑی پر پڑیں۔اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھا لیا اور گہری سوچ میں گم ہو گیا۔اسے کل ہی ڈاکٹر فیصل نے اسے اس گھڑی کے بارے میں بتایا تھا۔اس نے سی۔سی۔ٹی وی فوٹیج بھی چیک کی تھی۔مگر اس میں کوئی بھی دیکھائی نہیں دیا تھا۔شائد کوئی کیمرے کی آنکھ سے بچ کر گھر میں داخل ہوا تھا۔ابھی وہ انہیں سوچوں میں گم تھا کہ اسے دروازے پر دستک سنائی دی۔

"کم ان۔" اس کے کہنے پر نعمان اندر داخل ہوا۔نعمان اس سے شادی کے متعلق بات کرنا چاہتا تھا۔ وہ بس اسے آخری دفعہ اس بدگمانی سے نکالنا چاہتا تھا۔اس لیے وہ ابھی اس کے کمرے میں آیا تھا۔ مگر اسے کسی چیز کو گھورتے دیکھ کر رک گیا۔ارمان نے سر اٹھا کر دیکھا تو نعمان اس کے پاس آتا اس پیکٹ کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہوا نعمان ؟" اسے خاموش دیکھ کر ارمان نے سوال کیا۔نعمان نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور اس سے پیکٹ پکڑ لیا۔ارمان اس کے تاثرات دیکھ کر حیران ہوا تھا۔

"یہ آپ کو کہاں سے ملی؟" وہ کھوئے سے انداز میں کہہ رہا تھا۔ارمان کو شک ہوا کہ وہ اس گھڑی کو پہچانتا تھا۔

"ایک کیس میں ثبوت کے طور پر ملی ہے۔کیا تم جانتے ہو یہ کس کی ہے؟" وہ جانچتے سے انداز میں پوچھ رہا تھا۔وہ دونوں ڈریسنگ ٹیبل کے آگے ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے تھے۔نعمان کی نظریں گھڑی پر جب کہ ارمان کی نظریں نعمان پر جمی تھیں۔ارمان اپنے یونیفارم میں ملبوس تھا۔جبکہ نعمان نے سادہ سفید شرٹ کے ساتھ نیلی جینز پہن رکھی تھی۔بال لاپرواہ سے انداز میں ماتھے پر جھول رہے تھے۔

"دیکھی تو ہے مگر یاد نہیں آ رہا۔"اس نے اپنی آنکھیں بند کر کے یاد کرنے کی کوشش کی۔جبکہ ارمان کو ایک نئی امید مل گئی۔وہ اس کیس کو جلد سالو کر لے گا۔

"کوشش کرو۔نعمان ! سوچو۔یہ گھڑی بہت اہم ہے۔" وہ بے چینی سے بول رہا تھا۔

"کس کیس میں ملی ہے آپ کو یہ؟ "

"ڈاکٹر فیصل کو شک ہے کہ کسی نے اس کے گھر پر حملہ کرنا چاہا تھا۔ مگر الارم کی آواز سن کر وہ بھاگ گیا اور بھاگتے بھاگتے اس کے ہاتھ سے یہ گھڑی ڈاکٹر فیصل کے گھر میں گر گئی۔" اس نے ایک لمحے کا توقف کیا۔

"اور مجھے شک ہے کہ اگر واقعی میں کسی نے اس پر حملہ کرنے کی کوشش کی ہے۔تو وہ وہی ہے جس نے ڈاکٹر حمنہ کا قتل کیا ہے۔"ارمان کی بات سن کر نعمان چونکا۔

"ارمان بھائی !ڈاکٹر فیصل بھی کیا اسی ہاسپٹل میں جاب کرتا ہے جس میں ڈاکٹر حمنہ کرتی تھیں؟" نعمان اضطراب کی حالت میں بولا۔وہ اس کے سامنے سے ہٹا اور کمرے میں بے چینی سے چکر کاٹنے لگا۔

"ہاں! مگر اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ "اسے نعمان کے اس قدر اضطراب کی سمجھ نہیں آرہی تھی۔ارمان چلتا ہوا نعمان کے پاس آیا۔تو اس نے ارمان کے دونوں کندھوں کو اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیا۔

"ارمان بھائی! ارمان بھائی! یہ ہاسپٹل کنکشن ہے۔ان دونوں کیسز کے درمیان۔"پھر وہ بولتے بولتے رکا اور اپنے سر پر ہاتھ رکھا۔

"ڈاکٹر فیصل کس میڈیکل فیلڈ سے تعلق رکھتا ہے؟" اس کی بات پر ارمان کے دماغ میں کچھ کلک ہوا۔

"وہ سائیکالوجسٹ ہے۔"اس نے ٹرانس کی کیفیت میں کہا تو نعمان نے اپنے ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ مارا۔

"ارمان بھائی !ہاسپٹل نہیں بلکہ ان کے درمیان کنکشن اس کا ہے۔" اس میں دماغ پر ہاتھ رکھا۔

"وہ دونوں سائیکالوجسٹ ہیں اور وہ سیریل کلر سائیکالوجسٹس پر حملہ کر رہا ہے۔"اس کی بات پر ارمان نے سر پر ہاتھ مارا۔وہ یہ بات کیسے بھول گیا؟ یکدم نعمان ساکت ہو گیا۔

"اسرا۔"اس نے بے یقینی سے کہتے ہوئے ارمان کی جانب دیکھا تو ارمان کا ہاتھ خود بخود نیچے جھول گیا
۔

"ارمان بھائی! اگر میں غلط نہیں ہوں تو اسرا کی جان کو خطرہ ہے۔" اس کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ اسرا کے پاس اڑ کر پہنچ جاتا۔ارمان نے اثبات میں سر ہلایا۔ہاں !اسرا بھی تو سائیکالوجسٹ تھی ۔نعمان چلتا ہوا ڈریسنگ ٹیبل کے پاس آیا اور اس گھڑی کو غور سے دیکھا۔اس کے دماغ میں چھپاکہ ہوا۔

"بھائی! یہ گھڑی حارث کی ہے۔" وہ شاک کی کیفیت میں بولا۔ارمان اس کے پاس آیا۔اس کے ابرو سوالیہ انداز میں کھڑے ہوئے تھے۔بالآخر اسے اس خونی کے بارے میں کچھ تو پتہ چلا تھا۔

"یہ حارث کون ہے ؟"

"اسرا کی پیشنٹ کا بہنوئی ہے۔"

"اس کیس میں بھی اسرا۔اس لڑکی کو آخر مسئلہ کیا ہے؟ کیوں ہر خطرے میں خود ہی کود پڑتی ہے؟

"ارمان جھنجھلا کر بولا۔

"بھائی! یہ بس اتفاق ہے۔ابھی ہمیں اس کے پاس جانا چاہیے۔"وہ ارمان کو سمجھاتا ہوا بول رہا تھا۔

"چلو میں اس سے انویسٹیگیشن بھی کر لوں گا۔" وہ دوسری دفعہ مجبوری میں اس کے پاس جا رہا تھا۔ ہاں! اس کے اندر اسرا کے لیے بہت غصہ موجود تھا۔ مگر وہ اس کی جان کو خطرے میں بھی نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ یہ اس کے فرض کے خلاف تھا۔وہ دونوں کمرے سے باہر نکل گئے۔

اپنے کیبن میں موجود اسرا کرسی سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے بیٹھی تھی۔اس کی آنکھوں میں جلن ہو رہی تھی۔ مگر وہ جلن دل کی جلن کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھی۔وہ اب رو نہیں رہی تھی۔مگر آنسو ضبط کر کے اندر ہی اندر اتار رہی تھی۔ دروازے پر کھڑا محب کب سے اس خوبصورت مورت کو دیکھ رہا تھا۔ اسرا اپنی سوچوں میں اس قدر گم تھی کہ اسے محب کی نگاہوں کی تپش بھی محسوس نہ ہوئی۔

محب اندر آ کر دیوار سے ٹیک لگائے اس خوبصورت اپسرا کو تک رہا تھا۔جو کسی اور ہی دنیا کی باسی لگ رہی تھی۔ محب کو لگا کہ یہ دھوکے فریب سے بھری ہوئی دنیا اس کے لائق ہی نہیں۔وہ بس

ایک دن اسے دیکھ نہیں پایا تھا تو ایسا لگ رہا تھا جیسے صدیاں بیت گئی ہوں۔وہ ان صدیوں کی پیاسی اپنی آنکھوں کو اس کی دید سے سیراب کر رہا تھا۔

کیا آنکھوں کی عضا ملنے سے وہ چمک اٹھتی ہیں ؟ ہاں ! اس بات کا اندازہ محب کو اپنی آنکھوں کا حال دیکھ کر ہو رہا تھا۔وہ اپسرا گہرے نیلے لباس میں ملبوس تھی۔سر پر ہلکے نیلے رنگ کا ہالہ موجود تھا ۔جس میں اس کی سفید رنگت نکھر کر ظاہر ہو رہی تھی۔وہ آہستہ سے چلتا ہوا کرسی کے پاس کھڑا ہو کر کھنکھارا۔اسرا نے چونک کر اپنی آنکھیں کھولیں۔اس کی آنکھیں دیکھ کر میں محب ساکت رہ گیا۔ کاجل سے بھری ہوئی سنہری آنکھیں جن میں اس وقت ضبط کی وجہ سے سرخ ڈورے پڑ گئے تھے ۔اس کے دل پر وار کر گئیں۔اف !محب کو اعتراف کرنا پڑا کہ اس کی آنکھیں اس سے زیادہ قاتلانہ ہیں۔

اس کو اپنے سامنے دیکھ کر اسرا نے اپنا سر جھٹکا اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔محب اس وقت سیاہ شلوار قمیص میں ملبوس تھا۔جس کے کف کو کہنی تک موڑا ہوا تھا۔سرمئی آنکھیں اس قدر چمک رہی تھیں کہ ان پر سے تاروں کا گمان ہوتا تھا۔بالوں کو جیل کی مدد سے سیٹ کیا گیا تھا۔وہ اس قدر

خوبصورت لگ رہا تھا کہ اسرا کے علاوہ اگر کوئی اور لڑکی ہوتی تو اس سے یوں لاپرواہی نہ برتتی۔مگر وہ اسرا یاسر تھی۔اسے خود بھی اپنی حدود میں رہنا آتا تھا اور دوسروں کو بھی ان کی حدود میں رکھنا آتا تھا۔

"مسٹر محب !آپ یہاں کیا کر رہے ہیں ؟"محب اس کے سوال کو نظر انداز کرتا کرسی پر بیٹھ گیا اور اس کے چہرے کو دیکھنے لگا۔آج اس کا چہرا انتہائی اداس معلوم ہو رہا تھا۔

"ڈاکٹر !آئندہ اگر آپ کو ایسے بیٹھنا ہو تو دروازہ بند کر کے بیٹھیے گا۔میں نہیں چاہتا آپ کو کوئی ایسے دیکھے۔" اس کا لہجہ انتہائی سنجیدہ تھا۔اسرا نے دروازے کی جانب دیکھا۔وہ کھلا ہوا تھا۔اس نے پہلے دروازے پر دھیان ہی نہیں دیا تھا۔اس کا کمرہ بھیڑ سے علیحدہ ذرا پرسکون ماحول میں موجود تھا۔اس لیے وہ اکثر دروازہ کھلا ہی رکھتی تھی۔

"کیا آپ نے میرا سوال نہیں سنا ؟"اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔مگر آنکھیں غم میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

"ہر جا بر دی مرا پیدا خواہی کرد

(جہاں جائیں گے مجھے ہی پائیں گی)

ڈاکٹر اسرا ! میں آپ کے پاس نہیں آؤں گا تو کہاں جاؤں گا ؟ کیا موت سے پہلے روح کبھی جسم سے جدا ہو سکتی ہے ؟ وہ انتہائی نرم لہجے میں کہتا اسرا کو دیکھ رہا تھا۔اسرا جھنجھلا اٹھی۔وہ آج کے دن کسی سے بھی بحث نہیں کرنا چاہتی تھی۔اس کے تاثرات میں ناگواری چھا گئی۔

"مسٹر محب! پلیز مجھ سے ایسے باتیں نہ کیا کریں۔" اسرا سخت لہجے میں گویا ہوئی۔مگر اس کی آنکھیں اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔وہ تھکی ہوئی لگ رہی تھیں۔اس دنیا سے تھکی ہوئیں ، اس دنیا کے لوگوں سے تھکی ہوئیں ، ہر چیز سے اکتائی ہوئیں۔وہ آنکھیں کہہ رہی تھیں کہ وہ بکھر رہی تھی۔ مگر کبھی ظاہر نہیں کرے گی۔اور محب بھی کبھی اس کا بھرم نہیں توڑے گا۔

"ڈاکٹر! آپ کل ہاسپٹل نہیں آئیں۔آپ کی طبیعت تو ٹھیک تھی نا ؟ " ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ محب اس کو دیکھنے نہ آئے۔وہ کل آیا تھا مگر یہ روم لاک تھا۔نرس سے پوچھنے پر معلوم ہوا تھا کہ وہ اپنے گھر چلی گئی ہے۔

"مسٹر محب! الحمداللہ ! میں بالکل ٹھیک ہوں۔" دل کلبلا اٹھا۔مگر اسے دل کی نہیں سننی تھی۔اب اسرا یاسر دل کی نہیں سنے گی۔

"ڈاکٹر !میرا خیال ہے آپ کو ریسٹ کرنا چاہیے۔آپ کی طبیعت مجھے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی۔"وہ متفکرانہ انداز میں بولا تو اسرا نے اپنا سر جھٹکا۔

" آپ کو میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"وہ سپاٹ لہجے میں بولی تو محب نے اپنا ایک ابرو اچکایا۔

"کوئی اور کر کے تو دکھائے۔ باخدا ! اس کی زندگی عذاب بنا دوں گا۔" وہ آنکھوں میں شدت لیے بولا۔

"مسٹر محب !آپ پاگل نہیں ہیں اور نہ ہی آپ کے دماغ کو کوئی بیماری ہے تو پھر آپ میرے پاس مت آیا کریں۔" وہ اسے یہ نہ کہہ سکی کہ اس کی باتیں اسے پریشان کرتی تھیں۔

"ڈاکٹر اسرا! آپ کی ضرورت مجھے اپنی زندگی کے ہر موڑ پر ہے۔چاہے وہ موڑ روشنی کے کنارے پر ہو یا تاریکی کے کنارے پر۔آپ میری ہمسفر ہوں گی۔" وہ اسے کیسے بتائے کہ وہ لڑکی کچھ ہی دنوں میں اس کے لیے کس قدر خاص ہو چکی تھی۔

ابھی وہ کچھ بولتی کہ دروازے سے دو لوگ اندر داخل ہوئے۔اسرا نے ضبط کی شدت سے تنگ آ کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔دل پھر سے بغاوت پر اتر آیا تھا۔مگر اس بار وہ دل کی بات نہیں سننے والی تھی۔محب نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو پولیس والے کے ساتھ ایک اور لڑکا کھڑا تھا۔فضا میں تناؤ پھیل گیا۔

نعمان آگے آیا اور اسرا سے مخاطب ہوا۔

"اسرا! ہمیں آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔" اس کے لہجے میں بے چینی تھی۔جسے محسوس کرتے ہو عسریٰ نے سر ہلایا۔

ارمان آہستہ چلتا ہوا محب کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔جو پرسکون سا اپنی جگہ پر بیٹھا ہوا تھا۔جیسے اسے سب سے کوئی سروکار نہ ہو۔

"لڑکے !تم باہر جاؤ۔"محب نے اس کی بات پر اپنے ابرو سکیڑے۔

"کیوں؟ میں کیوں باہر جاؤں؟ " وہ سخت لہجے میں گویا ہوا۔وہ اس دفعہ اس پولیس والے سے دبنے والا نہیں تھا۔

”کیونکہ یہ کسی کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔“ اسرا کے دماغ میں ساری باتیں چل رہی تھیں

۔اس کا دماغ اسے ہدایات دے رہا تھا۔تم کمزور نہیں پڑو گی! تم اس کے سامنے کمزور نہیں پڑو گی !

”اگر وہ سوال ڈاکٹر اسرا کی زندگی اور موت کا ہے تو میں یہیں بیٹھوں گا۔“ وہ انتہائی ڈھٹائی سے بولا

۔نعمان تو حیرت سے اس لڑکے کو دیکھ رہا تھا۔جو یقیناً بہت خوبصورت تھا۔

”کیوں تمہارا اس سے کیا تعلق ہے؟ وہ صرف تمہاری ڈاکٹر ہے۔“ وہ اسے گریبان سے پکڑتا کھڑا کر

گیا۔نعمان آگے بڑھا۔مگر محب نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

” میں ڈاکٹر اسرا کا ہونے والا شوہر ہوں۔اور کچھ سننا ہے ؟“ وہ استہزائیہ انداز میں بولا تو ارمان کے

ہاتھ خود بخود اس کے گریبان سے نیچے ہٹ گئے۔اسرا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔وہ غصے سے ان دونوں کی

جانب بڑھی۔وہ دونوں اس کا مذاق نہیں بنا سکتے تھے۔

”مسٹر ارمان اینڈ مسٹر محب ! یہ ہاسپٹل ہے۔کوئی جنگ کا میدان نہیں ہے۔“ وہ غصے سے بولی۔نعمان

ایک طرف کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"آپ دونوں ہوتے کون ہیں میری زندگی میں دخل اندازی کرنے والے؟ اور آپ مسٹر محب ! خاموشی سے یہاں سے چلے جائیں۔میں آپ کے منہ سے ایک جملہ بھی نہیں سننا چاہتی۔" وہ تینوں اسے پہلی دفعہ اتنے غصے میں دیکھ رہے تھے۔محب نے دو قدم پیچھے کی جانب لیے مگر وہیں کھڑا رہا ۔اسرا نے اسے سخت نظروں سے گھورا۔

"آئی تھنک مسٹر محب! آپ کو دماغ کا نہیں بلکہ اپنے کانوں کا علاج کروانا چاہیے۔" وہ سرد لہجے میں گویا ہوئی۔ مگر محب وہیں کھڑا رہا۔اسرا اسے نظر انداز کرتے ہوئے ارمان کی جانب متوجہ ہوئی۔جو بت بنا اسے دیکھ رہا تھا۔

"اور آپ مسٹر ارمان احمد! سب سے پہلے تو کانگریچولیشنز آپ شادی کرنے والے ہیں۔مجھے اپنی شادی پر انوائٹ ضرور کیجئے گا۔" اس کا لہجہ بے تاثر تھا۔ارمان نے تادیبی نگاہوں سے نعمان کی جانب دیکھا تو نعمان نے اسے نظریں چرا لیں۔

"اینڈ سیکنڈ آپ بار بار یہاں آ کر مجھے اور میرے پیشنٹس کو تنگ نہیں کر سکتے۔اور نہ ہی میرے پیشنٹس کی انسلٹ کر سکتے ہیں۔" نعمان تو یہ سوچ سوچ کر ڈر رہا تھا کہ کہیں اسرا کی توپوں کا رخ

اس کی جانب نہ ہو جائے۔ محب کے ابرو ستائش میں ڈھلے ہوئے تھے۔اسرا نے سچ کہا تھا کہ زخمی لوگوں کو تنگ نہیں کیا کرتے۔اب ارمان کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

”مجھے کہیں بھی آنے جانے کے لیے تمہاری پرمیشن کی ضرورت نہیں ہے۔“ ارمان ناگواری سے بولا تو اسرا نے تالی بجائی۔

”واہ !مسٹر ارمان احمد !واہ! آپ جب چاہیں گے منہ اٹھا کر کہیں بھی جائیں گے اور آپ نے دوسروں کے لیے پابندیاں لگائی ہوئی ہیں۔واہ! “اس کا انداز طنزیہ تھا۔ارمان کو پانچ سال پہلے والی رات یاد آگئی۔تو اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔نعمان نے جب معاملہ بگڑتا دیکھا تو وہ اسرا کے پاس آیا۔

”اسرا !ہم بہت اہم بات کرنے آئے تھے۔“ اسرا نے ہاتھ کھڑا کر کے اسے خاموش کروا دیا۔اس کی نظریں ابھی بھی ارمان کی سرخ آنکھوں پر مرکوز تھیں۔

”خاموش !آج کوئی نہیں بولے گا۔سب سنیں گے۔جی تو مسٹر ارمان ! میں کیا کہہ رہی تھی؟“ اس نے سوچنے والے انداز میں سر پر ہاتھ رکھا۔

"آئیندہ آپ مجھے ایسے ڈسٹرب نہیں کر سکتے۔ میں آپ کے لیے یہاں فارغ نہیں بیٹھی ہوں۔" وہ مضبوط لہجے میں بول رہی تھی۔ محب صوفے پر بیٹھ کر اب یہ تماشہ دیکھ رہا تھا۔

"اسرا ! یار ! آپ کی جان کو خطرہ ہے۔ پلیز ابھی ریلیکس ہو جائیں۔" نعمان کی بات سن کر محب کے کان کھڑے ہوئے۔ وہ دوبارہ چلتا ہوا ان کے پاس کھڑا ہو گیا۔ اسرا کے تاثرات ابھی بھی ویسے ہی تھے۔ وہ بے تاثر چہرہ لیے ارمان کو تک رہی تھی۔

"تو مرنے دو نا !بہت سے لوگوں کی جان چھوٹے گی۔" اس نے ارمان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو محب کا دل کانپ اٹھا۔

"ڈاکٹر اسرا ! آپ ایسی باتیں نہیں کر سکتی۔ آپ کو کیا کسی دوسرے انسان کا خیال نہیں ہے۔؟ مرنے والے اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے لوگوں کا احساس کیوں نہیں کرتے ؟ "اس کی آنکھیں لال ہو چکی تھیں۔

"تم جو کوئی بھی ہو کہا تو تم نے بالکل ٹھیک ہے۔ مگر ابھی پلیز ہمیں بات کرنے دو۔" نعمان کی بات پر ارمان نے سر جھٹکتے ہوئے پاکٹ سے گھڑی والا پیکٹ نکالا اور پہلے محب کے آگے کیا۔

"کیا تم اس گھڑی کو پہچانتے ہو ؟"محب نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا اور پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں ! " اس کا لہجہ اکھڑا اکھڑا تھا۔وہ کم از کم اس انسان سے اچھے طریقے سے بات نہیں کر سکتا تھا۔اب اس نے وہ پیکٹ اسرا کے آگے کیا مگر منہ سے کچھ نہیں بولا۔اسرا اسے دیکھتی گئی۔اس کی آنکھوں میں شناسائی کی رمک دکھائی دی مگر وہ کچھ نہیں بولی۔

"لڑکی !میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔کیا تم نے اس گھڑی کو کہیں دیکھا ہے؟ " نعمان کو حیرت ہوئی۔اس نے بتایا تو تھا کہ یہ گھڑی اسرا کی پیشنٹ کے بہنوئی کی ہے۔پھر وہ اس سے کیوں پوچھ رہا تھا؟

"مسٹر ارمان ! آپ نے پہلے نہیں پوچھا تھا۔بلکہ اب پوچھا ہے۔یہ گھڑی شاید میرے پیشنٹ کے رشتہ دار کی ہے۔" وہ بے نیازی سے بولی تو ارمان صبر کے گھونٹ بھر کر رہ گیا۔اگر یہ بات اتنی سیریس نہ ہوتی تو نعمان بھی آج اسرا کے رویے پر بہت خوش ہوتا۔

"اور وہ پیشنٹ شائد اس وقت تمہارے گھر میں ہے۔" اس کے ابرو تنے ہوئے تھے۔اس کی بات پر اسرا نے اپنے بازو سینے کے گرد لپیٹے اور ارمان کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں ڈالیں۔

"مسٹر ارمان! میں آپ کے لیے اجنبی ہوں نا؟" اس کی سنہری آنکھیں حد درجہ سرخ ہو چکی تھیں۔

اس کی بات پر ارمان نے نا سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔

"تو مسٹر ارمان! اجنبیوں کے لیے لفظ "تم" استعمال نہیں کیا جاتا "آپ" استعمال کیا جاتا ہے۔اور مجھے نہیں پسند کہ کوئی مجھے "تم" کہے۔آئی ہوپ یو انڈرسٹڈ۔" وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ وہ اب اس سے ایسے بدتمیزی نہیں کر سکتا۔اب جو اصول باقیوں کے لیے ہیں اس کے لیے بھی وہی ہوں گے۔اب اسرا یاسر، ارمان احمد کو اپنی توہین نہیں کرنے دے گی۔محب تو دل ہی دل میں اسے داد دے رہا تھا۔

واہ میری شیرنی! یہ ہوئی نا بات !ایک تھپڑ بھی لگا دیں اسے تو مزہ آ جائے گا!

اس کی بات سن کر ارمان نے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔اسے عسریٰ سے ایسی بات کی توقع بالکل بھی نہیں تھی۔

"آپ کو میں نے بہت عرصہ وی۔آئی۔پی ٹریٹمنٹ دیا۔مگر آپ اس کے بھی قابل نہیں ہیں۔آپ کو جو پوچھنا ہے وہ پوچھیے اور پھر جایئے یہاں سے۔" وہ انتہائی سرد لہجے میں بولتی ہوئی اسے ساکت کر گئی۔جبکہ نعمان بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔

کچھ دیر یوں ہی ساکت رہنے کے بعد ارمان نے ایک سنجیدہ نگاہ محب اور اسرا پر ڈالی۔

”ایک مشورہ دوں۔ تم بھی اس لڑکے سے شادی کر لو۔خوش رکھے گا تمہیں۔“ اب کی بار ساکت ہونے کی باری اسرا کی تھی۔ارمان یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔محب کو اس کی ایک یہی بات پسند آئی تھی۔اس کے چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی۔

” اسرا! میں آپ سے شام میں بات کروں گا۔اپنا خیال رکھیے گا۔اکیلے گھر مت جایئے گا۔آپ کی جان کو خطرہ ہے۔اللہ حافظ! “ نعمان جلدی سے کہتا ہوا ارمان کے پیچھے باہر نکل گیا۔اسرا نے ایک لمبا سانس لیا اور ایک نظر کھلے دروازے کی جانب ڈالی۔اب اس کا رخ اپنی راکنگ چیئر کی جانب تھا ۔اسے نہیں پتہ تھا کہ وہ ارمان کو اتنا کچھ بول دے گی۔

”ڈاکٹر !آج تو آپ نے کمال کر دیا۔ویسے اس پولیس والے نے آخری بات سچ کہی تھی۔“ وہ مسکراتے ہوئے اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔اور اپنی لمبی انگلیوں والے خوبصورت ہاتھوں سے میز پر لکیریں کھینچنے لگا۔اس کی بات پر اسرا نے ایک سخت نظر محب کے چہرے پر ڈالی۔

”ویسے وہ دونوں آپ کے کیا لگتے ہیں ؟“

”نن آف یور بزنس۔“وہ کاٹ دار لہجے میں بولی تو محب نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لیے۔

”اوکے اوکے۔ نن آف مائی بزنس۔ مگر کیا آپ سے ایک بات پوچھ سکتا ہوں؟ جسٹ فار جنرل نالج۔“ اس کے چہرے سے اب مسکراہٹ جدا ہی نہیں ہو رہی تھی۔

اسرا نے تھکے ہوئے انداز میں اثبات میں سر ہلایا۔

”کیا محبوب کے آپ کی زندگی سے جانے کے بعد اس کی محبت دل سے ختم ہو جاتی ہے؟“ اسرا نے آنکھیں بند کیں اور زیر لب کہا۔

یا اللہ! مجھے حوصلہ دے۔ پھر آنکھیں کھول کر محب کی جانب دیکھا۔جو اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”نہیں مسٹر محب !محبت ختم نہیں ہوتی۔ اگر ہم اسے ختم کرنا بھی چاہیں تب بھی ختم نہیں ہوتی۔ بس دفن ہو جاتی ہے اور پھر اس کی قبر کے اوپر دوسرے رشتوں کی پرتیں چڑھتی رہتی ہیں۔ جتنی وہ پرتیں مضبوط ہوگیں۔ اتنا ہی محبت کا خیال کم آئے گا۔“ اس نے سانس لینے کے لیے توقف کیا۔ محب کو لگا کہ اگر وہ ساری زندگی ایسے ہی بولتی رہے تو وہ ساری زندگی اپنے چہرے کے نیچے ہاتھ رکھے اسے سن سکتا تھا۔

"اگر وہ پرتیں کمزور ہوں گی تو وہ محبت ویسے ہی انسان کے دل میں ڈیرے جمائے رکھے گی۔" وہ رکی تو محب کو ایسا لگا جیسے کوئی جادو ٹوٹ گیا ہو۔محب کے چہرے پر ایک اداس مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ڈاکٹر اسرا ! میں آپ کو اس پولیس والے۔۔۔۔"

"ارمان احمد نام ہے اس کا۔" اس نے جس لہجے میں کہا محب کے چہرے پر حسرت چھا گئی۔

"کاش آپ کبھی میرا نام بھی اس طرح لیں۔"اس نے حسرت بھرے لہجے میں کہا تو اسرا جھنجھلائی۔

"مسٹر محب ! اپنی بات مکمل کریں۔۔"

"اوکے ڈاکٹر اسرا ! میں آپ کو ارمان احمد کی شادی تک کا وقت دیتا ہوں۔اس کے بعد میں آپ کے در پر سوالی بن کر آؤں گا۔امید ہے تب آپ اس سوالی کو خالی ہاتھ نہیں لوٹائیں گی۔" اس نے پر امید لہجے میں اسے دیکھتے ہوئے کہا۔اس کی بات پر اسرا زخمی انداز میں مسکرائی۔

"مسٹر محب ! آپ ایک کھوکھلے وجود کا کیا کریں گے؟ جب دل ہی اس وجود کے اندر موجود نہ ہو ؟"

"میں اس کی محبت کی قبر کے اوپر اتنی پرتیں چڑھا دوں گا کہ آپ کو اس کا خیال بھی نہیں آئے گا

۔وہ پر یقین لہجے میں بولا تو ایک لمحے کے لیے اسرا کچھ بول ہی نہیں سکی۔

”میں باہر آپ کا ویٹ کر رہا ہوں۔“ جب آپ فری ہوں میں آپ کو گھر چھوڑ آؤں گا۔ اسرا نے کچھ بولنے کے لیے اپنے لب کھولے ہی تھے کہ محب نے ہاتھ کھڑا کر کے اسے چپ کروا دیا۔

”ڈاکٹر اسرا ! میں اس بارے میں آپ کی کوئی بات نہیں سنوں گا۔“ وہ قطعیت بھرے لہجے میں کہتا باہر نکل گیا۔ اندر اسرا نے اپنی آنکھیں موند لیں۔ کچھ دیر بعد اس کے پیشنٹ نے آنا تھا۔

غالب ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوشِ اشک سے

بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفاں کیے ہوئے

ارمان غصے سے بھرا ہوا اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ نعمان بھی اس کے پیچھے بھاگتا ہوا اس کے پاس آیا۔ اور فرنٹ سیٹ پر بیٹھا۔

”وہ لڑکی اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہے ؟ ہم اس کی جان بچانے کا سوچ رہے ہیں اور وہ ہمیں ہی نخرے دکھا رہی ہے!“ اس نے غصے سے گاڑی اسٹارٹ کی تو نعمان نے اس کی بات پر اپنی مسکراہٹ دبائی۔

”بھائی! تھوڑا بہت نخرہ کرنا تو اب ان کا بھی حق بنتا ہے نا !“اس کی بات پر ارمان نے ناک سے مکھی اڑائی۔

”ایڈریس بتاؤ۔“ اس کے تاثرات ابھی بھی بگڑے ہوئے تھے۔

”کس کا ؟“ وہ بوکھلا گیا۔اب یہ کس کا ایڈریس پوچھ رہے ہیں؟

”جس کی گھڑی ہے !“

”اچھا !یہاں سے لیفٹ ٹرن اور پھر رائٹ اور پھر جو دوسرا ولا آئے گا وہ اسی کا ہے۔اور ہاں وہ اسرا کی دوست کا ہسبینڈ بھی ہے۔“ اس نے آخری بات بتاتے ہوئے زبان دانت تلے دبائی۔

”یہ بات تم مجھے پہلے نہیں بتا سکتے تھے؟“وہ سڑک کا موڑ کاٹتے ہوئے بولا۔

”سوری بھائی! میں بھول گیا تھا۔“نعمان کی بات پر اس نے سر جھٹکا۔آج کا دن ہی خراب تھا۔باقی کا راستہ خاموشی میں کٹا۔وہ لوگ کچھ دیر بعد اس ولا کے باہر کھڑے تھے۔اسی رات والا گارڈ باہر ڈیوٹی کر رہا تھا۔پولیس والے کو دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا۔

"اندر اطلاع کرو کہ پولیس آئی ہے۔" ارمان کرخت لہجے میں بولا تو وہ گارڈ بھاگتا ہوا اندر گیا۔ کچھ دیر بعد اس کے ساتھ حارث باہر آتا نظر آیا۔ ارمان نے سوالیہ انداز میں نعمان کی جانب دیکھا۔ جس نے سر ہلا کر اس کی یقین دہانی کروائی۔

"ہیلو آفیسر ! آپ کو کیا چیز ہمارے در پر لے آئی؟ " وہ ارمان کو دیکھتے ہوئے بولا۔ مگر ساتھ میں اس رات والے لڑکے کو دیکھ کر ماتھے پر تیوری چڑھ گئی۔

"یہیں کھڑے رہ کر بات کریں گے یا اندر بھی آنے دیں گے؟ "ارمان نے ابرو اچکا کر طنزیہ لہجے میں پوچھا تو حارث نے ایک نظر اندر کی جانب ڈالی۔

"جی آفیسر آئیں۔" وہ انہیں ڈرائنگ روم میں لے گیا۔ ارمان چیل سی نظروں سے وہاں کا جائزہ لے رہا تھا۔ اسے سب کچھ نارمل ہی لگ رہا تھا۔

"آپ بیٹھیں میں چائے پانی کا انتظام کرواتا ہوں۔" اس کا لہجہ پر سکون تھا۔

"چائے پانی تو ہوتا رہے گا۔ ابھی آپ ہمارے ساتھ بیٹھیں۔" ارمان مسکرا کر بولتا صوفے پر بیٹھ گیا۔ جبکہ حارث کے چہرے پر پہلی دفعہ بے چینی نمودار ہوئی تھی۔ وہ با دل ناخواستہ وہیں بیٹھ گیا۔

"جی تو آپ مسٹر حارث اسلم ہیں؟ " ارمان کی بات پر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کیا آپ ڈاکٹر حمنہ اور ڈاکٹر فیصل کو جانتے ہیں؟" ارمان کی نظریں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں جو کہ اس وقت سپاٹ تھا۔

"ڈاکٹر حمنہ کے قتل کی نیوز سنی تھی۔ پرسنلی نہیں جانتا اور ڈاکٹر فیصل کا نام پہلی دفعہ آپ کے منہ سے سن رہا ہوں۔" اس کے لہجے سے یہ نہیں لگ رہا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا۔اس کی بات پر ارمان نے پاکٹ سے گھڑی والا پیکٹ نکالا اور حارث کے آگے کیا۔اسے دیکھتے ہی حارث نے اپنی خالی کلائی کی جانب دیکھا۔اور غصے سے اپنی آنکھیں موند لیں ارمان کا شک پختہ ہوتا جا رہا تھا۔

"کیا اس گھڑی کو جانتے ہیں آپ ؟ " نعمان ان دونوں کی باتوں سے بیزار ہوتا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ یکدم اس کی نظر دیوار پر نصب ایک تصویر پر ٹھہر گئی۔چند لمحوں کے لیے وہ مبہوت ہو گیا۔ اس تصویر میں فضہ اپنی بہن کے ساتھ کھڑی مسکرا رہی تھی۔وہ کچھ پلوں کے لیے اس کی مسکراہٹ میں کھوسا گیا۔

”شاید میری ہے۔“ اور اس کی بات پر نعمان کا سکوت ٹوٹا۔اس نے چونک کر حارث کی جانب دیکھا اور پھر ارمان کی جانب متوجہ ہو گیا۔

”شاید نہیں بھائی ! یہ یقیناً اسی کی ہے۔“ وہ تیوری چڑھا کر بولا۔

”لڑکے ! تمہارے پاس کیا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ میری ہے ؟“ وہ پر اعتماد لہجے میں بول رہا تھا۔

”میں نے خود اپنی آنکھوں سے یہ گھڑی تمہاری کلائی میں دیکھی تھی اور رہی بات یہ کہ تمہاری ہے یا نہیں تو اپنی گھڑی دکھا دو ہم مان جائیں گے کہ یہ تمہاری نہیں ہے۔“ اس کی بات پر حارث پرسکون سے انداز میں کھڑا ہو گیا۔

”اوکے۔آفیسر !میں ابھی اپنی واچ لے کر آتا ہوں۔“ وہ مسکراتا ہوا ڈرائنگ روم سے باہر نکل گیا ۔پیچھے ارمان اور نعمان سیاہ گھڑی کو دیکھ رہے تھے۔ان کے پاس بس ایک یہی ثبوت تھا۔

کچھ دیر بعد حارث ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو اس کے ہاتھ میں کچھ تھا۔اس نے ہاتھ آگے کر کے وہ چیز ارمان کے سامنے ٹیبل پر رکھ دی۔وہ بالکل ارمان کے ہاتھ میں موجود گھڑی کی طرح تھی ۔سرخ بچھو والی گھڑی !!

مگر ایک چیز جس کا فرق دونوں گھڑیوں میں تھا وہ تھا ان کا رنگ۔ ارمان کے ہاتھ میں موجود گھڑی کا رنگ سیاہ تھا۔ جبکہ سامنے ٹیبل پر موجود گھڑی کا رنگ نیلا تھا۔ رنگوں کے فرق نے انہیں ایک جیسا ہونے کے باوجود بھی مختلف بنا دیا تھا۔ یہ رنگ اتنے اہم کیوں ہوتے ہیں زندگی میں ؟ سیاہ رنگ کو آخر منہوس کیوں سمجھا جاتا ہے؟ کچھ رنگوں کے پیچھے اتنے مطلب کیوں چھپے ہوتے ہیں؟

نعمان کی آنکھیں بے یقینی سے پھیل گئیں۔ اسے اچھے سے یاد تھا کہ اس رات جو گھڑی حارث نے پہن رکھی تھی۔ وہ وہی سیاہ گھڑی تھی جو اس وقت ارمان کے ہاتھ میں موجود تھی۔ ارمان نے سوالیہ انداز میں نعمان کی جانب دیکھا۔

”ارمان بھائی! یہ وہ گھڑی نہیں ہے جو اس رات اس نے پہن رکھی تھی۔“ اس نے ٹیبل پر موجود گھڑی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”لڑکے !میرے خیال سے قانون ثبوت مانگتا ہے۔“ اس کا لہجہ تمسخرانہ تھا۔ اس کی بات سن کر ارمان کھڑا ہو گیا۔ جبکہ نعمان کے چہرے پر ناگواری چھائی ہوئی تھی۔ ہاں! قانون ثبوت مانگتا تھا۔ مگر انسان

کے آنکھوں دیکھے سچ کو کیوں رد کر دیا جاتا تھا؟؟ آخر کیوں لوگ سارا سچ جاننے کے بعد بھی انجان بن جاتے تھے ؟

”تھینک یو !مسٹر حارث فار کاپریشن۔اگر مجھے آپ کی ضرورت پڑی تو میں پھر آؤں گا۔“اس کی بات پر حارث نے سر کو ہلکا سا خم دیا۔

”جی آفیسر ! میرے گھر کے دروازے آپ کے لیے ہمیشہ کھلے ہیں۔ہیو آ نائس ڈے۔“ اس نے آخری جملہ نعمان کی جانب دیکھتے ہوئے بولا تو اس نے اپنا منہ پھیر لیا۔نعمان اور ارمان باہر نکل آئے جبکہ حارث دروازے پر کرخت تاثرات لیے کھڑا رہا۔

”بھائی !میں آپ کو بتا رہا ہوں۔وہ جھوٹ بول رہا ہے۔آپ میری بات کیوں نہیں سن رہے؟“ ارمان نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس کی جانب دیکھا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

”نعمان !مجھے تمہاری بات پر یقین ہے۔مگر وہ ٹھیک کہہ رہا تھا کہ قانون ثبوت مانگتا ہے۔“ اس کی نظر ڈرائیونگ وے پر مرکوز تھیں۔

”یہ کیا بات ہوئی ؟“ وہ جھنجھلا کر بولا۔

”نعمان ! تم باہر سے پڑھ کر آئے ہو۔تم اس سسٹم کو نہیں جانتے۔یہ وہ جگہ ہے جہاں سچے ثبوتوں اور گواہیوں کو مٹی تلے دفن کر کے جھوٹی شہادتوں اور ثبوتوں کو منظرِ عام پر لایا جاتا ہے۔“ اب نعمان اس کی بات غور سے سن رہا تھا۔

”میں اس سسٹم اور اس معاشرے کا حصہ ہوں۔مجھے اس سسٹم کے ہر ایک جھول کا علم ہے۔اس لیے مجھے یہ معاملہ اپنے طریقے سے نپٹانے دو۔“ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا ایک نعمان کے بولنے سے وہ اس انسان کے خلاف کچھ نہیں کر پائیں گے۔انہیں ٹھوس ثبوتوں کی ضرورت تھی۔

”بھائی !وہ اپنی سالی کو ہراس کرتا ہے۔“اس کی بات پر ارمان نے سنجیدگی سے اس کی جانب دیکھا۔

”نعمان! تمہیں رہ رہ کر باتیں کیوں یاد آتی ہیں؟“ اس کی بات پر نعمان نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

”سوری بھائی !مجھے اسرا نے اس کا نمبر دیا تھا۔ہم اس کی کالز کا ریکارڈ نکال سکتے ہیں۔“ اس کی بات پر ارمان نے سر جھٹکا۔

”ہم اس کی مدد کے بغیر بھی نمبر نکلوا سکتے تھے۔“

"یار بھائی ! آپ کو اسرا کے ساتھ کا مسئلہ ہے؟ آپ کو اس سے کوئی رشتہ نہیں رکھنا تو نہ رکھیں۔ مگر ان کے خلاف ایسے زہر مت اگلا کریں۔" اس کی بات پر ارمان نے اپنا ناک چڑھایا۔

"نعمان! میں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتا۔" اس کی بات پر نعمان نے سر جھٹک کر ارمان سے رخ پھیر لیا۔باقی کا سارا راستہ خاموشی کی نذر ہو گیا۔

اسرا جب فارغ ہو کر باہر نکلی تو محب کو کرسی پر بیٹھا پایا۔اس نے تو سمجھا تھا کہ وہ چلا گیا ہو گا۔ مگر وہ ابھی بھی وہیں موجود تھا۔وہ پچھلے دو گھنٹوں سے وہاں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔اسے دیکھ کر وہ فوراً کھڑا ہو گیا۔اسرا اسے نظر انداز کرتی آگے بڑھ گئی۔مگر محب بھی اس کے پیچھے ہی چل رہا تھا۔

"ڈاکٹر! آپ کا آج کا دن کیسا گزرا ؟ " اس کی بات پر اسرا رکی اور سرد نظروں سے اسے گھورا۔

"مسٹر محب! کیا آپ کو کوئی اور کام نہیں ہے؟"محب اس کی بات پر مسکرایا۔

" ڈاکٹر! کام تو سبھی کے پاس ہوتے ہیں۔مگر ہر کسی کی ترجیحات مختلف ہوتی ہیں اور میری پہلی ترجیح آپ ہیں۔" اسرا نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔

"آپ کا تو لاسٹ سمسٹر چل رہا تھا نا ؟"

"جی ڈاکٹر! کچھ دن پہلے تک چل رہا تھا۔اب اپنے مقام تک پہنچ چکا ہے۔اب میں آزاد ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا تو اسرا سر ہلا کر چلنے لگی۔جبکہ محب اب اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

"ڈاکٹر! اگر آپ کو امپریس کرنا ہو تو مجھے کیا کرنا پڑے گا ؟ "وہ کان کھجاتا کہہ رہا تھا۔جبکہ اسرا خاموشی سے مرمریں راہداری سے گزر رہی تھی۔محب کو اس وقت اپنا آپ بہت خوش قسمت محسوس ہو رہا تھا۔اسرا اسکی بات پر کچھ نہیں بولی۔کچھ باتوں کے کوئی جواب نہیں ہوا کرتے !

"اچھا نا! مت بتائیں۔میں خود ہی مختلف طریقے استعمال کرتا رہوں گا۔ویسے اس آفیسر میں کیا خاص بات ہے؟ مجھے تو بس معمولی سا انسان ہی لگا تھا۔" اب وہ لوگ پارکنگ لاٹ میں پہنچ چکے تھے۔اسرا اس کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دے رہی تھی۔محب کے لیے تو اتنا ہی بہت تھا کہ وہ سن رہی تھی۔

"مسٹر محب !آپ اپنے گھر جائیں۔میں اکیلی چلی جاؤں گی۔" اس کی بات پر محب خاموشی سے آگے آیا اور ہاتھ اس کے آگے پھیلا دیا۔اسرا نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"گاڑی کی چابی دیں۔" وہ نرم لہجے میں بولا تو اسرا خاموش رہ گئی۔

"پلیز ڈاکٹر!" اسے کچھ نہ بولتے ہوئے دیکھ کر وہ دوبارہ بولا۔

اسرا نے چابی اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔وہ فاتحانہ انداز میں چلتا ہوا ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔اسرا ایک لمبی سانس بھرتے ہوئے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔

محب اسے اپنے ساتھ دیکھ کر مسکرایا اور اس سے ایڈریس پوچھا اور پھر سارے راستے اسے تنگ نہیں کیا۔

گھر کے باہر پہنچ کر محب نے گاڑی روک دی۔

"ڈاکٹر !فکر نہ کریں۔آپ کی اجازت کے بغیر کبھی آپ کے گھر نہیں آؤں گا۔فی امان اللہ! اپنا خیال رکھیے گا۔" وہ یہ کہتا ہوا باہر نکل گیا جب کہ اسرا لمبی سانس بھر کر رہ گئی۔

***

تم سرِ راہِ وفا دیکھتے رہ جاؤ گے

اور وہ بامِ رفاقت سے اتر جائے گا

ڈوبتے ڈوبتے کشتی کو اچھالا دے دوں

میں نہیں کوئی تو ساحل پہ اتر جائے گا

محب، اسرا کے گھر سے کیب کی مدد سے ہاسپٹل گیا۔اور وہاں سے اپنی گاڑی میں اپنے گھر کا رخ کیا۔

ابھی اس نے اپنی گاڑی پورچ میں پارک کی ہی تھی کہ اسے موبائل کی بیل سنائی دی۔سکرین پر جگمگاتے نمبر کو دیکھ کر اس کے تاثرات ایسے ہو گئے جیسے کڑوا بادام نگل لیا ہو۔اس نے انہیں بگڑے تاثرات لیے ہوئے کال اٹینڈ کی۔

"ہیلو! ہوں!" کچھ دیر کا وقفہ لیا۔شاید دوسری جانب سے کچھ کہا جا رہا تھا۔محب نے ایک محتاط نگاہ ادھر ادھر ڈالی اور لان میں چلا گیا۔

"تم نے اپنے آپ کو خود پھنسایا ہے۔" دوسری جانب سے کچھ ایسا کہا گیا تھا کہ اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"کیا مطلب ؟میں تمہاری بات نہیں مانوں گا۔تم نے سب کچھ اپنی مرضی سے کیا۔میں نے تمہیں کچھ ایسا کرنے کو نہیں کہا تھا۔" وہ سرد لہجے میں بولا۔

"میں نے تمہیں ادھر جانے کو نہیں کہا تھا۔اب یہ سارا پھیلاوا خود ہی سمیٹو۔" وہ بے چینی سے ادھر ادھر ٹہل رہا تھا۔کہ یکدم مقابل کی بات سنتے رک گیا۔

"کیا مطلب؟ آخر تم نے یہ بات کیسے کہہ دی؟ ان کا اس سب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔تم ان سے دور رہو۔" اس نے غصے کو ضبط کرتے ہوئےاپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔آنکھیں حد درجہ سرخ ہو چکی تھیں۔

"تو میں تمہیں اس کا انجام اچھے سے بتاؤں گا۔"وہ اسرا کے لیے خطرہ نہیں بن سکتا تھا۔آج ہی تو اس پولیس والے نے کہا تھا کہ ان کی جان کو خطرہ تھا۔

"نہیں بھولا میں۔میں اچھے سے جانتا ہوں کہ میں کون ہوں۔میں محب رضا ہوں اور انہیں اچھے سے معلوم ہے کہ محب رضا پاگل نہیں ہے۔" ایک لمحے کا توقف کیا۔شاید دوسری جانب سے کچھ کہا گیا تھا۔

"وہ صرف میری ہیں۔اگر انہیں کچھ ہوا تو میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں۔تم خود ہی نکلو ان سب چیزوں سے۔" وہ کسی کا پھیلایا ہوا رائتہ سمیٹ نہیں سکتا تھا۔

"تم اپنا کام کرو اور مجھے میرا کرنے دو۔میں تمہارے کام میں دخل اندازی نہیں کروں گا۔اور تم میری زندگی میں دخل اندازی مت کرو۔اور اب آئندہ مجھے کال مت کرنا ورنہ تمہارا ٹھکانہ تمہارا وہ ولا نہیں بلکہ جیل کی کالکوٹری ہو گا۔" وہ سخت لہجے میں کہتا کال بند کر گیا۔

اب اس کا رخ اندر کی جانب تھا۔وہ اس کی باتوں پر کڑھتا لاؤنج میں داخل ہوا تو مسز رضا کا فون پر کسی سے بات کرتے ہوئے پایا۔

"میں آج ہی محب سے بات کروں گی۔" انہوں نے شاید ابھی محب کو اندر داخل ہوتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ان کی بات پر محب نے ابرو اٹھائے۔اسے پتہ چل گیا تھا کہ مسز رضا کس سے اور کیا بات کر رہی تھیں۔وہ آگے آیا اور ان کے ہاتھ سے فون پکڑ لیا۔

"امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی۔مجھے آپ کی بیٹی میں ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔میں وہی پاگل محب رضا ہوں۔آپ اپنی بیٹی کی زندگی مت خراب کریں۔اور میری مام کے کان بھرنا بند کر دیں۔ شکریہ۔" اس نے کال کاٹ کر موبائل صوفے پر اچھال دیا۔اور خود سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔

"محب! تمہیں اندازہ بھی ہے تم نے کیا کیا ہے؟" وہ سخت لہجے میں بولیں تو محب اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے کی جانب مڑا۔

"جی مام! مجھے اچھے سے اندازہ ہے کہ میں نے کیا کیا ہے۔میں نے اپ کے مطلبی رشتہ داروں کو یہ احساس دلایا ہے کہ مجھے ان میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔اس لیے میری زندگی سے دور رہیں۔" وہ طنزیہ مسکراہٹ لیے بول رہا تھا۔

"وہ تمہاری خالہ ہیں محب!" ان کے لہجے میں دکھ تھا۔

" مام! یہی تو مسئلہ ہے آپ کا۔آپ کو صرف ان کے دکھاوے کا پیار نظر آتا ہے۔مگر مجھے ان کے پیار کے پیچھے کی غرض دیکھائی دیتی ہے۔آپ اپنے رشتے نبھائیں۔مگر مجھے بیچ میں انوالو مت کریں۔" وہ سیڑھیاں پھلانگتا اوپر کی جانب بڑھ گیا۔

"محب! تم پچھتاؤ گے۔"وہ پیچھے سے چینخیں۔

"قبول ہے۔"وہ اوپر سے جھانکتے ہوئے بولا۔

”مجھے اچھے سے یاد ہے کہ یہ وہی رشتہ دار ہیں کہ جب انہیں پتہ لگا کہ محب رضا پاگل ہے تب انہوں نے آپ سے قطع تعلقی کر لی۔اب انہیں اپنی بہن یاد آ گئی ہے۔مگر مجھے اب ان لوگوں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔“ وہ پیچھے ہٹتا اپنے کمرے میں گھس گیا۔

پیچھے مسز رضا تھک کر صوفے پر ڈھے گئیں۔انہیں معلوم تھا کہ محب ٹھیک کہہ رہا تھا۔مگر وہ ان کے خون کے رشتے تھے۔ہاں! وہ انہی روایتی انسانوں کی طرح تھی جو اپنے رشتوں کو جوڑنے کی خاطر سبھی کچھ فراموش کر جاتے ہیں۔وہ لوگوں کے لہجوں کو بھلا دیتے ہیں۔لوگوں کی باتیں چاہے بھول جاؤ مگر ان کے لہجوں کو کبھی بھولنا نہیں چاہیے۔

اسرا گھر میں داخل ہوئی تو لان میں فضہ کو بیٹھے دیکھا۔وہ سیدھا اس کے پاس آ گئی۔

” السلام علیکم! کیسی ہیں آپ ؟“ وہ اسی کے پاس کرسی پر بیٹھ گئی۔

”وعلیکم السلام !میں ٹھیک ہوں۔آپ کیسی ہیں؟ “ وہ اس کے چہرے کو غور سے دیکھ رہی تھی۔

”الحمداللہ ! اپ اب یہاں کیسا فیل کر رہی ہیں؟ “

"بہت ریلیکس۔آپ فریش ہو کر آئیں۔پھر بات کرتے ہیں۔" اسرا مسکراتے ہوئے اٹھی۔اور اندر کی جانب بڑھ گئی۔کچھ دیر بعد اسرا سیاہ لباس میں ملبوس باہر آئی تو فضہ پھولوں کو تک رہی تھی۔

"آپ کو پھر سے پینک اٹیک تو نہیں آیا ؟ " اس کی بات پر فضہ نے نفی میں سر ہلایا۔یہاں وہ اپنے آپ کو بہت محفوظ محسوس کر رہی تھی۔ہلکی ہلکی ہوا ماحول کو خوشگوار بنا رہی تھی۔اسرا نے آنکھیں بند کر کے ہوا کو اپنے اندر اتارا۔

"آپ کو اس سے بہت محبت تھی؟" اسرا نے بند آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔اس کی سنہری آنکھیں چمک رہی تھیں۔مگر فضہ کو سمجھ نہیں آئی کہ وہ چمک آنسوؤں کی نمی کی تھی یا کسی اور چیز کی۔

"فضہ !محبت کبھی ماضی نہیں بنتی بلکہ جس سے کی جاتی ہے وہ انسان ماضی بن جایا کرتا ہے۔"اب وہ فضہ کی جانب نہیں دیکھ رہی تھی۔اس کی نظریں آسمان میں کسی غیر مرئی مقام کو تک رہی تھیں۔

"تو کیا وہ انسان آپ کا ماضی بن گیا ہے ؟ "وہ اس کے چہرے کو کھوج رہی تھی جہاں ایک لمحے کے لیے درد نظر آنے لگا۔

"آپ کو کیا لگتا ہے ؟" اس کی آواز بوجھل تھی۔

”شاید!“ اس نے یک لفظی جواب دیا تو اسرا نے زخمی سا مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

”فضہ! اس دنیا میں شاید کچھ نہیں ہوتا۔ یا تو کچھ ہوتا ہے یا نہیں ہوتا۔ ان دونوں ممکنات کے علاوہ درمیان کی کوئی راہ نہیں ہوتی۔“ اس کی بات پر فضہ نے نا سمجھی کے انداز میں اس کی جانب دیکھا۔

”لوگوں نے اپنی تسلی کے لیے لفظ شاید بنا رکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں نا

دل کے بہلانے کو غالب خیال اچھا ہے۔“

آخر میں وہ مسکرائی۔

”پھر آپ خود ہی بتا دیں۔“ اسرا نے لمبا سانس لیا۔

”ابھی وہ ماضی نہیں ہے۔ مگر جلد بن جائے گا۔“ اس نے کمال ضبط سے جملہ ادا کیا۔ کبھی نہ کبھی وہ اپنے دل پر قابو پا لے گی۔

”اللہ جی! مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے ان اندھیروں سے نکال دیں گے۔“ اس نے زیر لب کہتے ہوئے اوپر کی جانب دیکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔

”کیا سوچ رہی ہیں آپ؟“ اسرا نے آنکھیں کھول کر فضہ کی جانب دیکھا۔

" فضہ! جب کوئی انسان آنکھیں بند کر کے آسمان کی جانب رخ کرے۔تو یہ اس کی بے بسی کی آخری حد ہوتی ہے۔اس وقت اس سے یہ نہیں پوچھا کرتے کہ وہ کیا سوچ رہا ہے۔"اس کا لہجہ بے تاثر تھا۔

"آئی ایم سوری!" وہ شرمندگی سے بولی۔اسے اسرا کی پرسنل لائف میں اتنی دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے تھی۔

"اٹس اوکے فضہ! " اس نے موبائل پر وقت دیکھا۔شام گہری ہو رہی تھی۔

"آپ کا ڈر کم ہوا ؟ " وہ کل کے دن تو اسے بھول ہی گئی تھی۔اس لیے آج ہی اس سے سارے سوال کر رہی تھی۔اس کی بات پر فضہ نے الجھ کر اسرا کی جانب دیکھا۔

"مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ میرا ڈر کم ہوا ہے یا نہیں؟ " اس کی بات پر اسرا نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلایا۔

"جی آپ کو کیسے پتہ چلے گا ؟ " وہ سوچتے ہوئے بول رہی تھی۔پھر وہ یکدم سے بولی۔

" مجھے پتہ ہے کہ آپ کو کیسے پتہ چلے گا۔" اس نے موبائل اٹھایا اور نعمان کو میسج کیا۔

"میں فضہ کے ساتھ ڈنر کرنے جا رہی ہوں۔اگر آنا ہو تو پانچ منٹ کے اندر اندر گھر پہنچ جاؤ۔ورنہ بعد میں مجھے یہ مت کہنا کہ بتایا نہیں تھا۔" فضہ حیرت سے یہ کاروائی دیکھ رہی تھی۔

"کیا کر رہی ہیں آپ ؟ "اسرا نے موبائل واپس ٹیبل پر رکھ دیا۔

"آپ کے ڈر کا علاج۔" اب وہ ہلکا ہلکا مسکرا رہی تھی۔اس کی بات پر فضہ نے نا سمجھی والے تاثرات سے اسرا کی جانب دیکھا۔اسے کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

دوسری جانب نعمان اسرا کا میسج پڑھ کر جھنجھلایا۔

"عسریٰ یار !آپ کو سکون کیوں نہیں ہے ؟ بتایا بھی تھا کہ آپ کی جان کو خطرہ ہے۔" وہ تصور میں اس سے مخاطب ہوتا اپنے کمرے سے باہر نکل گیا۔

کچھ دیر بعد وہ بگڑے ہوئے تاثرات لیے ان دونوں کے سامنے کھڑا تھا۔

"اسرا! آپ کو آج صبح والی بات نہیں یاد ؟ "وہ طنزیہ لہجے میں بول رہا تھا۔جس کا کم از کم اسرا پر تو کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔مگر فضہ کی تیوری چڑھ چکی تھی۔ہاں! وہ اس لڑکے سے ڈرتی تھی۔ مگر وہ اس کی ڈاکٹر سے ایسے بات نہیں کر سکتا تھا۔

اسرا ویسے ہی کرسی سے ٹیک لگائے بیٹھی رہی تو نعمان نے لمبا سانس بھرا اور خالی پڑی کرسی کی جانب دیکھا۔تینوں کرسیاں میز کے گرد تکون کی صورت میں پڑی ہوئی تھیں۔وہ اس خالی کرسی پر بیٹھ گیا تو فضہ نے اپنی کرسی اسرا کی جانب کھسکائی۔جس پر نعمان نے اسے سخت نظروں سے گھورا۔

"میں انسان ہی ہوں۔" اس کے تپ کے کہنے پر اسرا کا قہقہہ فضا میں بلند ہوا۔

"کیا ہے اسرا !میں آپ کو اتنی سیریس بات بتا رہا ہوں۔اور آپ ہنس رہی ہیں۔"وہ جھنجھلا اٹھا تھا۔ مطلب اس کی بات کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔

"یہ سیریس بات کہ تم انسان ہو۔" وہ اپنی ہنسی دباتے ہوئے بولی۔فضہ نے دل میں ہی اس کے یوں ہی مسکرانے کی دعا مانگی۔نعمان اس کی بات سنتا کھڑا ہو گیا۔

"اسرا! آپ کی جان کو خطرہ ہے۔"اس کی بات پر اسرا بھی سنجیدہ ہوتی کھڑی ہو گئی۔جبکہ فضہ اس کی بات سن کر چونکی تھی۔

"نعمان ! زندگی اور موت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔میں اس بات سے ڈر کے گھر پہ نہیں بیٹھ سکتی کہ کوئی مجھے مار ڈالے گا۔اور ویسے بھی آپ لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔کوئی مجھے کیوں مارے گا؟" اس کا لہجہ انتہائی سنجیدہ تھا۔

"غلط فہمی ہمیں نہیں آپ کو ہے۔۔۔۔"

"بس نعمان! اگر تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہے تو چلو۔ورنہ ہم دونوں بھی جا سکتی ہیں۔" اس نے دو ٹوک لہجے میں کہا تو نعمان آگے سے کچھ نہیں کہہ سکا۔

"اوکے فائن۔آپ تیار ہو کر آئیں۔میں یہیں ویٹ کر رہا ہوں۔"وہ وہیں بیٹھ گیا۔جبکہ فضہ بھی اسرا کے ساتھ اندر کی جانب بڑھ گئی۔

۔۔۔۔۔۔

موت تو اپنی کئی بار مر چکے ہیں ہم

اب ہمیں موت جو آئی تو اضافی ہو گی

اپنے نقصان پہ یہ سوچ کر خوش ہوں عابدؔ

میرے نقصان سے اوروں کی تلافی ہو گی

اسرا پانچ منٹ میں تیار ہو کر گیسٹ روم کی جانب بڑھی۔اس نے ڈرائیور کو بھجوا کر فضہ کا سارا ضروری سامان اس کے گھر سے منگوا لیا تھا۔ابھی وہ دروازے کو ناک کرنے ہی والی تھی کہ اندر سے فضہ باہر نکلی۔اس کے سنہری چہرے پر الجھن اور بے چینی تھی۔اس نے الجھ کر اسرا کی جانب دیکھا۔جس نے اسی سیاہ لباس کے اوپر سیاہ رنگ کے ڈوپٹہ کا ہالہ چہرے کے گرد لپیٹ رکھا تھا جبکہ کندھوں پر موجود مہرون شال اس کو با وقار بنا رہی تھی۔اسرا نے سوالیہ انداز میں اس کی جانب دیکھا

"اسرا! کیا میرا جانا ضروری ہے؟"

"جی بالکل۔ آپ کا جانا ہی تو ضروری ہے۔ آپ کو اپنے ڈر سے نکلنے کے لیے اپنے ماحول کو تھوڑا تبدیل کرنا پڑے گا۔آپ باہر چلیں۔میں مما کو بتا کر آتی ہوں۔" وہ ڈاکٹر نیلوفر کے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ جبکہ پیچھے فضہ ہچکچاہٹ کا شکار تھی کہ وہ باہر جائے یا نہیں۔بہت مشکل سے ہمت جمع کرتے ہوئے وہ باہر کی جانب بڑھی اور لان کی اینٹرنس پر کھڑی ہو گئی۔وہاں سے اسے نعمان موبائل چلاتا نظر آ رہا تھا۔

نعمان کو اپنے اوپر کسی کی نگاہوں کی تپش محسوس ہوئی تو اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا تو اسے لگا کہ وقت ہیں پر رک سا گیا تھا۔وہ گلابی فراک میں ملبوس تھی اور ساتھ ہی گلابی رنگ کے دوپٹے کے ہالے نے اس کے چہرے کو مزید خوبصورت بنا دیا تھا۔وہ اس لمحے میں کہیں کھو ہی گیا۔ایک لمحے کو دونوں کی نظریں ملیں۔مگر اگلے ہی لمحے نعمان نے سر جھٹک دیا۔اس کا دل غیر معمولی رفتار سے دھڑک رہا تھا۔اس نے حیرت کے عالم میں اپنے دل پر ہاتھ رکھا۔فضہ اس کے تاثرات کو غور سے دیکھ رہی تھی۔اس سے پہلے وہ آگے بڑھتی اسے اپنے پیچھے سے اسرا کی ہیل کی آواز سنائی دی۔

”ارے! آپ ابھی تک یہیں پر کھڑی ہیں۔آئیں میرے ساتھ۔“ وہ فضہ کو لے کر نعمان کی جانب بڑھی جو اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

”میں ایک شرط پر آپ کے ساتھ چلوں گا۔“ اسرا نے سوالیہ انداز میں ابرو اچکائے۔مگر منہ سے کچھ نہیں بولی۔نعمان نے دو پل اس کے بولنے کا انتظار کیا۔مگر پھر لمبا سانس بھر کر اس کی جانب بے بسی سے دیکھا۔

"کبھی تو صحیح سے بات کر لیا کریں۔" اس کی بات پر عسریٰ نے مسکراتے ہوئے اپنے ہینڈ بیگ میں سے کیز نکالی اور اس کی جانب اچھالیں۔جنہیں اس نے بدقت پکڑ لیا۔

"مجھے تمہاری شرط کا اچھے سے معلوم ہے۔کر لو ڈرائیو۔تم بھی کیا یاد کرو گے۔اور ڈنر میری طرف سے ہو گا۔" نعمان نے کچھ بولنے کے لیے لب کھولے۔مگر پھر اپنا منہ بند کر لیا۔اسے اسرا کی بات پر حیرت نہیں ہوئی۔کیونکہ وہ اسے بچپن سے جانتی تھی اس نے یہی شرط رکھنی تھی۔

"میری بات نہ مان کر آپ کو کون سی دلی تسکین ملتی ہے۔" وہ پورچ میں کھڑی گاڑی کی جانب بڑھ رہے تھے۔اس کی بات پر اسرا نے بس مسکرانے پر ہی اکتفا کیا۔نعمان نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی جبکہ اسرا فضہ کے ساتھ بیک سیٹ پر بیٹھ گئی۔فضہ، اسرا کو آج کے دن کی باتیں بتا رہی تھی کہ اس نے اور ڈاکٹر نیلوفر نے کیا کچھ کیا۔

یکدم نعمان نے مرر سے ان کی جانب دیکھا تو فضہ کو مسکراتا پا کر اس کے لب خود بخود مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔اسرا کی نظر پڑنے سے پہلے اس نے سر جھٹک کر اپنی توجہ ڈرائیونگ وے کی جانب

مرکوز کر لی۔اسرا نے نہال کو بھی آنے کے لیے کہا تھا مگر اس نے یہ کہہ کر اسے منع کر دیا تھا کہ ماں جی اور باباجان گھر میں اکیلے تھے اور وہ گھر میں ہی رہ کر ان کا خیال رکھنا چاہتی تھی۔

”تو کیا خیال ہے اسرا! انان (Anan) چلیں ؟ “ نعمان کی بات پر اسرا کے چہرے پر اداس مسکراہٹ پھیل گئی۔

”نہیں۔میں پچھلے چار سالوں سے وہاں نہیں گئی۔“ فضہ خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔

”اسرا ! ہماری کتنی یادیں اس جگہ سے منسلک ہیں۔چلتے ہیں نا ڈنر بھی ہو جائے گا اور پرانی یادیں بھی تازہ ہو جائیں گی۔“ وہ اسرا کو ان کے فیورٹ ریسٹورانٹ لے کر جانا چاہتا تھا۔جہاں پر وہ ، اسرا ، نہال اور ارمان مل کر جایا کرتے تھے۔اس جگہ سے انہیں خاص انسیت تھی۔اس لیے انہوں نے ان چاروں کے نام کے پہلے حرف کو جوڑ کر اس کا نام انان رکھ دیا تھا۔

اسرا اسے کیا بتاتی کہ وہ انہیں پرانی یادوں کو تو دفن کر دینا چاہتی تھی۔انہیں کبھی بھی دہرانا نہیں چاہتی تھی۔پرانی یادیں ایک آسیب کی مانند ہوتی ہیں۔جن سے جتنا چھٹکارا پانا چاہو وہ اتنی شدت کے ساتھ انسان کے ذہن کے ساتھ چمٹتی ہیں۔

وہ اسے روکنا چاہتی تھی مگر نعمان پہلے ہی گاڑی کو انان کے راستے پر ڈال چکا تھا۔وہ لمبا سانس بھر کر رہ گئی۔ چلو ! آج ان یادوں کا بھی سامنا کرنا پڑے گا۔اس نے گاڑی کی سیٹ سے ٹیک لگا کر اپنی آنکھیں موند لیں۔فضہ نے اسے تنگ کرنا مناسب نہ سمجھا اس لیے اپنا رخ باہر کی جانب کر لیا۔

کچھ دیر بعد گاڑی اپنی منزل پر پہنچ گئی۔اس نے ایک نظر گاڑی میں بیٹھے ہی باہر کی جانب ڈالی۔کتنا کچھ تبدیل ہو چکا تھا۔نہ وہ چاروں ساتھ تھے اور نہ ہی وہ عمارت چال سار پہلے والی تھی۔ہاں !مگر اسے وہاں یادوں کی خوشبو آ رہی تھی۔وہ ان لمحوں کو سونگھ سکتی تھی۔محسوس کر سکتی تھی۔نعمان نے گاڑی پارکنگ لاٹ میں پارک کی تو وہ ٹرانس کی کیفیت میں گاڑی سے اتری۔

اسے وہ چاروں وہاں بھاگتے ہوئے نظر آرہے تھے۔اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔نعمان بھی انہیں لمحوں کو محسوس کر رہا تھا۔فضہ گھبراتی ہوئی گاڑی سے باہر نکلی۔وہاں کافی گاڑیاں پارک تھیں۔ مطلب اندر رش کافی زیادہ ہو گا۔اس نے اپنے ہی بازو کو زور سے پکڑ لیا اور لمبی سانس بھرنے لگی۔مگر پھر اسے یکدم محسوس ہوا کہ کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔اس نے دیکھا تو اسرا مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھامے کھڑی تھی۔اسرا نے پلکیں جھپکا کر اسے تسلی دی۔

”ریلیکس فضہ! یہ بس انسان ہیں۔اگر ان سے ڈریں گی۔تو یہ آپ کو نوچ کھائیں گے۔اس لیے اپنی بقا کے لیے آپ کو ان کا سامنا کرنا پڑے گا۔“ اس کی بات پر فضہ نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔ہاں! وہ ان لوگوں کا سامنا کر سکتی تھی۔

”تھینک یو اسرا ! “ جس وقت وہ دونوں ایک دوسرے سے باتیں کرنے میں مصروف تھیں۔اسی وقت نعمان ایک طرف کھڑا اپنے فیصلے پر پچھتا رہا تھا۔اسے اسرا کو یہاں نہیں لانا چاہیے تھا اور وجہ سامنے کھڑی ارمان کی اوڈی تھی۔اس نے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے آسمان کی جانب دیکھا۔

”یا اللہ! پلیز آج اسرا کا سامنا ارمان بھائی سے نہ ہو۔“ ابھی وہ دعا مانگنے میں مصروف تھا کہ اسرا اس کے پاس آئی۔نعمان نے اپنا رخ اس طرح کر لیا کہ اسرا کو ارمان کی گاڑی نہ نظر آئے۔

”تم یہاں کیوں کھڑے ہو ؟ چلو اندر چلتے ہیں۔“ اس کی بات پر نعمان نے ایک نظر ارمان کے گاڑی کی پر ڈالی اور پھر ان کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔وہ دل ہی دل میں دعائیں بھی مانگ رہا تھا۔وہ تینوں جیسے ہی اندر داخل ہوئے تو اسرا کی نظریں ایک منظر کو دیکھ کر ساکت ہو گئیں۔نعمان نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تو اس کا دل کیا کہ وہ اپنا سر پیٹ لے۔

ان دونوں کو بھی آج کی رات ہی یہاں آنا تھا۔سامنے ہی ایک ٹیبل پر ارمان کے ساتھ ایک لڑکی بیٹھی ہوئی تھی ارمان کی ان کی جانب پشت تھی۔اسرا اس لڑکی کو پہچان چکی تھی۔وہ منال تھی۔نہال کے مطابق ارمان کے یونیورسٹی فیلو!

"آئیں اسرا!" اس کی آنکھوں کے سامنے بہت سی یادیں گھوم گئیں۔اسرا سر جھٹک کر ان دونوں کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔اس نے فضہ کا ہاتھ ابھی بھی تھاما ہوا تھا۔کیونکہ اس کی سانس پھول رہا تھا۔وہ تینوں ایک خالی ٹیبل کے گرد کرسیوں پر بیٹھ گئے۔وہاں سے ارمان اور منال کا نیم رخ نظر آ رہا تھا۔

"اسرا! آپ کو یاد ہے ہم یہاں کتنا مزہ کیا کرتے تھے؟" وہ اس کا دھیان ارمان کی طرف سے بھٹکانا چاہتا تھا۔مگر اس کا دھیان ارمان کی جانب نہیں بلکہ منال کی جانب تھا۔وہ تو اس خوش نصیب لڑکی کو تک رہی تھی جس کی قسمت میں ارمان تھا۔

"اللہ جی !ان دونوں کو ہمیشہ خوش رکھیے گا۔" اس نے دیر لب دعا مانگی۔یکدم اسے محسوس ہوا کہ فضہ کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔اس نے فضہ کی جانب دیکھا تو اس کی آنکھوں میں ڈر واضح طور پر دیکھا جا سکتا تھا۔

" فضہ! آپ کیا کھائیں گی؟" نعمان نے اسے ڈرتے دیکھ کر اپنی جانب متوجہ کیا۔وہ ہراساں نگاہوں سے نعمان کی جانب دیکھنے لگی۔

" آپ کو پتہ ہے یہاں کی آئس کریم بہت اچھی ہوا کرتی تھی۔ہم لوگ جنوری، فروری کے مہینوں میں بھی یہاں کی آئس کریم کھانے آیا کرتے تھے۔اور مزے کی بات بتاؤں آپ کو؟" اس نے ڈرامائی انداز میں کہا تو فضا نے میکانکی انداز میں سر ہلایا۔اسرا ، نعمان کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔نعمان کا طریقہ کام کر رہا تھا۔فضہ اپنے ڈر کو چھوڑ کر اس کی بات سننے لگی تھی۔

" ہم کھانے سے زیادہ ایک دوسرے پر آئس کریم گرایا کرتے تھے۔" اس کی بات پر فضہ مسکرائی ۔جبکہ اسرا کی نظریں اب ارمان اور منال کے گرد گھومنے لگیں۔اب فضہ کافی نارمل ہو چکی تھی اور نعمان سے ہلکی پھلکی باتیں بھی کر رہی تھی۔

یکدم اسرا نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔اس کے چہرے کے تاثرات پتھریلے ہو گئے۔نعمان نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔ارمان نے منال کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔اس نے اپنی آنکھیں میچ لیں۔آج ان دونوں کو یہاں لانا اس کا بدترین فیصلہ تھا۔فضہ بھی اسرا کی بے توجہی دیکھ رہی تھی۔اسرا یکدم اٹھی۔

میں فریش ہو کر آتی ہوں۔ریسٹورانٹ کی مرمریں راہداری پر وہ کسی شہزادی کی سی شان سے چل رہی تھی۔اس کی چال اس قدر باوقار تھی کہ لوگ اسے مڑ مڑ کر دیکھنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی لیڈیز ٹوائلٹ کی جانب بڑھ رہی تھی۔اندر جا کر اس نے اپنا عکس آئینے میں دیکھا۔اور ایک لمبا سانس لیا۔

" اسرا ! تم یہ کر سکتی ہو۔تمہیں یہ سب برداشت کرنا ہی ہے۔وہ تمہارا نہیں ہے اسرا! وہ منال کا ہے ۔"وہ اپنے آپ کو یہ یقین دلا رہی تھی کہ وہ یہ سب کچھ برداشت کر سکتی تھی۔اس نے اپنی لال ہوتی آنکھوں کو دیکھا اور پھر باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔اب اس کا اعتماد بحال ہو چکا تھا۔اگر وہ اپنی محبت سے دستبردار ہو سکتی تھی۔تو وہ کچھ بھی برداشت کر سکتی تھی۔

جاتے ہوئے اس کی چال میں شہزادی سا وقار تھا مگر واپس آتے ہوئے اس کی چال میں ملکہ سا رعب اور طاقت تھی۔گردن اور کمر سیدھی کیے وہ سہج سہج کر قدم اٹھا رہی تھی۔اب وہ ارمان کی جانب بھولے سے بھی نہیں دیکھ رہی تھی۔اپنے ٹیبل کی جانب جاتے ہوئے اس کی نظر سامنے لگے قد آور آئینے پر پڑی تو وہ چونک کر رک گئی۔حیرانی کی وجہ اس کا عکس نہیں تھا۔بلکہ اس کے چہرے پر موجود لال رنگ کا نقطہ تھا۔

ابھی اس نے اپنا عکس واش روم میں دیکھا تھا۔تب وہ نقطہ اس کے چہرے پر نہیں تھا۔وہ آئینہ اس سے ذرا دوری پر تھا۔یکدم اس کے دماغ میں بجلی کا کوندا لپکا۔اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا ۔ادھر کافی رش تھا اور کسی نے اس پر نشانہ باندھا ہوا تھا۔وہ لوگوں کو خطرے میں نہیں ڈال سکتی تھی اس لیے تیزی سے باہر کی جانب جانے لگی۔

نعمان اور فضہ حیرانی سے اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔وہ تیزی سے باہر کی جانب بڑھ رہی تھی کہ یکدم اس کا پاؤں پھسلا اور وہ مرمریں فرش پر گر گئی۔نیچے پڑے کانچ کے کچھ ٹکڑے اس کی ہتھیلی میں پیوست ہو گئے۔اس سے پہلے کہ اسے سنبھلنے کا موقع ملتا کوئی بجلی کی تیزی سے آیا اور اسے پیچھے

دھکیل دیا۔ عین اسی وقت گولی کی آواز پورے ریسٹورانٹ میں گونج اٹھی۔ ہر طرف بھگڈر مچ چکی تھی۔

اسرا نے اپنے بچانے والے کو دیکھا تو محب کو ایک جانب گرا ہوا پایا۔ وہ اس کی جانب بڑھ گئی۔ اس کی ہتھیلی سے ابھی خون رس رہا تھا۔ دوسری جانب ارمان اپنی گن نکال کر لوگوں کو باہر نکلنے میں مدد کر رہا تھا۔ منال کو وہ پہلے ہی خود باہر چھوڑ کر آیا تھا۔ نعمان ،فضہ کا ہاتھ پکڑے اسرا کی تلاش میں مصروف تھا۔ اس نے آخری منظر میں اسرا کو نیچے گرتے ہوئے دیکھا تھا۔ مگر اب اسرا وہاں نہیں تھی اس کا دل گھبرا رہا تھا۔ اسرا یار ! منع کیا تھا نا میں نے !

"مسٹر محب ! آپ ٹھیک تو ہیں؟" محب اپنے کمرے میں موجود تھا کہ اسے کسی نے یہ لوکیشن سینڈ کی۔ اور نیچے لکھا تھا کہ اگر بچا سکتے ہو تو بچا لو۔ وہ اسی وقت ریش ڈرائیونگ کرتا ہوا اس لوکیشن پر پہنچا تھا۔ اس کے دماغ میں پہلا خیال ہی اسرا کا آیا تھا۔ بھاگتے بھاگتے وہ اندر داخل ہوا تو اسرا کو نیچے گرا ہوا دیکھا۔ اسرا پر لال نقطہ اسے دور سے ہی نظر آ چکا تھا۔ اس نے بھاگتے ہوئے اسرا کو سائیڈ پر کیا۔ وہ اس انسان کو چھوڑنے والا نہیں تھا۔

"جی ڈاکٹر !میں ٹھیک ہوں مگر آپ ٹھیک نہیں ہیں۔" محب کو بس کندھے پر رگڑ آئی تھی۔اس نے اسرا کی ہتھیلی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔جہاں سے ابھی بھی خون رس رہا تھا۔اور کانچ کے ٹکڑے ہتھیلی میں پیوست تھے۔وہ اس سے آگے سوچ ہی نہیں سکا کہ اگر اسے ایک لمحہ کی بھی دیر ہو جاتی تو کیا ہوتا!!

اب ریسٹورانٹ تقریباً خالی ہو چکا تھا۔نعمان کی نظریں نیچے بیٹھی ہوئی اسرا پر پڑیں۔وہ فضہ کو لے کر بھاگتے ہوئے اسرا کی جانب بڑھا۔مگر اس کے ساتھ اس لڑکے کو دیکھ کر ٹھٹک کر رک گیا۔ارمان کی نظریں بھی ان پر پڑ چکی تھی۔وہ بھی سب کو باہر چھوڑ کر اندر کی صورتحال دیکھنے آیا تھا۔اس نے نہ ہی گولی چلانے والے کو دیکھا تھا اور نہ ہی اسے یہ معلوم تھا کہ گولی چلائی کس پر گئی تھی۔وہ انہیں وہاں دیکھ کر حیران ہوا تھا اس کے قدم ان کی جانب بڑھ رہے تھے۔

اب ریسٹورانٹ کی راہداری میں ایک جانب محب اور اسرا نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔اور نعمان، فضہ ان کے ساتھ کھڑے تھے۔ارمان اپنی نگاہیں ان پر مرکوز کئے آگے بڑھ رہا تھا۔وہ پولیس کو انفارم کر چکا تھا۔اس کے کچھ آفیسرز باہر موجود تھے۔

"تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو؟ " وہ بگڑے تاثرات لیے ان سے پوچھ رہا تھا۔اسرا محب کی جانب دیکھ رہی تھی۔نعمان اور فضہ، ارمان کی جانب متوجہ تھے۔نعمان نے اسے ساری بات بتائی تو وہ اسرا کی جانب متوجہ ہوا۔

"یہ سب تمہاری ضد کی وجہ سے ہوا ہے۔" اس کی بات پر اسرا نے اپنا سر جھٹکا۔وہ اس سے بات بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ورنہ وہ اپنے آپ سے کیے ہوئے عہد کو بھول جاتی۔

"مسٹر محب آپ نیچے سے اٹھیں۔" اسرا کے نظر انداز کرنے پر ارمان کا چہرہ خفت کے مارے سرخ پڑ گیا۔وہ دونوں نیچے سے اٹھے۔محب اس کے ہاتھ کو دیکھ کر پریشان ہو رہا تھا۔

"ریسٹورانٹ کی انتظامیہ کہاں ہے ؟" وہ چیختے ہوئے بول رہا تھا۔ارمان کے ابرو طنزیہ انداز میں کھڑے ہو گئے۔نعمان اور فضہ خاموش کھڑے سارا تماشہ دیکھ رہے تھے۔

"مینجر !مینجر! " وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے چلایا۔

کچھ دیر بعد ایک آدمی بھاگتا ہوا وہاں پہنچا۔محب نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔

"کیا تمہیں اتنا بڑا کانچ فرش پر دیکھائی نہیں دیا؟؟" ابھی وہ کچھ اور بولتا کہ ارمان نے اس کے ہاتھ مینجر کے گربان سے ہٹائے اور اسے پیچھے کی جانب دھکیل دیا۔

" مجھے آج پتہ چل ہی گیا کہ تم سچ میں پاگل ہو۔مگر اس لڑکی کے پیچھے۔سنبھالو اپنے نفسیاتی مریض کو۔" آخری جملہ اس نے اسرا کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

اسرا اس کی بات کو نظرانداز کر گئی۔

"ڈاکٹر ہاسپٹل چلتے ہیں۔" محب اس کی جانب فکرمندی سے دیکھتا ہوا بولا۔یہ سب کچھ اس کی وجہ سے ہو رہا تھا۔وہ اسرا کو کچھ بھی نہیں ہونے دے گا۔اس کی بات پر اسرا کی نظریں اس ٹیبل پر گئیں۔ جہاں اس کا ہینڈ بیگ پڑا تھا۔مگر اب وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔اس نے فوراً نعمان کی جانب دیکھا۔جس نے ہاتھ آگے کر کے اسے ہینڈ بیگ تھما دیا۔اس نے اسے مشکور نظروں سے دیکھا تو نعمان نے سر کو ہلکا سا خم دیا۔

"یہ یہاں سے اس وقت تک نہیں جا سکتی۔جب تک میری تفتیش پوری نہیں ہو جاتی۔" اس کی بات پر محب نے اپنا ابرو کھجایا اور مٹھیاں بھینچ کر اپنے آپ کو اسے مکا مارنے سے روکا۔

" مسٹر ارمان احمد !اگر آپ کو تفتیش کرنی ہی ہے تو ہاسپٹل آکر کر لیجئے گا۔کیونکہ میں تو ان کو لے کر جا رہا ہوں۔ان کی مرہم پٹی ہونا آپ کی سو کالڈ تفتیش سے زیادہ اہم ہے۔" اس کا لہجہ دو ٹوک تھا۔

" ٹھیک ہے تم لوگ جاؤ۔میں بھی پیچھے ہی آ رہا ہوں۔" اسرا نے حیرانی سے اس کی جانب دیکھا اور پھر نعمان کی جانب متوجہ ہو گئی۔

" نعمان ! فضہ کو گھر چھوڑ آؤ۔" نعمان نے فضہ کی جانب دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔فضہ کی گھبراہٹ کافی کم ہو چکی تھی۔اسرا نے اسے سوالیہ انداز میں دیکھا۔تو فضہ نے پلکیں جھپکا کر اسے تسلی دی کہ وہ اس کے ساتھ چلی جائے گی۔نعمان فضہ کو راستہ دیتا باہر کی جانب بڑھنے لگا۔

"نعمان ! باہر منال کھڑی ہوگی۔اس کو بھی چھوڑ آنا۔" ارمان کی بات پر اس نے پیچھے مڑ کر اثبات میں سر ہلایا اور فضہ کے ساتھ باہر نکل گیا۔پیچھے اسرا، محب اور ارمان مرمریں راہداری میں کھڑے رہ گئے۔ارمان اور محب ایک دوسرے کو سخت نظروں سے گھور رہے تھے۔جبکہ اسرا بیزاری سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

" مسٹر محب! آپ گھر جائیں ۔میں خود ہی ہاسپٹل چلی جاؤں گی۔ بلکہ مسٹر ارمان آپ یہیں پر انویسٹیگیشن کر لیجیے۔" اس کی بات پر محب جھنجلایا۔اف ڈاکٹر! آپ بہت ضدی ہیں۔

"ناممکن! پہلے آپ کی ڈریسنگ ہو گی اور پھر باقی سارے کام۔۔۔" ابھی وہ بول ہی رہا تھا کہ ارمان نے اس کی بات کاٹ دی۔

"یہ لڑکا کہیں بھی نہیں جا رہا۔مجھے اس سے بھی پوچھ گچھ کرنی ہے۔" اس کی بات پر اسرا نے لمبا سانس کھینچا۔

"اوکے چلیں۔"ارمان غصے سے راہداری سے باہر نکل گیا۔اور محب اسرا اس کے پیچھے تھے۔محب، ارمان کے بلاوجہ غصہ کرنے کی وجہ سے کوفت کا شکار ہو رہا تھا۔وہ اسرا کو اپنی گاڑی کی جانب لے گیا اور ارمان اپنی اوڈی کی جانب بڑھ گیا۔

اسرا کی آنکھیں درد کو برداشت کرتی سرخ ہو چکی تھیں۔اس کے ہاتھ سے مسلسل خون بہہ رہا تھا۔ محب نے اپنا رومال اس کی جانب بڑھایا۔جسے اس نے ہاتھ کے گرد اور لپیٹ لیا۔کچھ دیر بعد وہ ہاسپٹل پہنچ گئے۔ارمان ان سے پہلے وہاں موجود تھا۔ڈریسنگ کرواتے وقت محب اور ارمان دونوں

اس کے ساتھ تھے۔نرس نے احتیاط سے اس کے ہاتھ سے کانچ نکالا تو اس کے منہ سے ہلکی سی سسکی نکلی۔

"نرس !آرام سے۔" محب بے ساختہ بولا۔ارمان نے کوفت سے اپنی آنکھیں گھمائیں۔

اسرا کی آنکھوں کے سامنے سے وہ منظر نہیں جا رہا تھا۔جب ارمان اور منال ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے تھے۔اس کی سرخ آنکھوں میں بہت جلن ہو رہی تھی۔کیوں اس انسان کو کسی دوسرے انسان کے ساتھ دیکھنا اتنا مشکل تھا ؟اس کا دل اسے بھول کیوں نہیں جاتا۔مگر یہ تو شروعات تھی ابھی تو نہ جانے کتنی دفعہ ان دونوں کو ایک ساتھ دیکھنا تھا۔

اس نے ضبط سے اپنی آنکھیں بند کیں۔محب اس کے تاثرات دیکھتا پریشان ہو گیا۔

"ڈاکٹر ! آپ کو درد تو نہیں ہو رہا؟ " ارمان ایک جانب بیزاریت سے کھڑا تھا۔

"مسٹر محب! آئی ایم فائن۔" اس کے ساتھ قدرت نے عجیب کھیل کھیلا تھا۔اس وقت اس کے ساتھ دو انسان تھے۔ان میں سے ایک سے وہ بے انتہا محبت کرتی تھی۔اور دوسرا اس سے۔مگر وہ ان دونوں میں سے کسی کا ساتھ نہیں چاہتی تھی۔قسمت نے اسے عجیب دوراہے پر لا کر کھڑا کر دیا تھا۔نہ

ہی وہ اپنے قدم پیچھے کی جانب لے سکتی تھی۔اور نہ ہی آگے کی جانب اپنے قدم بڑھا سکتی تھی

۔قسمت کے ڈسوں ہوئے لوگوں کو کسی دوسرے کی محبت بھی راس نہیں آیا کرتی۔مگر اسے یہ سب

کچھ قبول تھا۔اسے اللہ کے ہر فیصلے پر راضی ہونا تھا۔

جیسے ہی ڈریسنگ ہوئی وہ تینوں باہر نکل آئے اور ایک سائیڈ پر کھڑے ہو گئے۔اس وقت وہاں اتنا

رش نہیں تھا۔

"لڑکے ! تم بیچ میں نہیں بولو گے۔میں پہلے اس سے سوال کروں گا۔پھر تمہاری باری آئی گی۔"محب

نے اس کی بات پر ناک چڑھایا بول تو ایسے رہا ہے جیسے سبق سننے کی باری ہو ہوں!!

ارمان ، اسرا کی جانب متوجہ ہوا۔

"کیا کرنے گئی تھی تم وہاں ؟" اس کی بات پر محب کی تیوری چڑھ گئی۔یہ بھی بھلا کوئی کرنے والا

سوال تھا۔کیا کرنے گئی تھی!!! اسرا ! کوئی کرارا سا جواب دیں کہ مزہ آ جائے۔وہ دل ہی دل میں

اس سے مخاطب تھا۔

"جو آپ کرنے گئے تھے۔اوہ سوری !میں تو بھول ہی گئی آپ تو ڈیٹ پر گئے تھے۔مگر میں تو اپنے بھائی اور پیشنٹ کے ساتھ ڈنر پر گئی تھی۔"وہ بے تاثر لہجے میں بولی تو ارمان کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

محب کے دل پر ٹھنڈی پھوار پڑ گئی۔

"تم میری پرسنل لائف کو بیچ میں مت گھسیٹو۔" وہ غصہ ضبط کرتے ہوئے بولا۔

"اور آپ ہر کسی کی پرسنل اور آفیشل لائف کو ڈسٹرب کرتے رہیں واہ! " اسے معلوم تھا کہ وہ یہ سب باتیں کر کے اپنے آپ کو بھی تکلیف دے رہی تھی۔مگر اسے یہ سب کرنا تھا۔اسے ارمان کو یہ تاثر دینا تھا کہ وہ کہ اب اس کی کسی بات سے اسرا یاسر کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔

"یہ میری ڈیوٹی ہے۔"

"اوکے کریں اپنی ڈیوٹی پوری۔" اسرا سینے پر ہاتھ باندھتے ہوئے بولی۔

"گولی تم پر چلائی گئی تھی؟" اب اس کے ابرو سوالیہ انداز میں اٹھے ہوئے تھے۔

" شاید۔مگر میں نے اپنے چہرے پر لال نقطہ دیکھا تھا۔" اس کی بات پر ارمان طنزیہ انداز میں مسکرایا

۔

”لیزر کا بھی تو ہو سکتا ہے۔“اس کی بات سن کر اسرا کا چہرہ پتھریلا ہو گیا۔

”تو مسٹر ارمان !آپ کو گولی چلنے کی آواز نہ سنائی دیتی۔گولی کی آواز تو آپ نے بھی تو سنی تھی نا؟ بدقسمتی سے آپ بھی وہیں موجود تھے۔“ ارمان لاجواب ہو گیا۔اسرا کو اپنے دفاع کے لیے کسی نعمان یا محب کی ضرورت نہیں تھی۔وہ اپنا دفاع خود کر سکتی تھی۔

”تو تم بچ کیسے گئی؟“ اس کے سوال پر محب نے اپنا جبڑا بھینچ لیا۔

”بس اللہ نے بچا لیا۔“وہ اپنے شانے اچکاتے ہوئے بولی تو ارمان نے سر ہلایا۔اب وہ محب کی جانب متوجہ ہوا۔محب کے ابرو تنے ہوئے تھے۔

”تم وہاں کیوں گئے تھے؟ کیا تمہیں پتا تھا کہ اس پر حملہ ہونے والا ہے؟ “ محب نے اس کو جواب دینے کے بجائے پاکٹ میں سے موبائل نکالا۔اور کچھ دیر پہلے کا آیا ہوا میسج اس کے سامنے کر دیا۔ارمان نے اپنی آنکھیں سکیڑیں اور اس کی جانب دیکھا۔

”کون ہے یہ ؟“ اسرا کو اس قاتل سے خطرہ تھا تو پھر محب کو یہ میسج کس نے کیا تھا ؟ اس کی بات پر محب نے اپنے شانے اچکائے۔

" پتہ نہیں۔اور یہ معلوم کرنا آپ کا کام ہے۔" ارمان نے وہ نمبر نوٹ کر لیا۔

"مجھے اس کیس میں تم دونوں کا کوئی گہرا تعلق نظر آرہا ہے۔اس لیے تم دونوں اس وقت تک شہر سے باہر نہیں جا سکتے جب تک یہ کیس سالو نہ ہو جائے۔" محب اور اسرا دونوں سرد تاثرات لیے اسے دیکھ رہے تھے۔

" اوکے۔مسٹر ارمان احمد! میں تو کہیں نہیں جاؤں گی۔آپ مسٹر محب سے پوچھ لیں۔" اس کی بات پر ارمان نے سوالیہ انداز میں محب کی جانب دیکھا۔

"نہیں جاؤں گا۔"(اگر چلا بھی گیا تو تمہیں کون سا پتہ لگ جانا ہے) اس نے دل میں سوچا۔مگر وہ اسرا کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا تھا۔اسرا اس وقت خطرے میں تھی اور کلیجہ اس کا منہ تک آ گیا تھا۔

" تم اگلے ایک ہفتے تک اپنے گھر سے باہر نہیں نکلو گی۔" اب وہ اسرا سے مخاطب تھا۔اس کی بات پر اسرا کے چہرے پر ناگواری نظر آنے لگی۔

” مسٹر ارمان! کیا آپ اس ایک ہفتے کے بعد کی گارنٹی دے سکتے ہیں کہ مجھ پر کوئی حملہ نہیں ہو گا ؟“ وہ ماتھے پر بل لیے اس سے پوچھ رہی تھی۔ارمان کو چپ سی لگ گئی۔

”نہیں نہ۔اس لیے ایک ہفتے کی پابندی بھی ضروری نہیں ہے۔“ وہ دو ٹوک لہجے میں بولی۔

” آپ ڈاکٹر اسرا کے لیے سکیورٹی کا انتظام کر لیں۔“

محب نے ارمان کو تجویز دی۔اسرا اب جلد از جلد اپنے گھر جانا چاہتی تھی۔

” تمہاری یہ ڈاکٹر کرنے دے۔تب ہی کروں گا۔“وہ تمسخرانہ لہجے میں بولا تو محب کے لب اس کے ”تمہاری ڈاکٹر“ کہنے پر مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔

” باخدا . آپ مجھے بالکل بھی نہیں پسند۔مگر جب تمہاری ڈاکٹر کہتے ہیں نا تو دل کو بڑی ٹھنڈک ملتی ہے۔وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔اسرا اپنی مٹھیاں بھینچے کھڑی تھی۔

”اگر اسے اتنا ہی پسند کرتے ہو تو بزدلوں کی طرح اس کے آگے پیچھے کیوں پھر رہے ہو ! مردوں کی طرح اس کے گھر رشتہ بھیج دو۔ویسے بھی اس کی ماں کو اس کی شادی کی کچھ زیادہ ہی جلدی ہے ۔“

اسرا نے اپنی سرخ ہوتی آنکھوں سے اس کی جانب دیکھا۔

"لے جاؤں گا انشاءاللہ۔پھر پچھتانے کی باری آپ کی ہوگی۔۔۔۔"

"بس !اب کوئی کچھ نہیں بولے گا۔" اسرا کا غصہ اپنی آخری حدود تک پہنچ چکا تھا۔مگر وہ غصے میں بھی سوچ سمجھ کر بولا کرتی تھی۔

" آپ دونوں ہوتے کون ہیں میری زندگی کو ایسے ڈسکس کرنے والے؟ " وہ دونوں حیرانی سے اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔

" آپ دونوں کی میری زندگی میں ریت کے ذرے کے برابر بھی جگہ نہیں ہے۔ سمجھ آئی آپ دونوں کو؟ "اس کا سانس پھول چکا تھا۔

" ڈاکٹر ریلیکس !!"

"کیا ریلیکس !!ابھی تک ریلیکس ہی تو تھی۔ میں نے آپ دونوں کو اپنی زندگی کے فیصلے کرنے کی اجازت نہیں دی۔آپ کی حکومت اس دل پر ہے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ آپ میری زندگی کے فیصلے لیں گے۔" وہ ارمان سے مخاطب تھی۔

"میں تمہاری زندگی کے فیصلے نہیں لے رہا۔۔۔"

"تو ابھی کچھ دیر پہلے پکوڑے بیچ رہے تھے!" وہ تمسخرانہ لہجے میں بولی۔

"اسرا! مجھے اتنا مجبور مت کرو کہ ایک دفعہ پھر میرا ہاتھ تم پر اٹھ جائے۔" اسرا نے آنکھیں بند کر کیں۔اس دشمنِ جاں نے کتنے عرصے بعد اس کا نام لیا تھا۔اس نے چند لمحے اس سکون کو محسوس کیا۔مگر اسے کمزور نہیں پڑنا تھا۔اس سے پہلے محب ارمان کی جانب بڑھتا اسرا بول پڑی۔

" خبردار ارمان احمد! میں پانچ سالوں پہلے والی نادان اسرا یاسر نہیں ہوں۔جس پر آپ بنا سوچے سمجھے ہاتھ اٹھا لیں گے۔میں ڈاکٹر اسرا یاسر ہوں اور آپ کو مجھ سے کی ہوئی ہر بدسلوکی کا حساب دینا پڑے گا۔" اس کا لہجہ برف کی مانند سرد تھا۔اس کی بات پر ارمان نے اپنا سر جھٹکا اور ہسپتال کے راہداری سے گزرتا باہر نکل گیا۔پیچھے اسرا اور محب اکیلے کھڑے رہ گئے۔اسرا نے محب سے اپنا رخ پھیر لیا اور باہر کی جانب جانے لگی۔

"سوری ڈاکٹر! آئیں میں آپ کو گھر چھوڑ دیتا ہوں۔" اسرا خاموشی سے چل رہی تھی اس نے اپنا موبائل نکال کر کیب بک کروائی۔جو دس، پندرہ منٹ تک پہنچ جانی تھی۔

" ڈاکٹر !پلیز ضد مت کریں۔"وہ اس کی ایک نہیں سن رہی تھی۔وہ ایسے خاموش تھی جیسے سمندر کا ٹھہرا ہوا پانی ہو۔اس کے چہرے پر اس طرح کا اطمینان تھا جیسے طوفان کے بعد کا موسم پر سکون ہوتا ہے۔

کچھ دیر بعد کیب آگئی تو اسرا اس میں بیٹھ کر گیلھر کی جانب روانہ ہو گئی۔محب بھی جلدی سے اپنی گاڑی میں بیٹھا۔اب اس کی گاڑی اس کیب کا پیچھا کر رہی تھی۔وہ اس کے پیچھے اس کے گھر تک گیا ۔اور جب وہ گھر کے اندر داخل ہو گئی اس نے پاکٹ سے موبائل نکالا اور ایک نمبرز پر میسج سینڈ کیا ۔

"میں نے تمہارا نمبر پولیس کو دے دیا ہے۔مگر پہلے تم مجھ سے بچو اور پھر پولیس سے بچنا۔آئی ایم کمنگ!! " اب گاڑی کا رخ ایک مخصوص منزل کی جانب تھا۔

پہلے کہتا ہے افلاک سے آگے دیکھو

پھر کہیں بیچ میں ماہتاب لگا دیتا ہے

رات دیتا ہے تھکے دن کو تھپکنے کے لیے

پھر تعاقب میں کوئی خواب لگا دیتا ہے

محب تیز گاڑی چلاتا ہوا اپنی منزل تک پہنچ گیا۔اس کے تاثرات تنے ہوئے تھے۔وہ آج اس انسان کو سبق ضرور سیکھائے گا۔اس نےزوردار آواز کے ساتھ گاڑی کا دروازہ بند کیا اور پھر باہر نکل گیا۔ پھر یکدم پلٹا۔

"اوہ! یہ تو میری گاڑی ہے۔اس پر کیوں غصہ نکالا؟" مگر اگلے ہی لمحے وہ سنجیدہ ہو گیا۔اور بنگلے کی جانب بڑھ گیا۔اسے دیکھتے گارڈ نے بلوتوتھ ڈیوائس سے اندر اطلاع کی۔اس سے پہلے محب دروازے سے اندر کی جانب بڑھتا گارڈ نے اسے روک دیا۔

"سر! آپ اندر نہیں جا سکتے۔" محب نے ایک نظر کیمرے کی جانب ڈالی۔جو ایک طرف دیوار پر لگا ہوا تھا اور پھر ذرا سا مصنوعی مسکرا کر گارڈ کی جانب دیکھا۔

"اگر تم چاہتے ہو کہ تم زندہ بچ جاؤ۔تو مجھے مت روکو۔اور اپنے اس مالک سے کہو کہ آج مجھے اس تک پہنچنے سے تم کیا کوئی بھی نہیں روک سکتا۔" وہ سرد تاثرات سے بولا تو گارڈ نے جھرجھی لی۔

" سر! یہ میری نوکری کا سوال ہے۔" محب اس کو گریبان سے پکڑے کھڑا تھا۔اس کی بات پر وہ طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

"اور میری زندگی کا سوال ہے۔"اس سے پہلے گارڈ کچھ اور بولتا اسے کان میں ایک آواز سنائی دی۔

" اوکے سر !آپ اندر جا سکتے ہیں۔" محب اس کا گریبان چھوڑتا اندر کی جانب بڑھ گیا۔ساتھ ہی ساتھ وہ اپنی کالی شرٹ کے بازوں کو موڑتا جا رہا تھا۔چہرے پر سجا ہوا غصہ اس کی وجاہت میں اضافہ کر رہا تھا۔

وہ مختلف راہداریوں سے گزرتا ہوا ایک مخصوص جگہ پر آکر رک گیا۔ادھر ادھر دیکھنے پر اسے ایک طرف ایک الماری نظر آئی۔اس نے وہاں سے ایک خاص کتاب کو ایک جانب کھسکایا تو ذرا سی آواز کے ساتھ وہاں ایک دروازہ نمودار ہو گیا۔

مگر دروازے پر ڈیجیٹل لاک لگا ہوا تھا اس نے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرا اور ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔

" مجھے معلوم ہے کہ تم مجھے دیکھ رہے ہو۔" اس لیے دھیان سے سن لو میں تمہیں تمہارے انجام تک پہنچا کر رہوں گا۔

اسے معلوم تھا کہ اس انسان نے ہر جگہ خفیہ کیمرے لگا رکھے ہیں۔ یکدم اس کا فون تھرتھرایا۔

سکرین پر جگمگاتے نام کو دیکھ کر اس نے ادھر ادھر دیکھا اور فون کان کے ساتھ لگا لیا۔

”کہاں ہو تم؟ “ وہ تڑخ کر بولا۔ جبکہ دوسری جانب سکرین کے سامنے بیٹھے ہوئے انسان کے لبوں پر شیطانی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اسے اچھے سے معلوم تھا کہ آج کے واقعے کے بعد محب رضا یہاں ضرور آئے گا۔

”تمہاری پہنچ سے بہت دور۔“ وہ سکرین پر نظر آتے اس کے چہرے کو دیکھتے بولا۔

” پولیس تمہیں بہت جلد ڈھونڈ نکالے گی۔“ محب کی بات سن کر اس نے قہقہہ لگایا۔

” تم اس ارمان احمد کی بات کر رہے ہو نا ؟ اسے جب سچائی کا پتہ لگے گا تو وہ صرف میرا ساتھ دے گا۔ صرف میرا۔“ محب نے اپنا سر جھٹکا۔ وہ اب ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے اس سے بات کر رہا تھا۔

”ہر انسان تمہاری طرح نہیں ہوتا۔“ مقابل کے چہرے سے ہنسی غائب ہو گئی۔ اور آنکھوں میں غصہ چھا گیا۔

”ہر انسان کے ساتھ وہ بھی نہیں ہوتا۔ جو میرے ساتھ ہوا۔“ محب کے لب طنزیہ انداز میں مسکرائے۔

”تم محب رضا کو بھول رہے ہو۔“

”اسی لیے تو کب سے کہہ رہا ہوں میرے ساتھ مل جاؤ۔ہم ہر اس انسان کو موت تک پہنچا دیں گے۔اب وہ اٹھا اور اپنے آلات کی جانب بڑھ گیا۔وہ آلات خوشی سے جھوم اٹھے۔کتنے دنوں بعد ان کے مالک نے اس ڈرل کی بجائے ان کی جانب نظر ڈالی تھی۔

”ہم دونوں ایک جیسے ہی ہیں۔تم میرا ساتھ دو۔میں تمہاری اس ڈاکٹر کو چھوڑ دوں گا۔“ اس نے آری پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

”میں تمہارا ساتھ کبھی نہیں دوں گا۔یہ میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا تھا۔اور رہی بات تمہارے اور میرے ایک جیسے ہونے کی تو۔۔“ اس نے ایک لمحے کا وقفہ لیا۔

”میں تمہارے جیسا نہیں ہوں۔ہر انسان کے پاس چننے کے ک دو راستے ہوتے ہیں۔اور ہم دونوں مختلف راستوں کر مسافر ہیں۔اس لیے ہم دونوں ایک جیسے کبھی نہیں ہو سکتے۔۔“

ہاں! محب رضا اس کے جیسا نہیں تھا۔وہ تو آئینہ میں نظر آتا اس کا عکس تھا۔اس کے جیسا ہونے کے باوجود بھی اس سے بالکل الٹ تھا۔محب کی بات پر اس نے آری کو واپس اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ اور دوبارہ چلتا ہوا سکرین کی جانب آگیا۔اس نے محب کے عکس پر اپنی نظریں جما لیں۔

"تم اگر میری بات نہیں مانو گے۔تو میں تمہاری ڈاکٹر کو مار ڈالوں گا۔" اس کی بات پر محب کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

" بہت بڑی خوش فہمی ہے تمہیں کہ تم انہیں مار ڈالو گے۔جب تک محب رضا زندہ ہے۔مارنا تو بہت دور کی بات تم ان کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔"محب کی کے پر شدت لہجے پر مقابل نے قہقہہ لگایا۔

"وہ پولیس اور تم اسے مجھ سے بچاؤ گے ہاہاہا!! " وہ استہزائیہ لہجے میں بولا۔

"پولیس کا تو پتہ نہیں مگر میں ضرور بچاؤں گا۔"

" تم ایک لڑکی کی خاطر مجھ سے وعدہ خلافی کر رہے ہو۔"محب چونکا۔

”کون سی وعدہ خلافی؟ میں نے تم سے کوئی وعدہ خلافی نہیں کی۔ بلکہ میں نے تم سے تو کوئی وعدہ ہی نہیں کیا تھا۔میں نے تمہارا ساتھ دینے سے پہلے ہی منع کر دیا تھا۔“وہ کس وعدہ خلافی کی بات کر رہا تھا۔

” اگر پولیس میرے پاس آئی تو میں ساتھ میں تمہیں بھی پھنساؤں گا۔“اس کے بعد اور محب پر اسرار سا مسکرایا۔

”تم محب رضا کو نہیں جانتے اور با خدا ! جو چیزیں راز ہوتی ہیں وہ زیادہ خطرناک ہوا کرتی ہیں۔“ اس کے کان کھڑے ہو گئے۔

”کیا مطلب؟“ محب اطمینان سے دروازے کی جانب بڑھا۔اور اپنی پاکٹ سے گن نکال کر لاک کے اوپر گولی فائر کر دی۔ الارم کی آواز گونج اٹھی۔اندر بیٹھے انسان کا دل کیا وہ محب کو ابھی مار ڈالے۔

”اب تمہیں تم یہیں اندر بیٹھو اور پولیس کا انتظار کرو اور محب رضا نے کچی گولیاں نہیں کھیلیں جو پولیس مجھے پکڑ لے گی۔میرے پاس تمہارے خلاف بہت سے ثبوت ہیں۔اس لیے کوئی بھی قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا اور میں۔۔۔“ اب وہ بالکل مطمئن تھا۔

" میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔" موبائل سے ایک چینخ سنائی دی تو محب نے موبائل تھوڑا سا پیچھے کیا۔

" آہستہ بولو۔ میرے کان کے پردے پھاڑنے ہیں کیا ؟ اور میری بات ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی ۔۔میں کہہ رہا تھا کہ میں تمہیں بہت اچھے سے جانتا ہوں آخر بچپن کا ساتھی جو ہوں۔" محب کی بات پر اس نے اپنے جبڑے بھینچ لیے۔

"اور پھر بھی تم نے میرا ساتھ دینے کی بجائے اس لڑکی کو چنا۔" اس کی بات پر محب نے سر نفی میں ہلایا وہ غلط سمجھ رہا تھا۔

"نہیں۔ بالکل بھی نہیں۔ یہاں بات ڈاکٹر کی نہیں بلکہ صحیح اور غلط کی ہے۔اگر مجھے ڈاکٹر نہ بھی ملتیں میں تب بھی تمہارا ساتھ نہیں دیتا۔" اسے معلوم تھا کہ صحیح اور غلط میں کیا فرق تھا۔

" اگر اتنا ہی مجھے جانتے ہو تو بتاؤ ڈاکٹر فیصل ابھی تک زندہ کیوں ہے؟ " اس کی بات پر محب کے ابرو اٹھے۔

"کیونکہ اس کی موت ابھی نہیں لکھی۔اور تم کسی سے بھی اللہ کی مرضی کے بغیر زندگی کا حق نہیں چھین سکتے۔مجھے اچھے سے معلوم ہے کہ تم ڈبل گیم کھیل رہے ہو۔" وہ سنجیدہ لہجے میں بولا۔

"وہ اس لیے زندہ ہے کیونکہ اب میرا ٹارگٹ وہ نہیں بلکہ تمہاری ڈاکٹر ہے۔"محب نے اپنا سر جھٹکا ۔اسے یہ بات پہلے سے ہی معلوم تھی۔

" پہلے یہاں سے تو باہر نکلو۔پھر کسی کو ٹارگٹ بنانا۔اوکے اللہ حافظ! میں جا رہا ہوں۔تم اندر ہی سڑتے رہو۔اور اپنا خیال رکھنا۔" وہ ہنستے ہوئے باہر نکل گیا جبکہ اندر موجود انسان نے اپنا سر پکڑ لیا۔

اب باہر کیسے نکلوں ؟؟

آنکھ سے دور نہ ہو دل سے اتر جائے گا

وقت کا کیا ہے گزرتا ہے گزر جائے گا

اتنا مانوس نہ ہو خلوتِ غم سے اپنی

تو کبھی خود کو بھی دیکھے گا تو ڈر جائے گا

وہ گھر میں داخل ہوئی تو کھانے کی اشتہا انگیز خوشبو ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔بھولی بسری بھوک نے اس کے اندر سر اٹھایا۔وہ اس خوشبو کا تعاقب کرتی ہوئی کچن کی جانب بڑھی۔نیلوفر صاحبہ اور فضہ ہنستے ہوئے ککنگ میں مصروف تھیں۔

اس نے کچن میں نصب گھڑی کی جانب دیکھا۔بارہ بجنے والے تھے۔وہ دونوں اپنے اپنے کاموں میں اس قدر مصروف تھیں۔کہ انہیں اسرا کی آمد کا احساس ہی نہیں ہوا۔

فضہ کٹنگ بورڈ پر سبزیاں کاٹ رہی تھی اور نیلوفر صاحبہ اسے مختلف ہدایات دیتے ہوئے چولہے پر پاستہ بنا رہی تھیں۔یقیناً فضہ نے انہیں بتا دیا کہ انہوں نے کھانا نہیں کھایا۔اسرا نے گلا کھنکارتے ہوئے انہیں اپنی جانب متوجہ کیا۔تو انہوں نے فوراً اس کی جانب دیکھا۔

وہ تفتیشی انداز میں کمر پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔اور الٹے ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔

”آگئی میری بچی؟ ہاتھ میں زیادہ درد تو نہیں ہو رہا۔“ ڈاکٹر نیلوفر چولہہ بند کرتیں اس کے پاس آئیں ۔جبکہ فضہ پہلے ہی اس کے پاس کھڑی تھی۔

”نہیں ابھی راستے میں ہوں۔“اس نے مزاح سے کہا۔

"مما آپ پریشان نہ ہوں مجھے بالکل بھی درد نہیں ہو رہا۔ویسے آپ دونوں اس وقت یہاں کیوں ہیں؟ "وہ ابرو اچکائے ان سے پچھ رہی تھی۔فضہ اور نیلوفر صاحبہ نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔

"وہ ہم آپ کے لیے کھانا بنا رہے تھے۔پھر ہم مووی بھی دیکھیں گے۔کل سنڈے ہے نا۔اس لیے آپ نے ہاسپٹل بھی نہیں جانا ہو گا۔" اس کی بات پر اسرا نے اپنے سر پر ہاتھ مارا وہ تو بھول ہی گئی تھی کہ کل سنڈے تھا۔

"تم فریش ہو کر آؤ۔تب تک ہم کھانا لگاتے ہیں۔"ان کی بات پر اسرا سر ہلاتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔آج کا دن کافی تھکا دینے والا تھا۔مگر وہ ان دونوں کی خوشی کو ماند نہیں کرنا چاہتی تھی۔اپنی ماں کو اس نے کافی دنوں کے بعد ایسا دیکھا تھا۔ورنہ اس کے بابا کی موت کے بعد انہوں نے مسکرانا ہی چھوڑ دیا تھا۔

فضہ بھی اب کافی نارمل ہو رہی تھی۔اس لیے وہ بھی ان دونوں کا ساتھ ضرور دے گی۔تھوڑی دیر بعد وہ فریش ہو کر ڈائننگ ٹیبل پر آئی تو وہ دونوں وہاں اس کا انتظار کر رہی تھیں۔پاستہ کی خوشبو نے اس کی بھوک کو بڑھا دیا تھا۔وہ کرسی گھسیٹ کر اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔اسے نہیں پتا تھا کہ فضہ نے

ڈاکٹر نیلوفر کو آج کے حملے کے بارے میں کیا بتایا تھا۔ کھانا خاموشی میں کھایا گیا تھا اور پھر ڈاکٹر نیلوفر ، اسرا کی جانب متوجہ ہو گئیں۔

"بیٹا! تمہیں دیکھ کر چلنا چاہیے تھا۔ اگر زیادہ چوٹ لگ جاتی تو۔۔۔؟" ان کی اس بات پر اسرا نے مشکور نظروں سے فضہ کی جانب دیکھا۔ وہ ابھی انہیں اس بارے میں بتا کر پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے نیلوفر صاحبہ کے ہاتھ پکڑ لیے۔ ان کے چہرے پر پڑی جھریاں دیکھ کر وہ پریشان ہو گئی تھی۔

"آئندہ احتیاط کروں گی۔ آپ پریشان مت ہوں۔" نیلوفر صاحبہ نے اس کے چہرے پر آتی بالوں کی لٹ کو کان کے پیچھے اڑسا۔

"آپ دونوں مووی دیکھو۔ مجھے نیند آرہی ہے۔" انہوں نے فضہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔ اسرا نے انہیں نہیں روکا۔ اسے پتہ تھا کہ وہ آج صرف اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ ورنہ اس وقت تک وہ سو جایا کرتی تھیں۔ اب وہاں فضہ اور اسرا بیٹھی تھیں۔ انہوں نے مل کر برتن سمیٹے اور پھر لاؤنج میں آ گئیں۔

”کون سی مووی دیکھیں گی آپ ؟ “ وہ خود صوفے پر بیٹھ گئیں اور پاپ کارن آگے میز پر رکھ دیے

۔

”آپ مجھے تم کہا کریں۔ایسے مجھے عجیب لگتا ہے۔آپ مجھ سے بڑی ہیں۔“ فضہ اس سے بہت دنوں سے یہ کہنا چاہتی تھی۔وہ اسے اب اپنی ڈاکٹر ہی نہیں بہن بھی مانتی تھی۔اس کی بات پر اسرا مسکرائی ۔پھر اس کی آنکھوں میں شرارت کی چمک نظر آنے لگی۔

”میں اپنی پسند کی کوئی مووی لگا لوں؟“ اس کی بات ہے فضہ نے اثبات میں سر ہلایا۔اسرا نے مسکراتے ہوئے ایک ہارر مووی لگا دی۔اسے ہارر موویز بہت پسند تھیں۔انہیں دیکھ کر اسے صرف ہنسی آتی تھی۔وہ مووی دیکھنے کے ساتھ ساتھ فضہ کے تاثرات کا جائزہ بھی لے رہی تھی۔حیرت انگیز طور پر فضہ بالکل نارمل رہی اور مووی انجوائے بھی کر رہی تھی۔مووی ختم ہوتے ہوتے دو بج گئے ۔مگر انہیں ابھی بھی نیند نہیں آ رہی تھی۔

”آپ کو ہارر موویز دیکھ کر ڈر نہیں لگتا؟“ اب وہ ایک دوسرے کی جانب متوجہ تھیں۔اسرا نے فضہ کے سوال پر نفی میں سر ہلایا۔

”مجھے بھی نہیں لگتا۔“ وہ پرجوش سی بولی۔

”کیوں ؟“

”پتہ نہیں مگر انسانوں سے لگتا ہے۔“ کچھ لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔

”آپ کا آج کا ایکسپیرینس کیسا رہا؟ ڈر تو نہیں لگا؟“ اسرا کو اس میں بہتری نظر آرہی تھی۔فضہ کی آنکھیں چمک اٹھیں۔وہ آج اپنے ڈر کا سامنا کرنے پر بہت خوش تھی۔

”آپ کو پتہ ہے پہلے مجھے بہت ڈر لگا۔ مگر پھر آہستہ آہستہ میرا ڈر خود ہی ختم ہو گیا۔اور پھر مجھے بہت خوشی بھی محسوس ہوئی۔“ اسرا نے اثبات میں سر ہلایا۔مطلب اس کا تجربہ کامیاب ٹھہرا۔

سائیکالوجی کے مطابق اگر انسان آٹھ منٹ تک اپنے ڈر کا سامنا کرلے تو پھر وہ ڈر ختم ہوتا رہتا ہے ۔اور اگر اس سائیکل کو بار بار دہرایا جائے تو انسان اپنے ڈر کو جڑ سے بھی اکھاڑ سکتا ہے۔اور یہ بات بھی تحقیق سے ثابت شدہ ہے کہ جس چیز سے انسان جتنا ڈرتا ہے اس کا سامنا کرنے کے بعد وہ اتنی ہی خوشی محسوس کرتا ہے۔

" نعمان نے آپ کو تنگ تو نہیں کیا؟ " اس کے سوال پر فضہ کی نگاہوں کے سامنے اس نوجوان کا چہرہ آگیا۔اور اس نے میکانکی انداز میں نفی میں سر ہلایا۔

" انہوں نے تو میری بہت مدد کی تھی۔" اس کی نگاہوں کے سامنے وہ منظر آگیا۔جب وہ اس کا ہاتھ تھامے اسے لوگوں کی بھیڑ سے باہر نکال رہا تھا۔اس کی نظریں بے خودی کے عالم میں اپنے ہاتھ پر جم گئیں۔

" یہ تو بہت اچھی بات ہے۔"

" مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے۔کیا میں پوچھ لوں؟" اس کے معصومیت بھرے انداز پر اسرا نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"وہ پولیس والا وہی ارمان احمد تھا نا ؟ " فضہ نے ہچکچاتے ہوئے سوال کیا۔تو اسرا کا چہرہ بے تاثر ہو گیا۔

"ہمم۔" اس نے ہنکارا بھر ا۔

"اور اس کے ساتھ جو لڑکی تھی؟ " اسرا اپنے آپ کو اس منظر کو سوچنے سے روک رہی تھی۔ اور حیرت انگیز طور پر وہ کامیاب ٹھہری۔ وہ حال میں ہی رہ رہی تھی۔ اس کی نگاہوں کے سامنے فضہ بیٹھی تھی۔ جس کے چہرے پر نا فہمی کے تاثرات چھائے ہوئے تھے۔

"وہ اس سے شادی کرنے والا ہے۔" اب وہ نارمل انداز میں بات کر رہی تھی۔ جیسے کوئی عام سی بات ہو۔ اسے خوشی محسوس ہو رہی تھی کہ وہ اب اس درد سے باہر نکل سکتی تھی۔

"آپ اتنی پرسکون کیسے ہیں؟ آپ میں اتنا صبر کہاں سے آیا؟ " اس کے چہرے پر اداس مسکراہٹ نظر آنے لگی فضہ کو لگا کہ وہ ساری زندگی بھی لگا لے تب بھی اسے نہیں سمجھ پائے گی۔ وہ لڑکی اس قدر پیچیدہ کیوں تھی؟

" صبر؟" اسرا نے سوالیہ انداز میں پوچھا تو فضہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

" فضہ! ابھی میں صبر کے مقام پر تو پہنچی ہی نہیں ہوں۔" وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں بول رہی تھی۔

"آپ کو پتہ ہے صبر کیا ہوتا ہے؟" فضہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"صبر میں یہ دل خاموش رہتا ہے۔ شور نہیں کرتا۔اس نے اپنے دل پر ہاتھ رکھا۔ چاہے جو کچھ مرضی ہو جائے یہ خاموش رہتا ہے۔کوئی گلہ نہیں کرتا۔ مگر میرا دل کبھی کبھی گلہ کرتا ہے۔" وہ اداسی کے عالم میں بول رہی تھی۔وہ اس لیے اداس تھی کہ وہ اس مقام تک نہیں پہنچی۔

"پھر آپ کس مقام پر ہیں ؟"

"میں ابھی تک خاموشی اور گلے کے درمیان کے مرحلے میں ہوں۔جہاں یکدم سے دل رنجیدہ ہو جاتا ہے۔اور پھر یک دم سے خاموش ہو جاتا ہے۔مگر مجھے اب امید ہے کہ میں اس مرحلے سے نکل سکتی ہوں۔" آخر میں اس کے چہرے پر خوشگوار مسکراہٹ پھیل گئی۔

"پھر صبر سے آگے کا مقام کون سا ہے؟ "اسے اسرا کی ساری باتیں سمجھ آ رہی تھیں۔

"شکر ! جب انسان رب کی رضا میں راضی رہے ، اس کا شکر ادا کرتا رہے اور سکون صبر سے نہیں بلکہ شکر سے ملتا ہے۔" اس کی بات پر فضا الجھی۔

" آپ نے ابھی کہا کہ آپ صبر کے مقام پر بھی نہیں پہنچیں۔ مگر آپ اللہ کی رضا میں راضی ہیں۔ پھر آپ نے صبر کے مرحلے سے پہلے شکر کیسے پا لیا ؟ "رات کے اس پہر وہ لاؤنج اور اس میں

موجود ہر چیز ان لڑکیوں کی گفتگو سن رہی تھی۔ان کی باتیں فضا میں تحلیل ہو رہی تھیں اور ان کے

نقوش نے ہمیشہ سلامت رہنا تھا۔

"شکر کی بہت سی اقسام ہوتی ہیں۔شاید میں نے زبان اور دل سے شکر کا مرحلہ پار کر لیا ہے۔مگر

عمل سے شکر نہیں کر پائی۔" اس نے ایک لمحے کا وقفہ لیا۔

"عمل سے شکر کا مطلب ہے اس آیت پر دل و جان سے ایمان لایا جائے

بے شک اللہ بہترین کارساز ہے۔

اس کا مطلب ہے کہ جو کھو دیا اس پہ بھی راضی رہا جائے اور جو پایا ہے اس پر بھی راضی رہا جائے

۔یہ شکر کا سب سے اعلی مقام ہے۔اور صبر کو طے کیے بغیر شکر کے اس مقام تک نہیں پہنچا جا سکتا

۔"فضہ کو ایسے لگا کہ جیسے اس کی باتوں نے اس پر جادو کر دیا ہو۔

"آپ اس مقام تک کب پہنچیں گی ؟" اسرا مسکرائی۔"جب اللہ نے چاہا۔چلیں اب آپ سو جائیں۔

کافی ٹائم ہو گیا ہے۔میں نے صبح آپ کو نماز کے لیے جگانا بھی ہے۔" فضہ اس کی بات سنتی کھڑی ہو

گئی۔انہوں نے مل کر سارا سامان سمیٹا۔ابھی اسرا اپنے کمرے کی جانب بڑھ رہی تھی کہ فضہ نے اسے پکارا۔

”اسرا! آپ کو ڈیبیٹر یا پھر موٹیویشنل سپیکر ہونا چاہیے تھا۔“

”پھر آپ کا علاج کون کرتا؟“

”جی ! یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔شب بخیر۔“ اب اس کا رخ گیسٹ روم کی جانب تھا۔فضہ کے جانے کے بعد اسرا بھی مسکراتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

کس طرف کو چلتی ہے اب ہوا نہیں معلوم

ہاتھ اٹھا لیے سب نے اور دعا نہیں معلوم

آج سب کو دعویٰ ہے اپنی اپنی چاہت کا

کون کس سے ہوتا ہے کل جدا نہیں معلوم

منزلوں کی تبدیلی بس نظر میں رہتی ہے

ہم بھی ہوتے جا رہے ہیں کیا سے کیا نہیں معلوم

اگلی صبح اسرا نے ڈاکٹر نیلوفر اور فضہ کے ساتھ بیٹھ کر ناشتہ کیا اور پھر وہ اور فضہ اپنے اپنے کمروں میں کچھ دیر آرام کرنے کے لیے چلی گئیں۔رات کو ان کی نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔

ابھی اسرا بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی کہ اسے موبائل پر میسج کی بپ سنائی دی۔میسج دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرانی سے پھیل گئیں۔ڈاکٹر فیصل نے اسے میسج کیا تھا۔

"ڈاکٹر اسرا ! میں آپ سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔کیا میں آپ کو کال کر سکتا ہوں ؟ "

بھلا اس انسان کو مجھ سے کیا کام ہو سکتا ہے؟ خیر !سن لیتی ہوں۔

اس نے یس کا میسج اسے سینڈ کر دیا۔ابھی کچھ کچھ پل ہی گزرے تھے کہ اس کا نمبر سکرین پر جگمگانے لگا۔شاید وہ اس کے میسج کا انتظار کر رہا تھا۔

"السلام علیکم! ڈاکٹر اسرا! کیسی ہیں آپ؟" وہ انتہائی شائستگی سے بول رہا تھا۔

" وعلیکم السلام! الحمدللہ! " اسرا کو اس کا حال دریافت کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

"وہ۔۔دراصل میں آپ سے بہت دنوں سے یہ بات کرنا چاہتا ہوں۔" وہ دھیمے لہجے میں تمہید باندھ رہا تھا۔اسرا بیڈ سے ٹیک لگائے اس کی بات سن رہی تھی۔

"ڈاکٹر فیصل ! آپ اتنی لمبی تمہید مت باندھیں۔ڈائریکٹ مدعے پر آئیں۔" اس کی بات سن کر مقابل نے لمبا سانس کھینچا۔اس سے بات کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔

"کیا آپ کی فرینڈ کہیں کمیٹڈ ہے؟" اس نے آنکھیں میچتے پوچھ ہی لیا۔اسرا نے ٹیک چھوڑی اور موبائل کو گھور کر ایسے دیکھا جیسے وہ ڈاکٹر فیصل ہو۔

"ڈاکٹر فیصل! آپ میری کس دوست کی بات کر رہے ہیں؟" اس کے ابرو سوالیہ انداز میں اٹھ گئے ۔وہ کچھ لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا۔

"ڈاکٹر ! کیا اپ بولیں گے؟ " اسرا کی بات پر وہ چونکا۔وہ سوچ رہا تھا کہ اب کیسے بتائے کہ وہ اس کی کون سی دوست کی بات کر رہا تھا۔

یکدم اس کے دماغ میں کچھ کلک ہوا۔

"جس دن ارمان احمد کو گولی لگی تھی۔اس دن میں نے انہیں آپ کے ساتھ دیکھا تھا۔" اسرا کو پہلے ہی سمجھ آگئی تھی کہ وہ نہال کی بات کر رہا تھا۔مگر پھر بھی اس نے کنفرم کرنا ضروری سمجھا تھا۔ڈاکٹر فیصل اپنے کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔

" اوہ! تو آپ نہال احمد کی بات کر رہے ہیں۔" وہ سنجیدہ لہجے میں بولی۔

"جی۔اب کیا آپ میرے سوال کا جواب دیں گی ؟ " اس کی بات پر اسرا کے ماتھے پر دو چھوٹے چھوٹے بل دکھائی دینے لگے۔

"میں اپنی فرینڈ سے پوچھے بغیر اس کی پرسنل انفارمیشن کسی کو بھی نہیں دے سکتی۔" وہ دوٹوک لہجے میں بولی۔

"جی آپ ان سے بات کر کے مجھے بتا دیجئے گا۔" اس کے بولنے کے انداز سے ایسا لگ رہا تھا۔جیسے وہ مسکرا رہا ہو۔

" اور اگر اس نے منع کر دیا؟" اب ڈاکٹر فیصل کا رخ صوفے کی جانب تھا۔وہ مطمئن انداز میں صوفے پر بیٹھا اور سر کی پشت کو صوفے کے ساتھ لگا لیا۔

”تو بغیر پوچھے ہی اس کے گھر رشتہ لے جاؤں گا۔“ اس کی بات پر اسرا چونکی۔کیا وہ سچ میں سنجیدہ تھا!!

” آر یو سیریس؟“ وہ سخت لہجے میں بولی۔

”آف کورس ڈاکٹر اسرا! صرف سنجیدہ لوگ ہی اپنی محبت کے گھر رشتہ لے کر جاتے ہیں۔“ اس کی بات پر اسرا نے اپنا ناک چڑھایا۔

”تو کیا آپ کو نہال سے محبت ہے؟“ اس کی بات پر ڈاکٹر فیصل سوچ میں پڑ گیا۔

”محبت کا تو پتہ نہیں مگر پہلی دفعہ دیکھنے پر اتنا ضرور پتہ لگ گیا تھا کہ وہ صرف میری ہیں۔“ وہ پرسکون لہجے میں بات کر رہا تھا۔

” اوکے ڈاکٹر فیصل! میں آپ کو اس سے بات کر کے بتا دوں گی۔اس کا جو بھی فیصلہ ہو گا۔وہ آپ کو قبول کرنا پڑے گا۔“

” اوکے ڈاکٹر! میں آپ کی کال کا انتظار کروں گا۔“ وہ مکمل طور پر مطمئن تھا۔اسے یقین تھا کہ دوسری طرف سے اقرار ہی ہو گا۔

"اللہ حافظ ڈاکٹر!" اس نے لمبی سانس بھرتے ہوئے کال بند کر دی۔اب وہ بیڈ سے ٹیک لگائے کسی سوچ میں گم تھی۔یہ رشتہ نہال کے لیے کافی اچھا تھا اور ویسے بھی نہال ڈاکٹر فیصل کو پسند بھی کرتی تھی۔اس نے ابھی نہال کو کال کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

"تھوڑی دیر ریسٹ کرنے کے بعد اس سے بات کروں گی۔" وہ خود کلامی کرتے ہوئے لیٹ گئی۔

آج کی صبح احمد ولا کے لوگوں کے لیے بہت خاص تھی۔کیونکہ انہوں نے آج منال کے گھر جانا تھا۔ ناشتہ کرنے کے بعد سب لوگ اپنی اپنی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔مگر نعمان بے دلی سے ادھر ادھر ٹہل رہا تھا۔یہ سب اسرا کے لیے ہونا چاہیے تھا۔

جب وہ تھک گیا تو لاؤنج میں صوفے پر بیٹھ کر سب کی تیزیوں کو دیکھتا رہا۔کوئی ملازم مٹھائی کے ٹوکرے رکھ رہا تھا تو کوئی پھولوں کے تھال لا رہا تھا۔ماں جی اور نہال سب کو ہدایات دے رہی تھی ۔اس نے بیزار ہوتے ہوئے جمائی لی۔بابا جان شاہد باہر گئے تھے۔

”نعمان ! تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ ادھر آؤ۔“ ماں جی کی اس پر نظر پڑی تو وہ عجلت سے بولیں۔

نعمان آنکھیں گھماتا ان کے پاس گیا۔وہ کم از کم کسی دوسری لڑکی کے لیے یہ سارے انتظامات نہیں دیکھ سکتا تھا۔

”جی ماں جی ! “ اس نے تابعداری سے کہا۔وہ ماں جی کی بات بھی نہیں ٹال سکتا تھا۔ماں جی نے اپنے پلو میں بندھی ہوئی چابی نکال کر اسے تھمائی۔

”یہ لاکر کی چابی ہے۔اس میں ایک جیولری باکس ہوگا۔احتیاط سے وہ لے کر آؤ۔“ ساتھ ساتھ وہ ایک ملازم کو ڈانٹ بھی رہی تھی۔جس نے واس گرا دیا تھا۔نعمان سر ہلاتا ہوا ان کے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ابھی نعمان وہاں سے گیا ہی تھا کہ بابا جان اسے ڈھونڈتے ہوئے اندر آگئے۔

”نعمان کہاں ہے ؟ “ انہوں نے اِدھر اُدھر اپنی نظریں دوڑاتے ہوئے ماں جی سے پوچھا۔

”اس کو میں نے ابھی لاکر سے زیور لانے کو کہا ہے۔“ ان کی بات پر بابا جان نے سر ہلایا۔مگر پھر چونکے۔

”کیا کہا آپ نے ؟ آپ نے نعمان کو لاکر کی چابی دی۔اللہ! “ وہ پریشان ہو گئے۔

”کیا آپ بھول گئی ہیں کہ ہم نے اس کے اندر ایک گہرا راز چھپایا تھا۔“ ان کی بات پر ماں جی نے اپنے سر پر ہاتھ مارا۔وہ واقعی میں بھول چکی تھیں۔اس راز کو تو وہ خود سے بھی چھپانا چاہتی تھیں۔

بابا جان تیزی سے اپنے کمرے کی جانب بڑھے۔جہاں نعمان لاکر کے سامنے ایک کاغذ لے کر کھڑا تھا۔ابھی وہ کاغذ فولڈ تھا۔بابا جان نے شکر کا سانس بھرا۔

”نعمان بیٹا! آپ یہاں کیا کر رہے ہو؟ آپ کی ماں جی آپ کو بلا رہی ہیں۔اور یہ کاغذ مجھے دو۔“ انہوں نے آرام سے وہ کاغذ اس سے پکڑ لیا۔نعمان کو ایسا لگا جیسے وہ اس سے کچھ چھپا رہے تھے۔مگر کیا؟

وہ یہاں آیا تو اس کی نظر اس کاغذ پر پڑی تھی۔مگر اس کے چونکنے کی وجہ وہ کاغذ نہیں تھا بلکہ اس کے اوپر لکھی ہوئی پانچ سال پہلے کی تاریخ تھی۔وہ باباجان کے ہاتھ میں موجود کاغذ کو دیکھتا باکس لے کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

بابا جان اس سے کچھ چھپا رہے تھے۔اس کے دماغ میں بہت سے سوالوں نے سر اٹھانا شروع کر دیا۔” بابا جان نے کیوں مجھے وہ کاغذ نہیں دیکھنے دیا۔“

ماں جی کو باکس دینے کے بعد اب اس کا رخ ارمان کے کمرے کی جانب تھا۔وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اسرا سے خوشیاں چھین کر وہ کتنا خوش تھا؟ اس نے دروازہ ناک کیا تو اندر سے یس کی آواز آئی۔

وہ دروازہ دھکیلتا اندر داخل ہو گیا۔ارمان ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا اپنے اوپر پرفیوم سپرے کر رہا تھا۔جس کی خوشبو پورے کمرے میں پھیل کر ایک عجیب فسوں پیدا کر رہی تھی۔ارمان کے چہرے سے ہی خوشی پھوٹ رہی تھی۔وہ بہت خوش تھا آخر اپنی محبت کو پانے جو جا رہا تھا۔وہ سفید رنگ کے شلوار قمیص میں ملبوس تھا۔نعمان اس کی خوشی دیکھ کر جھنجھلا اٹھا۔

”بھائی! آپ اسرا کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟“ وہ ماتھے پر بل ڈالے اس سے پوچھ رہا تھا۔ارمان اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔آج اسے نعمان کو آرام سے سمجھانا تھا۔اس نے نعمان کو بیڈ پر بٹھایا اور خود اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

”میری بات دھیان سے سنو۔“ وہ تمہید باندھ رہا تھا۔جبکہ نعمان خاموش بیٹھا اس کی بات سنتا رہا۔اس کی آنکھوں میں ہلکا ہلکا غصہ دکھائی دے رہا تھا۔

” اگر تم میری جگہ پر ہوتے تو کیا کرتے؟ کسی کی محبت کو اپناتے یا پھر اپنی محبت کو اپناتے۔“ اس کے سوال پر نعمان لاجواب ہو گیا۔

” یقیناً اپنی محبت کو۔ نعمان !کوئی بھی انسان اتنا اعلیٰ ظرف نہیں ہوتا کہ اختیار ہونے کے باوجود اپنی محبت سے دستبردار ہو جائے۔ٹھیک ہے اس سے غلطی ہو گئی۔۔۔“ نعمان نے اس کی بات درشتی سے کاٹی۔”آپ اس کی محبت کو غلطی کہہ رہے ہیں ؟ “ اس کے ابرو تنے ہوئے تھے۔مگر ارمان آج ریلیکس تھا۔وہ آج کے دن کوئی بھی بدمزگی نہیں پھیلانا چاہتا تھا۔

”ہاں کہہ رہا ہوں۔“

”تو پھر آپ نے وہ غلطی کیوں کی؟ “ اس کے سوال پر ارمان نے لمبا سانس بھرا۔

”میں نے کسی ایسے انسان سے محبت نہیں کی جسے مجھ سے محبت نہ ہو۔“ وہ اپنے آپ کو غصہ کرنے سے روکنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔

” تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے مطابق یکطرفہ محبت ایک غلطی ہے۔واہ ! ارمان بھائی ! واہ ! پھر تو آدھی دنیا ہی یہ غلطی کر چکی ہے۔“ اس کا لہجہ تمسخرانہ تھا۔

”نعمان دیکھو۔ تمہیں اسرا کی محبت نظر اآرہی ہے۔مگر میری اور منال کی محبت نظر نہیں آ رہی۔کیا ہم دونوں کو یہ حق نہیں کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ خوش رہ سکیں؟ “ اس کی بات پر نعمان نے اپنا سر جھٹکا۔

”جی جی ! آپ کو پورا حق ہے کہ آپ خوش رہیں۔چاہے آپ کی خوشیوں پر کسی کے ارمانوں کا جنازہ ہی کیوں نہ نکل جائے۔“ ارمان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اسے کیسے سمجھائے۔

”نعمان !میں اسرا کے ساتھ کبھی بھی خوش نہیں رہ سکتا۔تم سمجھنے کی کوشش کرو۔کسی نہ کسی کا دل ٹوٹنا لازمی ہے۔“ وہ اسے آسان لفظوں میں یہ سمجھانا چاہ رہا تھا کہ اگر وہ اسرا کو اپناتا تو بہت سے لوگوں کا دل ٹوٹ جاتا۔

”جی ! اس لیے آپ نے اسرا کے دل کو ٹوٹنے کے لیے چھوڑ دیا۔“ اسے غصہ آرہا تھا۔اسے ارمان کی محبت خود غرضی لگ رہی تھی۔

” نعمان! اب تم اوور ری ایکٹ کر رہے ہو۔“ اس کی بات پر نعمان سر جھٹکتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"آپ کو آپ کی خوشیاں بہت بہت مبارک ہوں۔" وہ طنزیہ انداز میں کہتا باہر نکل گیا۔پیچھے ارمان اپنا سر پکڑتا بیڈ پر بیٹھ گیا۔ہر کسی کو اسرا کی محبت ہی کیوں نظر آرہی تھی؟ اس نے بھی تو منال سے محبت ہی کی تھی !!

خیال جس کا تھا مجھے خیال میں ملا مجھے

سوال کا جواب بھی سوال میں ملا مجھے

گیا تو اس طرح گیا کہ مدتوں نہیں ملا

ملا جو پھر تو یوں کہ ملال میں ملا مجھے

نعمان نے منال کے گھر جانے سے منع کر دیا تھا۔اس نے یہ تہیہ کر لیا تھا کہ وہ وہاں بالکل بھی نہیں جائے گا۔سب کو اس کے پیچھے کی وجہ اچھے سے معلوم تھی۔اس لیے کسی نے بھی اس کو ساتھ لے جانے پر اصرار نہیں کیا۔

تقریبا 11 بجے وہ لوگ منال کے گھر پہنچ چکے تھے۔وہاں ارمان، ماں جی اور بابا جان کے ساتھ نہال بھی آئی تھی۔وہ لوگ گھر کے اندر داخل ہوئے تو حمید صاحب اور حدیقہ بیگم نے ان کا استقبال کیا۔ وہاں موجود ہر چیز ان کی امارت ظاہر کر رہی تھی۔سب کچھ ارمان اور منال کی مرضی سے ہو رہا تھا۔ حمید صاحب ان سب کو ڈرائنگ روم میں لے گئے کچھ دیر بعد منال سرمئی لباس میں ملبوس ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ارمان کی نظریں اس پر اٹھی ہی رہ گئیں۔نہال کے گلا کھنکارنے پر وہ اس ٹرانس سے باہر نکلا۔

ارمان نے اسے پہلے کبھی ایسے لباس میں نہیں دیکھا تھا اور وہ بلا شبہ بہت دلکش لگ رہی تھی۔منال سب سے ملتی ماں جی اور حدیقہ بیگم کے ساتھ بیٹھ گئی۔ماں جی کے ایک جانب نہال بیٹھی تھی جبکہ دوسری جانب منال موجود تھی۔ان کے سامنے حمید صاحب بابا جان اور ارمان صوفے پر بیٹھے تھے۔ ”ہم اپنے بیٹے کے لیے آپ کی بیٹی کا رشتہ لینے آئے ہیں۔ہمارا بیٹا بہت ذمہ دار انسان ہے۔آپ کی بیٹی کو ہمیشہ خوش رکھے گا۔“ بابا جان کے باقاعدہ رشتہ مانگنے پر منال نے سر جھکا کر اپنی مسکراہٹ دبائی۔بہت ذمہ دار انسان ہے ! ان کی بات پر حمید صاحب مسکرائے۔

"جی ہمیں اچھے سے معلوم ہے اور اس رشتے کے لیے بچے بھی راضی ہیں۔ بلکہ بچوں نے ہی ہمیں راضی کیا ہے۔" وہ آخری جملہ دل میں بولے۔وہ اس نیک کام میں زیادہ دیر نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اگر ان کی بیٹی کی خوشی اس میں تھی تو یہی سہی۔

"ہمیں اس رشتے سے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ مگر میں منگنی وغیرہ کی رسموں میں نہیں پڑنا چاہتا۔"

منال سر جھکائے بیٹھی تھی۔اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔

" جی !میں بھی اپنے بیٹے کی شادی جلد از جلد کرنا چاہتا ہوں۔" ماں جی نے بے چینی سے پہلو بدلا یہ کیا بات ہوئی؟؟ پہلی دفعہ ابھی ان کے گھر آئے ہیں اور یہ ابھی سے شادی کی باتیں کر رہے ہیں پہلے منگنی ہو! اور پھر اس کے بعد شادی ہو!

"مگر بھائی !بچوں کے بھی تو سو ارمان ہوتے ہیں۔"

ماں جی کی بات پر ان بڑے بڑے بچوں نے سر اٹھا کر مسکراتے ہوئے انہیں دیکھا۔

"بہن جی! مانا کے بچوں کے بھی سوارمان ہوتے ہیں۔ مگر وہ ارمان شادی سے پہلے نہیں بلکہ شادی کے بعد پورے کیے جائیں تو یہ بہتر ہے۔اسلام نے شادی کے لیے لڑکا لڑکی کی پسند کی آزادی دی ہے

ملاقاتوں کی نہیں۔" آخری بات انہوں نے ارمان اور منال کی جانب دیکھتے ہوئے کرخت لہجے میں کہی۔ان دونوں کے دل میں احساس شرمندگی نے سر اٹھانا شروع کر دیا۔

" اگر آپ دونوں کی اجازت ہو تو میں ارمان اور منال سے اکیلے میں کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔" اس سے پہلے عاقب صاحب کچھ بولتے ارمان بول اٹھا۔

"انکل آپ سب کے سامنے ہم سے بات کر سکتے ہیں۔" حمید صاحب مسکرائے۔ان کی آنکھوں میں ایک چمک سی دکھائی دینے لگی۔

"برخوردار ! سوچ لو۔" اب ان کا لہجہ ایک لمحے میں بالکل کرخت ہو گیا۔منال اپنے بابا کو اچھے سے جانتی تھی یقینا وہ انہیں کسی بات پر ڈانٹنے والے تھے۔

" سوچ لیا۔" پر اعتماد لہجے میں کہا گیا۔

"جیسی تمہاری مرضی۔اب تم دونوں مجھ سے گلہ مت کرنا۔" نہال خاموش تماشائی کی طرح وہاں بیٹھی تھی۔

”تم دونوں اپنی ہوٹلنگ بند کرو۔ورنہ مجھے کوئی سخت قدم اٹھانا پڑے گا۔“ ان کا لہجہ انتہائی سخت تھا۔ انہوں نے منال کی اگر ہر ضد پوری کی تھی۔تو بدلے میں کچھ پابندیاں بھی عائد کی تھیں اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی بیٹی ان حدوں کو توڑے۔عاقب صاحب اور باقی سب اپنی ہنسی دبائے بیٹھے تھے۔

”اب آپ لوگ شادی سے پہلے ایک دوسرے سے نہیں ملو گے۔“ ان کی بات پر ارمان اور منال نے صرف ایک لمحے کے لیے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔اور پھر سر جھکا لیے۔

”سوری انکل !اب ہم ایک دوسرے سے شادی سے پہلے نہیں ملیں گے۔“ منال نے اس کی بات پر سر ہلایا۔

”آپ دونوں کے لیے یہی بہتر ہے۔“ اب وہ عاقب صاحب کی جانب متوجہ ہو گئے۔

”دراصل مجھے اگلے مہینے ہی آوٹ آف کنٹری جانا ہے۔میں وہاں جانے سے پہلے پہلے منال کی شادی کرنا چاہتا ہوں۔کیونکہ وہاں مجھے کافی مہینے لگ سکتے ہیں۔“ ان کی بات پر سب نے چونک کر ان کی جانب دیکھا۔حدیقہ بیگم کی آنکھوں میں حیرانی تھی۔انہوں نے اس بارے میں تو کسی کو بھی نہیں بتایا

تھا۔حدیقہ بیگم ایک خوبصورت اور باوقار خاتون تھی۔جن کے چہرے پر سجی شفیق مسکراہٹ دیکھنے والوں کو بہت بھلی لگتی تھی۔

”مگر اتنی جلدی سب تیاریاں کیسے ہوں گی؟“ ماں جی نے پوچھا۔نہال اسرا کے بارے میں سوچ رہی تھی۔شاید نعمان نے اسے سب کچھ بتا دیا تھا۔

”ہو جائیں گی بیگم ! ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔“

عاقب صاحب مسکرا کر بولے۔

اس کے بعد منال ، نہال کو لے کر وہاں سے اٹھ گئی۔حمید صاحب اور عاقب صاحب بزنس کی باتیں کر رہے تھے۔ارمان بھی بیچ میں کچھ نہ کچھ بول لیتا تھا۔حدیقہ بیگم اور اقرا بیگم آپس میں گھریلو گفتگو کرنے لگیں۔

اسرا سو کر اٹھی تو اس وقت ایک بجنے والا تھا۔وہ حیران ہوئی کہ وہ اتنی دیر کیسے سوتی رہ گئی؟ وہ فریش ہو کر وہ کمرے میں آئی تو اسے نہال کا خیال آیا۔نہال کا خیال آنے کے ساتھ ہی اسے کسی

اور انسان کا بھی خیال آیا۔ مگر اسے اپنا دل ساکت محسوس ہوا۔ اس نے حیرت سے اپنے دل پر ہاتھ رکھا۔ وہ اس انسان کے سحر سے باہر نکل رہی تھی۔

اس نے اپنے آپ سے وعدہ کر رکھا تھا کہ اس انسان کی شادی کے بعد وہ اس کے ہر خیال کو جھٹک دے گی۔ اس کے لبوں پر اداس مسکراہٹ پھیل گئی۔

”اللہ جی! مجھے اکیلا مت چھوڑیے گا۔ باقی تو سب لوگ ہیں۔ چھوڑ بھی دیں تو کیا فرق پڑے گا؟ بس آپ نہ چھوڑیے گا اور آپ اس انسان کے خیال کو بھی اب میرے دل سے نکال دیں۔ میں اب اسے نہیں سوچنا چاہتی۔“ وہ اوپر منہ کے زخمی انداز میں مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”اللہ جی! مجھے صبر عطا فرمائیں۔“

وہ کچھ دیر سر جھکا کر بیٹھی رہی۔ پھر اس نے اپنا موبائل اٹھایا اور نہال کو کال کی۔ اس نے اپنے ہاتھ سے پٹی اتار دی تھی۔

نہال اور منال مرمریں راہداری سے گزر رہی تھی کہ انہیں کال کی آواز سنائی دی۔

" ایکسکیوز می!" نہال ایک طرف کو ہو گئی۔اس کی نظریں سامنے رکھے خوبصورت نیلے واس پر تھیں۔اب وہ اسرا کو کیا بتائے گی؟

" السلام علیکم! اسرا کیسی ہو ؟ " وہ کل کے واقعے کے بعد اب اس سے بات کر رہی تھی۔

" وعلیکم السلام! الحمد اللہ! مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" اس کی بات پر نہال نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ منال اس کے پیچھے کچھ فاصلے پر کھڑی تھی۔ منال کو نہال سے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔بس نہال کو ہی وہ بلاوجہ ہی اچھی نہیں لگتی تھی۔

"اسرا ! ابھی ہم منال کے گھر آئے ہوئے ہیں۔گھر جا کر میں تم سے بات کرتی ہوں۔" آہستہ آواز میں بولتے ہوئے اس نے اپنی زبان دانتوں تلے دبائی۔اف !نہال !

اس کی بات سن کر اسرا ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گئی اور پھر جب بولی تو اس کا لہجہ نارمل تھا۔

" ڈاکٹر فیصل نے آج مجھ سے پوچھا ہے کہ تم کہیں کمیٹڈ تو نہیں ہو! " اس نے نہال کی بات کو نظر انداز کیا اور موبائل کان سے تھوڑا پیچھے کر لیا۔

" واٹ ؟؟" حسبِ توقع اس کی چینخ کی آواز اسرا کے کانوں میں پڑنے کے ساتھ ساتھ منال کے کانوں میں بھی پڑی۔

"کیا مطلب؟ " اب کی بار وہ آہستہ آواز میں بولی۔ منال اس کی پرائیویسی کا خیال کرتے وہاں سے چلی گئی تھی۔

" وہ تم میں انٹرسٹڈ ہے اور تمہارے گھر رشتہ بھجوانا چاہتا ہے۔" اسرا کمرے سے نکل کر بالکنی میں آ کر کھڑی ہو گئی۔ دوپہر کا وقت تھا۔اس لیے باہر گلی میں اتنا رش نہیں تھا۔اس کی نظریں لان میں لگے ہوئے چمبیلی کے پھولوں پر تھیں۔وہ ان کی خوشبو کو بنا سونگھے بھی محسوس کر سکتی تھی۔

"منع کر دو۔میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔" اس کی بات پر اسرا چونکی۔کیا اس نے صحیح سنا تھا؟؟ نہال ،ڈاکٹر فیصل کے رشتے سے انکار کر رہی تھی۔

" نہال یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ تم شادی کیوں نہیں کرنا چاہتی ؟ " وہ واقعی میں حیران تھی۔

"دیکھو اسرا !ماں جی اور بابا جان کی طبیعت ٹھیک نہین رہتی۔ایسے میں، میں شادی نہیں کر سکتی۔"

اسرا کا دل کیا وہ اپنا سر پیٹ لے۔تو انکار کے پیچھے کی وجہ یہ تھی!!

”ان کا خیال رکھنے کے لیے ان کی بہو آ رہی ہے۔“ اس کی بات پر نہال نے پیچھے مڑ کر بہو صاحبہ کی طرف دیکھا۔مگر وہاں اب کوئی بھی نہیں تھا۔

”میں ماں جی اور بابا جان کو کسی دوسرے کے سہارے پر نہیں چھوڑ سکتی۔“ وہ ماتھے پر تیوری چڑھا کر بولی۔

”پھر میں اسے منع کر دوں؟ “ یکدم اسرا کو اپنے اوپر کسی کی نظروں کا ارتکاز محسوس ہوا۔اس نے گلی کی جانب دیکھا تو وہاں ایک طرف ایک کالی گاڑی کھڑی تھی۔اس نے آنکھیں سکیڑ کر اس گاڑی کی جانب دیکھا۔وہ دور سے ہی اس کو پہچان چکی تھی۔گاڑی کا مالک شاید اندر بیٹھا تھا۔

”ہاں منع کر دو۔“ اب اسرا کی نظریں اس گاڑی پر ہی مرکوز تھیں۔

”نہال ! میں تم سے بعد میں بات کرتی ہوں۔“ اس نے کال بند کی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

لاؤنج میں نعمان اور فضہ نے چیٹنگ، چیٹنگ کا شور مچا رکھا تھا۔وہ دونوں لڈو کھیل رہے تھے۔وہ انہیں نظر انداز کرتی باہر کی جانب بڑھی۔نعمان اور فضہ نے حیرانی سے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔نعمان ابھی اس کے پیچھے جا ہی رہا تھا کہ اسے اسرا کی آواز سنائی دی۔

"میرے پیچھے مت آنا نعمان !" جب وہ باہر نکل گئی تو نعمان بھی سر جھٹک کر اس کے پیچھے گیا۔اگر اسرا اسے کہے گی کہ میرے پیچھے مت آؤ۔تب بھی وہ ہزار دفعہ اس کے پیچھے جائے گا۔

اسرا کو باہر نکلتا دیکھ کر گاڑی میں بیٹھے انسان نے اپنے چہرے کو چھپانے کی ناکام کوشش کی۔اسرا اس وقت ہلکے گلابی رنگ کے لباس میں ملبوس تھی۔دوپٹہ سر پر موجود تھا۔جبکہ تیکھی ناک غصے کی وجہ سے لال ہو رہی تھی۔بالوں کی کچھ آوارہ لٹیں دوپٹے سے باہر نکلی ہوئی تھیں۔جنہیں غصے سے چلتے ہوئے وہ کان کے پیچھے اڑس رہی تھی۔

مقابل اس کو دیکھ کر مبہوت ہو گیا۔اسے پتہ ہی نہیں چلا کہ کب اسرا اس کی گاڑی کے پاس آگئی۔اسرا نے گاڑی کا شیشہ بجا کر اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔مگر وہ تو پہلے ہی صرف اس کی جانب ہی متوجہ تھا۔اس نے شیشہ نیچے کر دیا۔

"مسٹر محب! باہر آئیں۔" وہ سرد لہجے میں بولتی گویا اسے حکم دے رہی تھی۔محب نے سر کو خم دیتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھولا۔وہ اس وقت گہرے نیلے لباس میں ملبوس تھا۔کف کو کہنیوں تک موڑا ہوا تھا۔

اسرا کی آنکھوں میں دھوپ پڑ رہی تھی۔اف!! محب نے اس کی شہد جیسی سنہری آنکھوں سے اپنی نگاہیں چرائیں۔اور اس زاویہ سے کھڑا ہو گیا کہ اسرا پر اس کا سایہ پڑنے لگا۔

نعمان گھر سے باہر نکلتا محب کو دیکھ کر ٹھٹک کر دروازے پر ہی رک گیا۔اس کے پیچھے فضہ بھی باہر نکلی۔ڈاکٹر نیلوفر اپنے کمرے میں موجود تھیں۔

"یہ کون ہے ؟ " فضہ نے محب کی جانب اشارہ کر کے پوچھا۔اس لڑکے کو اس نے کل رات کو بھی اسرا کے ساتھ دیکھا تھا۔نعمان اس کا سوال سن کر مسکرایا "اسرا کا دیوانہ۔"

دوسری جانب وہ دیوانہ اسرا کے سامنے سر جھکائے کھڑا تھا۔اس کی سرخ سرمئی آنکھیں رتجگے کی چغلی کھا رہی تھیں۔جبکہ اسرا اس کے سامنے کمر پر ہاتھ رکھے اپنی تیکھی نظروں سے اسے گھور رہی تھی۔

"سر اٹھا کر میری طرف دیکھیں۔" وہ تنے ہوئے تاثرات لیے بول رہی تھی۔محب نے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔تو اسرا اس کی سرخ ہوتی سرمئی آنکھیں دیکھ کر حیران رہ گئی۔رتجگے اور بے سکونی

کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں سرخ ڈورے پڑ گئے تھے۔محب کی نظریں اسرا کے چہرے پر جمی تھیں۔چند لمحوں کا سکوت چھا گیا۔

" آپ یہاں کب سے ہیں؟ " تیوری سجا کر پوچھا گیا۔یہ سوال پوچھنا تو فضول تھا کہ وہ یہاں کیوں ہے!! اسرا کو اچھے سے معلوم تھا کہ وہ وہاں کیوں تھا۔محب اس کے تاثرات دیکھتا اپنی مسکراہٹ دبا گیا۔آنکھوں میں اب چمک نظر آنے لگی۔

" مسٹر محب! مجھے سچ سننا ہے۔آپ میرے گھر کے باہر کب سے ہیں؟ " وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بول رہی تھی۔نعمان فضہ کو لے کر اندر کی جانب چلا گیا۔"ہم اسرا کو اس لڑکے کے ساتھ اکیلا کیوں چھوڑ آئے ہیں؟ "وہ دونوں اندر ڈرائنگ روم کی جانب بڑھ گئے۔

"کیونکہ وہ لڑکا اسرا کو نہ ہی خود کوئی نقصان پہنچائے گا اور نہ ہی کسی دوسرے کو پہنچانے دے گا۔" اس کی بات پر فضہ کے چہرے پر ناسمجھی چھا گئی۔

" آپ کو کیسے پتہ ؟ " نعمان مسکراتا ہوا صوفے پر بیٹھ گیا۔فضہ بھی اس کے سامنے والے صوفے پہ بیٹھ گئی۔نعمان اس کی احتیاط پر مسکرایا۔اسے یہ لڑکی اور اس کے معصومیت دن بدن اچھی لگنے لگی

تھی۔ ”کیونکہ اسرا کہتی ہیں کہ آنکھیں سب بولتی ہیں۔ چھپے ہوئے کو بھی ظاہر کرتی ہیں۔اور اس لڑکے کی آنکھیں پتہ ہے کیا کہہ رہی تھیں؟“ اس نے اپنے مخصوص ڈرامائی انداز میں پوچھا تو فضہ نے اپنا سر نفی میں ہلایا۔

”وہ کہہ رہی تھیں کہ اگر اسرا کو کچھ ہوا تو وہ پوری دنیا کو راکھ کر دے گا۔اس کی آنکھیں اس کی جذبات کی شدت بتا رہی تھیں۔“ وہ فضہ کو دیکھتا بول رہا تھا۔

”وہ لڑکا جو کل کو اسرا کی چوٹ پر شیر کی طرح دھاڑ رہا تھا۔آج اس کے سامنے سر جھکا کر کھڑا تھا۔اس سے بڑھ کر اس کی محبت کی کیا گواہی ہو سکتی ہے۔“ فضہ نے سر یلایا۔

” مگر اسرا تو آپ کے بھائی سے محبت کرتی ہیں نا؟“ اس کی بات پر نعمان کے لبوں پر اداس مسکراہٹ چھا گئی۔

”وہ میرے بھائی ہیں۔ مگر اس بات کے باوجود میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اسرا کے لیے ارمان احمد بنا ہی نہیں۔وہ عسریٰ کے لائق نہیں ہیں۔بلکہ اسرا کے لائق باہر کھڑا وہ لڑکا ہے۔وہ عسریٰ کے صبر کا انعام ہے۔“ فضہ کو لگا وہ درست کہہ رہا تھا۔ مگر کیا اسرا اسے قبول کر لے گی۔

باہر کھڑے محب اور اسرا ایک دوسرے کی جانب دیکھ رہے تھے۔ایک کی آنکھوں میں غصہ تھا۔جبکہ دوسرے کی آنکھوں میں اسے پانے کی طلب تھی۔

"مسٹر محب ! کیا آپ کچھ بولنا پسند کریں گے ؟" اسرا کو اس کے ایسے دیکھنے سے کوفت ہو رہی تھی۔وہ اب کسی کے سامنے نرم نہیں پڑنا چاہتی تھی۔اس کو یوں ہی خاموش دیکھ کر وہ مڑ گئی۔اس کے دور جانے پر محب کا سایہ وہیں رہ گیا۔جبکہ اسرا پر دھوپ پڑنے لگی۔اس کے واپس قدم بڑھانے پر وہ ہوش میں آیا۔

"کل رات سے۔"اسرا کے چلتے قدم رک گئے۔وہ حیرانی سے پیچھے کی جانب مڑی۔محب دو قدم چلتا اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔اب اس کا سایہ دوبارہ سے اسرا پر پڑنے لگا۔

"آپ اپنے آپ کو جتنا مرضی بے تاثر ظاہر کر لیں۔آپ کی یہ سنہری آنکھیں بولتی ہیں۔اور ان کی زبان بہت قاتلانہ ہے۔" محب دھیمہ لہجہ لیے اسرا کی آنکھوں کی جانب دیکھ رہا تھا۔جو حیرانی کی وجہ سے پھیل گئی تھیں۔اسرا نے سر جھٹک کر اپنے تاثرات پھر سے سرد کر لیے۔

”مسٹر محب! آپ کو میری حفاظت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔یہ ساتھ والا گھر ارمان احمد کا ہے۔“ اس نے اپنے گھر کے ساتھ والے بنگلے کی جانب اشارہ کیا۔اس کے اشارے کے تعاقب میں محب نے اس بنگلے کی جانب دیکھا اور اب اس کے چہرے پر کرختگی نظر آنے لگی۔

”مجھ پر حملہ کرنے والا اتنا پاگل نہیں ہوگا جو ایک پولیس والے کے گھر کے ساتھ والے گھر پر حملہ کر ڈالے۔“ اس کی بات پر محب نے اپنی آنکھیں میچیں۔وہ پاگل اس کی سوچ سے بھی بڑھ کر پاگل تھا۔پھر ارمان احمد کا سوچ کر اس کے ابرو تن گئے۔اسرا اس کے تاثرات غور سے دیکھ رہی تھی۔

” وہ پولیس والا جیسے یہ تک نہ معلوم ہو سکا کہ رات سے اب تک ایک نا معلوم گاڑی اس کی گلی میں کھڑی تھی اور ابھی بھی کھڑی ہے۔“ اس نے اپنی گاڑی کی جانب اشارہ کر کے طنزیہ انداز میں کہا۔

”مسٹر محب۔۔۔“ وہ ابھی کچھ بولتی کہ محب کی نظریں اس کے ہاتھوں پڑیں۔جہاں پٹی موجود نہیں تھی۔اور زخم نظر آرہا تھا۔اس کا چہرہ یکدم سرد ہو گیا۔ہاتھ کھڑا کر کے اسے بولنے سے روکا۔

"ڈاکٹر اسرا ! آپ کی پٹی کہاں ہے؟ " اس کے ابرو تنے ہوئے تھے۔اس کے سوال پر اسرا کی نگاہیں اپنے ہاتھ پر پڑیں اور ماتھے پر تیوری سج گئی۔اس نے آنکھیں سکیڑ کر محب کی جانب تیکھی نظروں سے دیکھا۔وہ ہوتا کون تھا اس سے یہ سوال کرنے والا !!اس کے اس طرح دیکھنے پر بھی محب بے تاثر کھڑا رہا۔

" ڈاکٹر ! میں آپ کے معاملے میں آپ کی بھی نہیں سنوں گا۔اس لیے اپنی آنکھوں سے کہیں کہ مجھ معصوم پر تھوڑا سا رحم کریں۔" اس کے پر شدت لہجے پر اسرا نے اپنا سر جھٹکا۔

" مسٹر محب ! اپنے گھر واپس جائیں۔" وہ دو ٹوک لہجے میں بولی۔دھوپ کی شدت میں اضافہ ہو رہا تھا۔اس کی پیشانی پر پسینے کی ہلکی ہلکی بوندیں نظر آرہی تھیں۔

" اس خونی کے حوالے کر کے کہ وہ جب چاہے آپ پر حملہ کرڈالے۔" اس کے لہجے میں اسرا کے لیے فکر تھی۔

” اف ! مسٹر محب ! اگر میری موت اس کے ہاتھوں لکھی بھی ہے۔تب بھی آپ میری موت کو مجھ سے تک پہنچنے سے نہیں روک سکتے۔اور میں آپ کی ذمہ داری نہیں ہوں اس لیے مجھے سٹالک کرنا بند کر دیں۔ آپ کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہو گا۔“ وہ جھنجھلا اٹھی۔

اس کی آنکھوں میں بیزاریت در آئی تھی۔کیوں وہ سب اس کے پیچھے پڑ گئے تھے؟ اسے کسی کی حفاظت نہیں چاہیے تھی۔اس کا اللہ اس کے ساتھ تھا تو اسے کسی کا بھی خوف نہیں تھا۔

”تو بن جایئے نا! میں تو کب سے تیار ہوں۔ آپ ہی نہیں مان رہیں۔“ اسرا کو لگا کہ وہ اپنا ضبط کھو دے گی۔”مسٹر محب ! پلیز میرا پیچھا چھوڑ دیں۔ آپ بس میرے پیشنٹ ہیں۔اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔“ اس کی بات پر محب سر جھٹکتا اس کے گھر کی جانب بڑھ گیا۔اسرا کی آنکھوں میں حیرانی درآئی۔وہ اندر کیوں جا رہا تھا ؟اسرا اس کے پیچھے بھاگی۔

”مسٹر محب ! آپ اندر نہیں جا سکتے۔“ مگر تب تک وہ اندر داخل ہو چکا تھا۔

” مسٹر محب! رکیے۔“ محب مختلف راستوں سے گزرتا اِدھر اُدھر دیکھتا لاؤنج میں داخل ہوا۔نعمان اور فضہ ان کا شور سنتے ڈرائنگ روم سے باہر نکل آئے۔

" او مسٹر! کہاں گھسے چلے جا رہے ہو؟ " محب جو ادھر ادھر دیکھ رہا تھا نعمان کی بات پر اس کی جانب متوجہ ہوا۔اس کا چہرہ مکمل طور پر بے تاثر تھا۔"مجھے ڈاکٹر نیلوفر سے ملنا ہے۔" وہ سرد لہجے میں بولا۔وہ لڑکا ڈاکٹر کے گھر کیا کر رہا تھا؟ فضہ ایک جانب کھڑی سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

"ڈاکٹر نیلوفر! ڈاکٹر ! "وہ چینختا ہوا انہیں بلا رہا تھا۔نعمان شانے اچکاتا صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھ گیا۔اسرا ایک جانب شل سی کھڑی تھی۔اپنے کمرے میں موجود ڈاکٹر نیلوفر شور سنتی اپنے کمرے سے باہر نکل آئیں۔

باہر کا منظر دیکھ کر ان کے چلتے قدم رک گئے۔ایک طرف ایک لڑکا کھڑا ان کو آوازیں دے رہا تھا۔تو دوسری جانب ان کی بیٹی ساکت کھڑی تھی۔محب ان کو دیکھتا خاموش ہو گیا۔

"السلام علیکم! ڈاکٹر ! " ڈاکٹر نیلوفر نعمان کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئیں۔اسرا دل ہی دل میں پریشان ہو رہی تھی۔وہ مما کو کیا بتانے والا تھا؟ اس کی آنکھوں میں اضطراب در آیا۔

" اللہ جی! میری مدد فرمائیں۔"

" وعلیکم السلام !بیٹھو ! "انہوں نے سامنے پڑے صوفے کی جانب اشارہ کیا۔فضہ اور اسرا ایک ساتھ کھڑی تھیں۔ محب ہچکچاتا ہوا ان کے سامنے بیٹھ گیا۔وہ ان کے تنے تاثرات دیکھ کر گھبرا گیا تھا۔

نعمان اپنے ہنسی دباتا سب کچھ انجوائے کر رہا تھا۔

"کیوں شور مچا رہے تھے بچے؟ " وہ جب بولیں تو ان کا لہجہ بے تاثر تھا۔محب نے دل میں اقرار کیا کہ ایسی ماں کی بیٹی اسرا کے جیسی ہی ہونی چاہیے تھی۔

پہلے پہل محب ہچکچایا۔پھر ایک نظر اسرا کے جانب ڈالی۔اس کی سنہری آنکھوں میں ڈر دیکھ کر محب کا دل ڈول گیا۔یکدم اس کے چہرے پر اعتماد نظر آنے لگا۔وہ اسرا کے لیے کچھ بھی کرنے کی ہمت رکھ سکتا تھا۔

"ڈاکٹر ! ویسے تو یہ بات میری مام کو ہی کرنی چاہیے تھی۔مگر۔۔۔" اس نے تمہید باندھنا شروع کی تو ڈاکٹر نیلوفر نے ہاتھ کھڑا کر کے اسے روکا۔

"تمہید مت باندھو بچے !مدعے پر آؤ۔" انہیں بات کی نوعیت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ان کی بات پر محب کا اعتماد ایک لمحے کے لیے ڈگمگایا۔مگر وہ پھر سے پر اعتماد ہو گیا۔

"میں ڈاکٹر اسرا سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" اس کی بات پر ڈاکٹر نیلوفر مسکرائیں۔محب ان کے تاثرات کے اتار چڑھاؤ دیکھ کر دل میں پریشان ہو رہا تھا۔مگر اس نے چہرے پر کچھ بھی ظاہر ہونے نہیں دیا۔

"میں بھی اس کی شادی کروانا چاہتی ہوں مگر۔۔۔خیر چھوڑو بچے! تمہارا نام کیا ہے ؟ اسرا اپنی ماں کی بات پر جھنجھلا اٹھی۔

"محب رضا۔"

"ہمم۔مگر ایک سال تک میں اس کی شادی نہیں کر سکتی۔" اسرا نے شکر کا سانس بھرا۔شکر ہے اس کی ماں کو اپنا وعدہ یاد تھا۔مگر ان کی اگلی بات نے اس کا سارا سکون غارت کر دیا۔

" بچے! اگر تم نے میری بیٹی کو ایک سال سے پہلے شادی کے لیے راضی کر لیا تو میں تم دونوں کی شادی کروا دوں گی۔" وہ ایسے بات کر رہی تھی جیسے کوئی عام سی بات ہو۔

نعمان کا دل کیا کہ وہ ان کی بات پر قہقہہ لگائے۔وہ ان دونوں کو اچھا پھنسا رہی تھیں۔اسرا کا دل کیا وہ اس دنیا سے ہی غائب ہو جائے۔

" اللہ جی! مجھے ابھی شادی نہیں کرنی۔"

ڈاکٹر نیلو فر کی بات سن کے محب نے اسرا کی جانب دیکھا۔جو چھت کی جانب رخ کیے کھڑی تھی

۔کافی مشکل کام تھا !!

"جب تک ڈاکٹر اسرا چاہیں۔میں ان کا انتظار کر سکتا ہوں۔" وہ نہیں چاہتا تھا کہ اسرا اس سے بدگمان

ہو۔ڈاکٹر نیلوفر اس کی بات سن کر مسکرائیں۔

" منا نہیں سکتے ؟ "ان کے ابرو اچکا کر پوچھنے پر محب اداسی سے مسکرایا۔اس کی آنکھوں میں ایک

درد دیکھائی دینے لگا۔

"میں چاہتا ہوں یہ خود سمبھلیں۔اپنے دل پر قابو پائیں۔اس کے بعد مجھے قبول کریں۔" وہ اسرا کی

جانب دیکھتا بول رہا تھا۔جس کا چہرہ بے تاثر تھا۔

اسے معلوم تھا کہ وہ کسی بھی انسان کو اتنا جلدی قبول نہیں کر پائے گی۔مگر کیا کسی کو بھول جانا اتنا

آسان تھا؟ اسرا کو لگا کہ وہ بیچ صحرا میں پیاسی کھڑی تھی۔مگر پانی نہیں پی سکتی تھی۔

" اللہ جی! مجھ پر رحم فرمائیں۔"

”جیسی تمہاری مرضی بچے ! مگر اتنی دیر مت کرنا کہ یہ سنبھلنے کی بجائے ٹوٹ جائے۔“ اسرا کا ضبط ختم ہوا۔وہ چلتے ہوئے ان کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

” مجھے سنبھلنے کے لیے کسی دوسرے کی ضرورت نہیں ہے۔“ اس نے محب کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ لوگ اس کو یوں ڈسکس نہیں کر سکتے تھے۔اب اس کا چہرہ انتہائی سرد تھا۔

” مسٹر محب ! یہ میری زندگی ہے اور آپ اس میں ایسے دخل اندازی نہیں کر سکتے۔“ نعمان اور فضہ اس پورے وقت میں خاموش تھے۔

”ڈاکٹر اسرا !میں اس دن کا انتظار کروں گا۔جب مجھے دیکھ کر آپ کی سنہری آنکھیں بے تاثر نہ ہوں۔“ وہ کھڑا ہو چکا تھا اور زخمی انداز میں مسکراتے ہوئے بول رہا تھا۔

”میں اس دن کا انتظار کروں گا جس دن مجھے آپ کی آنکھوں میں اپنا عکس دکھائی دے۔“ ڈاکٹر نیلوفر کو لگا کہ یہی لڑکا ان کی بیٹی کے قابل تھا۔اب محب ان کی جانب مڑا۔

”اللہ حافظ ڈاکٹر! میں چلتا ہوں۔آپ جب چاہیں مجھے بلا سکتی ہیں۔“ وہ ایک نظر اسرا پر ڈالتا باہر نکل گیا۔اس کے دل نے شدت سے خواہش کی کہ وہ نظر آخری نہ ہو۔

سب کے ہوتے ہوئے ایک روز وہ تنہا ہو گا

پھر وہ ڈھونڈے گا ہمیں اور نہیں پائے گا وہ!!

اتفاقاً جو کبھی سامنے آیا اجملؔ

اب وہ تنہا تو نہ ہو گا جو ٹھہر جائے گا وہ !!

"سر !دلاور سر !" مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے وہ پولیس اور اپنے خاص آدمی کے ہمراہ میڈیا کی جانب بڑھ رہے تھے۔ان کے چہرے پر کرخت تاثرات جمے تھے۔جبکہ ارمان ان کے ساتھ سکیورٹی کو چیک کرتے آگے بڑھ رہا تھا۔

اسے اس انسان کی سیکیورٹی کا خیال رکھنے کی سخت ہدایات ملی تھیں۔آج کی پریس کانفرنس کا انعقاد کچھ ہفتے پہلے ہونے والے قتل کی وجہ سے کیا گیا تھا۔چونکہ اس کیس کو وہ ہینڈل کر رہا تھا اس لیے اس کا وہاں ہونا بھی ضروری تھا۔

سائیڈ سے گزرتے ہوئے وہ لوگ سامنے موجود کرسیوں کی جانب بڑھ گئے۔وہ درمیان میں موجود سربراہی کرسی پر بیٹھ گئے۔جبکہ ایک طرف ان کا خاص ملازم منظور علی اور دوسری جانب ارمان کھڑا تھا۔سامنے مختلف چینلز کے نمائندگان ان سے سوال کرنے کے لیے بے تاب بیٹھے تھے۔

ان میں سے ایک صحافی اٹھا اور ان سے مخاطب ہوا۔" دلاور شاہ ! آپ بڑھتے ہوئے کرائمز کے بارے میں کیا کہیں گے؟ اور سننے میں آیا ہے کہ ابھی تک ڈاکٹر حمنہ کے قاتل کے خلاف کوئی ثبوت بھی نہیں ملا ! " اس کی بات پر ارمان کے تاثرات کرخت ہو گئے۔یہ کیس اس کی ذمہ داری تھا اور ابھی تک سوائے اسرا کے کوئی سرا اس کے ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔

دلاور شاہ اس کی بات سن کر مسکرائے۔مگر وہاں موجود ہر انسان کو ان کی مسکراہٹ مصنوئی لگ رہی تھی۔وہ سیاست کی دنیا کا ہر قانون جانتے تھے۔انہیں اچھے سے معلوم تھا کہ کون سے مہرے کو کب استعمال کرنا ہے۔

"دیکھیں یہ کرائمز تو زندگی کا حصہ ہیں۔اور رہی بات ڈاکٹر حمنہ کے قتل کی تو اے۔ایس۔پی ارمان احمد اس کیس کی تفتیش کر رہے ہیں۔بہت جلد ہم قاتل کا پتہ لگا لیں گے۔" انہوں نے ارمان کی

جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔جبکہ ارمان ویسے ہی بے تاثر کھڑا رہا۔اسے یہ دلاور شاہ کچھ ٹھیک آدمی نہیں لگتا تھا۔کچھ مصنوعی سا لگتا تھا۔

"سر ! آپ اپنے بیٹے کو سیاست میں کب لا رہے ہیں؟" ایک صحافی کی بات سن کر ان کے مسکراتے لب سکڑ گئے۔آنکھوں میں خشک سا تاثر چھا گیا۔انہوں نے ایک نظر اپنے پیچھے کھڑے منظور علی پر ڈالی۔جو اس ایک نظر سے ہی سمجھ چکا تھا کہ وہ غصے میں تھے۔

" کبھی بھی نہیں۔ایکسکیوزمی ! کانفرنس از اوور۔" وہ اپنے کلف لگے سفید سوٹ کو جھاڑتے ہوئے اٹھے۔منظور علی اور ارمان ان کے پیچھے گئے۔جبکہ میڈیا کے کارکن پیچھے شور کرتے رہے۔میڈیا سے تھوڑا دور نکل کر انہوں نے ارمان کو اشارے سے اپنے پاس بلایا۔

"تم جاؤ میڈیا کو کیس کے متعلق تسلی دو۔میرے آدمی میرے ساتھ ہیں۔" ارمان نے لمبا سانس بھر کے ایک نظر پیچھے میڈیا کی طرف ڈالی اور ایک نظر ان کے آدمیوں کی جانب ڈالی۔جو کچھ فاصلے پر اسلحہ لیس کھڑے تھے۔پھر اپنے قدم میڈیا کی جانب بڑھا دیے۔جبکہ پیچھے دلاور شاہ اپنے خاص ملازم کے ساتھ اپنی گاڑی میں سوار ہو گئے۔

"گستاخی معاف حضور! مگر کیا آپ سے ایک بات پوچھ سکتا ہوں ؟ " گاڑی چلاتے ہوئے منظور علی نے دھیمے لہجے میں ہچکچاتے ہوئے اجازت طلب کی۔ان کی گاڑی کے پیچھے گارڈز کی دو گاڑیاں موجود تھیں۔

" ہمم۔۔" انہوں نے شیشے کے پار بھاگتے ہوئے منظر کو دیکھتے ہنکارا بھرا۔

" آپ چھوٹے حضور کو سیاست میں کیوں نہیں لانا چاہتے؟ " اس کے سوال پر انہوں نے منظور علی کی جانب سرد نظروں سے دیکھا۔

" شیر جنگل میں ہو یا سرکس میں وہ شیر ہی ہوتا ہے۔اس کو نیک کام کرنے کا دورہ پڑا ہوا ہے تو پڑا رہنے دو۔ویسے بھی میں اس کی جان مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہتا۔" وہ تنے ہوئے تاثرات لیے بول رہے تھے۔

" معافی حضور !مگر سرکس کے شیر اور جنگل کے شیر میں بہت فرق ہوتا ہے۔" اس کی بات پر انہوں نے قہقہہ لگایا۔

"ہاہاہا! سرکس کے شیر کو جیسے ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اس کے پاس کوئی اختیارات نہیں ہیں تو وہ جنگل کی طرف بھاگتا ہے۔میرا بیٹا خود اس سیاست کے جنگل کا رخ کرے گا۔" انہوں نے یہ مقام صرف سفید بال کر کے حاصل نہیں کیا تھا۔بہت سی سازشوں اور مکاریوں کے بعد وہ یہاں تک پہنچے تھے۔

اس دنیا میں سازش کے بنا کامیابی مشکل ہے۔مگر آخرت میں آسان ہے۔دلاور شاہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اپنی اخرت کو بھلا دیا تھا۔اور آخرت کو یاد رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔نفس کو مارنا پڑتا ہے۔کانٹوں، آگ اور شیشوں کے دریا پار کرنے پڑتے ہیں۔خود کو کھو کر خود کو پانا پڑتا ہے ۔اور یہ سب دلاور شاہ جیسے لوگوں کے بس کی بات نہیں تھی۔

"آپ کے بیٹے ہونے کے باوجود انہیں سیاست میں دلچسپی نہیں ہے!! یہ بہت حیرانی والی بات ہے۔" منظور علی کی بات پر ان کے چہرے پر سے ایک سایہ سا گزرا۔ایک لمحے کے لیے ان کی آنکھوں میں ملال در آیا۔

" ہر انسان کی الگ الگ ترجیحات ہوتی ہیں۔۔۔" ابھی وہ بات کر ہی رہے تھے کہ انہیں میسج کی بپ سنائی دی۔انہوں نے ساتھ والے سیٹ سے موبائل اٹھا کر دیکھا تو سکرین پر ان کے بیٹے کا نمبر جگمگا رہا تھا۔ان کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بابا ! میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔آپ کہاں ہیں؟ " لگتا تھا کہ ان کے بیٹے کو ان سے ملنے کی کچھ زیادہ ہی جلدی تھی۔

" شہزادے !ہم فارم ہاؤس کی طرف جا رہے ہیں۔آپ بھی وہیں آجاؤ۔" انہوں نے میسج کر کے موبائل دوبارہ سیٹ پر رکھ دیا۔ان کے پاس دو گھنٹے کا وقت تھا اس کے بعد انہیں ہاسپٹل کے دورے پر جانا تھا۔

" گاڑی کو ڈیرے کی فارم ہاؤس کی جانب موڑو۔شہزادے صاحب ہم سے ملنا چاہتے ہیں۔" انہوں نے بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ منظور علی کو حکم دیا اور پھر سیٹ سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

محب کے جانے کے بعد لاؤنج میں سب ویسے ہی موجود تھے۔اسرا ویسے ہی ساکت کھڑی تھی۔ڈاکٹر نیلوفر کی سوچتی نظریں اسرا پر مرکوز تھیں۔ان کی بیٹی جسمانی اور ذہنی دونوں لحاظ سے کمزور پڑ رہی تھی۔وہ لڑکا انہیں اسرا کے لیے بہت پسند آیا تھا۔

"اسرا ! ادھر آؤ۔" اسرا نے خالی سی نگاہوں سے انہیں دیکھا اور پھر اپنے کمرے کی جانب قدم بڑھا دیے۔

" اسرا ! واپس آؤ۔" ان کے سختی سے کہنے پر اسرا نے اپنی آنکھیں میچیں اور مڑ کر ان کی جانب بے بسی سے دیکھا۔

"مما ! میرے پاس کہنے کو ایک لفظ بھی نہیں ہے۔پلیز مجھے کچھ دیر کے لیے اکیلا رہنے دیں۔" اس کے بے بسی سے کہنے پر نعمان اپنی جگہ سے اٹھا اور اسرا کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"نعمان ! پلیز مت کرو۔ جانے دو مجھے۔" اس کی آنکھیں ضبط کے مارے سرخ ہو چکی تھیں۔ مگر نعمان بے تاثر سا اس کے سامنے کھڑا رہا۔

"ارمان احمد کون ہے اسرا؟" اس کے سرد لہجے میں کیے جانے والے سوال پر اسرا نے حیرانی سے اس کی جانب دیکھا۔اسرا کے پاس اس کے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔اس کے گلے میں آنسوؤں کا پھندہ پڑ گیا۔

"بتائیں اسرا! کیا رشتہ ہے آپ کا ارمان احمد کے ساتھ؟" وہ تنے ہوئے تاثرات لیے اس سے نہایت تلخ سوال کر رہا تھا۔اسرا نے لال ہوتی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔سوچنے کے باوجود بھی اسرا کو اپنے اور ارمان کے درمیان کوئی رشتہ نہ مل سکا۔ہاں! اس انسان سے اس کا کوئی رشتہ نہیں تھا۔

"کوئی بھی نہیں۔ارمان احمد میرا کچھ بھی نہیں لگتا۔" اس نے اپنے آنسوؤں کو اپنے اندر ہی کہیں اتار دیا۔ڈاکٹر اور فضہ خاموشی سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔انہیں معلوم تھا کہ یہ گفتگو اسرا کو تکلیف دے رہی تھی۔مگر اس کے لیے یہی بہتر تھا۔

" اور منال حمید کا ارمان احمد سے کیا تعلق ہے؟" اسرا نے ضبط سے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔اسے نعمان کے سوال کا جواب دینا تھا۔اسے ان سب کو بتانا تھا کہ وہ سب کچھ برداشت کر سکتی تھی۔

اسے صبر کے "ص" تک پہنچنا تھا جو بہت مشکل تھا۔"ص" کا مطلب ہوتا ہے" صلاحیت "سب کچھ سننے کی صلاحیت۔

صبر کے "ب"کا مطلب ہوتا ہے برداشت ہر چیز کو برداشت کرنا۔

اور "ر" ہوتا ہے راستہ۔صبر سے شکر تک کا راستہ۔

اسے اس راستے کو طے کرنا تھا۔اس نے لمبی سانس ہوا میں خارج کی اور بند کی ہوئی مٹھیاں کھول دیں۔

"وہ دونوں ایک دوسرے سے شادی کرنے والے ہیں۔" اب وہ بولی تو اس کا لہجہ نارمل تھا۔پہلے والی بے بسی کہیں نہیں تھی۔نعمان اس کی بات پر ہلکا سا مسکرایا۔

"آپ کب تک اس انسان کو یاد رکھیں گیں؟ " اب اس کا چہرہ بے تاثر نہیں تھا۔مگر اسرا کا چہرہ بے تاثر ہو گیا تھا۔اس کا بس چلتا تو وہ اس انسان کی یاد کو بھی یاد نہ رکھتی مگر خیر !!وہ بہتری کی جانب بڑھ رہی تھی۔

”جب تک اس کی شادی نہیں ہو جاتی۔“ اس کی بات سن کر نعمان کھل کر مسکرایا۔باہر دھوپ کی شدت میں کمی ہو رہی تھی۔گرمی اپنا دم توڑ چکی تھی۔

”یہ ہوئی نا بات اسرا ! بعض اوقات تنہائی آپ کو کھا جاتی ہے۔آپ اگر تنہا رہتی تو آپ کے دماغ میں سو خیال پیدا ہوتے۔“ اس کی بات سے ڈاکٹر نیلوفر اور فضہ بھی متفق تھیں۔

” اس لیے کبھی کسی دوسرے انسان کا ساتھ ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔“ عسریٰ کی آنکھوں میں خفگی دیکھ کر اس نے ہاتھ کھڑا کیے۔

”اسرا ! مانا کہ اللہ ساتھ ہوتا ہے۔مگر ہمارا دماغ بہت کمی۔۔۔میں اب کیا کہوں۔“ اسرا کی گھوری پر اس نے بات تبدیل کر دی۔اس کی بات پر فضہ اور ڈاکٹر نیلوفر نے قہقہہ لگایا۔

”بری چیز ہے۔“ اسرا نے اس کا جملہ مکمل کیا۔

” آپ کہتی ہیں تو مان لیتا ہوں۔ویسے میں کچھ اور کہنے لگا تھا۔“ اس نے شرارتی مسکراہٹ سے کہا تو اسرا نے صوفے پر رکھا ہوا کشن اٹھایا اور اس کے سر پہ مارا۔

”باز آجاؤ تم۔“وہ ہنستے ہوئے بول رہی تھی۔ان سب نے شکر کا سانس لیا۔

”اسرا یار! پارک چلتے ہیں۔“ ان کے گھر کے سامنے ایک پارک تھا۔جہاں وہ اکثر جایا کرتے تھے۔فضہ نے الجھ کر نعمان کی جانب دیکھا۔

” اوکے۔میں حجاب کر کے آتی ہوں۔“ وہ مسکراتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔فضہ نے ایک نظر ڈاکٹر نیلوفر کی جانب ڈالی۔

”آنٹی! میں باہر جا رہی ہوں۔“ ڈاکٹر نیلوفر کو کہنے کے ساتھ ہی اس نے نعمان کو باہر آنے کا اشارہ کیا اور باہر چلی گئی۔

” آنٹی آپ آئیں گی ؟ “ نعمان ڈاکٹر نیلوفر کے سامنے کھڑا ان سے پوچھ رہا تھا۔وہ اس کی بات سنتی مسکرائیں۔انہوں نے فضہ کو اسے اشارہ کرتے دیکھ لیا تھا۔

”نہیں بچے ! میں نہیں جاؤں گی۔تم باہر جاؤ فضہ تمہارا انتظار کر رہی ہوگی۔“ وہ مسکراتے ہوئی بولیں تو نعمان نے شرمندگی سے کان کھجایا۔

”اوکے۔آنٹی! میں چلتا ہوں۔“ وہ باہر نکل گیا جہاں فضہ دروازے کے پاس کھڑی اس کا انتظار کر رہی تھی۔

”آپ کو یاد نہیں کہ اسرا کی جان کو خطرہ ہے ؟ “ وہ فکریہ انداز میں کمر پر ہاتھ رکھ کے بول رہی تھی۔”فضا جی! مجھے اچھے سے یاد ہے۔“ وہ بھی اسی کے انداز میں کمر پر ہاتھ رکھے بولا۔

”پھر آپ انہیں باہر لے کر کیوں جا رہے ہیں؟ “ اس کے سوال پر نعمان نے سنجیدہ ہوتے لمبا سانس بھرا۔

”فضہ ! ان کے دماغ کو آرام کی ضرورت ہے۔تنہائی کی نہیں۔اور یہ آرام انہیں گھر رہ کر نہیں ملے گا۔بلکہ کھلی فضا میں سانس لے کر ملے گا۔“ اس نے ایک لمحے کا توقف لیا۔

”اور رہی بات سکیورٹی کی تو وہاں ارمان بھائی نے اسپیشل گارڈز کی ڈیوٹی لگائی ہوئی ہے۔“ وہاں اسرا کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔وہ بھول گیا کہ جو انسان گارڈز کو ایک دفعہ بار بے ہوش کر سکتا تھا۔وہ دوبارہ بھی کر سکتا تھا۔اسی وقت اسرا اپنے دوپٹے کو حجاب کی صورت میں سر پر لپیٹے باہر نکل آئی۔ اس کے چہرے پر بشاشت چھائی ہوئی تھی۔

”چلیں۔“ اسرا کے کہنے پر وہ سب باہر نکل گئے۔وہ آہستہ آہستہ چہل قدمی کرتے پارک میں داخل ہوئے۔کیا نعمان کا یہ فیصلہ درست تھا ؟؟

نعمان فضہ کو اپنے بچپن کے واقعات سنا رہا تھا۔اور اسرا سر جھکائے مسکرا رہی تھی۔

اب وہ پارک کے اندر داخل ہو چکے تھے۔وہاں موجود ہر درخت اور ہر ایک چیز سے انہیں کچھ نہ کچھ یاد آ رہا تھا۔

"اسرا ! آئیں۔اس درخت کے پاس چلتے ہیں۔" نعمان ان دونوں کو ایک پرانے نیم کے درخت کے پاس لے گیا۔اس کو دیکھ کر اسرا کے چہرے پر ایک اداس مسکراہٹ چھا گئی۔یہ درخت ان کے لیے بہت خاص تھا۔ان پر ان چاروں کے نام لکھے ہوئے تھے۔اسرا نے اداس سا مسکراتے ہوئے ناموں پر اپنا ہاتھ پھیرا۔

اسرا پرانی یادوں میں اس قدر گم تھی کہ اسے اپنے اوپر کسی کی نظروں کا ارتکاز محسوس ہی نہیں ہوا۔

وہ انسان آج اپنے مقصد کو کامیاب کرنے آیا تھا۔آج وہاں نہ ہی وہ پولیس والا تھا اور نہ ہی محب رضا جو اس لڑکی کو بچا پاتا۔یہاں وہ بہت مشکل سے داخل ہوا تھا۔وہ اس وقت ایک درخت کے

پیچھے چھپا ہوا تھا۔اس درخت کے سوکھے پتے گھاس پر بکھرے ہوئے تھے۔اس نے اپنی گن کا رخ اسرا کی جانب کیا۔

ایک!!!

”اسرا ! آپ کو میری سولویں سالگرہ یاد ہے ؟ کیسے آپ سب نے مجھے سرپرائز دیا تھا۔“

دو!!

فضہ حیرانی سے اس کی بات سن رہی تھی۔اسرا اس کی بات سن کر کھکھلا کر ہنس پڑی۔سورج کی کرنوں میں اس کا چہرہ جگمگا اٹھا۔اس ایک لمحے میں کسی انسان کی قسمت نے پلٹا کھایا۔

تین سے پہلے کا لمحہ امر ہو گیا۔اس ایک لمحے نے اس انسان کے سارے ارادوں کو مات دے ڈالی۔ آسمان سے کوئی سحر اترا اور اس کے دل میں سما گیا۔

وہ انسان اسرا کی مسکراہٹ میں کھو سا گیا۔بندوق والا ہاتھ کہیں نیچے ہی جھول گیا۔اس نے ٹرانس کی کیفیت میں اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔

دھک !دھک! دھک! وہ پہلی دفعہ اس جذبے سے روشناس ہوا تھا۔

پھر اس نے حیرانی سے اس مسکراتی لڑکی کو دیکھا۔وہ اسے مارنا مارنے جا رہا تھا؟ نہیں!! اس نے اپنی آنکھیں اس تصور سے ہی میچ لیں۔ سر اٹھا کر اوپر کی جانب دیکھا۔گویا تقدیر کے اس فیصلے سے اختلاف کیا ہو!! اس نے غصے سے اپنا ہاتھ درخت پہ مارا اور اس لڑکی کو دیکھے گیا۔

اس کو دیکھ کر کون موت کا تصور کر سکتا تھا؟ اسے دیکھ کر تو پہلا خیال ہی زندگی کا آتا تھا؟ دوسری جانب اسرا نعمان کی کسی بات پر مسکرا رہی تھی۔اسے شدت سے اس لڑکے سے نفرت محسوس ہوئی۔"محب رضا!! میں کیا تمہاری ڈاکٹر کو نقصان پہنچاؤں گا اس نے تو مجھے ہی قید کر لیا !!" اب وہ کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح ساکت سا واپس لوٹ رہا تھا۔۔

تمہیں جو منزلیں بہت ہی آسان ہیں لگیں

وہ پانے میں ہمیں تو ہیں زمانے لگ گئے

ہمارے دل پہ چھائی تھی خزائیں جس سے

حسین نظارے بھی ہمیں تھکانے لگ گئے

وہ اپنے فارم ہاؤس کے وسیع لان میں بیٹھے چائے کی چسکیاں لے رہے تھے۔ان کا بیٹا ابھی تک وہاں نہیں پہنچا تھا۔وسیع و عریض لان میں جگہ جگہ پھولوں کے پودے لگے ہوئے تھے۔انہیں ان پھولوں سے واحد دلچسپی یہ تھی کہ وہ انہیں کسی کی یاد دلاتے تھے۔

انہوں نے کلائی پر باندھی سنہری گھڑی پر وقت دیکھا اور لمبا سانس بھرا۔منسٹر وہ تھے اور انتظار ان کا بیٹا کرواتا تھا!!

یکدم انہیں کسی گاڑی کے ہارن کی اور پھر مرکزی دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ان کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔مرکزی دروازے سے کالی بی۔ایم۔ڈبلیو پارچ کی لمبی راہداری پر دوڑنے لگی۔جسے اس میں بیٹھے انسان نے ایک سائیڈ پر کھڑا کر دیا۔

ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھلا تو اس میں سے ایک نوجوان آنکھوں پر سن گلاسز لگائے بڑی شان سے اترا۔وہ وجاہت میں اپنی مثال آپ تھا۔رف سی کالی جینز اور کالی ہی آدھی آستینوں والی شرٹ پہنے ہوئے ،جن سے اس کے توانا بازو دکھائی دے رہے تھے دائیں کندھے پہ اپنا سفید اوورکوٹ لٹکائے وہ گملوں کو پار کرتا ان کی جانب بڑھ رہا تھا۔اس کے بائیں ہاتھ میں اس کا آئی فون موجود تھا۔

لاپرواہی سے پھیلے ہوئے بال اور ہلکی ہلکی فرینچ کٹ والی داڑھی اس کی سنجیدگی میں اضافہ کر رہی تھی۔ دلاور شاہ نے دل میں ہی اس کی نظر اتاری۔وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ان کے پاس پہنچا اور اپنے بائیں ہاتھ سے گلاسز اتارتا ان کے سامنے کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ جما کر بیٹھ گیا۔اس نے اپنی عینک اور موبائل کو سامنے میز پر رکھ دیا۔

"السلام علیکم بابا !!" اس کی کالی چمکتی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ دلاور شاہ انہیں ذہین آنکھوں کے گرویدہ تھے۔اس کی آنکھیں بالکل اس کی ماں کی آنکھوں کے جیسی تھی ذہین، بولتی ہوئی آنکھیں۔ بلکہ اس نے اپنے سارے نقوش اپنی ماں سے ہی چرائے تھے۔اس کی تیکھی سی ناک پر غصہ اور غرور دونوں ہی بہت جچتے تھے۔

"وعلیکم السلام شہزادے! کیسے ہیں آپ؟ " انہوں نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے پوچھا۔انہیں پتہ تھا کہ اسے اس لفظ سے کتنی چڑ تھی۔ان کی اس کی بات پر اس کی صبیح پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"بابا میرا ایک نام بھی ہے۔" وہ اپنی مغرور ناک چڑھاتا ہوا بولا۔اس کی بات پر دلاور شاہ نے قہقہہ لگایا۔"مجھے آپ کا نام اچھے سے یاد ہے۔ خیر چھوڑیں۔لوگ مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ آپ کا بیٹا

سیاست کب جوائن کرے گا؟" ان کی بات پر وہ ہلکا سا مسکرایا۔ جس سے اس کے دونوں گالوں پر چھوٹے چھوٹے دو گڑھے نمودار ہو گئے۔

" بابا!! لوگوں کا کیا ہے ؟ کچھ بھی پوچھتے رہتے ہیں۔ آپ ان کی باتوں پر زیادہ دھیان نہ دیا کریں۔" وہ اپنی مسکراتی نگاہوں سے بول رہا تھا۔ وہ صحیح ہی تو کہہ رہا تھا لوگ بھلا کب خوش ہوتے ہیں!! اگر انہیں ایک بات پہ مسئلہ نہیں ہو گا تو دوسری پر ہو گا۔ اس لیے جب تک زندگی میں لوگوں کی سنو گے تب تک ذہنی انتشار کا شکار رہو گے۔

"اور آپ بھی یہ امید چھوڑ دیں کہ میں آپ کی سو کالڈ سیاست کا کبھی حصہ بنوں گا۔" اس نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور تھوڑا آگے کو جھکا۔

" میں کبھی بھی ہاسپٹل نہیں چھوڑوں گا۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا تو دلاور شاہ نے اپنا سر جھٹکا۔

"ڈاکٹر فیصل شاہ ! شائد آپ مجھ سے کوئی بات کرنے آئے تھے۔" ان کے سوال پر وہ کھل کر ہنسا۔

" بابا! مجھے شادی کرنی ہے۔" اس کی بات سن کر دلاور شاہ سنجیدہ ہو گئے۔

"یقیناً کوئی لڑکی بھی ڈھونڈ لی ہو گی !"طنزیہ انداز میں کہی جانے والی بات پر ڈاکٹر فیصل نے قہقہہ لگایا

۔وہ ایسے کم ہی ہنسا کرتا تھا۔

"جی بالکل !" اس کے چہرے کی مسکراہٹ دیکھ کر انہیں اس کی اس لڑکی کی میں دلچسپی کا اندازہ ہو

رہا تھا۔وہ واقعی میں سنجیدہ لگ رہا تھا۔

"کون ہے وہ خوش نصیب لڑکی؟" وہ پرسوچ انداز میں پوچھ رہے تھے۔ان کا بیٹا کوئی ٹین ایجر نہیں

تھا۔تیس سالہ ایک نوجوان تھا۔جو اپنا کریئر بنا چکا تھا۔

"نہال احمد !" اسے ڈاکٹر اسرا نے میسج کر کے منع کر دیا تھا۔مگر وہ پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں تھا۔

وہ اس کے گھر رشتہ ضرور لے کر جائے گا۔

"ہمم۔۔رشتہ کب لے کر جانا ہے؟" ڈاکٹر فیصل کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی جلدی مان جائیں گے

۔اس کے چہرے پر پرجوش سی مسکراہٹ چھا گئی۔

" تھینک یو بابا!! جب آپ کے پاس ٹائم ہو۔تب چلے جائیں گے۔" وہ بے حد خوش تھا اور دلاور شاہ

اس کی خوشی میں خوش تھے۔البتہ چہرے پر سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔

"منظور علی!" انہوں نے اونچی آواز میں اسے بلایا تو وہ کسی بوتل کے جن کی طرح فوراً سے حاضر ہو گیا۔"جی حضور !" وہ مودبانہ سا بولا۔

"سلام چھوٹے حضور!" فیصل کو دیکھتے ہی اس نے سلام جھاڑا۔فیصل نے جواب میں صرف سر ہلایا۔

"میری پرسوں شام کی کیا مصروفیت ہے ؟" انہوں نے حکمیہ انداز میں پوچھا تو منظور علی نے ٹیب میں دیکھ کر سر جھکایا۔

"سر آپ کی ڈی۔آئی۔جی کے ساتھ میٹنگ ہے۔"

"کینسل کر دو۔" ان کی بات پر منظور علی نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔وہ اپنی میٹنگز کینسل نہیں کیا کرتے تھے۔

"ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟ تمہارے چھوٹے حضور کی دلہن دیکھنے جانا ہے۔اس لیے کینسل کر دو۔" ڈاکٹر فیصل کے چہرے سے مسکراہٹ جدا ہی نہیں ہو رہی تھی۔

"مبارک ہو چھوٹے حضور!" وہ سچ میں خوش ہوا تھا۔وہ ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا۔جو اپنے بچپن سے دلاور شاہ کے باپ کی حویلی میں کام کیا کرتا تھا۔دلاور شاہ نے جب سیاست کی دنیا میں قدم رکھا تو اسے اپنا خاص آدمی بنا لیا۔وہ دلاور شاہ اور فیصل کی اپنی جان سے بڑھ کر حفاظت کیا کرتا تھا۔

مگر اس رات سارے گارڈز دلاور شاہ کے ساتھ ڈیرے پر تھے۔بس ایک ہی گارڈ ان کے گھر میں موجود تھا۔منظور علی دلاور شاہ کے بہت قریب تھا۔مگر کچھ راز ایسے تھے جو اس خاص آدمی کو بھی معلوم نہ تھے۔دلاور شاہ ان رازوں کو اپنے ہی سائے سے بھی چھپا کر رکھنا چاہتے تھے۔وہ نہیں چاہتے تھے کہ فیصل کو ان رازوں کی بھنک بھی پڑے۔

ڈاکٹر فیصل نے سر کو ہلکا سا خم دے کر اس کی مبارکباد قبول کی ابھی دلاور شاہ کچھ اور کہنے لگے تھے کہ ڈاکٹر فیصل کے موبائل کی بیل بجنے لگی۔اس نے کال اٹینڈ کر کے موبائل کان کے ساتھ لگایا ۔دوسری جانب سے کچھ کہا گیا جسے سن کر وہ فوراً کھڑا ہو گیا۔

"پیشنٹ کو انجیکشن لگاؤ میں بس 10 منٹ تک پہنچ رہا ہوں۔" اس نے سر کے بکھرے بالوں کو پیشانی سے پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

”بابا! ایک ایمرجنسی ہو گئی ہے۔میں آپ سے بعد میں بات کرتا ہوں۔“

وہ میز سے گلاسز اٹھا کر جلدی سے اپنی گاڑی کی جانب بڑھا۔پیچھے دلاور شاہ اسے دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

پارک سے نعمان ان دونوں کو گھر چھوڑ کر خود آئسکریم لینے چلا گیا۔وہ دونوں لاؤنج میں داخل ہوئیں تو ڈاکٹر نیلوفر ٹی وی پر کوئی ڈرامہ دیکھنے میں مصروف تھیں۔ اسرا نے فضہ کو اشارہ کیا۔وہ دونوں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ان کے پیچھے کھڑی ہو گئیں اور پھر دونوں نے یک زبان ہو کہا۔

”بھاؤ !“ ان کے چیخنے پر بھی ڈاکٹر نیلوفر ویسے ہی بیٹھی رہیں۔اسرا اور فضہ منہ برا منہ بناتے ہوئے ان کے پاس بیٹھ گئیں۔

”کیسے پتہ چل جاتا ہے آپ کو؟“ اسرا ناک چڑھا کر بولی تو ڈاکٹر نیلوفر مسکراتے ہوئے انہیں دیکھنے لگیں۔

”ماں اپنے بچوں کی آہٹ کو بھی پہچانتی ہے۔“ وہ درست کہہ رہی تھیں۔ماں اپنے بچے سے وابستہ ہر چیز کو پہچانتی ہے۔مگر بچے ؟ وہ کیا کرتے ہیں؟؟ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ماؤں کا دل دکھا دیا کرتے ہیں؟ انہیں اپنے نقصانات یاد رہتے ہیں مگر وہ اپنے والدین کی سٹرگلز کو بھول جاتے ہیں۔اسرا نے اپنا سر شرمندگی کے باعث جھکا لیا۔

”آئی ایم سوری !مما ! “ وہ ان کے پاؤں میں بیٹھ گئی۔ڈاکٹر نیلوفر نے اس کے چہرے پر آتے بالوں کو پیچھے کیا۔

”تمہارے بال بہت کمزور ہو رہے ہیں۔تیل لے کر آؤ۔میں آج تم دونوں کی سر کی مالش کروں گی۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔اسرا ان کی بات سن کر جھنجھلائی۔

” مما میں کیا بات کر رہی ہوں؟ اور آپ کیا کہہ رہی ہیں؟“

” بیٹا! ماؤں کو بچوں کی معافی نہیں چاہیے ہوتی۔ان کا وقت چاہیے ہوتا ہے۔۔ان کی خوشیاں چاہیے ہوتی ہیں۔“اسرا ان کی بات سن کر اداسی سے مسکرائی۔”جاؤ تیل لے کر آؤ۔“ اسرا ان کے حکم پر اٹھی اور تیل لینے کمرے میں چلی گئی۔

”بچے ! آپ کے والدین کیسے ہیں؟“ اب وہ اور فضہ صوفے پر بیٹھی تھیں۔فضہ کو ان سی ایک خاص انسیت سی ہو گئی تھی۔وہ اسے یہ سوچنے ہی نہیں دیتی تھیں کہ وہ ان کے لیے غیر تھی۔

”جی سب ٹھیک ہیں۔“ اسی وقت اسرا ہاتھ میں تیل کی بوتل پکڑے ان کے پاس آبیٹھی۔اور فضہ کی جانب متوجہ ہوئی۔

” مجھے کنزیٰ نے میسج کیا تھا کہ وہ کل تک واپس آ رہی ہے۔“ اس کی بات سن کر فضہ کے چہرے پر سے ایک سایہ سا گزرا۔وہ وہاں اس انسان کی موجودگی میں واپس نہیں جانا چاہتی تھی۔کالی آنکھیں ڈر کی وجہ سے ساکت ہو گئیں۔اسرا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

” ریلیکس۔میں نے اسے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ جب تک فضہ کا علاج نہیں ہو جاتا تب تک وہ ہمارے ساتھ رہے گی۔“ اس کی بات سن کر فضہ کو کچھ تسلی ملی۔مگر کیا اس کا کوئی گھر نہیں تھا ؟ وہ گھر تو کنزیٰ کا تھا!! اس کے شوہر کا تھا !!اس کا گھر کہاں تھا ؟ کیا وہ اس پوری دنیا میں بے ٹھکانہ تھی؟ اس کے ماں باپ کو اس کی کوئی فکر کیوں نہیں تھی؟ اس تصور سے اس کی کالی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔اسرا اور ڈاکٹر نیلوفر اسے ایسے دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔

"کیا ہوا بچے؟" اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ رخسار پر بہنے لگے۔

"فضہ مت روئیں۔کیوں ایسے رو رہی ہیں ؟ " اسرا کی بات سن کر فضہ نے اس کی جانب دیکھا۔

دروازے پر آئس کریم ہاتھ میں پکڑے نعمان حیران سا کھڑا تھا۔اسے کیا ہوا؟ ابھی تو بالکل ٹھیک تھی !!

"میرا کوئی گھر نہیں ہے۔" اس کی بات سن کر اسرا اور ڈاکٹر نیلوفر ہلکا سا مسکرائیں۔جبکہ نعمان نے اپنے قہقہہ کو روکا۔

اوہ!فضہ جی!کو اپنا گھر چاہیے تھا۔

" بچے!! یہ بھی تو آپ کا ہی گھر ہے۔اگر میری کوئی دوسری بیٹی ہوتی تو یقیناً آپ کے جیسی ہوتی۔" ڈاکٹر نیلوفر نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔

"تھینک یو آنٹی!!" اسی لمحے نعمان گلا کھنکارتے ہوئے اندر داخل ہوا۔اس کے ہاتھ میں آئس کریم کی چار کونز تھیں۔فضہ اسے دیکھتی ڈاکٹر نیلوفر سے دور ہو گئی۔نعمان نے چاروں کونز ان سب میں تقسیم کر دیں۔

" اوکے اللہ حافظ! میں اب چلتا ہوں۔" آئسکریم کھانے کے بعد وہ کھڑا ہوگیا۔آج کا سارا دن اس نے اسرا کے گھر میں گزارا تھا کیونکہ اس کے اپنے گھر میں کوئی بھی نہیں تھا۔

"اللہ حافظ بچے!" اسرا اور فضہ نے بھی سر ہلایا تو نعمان مسکراتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔اس کے دماغ میں کچھ چل رہا تھا۔

"اوکے مما! میں اب نماز پڑھ کر آتی ہوں۔پھر میرے آپ میرے سر کی مالش کیجئے گا۔تب تک فضہ کے سر کی کر لیں۔" وہ آئس کریم کھاتی وہاں سے اٹھ گئی۔مغرب کی آذانوں کی گونج اس کے کانوں میں پڑ رہی تھی۔

ڈاکٹر نیلوفر نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا اور فضہ ان کے پاس نیچے بیٹھ گئی۔اب ڈاکٹر نیلوفر اسے بال لمبے کرنے کے ٹوٹکے بتا رہی تھیں۔اور وہ ان ٹوٹکوں کو سن کر مسکرا رہی تھی۔

اسرا وضو کر کے پریئنگ روم میں داخل ہوئی اور وہاں کا دروازہ بند کر دیا۔یہ اس کی سب سے پسندیدہ جگہ تھی۔مگر وہ یہاں بہت کم نماز پڑھتی تھی۔نماز ادا کرنے کے بعد اس نے دعا کے لیے

ہاتھ اٹھائے۔ مگر کوئی بھی دعا لب پر نہ آئی۔ وہ اپنے خالی ہاتھوں کو یوں ہی دیکھتی رہی۔ اس کا ذہن خالی تھا۔ کیا مانگے وہ ؟؟ لمبی سانس بھر کر وہ وہاں بیٹھی اپنے ہاتھوں کی لکیروں پر انگلیاں پھیر رہی تھی ۔

کیا اس انسان پر ہی اس کی دنیا کا اختتام ہو جاتا تھا؟ اس نے آنکھیں بند کیں۔ دماغ نے اس کے خیال کی نفی کی۔ بالکل نہیں !! آنکھوں کے سامنے ڈاکٹر نیلوفر، نعمان ،نہال، فضہ کے چہرے گھوم گئے۔ ہاں!! اس کی دنیا کا اختتام اس ایک انسان پر نہیں ہوتا تھا۔ وہ اس ایک انسان کے لیے باقی رشتوں کو فراموش نہیں کر سکتی تھی۔

اگر اللہ نے اس کی قسمت میں وہ ایک انسان نہیں لکھا تھا۔ تو کیا ہوا؟ اللہ نے اسے باقی رشتوں سے بھی تو نوازا تھا!!

"الحمداللہ !اللہ جی! آپ کا شکر ہے۔ ہر ایک چیز کے لیے شکریہ۔ میں تو ہوں ہی ناشکری۔ دیکھیں نا آپ نے مجھے کتنا سب کچھ دیا۔ کچھ لوگوں کے پاس تو ماں بھی نہیں ہوتی !" اس کی آنکھوں کے سامنے اپنی ماں کا مسکراتا چہرہ آگیا۔

"اللہ جی!! میں اب کبھی بھی اپنی مما کو تنگ نہیں کروں گی۔آپ سب کی ماؤں کا سایہ ان کی اولاد کے سروں پر ہمیشہ سلامت رکھیے گا۔" اب اس کے ہاتھ دعا مانگنے کے انداز میں اٹھے ہوئے تھے۔

"اللہ جی !مجھے معاف فرما دیجیے۔میں آپ کی ناشکری کر رہی تھی نا۔پلیز مجھے معاف فرما دیجیے۔"

چمبیلی کی خوشبو ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔

" اللہ جی! مجھے صبر و شکر عطا فرمائیں۔آمین ! " اس نے اپنے ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرے۔اب اس کے چہرے پر اطمینان اور سکون تھا۔ذہن اور دل سے گرد کی ساری پرتیں آہستہ آہستہ چھٹ رہی تھیں۔

ہم تو سمجھے تھے کہ ایک زخم ہے بھر جائے گا

کیا خبر تھی رگِ جاں میں اتر جائے گا

مجھ کو تہذیب کے برزخ کا بنایا وارث

جرم یہ بھی میرے اجداد کے سر جائے گا

جس پہر اسرا اپنے لیے صبر و شکر کی دعا مانگ رہی تھی۔ ٹھیک اسی پہر محب اپنے گھر میں ہاتھ اٹھائے اللہ کے حضور اس کے لیے دعا مانگنے میں مصروف تھا۔ وہ اس کے گھر سے تو آگیا تھا۔ مگر دل میں تب سے صرف اسی کا خیال گردش کر رہا تھا۔

" اے میرے رب !اسرا کی حفاظت فرمائیں۔ آپ نے مجھے ان سے ملایا۔ اب مجھے ان سے جدا مت کریں۔" وہ آنکھیں بند کئے اپنے دل کی بات اپنے رب کو بتا رہا تھا۔ اس رب کو جو دلوں کے حال بھی جانتا ہے۔ بے شک وہ بہت بڑا رازدار ہے۔ وہ انسان کے رازوں کو محفوظ رکھتا ہے۔ اس کے عیبوں کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ لوگوں کے سامنے انسان کے عیبوں کو عیاں نہیں کرتا۔ کیا اس سے بھی بڑا کوئی کارساز تھا؟؟ بالکل نہیں!!

" اے میرے رب! ان کے دل کو سکون عطا فرمائیں۔" وہ خود بے سکون تھا مگر اس کے لیے سکون کی دعا کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اسرا کو اس وقت صرف سکون اور صبر کی ضرورت تھی۔ وہ موت سے نہیں ڈرتی تھی۔ مگر اپنے دل سے ڈرتی تھی۔

وہ اپنے رب سے اس لڑکی کے لیے دعا مانگ رہا تھا۔جس نے اسے اندھیروں سے نکالا تھا۔جس نے اسے اس کے سوالوں کے جواب دیے۔وہ لڑکی جو دوسروں کے لیے بہت عام سی تھی۔مگر اس کے لیے بہت خاص ہو گئی تھی۔وہ اس کے لیے سمندر کی گہرائی میں موجود ایک سیپی میں چھپے ہوئے انمول موتی کی طرح تھی۔جسے وہ ان گہرائیوں اور تنہائیوں سے نکالنا چاہتا تھا۔

" اے میرے رب! اس انسان کو اسرا سے دور رکھیں۔وہ بہت برا ہے۔وہ اسرا کو نقصان پہنچائے گا۔آپ بس اسے اسرا سے دور رکھیں۔۔" ابھی وہ اللہ سے باتیں کرنے میں مصروف تھا کہ اسے موبائل کی بیل سنائی دی۔اس نے سر جھٹک کر اسے اگنور کیا۔مگر دوسری جانب جو بھی انسان تھا۔وہ اچھا خاصا ڈھیٹ ثابت ہوا تھا۔وہ غصے سے اٹھا اور سائیڈ ٹیبل پر پڑا ہوا موبائل اٹھایا۔سکرین پر جگمگاتے نمبر کو دیکھ کر اس کے ابرو اکھٹے ہو گئے۔

یہ انسان اسے اس وقت کیوں کال کر رہا تھا؟؟ کہیں اسرا کو کچھ۔۔۔۔نہیں!! ایسا نہیں ہو سکتا !!اس نے بے چینی سے اپنے ہی خیال کی نفی کی۔غصہ اب اضطراب میں تبدیل ہو چکا تھا۔اس نے جلدی سے کال اٹینڈ کر کے فون کان کے ساتھ لگایا۔اس کا سینہ تنگ ہو رہا تھا۔

”ہیلو۔اسرا ٹھیک ہیں نا؟ تم نے کچھ کیا تو نہیں ؟“

وہ بے چینی سے ٹہلتے بول رہا تھا۔جبکہ دوسری جانب خاموشی چھائی ہوئی تھی۔اس کی تیوری چڑھ گئی۔جبکہ دل تھا کہ سوکھے پتے کی مانند لرز رہا تھا۔

”اگر تم نے ڈاکٹر اسرا کو کچھ بھی کیا تو میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا !“محب کو صرف اس انسان کی سانسوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔دوسری جانب وہ اپنی بیسمنٹ میں کرسی پر بیٹھا محب کی باتیں سن رہا تھا۔

” تم کچھ بول کیوں نہیں رہے؟؟ پلیز مجھے مت تڑپاؤ۔اسرا کا پیچھا چھوڑ دو۔“ محب کے بے بسی سے کہنے پر اس نے اپنی بند آنکھیں کھول دیں جو حد درجہ سرخ ہو چکی تھیں۔کیا وہ ایک قاتل کی آنکھیں تھیں؟ اس نے ایک لمبا سانس ہوا میں خارج کیا۔

”محب رضا !میرا دل دھڑک رہا ہے۔“اس نے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر مبہم انداز میں کہا۔محب اس کی بات سن کر ساکت رہ گیا۔اس کے قدم خود بخود رک گئے۔آنکھوں میں بے یقینی در آئی۔کیا اس

نے درست سنا تھا؟ کیا اس انسان نے کہا کہ اس کا دل دھڑک رہا تھا؟ اس نے بے بسی سے اپنی آنکھیں بند کیں۔

نہیں !!ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا !!

”ہاں! محب رضا !میرا دل دھڑک رہا ہے۔میں اس لڑکی کو نقصان نہیں پہنچا پایا۔“ اس کے لہجے میں عجیب سی بے بسی تھی۔محب نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔آنکھیں چھت کی جانب کیں۔اللہ !!

” جانتے ہو میں آج اسے مارنے گیا تھا۔وہ پارک میں ایک لڑکے اور لڑکی کے ساتھ تھی۔میرے پاس اسے مارنے کا بہت اچھا موقع بھی تھا۔“ وہ محب سے ایسے بات کر رہا تھا جیسے ان دونوں کے درمیان سب کچھ نارمل ہو۔محب اپنے دل پر جبر کیے اس کی باتیں سن رہا تھا۔

”موت اس سے بس ایک گولی کے فاصلے پر تھی۔۔صرف ایک گولی کے!! میں نے اس پر بندوق تان لی تھی۔مگر پھر وہ ایک لمحہ آیا اور ٹھہر گیا۔۔“ وہ اب آنکھیں بند کیے اسرا کے مسکراتے چہرے کو یاد کر رہا تھا۔محب ساکت سا اس کی باتیں سن رہا تھا۔

”صرف ایک لمحہ اور تقدیر نے پلٹا کھایا۔۔میں ایسا نہیں چاہتا تھا مگر دل اسے مسکراتا دیکھ کر دھڑک

اٹھا۔میرے دل نے مجھ سے ہی بغاوت کا اعلان کر دیا میں کیا کر سکتا تھا ؟؟

لقد علم قلبی الصدیء اءن ینبض

(اس نے میرے زنگ آلود دل کو دھڑکنا سکھایا)“

محب میں کچھ اور سننے کی ہمت نہیں تھی۔وہ تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا۔

”بس کرو۔۔میں اور نہیں سن سکتا۔“ اس کی بات پر دوسری جانب موجود اس انسان کے چہرے پر

زخمی سی مسکراہٹ چھا گئی۔

” ابھی تو تمہیں بہت کچھ سننا بھی ہے اور دیکھنا بھی ہے۔اس لیے اپنے آپ کو تیار کر لو۔“ محب اس

کی بات سنتا چونکا۔

”کیا مطلب ؟ “ اسے اس انسان کی بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

"میں اس لڑکی کو تم سے چھین لوں گا۔" اس انسان کی لال آنکھوں میں ایک عزم تھا۔کچھ حاصل کرنے کا عزم۔وہ اپنے راستے میں آنے والے ہر انسان کو اس کے انجام تک پہنچا دے گا۔چاہے وہ محب رضا ہی کیوں نہ ہو۔اس کی بات سن کر محب نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔اور پھر ہنستا ہی چلا گیا۔

"کیا کہا تم نے؟ تم انہیں مجھ سے چھین لو گے! ہاہاہا! اچھا مذاق تھا۔مجھے بہت ہنسی آئی۔" وہ پیٹ پر ہاتھ رکھے ہنس رہا تھا۔دوسری جانب موجود اس انسان کا دل کیا کہ وہ فون دیوار میں دے مارے ۔یکدم محب کی ہنسی کی آواز سنائی دینا بند ہو گئی اور وہ بالکل سنجیدہ ہو گیا۔

" تمہیں معلوم ہے تم میں اور ان میں کتنا فرق ہے؟ وہ سفید ہیں اور تم سیاہ ہو۔اور سیاہ اور سفید کبھی مل نہیں سکتے۔" محب کی سنجیدہ سی آواز اس انسان کے کانوں میں گونجنے لگی۔ہاں! اس کا دل سیاہ تھا !مگر وہ اسے بھی سیاہ بنا دے گا !

" تو تم کون سا دودھ کے دھلے ہوئے ہو!" اس کے طنز پر محب کے لبوں پر ایک اداس سی مسکراہٹ چھا گئی۔نگاہوں کے سامنے کسی کی سنہری آنکھیں آ گئیں۔

"ہاں! میں سفید نہیں ہوں۔ مگر میں سیاہ بھی نہیں ہوں۔ میں سرمئی ہوں۔" وہ صوفے سے اٹھتا ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔اس کی سرمئی آنکھیں جگمگا رہی تھیں۔

"لگتا ہے تم اس لاش کو بھول گئے ہو۔کوئی بات نہیں میں یاد دلا دیتا ہوں۔" وہ پرسکون سا بول رہا تھا۔جبکہ محب کا چہرہ تاریک ہو گیا۔وہ اپنا سیاہ باب کیسے بھول سکتا تھا۔کوئی بھی انسان اپنے سیاہ باب کو کبھی بھی نہیں بھلا سکتا۔وہ تو آسیب کی طرح انسان کا پیچھا کرتا ہے۔

"تمہیں یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہے۔مجھے اچھے سے یاد ہے۔مگر میں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا۔"

وہ اس انسان کو اپنی صفائی کیوں دے رہا تھا؟ کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ محب ہمیشہ سے ہی بے گناہ تھا !

"جرم کو چھپانا بھی جرم ہوتا ہے محب رضا !" اس کی بات سن کر محب کا چہرہ غصے کی شدت سے سرخ ہو گیا۔

"وہ قتل تم نے کیا تھا۔میں نے نہیں۔تم اس بات کو ہمیشہ یاد رکھو کہ میں اس قتل میں انوالو نہیں تھا۔" اس نے اپنی مٹھیاں بھینچ کر غصے سے کہا۔

"ہاں میں نے کیا تھا وہ قتل !!مگر تمہاری بات پر کون یقین کرے گا؟ وہ ڈاکٹر بھی نہیں کرے گی!! ہاہاہا! " اس کی مکروہ ہنسی کی گونج محب کے کانوں میں پڑنے لگی۔یہ خیال ہی بہت جان لیوہ تھا کہ اسرا اس کا یقین نہیں کریں گی۔

" اوکے اپنا خیال رکھنا اور ایک آخری بات سن لو۔میرے اور اس لڑکی کے بیچ میں مت آنا ورنہ۔۔۔" وہ محب کو تنبیہ کر رہا تھا۔

"کیا ورنہ؟ آخر کیا کر لو گے تم؟؟ "محب کی بات سن کر وہ زخمی انداز میں مسکرایا۔

"تو یقین جانو زندگی میں دوسری دفعہ دکھ تمہیں اپنے ہاتھوں سے مار کر ہو گا۔" محب دھک سا رہ گیا۔ اس کے لہجے میں دکھ تھا۔محب نے سر جھٹک کر کال کاٹ دی۔

اب وہ پر اسرار سا مسکرا رہا تھا۔میں نے کہا تھا نا کہ تم محب رضا کو نہیں جانتے۔اب یہ بات میں تم پر ثابت کروں گا۔۔اب اس کی نظریں چھت کی جانب اٹھیں۔

" اللہ! آپ بس اسے اسرا سے دور رکھیں۔" وہ چھت کی جانب دیکھتا بول رہا تھا۔۔

وہ اپنے اسٹڈی روم میں بیٹھے سگار کے کش بھر رہے تھے کہ منظور علی دوڑتا ہوا ان کے پاس آیا۔وہ اس کو اس وقت وہاں دیکھ کر حیران ہوئے۔وہ انہیں اس وقت تنگ نہیں کیا کرتا تھا۔کیونکہ دلاور شاہ کی سخت ہدایات تھیں کہ اس وقت ان کے پاس کوئی نہ آئے۔

"کیا ہوا منظور علی!!" اسے ہانپتے دیکھ کر انہوں نے سوال کیا۔تو منظور علی نے اپنے چہرے پر آئے پسینے کو صاف کیا۔

"حضور !حضور! " وہ لرز رہا تھا۔وہ انہیں کیسے بتائے کہ کیا ہوا ہے؟؟

" منظور علی! کیا ہوا ہے ؟" وہ سختی سے چلائے۔منظور علی کو ایسے دیکھ کر انہیں کسی انہونی کا احساس ہو رہا تھا۔

"حضور! فارم ہاؤس پر آگ لگ گئی ہے۔" اس نے سر جھکا کر اطلاع دی۔تو دلاور شاہ سگار پھینکتے کھڑے ہو گئے۔ان کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید ہو گیا۔ایسا کیسے ہو سکتا تھا؟؟ انہیں اپنا فارم ہاؤس بہت عزیز تھا۔وہاں ان کے بہت سے راز دفن تھے۔وہ جلدی سے اسٹڈی روم سے باہر نکلے۔منظور علی بھی ان کے پیچھے بھاگا۔

”حضور! حضور! کہاں جا رہے ہیں آپ ؟ “ دلاور شاہ اس کی کوئی بات نہیں سن رہے تھے۔فلحال ان کے دماغ میں بس فارم ہاؤس چل رہا تھا۔تیز تیز قدم اٹھاتے وہ اپنی گاڑی کی جانب بڑھے۔منظور علی بھاگ کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔جبکہ گارڈز کی دو گاڑیاں ان کی گاڑی کے پیچھے موجود تھیں۔

دلاور شاہ کو چپ سی لگ گئی تھی۔منظور علی کو ان کے ایسے ردِ عمل کی توقع بالکل بھی نہیں تھی۔ اسے کچھ دیر پہلے ہی گارڈز نے آگ لگنے کی اطلاع دی تھی۔اور ساتھ میں یہ بھی بتایا تھا کہ آگ اس قدر شدید تھی کہ اس میں ہر چیز جھلس کر راکھ ہو گئی اور دو ملازمین بھی جھلس چکے تھے۔

دلاور شاہ کے دماغ میں ماضی کے لمحات چلنے لگے۔برا کرنے والے یہ نہیں سوچتے کہ ان کے ساتھ بھی کبھی برا ہو سکتا ہے۔اور یہ ان کے کیے ہوئے گناہوں کی سزا تھی !!مگر یہ سزا تو بہت کم تھی۔ ابھی تو انہیں بہت کچھ دیکھنا تھا۔

گاڑی جیسے ہی فارم ہاؤس پہنچی ان کی آنکھیں بے یقینی سے پھیل گئیں۔پورا فارم ہاؤس جھلس چکا تھا۔ دیواریں کالی سیاہ ہو چکی تھیں۔گاڑی سے نکلتے ان کے قدم لڑکھڑا گئے۔جھلسا ہوا فارم ہاؤس انہیں کچھ سالوں پہلے کی آگ کی یاد دلا رہا تھا۔

کچھ سال پہلے وہ ایسے ہی ایک جھلسے ہوئے گھر کے سامنے کھڑے تھے۔مگر فرق اتنا تھا کہ اس گھر کے اندر ایک انسان جھلس رہا تھا۔کسی کی زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔اور وہ باہر کھڑے اپنا مکروہ چہرہ لیے مسکرا رہے تھے۔فارم ہاؤس سے اٹھتے دھوئیں میں انہیں اس انسان کا چہرہ دکھائی دے رہا تھا ۔جو آج ان پر ہنس رہا تھا۔

وہ لڑکھڑاتے ہوئے قدم اٹھاتے اندر کی جانب بڑھے۔آگ کو بجھا دیا گیا تھا مگر اس سے پہلے ہر چیز جھلس چکی تھی۔وہ تیز تیز قدم اٹھاتے اپنے خاص کمرے کی جانب بڑھے۔راستے میں موجود ہر چیز کو نظرانداز کر کے وہ راکھ پر سے گزرتے اپنے کمرے تک پہنچے۔

منظور علی بھی ان کے پیچھے چل رہا تھا۔مگر اس کمرے کے باہر پہنچ کر انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے وہیں پر روک دیا۔وہ جھلسے ہوئے رازوں کی راکھ بھی کسی کو نہیں دکھانا چاہتے تھے۔کمرے کا دروازہ ڈھے چکا تھا۔ان کی آنکھوں میں نمی چھاگئی۔

اندر داخل ہوتے ان کی نظریں الماری پر پڑی جو راکھ کا ڈھیر بن چکی تھی۔وہ بھاگتے ہوئے اس تک پہنچے اب ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔اس الماری میں ان کی کتنی ہی یادیں دفن تھیں۔آہ ! ان کے دل میں درد اٹھنا شروع ہو گیا۔کسی نے بہت گہرا وار کیا تھا۔

آنکھیں ضبط کے مارے لال ہو گئیں۔جس نے وہ آگ لگائی وہ اسے چھوڑنے نہیں والے تھے۔وہ اس راکھ کے ڈھیڑ میں ہی نیچے بیٹھ گئے۔اور گرم گرم راکھ اپنے ہاتھوں میں بھر لی۔اب وہ دھاڑیں مار کر رو رہے تھے۔ان کی نگاہوں کے سامنے کسی کا لال دوپٹہ آگیا۔وہ بھی جل کر راکھ ہو گیا ہو گا ۔اسی وقت ان کی پاکٹ میں موجود فون پر بیپ کی آواز سنائی دی۔

انہوں نے موبائل نکال کر اپنی نگاہوں کے سامنے کیا۔تو کسی انجان نمبر سے میسج آیا ہوا تھا۔

"بوم!! کیسا لگا سرپرائز ؟ یہ تو ابھی شروعات ہے۔ابھی تم اپنے انجام کا انتظار کرو۔زیادہ دیر تک میں تمہیں زندہ نہیں رہنے دوں گا اور اپنے لاڈلے بیٹے کو ذرا سنبھال کے رکھو۔" وہ فورا ہوش میں آئے۔وہ جو کوئی بھی تھا ان کی کمزوریوں کے بارے میں اچھے سے جانتا تھا۔

" فیصل شاہ! " انہوں نے ٹرانس کی کیفیت میں کہا۔"منظور علی! منظور علی! اندر آؤ۔" باہر موجود منظور علی ہاتھ باندھتا اندر داخل ہوا۔اس نے اس کمرے کی دہلیز آج سے پہلے کبھی پار نہیں کی تھی۔اور جب پار کی تھی تو ہر چیز راکھ ہو چکی تھی۔

" فیصل شاہ کہاں ہیں؟" ان کی بات پر منظور علی چونکا۔

" وہ تو ابھی تک ہسپتال سے واپس نہیں آئے۔" دلاور شاہ کو لگا کہ وہ جو بھی انسان تھا ان کے ساتھ بہت برا کھیل رہا تھا۔

"انہیں لینے کے لیے گارڈز کو بھیجو۔" وہ شکستہ انداز میں وہاں سے باہر نکلے۔انہیں سب سے پہلے اپنے بیٹے کو ان سب سے دور رکھنا تھا۔

ہم پہ لازم ہے سدا ان کو صدائیں دینا

وہ پکاریں گے تو یہ وعدہ خلافی ہو گی

ہم نے تیشے سے پہاڑوں کا بھرم رکھا ہے

ورنہ ان کے لیے اک آہ ہی کافی ہو گی

اس انسان کی کال کے بعد محب ایک فیصلہ کرتا اپنے کمرے سے باہر نکلا۔اب وہ اسرا کی کوئی بات نہیں سنے گا۔اب معاملہ اس کے دل کا تھا۔اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ انسان اسرا کو اس سے بدگمان کرے۔

”اسرا !بس بہت ہو گئی آپ کی منمانی۔اب میں اپنے طریقے سے آپ کو ان سب چیزوں سے باہر نکالوں گا۔“

وہ زینے پھلانگتا مسز رضا کے کمرے کی جانب بڑھا اور دروازہ ناک کر کے کچھ دیر انتظار کیا۔تھوڑی دیر بعد اسے اندر سے مسز رضا کی یس کی آواز سنائی دی تو وہ اندر داخل ہو گیا۔

مسز رضا جو اس وقت اپنے ہاتھوں پر نائٹ کریم لگا رہی تھیں۔اسے اپنے کمرے میں دیکھ کر حیران ہو گئیں۔وہ بہت عرصے بعد ان کے کمرے میں آیا تھا۔وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتا ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

”مجھے ڈاکٹر اسرا سے شادی کرنی ہے۔“ نہ ہی کوئی تمہید باندھی گئی اور نہ ہی کوئی دوسری بات کی گئی۔اس نے دو ٹوک لہجے میں مسز رضا سے کہا جو اس کی بات سنتی ساکت رہ گئیں۔وہ اس کی شادی اپنی بھانجی سے کروانا چاہتی تھیں۔

مگر ان کا بیٹا اتنے دنوں بعد ان کے پاس کوئی مطالبہ لے کر آیا تھا۔وہ اسے خالی ہاتھ نہیں لوٹا سکتی تھیں۔ڈاکٹر اسرا ایک اچھی لڑکی تھی۔یقیناً ایک اچھی بہو بھی ثابت ہو گی۔محب بے تاثر سا ان کے سامنے کھڑا تھا۔کچھ پلوں کے خاموشی کے بعد مسز رضا بولیں۔

”کیا ڈاکٹر راضی ہے؟ “ ان کے سوال پر محب کے ابرو کھڑے ہو گئے۔

” میں کر لوں گا راضی۔آپ بس رشتہ لے کر ان کے گھر جائیں۔“ اس کا لہجہ سرد تھا۔جبکہ مسز رضا کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ ساری بدگمانیاں بھلائے ان کے پاس آیا تھا۔

”کب لے کر جانا ہے؟“ وہ مسکرا کر پوچھ رہی تھیں۔محب ان کی بات پر حیران رہ گیا۔

"میں ڈاکٹر اسرا سے پوچھ کر بتاؤں گا۔" وہ اسرا کو منا لے گا اسی سوچ میں گم وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔اب اس کے چہرے پر ایک پر اسرار سے مسکراہٹ چھا گئی۔اس نے اپنا موبائل نکالا اور ایک نمبر پر میسج سینڈ کیا۔

" یہ مت بھولنا کہ میں تمہارے ہر گناہ کا گواہ ہوں۔اس لیے مجھ سے بچ کر رہو۔" موبائل اپنی پاکٹ میں ڈالتا وہ سرشار سا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کے رازوں اور کمزوریوں کے بارے میں جانتے تھے۔جب کوئی رازدار دوست دشمن بن جائے تو اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے۔وہ وقت آچکا تھا جب محب رضا اسے بتائے گا کہ سرمئی ہونا کیا ہوتا ہے ؟؟

وہ اسرا کی طرح سب کچھ صبر و شکر سے برداشت نہیں کر سکتا تھا۔اور نہ ہی اس انسان کی طرح لوگوں کو قتل کر سکتا تھا۔وہ تو محب رضا تھا سرمئی آنکھوں کے ساتھ ساتھ سرمئی شخصیت والا محب رضا !! وہ انسان سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ کب کیا کر جائے!! اس نے اپنے اصل کو سب سے چھپا

کر رکھا تھا۔وہ اب اس انسان کے خلاف اپنے دماغ کو استعمال کرے گا۔اور جیت صرف اسی کی ہوگی۔

دوسری جانب وہ انسان اپنی بیسمنٹ کچھ گنگناتا جھوم رہا تھا۔آلات ایک دوسرے سے سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔کہ آج اس کو کیا ہو گیا ؟؟نہ ہی وہ اپنی ڈرل کے پاس گیا اور نہ ہی ان کے پاس آیا۔کچھ نہ کچھ تو گڑبڑ تھی۔

" لا۔۔للا۔۔لا۔"وہ اپنی آنکھیں بند کیے جھوم رہا تھا۔جبکہ ایک ہاتھ دل کے مقام پر موجود تھا۔اب وہ تصور میں کسی سے مخاطب ہوا۔

" آپ نے اس کی تباہی دیکھی نا؟ ہا ہا ہا!! "میں اس کو اتنی آسان موت نہیں دوں گا۔بلکہ تڑپا تڑپا کر ماروں گا۔اتنا تڑپاؤں گا کہ وہ مجھ سے موت مانگے گا۔ہاہاہا! اب وہ گھومتا ہوا بول رہا تھا۔

"آپ کو پتہ ہے آج سے میں اپنے انتقام کے اور بھی قریب ہو جاؤں گا۔آپ بس سکون سے اس کا انجام دیکھیے گا۔" وہ اس انسان کو اپنے انجام تک پہنچا کر رہے گا۔

" جیسے اس نے ہمارے گھر میں آگ لگائی تھی نا۔اسی طرح آج میں نے اس کے فارم ہاؤس پر لگوا دی۔اب اسے پتہ چلے گا کہ اپنی عزیز چیزوں کو جھلستا ہوا دیکھنا کس قدر اذیت ناک ہوتا ہے۔"اس کی آنکھیں یکدم سرخ ہو گئیں۔اس انسان نے اس کے گھر کو جلایا تھا۔اس کے رشتوں کو اس سے چھین لیا تھا۔اب وہ اسے چین کی زندگی نصیب نہیں ہونے دے گا۔

" جس وجہ سے اس انسان نے آپ کی جان لی نا۔میں اب اس وجہ کو دوبارہ زندہ کروں گا۔مگر اس دفعہ وہ مرے گا۔میں بہت جلد گڑے مردے اکھاڑ ڈالوں گا۔اس کے رازوں کو دنیا کے سامنے لے آؤں گا۔"اس نے ایک طرف ٹیبل پر پڑی ہوئی فائلز کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔وہ اس انسان کے سارے کالے چھٹے اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔یکدم اس کے تاثرات تبدیل ہو گئے چہرے پر خوشگوار سی مسکراہٹ چھا گئی۔

" آپ کو پتہ ہے آج میرا یہ دل دھڑکا۔وہ بھی ایک لڑکی کو دیکھ کر۔پتہ ہے میں اس لڑکی کو مارنے چلا تھا وہ بھی اپنے ان ہاتھوں سے۔"وہ اپنے ہاتھوں کو غصے سے دیکھتا بولا۔وہ اپنے ان ہاتھوں کو اس لڑکی کے سامنے سزا ضرور دے گا۔اور اسے اپنی دیوانگی کے بارے میں بتائے گا۔

”اور وہ محب رضا میرے راستے میں آ رہا ہے۔میں بتا رہا ہوں اگر اس نے اس لڑکی کو مجھ سے دور کرنے کے بارے میں سوچا بھی تو میں اسے مار ڈالوں گا۔“ اسے معلوم تھا کہ انہیں محب کتنا عزیز تھا ۔

”مجھے پتہ ہے وہ آج بھی آپ کا لاڈلہ ہے۔مگر وہ جان بوجھ کر مجھے روک رہا ہے۔اسے مار کر مجھے سچ میں بہت دکھ ہوگا۔“ ایک لمحے کا وقفہ لیا گیا۔

”اور پتہ ہے آپ کے لاڈلے نے کیا کیا؟؟ مجھے یہاں پر بند کر دیا! مگر اسے کیا پتا تھا کہ یہ سارا سسٹم میرا بنایا گیا ہے۔مجھے سارے لاکس کا معلوم ہے میرے لیے یہاں سے نکلنا مشکل نہیں تھا ۔میں نے بس دوسرا خفیہ دروازہ استعمال کیا اور یہاں سے باہر نکل گیا۔اور اس نے میرا نمبر پولیس کو دے دیا وہ نمبر جو پولیس کو اب کہیں سے بھی نہیں ملنے والا۔۔ہاہاہا!!“

وہ خود کلامی میں مصروف تھا کہ اسے میسج کی بیپ سنائی دی۔سکرین پر محب کا میسج جگمگا اٹھا۔

اس نے غصے سے فون دیوار میں دے مارا۔

"دیکھا آپ نے؟ آپ کے اس لاڈلے سے میری خوشی برداشت ہی نہیں ہوتی۔"اس نے سر جھٹک کر اپنی آنکھیں بند کیں تو سامنے کسی کا مسکراتا چہرہ آگیا۔اب اس کے چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی ۔وہ دوبارہ سے دل پر ہاتھ رکھے جھوم اٹھا۔

دلاور شاہ فارم ہاؤس کے لان میں بیٹھے تھے۔اب وہ دکھ سے باہر نکل چکے تھے۔ان کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔منظور علی ان کے پیچھے ہاتھ باندھے کھڑا ان کے حکم کا انتظار کر رہا تھا۔اس نے گارڈز فیصل کو لینے بھیج دیے تھے۔دلاور شاہ کسی گہری سوچ میں گم تھے۔

"منظور علی! آدمیوں کو بلوا کر فارم ہاؤس کی دوبارہ سے تعمیر شروع کرواؤ۔یہ بات یاد رکھنا کہ سارا ڈیزائن پہلے ہی کی طرح کا ہو۔" منظور علی غور سے ان کی بات سن رہا تھا۔

"مگر اس سے پہلے ارمان احمد کو بلواؤ۔" انہوں نے یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ان کی بات پر منظور علی چونکا۔

" حضور !مگر اسے کیوں؟" اس کی بات پر وہ پراسرار سا مسکرائے۔

"میں ساری پولیس کو اس معاملے میں انوالو نہیں کرنا چاہتا۔اور ایک بات یاد رکھو یہ بات میڈیا تک نہیں پہنچنی چاہیے۔اگر پہنچ بھی جائے تو سب کا منہ بند کروا دو۔میں نہیں چاہتا یہ بات باہر نکلے۔"

اب وہ کرسی سے کھڑے ہو گئے۔اور ایک نظر فارم ہاؤس کی جانب ڈالی۔

اس ایک نظر میں کتنا درد اور کرب تھا۔وہ صرف وہی جانتے تھے۔انہوں نے بہت شوق سے اس فارم ہاؤس کو تعمیر کروایا تھا۔اس کا سارا نقشہ اور ہر چیز انہوں نے اپنی نگرانی میں تیار کروائی تھی۔یہ ان کے خوابوں کی وہ زمین تھی۔جہاں وہ سب کچھ بھول جایا کرتے تھے حتیٰ کہ اپنی سیاست بھی۔یہاں انہیں صرف ایک خاص انسان یاد رہتا تھا۔انہوں نے سر جھٹک کر اپنے قدم گاڑی کی جانب بڑھا دیے۔

پیچھے منظور علی کو ایک گارڈ کی کال آگئی۔وہ کال سنتا ان کے پیچھے چل رہا تھا۔گارڈ نے اسے بتایا کہ فیصل شاہ ان کے ساتھ آنے کے لیے تیار نہیں ہو رہا تھا۔اس سے پہلے کہ دلاور شاہ گاڑی میں بیٹھتے وہ پیچھے سے بولا۔

”حضور !چھوٹے حضور گارڈز کے ساتھ نہیں آرہے۔“ وہ سر ہلاتے ہوئے گاڑی میں بیٹھے اور اپنے موبائل سے فیصل شاہ کو کال کی۔ایک تو ان کا بیٹا بہت ضدی تھا!!

” السلام علیکم !فیصل شاہ !“ انہوں نے سرد لہجے میں کہا تو دوسری جانب گارڈز کے سامنے بیٹھا ہوا فیصل شاہ چونکا۔اسے ان کا لہجہ عجیب سا لگا تھا اور سب سے زیادہ عجیب بات یہ تھی کہ انہوں نے اسے شہزادہ نہیں کہا تھا۔

” وعلیکم السلام بابا !کیا ہوا ہے؟آپ پریشان لگ رہے ہیں!“ اس کی بات پر وہ زخمی سا مسکرائے۔

” بیٹا ! آپ گارڈز کے ساتھ گھر آجائیں۔پھر بات کرتے ہیں۔“ انہوں نے مبہم سا کہہ کر کال کاٹ دی۔اب گاڑی ان کے گھر کی جانب روانہ تھی۔

اسرا پرئینگ روم سے ایک فیصلہ کرتی ڈاکٹر نیلوفر کے پاس پہنچی۔جو فضہ کی چٹیا کر رہی تھیں۔اسے دیکھ کر مسکرائیں۔فضہ کے اٹھنے پر اسرا اس کی چھوڑی ہوئی جگہ پر بیٹھ گئی۔وہ دل میں سوچ رہی

تھی کہ کیا اس نے درست فیصلہ کیا؟ آخر اسے کبھی نہ کبھی آگے بڑھنا ہی تھا۔اب وہ سب کچھ قبول کر سکتی تھی۔ڈاکٹر نیلوفر فضہ کے ساتھ باتیں کر رہی تھیں اور اسرا اپنی ہی سوچوں میں گم تھی۔

اگر آج اس نے یہ قدم نہ اٹھایا تو شائد ساری زندگی نہ اٹھا پائے۔پہلا قدم اٹھانا ہی مشکل ہوا کرتا ہے۔وہ سر جھکائے اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو کھوج رہی تھی۔اس نے آخری دفعہ ان میں کسی کا نام تلاشا۔مگر ہر دفعہ کی طرح اس بار بھی اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔آنکھیں بند کرنے پر وہ منال کے ساتھ مسکراتا ہوا نظر آیا۔وہ زخمی انداز میں مسکرائی۔اس کے لیے اس کی محبت حلق میں پھنسا ہوا کانٹا تھی۔جسے نہ ہی وہ نگل سکتی تھی اور نہ ہی اگل سکتی تھی۔مگر اسے اس محبت کو اپنے دل میں دفن کرنا تھا۔

"اللہ جی! مجھے اپنے فیصلے پر قائم رہنے کی طاقت عطا فرمائیں۔" وہ زیر لب کہہ رہی تھی۔مگر کیا وہ کسی دوسرے انسان کے ساتھ وفا نبھا پائے گی؟

"مما!" اس نے دھیمے لہجے میں بولا مگر ڈاکٹر نیلوفر کے کانوں تک اس کی آواز نہیں پہنچی۔اس نے لمبی سانس بھری۔اور پھر اونچی آواز میں انہیں پکارا۔

”مما! “اس کی اونچی آواز پر وہ دونوں اس کی جانب متوجہ ہو گئیں۔ڈاکٹر نیلوفر اس کے بولنے کا انتظار کر رہی تھیں۔

”میں شادی کرنے کے لیے تیار ہوں۔“ وہ مدھم لہجے میں بولتی ڈاکٹر نیلوفر کو ساکت کر گئی۔انہوں نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔جس کی ان کی جانب پشت تھی۔

”کیا کہا تم نے؟“ ان کی بات پر اس نے لمبی سانس بھری۔

”مما! میں نے کہا کہ میں شادی کے لیے راضی ہوں۔“

ڈاکٹر نیلوفر کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔کیا ان کی بیٹی سچ میں راضی ہو گئی تھی؟

” میں قربان جاؤں ! یہ ہوئی نا اچھی بیٹیوں والی بات!“ فضہ ان کی بات سنتی ہنس پڑی۔اب اسرا کا چہرہ ان کی جانب تھا۔وہ اداس سا مسکرائی مگر اسے اداس نہیں ہونا تھا۔اس کی ماں خوش تھی تو وہ بھی خوش تھی۔

”تو پھر ٹھیک ہے آج جو لڑکا آیا تھا اسے ہاں کر دو۔اسے کہو کہ اپنی ماں کے ساتھ رشتہ لینے آ جائے۔“ ان کی بات پر اسرا چونکی۔اس نے محب کا تو سوچا ہی نہیں تھا۔مگر اسے کسی نہ کسی کے ساتھ تو زندگی گزارنی تھی۔پھر وہ کوئی محب رضا ہی کیوں نہ ہو اسے کوئی فرق نہیں پڑنا تھا!

”اس بات پر تو پارٹی بنتی ہے۔جو آرڈر کرنا ہے وہ کرو۔میں آج بہت خوش ہوں۔بلکہ میں خود ہی آرڈر کرتی ہوں۔“ ڈاکٹر نیلوفر کے چہرے پر سے مسکراہٹ جدا ہی نہیں ہو رہی تھی۔فضہ نے ان کی بات پر سر ہلایا۔اسرا خاموش بیٹھی ان کی خوشی دیکھ رہی تھی۔وہ کتنی خوش لگ رہی تھیں۔انہیں یوں دیکھ کر وہ اپنے سارے ملال بھول گئی۔

بھلا اب وہ ان کو انکار کر کے ان کی یہ خوشی چھین سکتی تھی؟ بالکل بھی نہیں! وہ یوں ہی خاموش بیٹھی رہی۔اس کے دل میں سکون سا بھر گیا تھا۔وہ بے چین نہیں تھی۔

”بچے! نعمان کو بھی یہ خوشخبری سنا دو۔“ ان کی بات پر اسرا نے فضہ کو روکا۔

”رہنے دو۔وہ ابھی گیا ہے۔تھک گیا ہو گا۔“ اسے نعمان کو تنگ کرنا اچھا نہیں لگا۔

"بچے! آپ اس کی بات مت سنو۔جب وہ یہ خوشخبری سنے گا۔تو دوڑتا ہوا یہاں پہنچے گا۔" فضہ ان کی بات سنتی نعمان کو میسج کرنے لگی۔اسرا نے تاسف سے سر ہلایا۔

" اسرا شادی کے لیے تیار ہو گئی ہیں۔ڈاکٹر نیلوفر آپ کو گھر بلا رہی ہیں۔" اور وہ پھر وہی ہوا جو ڈاکٹر نیلوفر نے کہا تھا۔نعمان پانچ منٹ کے اندر اندر اسرا کے سامنے موجود تھا۔

" اسرا یار! کیا میں سچ سن رہا ہوں؟" اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ اداس ہو یا خوش ہو۔اس کی بات پر اسرا نے اپنا سر اثبات میں ہلایا۔نعمان سوچ میں پڑ گیا۔

"ویسے یہ اچھی بات ہے۔آپ کو بھی اپنی زندگی میں آگے بڑھنا چاہیے۔" آرڈر پہنچ چکا تھا۔اس لیے نعمان باہر سے چیزیں لینے گیا۔جبکہ ڈاکٹر نیلوفر کسی کام کے سلسلے میں اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔

پیچھے اسرا اور فضہ اکیلی رہ گئیں۔اسرا نے لمبی سانس بڑھتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔

"کیا کسی کی محبت کو قبول کرنا مشکل ہوتا ہے؟" فضہ کے سوال پر اسرا نے اپنی آنکھیں کھولیں اور نفی میں سر ہلایا۔اس کی نگاہیں کسی غیر مرئی مقام کو تک رہی تھیں۔

"نہیں ! کسی من چاہے انسان کی محبت کو دفن کر کے ان چاہے انسان کی محبت کو قبول کرنا مشکل ہوتا ہے۔۔" اس کی بات فضہ کے سر کے اوپر سے گزر گئی تھی۔مگر پھر بھی اس نے سر ہلایا۔کچھ دیر بعد نعمان بھی واپس آ چکا تھا۔

اب کہ ہم بچھڑے تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں

جس طرح سوکھے ہوئے پھول کتابوں میں ملیں

ڈھونڈ اجڑے ہوئے لوگوں میں وفا کے موتی

یہ خزانے تجھے ممکن ہے خرابوں میں ملیں

اسرا رات کو اپنے کمرے میں گئی۔تو سب سے پہلے اس نے محب کو میسج سینڈ کیا۔

"مسٹر محب! میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔کیا آپ کل ہاسپٹل آ سکتے ہیں؟ " اس نے لمبی سانس بھری اور بیڈ پر بیٹھ گئی۔

اب اسے اس انسان کے بارے میں نہیں سوچنا تھا۔جس کے ساتھ رہنا تھا اس کا وفادار بن کے رہنا تھا۔وہ کسی بھی رشتے میں کوئی خیانت نہیں کرنا چاہتی تھی۔جن رشتوں میں خیانت نظر آنا شروع ہو جائے۔وہ اپنی بنیاد کھو دیتے ہیں۔اور معلوم ہے رشتوں کی بنیاد کیا ہوتی ہے ؟؟اعتماد !یقین ! ایک دوسرے پر یقین کرنا۔کوئی لاکھ برا کہے مگر اس انسان پر آنکھیں بند کر کے یقین کرنا۔مگر بعض اوقات یہی یقین ہمیں تباہی کے دہانے پر لے جاتا ہے۔یہ تب ہوتا ہے جب ہم حرام رشتوں پر آنکھیں بند کر کے یقین کرتے ہیں اور حرام رشتے کون سے ہوتے ہیں ؟؟نامحرم لوگوں کے ساتھ رشتے حرام ہوتے ہیں۔یقین ہمیں پار بھی لگاتا ہے اور ڈوبا بھی دیتا ہے۔بس ہمیں یہ چننا ہوتا ہے کہ ہمیں کس پر یقین کرنا ہے۔

دوسری جانب محب کو اسرا کا میسج دے کر خوشگوار حیرت ہوئی۔وہ اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا ۔اسرا اسے ملنے کے لیے بلا رہی تھی۔اس نے نہ جانے کتنی دفعہ اس کا میسج پڑھا۔اسے یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ اسرا نے اسے یہ میسج کیا تھا۔

”ڈاکٹر اسرا! کیا آپ نے غلطی سے مجھے میسج تو نہیں کر دیا؟“ اسرا آنکھیں موندیں کچھ سوچنے میں مصروف تھی۔جب اسے میسج کی بیپ سنائی دی۔ میسج پڑھ کے اس کا دماغ گھوم گیا۔کیا وہ اس انسان کے ساتھ ساری زندگی گزار پائے گی؟

” مسٹر محب ! میں نے میسج میں آپ کا نام بھی لکھا تھا۔ذرا دھیان سے دیکھیے۔“ اس کے میسج پر محب نے اپنا کان کھجایا۔اس نے اپنا نام تو دیکھا ہی نہیں تھا !

”اوکے۔ڈاکٹر! میں آجاؤں گا۔جب جب آپ بلائیں گی تب تب میں آپ کے پاس حاضر ہوں گا۔“ وہ مسکرا کر ٹائپنگ کر رہا تھا۔

”ہمم۔“ اسرا اب اس سے کوئی بحث نہیں کرنا چاہتی تھی۔

” ڈاکٹر! مجھے بھی آپ سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔“ وہ اس سے رشتے کے متعلق بات کرنا چاہتا تھا۔ساتھ ہی ساتھ وہ پریشان بھی تھا کہ وہ اسرا کو کیسے منائے گا؟ اتنا تو وہ بھی جانتا تھا کہ اسرا جلدی نہیں مانے گی۔

”کل کو کر لیجیے گا۔اللہ حافظ!“ اب وہ موبائل ہاتھ میں پکڑے اس کی سیاہ سکرین کو گھور رہی تھی۔

"اللہ جی! اتنا حوصلہ کہاں سے لاؤں؟ میری مدد فرمائیں۔میرا دل کبھی کبھی پھٹنے کو آ جاتا ہے۔پلیز میری مدد فرمائیں۔" یہ نہیں تھا کہ وہ اس فیصلے کو تبدیل کرنا چاہتی تھی۔وہ تو اپنے دل کی وجہ سے پریشان تھی۔کیا اس کا دل یہ سب کچھ برداشت کر پائے گا؟

اس کا دماغ اکثر اس کے دل سے اس بات پر جھگڑتا تھا کہ وہ اس انسان کو کیوں سوچتا تھا۔جو اسے تکلیف دیتا تھا۔اس کا دل چپ سا ہو جاتا تھا۔آج اس کے دماغ کو سمجھ آئی کہ دل کا اس بات پر کوئی اختیار کبھی تھا ہی نہیں! وہ تو بیچارہ ہر طرف سے چکی میں پستا تھا۔دل کا درد بہت برا ہوا کرتا ہے۔جو انسان ایک دفعہ اس درد میں مبتلا ہو جائے پھر اس کو نجات ملنا بہت مشکل ہوتا ہے! مگر ناممکن نہیں!

اس نے لمبی سانس بھری اور پھر نماز پڑھنے کے لیے اٹھ گئی۔

”حضور! حضور! چھوٹے حضور کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔“ دلاور شاہ کو ایسا لگا جیسے کسی نے ان کے جسم سے روح کھینچ لی تھی۔وہ جو چل رہے تھے لڑکھڑا کر نیچے گر گئے۔منظور علی نے جلدی سے انہیں نیچے سے اٹھایا۔

”جلدی چلو۔مجھے فیصل شاہ کے پاس لے چلو۔“ ان کی نگاہوں کے سامنے فیصل شاہ کا چہرہ آگیا۔منظور علی انہیں سنبھالتا ہوا گاڑی کی جانب لے گیا۔گاڑی میں بیٹھے وہ فیصل شاہ کے متعلق سوچ رہے تھے کہ ان کے موبائل پر کال آنی شروع ہو گئی۔سکرین پر کوئی انجان نمبر جگمگا رہا تھا۔انہوں نے کال اٹینڈ کر کے فون اپنے کان کے ساتھ لگایا۔

”کیسا لگا دوسرا سرپرائز ؟“ دوسری جانب وہ انسان سرشار سا مسکرا رہا تھا۔” لا۔للا۔لا۔۔۔“

”بکواس بند کرو۔کون ہو تم اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟“ وہ اپنی پوری قوت سے چلائے۔ان کی بات پر اس انسان نے قہقہہ لگایا۔

" صرف تمہاری بربادی اور تمہاری موت چاہتا ہوں اور رہی بات یہ کہ میں کون ہوں تو وہ بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا۔" وہ سرد لہجے میں بولا تو انہوں نے جھرجھری لی۔منظور علی خاموشی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔

" فیصل شاہ کا کیا قصور تھا؟ اس نے تمہارا کیا بگاڑا ہے اسے کچھ مت کرو۔"وہ شکستہ لہجے میں بولے۔ ان کے بیٹے میں ان کی جان بستی تھی۔

"اس کا یہ قصور ہے کہ وہ تمہارا بیٹا ہے۔مگر تم فکر نہ کرو اسے بھی آسان موت نہیں دوں گا۔" تڑپا تڑپا کر ماروں گا۔اس کے بے تاثر لہجے میں کہی جانے والی بات پر انہوں نے اپنی آنکھیں میچ لیں۔ انہیں پہلی دفعہ اپنے جرموں پر پچھتاوا ہو رہا تھا۔جب تک عذاب نہ آئے تب تک گناہوں کا احساس نہیں ہوتا اور ان پر عذاب کا وقت آ چکا تھا۔

"اگلے سرپرائز کے بعد پھر بات ہوگی۔ہاہاہا!! " وہ قہقہہ لگاتا کال بند کر گیا۔پیچھے دلاور شاہ نے اپنا سر پکڑ لیا۔

”حضور کون تھا وہ؟“ منظور علی نے ان کی یک طرفہ باتیں سنی تھیں۔جس سے اسے یہی پتہ لگا تھا کہ کوئی ان کا دشمن تھا۔

”وہی جو یہ سب کچھ کروا رہا ہے۔“ وہ بے بسی سے بولے۔

” ہم پولیس کو اطلاع کیوں نہیں کر رہے؟“ اس کی بات پر انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

”میں نہیں چاہتا کہ میرے راز کسی کے سامنے بھی عیاں ہوں۔“ رازوں کو دیوار کے پار ہی رہنا چاہیے۔ورنہ وہ کب تباہی مچا دیں۔ہمیں پتہ ہی نہ چلے۔انہوں نے گاڑی کی سیٹ کے ساتھ ٹیک لگا لی۔

منظور علی حیران ہوا کہ وہ کن رازوں کی بات کر رہے تھے!!

” ارمان احمد کو کب بلوانا ہے؟“

” کل صبح۔گاڑی تیز چلاؤ۔“ کچھ دیر بعد منظور علی نے گاڑی ہاسپٹل کی پارکنگ لاٹ میں پارک کی تو وہ جلدی سے گاڑی سے اترے اور اندر کی جانب بڑھے۔فیصل شاہ اس وقت آئی۔سی۔یو میں موجود تھا۔ڈاکٹرز کے مطابق اس کی چوٹیں تھوڑی گہری تھیں۔مگر زیادہ خطرے کی بات نہیں تھی۔

دلاور شاہ کے دل کو یہ سن کر قرار سا آ گیا۔اس انسان سے بات کرنے کے بعد انہوں نے اپنے سارے گناہوں اور جرموں کو اپنے دماغ میں دہرایا۔اسے کسی سے بھی اس انسان کا تعلق نظر نہیں آرہا تھا۔اتنا تو طے تھا کہ وہ جو بھی تھا ان سے کوئی بدلہ لے رہا تھا۔وہ کل ہی ارمان احمد سے بات کر کے اس انسان کو ڈھونڈنے کی کوشش کریں گے۔

اسرا صبح تیار ہو کر ہاسپٹل پہنچی تو محب پہلے سے ہی اس کے روم کے باہر بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے چلتے قدم رک گئے۔محب اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔وہ لیونڈر کلر کے سوٹ میں ملبوس تھی۔ جبکہ پنک دوپٹا ہمیشہ کی طرح حجاب کی صورت میں سر پر موجود تھا۔

محب کی صبح اسے دیکھ کر یکدم سے خوشگوار ہو گئی۔

"السلام علیکم ! ڈاکٹر! کیسی ہیں آپ؟" وہ بشاشت لیے بول رہا تھا۔

"وعلیکم السلام ! الحمد اللہ !" وہ کمرے کی جانب بڑھ رہی تھی۔جبکہ محب بھی اس کے پیچھے اندر چلا آیا۔اسرا نے ایک سرسری سی نگاہ اس پر ڈالی۔اور اپنی کرسی پر بیٹھ گئی۔وہ نیلے رنگ کی شرٹ اور

بلیک جینز میں ملبوس تھا۔بالوں کو جیل کی مدد سے سیدھا کیا گیا تھا۔پاؤں میں موجود کالے جوگر جگمگا رہے تھے۔کافی تیاری کر کے آیا تھا۔محب بھی اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

اسرا اپنے دماغ میں الفاظ کو ترتیب دے رہی تھی۔جبکہ محب اسے خاموشی سے دیکھنے میں مصروف تھا۔اسرا اس کی بولتی نگاہوں سے تنگ آرہی تھی۔"مسٹر محب ! پہلے آپ بات کریں۔پھر میں کروں گی۔" اس کے بولنے پر وہ ہوش میں آیا۔پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں ڈاکٹر اسرا پہلے آپ بات کریں گی۔پھر میں کروں گا۔" اس کی بات پر اسرا نے لمبی سانس بھری اور ایک نظر چھت کی جانب ڈالی۔

" مسٹر محب ! میں شادی کے لیے تیار ہوں۔آپ مسز رضا کو میرے گھر لا سکتے ہیں۔" اس کی بات پر محب ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔کیا اس نے صحیح سنا تھا؟

" ڈاکٹر اسرا ! آپ نے کیا کہا ؟ اس کی بات سن کر اسرا نے اپنی آنکھیں گھمائیں۔ان سب کو پہلی دفعہ میں اس کی بات سمجھ میں کیوں نہیں آرہی تھی؟

”وہی جو آپ کو کچھ دیر پہلے سنائی دیا۔میرے دوبارہ کہنے سے بات تبدیل نہیں ہو جائے گی۔“ اس نے بے تاثر لہجے میں کہا تو وہ کھسیانہ سا ہنستا ہوا دوبارہ بیٹھ گیا۔اس کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ اونچی آواز میں چینختا کہ اسرا شادی کے لیے مان گئی تھیں۔

وہ تو پریشان تھا کہ اسرا کو کیسے منائے گا؟ مگر وہ تو پہلے سے ہی مان گئی تھی۔

” یا اللہ !تیرا شکر ہے۔“

” مسٹر محب ! آپ کو بھی مجھ سے کوئی بات کرنی تھی نا ؟“ محب کی سرمئی آنکھیں جگمگا اٹھیں۔اس کی بات سنتے ہی محب نے اپنا ابرو کھجایا۔

”دراصل میں یہی کہنا چاہتا تھا کہ میں اپنی مام کو آپ کے گھر لانا چاہتا ہوں۔“اس کی بات پر اسرا نے حیرانی سے اس کی جانب دیکھا۔سنہری آنکھیں پھیل چکی تھیں۔

”مسٹر محب! آپ ایسا کیسے۔۔“ محب نے اس کی بات بیچ میں ہی کاٹ دی۔

” جب آپ پر حملہ ہوا تھا نا تو ایک لمحے کے لیے مجھے لگا کہ میری جان نکل گئی ہے۔“وہ اپنے لہجے میں شدت بھرتا اس سے مخاطب ہوا۔اسرا نے اس کی بات سن کر اپنا سر جھٹکا۔

" مسٹر محب !جان صرف ایک لمحے میں ہی نکلتی ہے۔چاہے پھر وہ ایک لمحہ خوشی کا ہو ، درد کا ہو یا پھر ڈر کا ہو۔آپ نے کبھی سنا ہے کہ ایک انسان کی جان دو لمحوں میں نکلی ہو ؟ " اس کی بات پر محب نے میکانکی انداز میں اپنا سر نفی میں ہلایا۔

"مسٹر محب صرف ایک لمحہ لگتا ہے ہماری روح کو جسم سے جدا ہونے میں۔صرف ایک لمحہ! اور پھر ہم سوائے بے جان جسم کے کچھ نہیں رہتے۔خیر چھوڑیں ان باتوں کو۔۔"

اسرا کو اس سے کچھ خاص بات کرنی تھی۔

" مسٹر محب ! میں آپ کو محبت کی گارنٹی نہیں دے سکتی کہ میں آپ سے محبت کروں گی یا نہیں۔"

یہ وہ بھی جانتا تھا کہ اسرا اس سے محبت نہیں کر پائے گی۔

" آپ کو معلوم ہے کہ ایک مرد کو کیا چاہیے ہوتا ہے؟" محب کے مسکرا کر بولنے پر اسرا نے سر اٹھایا۔اس کے ابرو سوالیہ انداز میں اٹھے ہوئے تھے۔

" وفا۔۔اور مجھے یقین ہے کہ میرے لیے آپ سے بڑھ کر کوئی وفادار نہیں ہو گا۔" اس کی بات پر اسرا نے سر ہلایا۔

”مجھے یقین ہے کہ آپ کو کبھی نہ کبھی مجھ سے محبت نہ سہی مگر میری عادت تو ہو جائے گی۔اس لیے آپ فکر مت کریں۔آپ کو پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“اس کی بات پر اسرا نے پہلی دفعہ اسے مشکور نظر سے دیکھا تو محب نے اپنا ہاتھ دل کے مقام پر رکھ کر سر کو ہلکا سا خم دیا۔

” میں پھر مام کو آپ کے گھر کب لے کر آؤں ؟“ وہ بہت خوش تھا۔اس کی مراد پوری ہونے والی تھی۔وہ اب اسرا کو اس انسان سے بچا لے گا۔

”جب مرضی آ جائیں۔“ اس نے موبائل پر ٹائم دیکھتے ہوئے کہا۔

”مسٹر محب میرے پیشنٹ کے آنے کا وقت ہو گیا ہے۔ہم پھر ملیں گے۔“ محب اس کی بات سن کر کھڑا ہو گیا۔

”فی امان اللہ ! ڈاکٹر! اپنا خیال رکھیے گا۔“ وہ یہ کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

ایسا ہے کہ سب خواب مسلسل نہیں ہوتے

جو آج تو ہوتے ہیں مگر کل نہیں ہوتے

کچھ مشکلیں ایسی ہیں کہ آسان نہیں ہوتیں

کچھ ایسے معمے ہیں کبھی حل نہیں ہوتے

"تو آپ کے کہنے کا مطلب ہے کہ کوئی آپ کو اور آپ کے بیٹے کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے؟" ارمان ،دلاور شاہ کے سامنے ان کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا تھا۔وہ رات کو ہی فیصل شاہ کو گھر لے آئے تھے اور اس کی دیکھ بھال کا انتظام گھر میں ہی کر لیا گیا تھا۔وہ اب اس کی سکیورٹی کے معاملے میں کوئی کمپرومائز نہیں کر سکتے تھے۔

دوسروں کی کمزوریوں کی ٹوہ میں رہنے والوں کو اپنے کمزوریوں کے بارے میں بھی سوچنا چاہیے۔اس کے سوال پر دلاور شاہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

" ویٹ آ سیکنڈ۔" ارمان کے دماغ میں کچھ کلک ہوا۔دلاور شاہ کا بیٹا تو فیصل شاہ تھا۔ڈاکٹر فیصل شاہ۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ قاتل ہی دلاور شاہ کا بھی دشمن ہے۔اس نے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرا اور پاکٹ میں سے اپنا موبائل نکال کر بچھو والی گھڑی کی تصویر دلاور شاہ کو دکھائی۔

"کیا آپ اس گھڑی کو جانتے ہیں ؟ " وہ اپنے گھنے ابرو اکٹھے کیے ان سے سوال کر رہا تھا۔اس تصویر کو دیکھتے ہی ان کے گلے میں گلٹی نمودار ہوئی۔آنکھوں میں ڈر سا نظر آنے لگا۔بھڑکتی ہوئی آگ ان کی نظروں کے سامنے آگئی اور چہرہ ساکت ہو گیا۔ارمان غور سے ان کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔وہ اس گھڑی کے بارے میں کچھ نہ کچھ تو ضرور جانتے تھے۔

" دلاور سر! " اس کے بلانے پر انہوں نے سہمی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا اور نفی میں سر ہلایا دیا۔انہوں نے اپنے چہرے پر آیا ہوا پسینہ صاف کیا۔ان کے چہرے سے واضح پتہ لگ رہا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔اس نے لمبا سانس کھینچا اور موبائل سامنے میز پر رکھ دیا۔اب وہ اپنی کہنیاں گھٹنوں پر رکھے تھوڑا آگے کو جھکا اور ان کی انکھوں میں جھانکا۔وہ اس کی تیکھی نگاہوں سے گھبرا گئے۔

" دیکھیے دلاور سر ! اگر آپ میری مدد چاہتے ہیں تو آپ کو مجھے سچ بتانا ہوگا۔" سرد لہجے میں کہا گیا۔ مگر دلاور شاہ نے اب اپنے تاثرات نارمل کر لیے تھے۔وہ اپنے راز کبھی کسی کے سامنے نہیں کھولیں گے۔

”میں واقعی میں نہیں جانتا کہ یہ گھڑی کس کی ہے۔“ ان کی بات پر ارمان نے سر ہلایا۔اگر وہ نہیں بتانا چاہتے تھے تو نہ بتائیں۔وہ خود ہی پتہ لگوا لے گا۔

”آپ کو جس نمبر سے کال اور میسجز آئے ہیں کیا آپ نے ان کی لوکیشن چیک کروائی؟ “ اس نے بھی اس نمبر کی لوکیشن ٹریس کرنے کی کوشش کی تھی جو محب نے اسے دیا تھا مگر کامیاب نہ ہو پایا۔

اس کی بات پر دلاور شاہ نے تھکے ہوئے انداز میں نفی میں سر ہلایا۔

” آپ کو پتہ ہے ایک چالاک دشمن سب سے پہلے آپ کی کس چیز پر وار کرتا ہے؟ “ اس کی تیکھی نگاہیں دلاور شاہ کے اندر تک اتر رہی تھی۔دلاور شاہ اس کے سوال کا جواب جانتے تھے۔

”کمزوریوں پر۔“ ان کی بات پر ارمان مسکرایا اور پھر اپنی شہادت کی انگلی سے اپنے کنپٹی پر دستک دی۔”اعصاب پر۔۔ایک چلاک دشمن پہلے آپ کے اعصاب پر حملہ کرتا ہے۔اور وہ انسان آپ کے اعصاب پر حملہ کر چکا ہے۔“ اس کی بات پر وہ چونکے۔جبکہ ارمان مسکراتا ہوا انہیں دیکھ رہا تھا۔

”میں آج جس دلاور شاہ کے سامنے بیٹھا ہوں۔وہ کل والے دلاور شاہ ہرگز نہیں ہیں۔وہ آپ کو ڈرا کر آپ کے اعصاب کو کمزور بنا رہا ہے۔تاکہ آپ جلد ہی اس کے آگے ہار مان جائیں۔“ وہ درست

کہہ رہا تھا کل والا تکبر، غرور ان میں آج نظر نہیں آرہا تھا۔آج ان کے چہرے پر نہ ہی کل والی وہ مسکان تھی اور نہ ہی وہ غرور تھا۔انہیں اپنے آپ کو مضبوط ظاہر کرنا تھا۔

" وہ گھڑی کی تصویر تمہیں کہاں سے ملی؟" اب وہ ٹانگ پر ٹانگ جمائے ،گردن سیدھی کیے اس سے سوال کر رہے تھے۔ارمان ان کے انداز پر مسکرایا۔

"آپ کے بیٹے کو وہ گھڑی آپ کے گھر سے ملی تھی۔" دلاور شاہ سوچ میں گم ہو گئے۔یہ گھڑی ان کے گھر میں کیا کر رہی تھی؟؟

" میرے گھر سے ؟"

"جی! کیا انہوں نے آپ کو بتایا تھا کہ انہیں شک ہے کہ ان پر کسی نے حملہ کرنے کی کوشش کی ہے؟" دلاور شاہ نے اثبات میں سر ہلایا۔انہوں نے اس بات کو فیصل شاہ کا وہم سمجھا تھا۔مگر اس رات کے بعد سکیورٹی کو ٹائٹ کر دیا گیا تھا۔

" اسی رات انہیں یہ گھڑی اپنے گھر کے لان کی دیوار کے پاس گری ہوئی ملی۔اور مجھے نہیں لگتا یہ کوئی اتفاق تھا۔" ارمان کسی سوچ میں کھویا ہوا بول رہا تھا۔"کسی نے جان بوجھ کر یہ گھڑی وہاں رکھی

تھی تاکہ وہ اپنی پہچان بتا پائے۔" دلاور شاہ کا سانس وہیں اٹک گیا۔انہوں نے تو اس انسان کو مارا تھا مگر باقی گواہ تو زندہ تھے نا ! مگر وہ لوگ تو ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے! نہیں! وہ لوگ نہیں ہو سکتے۔یہ کوئی اور تھا۔وہ ارمان کے چہروں کو غور سے دیکھ رہے تھے۔جبکہ وہ اپنی سوچوں کو چہرے پر نہیں لا رہے تھے۔

" میں اب آپ سے ایک آخری بات پوچھنا چاہتا ہوں۔" وہ سرد لہجے میں بولا تو وہ اپنی سوچوں سے باہر نکلے۔اور اثبات میں سر ہلا کر گویا اسے سوال پوچھنے کی اجازت دی۔

"آپ نے مجھے ہی اس معاملے میں انوالو کیوں کیا؟ آپ کسی اور سے بھی تو مدد مانگ سکتے تھے۔" اس کا لہجہ کچھ کھوجتا ہوا تھا۔اس کی بات پر دلاور شاہ کے تاثرات سرد ہو گئے۔

" میں تم سے مدد نہیں مانگ رہا بلکہ تمہیں ایک ٹاسک دے رہا ہوں۔جس کا تمہیں معاوضہ بھی دیا جائے گا۔" ان کی بات پر ارمان کے ابرو اٹھ گئے۔

" اوہ! تو آپ اپنی اور اپنے بیٹے کی جان کی قیمت ادا کریں گے!" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا۔

"بتائیں کتنی قیمت ہے آپ کی جان کی ؟" وہ تیکھے لہجے میں ان سے سوال کر رہا تھا۔دلاور شاہ کا چہرہ خفت سے سرخ پڑ گیا۔

"شٹ اپ۔ارمان احمد!" ان کی بات پر ارمان کا چہرہ سپاٹ ہو گیا۔

"مسٹر دلاور شاہ! ارمان احمد کسی کی جان بچانے کا کوئی معاوضہ نہیں لے گا۔اس لیے اپنے پیسے اپنے پاس سنبھال کر رکھیں۔" وہ سرد لہجے میں بولتا انہیں ساکت کر گیا۔ان کا سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

"کیا اب آپ میرے سوال کا جواب دیں گے کہ میں ہی کیوں ؟" وہ جھنجھلاہٹ کا شکار ہو رہا تھا۔

"کیونکہ مجھے تمہاری قابلیت پر پورا یقین ہے۔تم اس انسان تک ضرور پہنچ جاؤ گے۔" ان کے چہرے پر اب مدھم مسکراہٹ تھی۔ان کی بات پر ارمان نے سر ہلایا۔مگر وہ ان کے جواب سے مطمئن نہیں ہوا تھا۔ڈیپارٹمنٹ میں اور بھی ذہین اور قابل آفیسرز موجود تھے۔پھر انہوں نے اس کام کے لیے اسے ہی کیوں چنا؟ خیر وہ یہ وہم کیوں پال رہا تھا ؟ وہم تو انسان کی باقی ساری حسوں کو مفلوج کر دیتا ہے۔وہم کا علاج صرف موت ہے۔

"آپ اپنے بیٹے کی سیکیورٹی کا خاص خیال رکھیں۔میں چلتا ہوں۔" وہ سن گلاسز پہنتا باہر نکل گیا۔اب اس کی گاڑی کا رخ ہاسپٹل کی جانب تھا۔اسے اسرا سے حارث کے متعلق بات کرنی تھی۔وہ انسان اسے ٹھیک نہیں لگا تھا۔وہ اپنا سارا ماضی بھلائے آج اس سے بات کرنا چاہتا تھا۔وہ اپنی زندگی میں آگے بڑھ رہا تھا۔اسے سب کچھ بھولنا ہی ہو گا۔

اسرا اپنے روم میں بیٹھی تھی کہ اسے فضہ کا میسج موصول ہوا۔

"اسرا! مجھے حارث تنگ کر رہا ہے۔" اسرا نے اپنے سر پر ہاتھ مارا۔وہ اس معاملے کو تو بھول ہی گئی تھی۔

" آپ مجھے اس کے سکرین شاٹس سینڈ کریں۔" اس نے فوراً سے فضہ کو میسج کیا۔کچھ دیر بعد فضہ نے اسے سکرین شاٹس بھیج دیے تھے۔وہ نعمان کے ذریعے یہ ارمان تک پہنچائے گی۔ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ سکرین پر نعمان کا نمبر جگمگانے لگا۔اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"السلام علیکم اسرا!" وہ اچھے موڈ میں لگ رہا تھا۔

" وعلیکم السلام ! کیسے یاد کر لیا مجھے ؟ "وہ اپنی راکنگ چیئر سے ٹیک لگائے اسے گھمانے لگی۔

"یار اسرا ! ایک اجازت چاہیے تھی۔" وہ اپنے کمرے کی کھڑکی کے سامنے کھڑا تھا۔

" ہمم۔۔"

"کیا میں فضہ کو اپنے ساتھ کہیں لے کر جا سکتا ہوں؟" وہ ہچکچاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"نہیں! " دوسری جانب سے کھٹاک سے جواب آیا۔جسے سن کر نعمان کا منہ بن گیا۔

"کیوں اسرا؟ وہ جھنجھلا کر پوچھ رہا تھا۔اسرا نے لمبی سانس کھینچی۔

" نعمان تمہاری حرکتیں دن بدن خراب ہو رہی ہیں۔سدھر جاؤ۔ورنہ اگر میں سدھارنے پر آئی تو تمہیں اچھا نہیں لگے گا۔" وہ سخت لہجے میں بولی تو نعمان نے اپنے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

" استغفراللہ۔ اسرا ! میں نے کون سی غلط حرکتیں کی ہیں؟ ذرا مجھے بھی بتائیے۔" ایک ہاتھ میں موبائل پکڑے دوسرے ہاتھ کو کمر پر رکھے وہ لڑاکا عورتوں کی طرح بولا۔

”یہ جو تم چھپ چھپ کر فضہ کو دیکھتے ہو نا یہ والی حرکتیں ! “ اس سے پہلے کہ تمھاری آنکھیں تمہارے دل پر لگامیں ڈالیں ان پر لگامیں ڈال لو۔“ وہ تنبیہ والے انداز میں بولی تو نعمان نے اپنے آپ سے بھی نظریں چرائیں۔

” اسرا !! یہ میرے بس سے باہر کی بات ہے۔“وہ دھیمے لہجے میں بولا جیسے کسی جرم کا اعتراف کر رہا ہو۔”جیسی تمہاری مرضی! پھر یہ مت کہنا کہ آپ نے وارن نہیں کیا تھا۔ویسے فضہ کو کہاں لے کر جانا تھا؟“ وہ کچھ دنوں سے نوٹ کر رہی تھی کہ نعمان فضا کو چھپ چھپ کر دیکھ رہا تھا۔اسے معلوم ہو گیا تھا کہ اس کے دل میں فضہ کے لیے جذبات پیدا ہونے شروع ہو چکے تھے۔

”اپنا اپارٹمنٹ دکھانا تھا۔“وہ منہ بسورتے ہوئے بولا۔اس کو بابا جان نے ایک اپارٹمنٹ لے کر دیا تھا۔جو اس کے نام پر تھا۔وہ فضہ کو وہی دکھانے لے کر جانا چاہتا تھا۔اس کی بات سن کر اسرا کے ابرو کھڑے ہو گئے اور لب اوہ کی شکل میں ڈھل گئے۔یقیناً اس نے کل کو ان کی باتیں سن لی تھیں

۔

”اسرا ! کیا آپ کو مجھ پر یقین نہیں ہے ؟“ اس کی بات پر اسرا نے لمبی سانس کھینچی اور اوپر کی جانب دیکھا۔وہ اس کا محرم نہیں تھا۔وہ اس پر آنکھ بند کر کے بھروسہ نہیں کر سکتی تھی۔مگر وہ اس کے بہت سے رشتوں سے بہتر تھا۔اس کے سوال کا جواب دینا بہت مشکل تھا۔

”نعمان! مجھے دنیا پر یقین نہیں ہے۔“ اس نے نہ ہی اس کی بات کا اقرار کیا تھا اور نہ ہی تردید کی تھی۔نعمان کے اندر کچھ چھن سے ٹوٹا۔اس کا دل بھاری ہو گیا۔اسرا نے اس کے سوال کا جواب نہیں دیا تھا۔وہ خاموش سا رہ گیا۔

نعمان!! کچھ ساکت پلوں کے بعد اسرا نے خاموشی توڑی تو وہ ہوش میں آیا۔اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

”کاش ! اسرا ! اللہ نے مجھے آپ کا بھائی بنایا ہوتا۔کاش!“ اس کے لہجے میں ایک حسرت تھی۔ایک آنسو پلکوں کی باڑ کو توڑتا نعمان کے رخسار پر بہہ گیا۔اسرا اس کی بات سن کر ساکت ہو گئی۔

”اللہ حافظ! اسرا ! اپنا خیال رکھیے گا۔“ اس کی آواز جذبات سے بوجھل لگ رہی تھی۔اب اس میں بات کرنے کی اور سکت نہیں تھی۔اس نے کال کاٹ دی اور وہیں کھڑکی کے ساتھ زمین پر بیٹھ گیا۔

"اللہ !" اس نے دل پر ہاتھ رکھ کر اس ذات کو پکارا۔جب انسان کے پاس بولنے کے لیے کوئی الفاظ نہ ہوں تو اس کے پاس صرف ایک یہی لفظ اللہ بچتا ہے۔

ہاسپٹل کے باہر محب اپنی گاڑی کی جانب جا رہا تھا کہ اسے ارمان اپنی گاڑی سے نکلتا نظر آیا۔اس کے چہرے پر ناگواری پھیل گئی۔وہ وہاں کیا کر رہا تھا؟ کہیں پھر سے اسرا کو تنگ کرنے تو نہیں آیا تھا۔اب ارمان ہاسپٹل کے اندر جا رہا تھا۔محب بھی اس کے پیچھے اندر چلا گیا۔ارمان اسرا کے کمرے کی جانب بڑھتا گیا۔جبکہ محب اس کا پیچھا کر رہا تھا۔اس کا شک یقین میں بدل گیا۔

اب اسرا اس کی زندگی سے نکل گئی تھی۔پھر وہ کیوں بار بار اس کو سب یاد دلانے آجاتا تھا۔اسے اسرا کو نہ صرف اس انسان سے ہی نہیں بلکہ اس ارمان احمد سے بھی دور رکھنا تھا۔

ارمان اسرا کے کمرے کے نزدیک پہنچ چکا تھا۔مگر محب بھاگ کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ارمان چونک کر رک گیا۔پھر اسے دیکھ کر اپنا ناک چڑھایا اور اپنی سن گلاسز اتار کر پاکٹ میں ڈال لیں

بھوری اور سرمئی آنکھیں ایک دوسرے کو گھور رہی تھیں۔دونوں کی آنکھوں میں ایک دوسرے کے لیے غصہ تھا۔

" آپ یہاں کیا کر رہے ہیں ؟" ارمان نے اس کی بات پر اپنی آنکھیں گھمائیں۔

" لڑکے ! میں تمہیں جوابدہ نہیں ہوں۔" سخت لہجے میں کہا گیا۔

"میرا نام محب رضا ہے۔" اس کا لہجہ بے تاثر تھا۔اسے اب یہ انسان اسرا کی زندگی میں نہیں دیکھنا تھا۔اسے دیکھ کر اس کے سینے میں ایک جلن سی ہونا شروع ہو جاتی تھی۔

" تم نے مجھے اپنا نام بتانے کے لیے یہاں روکا ہے؟" اس نے اپنی کلائی میں بندھی گھڑی پر وقت دیکھتے ہوئے پوچھا۔اسے یہاں سے پولیس اسٹیشن جانا تھا۔

" مسٹر۔۔۔محب کہتا کہتا رک گیا۔اسے تو اس پولیس والے کا نام بھی نہیں آتا تھا۔اسرا نے کچھ تو بتایا تھا۔اس نے یاد کرنے کی کوشش کی مگر ناکام ٹھہرا۔

" ارمان احمد۔"

ارمان کے بتانے پر اسے فوراً یاد آگیا۔یہ یادداشت بھی کتنی عجیب چیز ہے نا جو چیز انسان بھولنا چاہتا ہے۔اسے یاد رکھتی ہے اور جسے یاد رکھنا ہو اسے بھول جاتی ہے۔

"واٹ ایور۔۔" محب نے اپنا منہ بسور کر کہا تو ارمان اسے کندھے پر سے پکڑتا سائیڈ پر کر گیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا اسرا کے کمرے کی جانب بڑھا۔محب بھی اس کے پیچھے بھاگا تھا۔

اسرا سر جھکائے ایک فائل دیکھنے میں مصروف تھی کہ اسے ایک عجیب سا احساس ہوا۔اس نے بے چینی سے سر اٹھا کر اور دروازے کی جانب دیکھا۔جہاں اسے ارمان کھڑا دکھائی دیا۔ایک لمحے کے لیے اس کا دل دھڑکا۔وہ آج یونیفارم کے بجائے کالی پینٹ شرٹ میں ملبوس تھا۔

اگلے ہی لمحے محب بھاگتا ہوا ارمان کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔اسرا کی نظریں انہیں دونوں پر مرکوز تھیں۔ ایک اس کا ماضی تھا تو دوسرا اس کا مستقبل تھا۔ماضی کو بھلانا اور مستقبل کو قبول کرنا دونوں آسان کام نہیں تھے۔۔اس نے لمبی سانس کھینچی۔ناجانے اب یہ دونوں یہاں کون سا میدانِ جنگ کھولنے آئے تھے۔اس نے سر جھٹک کر اپنی سوچوں کو منتشر کر دیا۔

”آجائیں اندر۔وہ ان دونوں کو دروازے پر ہی جما دیکھ کر بے تاثر لہجے میں بولی۔وہ دونوں ایک ساتھ اندر داخل ہوئے اور دونوں اسرا کے سامنے موجود کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ارمان کے تاثرات نارمل جبکہ محب تنے تاثرات لیے ارمان کو دیکھ رہا تھا۔

اسرا نے فائل بند کی اور ان کی جانب متوجہ ہوئی۔”جی مسٹر ارمان احمد ! اب آپ مجھ پر کون سا الزام لگانے آئے ہیں ؟ “اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پیوست کیا اور ان پر چہرہ جما کر سرد لہجے میں بولی۔اس کی بات پر ارمان نے اپنا سر جھٹکا۔

”دیکھو اسرا ! میں یہاں سب کچھ بھلا کر تم سے آرام سے بات کرنے آیا ہوں۔“ اس کی بات پر اسرا کے ہاتھ کانپ اٹھے۔آنکھوں میں کرب چھا گیا۔مگر چہرے پر وہی پرسکون مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔وہ سب کچھ بھلانے کا کہہ رہا تھا۔اچھا مذاق تھا !

”اگر بھلانا اتنا آسان ہوتا مسٹر ارمان احمد !تو میں آپ کو اسی رات کا بھلا چکی ہوتی۔مگر خیر۔۔“ اس کے چہرے پر ایک مدھم مسکراہٹ موجود تھی۔مگر لہجے میں ایک بے بسی تھی۔اس کے اندر کا حال صرف اللہ جانتا تھا۔محب اس کے ہر تاثر کا جائزہ لے رہا تھا۔

”مسٹر محب ! آپ نے مسٹر ارمان کو خوشخبری نہیں سنائی ؟“ اب اس کے لہجے میں ہلکی سی چبھن تھی۔محب نے نفی میں سر ہلایا۔ارمان حیران ہو رہا تھا کہ وہ کس خوشخبری کی بات کر رہی تھی ؟

”اچھا ہوا آپ نے نہیں سنائی۔میں انہیں اپنے منہ سے یہ خوشخبری سنانا چاہتی تھی۔آفٹر آل ان کا اتنا تو حق ہے نا۔“ اس نے اپنے کانپتی انگلیوں کو مضبوطی سے ایک دوسرے میں پیوست کیا۔محب نے اپنی آنکھیں شدت سے میچ لیں۔

اسرا! آپ اپنے آپ کو کیوں اذیت دے رہی ہیں؟

”کون سی خوشخبری ؟“ اسرا استہزائیہ انداز میں مسکرائی۔

”وہی خوشخبری جو پچھلی دفعہ آپ نے سنائی تھی۔اب میں سناؤں گی۔“ اس نے ایک لمحے کا توقف لیا اور تھوک کو گلے سے نیچے اتارا اور پھر زخمی سا مسکرائی۔

” میں مسٹر محب سے شادی کرنے والی ہوں۔“محب کے چہرے پر مدھم سی مسکراہٹ چھا گئی۔جبکہ ارمان ساکت رہ گیا۔اس نے بے یقین نگاہوں سے اسرا کی جانب دیکھا۔اس کا مطلب تھا کہ محب نے ٹھیک کہا تھا کہ وہ اسرا کا ہونے والا شوہر تھا۔اگر یہ بات کوئی اور کرتا تو اسے یقین نہ آتا کہ وہ

شادی کر رہی تھی۔مگر یہ بات اسرا نے خود کہی تھی۔اب اسرا مسکراتے ہوئے اس کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔

”مجھے مبارک باد نہیں دیں گے ؟ چلیں دل سے نہ دیں تکلفاً ہی دے دیں۔“ اس کا دل رو رہا تھا مگر چہرے پر مسکراہٹ سجی ہوئی تھی۔یہ اعلیٰ ظرف اور حوصلے والوں کے نشانی تھی۔وہ کس قدر اذیت سے گزر رہی تھی اس کا اندازہ اس کے سامنے بیٹھے دونوں انسانوں کو تھا۔مگر ایک سمجھنا نہیں چاہتا تھا اور دوسرا سمجھنے کے باوجود کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

” مبارک ہو تم دونوں کو۔“ وہ بدقت بول پایا۔وہ بھول گیا تھا کہ وہ وہاں کیوں آیا تھا۔بس یاد رہا تو اتنا کہ وہ شادی کر رہی تھی۔دکھ نہیں تھا، ملال بھی نہیں تھا، کچھ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔کبھی کبھی ہمارے دماغ کے ساتھ کوئی بات چپک کر رہ جاتی ہے اور اگر اس بات کے برعکس کوئی عمل ہو تو ہمارا دماغ اسے قبول نہیں کر پاتا۔

ارمان کے ساتھ بھی اس وقت یہی ہو رہا تھا۔اس کے دماغ میں کہیں نہ کہیں یہ بات فٹ ہو کر رہ گئی تھی کہ اسرا اس سے محبت کرتی تھی اور وہ اسے بھول کر اپنی زندگی میں کبھی بھی آگے نہیں بڑھ پائے گی۔مگر آج اسرا کی بات نے اس کے خیال کی نفی کر دی تھی۔

"تھینک یو مسٹر ارمان احمد! ویسے آپ کو مجھ سے کچھ پوچھنا تھا؟" اسرا اپنے ابرو اٹھائے اس سے پوچھ رہی تھی۔یکدم ارمان کو یاد آیا کہ وہ اس سے حارث کے متعلق پوچھنے آیا تھا۔

"دراصل میں حارث کے بارے میں کچھ پوچھنے آیا تھا۔" محب اس نام پر چونکا۔۔نہیں! یہ وہ حارث نہیں ہو سکتا تھا۔

اسرا کو بھی فضہ کے کچھ دیر پہلے بھیجے گئے سکرین شاٹس یاد آگئے۔محب خاموش بیٹھا ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔اسرا یہ سب کچھ اکیلے ہینڈل کر سکتی تھی۔یہ بات وہ جانتا تھا۔مگر پھر بھی وہ اسرا کو اسی انسان کے ساتھ اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

"آپ بعد میں پوچھیے گا۔میں آپ کو کچھ سکرین شاٹس بھیج رہی ہوں۔پہلے آپ ان کو دیکھ کر اس حارث کے خلاف کوئی ایکشن لیں۔۔" ارمان نے اس کی بات پر سر ہلایا۔

"اب پوچھیے کیا پوچھنا ہے آپ کو؟" اب وہ پروفیشنل انداز میں مسکرا رہی تھی۔

"وہ سائیکالوجیکلی کیسا انسان ہے ؟" اس کے سوال پر اسرا سوچ میں پڑ گئی۔

"مسٹر ارمان احمد! میں ایک سائیکالوجسٹ ہوں۔میرے پاس کوئی سپر نیچرل پاور نہیں ہے۔ جسے استعمال کر کے میں آپ کو بتاؤں کہ وہ کیسا انسان ہے !" اس کی بات پر محب نے اپنی مسکراہٹ دبائی۔جبکہ ارمان جھنجھلا اٹھا۔

"اس سے بات کر کے اس کی شخصیت کا کچھ تو اندازہ ہوا ہو گا نا۔یا پھر سائیکالوجی کی ڈگری جھک مار کر حاصل کی ہے۔" اس کے تپ کر کہنے پر اسرا کا چہرہ لال بھبھوکا ہو گیا۔

"جی۔جس طرح آپ رشوت دے کر آفیسر بنے ہیں۔"

محب ٹانگ پر ٹانگ رکھے ان کی لڑائی کو انجوائے کر رہا تھا۔

" اوہ ہیلو ! اپنی محنت سے آج اس مقام تک پہنچا ہوں۔تمہیں پتہ نہیں کس نے دماغ کا ڈاکٹر بنا دیاہے۔" ڈنگر ڈاکٹر ہونا چاہیے تھا تمہیں۔" پانچ سالوں کا غبار ان باتوں سے باہر نکل رہا تھا۔

"آپ سے ایک کیس تو سالو نہیں ہوا اور مجھے طعنے دے رہے ہیں! " وہ ارد گرد بھلائے ایک دوسرے سے جھگڑ رہے تھے۔

" تو تم نے کون سا صحت مند مریضوں کی لائن لگا رکھی ہے۔" وہ ناک چڑھا کر بولا۔تو اسرا اپنے غصہ کو ضبط کر گئی۔

"پہلی بات صحت مند انسان مریض نہیں ہوتا اور دوسری بات شفا اللہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔" وہ ابرو اکٹھے کیے ہوئے بولی۔

"تو کیس سالو کرنا بھی قسمت کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔" وہ سر جھٹک کر بولا۔

"آپ مجھے تنگ مت کریں ورنہ میں بابا جان کو شکایت لگا دوں گی۔" وہ اب اس کی باتوں سے تنگ آ رہی تھی۔محب ان دونوں کو بچوں کی طرح لڑتے دیکھ کر اپنا قہقہ ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا ۔کہاں وہ دونوں ایک دوسرے سے بات کرنے کے بھی روادار نہ تھے۔اور اب ایسے بحث کر رہے تھے۔

”جاؤ لگا دو میں کون سا ڈرتا ہوں۔بڑی آئی چھپکلی! “ یہاں پر محب کے ضبط کی انتہا ہوگئی۔اس کا زوردار قہقہہ کمرے کی فضا میں گونج اٹھا۔وہ پیٹ پر ہاتھ رکھے ہنس رہا تھا۔ڈاکٹر اسرا !!چھپکلی !!ہاہاہا!اس کی آواز سن کر وہ دونوں ہوش میں آئے۔دونوں نے ایک دوسرے کی طرف حیرانی سے دیکھا اور پھر ان دونوں کی قہقہوں کی آواز بھی فضہ میں محب کے قہقہے کی آواز کے ساتھ شامل ہوگی۔

وہ تینوں پاگلوں کی طرح ہنس رہے تھے۔ارمان اور اسرا کو ایسا لگا کہ وہ پانچ سال تو کبھی ان دونوں کے درمیان آئے ہی نہیں۔

”آئی ایم سوری اسرا!! آئی ایم سو سوری!!“ ارمان کو احساس ہو چکا تھا کہ اس رات اس نے بلاوجہ اسرا کے ساتھ اتنی بدسلوکی کی تھی۔اسرا اس کی بات سن کر ساکت رہ گئی۔ارمان احمد اس سے معافی مانگ رہا تھا۔کمرے میں اب خاموشی چھا گئی۔

”مجھے تم سے ویسے بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔“

محب ہونقوں کی طرح ان کی باتیں سن رہا تھا۔وہ ان دونوں کے ماضی سے ناواقف تھا۔اسرا کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ اسے کیا جواب دے۔دل کے زخم پھر سے ہرے ہو رہے تھے۔

"ارمان ! غلطی میری بھی تھی۔مجھے اس رات آپ کے کمرے میں نہیں آنا چاہیے تھا۔" وہ نظریں جھکائے اس سے مخاطب تھی۔

"نہ ہی میں آتی اور نہ ہی بابا جان آپ کو گھر سے باہر نکالتے۔" محب اب غور سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔کہانی کافی دلچسپ معلوم ہو رہی تھی۔

"ایسا ہونا قسمت میں لکھا تھا اسرا!" اس نے لمبا سانس کھینچا۔

"بس وجہ تم بن گئی اور مجھے تم پر اتنا غصہ بھی نہیں کرنا چاہیے تھا۔تمہیں پتہ تھا نا غصے میں مجھے سب کچھ بھول جایا کرتا تھا۔" اسرا کو یاد تھا کہ وہ غصے میں ان سب سے دور رہا کرتا تھا۔تاکہ اپنے غصے سے ان کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔

"کیا ہم دوبارہ سے نارمل ہو سکتے ہیں؟" ارمان کے لہجے میں ایک امید تھی۔اسرا کو معلوم تھا کہ جب کسی رشتے میں کوئی دراڑ آ جائے تو پھر وہ کبھی بھی نارمل نہیں ہو پاتا۔مگر کوشش کرنے میں کیا برائی تھی؟

"ہو سکتے ہیں۔ہم پھر سے ایک دوسرے کے لیے اسری، نہالی اور ارمانی ہو سکتے ہیں۔" اسرا کے چہرے پر اب ایک خوشگوار مسکراہٹ چھا گئی تھی۔پانچ سال پہلے جو دوست کھو گئے تھے۔وہ واپس لوٹ آئے تھے۔اس سے بڑھ کے اس کے لیے خوشی کی کیا بات ہو سکتی تھی ؟ وہ لوگ پھر سے مل کر ان ساری جگہوں پر جا سکتے تھے۔جہاں پہلے اکٹھے جایا کرتے تھے۔

اب وہ انان جائیں گے۔اس درخت کے سائے میں بیٹھیں گے۔ایک دوسرے سے جھگڑا کریں گے ۔ہاں ! یہ سب کچھ دوبارہ ہو سکتا تھا۔اسرا نے دوستی کو محبت پر ترجیح دے دی تھی۔اب وہ ہمیشہ دوست رہیں گے۔

ارمان کا دل یکدم سے ہلکا ہو چکا تھا۔جیسے منوں بوجھ دل پر سے ہٹ گیا ہو۔کسی نہ کسی تو کو تو پہل کرنی ہی تھی۔پھر وہ پہل ارمان احمد کیوں نہیں کر سکتا تھا ؟ اس کے دل میں یہ سوچ آج نہیں بلکہ

بہت پہلے ہی پیدا ہو چکی تھی۔بس انا آڑے آ رہی تھی۔جن رشتوں کے بیچ میں انا آجائے۔وہ رشتے کھو جایا کرتے ہیں۔اب ارمان مسکراتا ہوا محب کی جانب متوجہ ہوا۔

”تم نے اس لڑکے کو شادی کے لیے چنا ہے؟“ اس نے محب کے کندھے پر ہاتھ رکھ کے اسرا سے پوچھا تو اس نے ہلکا سا مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

”آپ کے مشورے پر ہی عمل کیا ہے۔“ محب نے مصنوعی دکھ سے اسرا کی جانب دیکھا۔مطلب اس کی منتیں ترلے کسی کام کے نہیں تھے۔

”اچھا کیا ہے۔لڑکا اچھا ہے مگر۔۔“ وہ محب کو غور سے دیکھ رہا تھا۔جیسے اس کو سکین کر رہا ہو۔

”مگر ؟“ محب کے منہ سے پھسلا۔اسرا بھی ارمان کے بولنے کا انتظار کر رہی تھی۔

”مگر بہت ضدی ہے۔“ وہ قہقہہ لگا کر بولا تو محب نے ناک چڑھایا۔

”دوسروں کے لیے ضدی ہوں۔اپنی ڈاکٹر کے لیے نہیں۔“ وہ اسرا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تو ارمان نے اس کے کندھے پر مکا مارا۔

"اس کی طرف کیا دیکھ رہے ہو ؟ میری طرف دیکھو۔" اس کے مکے پر محب کے منہ سے کراہ نکلی۔ایک تو وہ رقیب تھا اور اسی پر ظلم بھی کر رہا تھا۔اسرا نے اپنی مسکراہٹ دبائی۔

" ایسا ظلم تو کوئی سالہ بھی نہیں کرتا۔جیسے آپ میرے ساتھ کر رہے ہیں۔"وہ برا منہ بناتا بولا۔"اللہ پوچھے آپ کو۔"

"ہاں تو ابھی میں نے کون سا تمہیں امتحان میں پاس کر دیا ہے۔" ارمان کے بے نیازی سے بولنے پر محب چونکا۔

"ارے! کون سا امتحان؟ میں نے کوئی امتحان نہیں دیا اور نہ ہی دینا ہے۔" وہ اکڑ کر بولا تھا تو ارمان نے تیکھی نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

"پہلے تمہاری آزمائش ہوگی کہ تم اسرا کے قابل ہو یا نہیں۔" اس کی بات پر محب نے قہقہہ لگایا۔ اسرا خاموش بیٹھی مسکراتے ہوئے ان کو دیکھ رہی تھی۔

"ہاہاہا ! آزمائش تو دیکھو کون لے رہا ہے۔۔دی گریٹ ارمان احمد! ہاہا ! " ارمان نے اچانک سے اس کے پیٹ پر مکا مارا تو وہ کراہ کر رہ گیا۔وہ جان بوجھ کر ارمان پر جوابی حملہ نہیں کر رہا تھا۔اگر وہ چاہتا تو اسی وقت ارمان احمد کو ڈھیر کر سکتا تھا۔

"ڈاکٹر اسرا ! دیکھیں یہ مجھ پر ظلم کر رہے ہیں۔" اس کیے شکایت لگانے پر اسرا نے لاپرواہی سے اپنی شانے اچکا دیے۔محب کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔واہ! آج ہی پارٹی چینج کر لی۔ہائے !محب رضا ! تمہاری تو قسمت ہی خراب ہے۔

" مجھ سے تمیز سے بات کرو۔بڑا ہوں میں تم سے۔" ارمان کے سخت لہجے پر کہنے پر اس نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

"کب سے آپ آپ ہی تو کر رہا ہوں۔اب آپ کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالوں یا اپنا سر آپ کے قدموں میں رکھ دوں ؟ بلکہ نہیں آپ کو تو عزت راس ہی نہیں آنی۔" اس کے جھنجھلا کر بولنے پر اسرا اور ارمان کا قہقہہ کمرے میں گونج اٹھا۔محب صدمے سے منہ کھولے انہیں دیکھ رہا تھا۔

" یا اللہ! مجھ معصوم کو ان ظالموں کے قہر سے بچا۔" آمین ! وہ اونچی آواز میں بولا۔

"مجھے اسرا سے ایک کانفیڈینشل بات کرنی ہے۔اس لیے تم جا سکتے ہو۔" ارمان ،محب سے مخاطب ہوا تو اس نے اسرا کی جانب دیکھا۔اسرا نے پلکیں جھپکائیں تو وہ لمبا سانس بھرتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"فی امان اللہ!! ڈاکٹر !! میں چلتا ہوں۔اپنا خیال رکھیے گا۔" محب نے ایک لمحے کے لیے مسکرا کر اسرا کی جانب دیکھا اور باہر نکل گیا۔باہر نکلتے ہی اس کی آنکھیں سرد ہو گئیں۔اب اندر ارمان اور اسرا موجود تھے۔اسرا اس کے بولنے کا انتظار کر رہی تھی۔

"دراصل مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"وہ ہچکچا کر بولا کہ کہیں وہ یہ نہ سمجھے کہ ارمان نے اس وجہ سے صلح کی تھی۔اس کی بات پر اسرا ہلکا سا مسکرائی۔

"میں آپ کی مدد ضرور کروں گی اور میں نے یہ ہرگز نہیں سمجھا کہ آپ نے اس مدد کی وجہ سے صلح کی ہے۔اس لیے آپ بے فکر رہیں۔" وہ مسکرا کر بولتی اسے پر سکون کر گئی۔

"تھینک یو۔اسرا!" اسرا نے سر کو ہلکا سا خم دیا۔

"کیا مدد چاہیے آپ کو ؟ " اس نے سنا تھا کہ ڈاکٹر حمنہ کا قاتل کوئی سیریل کلر تھا۔شائد اس کیس میں ارمان کو اس کی کوئی مدد چاہیے تھی۔

"مجھے لگتا ہے کہ ڈاکٹر حمنہ کا قتل حارث نے کیا ہے۔"وہ کچھ سوچتے ہوئے بول رہا تھا۔

"اور مجھے یہ بھی لگتا ہے کہ اسے کوئی مینٹل ڈس آرڈر ہے۔اس لیے تم سے پوچھا تھا کہ وہ سائیکالوجیکلی کیسا انسان ہے؟" اسکی بات پر اسرا سوچ میں پڑ گئی۔اور اپنے دماغ میں اپنی اور حارث کی ملاقات کو دہرانے لگی۔

"دیکھیں ارمان! سائیکالوجی کے مطابق دنیا میں دس قسم کے پرسنالٹی ڈس آرڈرز پائے جاتے ہیں۔جن کو تین کلسٹرز یعنی گرپس میں تقسیم کیا گیا ہے۔۔" ارمان نے اس کی بات پر اپنی آنکھیں گھمائیں۔اور اس کی بات کاٹ دی۔

"اسرا ! مجھے سائیکالوجی نہیں پڑھنی۔جسٹ مین پوائنٹ بتاؤ۔" وہ اکتا کر بولا تو اسرا نے خفگی سے اپنا سر جھٹکا۔

"آئی تھنک اسے بی پی ڈی ہے۔" اسرا کچھ سوچتے ہوئے بول رہی تھی۔جبکہ ارمان اپنا پاؤں جھلا رہا تھا

۔

”ڈاکٹر صاحبہ ! کیا آپ اس بی۔پی۔ڈی کو ایکسپلین کرنا پسند کریں گی؟“ اسے اسرا کی باتوں کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

”ارمان! بی۔پی۔ڈی سے مراد ہے بارڈر لائن پرسنیلٹی ڈس آرڈر۔“ وہ پوری توجہ سے اس کی بات سن رہا تھا۔”اس میں انسان انسٹیبل ریلیشنشپ ایکسپیرینس کرتا ہے۔ایسے انسان کا اپنے غصے پر قابو پانا بہت مشکل ہوجاتا ہے۔اور وہ اپنا غصہ اپنے اوپر یا کسی دوسرے انسان کے اوپر اتارتا ہے۔“ اب اسے اسرا کی باتیں سمجھ آ رہی تھیں۔

”اس لیے وہ اپنا غصہ اس لڑکی کو ہراس کر کے اتارتا تھا۔“ اس نے ارمان کی بات پر سر ہلایا۔

”کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس قدر ڈپریس ہو چکے ہوتے ہیں کہ اپنی زندگی کو بے مقصد سمجھنے لگتے ہیں۔ایسے لوگ سوچتے ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے تب بھی تو یہ دنیا چل رہی ہوتی۔ایسی سوچیں ان کے اندر خودکشی کا خیال پیدا کرتی ہیں اور پھر وہ اپنے آپ کو نقصان پہنچاتے ہیں۔“ ارمان اپنے منہ کے نیچے ہاتھ رکھے اس کی باتیں دھیان سے سن رہا تھا۔

" اور جو لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں پر رو پڑتے ہیں؟" اس طرح اس کے سوال پر مسکرائی۔ گفتگو کا رخ اب حارث سے ہٹ کر سائیکالوجی کی جانب ہو چکا تھا۔

" دے آر دی موسٹ لونلی پرسنز۔ انہیں کسی کی توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ انہیں چھوٹی چھوٹی باتیں اگر دکھی کر دیتی ہیں تو کبھی کبھی چھوٹی باتیں ہی خوش بھی کر دیا کرتی ہیں۔ ایسے لوگ بہت انمول ہوتے ہیں۔ دل کے صاف ہوتے ہیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ ہر کوئی ان کی قدر نہیں کرتا۔" اسرا کے چہرے پر پرسکون سی مسکراہٹ سجی ہوئی تھی۔ ارمان نے اس کی بات پر سمجھنے کے انداز میں سر ہلایا۔

"تو تمہارے مطابق حارث ایک پرسنالٹی ڈس آرڈر کا شکار ہے ؟" اس کی بات پر اسرا نے اپنا سر اثبات میں ہلایا۔

" مجھے یقین نہیں ہے۔ میں نے بس ایک اندازہ لگایا ہے۔ ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو۔" ارمان نے سمجھنے کے انداز میں سر ہلایا۔

"میرے ساتھ گھر چلو گی ؟" ارمان کے پوچھنے پر اس نے دیوار پر نصب گھڑی کی جانب دیکھا۔لنچ کا ٹائم ہونے والا تھا اور وہ اسے انکار کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی تھی۔" اوکے۔" وہ اثبات میں سر ہلاتی اپنی چیزیں سمیٹنے لگی۔ارمان اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا۔اس کا شکی دماغ اسے کوئی ریڈ سگنل دے رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ہاسپٹل سے باہر نکلتے ارمان کی گاڑی کی جانب بڑھے۔اسرا ڈاکٹر نیلوفر کے ڈرائیور کو میسج کر چکی تھی کہ اس کی گاڑی ہاسپٹل سے گھر لے جائے۔

احمد ولا کے مکینوں نے اس دوپہر ایک عجب منظر دیکھا۔ارمان اور اسرا ایک ساتھ قدم بڑھاتے احمد ولا میں داخل ہوئے۔

سب لوگ ڈائننگ ٹیبل کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔نہال اور نعمان انہیں اکٹھا دیکھ کر فوراً کھڑا ہو گیے۔وہ شاک کی کیفیت میں تھے۔جبکہ ماں جی اور باباجان کی حالت بھی ان سے مختلف نہ تھی۔

" السلام علیکم ! " ان دونوں نے سب کو سلام کیا۔جس کا جواب ان میں سے کسی نے نہیں دیا۔کوئی اس حالت میں ہی نہیں تھا۔سب ہی ہونقوں کی طرح ان دونوں کو اکٹھا دیکھ رہے تھے۔جیسے کوئی معجزہ ہو گیا ہو۔سب سے پہلے بابا جان ہوش میں آئے۔

"وعلیکم السلام! آؤ بیٹھو بیٹا! " وہ اسرا سے مخاطب تھے۔ارمان کے واپس آنے کے بعد وہ آج ان کے گھر آئی تھی۔نعمان ابھی بھی منہ کھولے انہیں حیرت دیکھ رہا تھا۔ارمان نے آگے بڑھ کے اپنے ہاتھ سے اس کا منہ بند کیا۔جبکہ نہال پہلے سے ہی بیٹھ چکی تھی۔

"منہ بند کر لو۔ورنہ مکھی گھس جائے گی۔" نعمان سٹپٹا کر بیٹھ گیا۔جبکہ وہ اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ گیا۔اب منظر کچھ یوں تھا کہ بابا جان سر براہی کرسی پر بیٹھے تھے۔جبکہ ان کے ایک جانب ارمان اور نعمان بیٹھے تھے اور دوسری جانب ماں جی ،نہال اور اسرا بیٹھی ہوئی تھی۔

" یہ معجزہ کب ہوا؟" نہال نے اسرا کے کان میں سرگوشی کی۔جبکہ نعمان بھی انہیں کی جانب دیکھ رہا تھا۔اسرا اس کے سوال پر مسکرائی۔

" آج صبح۔" وہ آہستہ آواز میں بولی۔

" اوہ کانگریچولیشنز! " وہ سب اس تبدیلی پر بہت خوش تھے۔خاص طور پر نعمان۔۔نعمان نے ارمان کا دل اسرا کی جانب سے صاف کرنے کی بہت کوششیں کی تھیں۔مگر وہ کامیاب نہ ہو پایا تھا۔آج ان دونوں کو ساتھ دیکھ کر اسے بہت خوشی ہو رہی تھی۔اس نے دل سے ان دونوں کو ساتھ رہنے کی دعا دی۔مگر کچھ دعائیں پوری نہیں ہوا کرتی۔ہمیشہ انسان کی جانب سے ادھوری رہا کرتی ہیں۔یہ دعا بھی شاید انہیں دعاؤں میں سے ایک تھی۔کیونکہ کسی نے بہت شدت سے اسرا کو اپنے حق میں مانگا تھا۔اس یقین کے ساتھ کہ اللہ اسے ضرور نوازے گا۔

اسرا ڈاکٹر نیلوفر کو اطلاع کر چکی تھی کہ وہ احمد ولا میں تھی۔

کھانا کھانے کے بعد ارمان اپنی کرسی سے کھڑا ہو گیا۔اور اسرا سے مخاطب ہوا۔

"اسرا! کیا میرے ساتھ اسٹڈی روم میں آؤ گی ؟" وہ بالکل نارمل انداز میں پوچھ رہا تھا۔اسرا بھی کھانا کھا چکی تھی۔اس نے ایک نظر ان سب پر ڈالی اور پھر کھڑی ہو گئی۔وہ دونوں بابا جان سے اجازت لیتے اسٹڈی روم کی طرف بڑھ گئے۔

”کیا ہم بھی آسکتے ہیں ؟“ نعمان نے بے چینی سے پوچھا۔اسے جاننا تھا کہ ایک ہی دن میں ایسا کیا ہو گیا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بالکل نارمل بیہیو کرنے لگ گئے ؟ ارمان رکا اور پھر مڑ کر نعمان کو دیکھا۔

”نہیں۔“ وہ اسرا کو راستہ دیتا اسٹڈی روم کی جانب بڑھ گیا۔پیچھے نعمان اپنا منہ بسورے کرسی پر بیٹھا رہا۔

ارمان اپنے اسٹڈی روم کی خاص حفاظت کرتا تھا۔کوئی بھی ملازم ادھر کا رخ نہیں کر سکتا تھا۔کیونکہ وہاں اس کے سارے کیسز کی فائلز موجود تھیں۔

”آپ نے نعمان اور نہال کو کیوں نہیں آنے دیا ؟“ اس نے اپنے دل میں ابھرتا ہوا سوال پوچھا تو ارمان نے لمبا سانس بھرا۔اب وہ چابی سے اسٹڈی روم کا لاک کھول رہا تھا۔

” اندر چل کر بات کرتے ہیں۔“

”کیا اب مجھے اندر آنے کی اجازت ہے ؟“ اس کا لہجہ ہموار تھا۔ارمان نے شرمندگی سے اپنا سر جھکا لیا۔

"میں پہلے والا ارمان نہیں ہوں اسرا!" اس کی بات پہ اس کی یہ بات سن کر اسرا کے دماغ میں ایک شعر گونج اٹھا۔

کی میرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ

ہائے! اس زودِ پشیماں کا پشیماں ہونا۔

پھر اس نے اپنا سر جھٹک دیا۔کلک کی آواز کے ساتھ دروازہ کھلا تو وہ دونوں اندر داخل ہو گئے۔وہاں مختلف شیلفز پر بہت سی فائلز اور قانون کی کتابیں پڑی ہوئی تھیں۔ہر فائل کے باہر والی سائیڈ پر ایک چٹ سے کوئی نمبر لکھا ہوا تھا۔ایک جانب اس کی راکنگ چیئر اور ٹیبل پڑا تھا۔جس کے سامنے دو آرام دہ کرسیاں موجود تھیں۔جبکہ دوسری جانب ایک اور بورڈ موجود تھا جس بہت سے چھوٹے چھوٹے نوٹس اور تصویریں لگی ہوئی تھی۔شاید وہ اپنے کیسز کو اس بورڈ پر لکھ کر سولو کیا کرتا تھا۔

وہ اپنے چیئر پر بیٹھ گیا۔اس کی پشت پر ایک کھڑکی موجود تھی۔جو لان کی جانب کھلتی تھی۔

"اب بتائیں۔" اسرا بھی اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

”تمہاری جان کو پہلے سے ہی خطرہ ہے۔میں نہیں چاہتا کہ ان دونوں کی جان بھی خطرے میں پڑ جائے۔“ اس کے لہجے میں ان کے لیے فکر تھی۔

” ارمان ! میری جان کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔اگر کسی نے مجھے واقعی میں مارنا ہوتا تو اب تک مار چکا ہوتا۔“ اس کی بات پر ارمان نے اپنا ناک چڑھایا۔

”اس رات ریسٹورانٹ میں تو کسی نے آپ پر شوقیہ حملہ کیا تھا نا! “ وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

”مگر میں زندہ ہوں بالکل سلامت! “ اس کی بات پر ارمان نے اپنی آنکھیں گھمائیں۔

”جو بھی ہے مگر میں ان دونوں کے اس کیس میں انوالو بالکل بھی نہیں کر رہا۔“ وہ دو ٹوک لہجے میں بولا تو اسرا نے اپنی شانے اچکائے۔

”جیسی آپ کی مرضی۔“ اب اس کی نظریں ارمان کے بورڈ پر مرکوز تھیں۔ارمان نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔وہ گاڑی میں ہی اسرا کو دلاور شاہ اور فیصل شاہ کے بارے میں بتا چکا تھا۔

**

”کیا میں وہ بورڈ دیکھ سکتی ہوں ؟“ وہ اس کا کام دیکھنا چاہتی تھی۔

"ہمم۔" اسرا کرسی سے اٹھی اور اس بورڈ کی جانب بڑھ گئی۔ارمان نے بھی اس کی تقلید کی۔وہاں ایک سائیڈ پر ڈاکٹر حمنہ کے ڈیڈ باڈی کی تصویر تھی۔اس کے نیچے دیوار پر بنا ہوا سوراخ تھا۔جبکہ درمیان میں ڈاکٹر فیصل کی تصویر تھی۔اور آگے دلاور شاہ اور ان کے جھلسے ہوئے فارم ہاؤس کی تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ڈاکٹر فیصل کی تصویر کے نیچے ایک بچھو والی گھڑی کی تصویر تھی۔اور اس کے ساتھ اسرا کی تصویر بھی موجود تھی۔وہ ان تصویروں کو غور سے دیکھ رہی تھی۔جبکہ اس کے تھوڑا سا پیچھے ارمان دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

اس منظر سے تھوڑا سا دور اگر محب کے کمرے میں جھانکا جائے تو وہ اپنے بیڈ پر بیٹھا ایک نمبر ملا رہا تھا۔کچھ دیر بعد دوسری جانب سے کال اٹھا لی گئی۔

" تمہارا کام تمام ہوا۔وہ ارمان احمد تم تک پہنچنے والا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بول رہا تھا۔دوسری جانب موجود انسان نے اونچی آواز میں قہقہہ لگایا۔محب کو اس کا قہقہہ سن کر حیرانی ہوئی۔وہ اس بات پر خوش ہو رہا تھا۔

”تم خوش کیوں ہو رہے ہو ؟“

”آنے دو ارمان احمد کو میرے پاس۔میں تو اس پل کا کب سے انتظار کر رہا تھا۔“ اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ نظر آنے لگی۔

”کیا مطلب ؟“ اس کے سوال پر وہ پھر سے ہنسنے لگا۔۔

دوسری جانب اسرا کی نظریں ڈاکٹر حمنہ کی ڈیڈ باڈی کی تصویر پر جمی تھیں۔اس کی نگاہیں ان کی تصویر سے ہوتے ہوئے سوراخ والی تصوہر پر پہنچیں۔اس کے بعد اس نے اپنی تصویر دیکھی۔وہ اب اس بچھو والی گھڑی کو دیکھ رہی تھی۔اس کی نگاہیں اسی تصویر پر جم کر رہ گئیں۔ارمان اب اس کی خاموشی سے اکتا رہا تھا۔وہ پتہ نہیں کیا سوچ جا رہی تھی؟

یکدم اسرا کی نگاہیں حیرانی سے پھیل گئیں۔یہاں کچھ مسنگ تھا۔اب اس کی بے چین نگاہیں پورے بورڈ پر کچھ تلاش کر رہی تھیں۔سب کچھ ایسا نہیں تھا جیسا دیکھایا جا رہا تھا۔

”کیا ہوا ؟“ ارمان اس کو پریشان دیکھتا ہوا بولا۔

"یہاں کچھ مسنگ ہے۔یہ سب دیکھاوا ہے۔اصل حقیقت یہ نہیں ہے۔جو یہ تصویریں بیان کر رہی ہیں۔" وہ گھڑی کی تصویر کی جانب دیکھتے پر سوچ انداز میں بولی۔

یکدم اسرا کا چہرہ پرسکون ہو گیا۔وہ اطمینان سے چلتی ہوئی واپس کرسی پر بیٹھ گئی۔جبکہ ارمان حیران ہوتا اس کے پیچھے آیا اور اپنی راکنگ چیئر پر بیٹھ گیا۔

"کیا مسنگ ہے یہاں پر ؟" اس کی بات پر اسرا نے اپنی ٹانگ پر ٹانگ جما کر کرسی سے ٹیک لگا لی ۔اس کے چہرے پر ایک پراسرار مسکراہٹ موجود تھی۔ارمان اس کی خاموشی پر جھنجھلا اٹھا۔

"خاموش کیوں ہو تم ؟ " وہ جھلا کر بولا تو اسرا تھوڑا سا آگے کو جھکی۔اس کی سنہری آنکھیں جگمگا رہی تھیں۔

"پہلے آپ کو میرے سوالوں کے جواب دینے ہوں گے۔" وہ مکمل طور پر پرسکون تھی۔جبکہ ارمان کا سکون غارت کر چکی تھی۔ارمان کی پیشانی پر دو شکنیں نمودار ہو چکی تھیں۔

" پانچ سال کی نفرت اور عداوت آپ کے دل سے اچانک کیسے ختم ہو گئی؟ " اس کی نگاہیں ارمان کی بھوری آنکھوں پر مرکوز تھیں۔ارمان نے اپنا سر نفی میں ہلایا۔

" نفرت نہیں تھی۔اسرا! نفرت کبھی بھی نہیں تھی۔بس غصہ تھا۔" اس کے چہرے پر اب ایک ملال سا دکھائی دینے لگا۔اسرا بے تاثر چہرہ لیے اس کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔ہاں! وہ اس لیے بہت خوش تھی کہ وہ دوبارہ سے دوست بن چکے تھے۔مگر یہ سب اتنی جلدی میں ہوا تھا کہ اس سے یہ ہضم نہیں ہو رہا تھا۔

"اس غصے کا دورانیہ پانچ سال رہا! " وہ گلہ نہیں کر رہی تھی۔اس نے تو کبھی کسی سے گلہ نہیں کیا تھا۔پھر وہ ارمان سے کیوں گلہ کرتی ؟ اس کی بات پر ارمان نے نفی میں سر ہلایا۔

" نہیں!! وہ غصہ تو بہت پہلے کا ختم ہو چکا تھا۔" ہاں ! اس کے دل کا ایک حصہ اسرا کے حق میں سوچتا تھا۔مگر دماغ فوراً سے اس کے خیال کی نفی کر دیتا تھا۔

"پھر؟" وہ مشکل سے مشکل تر سوال کر رہی تھی۔

"میری انا مجھے جھکنے نہیں دے رہی تھی۔مجھے تمہیں آرام سے سمجھانا چاہیے تھا۔میں مانتا ہوں کہ تم بہت اچھی لڑکی ہو مگر میں تمہارا نہیں ہوں۔" اس کی بات پر اسرا کی آنکھوں کی چمک ماند پڑی۔مگر چہرے پر وہی پرسکون مسکراہٹ سجی تھی۔

" ایک ہی ملاقات میں آپ کی انا جھک گئی ؟" وہ ہموار لہجے میں پوچھ رہی تھی۔اس کے ہاتھ ارمان اور اس کے درمیان پڑے لکڑی کے میز پر دھرے تھے۔اس کی بات پر ارمان نے سر جھٹک دیا۔

" تم ایک ملاقات کی بات کر رہی ہو۔میں نے تو ایک لمحے میں تقدیروں کو پلٹا کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔بعض اوقات کسی کی شکست یا فتح کے لیے ایک لمحہ بھی کافی ہوتا ہے۔صرف ایک لمحہ۔" وہ مبہم سا مسکرا کر بول رہا تھا۔اسرا نے اثبات میں سر ہلایا۔وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔کبھی کبھی جو کام صدیوں سے نہ ہو رہا ہو۔وہ ایک لمحہ کر کے دیکھا دیتا ہے۔

"اسی مہینے میری شادی ہے۔آؤ گی؟ " اس کے عام سے لہجے میں پوچھے جانے والے سوال پر اسرا کی مسکراہٹ تھم گئی۔میز پر گرفت مضبوط ہو گئی۔دونوں کے درمیان کچھ پل خاموشی کی نذر ہو گئے۔پھر اسرا پھیکا سا مسکرائی۔اب اسکی آنکھوں میں کوئی چمک نہیں تھی۔

"ضرور آؤں گی۔بلکہ باراتیوں کی پہلی صف میں موجود ہوں گی۔"اس کی بات پر ارمان کا قہقہہ اسٹڈی روم کی فضا میں گونج اٹھا۔

”نمازیوں اور مجاہدین کی پہلی صف سنا تھا۔یہ باراتیوں کی پہلی صف کون سی ہوتی ہے؟ “ وہ ہنستا ہوا بولا تو اسرا مسکرائی۔

”جس صف میں ،میں آپ کی شادی میں کھڑی ہوں گی۔“

!ڈن ہوگیا۔اب اپنی یہ بات یاد رکھنا۔اب مجھے بتاؤ ادھر کیا مسنگ ہے؟ “ اسرا سر ہلاتے ہوئے کرسی سے اٹھی اور بورڈ کی جانب بڑھ گئی۔ارمان نے بھی اسکی تقلید کی۔“ اب اسرا ڈاکٹر حمنہ کی ڈیڈ باڈی کی تصویر کو دیکھ رہی تھی۔

”آپ کو کیوں لگتا ہے کہ حارث نے ڈاکٹر حمنہ کا قتل کیا ہے؟“

”اس گھڑی کی وجہ سے۔“ اس نے گھڑی کی تصویر دیکھتے ہوئے کہا تو اسرا نے اپنا سر نفی میں ہلایا۔

”اس گھڑی کا تعلق ڈاکٹر فیصل سے ہے۔ڈاکٹر حمنہ سے نہیں۔“ وہ اسے سمجھاتے ہوئے بول رہی تھی

۔

”مگر مجھے لگتا ہے کہ یہ سب کچھ ایک ہی انسان نے کیا ہے۔اور وہ ایک سیریل کلر ہے جو بس سائیکالوجسٹس کو اپنا ٹارگٹ بنا رہاہے۔“ وہ سوچتے ہوئے بول رہا تھا۔

”ارمان ! پہلے آپ یہ سوچنا چھوڑ دیں کہ وہ ایک سیریل کلر ہے۔اور اگر وہ صرف سائیکالوجسٹس پر ہی حملہ پر رہا ہوتا تو وہ دلاور شاہ کا فارم ہاؤس کیوں جلاتا۔“اس نے سیریل کلر والا نوٹ بورڈ سے اتارا اور پھینک دیا۔

”مگر وہ سیریل کلر ہی ہے۔اس نے ہر حادثہ کے بعد اپنی نشانی چھوڑی ہے۔“ارمان نے گھڑی والی تصویر اور سوراخ والی تصویر کی جانب دیکھا تو اسرا نے تاسف سے اپنا سر جھٹکا۔

”ارمان ! میری بات دھیان سے سنیں۔وہ قاتل سیریل کلر بالکل بھی نہیں ہے۔“ اب وہ دلاور شاہ کی تصویر کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

”اس قاتل کا مقصد ان کو نقصان پہنچانا ہے۔ڈاکٹر حمنہ اور میں اس کا اصل ٹارگٹ نہیں تھے۔“ وہ ہر لفظ پر زور دیتے ہوئے بول رہی تھی۔ارمان سوچ میں پڑ گیا۔کیا وہ ٹھیک کہہ رہی تھی؟؟

”تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو؟“

"ارمان ! ایک سیریل کلر کو لوگوں کو مارنے کی ایڈیکشن ہو جاتی ہے۔انہیں تب تک سکون نہیں آتا جب تک وہ کسی کو مار نہ لیں۔اور ابھی تک اس نے بس ڈاکٹر حمنہ کو مارا ہے۔"اس نے ایک لمحے کا توقف لیا۔

"اور دوسری بات یہ دیکھیں یہ یہاں ڈرل کا نشان ہے۔اور وہاں پر گھڑی۔کوئی بھی سیریل کلر اپنی مخصوص نشانی چھوڑ کر جاتا ہے۔الگ الگ نشانیاں نہیں! ارمان نے اپنا سر اثبات میں ہلایا۔

"مگر پھر اس نے ڈاکٹر حمنہ کا قتل کیوں کیا؟ تم پر حملہ کیوں کیا؟ اگر اس کا اصل مقصد دلاور شاہ کو نقصان پہنچانا تھا۔" وہ سمجھ نہیں رہا تھا۔

"وہ آپ کو ڈسٹریکٹ کر رہا تھا۔آپ کو مجبور کر رہا تھا کہ آپ اسے ایک سیریل کلر سمجھیں۔"وہ صحیح کہہ رہی تھی۔

"کیا مطلب؟" محب کے سوال پر وہ پھر سے ہنسنے لگ۔

"میں اس کے ساتھ گیم کھیل رہا ہوں۔وہ میرے ساتھ نہیں۔"وہ ہنستے ہوئے بول رہا تھا۔

”محب رضا! کبھی کبھی نا مجھے بہت افسوس ہوتا ہے کہ تم مجھے جان ہی نہیں سکے۔“ اس وقت وہ اپنی بیسمینٹ میں ایک دیوار کے سامنے کھڑا تھا اس دیوار کے آس پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔اس دیوار کو لال کپڑے سے ڈھکا گیا تھا۔شائد اس کے پیچھے کوئی چیز موجود تھی۔

”میرا اصل مقصد کبھی بھی اس لڑکی کو مارنا تھا ہی نہیں ! اس نے آگے بڑھ کر لال کپڑا ہٹا دیا۔اس کپڑے کے پیچھے چھپی ہوئی چیز کو دیکھ کر اس انسان کی آنکھیں چمک اٹھیں۔وہ ایک تصویر تھی۔اس نے آگے بڑھ کر تصویر میں مسکراتی لڑکی کی سنہری آنکھوں کو غور سے دیکھا۔ہاں! وہ سنہری آنکھوں والی لڑکی اسرا تھی۔ڈاکٹر اسرا یاسر!!

”تم برے نہیں ہو۔واپس آ جاؤ۔“ محب نے التجا کی تھی۔محب کی بات سن کر اس نے قہقہہ لگایا۔اس کی نظریں اسرا کی تصویر پر مرکوز تھیں۔

”ایک قاتل برا نہیں ہو گا تو کیا ہو گا؟ تم نے خود ہی کہا تھا کہ میرا دل سیاہ ہے۔“ وہ بظاہر تو ہنس کر کہہ رہا تھا۔مگر اس کے لہجے کی خود اذیتی محب محسوس کر سکتا تھا۔

”واپس آجاؤ۔ یہ سوچو کہ تم کس عظیم باپ کے بیٹے ہو۔“محب کی بات پر اس نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں اور اسرا کی تصویر سے رخ پھیر لیا۔وہ اس کی تصویر پر بھی اپنا غصہ عیاں نہیں کرنا چاہتا تھا۔

”محب رضا!! دوبارہ کبھی بھی یہ بات مجھ سے مت کرنا۔“ اس کا لہجہ انتہائی سرد تھا۔

”اور میری واپسی ناممکن ہے۔میں اپنی تمام کشتیاں جلا کر اس راستے پر نکلا تھا۔اب میری واپسی کی بس دو ہی صورتیں ہیں۔“ آخر میں وہ پر اسرار سا مسکرایا۔

”کونسی؟“

”یا تو میری موت یا پھر میرے دشمن کی موت۔ہاہاہا!!“ محب نے اپنا سر پکڑ لیا۔

”پلیز یہ سب کچھ مت کرو۔تم غلط کر رہے ہو۔“محب چلایا۔

”میں غلط نہیں کر رہا۔بلکہ میرے ساتھ غلط ہوا ہے۔مگر اب سب کو حساب چکانا پڑے گا۔“ اس کا لہجہ برف کی مانند سرد تھا۔

”قانون کو سارے ثبوت دے دو۔وہ گنہگار کو سزا دیں گے۔“ محب کی بات پر وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا۔

" قانون؟ کون سا قانون؟ تم بھول رہے ہو کہ یہاں کوئی قانون نہیں ہے۔تم اس قانون کی بات کر رہے ہو جس نے اتنے سال پہلے انہیں ثبوتوں کو بیچ دیا تھا !!!" اس نے ایک لمحے کا توقف لیا۔

"یہاں قانون کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ایسا قانون ہی انسان کو شیطان بنا دیتا ہے۔تم کرو اس قانون پر اعتماد۔میں بھی دیکھتا ہوں کہ یہ اندھا ،گونگا، بہرا قانون تمہارے گناہگار کو کب سزا دے گا ؟

"اس کی بات پر محب کی سرمئی آنکھیں لال ہو گئیں۔مگر وہ انسان بات تو درست کر رہا تھا۔اسے کسی دن انصاف نہیں ملنا تھا۔

میں تمہارے جیسا نہیں ہوں۔اور نہ ہی کبھی بنوں گا۔اگر اسے اس دنیا میں سزا نہ ملی تو آخرت میں ضرور ملے گی۔"

" تم فکر نہ کرو۔میں کس کام کے لیے ہوں۔سارے بدلے لوں گا۔" اس کے لہجے میں سرد مہری تھی۔محب نے اپنا سر جھٹک دیا۔

" تم نے اپنی گھڑی کیوں اس ارمان احمد تک پہنچا دی؟ تمہیں تو وہ بہت عزیز تھی! پھر کیسے تم نے اسے کھو دیا؟ " وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

”میں نے وہ گھڑی اس تک خود پہنچائی ہے اور تم فکر مت کرو۔ میں اس سے وہ گھڑی واپس بھی لے سکتا ہوں۔“ اس کا لہجہ مسکراتا ہوا تھا۔

”کیوں پہنچائی ہے؟“ اس کے سوال پر اس نے ایک دفعہ پھر سے قہقہہ لگایا۔

”تمہیں کبھی بھی پتہ نہیں لگے گا۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے کال بند کر دی۔ محب موبائل کی سیاہ سکرین کو گھورتا رہ گیا۔

”کاش! میں تمہیں سدھار سکتا۔ کاش! میں پولیس کو تم تک پہنچا سکتا۔ مگر کاش!!“

اب وہ دونوں کرسیوں پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔

”اگر وہ سیریل کلر نہیں ہے پھر اس کا کیا مقصد ہے؟“ ارمان ،اسرا سے بات کر کے مزید الجھ گیا تھا۔اس کے سارے نظریے تبدیل ہو کر رہ گئے تھے۔اسرا اس کی بات پر سوچ میں پڑ گئی۔

” پی ٹی ایس ڈی۔ اگر وہ قاتل حارث ہے تو اسے بی پی ڈی کے ساتھ ساتھ پی ٹی ایس ڈی بھی ہے۔“ اس بار وہ پر اعتماد تھی۔اس کی بات پر ارمان جھنجھلا اٹھا۔

" اسرا!! میں کوئی سائیکالوجسٹ نہیں ہوں۔جو ان ٹرمز کے بارے میں جانتا ہوں گا۔" وہ تاسف سے بولا تو اسرا نے اپنی مسکراہٹ دبائی۔

"پوسٹ ٹرامیٹک سٹریس ڈس آرڈر۔۔"

"اب یہ کیا بلا ہے؟" وہ حیرانی سے بولا۔

"یہ ان لوگوں کو ہو سکتا ہے جو کسی حادثے کے سروائیور ہوتے ہیں۔جنہوں نے اپنی نگاہوں سے اپنوں کو مرتا ہوا دیکھا ہو یا پھر کوئی اور حادثہ دیکھا ہو۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی۔

"اور پھر وہ حادثہ انسان کے دماغ پر گہرا اثر چھوڑ دیتا ہے۔"

" اس کا مطلب ہے کہ وہ دلاور شاہ سے کوئی بدلہ لینا چاہتا ہے؟" وہ پرسوچ انداز میں بولا تو اسرا نے اثبات میں سر ہلایا۔

" ہو سکتا ہے۔"

" مگر دلاور شاہ نے ایسا کیا کیا ہو گا جس کا وہ قاتل بدلہ لے رہا ہے؟" اس کے سوال پر اسرا نے اپنی شانے اچکائے۔

" پتہ نہیں۔کیا آپ کے پاس وہ گھڑی ہے ؟ " ارمان نے اس کے سوال پر اثبات میں سر ہلایا اور ٹیبل کے ڈرا میں سے ایک پیکٹ باہر نکالا اور اسرا کے سامنے رکھ دیا۔

سیاہ رنگ کی لال بچھو والی گھڑی اپنے تمام رازوں کے ساتھ اسرا کے ہاتھ میں موجود تھی۔اس نے الٹ پلٹ کر اسے غور سے دیکھا۔اس میں کچھ تو خاص تھا۔اس کی نظریں اس بچھو پر جمی تھیں۔ ارمان اس کے تاثرات غور سے دیکھ رہا تھا۔اس نے گھڑی کو اپنی آنکھوں کے مزید نزدیک کیا۔تو اسے اس بچھو کا منہ کچھ عجیب سا لگا۔اس نے اپنی انگلی اس کے منہ پر رکھی تو یکدم ایک آواز کے ساتھ وہ بچھو سائیڈ پر ہوگیا۔ارمان اور اسرا کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

" ادھر دکھاؤ۔" ارمان نے اس کے ہاتھ سے وہ گھڑی پکڑ لی۔اس میں کوئی خطرہ بھی ہو سکتا تھا۔اسرا دلچسپی سے اس گھڑی کی جانب دیکھ رہی تھی۔ارمان نے دھیان سے دیکھا تو اس کے اندر تھوڑی سی جگہ دکھائی دینے لگی۔اس جگہ میں کوئی بھی چیز چھپائی جا سکتی تھی۔غور سے دیکھنے پر اسے اس میں ایک چھوٹا سا کاغذ نظر آیا۔

اس نے دھیان سے اس کاغذ کو باہر نکالا۔وہ کاغذ فولڈ تھا۔کھولنے پر ایک تحریر اس کی نگاہوں کے سامنے آگئی۔اس کے ابرو حیرانی کے انداز میں اٹھ گئے۔یہ کیا لکھا ہوا تھا اس میں ؟

"کیا لکھا ہے اس میں ؟" ارمان نے لمبا سانس بھرا اور اس تحریر کو با آواز بلند پڑھا۔

"ڈیئر اینیمی ! اگر مجھے ڈھونڈنا ہے تو پہلے اپنے گھر کے اندر چھپے راز کو تلاش کرو۔" وہ جس نے بھی لکھا تھا اس کے لکھائی بہت اچھی تھی۔

"گھر کا راز ؟ آپ کے گھر میں کون سا راز چھپا ہے ؟"

اسرا سوچتے ہوئے بولی تو ارمان نے شانے اچکائے۔

"پتا نہیں۔مجھے تو کسی راز کے بارے میں نہیں معلوم۔پتہ نہیں کس راز کی بات کی ہے اس نے ؟" وہ الجھ کر رہ گیا تھا۔بھلا اس قاتل کا اس کے گھر سے کیا تعلق ہو سکتا تھا؟

" باباجان سے پوچھوں گا۔" اس کی بات پر اسرا نے اپنے سر پر ہاتھ مارا۔

" ارمان! اس نے راز کی بات کی ہے۔اگر بابا جان کو وہ راز معلوم بھی ہو گا وہ تب بھی آپ کو نہیں بتائیں گے۔" وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔

! پھر کیسے ڈھونڈیں اس راز کو؟ “ اس کی بات سن کر اسرا سوچ میں پڑ گئی۔یکدم اس کے دماغ میں

کچھ کلک ہوا۔

”اب راز کو ڈھونڈنے کے لیے تو نعمان کی مدد لے سکتے ہیں نا؟“ اس کی بات پر ارمان نے اثبات

میں سر ہلایا اور نعمان کو اسٹڈی روم میں آنے کا میسج کیا۔

کچھ دیر بعد نعمان ،اسرا کے ساتھ بیٹھا تھا۔مکمل طور پر ساکن۔ارمان اسے سب کچھ بتا چکا تھا۔اب

اس کی حیران نگاہیں اسرا پر جمی تھیں۔

”کیا مسئلہ ہے نعمان ؟“ وہ کب سے ایسے ہی خاموش ، حیران سا بیٹھا بیٹھا تھا۔وہ کچھ بھی بول نہیں

رہا تھا۔

”آئی ایم فلی شاکڈ اسرا! اس کی آنکھیں مکمل طور پر کھلی ہوئی تھیں۔

” مطلب کیسے سولو کیا آپ نے یہ سب ؟ “ وہ پرجوش سا بول رہا تھا۔

”اسرا! یار! چھوڑیں یہ ڈاکٹری شاکٹری.! ارمان بھائی کے ساتھ پولیس جوائن کر لیں۔“ مگر پھر اس نے

اپنا منہ بسورا۔

”نہیں ! اس طرح تو ارمان بھائی کو کوئی نہیں پوچھے گا۔“ارمان نے اسے مصنوعی غصے سے گھورا تو وہ ہنس پڑا۔

” بلکہ آپ پولیس جوائن کرنے کو رہنے دیں۔ہم دونوں مل کر ایک ڈیٹیکٹو ایجنسی کھول لیتے ہیں۔بڑی کمائی ہو گی۔“ اسرا اور ارمان نے اپنا سر پکڑ لیا۔

”نعمان ! یہ بس ایک تجزیہ ہے۔شاید ایسا نہ ہو۔کسی بھی چیز پر آنکھیں بند کر کے یقین نہیں کیا جا سکتا۔“ اس کی بات پر ارمان نے اثبات میں سر ہلایا۔

”کسی اور کو ہو یا نہ ہو مگر مجھے آپ پر پورا یقین ہے۔“ اس نے خفگی بھرے انداز میں کہا۔

”نعمان ! ہم نے تمہیں یہاں کس لیے بلایا ہے؟“ ارمان نے سخت لہجے میں پوچھا تو اس نے اپنا ناک چڑھایا۔

” اپنے فائدے کے لیے ہی بلایا ہے۔ہنہ ! “

”نعمان ! “ اسرا کی جانب سے تنبیہ کی گئی تو نعمان نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے۔

" اوکے اوکے۔وہ چٹ دکھائیں۔" ارمان نے وہ کاغذ اسے پکڑا دیا۔اسے دیکھ کر نعمان کے ابرو ستائش کے انداز میں اٹھ گئے۔

" واہ !!جو بھی ہے۔رائٹنگ بہت اچھی ہے۔" اس کی بات پر اسرا نے اپنا سر نفی میں ہلایا۔اس کا کچھ نہیں ہو سکتا تھا !

تحریر پڑھنے کے بعد نعمان کی پر سوچ نگاہیں اس چٹ پر جمی تھیں۔وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

"کیا ہوا ؟ کوئی راز جانتے ہو کیا؟" ارمان بے چینی سے میز کی لکڑی پر اپنا ناخن پھیر رہا تھا۔اس کی بات پر نعمان نے اثبات میں سر ہلایا۔

" پھر بتاؤ چپ کیوں ہو ؟" اسرا بھی احمد ولا کا راز جاننا چاہتی تھی۔نعمان نے ایک نظر اس کی جانب ڈالی اور پھر آہستہ آواز میں بولا۔

"راز یہ ہے کہ۔۔۔"

"کیا کہ؟" وہ دونوں چلائے۔

"کہ میں نے کل نہال کی چاکلیٹس کھائی تھیں۔"اس کے چہرے پر معصومیت چھائی ہوئی تھی۔کیا معصومانہ انداز تھا !! ارمان اور اسرا کا دل کیا کہ وہاں پڑی ہر چیز اس کے اوپر پھینک دیں۔

" نعمان! بی سیریس۔" ارمان کے سخت لہجے میں کہنے پر نعمان کا قہقہہ فضا میں گونج اٹھا۔

"سیریس؟؟ ہاہاہا ! آپ دونوں کم سیریس ہیں جو مجھے بھی سیریس ہونے کے لیے کہہ رہے ہیں ؟"

اسرا نے اپنا بیگ اٹھایا اور کھڑی ہو گئی۔

" میں جا رہی ہوں۔تم اپنے شگوفے چھوڑتے رہو۔" اب اس کا رخ اسٹڈی روم کے دروازے کی جانب تھا۔

"اسرا سوری۔واپس آئیں۔میں اب کوئی فضول بات نہیں کروں گا۔" وہ اس کے ری ایکشن پر بوکھلا گیا تھا۔اس لیے التجا کی۔مگر وہ نہیں رکی۔

" اسرا! مت جاؤ۔" اس پکار پر اس کے قدم زنجیر ہو گئے۔اس نے لمبا سانس بھرا۔اور واپس مڑ گئی ۔اب اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔کسی بھی تاثر سے پاک۔وہ واپس اسی کرسی پر آبیٹھی۔اور بیگ لکڑی کے میز پر رکھ دیا۔اب اس کا رخ نعمان کی جانب تھا۔

"نعمان! سچ بتاؤ کہ کیا تم کسی راز کے بارے میں جانتے ہو؟" وہ بالکل سنجیدہ تھی۔چہرے پر کسی مسکراہٹ کی رمک موجود نہیں تھی۔ارمان تھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

"جانتا ہوں !" وہ کم از کم اسرا کو ناراض نہیں کر سکتا تھا۔

"اگر اب تم نے کوئی فضول بات کہی تو میں یہاں پر کبھی نہیں آؤں گی۔"سخت لہجے میں تنبیہ کی گئی۔

نعمان کے حلق میں ایک لمحے کے لیے گلٹی نمودار ہوئی۔

"میں نے کچھ دن پہلے باباجان کے لاکر میں ایک کاغذ دیکھا تھا۔اس پر پانچ سال پہلے کی کوئی ڈیٹ لکھی ہوئی تھی۔" اس نے ان کو ساری بات بتا دی کہ کیسے اسے وہ کاغذ ملا اور کیسے بابا جان نے اس کے ہاتھ سے وہ پکڑ لیا۔

" مگر اس سے یہ بات کنفرم تو نہیں ہوتی کہ اس کاغذ میں ہی کوئی راز ہے اور اگر ہے بھی تو کیا وہ قاتل اسی راز کے بارے میں بات کر رہا تھا؟ کوئی اور بتاؤ۔" نعمان جھلا اٹھا۔

" ارمان بھائی! اگر آپ اتنے سال یہاں نہیں تھے۔تو میں بھی نہیں تھا۔مجھے جو پتہ تھا وہ میں نے آپ کو بتا دیا۔"اس کی بات پر اسرا ہلکا سا مسکرائی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ہم پہلے اس پیپر کے راز کو فاش کرتے ہیں۔اور پھر ہم آگے ڈھونڈیں گے۔" اسرا کے کہنے پر ارمان نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اوکے۔پہلے اب ہم اس کاغذ کو حاصل کریں گے۔" ارمان نے پر سوچ انداز میں کہا تو نعمان کے دماغ میں چھپاکہ ہوا۔

" میرے پاس ایک پلان ہے۔مگر آپ لوگوں کو میری شرط پوری کرنی ہوگی۔" اس کی آنکھوں میں شرارت چمک رہی تھی۔

"کیسی شرط؟" وہ دونوں یک زبان بولے تو نعمان مسکرایا۔

"دیکھیں آپ دونوں کی پانچ سال بعد صلح ہوئی ہے تو پارٹی تو بنتی ہے نا۔۔" اس سے پہلے وہ آگے بولتا اسرا نے اپنا ہاتھ کھڑا کر دیا۔

"مجھے تمہارا پلان پتہ لگ گیا ہے۔"اس کی آنکھیں جگمگا رہی تھیں۔

"یار اسرا! یہ چیٹنگ ہے۔یہ میرا پلان تھا۔"وہ خفگی سے بولا تو اسرا نے بے نیازی سے اپنے شانے اچکائے۔

"کون سا پلان؟ "ارمان کو ان کی باتیں سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ارمان کے سوال پر نعمان نے اپنے سر پر ہاتھ مارا اور اسرا کو اشارہ کیا کہ اسے بتائے۔

"پارٹی۔" اسرا نے یک لفظی جواب دیا۔تو ارمان نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔

"مطلب سب پارٹی میں مصروف ہوں گے اور ہم میں سے ایک وہ پیپر لے آئے گا۔

" مگر چابی کہاں سے ملے گی؟ " ارمان کے پوچھنے پر نعمان کے چہرے پر پر شریر مسکراہٹ چھا گئی۔

" ماں جی کے پلو سے۔" اس کی بات پر وہ دونوں مسکرائے۔

" اوکے ! چابی حاصل کرنا میرا کام ہے۔" اسرا سوچتے ہوئے بولی۔

" اور چونکہ آپ دونوں چیف گیٹس ہوں گے تو آپ کے غیر موجودگی کا فوری نوٹس لیا جائے گا۔اس لیے وہ پیپر میں لے کر آؤں گا۔" اس نے اپنے بکھرے بالوں کو ہاتھ سے سیٹ کرتے ہوئے کہا۔

" اوکے مگر پارٹی ارینج کب کرنی ہے؟" اسرا کے سوال پر ارمان نے گھڑی کی جانب دیکھا۔شام ہونے کو تھی۔

" ارینجمینٹس اتنی جلدی نہیں ہو سکتے۔اس لیے آج نہیں ہو پائے گی۔کل کریں گے۔" ارمان کی بات پر ان دونوں نے سر ہلایا۔

"اوکے۔پھر میں چلتی ہوں۔اللہ حافظ !" اسرا بیگ اٹھاتی کھڑی ہو گی۔

"اللہ حافظ!" اسرا نے سر ہلایا اور باہر نکل گئ۔پیچھے نعمان، ارمان کو پارٹی کا مینیو بتا رہا تھا۔

"السلام علیکم مما !" وہ خوشگوار موڈ میں لاؤنج میں داخل ہوئی۔جہاں نیلوفر صاحبہ ایک فائل دیکھنے میں مصروف تھیں۔ہاسپٹل کا شیڈیول تھوڑا مصروف چل رہا تھا۔کیونکہ ڈاکٹر فیصل غیر حاضر تھا۔

" وعلیکم السلام !خیریت تھی تم نے اتنی دیر لگا دی نہال کی طرف۔؟" وہ تھوڑا حیران بھی تھیں۔ کیونکہ اسرا ارمان کے واپس آنے کے بعد وہاں گئی ہی نہیں تھی۔پھر آج کیا ہو گیا؟؟

" آپ کو ایک خوشخبری سناؤں ؟" انہیں آج اپنی بیٹی کی آنکھوں میں ایک چمک سی دکھائی دی۔

"بالکل۔"انہوں نے فائل بند کر دی اور اسرا کی جانب متوجہ ہو گئیں۔جو ان کے ساتھ صوفے پر بیٹھ چکی تھی۔

" ہماری صلح ہو گئی۔" اسرا کی بات پر وہ بری طرح چونکیں۔

"کیا کہا صلح ہو گئی؟۔۔ارمان اور تمہاری صلح ہو گئی؟" ان کی بات پر اسرا نے پرجوش انداز میں سر ہلایا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" یکدم انہیں کچھ یاد آگیا۔

"کیا تم نے اس لڑکے کو ہاں کر دی تھی؟ " اسرا کے چہرے کی مسکراہٹ ایک لمحے کے لیے تھم گئی۔پھر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"یہ تو اس سے بھی اچھی بات ہے۔" وہ مسکرا کر بولیں۔تو اسرا ہلکا سا مسکراتی کھڑی ہو گئی۔

"میں فریش ہونے جا رہی ہوں۔" ابھی اس نے دو قدم آگے کی جانب بڑھائے ہی تھے کہ اسے پیچھے سے ڈاکٹر نیلوفر کی آواز سنائی دی۔

" ارمان سے اب اپنی کوئی امیدیں وابستہ مت کرنا۔

وہ تمہیں اب کچھ نہیں دے سکتا۔" ان کی بات پر اسرا نے لمبی سانس بھری۔

"آپ فکر مت کریں میں نے لوگوں سے توقعات وابستہ کرنا چھوڑ دیا ہے۔"

" ہاں آج کنزیٰ آئی تھی فضہ سے ملنے۔" ان کی آخری بات پر اس نے اپنا منہ بنایا۔

"اس نے مجھے تو نہیں بتایا!" وہ تفتیشی انداز میں پوچھ رہی تھی۔

" بچی مصروف ہوتی ہے نا۔اس لیے تمہیں بتانا بھول گئی ہوگی۔"

"جی بچی بہت مصروف ہوتی ہے۔" اسرا کی بات پر ڈاکٹر نیلوفر مسکرائیں۔

"اچھا جاؤ۔فریش ہو لو۔" اسرا سر ہلاتی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔پیچھے ڈاکٹر نیلوفر نے دوبارہ فائل کھول لی۔

وہ فریش ہو کر کمرے میں آئی تو اس کے موبائل کی بیل بج رہی تھی۔موبائل پر جگمگاتا نام دیکھ کر اس نے لمبی سانس بھری۔اور کال اٹینڈ کر کے موبائل کان کے ساتھ لگا لیا۔

"السلام علیکم ! ڈاکٹر کیسی ہیں آپ؟" اس کے بولنے سے پہلے دوسری جانب سے ایک بے چین آواز سنائی دی۔اسرا نے گھور کر موبائل کی سکرین کو دیکھا۔

" وعلیکم السلام!! الحمد اللہ ! میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

" اس ارمان احمد نے کوئی اس الٹی سیدھی بات تو نہیں کی ؟ " وہ چلتی ہوئی صوفے پر بیٹھ گئی۔

"نہیں! آپ کے سامنے ہی تو صلح ہوئی تھی۔" دوسری جانب کچھ پلوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔اسرا اس کے بولنے کا انتظار کرتی رہی۔

"آپ خوش تو ہیں نا ؟ " اس کے سوال پر اسرا کا چہرہ سپاٹ ہو گیا۔وہ کچھ نہیں بولی۔دوسری جانب محب زخمی انداز میں مسکرایا۔

"کیا بہت مشکل سوال پوچھا ہے؟" اس کے لہجے میں خود اذیتی تھی۔اسرا نے صوفے سے ٹیک لگا کر اپنی آنکھیں موند لیں۔

"کیا میرا خوش ہونا ضروری ہے؟" کتنا عام سا لہجہ تھا۔نہ کچھ جتاتا ہوا۔نہ کوئی گلہ کرتا ہوا۔بس خاموش سا۔

”با خدا! ڈاکٹر ! اگر ارمان احمد کو آپ سے تھوڑی سی بھی محبت ہوتی تو میں آپ سے دستبردار ہو جاتا اور آپ کو اس کے حوالے کر دیتا۔“ اس کا لہجہ جذبات کی شدت سے بوجھل تھا۔اسرا نے اس کی بات پر اپنی آنکھیں کھولیں۔

”آپ ہوتے کون ہیں مجھے کسی کے حوالے کرنے والے؟“ اسرا بے تاثر لہجے میں بولی تو محب ہنسا۔

”کیا ڈاکٹر ! پورے ڈائیلاگ کا بیڑا غرق کر دیا۔“ اس کی بات پر اسرا کے لبوں پر ایک مسکراہٹ پھیل گئی۔

”آپ مسکرا رہی ہیں نا ؟ ایک مان سے پوچھا گیا۔اسرا کی نظریں خود بخود سامنے موجود آئینے میں نظر آتے اپنے عکس پر اٹھ گئیں۔ہاں!! اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔وہ دم بخود رہ گئی۔اسے کیسے پتہ لگا تھا؟

” ڈاکٹر! دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔اگر آپ کے دل کی راہ میرے دل تک نہیں آتی تو کیا ہوا ؟ میرے دل کی راہ تو آپ کے دل تک آتی ہے نا۔“اسے معلوم تھا کہ وہ یہی سوچ رہی ہوگی کہ اسے کیسے پتہ لگا ؟؟

”ڈاکٹر ! آپ میری بات سن رہی ہیں نا ؟ “اب اسرا کی نگاہیں فضا میں کسی غیر مرئی مقام پر جمی ہوئی تھیں۔

” ہمم۔“ اس نے کھوئے سے انداز میں کہا تو محب کو تسلی ہوئی۔

”ڈاکٹر! میں یہ نہیں کہوں گا کہ مجھے سو، ہزار لڑکیاں میسر ہیں اور میں نے آپ کو چنا۔مجھے یہ جملہ میرے میری محبت کی توہین لگتا ہے۔“ اسرا خاموشی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

”میں یہ بھی نہیں کہوں گا کہ آپ میری پہلی ترجیح ہیں۔کیونکہ ترجیحات وہاں ہوتی ہیں جہاں اور چوائسز بھی موجود ہوں۔“ اس کی بات پر اسرا مسکرائی۔

”کسی نے مجھ سے کہا تھا کہ میں اس کی پہلی ترجیح ہوں۔“ اسرا کو محب کی بات یاد آئی تھی۔

” ڈاکٹر وہ کام کے متعلق کہا تھا۔کہ آپ پہلے اور پھر باقی سارے کام۔اب میں یہ تو نہیں کہہ سکتا تھا نا کہ مجھے اور کوئی کام ہی نہیں ہے۔“ وہ اسے ایسے سمجھا رہا تھا جیسے کوئی بڑا کسی بچے کو سمجھاتا ہے۔

اس کی بات سن کر اسرا کا قہقہہ کمرے کی فضا میں گونج اٹھا۔محب نے آنکھیں بند کر کے اس کی آواز کو محسوس کیا۔

”کاش !میں آپ کے سامنے ہوتا ! “عجیب سی خواہش کا اظہار کیا گیا تھا۔اسرا ایکدم ہوش میں آئی۔

اب اس کا چہرہ سنجیدہ تھا۔وہ اپنے خول میں دوبارہ سے قید ہو چکی تھی۔

”مسٹر محب !کیا آپ نے ان باتوں کے لیے کال کی تھی؟“ سنجیدہ انداز میں سوال کیا گیا تو محب مسکرایا۔” نہیں ڈاکٹر ! مجھے آپ سے ضروری بات کرنی تھی۔“

” تو کیجیے نا !!“

”کیا میں کل شام اپنی مام کو آپ کے گھر لے آؤں؟ “ نرمی سے پوچھا گیا۔تو اسرا سوچ میں پڑ گئی ۔کل نہیں کل تو پارٹی تھی !

”نہیں۔کل نہیں !کل میں تھوڑی بزی ہوں۔آپ پرسوں لے آیئے گا۔“وہ سوچ کر بول رہی تھی۔

”اوکے۔ڈاکٹر ! جیسا آپ کا حکم۔“ اس کی بات سن کر اسرا کے ابرو طنزیہ انداز میں اٹھ گئے۔

”میں نے حکم نہیں دیا۔کسی کو اتنا حق نہیں دینا چاہیے کہ وہ آپ پر حکم چلائے۔“ اس کی بات پر محب مسکرایا۔

” ڈاکٹر !آپ میرے لیے کسی نہیں ہیں۔“

” اللہ حافظ! مسٹر محب!“ وہ اس کی باتیں مزید نہیں سن سکتی تھی۔

”فی امان اللہ !ڈاکٹر !“ اسرا نے کال کاٹ دی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔جبکہ دوسری جانب محب آنکھیں موندیں مسکرانے میں مصروف تھا۔

اس نے جب جب بھی مجھے دل سے پکارا محسنؔ

میں نے تب تب یہ بتایا کہ تمہارا محسنؔ

اس کو پانا تو مقدر کی لکیروں میں نہیں

اس کو کھونا بھی کروں کیسے گوارا محسنؔ

صبح اس کی آنکھ معمول کے مطابق فجر کی نماز کے بعد کھلی۔فضہ کے ساتھ فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد اس نے قران پاک کی تلاوت کی اور پھر کچھ دیر چہل قدمی کے لیے لان میں آگئی۔جبکہ فضہ دوبارہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔چمبیلی اور موتیے کی خوشبو اس کے حواسوں پر چھا رہی تھی۔ٹھنڈی ہوا نے اسے پرسکون کر دیا۔

وہ آج کی پارٹی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔یقینا آج کا دن بہت مصروف گزرنے والا تھا۔وہ بہت خوش تھی کہ وہ دوبارہ دوست بن چکے تھے۔مگر دل میں ایک کسک سی موجود تھی۔وہ اس کسک کو بھی مکمل طور پر ختم کرنا چاہتی تھی۔اس نے ارمان کو ایک دوست کی حیثیت سے قبول کر لیا تھا۔مگر اس کا کمزور دل کبھی کبھی بغاوت پر اتر آتا تھا۔مگر اب نہیں!! بس وہ کبھی کبھی ڈرتی تھی کی کسی دن اس کا خول ٹوٹ نہ جائے۔

سورج طلوع ہو رہا تھا۔اس کی مدھم مدھم روشنی اندھیرے کو ختم کرنے لگی۔اندھیرے سے لوگ ایسے ہی ڈرتے ہیں۔حالانکہ اس کو ختم کرنے کے لیے ایک جگنو ہی کافی ہوتا ہے۔چاہے وہ جگنو روشنی کا ہو، امید کا ہو، ہمت کا ہو ،حوصلے کا ہو، یا پھر صبر کا ہو۔

اس نے کبھی یہ امید رکھی ہی نہیں تھی کہ ارمان اس کا ہو۔ہاں! اندھیرے کو ختم کرنے کے لیے امید کے ساتھ دعاؤں کے بھی ضرورت ہوتی ہے۔کوئی کیسے یہ امید رکھ سکتا ہے کہ وہ چیز اسے مل جائے۔جس کے لیے اس نے کبھی کوشش ہی نہ کی ہو اور نہ ہی اللہ سے التجا کی ہو۔

کوئی اس سے یہ پوچھتا کہ اس نے ارمان کو اللہ سے کیوں نہیں مانگا۔تو وہ خاموش ہو جاتی۔ہاں ! اس کے دل کو معلوم تھا اس نے اللہ سے ارمان کو کیوں نہیں مانگا۔مگر وہ بات اسرا کسی کو بتا نہیں سکتی تھی۔کیونکہ وہ بات اس اور اللہ کے درمیان کی تھی۔وہ کیسے لوگوں کو بتاتی کہ اسے اللہ سے حیا آتی تھی کہ وہ اس کے سامنے کسی اور کو مانگے۔یہی وہ وجہ تھی جس وجہ سے اس نے ارمان کو کبھی اللہ سے نہیں مانگا۔

اس نے ہمیشہ اللہ سے اس کی رضا مانگی۔اور اللہ نے اسے صبر اور شکر ادا کیا۔اب اسے ارمان کی چاہ نہیں تھی۔وہ اللہ کی شکر گزار تھی کہ اس نے ان کی دوستی کو دوبارہ زندہ کر دیا۔اور ارمان کے دل سے ساری بدگمانیاں نکال دیں مگر اب اسے ارمان کی طلب بھی نہیں تھی۔ہاں! کبھی کبھی وہ مجبور ہو جایا کرتی تھی۔مگر اب نہیں!!

اس نے رنگ بدلتے آسمان کی جانب دیکھا۔آسمان کا رنگ بدلنا کتنا خوبصورت لگتا ہے نا !! کاش لوگوں کا رنگ بدلنا بھی اتنا ہی خوبصورت لگتا!! اس نے لمبا سانس بھرا اور اٹھ گئی۔اب اسے ہاسپٹل کے لیے تیار ہونا تھا۔

فضہ اور ڈاکٹر نیلوفر کو ایک دوسرے کی کمپنی بہت پسند آئی تھی۔ کبھی وہ لان میں گارڈننگ کرتی تھیں تو کبھی کچن میں ککنگ۔فضہ ،ڈاکٹر نیلوفر سے کافی کچھ سیکھ چکی تھی۔ کھانا اکثر ڈاکٹر نیلوفر ہی بنایا کرتی تھی۔ نجمہ صفائی اور باقی کا کام کیا کرتی تھی۔اور کھانا بنانے میں ڈاکٹر نیلو فر کی مدد کیا کرتی تھی۔اس وقت فضہ اور ڈاکٹر نیلوفر کچن میں کچھ بنانے میں مصروف تھیں۔وہ آہستہ سے اندر داخل ہوئی۔

ڈاکٹر نیلوفر کی اس کی جانب پشت تھی۔وہ چولہے کے آگے کھڑی پین کیک بنا رہی تھیں۔وہ دبے پاؤں آگے بڑھتی گئی۔فضہ کی اس پر نظر پڑی تو اس نے منہ پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کروا دیا ۔فضہ ہلکا سا مسکرائی۔اسرا نے ڈاکٹر نیلوفر کے گلے میں اپنی بانہیں ڈال دیں اور زور سے بولی۔

"السلام علیکم! مائی بیوٹی فل لیڈی!! " اس کے چہک کر بولنے پر ڈاکٹر نیلوفر کے چہرے پر مسکان چھا گئی۔انہوں نے چولہا بند کیا اور اس کی جانب مڑیں۔

"وعلیکم السلام !مائی بیوٹی فل ڈاٹر !" انہوں نے اسی کے انداز میں کہتے ہوئے اس کے سفید گالوں کو کھینچا تو وہ سرخ ہو گئے۔اسرا نے منہ بنا لیا۔اسے ان کی یہ حرکت بالکل بھی نہیں پسند تھی۔

"کیا مما! میں کوئی چھوٹی بچی تھوڑی ہوں۔جو آپ میرے گال کھینچتی رہتی ہیں۔" اس نے خفگی سے اپنا رخ پھیر لیا۔فضہ ان ماں بیٹی کی باتوں کو انجوائے کر رہی تھی۔ڈاکٹر نیلوفر نے اسے بھی اپنی بیٹی ہی بنا کر رکھا تھا۔اسے اپنے والدین سے زیادہ پیار ان سے مل رہا تھا۔

"میرے لیے تو تم ہمیشہ چھوٹی بچی ہی رہو گی۔" وہ اپنا ایپرن اتارتے ہوئے بولیں تو اسرا نے اپنا ناک چڑھایا۔

وہ اپنے گھر والوں کے لیے ڈاکٹر اسرا یاسر نہیں تھی۔صرف اسرا تھی۔ڈاکٹر اسرا یاسر اور اسرا کی شخصیات میں بہت فرق تھا۔وہ باہر والوں کے لیے سخت دل، روڈ، سنجیدہ سی، کنزرویٹو ڈاکٹر اسرا یاسر تھی۔مگر اپنے گھر والوں کے لیے وہ نرم دل، شرارتی سی اسرا تھی۔وہ اپنا رعب اور دبدبہ گھر میں اپنی ماں پر نہیں جھاڑا کرتی تھی۔اسے معلوم تھا کہ وہ اپنی ماں کی لاڈلی بیٹی تھی۔مگر اس نے اس بات کا کبھی بھی نا جائز فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔وہ اپن ماں کی صبر و شکر والی بیٹی تھی۔کسی کا دل نہ دکھانے والی!!

اب وہ تینوں باہر لاؤنج میں آگئیں۔

"نجمہ ٹیبل پر ناشتہ لگاؤ۔" نجمہ کچھ دی پہلے ہی اپنے کوارٹر سے آئی تھی۔ نجمہ سر ہلاتے ہوئے کچن میں چلی گئی۔ اسرا پہلے ہاسپٹل کے لیے تیار ہوتی تھی اور بعد میں ناشتہ کیا کرتی تھی۔ مگر آج ڈاکٹر نیلوفر کے کہنے پر پہلے وہ پہلے ناشتہ کرنے کے لیے تیار ہو گئی۔ ابھی وہ تینوں لاؤنج میں ہی بیٹھی تھیں کہ اسرا نے گلا کھنکار کر بات کا آغاز کیا۔

"مما! مجھے ایک بات کرنی ہے۔" ڈاکٹر نیلوفر اور فضہ دونوں اس کی جانب متوجہ ہوئیں۔

"کرو۔" انہوں نے یک لفظی جواب دیا۔

" ہماری صلح ہو گئی ہے نا تو اس لیے ہم لوگوں نے آج پارٹی ارینج کی ہے۔" وہ سادہ سے لہجے میں بولی تو وہ دونوں مسکرائیں۔

"یہ تو اچھی بات ہے۔ مگر پارٹی ہو گی کہاں؟؟" ان کے سوال پر اسرا سوچ میں پڑ گئی۔ یہ تو ارمان نے بتایا ہی نہیں تھا کہ پارٹی کرنی کہاں ہے؟ یکدم اس کے دماغ میں ایک خیال آیا۔

" یہاں ہمارے گھر میں۔" وہ پرجوش سا بولی تو ڈاکٹر نیلوفر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے مگر یہ سب ارینج کون کرے گا؟ تم تو ہاسپٹل جا رہی ہو نا!" وہ سوچتے ہوئے بولیں۔

"میں جلدی آ جاؤں گی اور ارمان ، نعمان اور نہال بھی تو ہوں گے نا ! وہ سب ارینج کر لیں گے اور پارٹی ہمارے لان میں ہوگی۔" آج کل موسم کافی خوشگوار تھا۔اس لیے اس نے پارٹی لان میں رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔اس کی بات سن کر ڈاکٹر نیلوفر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کون کون ہوں گے ؟"

"بس ہم لوگ اور اگر آپ نے کسی کو بلانا ہے تو بلوا لیجیے گا۔میں کنزیٰ کو بھی انوائٹ کر لوں گی۔مگر بچی بہت مصروف ہوتی ہے نا ! شاید اس لیے نہ آ سکے۔" اس کی بات پر فضہ کے لبوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

نجمہ نے ڈائننگ ٹیبل پر ناشتہ لگا دیا تھا۔وہ سب ٹیبل کی جانب بڑھیں۔ڈاکٹر نیلوفر اپنی سربراہی کرسی پر بیٹھ گئی تھیں۔جبکہ فضہ ان کے بائیں جانب بیٹھی۔ابھی اسرا کے ہاتھ اپنی کرسی پر تھے کہ ڈاکٹر نیلوفر بولیں۔

"اس لڑکے کو بھی بلا لینا۔" ایک لمحے کے لیے اسرا کو سمجھ نہیں آئی کہ وہ کس لڑکے کی بات کر رہی تھیں۔ مگر پھر جیسے ہی سمجھ آئی اس نے کرسی پیچھے گھسیٹی اور بیٹھ گئی۔اس نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"ویسے نام کیا تھا اس کا؟" اسرا جگ سے گلاس میں جوس انڈیل رہی تھی کہ ڈاکٹر نیلوفر نے اس کی پلیٹ میں پین کیک رکھتے ہوئے پوچھا۔اس کے بعد انہوں نے فضہ کی پلیٹ میں بھی پین کیک رکھا تو وہ مسکرائی۔وہ اسے کسی بھی احساسِ محرومی میں مبتلا نہیں ہونے دیتی تھیں۔

"محب رضا۔" اس نے جوس کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔ناشتے سے پہلے جوس پینا اس کی عادت تھی ۔اس کی بات پر ڈاکٹر نیلوفر نے سر ہلایا۔

اسرا کسی کو بھی ایسے انوائٹ نہیں کر سکتی تھی۔کیونکہ اسے نہیں معلوم تھا کہ کب کیا ہو جائے ؟ وہ اعتبار کرنے کے معاملے میں بہت بری تھی۔اس کے مطابق جو چیز آنکھ سے نہ دیکھی گئی ہو۔اس کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔وہ کسی پر بھی یقین نہیں کیا کرتی تھی۔اس کا دماغ کچھ لوگوں کے متعلق

اسے ریڈ سگنل دیا کرتا تھا۔ پھر وہ لوگ چاہے جتنے مرضی قابلِ اعتماد کیوں نہ ہوں۔ اسرا ان پر بھروسہ نہیں کرتی تھی۔

محب کے متعلق تو اس کے دماغ نے ریڈ سگنل نہیں دیا تھا تو گرین سگنل بھی نہیں دیا تھا۔ بعض اوقات حد سے زیادہ بے اعتمادی بھی انسان کو اندھے کنویں کی جانب دھکیل دیا کرتی ہے۔ مگر اسرا محب پر یقین نہیں کر سکتی تھی۔اس لیے وہ اسے نہیں بلائے گی۔

ناشتہ کرنے کے بعد وہ کھڑی ہو گئی۔

"اوکے۔مام !!میں تیار ہونے جا رہی ہوں۔" وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔تیار ہو کر اس نے اپنا عکس آئینے میں دیکھا۔لائم کلر کی لمبی قمیص اور کیپری میں اس کی رنگت نکھری نکھری لگ رہی تھی ۔اب وہ ہلکے گلابی رنگ کے دوپٹے کو اپنے چہرے کے گرد لپیٹ رہی تھی۔ابھی اس نے گھڑی ٹیبل سے اٹھائی ہی تھی کہ اس کے موبائل کی بیل سنائی دی۔چارجنگ پر لگے موبائل کو اتارا تو اس پر ارمان کا نام جگمگا رہا تھا۔اس نے مسکراتے ہوئے کال اٹینڈ کی اور موبائل اسپیکر پر لگا دیا۔

" السلام علیکم! کیسی ہو؟ " دوسری جانب ارمان اور نعمان اس وقت ارمان کے کمرے میں موجود تھے۔ ارمان پولیس اسٹیشن جانے کے لیے تیار ہو چکا تھا۔"وعلیکم السلام !الحمداللہ۔آپ کیسے ہیں ؟" موبائل ٹیبل پر رکھتے ہوئے وہ اپنی کلائی کے گرد سنہری گھری باندھنے لگی۔

"میں بھی ٹھیک ہوں۔" اس کی بات پر نعمان نے اپنا منہ بسورا۔

"میں بھی یہی ہوں۔" اسرا اور ارمان کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔اب وہ بھوری سینڈل پہن کر جھکتے ہوئے اس کا سٹیپ بند کر رہی تھی۔

"مجھے الہام نہیں ہوگا کہ آپ بھی وہاں ہیں۔خیر! کیسے ہو ؟" ایک پاؤں کا سٹیپ بند کرنے کے بعد وہ دوسری جانب جھکی۔

"ٹھیک ہوں۔" مسکرا کر جواب دیا گیا۔

" اسرا! مجھے یہ پوچھنا تھا کہ پارٹی کرنی کہاں پر ہے ؟" ارمان کے دماغ میں آج صبح ہی یہ خیال آیا تھا۔اس کے سوال پر اسرا نے گہری سانس بھری۔

"میرے گھر میں۔" اب وہ اپنے بھورے بیگ میں چیزیں ڈال رہی تھی۔

”مگر کیوں ؟ “نعمان چاہتا تھا کہ پارٹی ان کے گھر پر ہو۔

”نعمان !میری بات پر یقین کرو۔اگر پارٹی میرے گھر ہوگی تو مجھے چابی حاصل کرنے میں آسانی ہو گی۔“ اب وہ صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

”ڈونٹ ٹیل می کہ آپ وہی پرانا طریقہ استعمال کرنے والی ہیں۔“ اس کی بات پر اسرا مسکرائی۔

”نعمان! اہمیت طریقے کی نہیں ہوتی مقصد اور نیت کی ہوتی ہے۔طریقہ بس صحیح ہونا چاہیے۔“

ارمان کو بھی پتہ تھا کہ وہ کون سے طریقے کی بات کر رہے تھے۔

اب وہ اٹھی اور کندھے پر بیگ لٹکایا۔اور آخری دفعہ اپنے عکس پر تنقیدی نگاہ ڈالتی کمرے سے باہر نکل گئی۔سینڈل کی ٹک ٹک مرمریں راہداری میں گونج رہی تھی۔

” اسرا! تم چابی حاصل کر لو گی نا ؟“

”بالکل۔“

”””ویٹ آ سیکنڈ۔“ یکدم ارمان چونکا۔

”کیا ہوا ارمان؟“ اسرا باہر لاؤنج میں آچکی تھی۔جہاں ڈاکٹر نیلوفر اور فضہ کسی ڈرامے پر تبصرہ کر رہی تھیں۔اسے دیکھ کر وہ مسکرائیں۔اسرا نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں اللہ حافظ کہا اور باہر کی جانب بڑھی۔

”کیا وہ چٹ ہمارے لیے ہی تھی ؟“ اس کی بات پر اسرا کے چلتے قدم رک گئے۔

” ہنڈرڈ پرسنٹ !“

”تمہیں کیسے معلوم ؟“ وہ تعجب سے بولا۔

” ارمان! اگر اس نے وہ چٹ ڈاکٹر فیصل کے لیے یا پھر اس دلاور شاہ کے لیے چھوڑنی ہوتی تو وہ اسے اتنا چھپا کر نہ چھوڑتا۔آپ پولیس والے ہیں اس لیے اس نے اس چٹ کو اتنا چھپایا۔ورنہ ڈاکٹر فیصل کے لیے تو وہ پیغام کہیں پر بھی رکھ سکتا تھا۔“ اس کی بات پر ارمان نے سر ہلایا۔اب وہ باہر پورچ کی جانب بڑھ رہی تھی۔

اس سے پہلے وہ اپنی گاڑی کا دروازہ کھولتی اسے نجمہ بیرونی دروازے سے اندر آتی دکھائی دی۔اس کے ہاتھوں میں ایک بوکے اور ایک باکس تھا۔وہ چلتی ہوئی اسرا کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"چھوٹی بی بی ! یہ کوئی آدمی آپ کے لیے دے کر گیا ہے۔"اسرا نے تعجب سے اس کے ہاتھوں سے وہ چیزیں پکڑیں۔ نجمہ کی بات سن کر نعمان اور ارمان کے کان کھڑے ہوئے۔ نجمہ وہاں سے جا چکی تھی۔اس باکس کے ساتھ ایک کارڈ بھی موجود تھا۔اتنی صبح صبح یہ کس نے بھیجا تھا؟ اس کا پہلا خیال محب کی جانب گیا۔

"کیا ہوا عسریٰ؟" ارمان کے پوچھنے پر اسرا نے موبائل کی جانب دیکھا۔کال ابھی بھی چل رہی تھی۔

"پتہ نہیں ! کسی نے گفٹ اور بوکے بھیجا ہے۔" اسرا تعجب سے ان کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔

" اوکے۔تم اسے کھولنا مت۔ہم ابھی آ رہے ہیں۔" ارمان نے کال کاٹ دی اور باہر کی جانب بڑھا۔ نعمان بھی اس کے پیچھے گیا۔کچھ دیر بعد وہ اسرا کے سامنے پورچ میں موجود تھے۔اسرا کے ہاتھوں میں وہ سرخ گلابوں کا ایک بوکے، نیلے رنگ کے گفٹ ریپ میں لپٹا ہوا ایک چھوٹا سا باکس اور ایک سفید کور والا کارڈ تھا۔

"کارڈ کھولو۔" ارمان کے کہنے پر اس نے کارڈ کھولا اور اسے پڑھنے لگی۔اسے پڑھ کر وہ ساکت رہ گئی۔کس نے بھیجا تھا وہ؟

"ارے! اونچی آواز میں پڑھو نہ۔" اس کی بات سن کر اسرا نے ادھر ادھر دیکھا اور ان کو لان میں آنے کا اشارہ کیا۔کرسیوں پر بیٹھنے کے بعد اس نے آہستہ آواز میں پڑھنا شروع کیا۔

"امید ہے کہ آپ بہت اچھی ہوں گی۔بلکہ آپ تو ہیں ہی بہت اچھی۔آپ کے ہر لمحے پر میری نگاہ ہے۔آپ اپنے دل میں کسی دوسرے انسان کا خیال بھی مت لایئے گا۔کیونکہ میں محب رضا نہیں ہوں جو سر جھکا کر آپ کی ہر بات مان لوں گا۔" وہ بے تاثر لہجے میں پڑھ رہی تھی۔وہ دونوں اسے سن کر حیران رہ گئے۔یہ کون تھا؟

" آگے پڑھو۔"

"جس انسان کا خیال آپ کے دل میں آیا یا آپ کا خیال جس کے دل میں آیا۔پھر اس انسان کا ٹھکانہ قبرستان ہو گا۔" عسریٰ کو پتہ لگ گیا تھا کہ وہ انڈائریکٹلی ارمان اور محب کی بات کر رہا تھا۔

" اور وہ نکمہ پولیس والا حیران نہ ہو۔میں نے وہ پیغام اسی کے لیے چھپایا تھا۔" اس لائن پر وہ رک گئی اور ارمان کی جانب دیکھا۔جس نے اپنی مٹھیاں بھینچی ہوئی تھیں۔اسرا حیران تھی کہ وہ ان کے بارے میں اتنا کچھ کیسے جانتا تھا؟

"حیران نہ ہوں میں آپ سب کے بارے میں ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات جانتا ہوں۔اور ایک آخری بات۔۔میں نے آپ کے لیے ایک تحفہ بھیجا ہے۔امید ہے وہ چیز آپ کو پسند آئے گی۔اور مجھے آپ کے ہاتھ میں دکھائی دے گی۔ورنہ جو ہو گا اس کا اندازہ آپ کو ہرگز نہیں ہے۔اپنا خیال رکھیے گا۔فقط آپ کا دیوانہ۔۔"

کارڈ پڑھ کر اس نے لمبی سانس بھری اور سامنے باکس کے ساتھ میز پر رکھ دیا۔اب وہ تینوں خاموشی سے ایک دوسرے کو تک رہے تھے۔یہ معاملہ جتنا سیدھا دکھائی دے رہا تھا اتنا نہیں تھا۔

ارمان نے باکس اٹھایا اور اسے ان ریپ کرنے لگا۔نیلے گفٹ ریپ کے اندر سے ایک چھوٹا سا سلور باکس نکلا جو چمک رہا تھا۔ارمان نے اسے بھی کھولا تو اندر ایک چھوٹا سا سلور بریسلیٹ چمک رہا تھا۔ اس نے اپنی دو انگلیوں سے اسے باہر نکالا اور اسے غور سے دیکھا۔اس کی ساخت بہت منفرد تھی۔ پلاٹینم کی باریک چین کے اوپر ہیرے جڑے ہوئے تھے اور اس کے ساتھ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بہت سی لڑیاں لٹک رہی تھیں۔جن کے سرے پر ایک ایک سفید موتی جگمگا رہا تھا۔اس نے وہ

بریسلیٹ اسرا کی جانب بڑھایا۔ مگر اسرا اسے لینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی تھی۔۔اس نے نفی میں سر ہلایا تو ارمان نے شانے اچکاتے ہوئے اسے سلور باکس میں ڈال کر واپس میز پر رکھ دیا۔

" اسرا! یہ رکھ لیں۔کافی قیمتی لگ ہے۔"نعمان کے بولنے پر اسرا نے اسے آنکھیں دکھائیں تو اس نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔اب نعمان نے وہ کارڈ اٹھایا اور اسے دیکھنے لگا۔

" یہ وہی رائٹنگ ہے۔" اس نے تبصرہ کرتے ہوئے اسے واپس رکھ دیا۔

"مطلب اسرا اس وجہ سے زندہ ہیں۔ویسے پتہ ہے اس وقت میرے دماغ میں کونسا گانا گونج رہا ہے ؟" وہ مسکراتے ہوئے بولا تو ارمان اور اسرا نے اس کی جانب سوالیہ انداز میں دیکھا۔اس نے اپنی مسکراہٹ دبائی۔اب اس کا رخ اسرا کی جانب تھا۔مگر ہاتھ سے اشارہ اس باکس کی جانب کر رہا تھا۔

"آپ نے پگھلا دیا پتھروں کو

ایک ان کا دل پگھلتا نہیں ہے۔"

آخر میں اس نے ارمان کی جانب اشارہ کیا تو ارمان نے اس کے کندھے پر مکا مارا۔اس کے منہ سے آہ نکلی۔

”بس کرو نعمان ! “اب ارمان اسرا کی جانب متوجہ ہوا۔

” اس انسان کو ہماری ساری باتیں کیسے معلوم ہو رہی ہیں؟ “ اس کی بات پر اسرا نے اپنے شانے اچکائے۔

” اس نے کہا ہے کہ ہمارے ہر لمحے پر اسکی نظر ہے۔کہیں اس نے ہمارے اردگرد کیمراز تو نہیں لگائے ہوئے؟“ نعمان نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا تو ان دونوں نے نفی میں سر ہلایا۔

” نہیں۔ایسا نہیں ہو سکتا۔“

”ایک منٹ اسے یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ ڈاکٹر فیصل آپ کو ہی گھڑی دے گا؟“ اسرا کے دماغ میں سوال پیدا ہوا۔

”اسرا میں ڈاکٹر فیصل کو بہت پہلے سے جانتا ہوں۔وہ اپنے تمام مسائل لے کر میرے پاس ہی آیا کرتا ہے۔شاید اسے یہ بات معلوم ہو۔“ اس کی بات پر اسرا نے سر ہلایا۔ہو سکتا تھا !

”اچھا۔آج کی پارٹی کی تھیم کیا ہوگی؟ “ اس کی بات پر ارمان نے اپنا سر تھاما۔اف!!

” رویل بلو اینڈ بلیک۔“ اسرا سوچ کر بولی تو وہ دونوں بھی متفق ہو گئے۔

"اوکے۔میں چلتی ہوں۔اللہ حافظ! نعمان تم ڈیکوریشن کروا لینا۔"اس کی بات پر نعمان نے اثبات میں سر ہلایا۔وہ دونوں بھی کھڑے ہو گئے۔

"اسرا!" ابھی وہ اپنی گاڑی کے پاس پہنچی ہی تھی کہ اسے پیچھے سے ارمان کی آواز سنائی دی۔اسکی پکار پر وہ مڑی اور سوالیہ انداز سے اس کی جانب دیکھا۔

"میں منال کو انوائٹ کر رہا ہوں۔تم بھی محب کو انوائٹ کر لو۔" اسرا کا چہرہ بے تاثر تھا۔وہ جو اندر اسے نہ بلانے کا ارادہ رکھتے تھی۔اس کی بات پر اس نے اپنا ارادہ تبدیل کر لیا۔اور سر ہلا کر اپنی گاڑی میں بیٹھ گئی۔پیچھے نعمان اور ارمان اپنے گھر کی جانب بڑھ گئے۔

ہاسپٹل پہنچ کر اس نے سب سے پہلے محب کو میسج کر دیا تھا۔

" مسٹر محب! شام چھ بجے میرے گھر پہ پارٹی ہے۔اور آپ انوائٹڈ ہیں۔"کچھ دیر بعد اسے محب کا میسج موصول ہوا۔

"تھینک یو ڈاکٹر! میں ضرور آؤں گا۔ویسے تھیم کیا ہے؟" اسے محب کا انداز مسکراتا ہوا لگ رہا تھا۔

”رویل بلو اینڈ بلیک۔“

”اوکے ڈاکٹر!“ اس کے بعد باقی کا دن معمول کے مطابق گزرا۔لنچ کے وقت وہ گھر پہنچ چکی تھی۔ گاڑی سے نکلتے ہوئے اس نے ایک نظر سجے ہوئے لان کی جانب ڈالی۔نیلے اور کالے ربنز اور غباروں سے سجا ہوا لان بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔نعمان کچھ لوگوں کے ساتھ کام کروا رہا تھا۔وہ اسرا کو دیکھ کر اس کے پاس آ گیا۔

”کیسا لگ رہا ہے؟“ وہ لان کو دیکھتا ہوا بولا تو اسرا نے سر ہلایا۔

” بہت اچھا۔تم نے لنچ کیا ؟“ اسرا کے پوچھنے پر اس نے نفی میں سر ہلایا۔

”اوکے ! تم میرے ساتھ آؤ۔ہم لنچ کرتے ہیں۔“ پھر اس نے ڈاکٹر نیلوفر کے ڈرائیور کو اشارے سے اپنے پاس بلایا۔”ان لوگوں کو بٹھاؤ اور لنچ کرواؤ۔“

”جی چھوٹی بی بی! “ڈرائیور ان لوگوں کی جانب بڑھ گیا۔جبکہ ان دونوں نے اندر کی جانب اپنے قدم بڑھائے۔اس کے بعد ان دونوں نے اپنی نگرانی میں سارا کام مکمل کروایا۔دوسری جانب ارمان پانچ

بجے کے قریب تیار ہو کر وہاں پہنچ چکا تھا۔سفید شرٹ کے اوپر روئل بلو کوٹ اور پینٹ میں ملبوس وہ بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔

اسرا کی نظر ایک لمحے کے لیے اس پر ٹھہر سی گئی۔ مگر پھر اس نے اپنا سر جھٹک دیا۔لان کی ڈیکوریشن مکمل ہو چکی تھی۔ اب پورا لان روشنیوں میں جگمگا رہا تھا۔ابھی اسرا اور نعمان تیار نہیں ہوئے تھے۔

ارمان چلتا ہوا ان دونوں کے پاس آیا۔جو لان میں لگے ٹیبلز کے پاس کھڑے تھے۔

”تم دونوں تیار ہو جاؤ۔تب تک میں یہاں کا انتظام دیکھتا ہوں۔“ نعمان باہر اور اسرا اندر کی جانب چلی گئی۔ جبکہ پیچھے ارمان وہاں کا جائزہ لے رہا تھا۔انہوں نے محلے کے کچھ لوگوں کو بھی بلوایا تھا اور کھانا بھی باہر سے آرڈر کروایا تھا۔جو کچھ دیر پہلے ہی پہنچ چکا تھا۔اسے ہر چیز پرفیکٹ لگ رہی تھی۔ اس نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی کی جانب دیکھا۔ساڑھے پانچ بج چکے تھے۔کچھ دیر میں مہمانوں نے آنا شروع ہو جانا تھا۔مگر ابھی تک میزبان ہی تیار نہیں ہوئے تھے۔

اوپر کمرے میں موجود اسرا کالی میکسی میں ملبوس آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔اس کی نظریں ٹیبل پر پڑے باکس پر پڑیں۔وہ اس نے رکھ تو لیا تھا مگر اس کا اسے پہننے کا ارادہ نہیں تھا۔اس کی سفید رنگت اس سیاہ میکسی میں کھل رہی تھی۔اس نے چہرے پر ہلکا سا میک اپ کیا اور اپنے اوپر ایک تنقیدی نگاہ ڈالی۔بلاشبہ وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔کاجل سے لبریز سنہری آنکھیں بہت دلکش لگ رہی تھیں۔پھر اس نے سیاہ ہیل پہنی اور باہر کی جانب بڑھ گئی۔ڈاکٹر نیلوفر اور فضہ نیلے لباس میں ملبوس تھیں۔فضہ نیلے فراک میں ملبوس تتلیوں کی طرح ادھر ادھر گھوم رہی تھی۔

اسرا سہج سہج کر اپنے قدم رکھتی باہر آئی۔تو اس کی نگاہ سامنے نظر آتے منظر کو دیکھ کر ساکن ہو گئی۔قدم خود بخود رک گئے۔ارمان اور منال ایک ہی رنگ میں کے لباس میں ملبوس ایک دوسرے سے مسکرا کر باتیں کر رہے تھے۔اس نے ایک لمحے میں اپنے آپ کو کمپوز کیا اور اپنے چہرے پر مسکراہٹ سے سجاتے ہوئے ان کے پاس پہنچی۔نیلے لباس میں ملبوس نعمان استقبالیہ پر کھڑا تھا۔

" السلام علیکم !" اسرا نے مسکرا کر اسے سلام کیا۔تو منال بھی مسکرائی۔

"وعلیکم السلام ! کیسی ہیں آپ ؟"

ارمان ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔یکدم اسے اینٹرنس سے محب اندر آتا دکھائی دیا۔وہ اسرا کو ڈھونڈ رہا تھا ”الحمداللہ! “ وہ ہلکا سا مسکرا کر بولی۔اسی پل محب کی نظر اس پر پڑی تو وہ ٹھٹک کر رک گیا۔ایسا لگا جیسے سانس تھم گیا ہو۔سنہری روشنیوں کے درمیان موجود ہر چیز مدھم پڑ گئی۔اسے صرف اسرا ہی روشن دکھائی دے رہی تھی۔وہ اس منظر میں کھو سا گیا۔ارد گرد کا کوئی ہوش ہی نہ رہا۔

اسرا کو اپنے اوپر کسی کی نگاہوں کا ارتکاز محسوس ہوا تو اس نے سر اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔اسے محب کچھ فاصلے پر کھڑا نظر آیا۔سفید شرٹ ،کالے کوٹ اور پینٹ میں ملبوس وہ ہاتھ میں سرخ گلابوں کا بوکے تھامے اسے دیکھ رہا تھا۔کچھ لمحوں کے لیے سنہری آنکھیں سرمئی آنکھوں سے ٹکرائیں۔مگر پھر اس نے اپنا رخ پھیر لیا۔اس کے رخ پھیرنے پر محب نے گہرا سانس لیا۔اور اس کی جانب بڑھا۔وہ واقعی میں ایک اپسرا لگ رہی تھی۔کوئی اس قدر دلکش کیسے ہو سکتا تھا ؟

”السلام علیکم ڈاکٹر ! کیسی ہیں آپ؟ “ اس نے بوکے اس کی جانب بڑھایا۔جسے اس نے تھام لیا۔

”وعلیکم السلام !الحمداللہ! میں ٹھیک ہوں۔“ وہ مسکرا کر بولی تو محب نے سر کو ہلکا سا خم دیا۔اب وہ ارمان سے مل رہا تھا۔کچھ دیر بعد سب مہمان پہنچ چکے تھے۔نہال ،ماں جی، فضہ اور نیلوفر صاحبہ ایک

ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں۔وہ ان سے ایکسکیوز کرتی نعمان کی جانب بڑھی۔وہ جہاں کھڑا تھا وہاں تھوڑا سا اندھیرا تھا۔

"کیا آپ تیار ہیں؟" نعمان محتاط انداز میں پوچھ رہا تھا۔محب کی نگاہیں اسرا پر ہی جمی تھیں۔اسے یہاں کچھ نہ کچھ گڑبڑ لگ رہی تھی۔

"ہاں۔تم ایسا کرو جوس سرو کرواؤ۔" نعمان سر ہلاتا وہاں سے چلا گیا۔اب اسرا وہاں اکیلی کھڑی رہ گئی۔

محب آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا اس کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔اب وہ دونوں مدھم اندھیرے میں کھڑے تھے اور باقی سب سنہری روشنیوں کے نیچے موجود تھے۔اسرا خاموش کھڑی تھی۔جبکہ محب کی بے چین نگاہیں اسی پر مرکوز تھیں۔اس مدھم اندھیرے میں بھی اس کی سنہری نگاہیں جگمگا رہی تھیں۔ان کے درمیان ایک پرسکون سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

"ایک بات کہوں برا تو نہیں مانیں گی؟" محب کا لہجہ آنچ دیتا ہوا تھا۔اسرا نے اس کی بات پر ایک نظر اس پر ڈالی۔

”جب لوگوں کو پتہ ہوتا ہے کہ اگلا انسان اس کی بات کا برا منائے گا تو پھر وہ پوچھتے کیوں ہیں؟“

آج اس کے لہجے میں تیکھا پن نہیں تھا۔اس نے دوبارہ اپنا رخ اس سے موڑ لیا۔

” آپ میرے اندھیرے آسمان کا سب سے روشن ستارہ لگ رہی ہیں۔“ شیریں سے لہجے میں کہا گیا۔کیا خوبصورت انداز تھا!

”کتنا عجیب کہا نا میں نے؟ لوگ اپنے محبوب کو چاند کہتے ہیں اور میں آپ کو ستارہ کہہ رہا ہوں۔پتہ ہے کیوں؟“ اس کے سوال پر اسرا نے سوالیہ انداز میں اس کی جانب دیکھا۔اسے آج اس کی باتیں تنگ نہیں کر رہی تھیں۔محب کی نگاہیں آسمان پر تھیں جہاں آج چاند لاپتہ تھا۔

” میں آپ کو چاند نہیں کہوں گا کیونکہ چاند کی چاہ تو ہر کوئی کرتا ہے۔آپ میرا سب سے روشن ستارہ ہیں۔جو ہمیشہ آسمان پر چمکتا ہے۔“ اسرا ہلکا سا مسکرائی۔اب اس کی نظر روشنیوں میں کھڑے ارمان اور منال پر مرکوز تھی۔وہ ساتھ میں کتنے خوش لگ رہے تھے نا۔محب نے بھی اس کی نظروں کا تعاقب کیا۔

”اکٹھے اچھے لگ رہے ہیں نا ؟“ اس کا لہجہ سادہ سا تھا۔اس کے سوال پر اسرا نے گہری سانس لی اور پھر محب کی جانب دیکھا۔

”ہمم۔“ اس نے ہنکارا بھرا۔

”ان کو اکٹھا دیکھ کر آپ کے دماغ میں پہلا خیال کیا آتا ہے؟ “

” معجزہ۔۔“ اس یک لفظی جواب پر محب چونکا۔

”معجزہ ؟“

” ہمم ! معجزہ۔جب دو لوگ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوں اور ان کی محبت کا انجام نکاح ہو تو وہ معجزہ ہی کہلائے گا نا؟“ وہ مسکرا رہی تھی۔محب اس کی مسکراہٹ پر حیران ہوا۔

”آپ دکھی نہیں ہیں؟ “اس کے حیران سے سوال پر اسرا کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

”میں کون ہوتی ہوں ایک معجزے پر دکھی ہونے والی؟“ اب اس کی نگاہیں محب پر جمی تھیں۔

”میں حیران ہوں ڈاکٹر !“وہ شاکڈ تھا۔اسرا نے بے نیازی سے اپنے شانے اچکائے۔

”نظر بھی آرہے ہیں۔ خیر پارٹی انجوائے کریں۔ ایکسکیوز می! “ وہ محب کو اسی اندھیرے میں چھوڑ کر ماں جی کی جانب بڑھ گئی۔ اب اسے وہ چابی حاصل کرنی تھی۔

ہم سوچتے ہیں رات میں تاروں کو دیکھ کر

شمعیں زمین کی ہیں جو داغ آسماں کے ہیں

اپنا مقام شاخِ بریدہ ہے باغ میں

گل ہیں مگر ستائے ہوئے باغباں کے ہیں

اسرا آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ماں جی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس نے راستے میں ایک ویٹر سے جوس کا گلاس تھاما۔ اور ایک نظر سیاہ ہوتے آسمان کی جانب ڈالی۔

” اللہ جی! مجھے معاف فرما دیں۔“ اس نے اپنے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ سجائی۔ ایک !

ارمان اور نعمان کنکھیوں سے اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ محب بھی ارمان کے ساتھ ہی کھڑا تھا۔

وہ بالکل ماں جی کے پاس پہنچ چکی تھی۔ دو !

جیسے ہی ارمان کو اندازہ ہوا کہ محب کی نظریں بھی اسرا پر مرکوز تھیں تو وہ نامحسوس سے انداز میں محب کے سامنے اس طرح کھڑا ہو گیا کہ اسے اسرا دکھائی نہ دے۔

محب نے ارمان کو بیچ میں کھڑا کر اپنی آنکھیں گھمائیں۔ تین!

اور یہی وہ لمحہ تھا جب اسرا کے ہاتھ سے جوس گرا اور ماں جی کے دوپٹے کو داغدار کر گیا۔ وہ فوراً سے کھڑی ہو گئیں۔ سب ان کی جانب ہی متوجہ تھے۔ ارمان اور نعمان بھی ان کی جانب بڑھے۔ اسرا نے اپنے چہرے پر شرمندگی سجائی۔

" آئی ایم سوری ماں جی!" وہ مدھم لہجے میں بولتی ان سے معذرت کر رہی تھی۔ ماں جی مسکرائیں۔

"کوئی بات نہیں بیٹا !" اسرا، نعمان اور ارمان کے چہروں پر مسکراہٹ چھا گئی۔

"آئیں ماں جی! میں آپ کو گیسٹ روم میں لے جاؤں۔" ان تینوں کی نظریں ماں جی کے پلو سے بندھی ہوئی چابی کی جانب تھیں۔ اس کی بات پر ماں جی نے سر ہلایا۔ اسرا انہیں لے کر اندر کی جانب بڑھی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو نعمان اور ارمان ایک ساتھ کھڑے اسے تھمز اپ کا اشارہ کر رہے تھے۔

محب ان کی یہ حرکت دیکھ چکا تھا۔یہ لوگ کوئی نہ کوئی کھچڑی ضرور پکا رہے تھے۔اندر اسرا، ماں جی کو گیسٹ روم میں لے گئی اور انہیں نیلوفر صاحبہ کا ایک دوپٹہ پکڑایا۔

”ماں جی آپ یہ پہن لیجیے۔میں آپ کا دوپٹہ دھلواتی ہوں۔“ ماں جی نے اس کے ہاتھ سے ایک نیلا دوپٹہ پکڑ لیا جو اس نے پہلے سے ہی یہاں رکھا ہوا تھا۔

”ایسا کرو اس میں سے چابی نکال کر سنبھال کر رکھ لو۔میں تم سے بعد میں لے لوں گی۔“ بھولی بھالی سی ماں جی کو پتہ ہی نہ لگا کہ وہی چابی تو اسے چاہیے تھی۔اسرا نے مسکراتے ہوئے ان سے دوپٹہ پکڑ لیا۔یہ کام تو بہت آسان تھا۔اس نے باہر کی جانب قدم بڑھائے ہی تھے کہ اسے ماں جی کی آواز سنائی دی۔

”رکو۔“

”جی ماں جی!“ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ جواب دیا۔

” بیٹا! میں باہر بیٹھ کر تھک گئی تھی تو میں کچھ دیر یہیں آرام کر رہی ہوں۔تم دوپٹہ ڈرائی کروا کر یہیں لے آنا۔وہ بیڈ پر بیٹھتی بولیں تو اسرا سر ہلاتی باہر نکل گئی۔اس نے فوراً سے نعمان کو گیسٹ روم

کے باہر آنے کا میسج کیا۔وہ دونوں باہر کھڑے کب سے اس کے میسج کا انتظار کر رہے تھے۔محب کی نظریں مسلسل انہیں پر جمی تھیں۔

اسرا کا میسج موصول ہونے کے بعد نعمان محتاط انداز میں اندر کی جانب بڑھا۔اب منال نہال لوگوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔

نعمان اسرا کے پاس پہنچا تو اسرا نے مسکراتے ہوئے اسے چابی دکھائی۔وہ دونوں اس وقت گیسٹ روم کے باہر کھڑے تھے۔

"واہ اسرا! کمال کر دیا یار !" اس نے اسرا کے ہاتھ سے چابی پکڑتے ہوئے آہستہ آواز میں کہا۔

"نعمان ! وقت ضائع مت کرو۔جاؤ اور وہ راز لے کر آؤ۔" اس نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا تو نعمان نے اپنے سر کو ہلکا سا خم دیا۔

" بیسٹ آف لک۔تمہارے پاس صرف 10 منٹ ہیں۔جاؤ۔" اسرا نے حکمیہ انداز میں کہا تو وہ باہر نکل گیا۔

لان سے گزرتے ہوئے اس نے پلکیں جھپکا کر ارمان کو تسلی دی۔اور بیرونی دروازے سے باہر نکل گیا۔اب اس کا رخ اپنے گھر کی جانب تھا۔

دوسری جانب اسرا نے ماں جی کا دوپٹہ نجمہ کے حوالے کیا۔

”نجمہ! مجھے کچھ دیر کے بعد یہ دوپٹہ صاف اور ڈرائی چاہیے۔میں یہیں کھڑی ہوں۔“ نجمہ سر ہلاتی وہاں سے چلی گئی اور اسرا گیسٹ روم کے باہر ہی اِدھر اُدھر بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔پتہ نہیں نعمان کو وہ کاغذ ملے گا بھی یا نہیں؟

باہر موجود ارمان محب سے سوال پوچھ رہا تھا۔

”تمہاری عمر کتنی ہے؟“ اس سوال پر محب نے اپنی آنکھیں گھمائیں۔یہ سب اس کی عمر ہی کیوں پوچھ رہے تھے؟ مگر وہ ان میں سے کسی کو بھی سچ نہیں بتائے گا۔وہ آج اسرا کو اپنی اصل عمر بتانے کا ارادہ رکھتا تھا۔

” آپ نے میری عمر کا کیا کرنا ہے؟“ ارمان کے ابرو تن گئے۔

” لڑکے! اسرا سے شادی کرنی ہے یا نہیں؟“ تڑخ کر پوچھا گیا۔

"کیوں آپ میرے ہونے والے سسر لگتے ہیں جو یہ سوال پوچھ رہے ہیں؟" جواب بھی اسی انداز میں دیا گیا۔اس کی بات پر ارمان کا قہقہہ بلند ہوا۔

"ہونے والا سسر ہاہاہا ! " ارمان ہنستے ہنستے یکدم سنجیدہ ہو گیا۔

" اسرا کو ہمیشہ خوش رکھنا۔اس نے بہت کچھ سہا ہے۔" وہ سنجیدگی سے محب کو دیکھتے ہوئے بولا۔اس کی بات پر محب طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

" آپ کی وجہ سے ہی سہا ہے۔خیر مجھے ان کی خوشی سے عزیز اس دنیا میں کچھ بھی نہیں ہے اور مجھے کم از کم آپ کو ان کی خوشی کی ضمانت دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" وہ دو ٹوک لہجے میں کہتا ارمان کو ساکت کر گیا۔ہاں !وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا۔اسرا نے سب کچھ اس کی وجہ سے ہی سہا تھا۔

دوسری جانب نعمان نے بابا جان اور ماں جی کے کمرے کو کھولنے کی کوشش کرنی چاہی تو اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔دروازہ لاکڈ تھا۔اس نے سر پر ہاتھ مارا اور ڈپلیکیٹ کی ڈھونڈی مگر وہ بھی اسے نہیں ملی۔مجبوراً اسے ارمان کو کال کرنی پڑ رہی۔

ارمان محب کی بات سوچ رہا تھا کہ اسے اپنے موبائل کی بیل سنائی دی۔وہ محب سے ایکسکیوز کرتا ایک سائیڈ پر آگیا کچھ غلط تو نہیں ہو گیا ؟

"کیا ہوا نعمان ؟" اس کے لہجے میں پریشانی تھی۔مگر چہرے سے وہ نارمل لگ رہا تھا۔

"بھائی! دروازہ لاکڈ ہے اور ڈپلیکیٹ کی بھی نہیں مل رہی۔" اس کی بات پر ارمان سوچ میں پڑ گیا۔

"دھیان سے چیک کرو۔مل جائے گی۔"وہ اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔تو دوسری جانب نعمان نے نفی میں سر ہلایا۔

"کہیں بھی نہیں ہے۔میں نے ہر جگہ ڈھونڈ لی ہے۔" نعمان بے چینی سے بابا جان کے کمرے کے باہر ٹہل رہا تھا۔اتنی مشکل سے چابی حاصل کی تھی اب وہ اگر راز تک نہ پہنچے تو بہت دکھ ہوگا ۔ارمان نے ایک نظر لان کی جانب ڈالی سب اپنی اپنی باتوں میں گم تھے۔محب موبائل پر کچھ دیکھ رہا تھا۔اب کیا کریں ؟

یکدم اس کے دماغ میں ایک آئیڈیا آیا۔

”نعمان! میرا روم لاکڈ نہیں ہے۔اس کی بالکونی سے تم باباجان کے بالکونی میں جا سکتے ہو۔“وہ آہستہ آواز میں بولا تو نعمان کے چلتے قدم رک گیے۔

”کیا میں آپ کو بندر نظر آتا ہوں۔“ وہ خفگی سے بولا۔” ہاں۔۔۔۔میرا مطلب ہے نہیں۔ دیکھو نعمان ! اس وقت ہمیں کسی بھی طرح اس راز تک پہنچنا ہے۔لوگ تو مصیبت میں گدھے کو بھی باپ بنا لیتے ہیں۔تم سے ایک بندر نہیں بنا جا رہا۔بہت افسوس کی بات ہے!“ اس کی بات پر نعمان نے منہ بنایا۔

” اوکے۔“

”جلدی کرو۔اسرا انتظار کر رہی ہوگی۔ابھی وہ کال کاٹنے ہی لگا تھا کہ اسے نعمان کی چینخ سنائی دی۔

”بھائی! آپ ایک بات بھول رہے ہیں۔“ اس کی غم میں ڈوبی ہوئی آواز ارمان کے کانوں میں پڑی۔

ارمان جھنجھلا اٹھا۔” نعمان ڈرامے مت کرو۔سیدھی طرح بتاؤ۔“ اس نے سخت لہجے میں کہا تو نعمان نے گہرا سانس بھرا۔

"ذرا عسریٰ کے لان سے اپنے گھر کی جانب دیکھیں۔" اس نے سر اٹھا کر اپنے گھر کی جانب دیکھا تو وہاں سے اس کی اور بابا جان کے کمروں کی بالکونیاں نظر آرہی تھیں۔شٹ !!

"اب کیا کریں ؟ "اس نے خود کو چینخنے سے روکا۔

"آپ ہی سوچیں۔" اسکی بات پر ارمان سوچ میں پڑ گیا۔

"مل گیا آئیڈیا۔" وہ کچھ دیر بعد بولا۔

"میں مین سوئچ سے یہاں کی لائٹ بند کر رہا ہوں۔تم وہاں کی لائٹس بھی آف کرو۔اور جلدی سے وہ کاغذ لے کر واپس آؤ تمہارے پاس پانچ منٹ ہیں۔" ارمان جلدی جلدی بولا۔

اوکے بھائی! لائٹ آف کر کے مجھے میسج کر دیجیے گا۔" ارمان نے اوکے کہہ کر کال کاٹ دی۔اور ایک نظر روشنیوں میں ڈوبے ہوئے لان کی جانب دیکھا اب وہ اب وہ سب سے نظریں بچاتا مین سوئچ کی جانب بڑھ رہا تھا۔اس نے وہاں سے پورے گھر کی لائٹ بند کر دی۔ہر طرف ہلچل مچ چکی تھی۔سب ان تینوں کو بلا رہے تھے۔وہ جلدی سے واپس گیا۔

"کیا ہوا یہ لائٹ کیسے چلی گئ ؟" سب اس سے پوچھ رہے تھے۔

" اور یہ نعمان اور عسریٰ کہاں پر ہیں؟"

" آپ سب ریلیکس ہو جائیں۔اسرا ماں جی کے پاس ہے اور نعمان کچھ چیزیں لینے گیا ہے۔میں لائٹ دیکھتا ہوں۔" وہ سب کو بٹھا کر خود ایک سائیڈ پر آ کر نعمان کا انتظار کرنے لگا۔

محب بھی اچانک سے لائٹ کے جانے پر حیران ہو رہا تھا کہ اسے موبائل کی بیل سنائی دی۔سکرین پر جگمگاتے نام کو دیکھ کر اس نے ایک محتاط نظر اِدھر اُدھر ڈالی۔سب کے موبائلز کی مدھم روشنی لان میں پھیلی ہوئی تھی۔

" ہیلو پارٹنر ! کیسے ہو ؟ پارٹی انجوائے تو کر رہے ہو نا؟ " اس کی بات پر محب چونکا۔اسے پارٹی کا کیسے معلوم ہوا؟

" یہ تمہیں پارٹی کا کیسے پتہ لگا ؟ اور تم کہاں ہو ؟"

اس کی بات پر مقابل مسکرایا۔

"تم کبھی کبھی بھول جاتے ہو کہ میں کون ہوں اور رہی بات یہ کہ میں کہاں ہوں تو اس کا جواب ہے کہ میں تمہارے بہت پاس ہوں۔" وہ مسکراتا ہوا بولا تو محب نے حیرانی سے ادھر ادھر دیکھا۔

”حیران مت ہو میں سچ میں تمہارے آس پاس ہوں۔ویسے اسرا کہیں دکھائی نہیں دے رہی۔“ اسی لمحے محب کے پیچھے سے ایک سایہ اندر کی جانب بڑھا۔”مجھے پتہ ہے تم جھوٹ بول رہے ہو۔“ ہاں وہ جھوٹ ہی بول رہا ہوگا۔بھلا وہ یہاں کیسے آسکتا تھا؟

”ہاہاہا!! جیسی تمہاری مرضی۔“ اس نے یہ کہہ کر کال کاٹ دی اور محب ہیلو ہیلو ہی کرتا رہ گیا۔اسے اسرا کو ڈھونڈنا تھا۔

نجمہ دوپٹہ ڈرائی کر کے اسرا کو دے چکی تھی۔اب وہ بے چینی سے نعمان کے آنے کا انتظار کر رہی تھی کہ یکدم لائٹ چلی گئی۔اس نے موبائل کی لاٹ لائٹ آن کرنی چاہی۔مگر موبائل کی بیٹری ڈیڈ ہو چکی تھی۔اس نے اپنے سر پر ہاتھ مارا۔یہ سب کچھ آج ہی ہونا تھا کیا؟

اس نے گیسٹ روم کے دروازے سے اندر جھانک کر دیکھنا چاہا۔مگر نہ ہی اسے کچھ دکھائی دیا اور نہ ہی کوئی آہٹ سنائی دی۔شائد ماں جی سو چکی تھیں۔وہ گیسٹ روم کے دروازے سے ہی ٹیک لگا کر

کھڑی ہو گئی۔ ابھی کچھ پل ہی گزرے تھے کہ اسے وہاں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ کوئی اس کے بہت پاس کھڑا تھا۔

”کون ہے یہاں؟“ اس کی آواز پر وہ انسان مسکرایا اور اسی کے ساتھ دائیں جانب کچھ فاصلے پر دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اسرا کو کسی کی سانسوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

” میں نے پوچھا کون ہے یہاں؟“ وہ آنکھیں موندیں اس کی آواز محسوس کر رہا تھا۔ کتنی پرسکون سی آواز تھی۔ اب اسرا نے دائیں جانب اپنے قدم بڑھانے شروع کر دیے۔ مقابل کے چہرے کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔ اسے اسرا کے قدموں کی آہٹ بھی سنائی دے رہی تھی۔ اب وہ بالکل اس کے پاس کھڑی تھی۔

” آپ نے یقیناً میرا دیا ہوا تحفہ نہیں پہنا۔“ اسرا کو اپنے پاس سے ایک مردانہ، بھاری ، گمبھیر آواز سنائی دی تو وہ اچھل کر دو قدم پیچھے ہٹی۔

”کون ہو تم ؟ “وہ سخت لہجے میں گویا ہوئی۔ اب مقابل اس کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس کے سوال پر مسکرایا۔

"آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا ؟ " وہ اس سے کچھ فاصلے پر رک گیا۔

"تم وہی قاتل ہونا؟ " اس کی بات پر وہ زخمی انداز میں مسکرایا۔دل میں درد سا اٹھا تھا۔

" سب کے قاتل کہنے سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔مگر آپ کے کہنے سے میرے دل کو برا لگا ہے۔" اس کی بات پر اسرا نے اپنا سر جھٹکا۔

"اچھا آپ چاہے اس بریسلٹ کو مت پہنیں۔مگر آپ سے ایک التجا ہے کہ اسے اپنے پاس رکھ لیجئے ۔میرے دل کو تسلی ہوگی کہ آپ نے میرے دیے ہوئے تحفے کو ٹھکرایا نہیں۔" وہ انسان جو بنا کسی ہچکچاہٹ کے لوگوں کو قتل کر دیا کرتا تھا۔اسرا سے التجا کر رہا تھا۔اسرا نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔اب وہاں خاموشی چھا گئی۔وہ انسان اس خاموشی کو محسوس کر رہا تھا۔

نعمان ،ارمان کے کمرے کی بالکنی پھلانگتا بابا جان اور ماں جی کے کمرے میں داخل ہو چکا تھا۔اس نے جلدی سے لا کر کھولا تو اسے وہی کاغذ اندر دکھائی دیا۔اس نے بنا پڑھے اسے اپنی جیب میں اڑسا اور واپسی کے لیے باہر بالکنی کی جانب قدم بڑھائے۔بالکنی پھلانگتے ہوئے اس نے برا منہ بنایا۔

"کیا یار ارمان بھائی اور اسرا ! آپ لوگوں نے مجھ جیسے معصوم انسان کو بندر جیسی حرکتیں کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔" ارمان کے کمرے میں پہنچ کر اس نے ارمان کو ڈن کا میسج کیا۔

ارمان نے میسج پڑھ کر شکر کا سانس لیا۔اس کی کب سے اٹکی ہوئی سانسیں بحال ہو چکیں تھیں۔وہ سب کی نظروں سے بچتا ہوا مین سوئچ کی جانب بڑھا اور لائٹ آن کر دی۔ہر طرف اجالا چھا گیا۔

تیز روشنی کی وجہ سے اسرا کی آنکھیں چندھیا گئیں۔مگر جب اس کی آنکھیں کچھ دیکھنے کے قابل ہوئیں۔تو وہاں اس کے سامنے کوئی بھی نہیں تھا۔وہ انسان ایک چھلاوے کی طرح وہاں سے غائب ہو چکا تھا۔مگر وہ اندر کیسے آ سکتا تھا؟

محب اسرا کو ڈھونڈ رہا تھا۔اسرا ساکت سی گیسٹ روم کے دروازے پہ کھڑی تھی۔محب نے اسے وہاں دیکھ کر سکون کا سانس لیا۔دل سے جیسے منوں بوجھ ہٹ گیا ہو۔

"ڈاکٹر اسرا! آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں؟ " وہ اسرا کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔اسرا نے خالی خالی سی نظروں سے محب کی جانب دیکھا۔زندگی اس کو بار بار آزما رہی تھی۔اور وہ ہر آزمائش پر پورا

اترنے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔مگر فلحال اس کا دل بہت بھاری ہو رہا تھا۔اسے صرف تنہائی چاہیے تھی۔اسے اللہ سے بات کرنی تھی۔

"کیا ہوا ڈاکٹر؟" اس کے سوال پر اسرا نے گہری سانس بھری اور پھر نفی میں سر ہلا دیا۔اس کے ہاتھ میں ماں جی کا دوپٹہ تھا۔

"آپ ٹھیک ہیں نا ؟ " محب کو اس کا انداز کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔اسرا نے اثبات میں سر ہلایا۔اس کا کسی سے بھی بات کرنے کو دل نہیں کر رہا تھا۔محب خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔اسرا اس کی جانب نہیں دیکھ رہی تھی۔اس کی نظریں ہاتھ میں پکڑے نیلے دوپٹے پر تھیں۔اور وہ اس کے ریشمی ریشوں پر اپنا ہاتھ پھیر رہی تھی۔اسے اپنے اوپر محب کی نگاہوں کا ارتکاز محسوس ہو رہا تھا۔وہ خاموشی سے کھڑا اسے تک رہا تھا۔

"مسٹر محب! اپنی نگاہوں پر پہرے بٹھائیں۔ورنہ یہ بہت ذلیل کروائیں گی۔" اس کا لہجہ تھکا ہوا تھا۔محب اس کی بات پر مسکرایا۔

"ڈاکٹر اسرا! اگر آپ کو اپنی نگاہوں پر پہرے بٹھانے آتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ سب کو آتے ہوں گے۔" اس کا لہجہ مسکراتا ہوا تھا۔ سرمئی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ اسرا خاموش رہی۔

" ڈاکٹر! آپ مجھ سے اپنے احساسات شیئر کر سکتی ہیں۔" فراخ دلی کا مظاہرہ کیا گیا۔ اس کی بات پر اسرا مسکرائی اور محب کو اس کی آنکھوں میں نمی نظر آئی تھی۔ اسرا کے گلے میں آنسوؤں کا پھندہ اٹک گیا۔"مسٹر محب! اکتائے ہوئے لوگوں کو اکیلا چھوڑ دینا ہی بہتر ہوتا ہے تاکہ وہ خود ہی نارمل ہو جائیں۔" وہ بامشکل بول سکی۔ محب نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ اسرا کی نگاہیں ابھی بھی جھکی ہوئی تھیں۔

" اگر اکتایا ہوا انسان اس دل کے بہت قریب ہو۔۔"اس نے اپنے دل پر ہاتھ رکھا۔

"تو اسے چھوڑتے نہیں ہیں بلکہ زندگی کی جانب واپس لے کر آتے ہیں۔" اسی لمحے اسرا نے نگاہیں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔ اس کی سنہری آنکھیں محب کی سرمئی آنکھوں سے ٹکرائیں۔ اور محب کے

لیے ساری دنیا تھم سی گئی۔ آج سے پہلے محب نے اس کی آنکھوں میں اتنا دکھ اور ملال نہیں دیکھا تھا۔اس کی سنہری انکھیں ضبط کے مارے سرخ ہو چکی تھیں۔

نہ جانے کتنے ہی آنسو ان سنہری آنکھوں کے اندر جمع ہو چکے تھے۔ مگر وہ قید تھے۔اور قید کی ہوئی چیزوں اور لوگوں سے زیادہ بھی کوئی بے بس ہوتا ہے کیا ؟

محب بھی ان سنہری آنکھوں کا قیدی بن گیا۔

"بہالیں ان آنسوؤں کو۔۔" وہ بامشکل یہ جملہ ادا کر پایا۔اسرا نے زخمی انداز میں مسکراتے ہوئے اپنا سر جھٹکا۔

"آپ عجیب ہیں مسٹر محب !" اسرا نے پہلی دفعہ اس پر کوئی تبصرہ کیا تھا۔جسے محب نے دل کھول کر ہنستے ہوئے قبول کیا تھا۔اسرا اب اسی کی جانب دیکھ رہی تھی۔اس کے آنسو آنکھوں میں ہی قید ہو کر رہ گئے۔

"ڈاکٹر ! آپ مجھ سے زیادہ عجیب ہیں۔ویسے میں نے کون سی عجیب حرکت کی ہے؟" وہ شریر انداز میں مسکرایا۔

"لوگ کہتے ہیں کہ مت رؤ۔ تمہارے رونے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ ان آنسوؤں کو بہا لو۔ یہ عجیب بات ہی ہوئی۔" اب وہ پہلے سے نارمل انداز میں بات کر رہی تھی۔ مگر آواز میں ایک بوجھل پن تھا۔اس کی بات سن کر محب مسکرایا۔وہ رونے کی بات کر رہی تھی۔ محب تو اس کو خاموش دیکھ کر بے چین ہو جایا کرتا تھا۔

"ڈاکٹر ! مجھے تکلیف تو ہو گی اور کتنی ہو گی یہ مجھے نہیں معلوم۔ مگر اتنا معلوم ہے کہ آپ کے بوجھل دل کو سکون مل جائے گا۔" اسرا نے حیران نظروں سے اس کی جانب دیکھا تو وہ مسکرایا۔اسرا کو اندازہ نہیں تھا کہ اسے اس بارے میں اتنا معلوم ہو گا۔

"آپ کو کیسے معلوم کہ رونے سے دل ہلکے ہو جایا کرتے ہیں؟" وہ تعجب سے بولی۔

"ڈاکٹر ! لوگوں کو سمجھنا چاہیے کہ مرد بھی انسان ہوتے ہیں۔ ان کے پاس بھی ایک عدد دل ہوتا ہے۔ جو دھڑکتا بھی ہے اور جس کو تکلیف بھی ہوتی ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بہت بڑی بات کہہ گیا ۔ہاں! لوگوں کو یہ بات سمجھنی چاہیے کہ مرد کا رونا اس کی کمزوری نہیں بلکہ اس کے صاف دل کی

نشانی ہے۔اسرا اب اس کی آنکھوں میں چھپے درد کو دیکھ رہی تھی۔وہ جو اپنا درد چھپائے اسرا کو تسلی دے رہا تھا۔وہ خود نہ جانے اپنے اندر کیا کچھ چھپائے بیٹھا تھا ؟

"جی ڈاکٹر اسرا! عورت کو لگتا ہے کہ مرد کے سینے میں دل نہیں بلکہ پتھر ہوتا ہے۔ایسا نہیں ہے اللہ نے مرد کے دل کو سخت بنایا ہے۔مگر اتنا بھی نہیں کہ اسے تکلیف نہ ہو۔جی! مرد کو بھی اپنوں کو تکلیف میں دیکھ کر تکلیف ہوتی ہے۔اپنوں کو مرتا دیکھ کر مرد بھی روتا ہے۔" اس کی نگاہوں کے سامنے دو لڑکوں کا عکس چھا گیا۔جو ایک دوسرے کے گلے سے لگ کر رو رہے تھے۔اس نے ضبط سے آنکھیں بند کر لیں اور لمبا سانس بھرا۔نہ جانے کتنے عرصے بعد وہ منظر اس کی نگاہوں کے سامنے آیا تھا۔یہیں سے تو یہ سب کچھ شروع ہوا تھا۔اسرا کی نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"مسٹر محب ! آپ ٹھیک ہیں ؟" اسرا کے فکر مندی سے پوچھنے پر اس نے اپنی آنکھیں کھولیں۔اسے اب اسرا سے کچھ نہیں چھپانا تھا۔سب کچھ بتا دینا تھا۔آج وہ سارے رازوں سے پردہ اٹھانے والا تھا۔

" ڈاکٹر اسرا! مجھے آپ کو کچھ باتیں بتانی ہیں۔" وہ پختہ لہجے میں بولا۔وہ اسرا کو سب کچھ بتا دے گا۔ پھر وہ آگے اس ارمان احمد کو بتائے یا نہ بتائے وہ اس کی مرضی تھی۔

" بتائیں۔" محب نے گہرا سانس بھرا۔

"میری عمر 22 سال نہیں ہے۔" وہ ہچکچاتے ہوئے بولا تو اسرا ویسے ہی کھڑی رہی۔ جیسے اس کو اس بات سے کوئی فرق ہی نہ پڑا ہو۔ محب کو لگا تھا کہ وہ اس پر غصہ کرے گی یا کم از کم حیران تو ہو گی!

" آپ کو مجھے یہ بات بتانی تھی ؟ " وہ بے تاثر لہجے میں بولی۔ یہ بات تو وہ بہت دن پہلے جان ہی چکی تھی۔ محب کے چہرے پر تعجب نے ڈیرے جما لیے۔

" آپ کو یہ بات معلوم تھی؟" اسرا نے اس کی بات پر بے نیازی سے اثبات میں سر ہلایا۔

"جی میں بہت پہلے سے ہی جانتی ہوں کہ آپ نے اس فائل پر اپنی عمر خود غلط لکھوائی تھی۔ اور یہ بھی جانتی ہوں کہ آپ مجھ سے دو سال بڑے ہیں۔" اسرا کے بولنے پر محب نے شرمندگی سے گہرا سانس بھرا۔

" مسٹر محب ! مجھے برا نہیں لگا۔ مجھے ان چھوٹی چھوٹی باتوں سے فرق نہیں پڑتا۔ آپ شرمندہ نہ ہوں۔" اسرا کو مسز رضا نے پہلے ہی دن فون پر اس کی اصل عمر بتا دی تھی۔ اور ساتھ میں یہ بھی بتایا تھا کہ وہ اپنی اصل عمر بتاتے ہوئے ان سکیورٹی فیل کرتا تھا۔

”مجھے ایک اور بات بھی بتانی ہے۔“ محب کو معلوم تھا کہ اگر اسے پہلی بات سے فرق نہیں پڑا تو اس بات سے ضرور پڑے گا۔اسرا نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔محب کچھ دیر اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھتا رہا۔اسے معلوم تھا کہ اس کی بات پر اسرا کی مسکراہٹ تھم جائے گی۔مگر اسے وہ بات اسرا کو بتانی ہی تھی۔

”ڈاکٹر !! وہ۔۔“ ایک لمحے کا توقف کر کے ہمت کو جمع کیا گیا۔اسرا اس کے بولنے کا انتظار کر رہی تھی۔

”ڈاکٹر ! میں اس قاتل کو جانتا ہوں۔“ پھر وہی ہوا جس کا محب کو ڈر تھا۔اسرا کی مسکراہٹ تھم گئی۔اس نے حیران نظروں سے محب کی جانب دیکھا۔وہ اس قاتل کی بات کر رہا تھا جسے ارمان پچھلے کئی دنوں سے ڈھونڈ رہا تھا۔اس قاتل کی جو کچھ دیر پہلے اس کے پاس کھڑا تھا۔اسرا کو یقین نہ آیا۔اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔محب نے اس کے تاثرات دیکھ کر اپنے آپ کی سرزنش کی۔

”مسٹر محب ! آپ۔۔آپ مذاق کر رہے ہیں نا ؟“ کتنے یقین سے کہا گیا۔مگر محب کو آج اس کا یقین توڑنا پڑ رہا تھا۔اس نے دل پر پتھر رکھ کر نفی میں سر ہلایا۔اسرا نے زخمی انداز میں قہقہہ لگایا تو محب نے اپنے مٹھیاں بھینچ لیں۔

”کیا کوئی اور بات بھی بتانی باقی ہے؟“ وہ اسی لیے لوگوں پر اعتبار نہیں کیا کرتی تھی۔اس کے استہزائیہ لہجے میں کہنے پر محب نے اثبات میں سر ہلایا۔اب اسرا کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ چھا گئی

۔

”آپ فکر مت کریں۔میں ایک دفعہ رشتے کے لیے ہاں کر چکی ہوں۔اب انکار نہیں کروں گی۔آپ بے فکر ہو کر جتنی باتیں بتانی ہیں بتائیں۔“ اس کے مسکرا کر کہنے پر محب کا دل کیا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

”آپ شرمندہ مت ہو ں۔مجھے اچھا لگا کہ آپ نے مجھے یہ سب بتانے کے قابل سمجھا۔“ وہ تو ڈاکٹر اسرا یاسر تھی۔اسے لوگوں کو شرمندہ کرنا اچھے سے آتا تھا۔

”آپ بھی اس قاتل کو جانتی ہیں۔“ محب کی بات پر اسرا چونکی۔وہ قاتل کو کیسے جانتی تھی؟

"مسٹر محب ! آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ میں اس قاتل کو کیسے جان سکتی ہوں؟" وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولی تو محب نے نفی میں سر ہلایا۔

" نہیں ڈاکٹر اسرا ! مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی۔ میں اسے بہت اچھے سے جانتا ہوں۔اس کی سنجیدہ نظریں اسرا کی حیرانی میں مبتلا آنکھوں پر جمی ہوئی تھیں۔

"اچھا بتائیں کون ہے وہ ؟" وہ سینے پر ہاتھ باندھے اس سے استفسار کر رہی تھی۔محب نے آخری دفعہ سوچا کہ کیا اسے بتانا صحیح تھا ؟ اس کے دماغ سے ہاں کی آواز آئی۔اس کے بعد اس کے منہ سے نکلنے والے جملے پر اسرا کا پورا ِوجود منجمند ہو گیا۔اس نے ساکت نگاہوں سے محب کی جانب دیکھا تو محب نے اثبات میں سر ہلایا۔

کچھ دیر بعد نعمان مسکراتا ہوا لان میں داخل ہوا اور ارمان کے پاس کھڑا ہو گیا۔

".Mission accomplished"

وہ مسکراتا ہوا بولا تو ارمان نے شکر کا سانس لیا۔

"جاؤ! چابی اسرا کو دیکھ کر آؤ۔وہ انتظار کر رہی ہوگی۔" ارمان کی بات پر وہ سرشار سا اندر کی جانب بڑھا۔گیسٹ روم کے دروازے پر عسریٰ کے ساتھ محب کو دیکھ کر وہ ٹھٹک کر رک گیا۔مگر حیرانی کی وجہ محب نہیں بلکہ اسرا کے چہرے پر چھایا ہوا جمود تھا۔وہ ساکت نگاہوں سے محب کو دیکھ رہی تھی۔جیسے کسی بات پر یقین کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔

نعمان جلدی سے ان کے پاس پہنچا اور محب کا گریبان پکڑ لیا۔

"کیا کہا ہے تم نے اسرا کو؟" وہ طیش کے عالم میں بولا۔محب اس وقت اپنا دفاع نہیں کرنا چاہتا تھا ۔اسرا اب اسے بھی ساکت نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔وہ خود یہیں موجود تھی۔مگر دماغ بھول بھلیوں میں اٹکا ہوا تھا۔

"بتاؤ کیا کہا ہے تم نے اسرا کو؟" اس کے اونچا بولنے پر اسرا ہوش میں آئی۔محب آنکھیں جھکائے خاموش کھڑا تھا۔اسرا نے بوکھلا کر نعمان کے ہاتھوں کو محب کے گریبان سے دور کیا۔

"نعمان! ہوش میں آؤ۔انہوں نے مجھے کچھ نہیں کہا۔" اس کے سخت لہجے میں بولنے پر محب نے نگاہیں اٹھا کر اسرا کی جانب دیکھا۔وہ اس کا دفاع کر رہی تھی مگر کیوں؟

” پھر آپ ایسے کیوں کھڑی تھیں؟“ نعمان نے بالوں میں ہاتھ پھیر کر اپنے آپ کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔اسرا نے لمبی سانس بھری اور پھر محب کی جانب متوجہ ہوئی۔

”مسٹر محب ! میں نعمان کی طرف سے آپ سے معافی مانگتی ہوں۔ میرا بھائی تھوڑا غصے والا ہے۔“

محب نے اس کی بات پر نفی میں سر ہلایا۔وہ کیسے اس سے معافی مانگ سکتی تھی؟

”ڈاکٹر ! آپ کو مجھ سے معافی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ نعمان اب کافی حد تک نارمل ہو چکا تھا

۔

”میں چلتا ہوں۔۔“

”مسٹر محب! کھانا کھا کر جایئے گا۔“ وہ تکلفاً بولی تو محب نے نفی میں سر ہلایا۔

”کسی اور دن ڈاکٹر ! ابھی میں جا رہا ہوں۔فی امان اللہ ! اپنا خیال رکھیے گا۔“ محب کو لگا کہ آج کے دن کے لیے اتنا ہی بہت تھا۔اسرا کے سر ہلانے پر وہ باہر نکل گیا۔

”کیا ضرورت تھی اتنا غصہ کرنے کی؟ “ وہ کچن سے پانی کا گلاس لے کر آئی۔جسے وہ ایک ہی سانس میں پی گیا۔

"خیر چھوڑو۔وہ کاغذ ملا ؟ " اسرا کے پوچھنے پر اس نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔کچھ دیر پہلے والا غصہ کہیں سو گیا۔

"شاباش۔میرے بھائی ! چابی دو۔" اس کے کہنے پر نعمان نے اپنی پاکٹ سے چابی نکال کر اسرا کو تھما دی اور اسرا نے چابی کو واپس ماں جی کے پلو میں باندھ ڈالا۔اب وہ محب کی کہی گئی بات کے بارے میں سوچ رہی تھی۔بھلا ایسے کیسے ہو سکتا تھا ؟

"کیا ہوا کیا سوچ رہی ہیں؟" نعمان کے سوال پر وہ سوچ سے باہر نکلی اور نفی میں سر ہلایا۔

"آؤ باہر چلتے ہیں۔سب انتظار کر رہے ہوں گے اور اس کاغذ کو سنبھال کر رکھو پارٹی کے بعد دیکھیں گے۔" اب عسریٰ کو اس کاغذ کے راز کے کو جاننے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔کیونکہ جو راز تھا وہ اسے محب پہلے ہی بتا چکا تھا۔اسرا نے ماں جی کا دوپٹہ ان کے پاس ہی رکھ دیا۔وہ ابھی بھی سو رہی تھیں۔اس نے انہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا۔اب وہ دونوں باہر لان کی جانب بڑھ گئے۔

باہر سب لوگ کھانا کھا رہے تھے۔ارمان ، منال ،نہال، فضہ ایک ٹیبل کے گرد کرسیوں پر بیٹھے تھے۔وہ دونوں بھی اسی ٹیبل کی جانب بڑھ گئے وہاں دو کرسیاں خالی پڑی تھیں۔اسرا کے ایک جانب نہال تھی۔جبکہ دوسری جانب منال بیٹھی تھی۔جبکہ نعمان ارمان اور فضہ کے درمیان میں بیٹھ گیا۔

"تم دونوں کہاں تھے ؟" نہال کے پوچھنے پر ان دونوں نے اپنی مسکراہٹ دبائی۔

" یہ جو آپ لوگ کھانا کھا رہے ہو نا اسی کا انتظام دیکھ رہے تھے۔" نعمان اپنے چہرے پر دنیا جہان کی معصومت سجاتا ہوا بولا تو ارمان نے قہقہہ لگایا۔خوشگوار فضا میں کھانا کھایا گیا۔مگر کسی کو احساس ہی نہ ہوا کہ اسرا وہاں ہو کر بھی وہاں موجود نہیں تھی۔پارٹی ختم ہونے کے بعد سب اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہو گئے۔نہال ماں جی کو گھر لے گئی تھی۔اب لان میں ایک ٹیبل کے گرد ارمان اسرا اور نعمان بیٹھے تھے۔

" نکالو اس کاغذ کو اور پڑھو۔" ارمان نے دھڑکتے دل کے ساتھ نعمان کو کہا تو اس نے پاکٹ سے کاغذ نکالا۔وہ سفید رنگ کا کاغذ تھا کوئی خط تھا۔جس کا لفافہ شاید کہیں کھو گیا تھا۔اس کی باہری پرت پر ایک تاریخ لکھی ہوئی تھی۔

"کیا ڈیٹ ہے؟" اسرا خاموشی سے بیٹھی تھی۔

"آپ کے جانے سے دو مہینے پہلے کی ہے۔" اس نے حیرانی سے کہا تو اسرا اور ارمان نے اس کی جانب دیکھا۔ نعمان نے بسم اللہ پڑھ کر اسے کھولا اور اونچی آواز میں پڑھنا شروع کر دیا۔

"23 سال پہلے تو تم نے اسے مجھ سے بچا لیا تھا۔ اب کیسے بچاؤ گے ؟؟

جہاں چھپانا ہے اسے چھپا لو۔ میں اسے ڈھونڈ کر مار ڈالوں گا ہاہاہا۔" دو سطروں پر مشتمل یہ خط وہ راز تھا۔ جس کے پیچھے وہ مارے مارے پھر رہے تھے۔ اب وہ تینوں اس خط کو تعجب سے تک رہے تھے۔

"یہ کس کی بات کر رہا ہے؟" ارمان حیرانی سے بولا تو نعمان نے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔ اسرا پر بہت سی چیزوں کا ادراک ہو رہا تھا۔

"آپ کی ارمان بھائی! یہ آپ کی بات کر رہا ہے۔" نعمان کے بولنے پر ارمان ساکت رہ گیا۔ کوئی اس کو مارنے کی کوشش کیوں کرے گا ؟

"میری بات ؟" وہ تعجب سے بولا۔

"جی ارمان بھائی!! یہ خط وہ وجہ ہے جس وجہ سے آپ اتنے سال گھر سے دور رہے۔وہ غصے کو ضبط کرتے ہوئے بولا۔اسرا نے اپنی نم آنکھوں کو بند کر لیا۔ارمان نے نعمان کی جانب حیرانی سے دیکھا ۔مطلب بابا جان نے اس رات اس گھر اس خط کی وجہ سے گھر سے باہر نکالا تھا۔

"جی ارمان بھائی!! اس ایک خط کی وجہ سے اسرا کو مہرا بنایا گیا۔" اسرا اس کے لیے ہمیشہ سے ہی قابلِ احترام تھی۔ارمان نے ساکت نظروں سے اسرا کے سرخ ہوتے چہرے کی جانب دیکھا۔اس کے دل میں ندامت ، شرمندگی، ملال نے اٹھانا شروع کر دیا۔اسرا کی گرفت میز کی سطح پر مضبوط تر ہوتی چلی گئی۔

" مجھے ایک بات بتانی ہے۔" اسرا کانپتے لبوں کے ساتھ بولی۔وہ دونوں اس کی جانب متوجہ ہوگئے ۔اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔نہ جانے اور کتنے راز عیاں ہونے باقی تھے۔

"وہ قاتل۔۔۔" اس نے ایک نظر اٹھا کر ارمان کی جانب دیکھا۔جس کی آنکھوں میں ملال تھا۔اس کے باباجان نے اسرا کو مہرہ بنا کر اسے گھر سے باہر نکالا تھا۔جبکہ اصل وجہ یہ خط تھی۔وہ دونوں اس کے بولنے کا انتظار کر رہے تھے۔

اسرا نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں اور گہری سانس بھر کر آنسوؤں کو اندر دھکیلا۔

”وہ قاتل ارمان کا بھائی ہے۔“ اس کی بات پر وہ دونوں چونک کر کھڑے ہو گئے۔

”کیا ؟ اسرا ! ایسا نہیں ہو سکتا۔ آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔“ نعمان کے بولنے پر اسرا نے نفی میں سر ہلایا۔

”ڈاکٹر فیصل ارمان کا بھائی ہے۔“ ارمان کو لگا کہ پوری دنیا ساکت ہوگئی۔ساتوں کے سات آسمان اس کے سر پر آ گرے۔ایک آنسو پلکوں کی باڑ کو توڑتا رخسار پر بہہ گیا۔وہ جہاں کھڑا تھا وہیں زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔نعمان اور اسرا بھی بوکھلا کر اس کے پاس نیچے بیٹھ گئے۔آج کا دن ان کے لیے بہت بھاری تھا۔اب نا جانے رات نے ان پر کون سا قہر ڈھانا تھا۔

” ارمان بھائی!! اٹھیں۔“ نعمان اور اسرا نے اسے پکڑ کر کھڑا کیا۔اس کے دماغ میں بس اسرا کا کہا ہوا جملہ گونج رہا تھا۔

” ڈاکٹر فیصل ارمان کا بھائی ہے۔“ وہ ان دونوں کو چھوڑتا باہر کی جانب بڑھا۔اسے باباجان سے بات کرنی تھی۔اس سے پہلے وہ دروازہ پار کرتا نعمان اسے روک چکا تھا۔

” بھائی! اس وقت کسی سے بھی بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بابا جان سو رہے ہوں گے ۔“

ارمان کی آنکھیں لال ہو چکی تھیں۔اس نے اپنے بازو سے نعمان کا ہاتھ ہٹایا۔

”وہ مجھے بے خبر رکھ کر خود سکون سے نہیں سو سکتے۔“ وہ بولا تو اس کی آواز میں ایک وحشت تھی۔

اب اسرا ارمان کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

”ارمان ! نعمان ٹھیک کہہ رہا ہے۔کل بات کریں گے۔“

اس کی بات پر ارمان نے آہستہ سے اس کا ہاتھ تھاما اور بیرونی دروازہ پار کر کے اپنے گھر کی جانب بڑھنے لگا۔اسرا اپنا ہاتھ چھڑوانے کی کوشش کر رہی تھی۔نعمان بھی ان کے پیچھے تھا۔

” ارمان! میرا ہاتھ چھوڑیں۔یہ آپ کے گھر کا مسئلہ ہے۔میں بیچ میں دخل اندازی نہیں کر سکتی۔“

اس کے چیخ کر کہنے پر ارمان رکا اور اپنی وحشت زدہ آنکھوں سے ایک پل کے لیے اسرا کی جانب دیکھا۔اسرا کا ہاتھ ہنوز اس کی گرفت میں تھا۔

”پانچ سال پہلے انہوں نے اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لیے تمہارا استعمال کیا تھا۔اب ان کو ہر بات کا جواب دینا ہوگا۔“ وہ دو ٹوک میں لہجے میں بولتا اپنے گھر کے اندر داخل ہو چکا تھا۔اب اس کا رخ

بابا جان کے کمرے کی جانب تھا۔اس نے اشتعال سے ٹانگ مار کر دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔

بابا جان اور ماں جی جو ابھی سوئے ہی تھے۔دھاڑ کی آواز سن کر اٹھ بیٹھے۔سامنے کا منظر دیکھ کر وہ دونوں حیران رہ گئے۔

ارمان اسرا کا ہاتھ تھامے غصے سے ان کی جانب دیکھ رہا تھا۔جبکہ نعمان ان دونوں کے پیچھے کھڑا تھا۔

”کیا ہوا بچوں؟“ بابا جان نے سائیڈ ٹیبل سے اپنی عینک پہنتے ہوئے کہا۔انہیں ارمان کے تیور ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔اب بابا جان اور ماں جی ان کے سامنے کھڑے تھے۔

”میں صرف ایک سوال پوچھوں گا۔۔“ وہ غصے سے بولا۔ اسرا کا دل خوف کی باعث سکڑنے لگا۔باباجان حیران تاثرات لیے اسے دیکھ رہے تھے۔مگر اس کے اگلے جملے پر وہ ساکت رہ گئے۔

”فیصل شاہ کون ہے؟“ وہ بغور ان کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔بابا جان اور ماں جی کو لگا کہ اسے سب کچھ پتہ چل چکا تھا۔ان کی اتنے سالوں کی محنت پر پانی پڑ گیا۔

”میں نے پوچھا فیصل شاہ کون ہے؟“ وہ دھاڑا تو اسرا نے دو قدم پیچھے کی جانب لیے۔بابا جان شکستہ انداز میں عینک اتارتے ہوئے بیڈ کی پائنتی پر بیٹھ گئے۔ارمان اسرا کا ہاتھ چھوڑتا ان کی جانب بڑھا۔

"بتائیں میرا فیصل شاہ سے کیا رشتہ ہے ؟ کون ہے وہ؟" اب کی بار اس کا لہجہ تھوڑا دھیما تھا۔اس کی بات پر بابا جان نے نم آنکھوں کے ساتھ اس کی جانب دیکھا۔

" بھائی ! وہ تمہارا بھائی ہے۔" بابا جان کے دکھی انداز میں کہنے پر ارمان کا دل ڈوب گیا۔آخری امید کی کرن بھی بجھ گئی۔وہ ان کے پاؤں میں بیٹھ گیا۔

"پھر میں کون ہوں؟" کرب میں ڈوبی ہوئی آواز نے ان سب کے دل دہلا دیے۔اس کی آنکھوں میں آنسو جمع ہو چکے تھے۔

"بتائیں بابا جان ! پھر ارمان احمد کون ہے ؟ بتائیں اگر وہ فیصل شاہ میرا بھائی ہے۔پھر میں کس کا بیٹا ہوں؟" آنسو ٹپ ٹپ اس کے رخسار پہ بہنے لگے۔اسرا نے ضبط سے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔ارمان ان کے جھریوں زدہ ہاتھ تھامے استفسار کر رہا تھا۔

"بتائیں بابا جان! میں آپ کا بیٹا ہوں نا؟" وہ پر امید لہجے میں بولا۔بابا جان کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔

وہ اس کی جانب نہیں دیکھ رہے تھے۔

"بتادیں۔" اب کی بار وہ چلایا۔اس کی حالت وہاں موجود ہر انسان کو تکلیف دے رہی تھی۔وہ ان سب کے دل کے قریب تھا۔ان سب کے دلوں میں دھڑکتا تھا۔اسرا اور نعمان کی آنکھوں سے آنسو بہنے شروع ہو گئے۔انہیں بولتا نہ دیکھ کر وہ اٹھا اور ماں جی کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

"پلیز بتا دیں کہ میں آپ کا بیٹا ہوں۔میرے دل میں بہت درد ہو رہا ہے۔" اس کے ضبط سے کہنے پر ماں جی نے آنسوؤں سے بھری ایک نظر بابا جان کے چہرے کی جانب ڈالی جو سر جھکائے بیٹھے تھے ۔اور پھر تڑپتے ہوئے ارمان کی جانب دیکھ کر نفی میں سر ہلایا۔ارمان جہاں تھا وہیں ساکت رہ گیا۔وہ بے یقینی سے ان کے نفی میں ہلتے سر کو دیکھ رہا تھا۔

"نہیں۔ایسا نہیں ہو سکتا۔" وہ دوبارہ بابا جان کے پاس گیا اور ان کے ہاتھوں کو تھام لیا۔اسرا زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔اس سے ارمان کی تکلیف نہیں دیکھی جا رہی تھی۔

"دیکھیں بابا جان ! ماں جی مجھ سے مذاق کر رہی ہیں۔آپ پلیز مجھے سچ بتا دیں کہ میں آپ کا بیٹا ہوں۔" بابا جان نے اپنی نگاہیں اٹھا کر ارمان کی جانب دیکھا اور نفی میں سر ہلا دیا۔ارمان کے ہاتھوں

سے بابا جان کے ہاتھ چھوٹ گئے۔انہوں نے اپنے خالی ہاتھوں کو دیکھا جنہیں کچھ دیر پہلے ارمان نے تھاما ہوا تھا۔نعمان روتا ہوا ارمان کے پاس آیا۔

”بھائی ! سنبھالیں خود کو۔“ وہ اس کے پاس ہی نیچے بیٹھ گیا۔

”تم نے دیکھا ؟ ان کے مطابق میں ان کا بیٹا نہیں ہوں۔ میں عاقب احمد کا بیٹا نہیں ہوں۔“ وہ ہچکیوں سے روتا کہہ رہا تھا۔وہ سب اس کی حالت پر تڑپ اٹھے۔یکدم وہ اٹھا اور بابا جان کے پاس گیا۔

” میں اگر آپ کا بیٹا نہیں ہوں تو پھر کس کا بیٹا ہوں؟“ اس دلاور شاہ کا ؟ ا“س نے کانپتے لہجے میں یہ جملہ ادا کیا تو بابا جان نے جلدی سے نفی میں سر ہلایا۔

” نہ ہی تم اور نہ ہی فیصل اس کا بیٹا ہے۔“ وہ بولے تو ان کی آواز بھاری تھی۔آخرکار انہوں نے اپنی چپ توڑ ہی دی تھی۔

”تو پھر میرا بھائی اس انسان کے پاس کیا کر رہا ہے ؟اور میرے بابا کون ہیں ؟ اور کہاں ہیں ؟ “وہ رشتوں کی ڈوریوں میں بری طرح الجھ رہا تھا۔انہوں نے اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے نیچے

بیٹھی اسرا کو اشارے سے اپنے پاس بلایا۔اسرا سر ہلاتی ان کے پاس کھڑی ہو گئی۔انہوں نے اپنے ہاتھ جوڑ کر اسرا کے سامنے کیے۔تو اسرا نے تڑپ کر ان کے ہاتھ پکڑتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"بچے! مجھے معاف کر دو۔میرے پاس کوئی اور راستہ نہیں تھا۔" وہ پہلے دن سے ہی ندامت کا بوجھ اپنے دل پر اٹھائے پھر رہے تھے۔اسرا نے ان کے ہاتھوں ایک دوسرے سے جدا کیا۔ارمان سرخ آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

" بابا جان! آپ کی کوئی غلطی نہیں ہے۔انسان کو مشکل وقت میں وہ قدم اٹھانا ہی پڑتا ہے جو وہ عام حالات میں اٹھانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔" اس نے ایک دفعہ پھر یہ بات ثابت کی کہ وہ اسرا یاسر تھی صبر و شکر والی اسرا یاسر!

ابھی اسرا پیچھے ہٹنے ہی والی تھی کہ ارمان اس کے قدموں میں ہاتھ جوڑے بیٹھ گیا۔اسرا جلدی سے پیچھے ہٹی۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟" وہ تعجب سے بولی۔

"مجھے معاف کر دو اسرا ! پلیز معاف کر دو۔میں تم سے شادی کرنے کے لیے تیار ہوں۔" اس کی آخری بات پر اسرا کا دل زور سے دھڑکا۔

"میں منال کو منع کر دوں گا۔پلیز مجھے کفارہ ادا کرنے دو۔" اس کی بات سن کر اسرا اس کے سامنے نیچے بیٹھ گئی۔اس نے ایک لمحے کے لیے اپنی آنکھیں بند کیں اور پھر کھولیں تو وہ بے تاثر تھی۔تقدیر نے کیسا پلٹا کھایا تھا۔مگر آج سوالی وہ نہیں تھی بلکہ سامنے بیٹھا انسان تھا۔اور اسرا کے پاس آج اس انسان کو دینے کے لیے کچھ نہیں تھا۔

"ارمان ! اب ایسا نہیں ہو سکتا۔" وہ دو ٹوک لہجے میں بولی تو ارمان نے حیرانی سے اس کے سرخ پڑتے چہرے کی جانب دیکھا۔

"اب میرے قدم بیڑیوں سے جکڑے ہوئے ہیں۔" وہ خود اذیت سے مسکراتی ہوئی بولی۔

"میں توڑ دوں گا ان بیڑیوں کو۔پلیز ہاں کر دو۔" اس کے ہاتھ اسرا کے آگے بندھے ہوئے تھے اور اسرا اپنے آپ کو بہت بے بس محسوس کر رہی تھی۔

”ارمان ! مجھے حقیقی زندگی میں رہنے دیں۔کاش! ارمان احمد ! آپ یہ سب میری محبت میں کہتے ! اپنی ندامت میں نہیں۔“ وہ بولی تو اس کے لہجے میں ایک ملال تھا۔

” آپ آج یہ سب اس لیے کہہ رہے ہیں کیونکہ آپ کا ضمیر آپ کو ملامت کر رہا ہے۔آپ کا دل نادم ہے۔مگر کچھ عرصے بعد یہ ندامت ختم ہو جائے گی۔اگر ہماری شادی ہو بھی گئ تو زندگی میں کسی نہ کسی دن کبھی نہ کبھی آپ کو اپنے فیصلے پر پچھتاوا ضرور ہو گا۔“ اس نے لمبا سانس لے کر اپنے آنسوؤں کو اندر دھکیلا۔

”آپ اور منال ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور اسرا یاسر کا ضمیر اسے اس بات کی اجازت ہرگز نہیں دیتا کہ وہ دو محبت کرنے والوں کو جدا کر دے۔“کمال ضبط سے یہ جملہ ادا کیا گیا تھا۔

”میں محبوب سے دور رہنے کا دکھ جانتی ہوں ارمان! اور میں یہ نہیں چاہتی کہ آپ کو بھی اسی دکھ کا سامنا کرنا پڑے۔اس لیے آپ اپنے آپ کو اور مجھے مشکل میں مت ڈالیں۔اسرا یاسر کے دل میں کوئی ملال نہیں ہے۔ آپ بس خوش رہیں۔“ مسکرا کر کہا گیا۔ایک جوگن نے اپنے جوگ کو دل سے قبول کیا تھا۔سامنے پانی تھا مگر اس نے پیاس کو چنا۔

"میں تمہیں خوش رکھوں گا۔" آخری دفعہ کوشش کی گئی۔ اسرا کا درد سے بھرا ہوا قہقہہ فضا میں گونج اٹھا۔

" ارمان! میرے مقدر میں جو خوشیاں لکھی ہیں۔ وہ مجھے مل جائیں گی ۔اپنی خوشیوں کے لیے کسی دوسرے کی خوشیوں کا گلا نہیں گھونٹتے۔" تکلیف دہ لہجے میں کہا گیا۔ وہ بھول گئی کہ یہ دنیا وہ آسیب زدہ مقام ہے۔ جہاں کسی ایک کی خوشیاں کسی دوسرے کا دکھ کا سبب بنتی ہیں۔ اور کسی ایک کا دکھ دوسرے کی خوشیوں کا سبب بنتا ہے۔

"کہاں سے آتا ہے اتنا ظرف ،اتنا صبر تم میں ؟" باقی سب خاموشی سے ان کی گفتگو سن رہے تھے۔ مگر ان دونوں کو کہاں کسی کی پرواہ تھی؟ اس کی بات پر اسرا مسکرائی۔

"زندگی صبر کرنا بھی سیکھا ہی دیتی ہے۔ خیر آپ اٹھیں نیچے سے۔" اس کی بات پر ارمان اٹھا اور دوبارہ بابا جان کی جانب متوجہ ہوا۔

”مجھے میرے سوالوں کے جواب چاہیے۔“وہ سرد لہجے میں بولا تو بابا جان بیڈ سے اٹھے اور الماری کی جانب بڑھ گئے۔لاکر کو کھول کر ساری چیزوں کے پیچھے سے ایک فوٹو ایلبم باہر نکال کر سامنے میز پر رکھ دیا۔

”ادھر آؤ سب۔انہوں نے ارمان ،اسرا اور نعمان کی جانب اشارہ کیا تو وہ سب حیرانی سے اس البم کو تکتے ہوئے میز کے گرد قالین پر بیٹھ گئے۔

”میرے بھائی یعنی تمہارے اور فیصل کے بابا کا نام افنان احمد ہے۔“ ارمان کے دل کی حالت عجیب سی ہو رہی تھی۔وہ کیسے اس بات کا یقین کرتا کہ جس انسان نے بچپن سے آج تک اسے اتنا پیار دیا، پرورش کی۔وہ اس کا سگا باپ ہی نہیں تھا۔وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے باپ کے ساتھ کیا ہوا تھا مگر اب وہ سب کچھ جاننا چاہتا تھا۔کہ ایسا کیا ہوا کہ اس کا باپ مر گیا، اس کا بھائی اس سے جدا ہو گیا۔یہ سوچ ہی اس کا دل دہلا رہی تھی کہ وہ قتل جس نے کیا وہ اس کا بھائی تھا۔

”یہ سب کچھ تیس سال پہلے شروع ہوا۔تمہاری ماں بشرا بیگم بہت خوبصورت خاتون تھیں۔وہ اپنے والدین کی لاڈلی بیٹی تھیں۔ان کے خاندان میں سے صرف انہی نے تعلیم حاصل کرنے کے لیے

یونیورسٹی میں قدم رکھا۔وہاں ان کا ٹاکرا شاہ خاندان کے بگڑے وارث دلاور شاہ سے ہوا۔قسمت کی کرنی کچھ یوں ہوئی کہ اسے بھابھی سے محبت ہو گئی۔اس نے بشرا بھابھی سے شادی کرنے کی بہت کوشش کی۔مگر بھابھی کے خاندان کی وجہ سے اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ان کے پاس بھی شاہ خاندان کی طرح بہت طاقت تھی۔وہ دلاور شاہ انسان چاہے جتنا مرضی برا تھا۔مگر اس نے بھابھی سے محبت سچی کی تھی۔بھابھی کی قسم کی وجہ سے وہ انسان ان کی زندگی سے نکل گیا۔" انہوں نے ایک لمحے کا وقفہ لیا۔وہ سب دم سادھے ان کی بات سن رہے تھے۔کہ اگر نہ سنی تو اگلا سانس نہیں لے پائیں گے۔

"پھر بھابھی کی شادی افنان بھائی سے ہو گئی۔بھائی شہر کے ایک جانے مانے وکیل تھے۔پھر فیصل اور تم ان کی زندگی میں آئے۔مگر تمہاری پیدائش کے موقع پر ہی بھابھی بھائی کو اکیلا چھوڑ گئیں۔اس کے بعد تم دونوں کی پرورش کا ذمہ انہوں نے اٹھایا۔" بابا جان نے ماں جی کی جانب اشارہ کیا جو آنسو روکے ماضی کے ورقوں کو پلٹا ہوا دیکھ رہی تھیں۔انہوں نے ایک دوسرے سے وعدہ کیا تھا کہ وہ یہ راز ارمان کے سامنے کبھی نہیں کھولیں گے۔مگر آج وہ وعدہ ٹوٹ گیا۔

”پھر دلاور شاہ نے افنان بھائی کی زندگی میں قدم رکھا۔ایک دن ایک دس سالا بچہ بھائی کو سڑک پر روتا ہوا ملا۔افنان بھائی اسے گھر لے آئے۔اور اس سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو اس بچے نے دعویٰ کیا کہ اس کی بوڑھی دادی اور باپ کو دلاور شاہ نے قتل کیا ہے۔“ انہوں نے ایک لمبا سانس بھرا۔تو اسرا نے پانی کا گلاس انہیں پکڑایا۔پانی کا ایک گھونٹ بھر کر انہوں نے گلاس واپس میز پر رکھ دیا۔اسرا دوبارہ قالین پر بیٹھ گئی۔

”وہ لڑکا اس واقعہ کا چشمِ دید گواہ تھا۔اس کے مطابق اس کی دادی سے گرم چائے دلاور شاہ پر گر گئی تھی۔اور اس نے غصے میں آکر بھاری واس اس بوڑھی عورت کے سر پہ مار دیا اور وہ بیچاری وہی دم توڑ گئی۔“ان کی بات سن کر ان سب نے آنکھیں میچ لیں۔

”اس لڑکے کے باپ نے بہت مشکل سے عدالت میں مقدمہ درج کروایا۔مگر جج نے دلاور شاہ کے حق میں فیصلہ سنا ڈالا۔بیٹا ! یہ معاشرہ صرف طاقتور لوگوں کا ہے۔یہاں غریب کی فریاد کوئی بھی نہیں سنتا۔“ ارمان نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔ہاں! وہ خود بھی اسی معاشرہ کا حصہ تھا۔وہاں روز کسی نہ کسی

غریب پر ظلم ڈھایا جاتا تھا اور ترحم بات تو یہ کہ قانون بھی انہیں پیسے والوں کے ساتھ تھا۔وہ کیا سمجھتے تھے کہ وہ اپنی دولت سے سب کچھ خرید سکتے ہیں؟

ہاں! شائد خوشی اور زندگی کے علاوہ دنیا کی ہر چیز خرید بھی لیں۔مگر آخرت میں کیا کریں گے؟

" پھر دلاور شاہ نے اس لڑکے کے باپ کو بھی قتل کروا دیا۔وہ ماضی کے یاد کرتے کرتے تھک گئے تھے۔کوئی اتنا بے رحم کیسے ہو سکتا تھا؟ انہوں نے ایک لمحے کے کیے اپنی آنکھیں موند لیں۔اور لمبا سانس بھرا۔وہ سب کچھ دہرانا اتنا آسان نہیں تھا۔وہ پہلی دفعہ یہ سب کسی انسان کو بتا رہے تھے۔

" افنان بھائی نے اس لڑکے کو اپنے پاس رکھ لیا اور دلاور شاہ کے خلاف ثبوت اکٹھے کر کے اس کے کالے کرتوتوں کے خلاف مقدمہ لڑنا شروع کر دیا۔مگر اس دلاور شاہ نے ایک ڈاکٹر سے بھائی کی جعلی میڈیکل رپورٹ بنوا کر کورٹ میں انہیں پاگل ثابت کر دیا۔۔"اس بات پر ارمان چونکا۔اس کے بابا کی جعلی میڈیکل رپورٹ بنوائی گئی تھی! ساتھ ہی اس کے دماغ میں ایک اور خیال بھی گردش کرنے لگا۔

"بابا جان! وہ ڈاکٹر کون تھا؟" اس نے بابا جان کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"کوئی سائیکالوجسٹ تھی۔"ان کی بات پر ارمان اور اسرا نے حیرت سے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔

"ڈاکٹر حمنہ!" ان دونوں کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

"پتہ نہیں مجھے نام نہیں یاد۔"

"مجھے یقین ہے کہ وہ سائیکالوجسٹ ڈاکٹر حمنہ ہی ہے۔"اس نے پر یقین لہجے میں کہا۔

"آپ آگے بتائیں۔"

" اس کے بعد دلاور شاہ نے بھائی کو اپنے راستے سے ہٹانے کا سوچ لیا کیونکہ بھائی کے پاس اس کے خلاف بہت سے ثبوت تھے۔کچھ ثبوت تو عدالت ہی دلاور شاہ کو بیچ چکی تھی۔مگر بہت سے ثبوت بھائی کے پاس پھر بھی موجود تھے۔" ارمان اب اپنی مٹھیاں بھینچے انہیں سن رہا تھا۔باباجان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"کونسے ثبوت؟ مطلب وہ کن کاموں میں ملوث تھا؟"

ارمان سب کچھ ہی جاننا چاہتا تھا۔

"وہ پہلے بھی بہت سے قتل کر چکا تھا۔اس کے علاوہ وہ یونیورسٹی میں ڈرگز بھی اسمگل کرتا تھا۔"ارمان نے سوچ لیا کہ وہ اس انسان کو پھانسی کے پھندے تک ضرور پہنچا کر رہے گا۔

" اسے پتہ تھا کہ افنان بھائی ہی بشرا بیگم کے شوہر تھے۔اس لیے اس کے دل میں بدلے کی آگ نے سر اٹھانا شروع کر دیا۔وہ جنون جو کہیں سو گیا تھا۔وہ دوبارہ جاگ اٹھا۔اور پھر 23 سال پہلے وہ منہوس رات آئی۔" آنسوؤں کی وجہ سے بولنا مشکل ہو گیا تو انہوں نے گلاس اٹھا کر پانی کا ایک گھونٹ گلے میں اتارا۔

"وہ رات اپنے ساتھ ایک ایسا طوفان لے کر آئی جو اپنے ساتھ سب کچھ بہا کر لے گیا۔سب گھر والے ایک شادی پر گئے ہوئے تھے۔گھر میں افنان بھائی، تم اور فیصل اکیلے تھے۔اسی رات وہ اپنے آدمیوں کو ہمارے گھر لے آیا۔اس نے ہر چیز تہس نہس کر دی۔سارے ثبوت بھائی سے چھین لیے۔بھائی کب تک اس کے آدمیوں کا مقابلہ کر پاتے۔اس کے آدموں نے انہیں زخموں سے چور کر دیا۔دلاور شاہ صرف افنان بھائی کو مارنا چاہتا تھا۔وہ تم دونوں کو کسی یتیم خانے میں چھوڑنا چاہتا تھا۔ مگر اس کی نظر جیسے ہی فیصل پر پڑی۔اس نے اسے اپنے ساتھ لے جانے کا فیصلہ کر لیا۔۔"

"مگر کیوں؟ اور وہ تیسرا بچہ کہاں گیا؟" ارمان نے ان کی بات کاٹی۔

"کیونکہ فیصل میں انہیں بشرا بھابھی کا عکس نظر آیا تھا۔اس کے سارے نقوش بشرا بھابھی پر گئے تھے۔ جبکہ تم اپنے باپ افنان احمد کی کاپی تھے۔اور اس رات وہ بچہ وہاں نہیں تھا۔وہ اپنی ماں سے ملنے گاؤں گیا تھا۔اور پھر واپس ہی نہیں آیا۔" انہوں نے لمبا سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"پھر کیا ہوا؟"

" اس نے پورے گھر کو آگ لگا دی۔ ہر چیز جھلس کر راکھ ہو گئی۔میرا بھائی اس آگ میں جھلس کر مر گیا۔ تم دونوں کی زندگیوں کی بھیک مانگتا ہوا مر گیا۔ ہم واپس پہنچے تو ہمیں سڑک پر تم روتے ہوئے ملے اور ہماری آنکھوں کے سامنے ہمارا گھر جھلس چکا تھا۔" اس وقت وہاں موجود ہر انسان کی آنکھیں اشک بار تھیں۔ان سب کے دل افنان احمد کی تکلیف میں تڑپ اٹھے۔ایک انسان جسے معلوم ہو کہ وہ مرنے والا ہے اور پھر اس کے سامنے اس کے گنہگار کے ہاتھوں میں اس کے بچے ہوں اس کے دل پر کیا بیتی ہوگی؟

”میں۔۔۔میں نے اپنے ان ہاتھوں سے اپنے بھائی کی جھلسی ہوئی لاش کو اپنی بھابی کی قبر کے ساتھ دفنایا تھا۔“ انہوں نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں کو بے بسی سے دیکھتے ہوئے کہا۔ان کے آنسو ان ہاتھوں پر گرنے لگے۔ان کی نگاہوں کے سامنے وہ منظر آگیا جب وہ اپنی جان سے پیارے بھائی کو مٹی کے سپرد کر رہے تھے۔اپنوں کی تکلیف جان نکال دیتی ہے۔ارمان کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔

”آپ لوگوں نے اس کے خلاف کوئی قدم کیوں نہیں اٹھایا؟“ وہ غصہ ضبط کرتے ہوئے بولا تو وہ بے بسی سے مسکرا اٹھے۔

”بیٹا ! ہم پہلے ہی بہت کچھ کھو چکے تھے۔ تمہیں نہیں کھونا چاہتے تھے۔اس لیے خاموش رہے۔ تمہیں کھونے کے ڈر سے ہی ہم نے پانچ سال پہلے تمہیں اپنے آپ سے دور کیا تھا۔“ ورنہ وہ کہاں ارمان کو اپنے آپ سے دور کرنا چاہتے تھے۔وہ تو حالات ہی ایسے بن چکے تھے۔اس لیے انہیں یہ قدم اٹھانا پڑا۔

”وہ خط دلاور شاہ نے نہیں بلکہ ڈاکٹر فیصل نے لکھا تھا۔“ اسرا کے بولنے پر وہ چونکے۔انہیں اس خط کا کیسے معلوم ہوا ؟ تبھی ارمان نے اپنی جیب سے وہ کاغذ نکال کر میز پر رکھ دیا۔بابا جان نے نعمان کی جانب حیرانی سے دیکھا تو اس نے اپنی نگاہیں جھکا لیں۔ بابا جان کے شک پر مہر لگ گئی۔یہ خط نعمان کی وجہ سے ہی ارمان تک پہنچا تھا۔

”مگر وہ ایسا کیوں کرے گا ؟ کیا اسے ساری حقیقت کا معلوم ہے؟ اور اگر معلو م ہےتو وہ ہمارے پاس کیوں نہیں آیا؟“ ان کے دماغ میں بہت سے سوال گردش کر رہے تھے۔ارمان نےان کے سوالوں پر گہرا سانس بھرا۔

”باباجان! میں اتنے دنوں سے جس قاتل کو تلاش کر رہا ہوں وہ فیصل ہے۔“اس کے سر جھکا کر بولنے پر انہیں زور کا جھٹکا لگا۔افنان احمد کا بیٹا اور قاتل! ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔

”بیٹا! تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہو گی۔مانا کہ اس کی پرورش اس دلاور شاہ کے ہاتھوں ہوئی ہے مگر اسکی رگوں میں میرے بھائی افنان احمد کا خون دوڑتاہے۔“وہ ایک مان سے بولے۔ارمان نے اپنا سر جھٹکا۔

”اچھا چھوڑیں۔ آپ یہ بتائیں کہ اس رات کے بعد کیا ہوا؟“ اس کے دل میں تکلیف ہو رہی تھی۔ یہ کیسا راز اس پر عیاں ہوا تھا؟ اب اسے اپنے فرض اور بھائی میں سے ایک کو چننا تھا۔

”ہم نے وہ علاقہ چھوڑ دیا اور یہاں اپنی دنیا بسا لی۔ جس میں ہم تھے اور بس ہمارے بچے۔ دوسری طرف کی کہانی کا مجھے نہیں معلوم۔“ انہیں دوسری طرف کی کہانی نہیں معلوم تھی مگر اسرا ایک ایسے انسان کو جانتی تھی جو شائد دوسری طرف کی کہانی سے آشنا تھا۔

”اگر سب کچھ جل چکا تھا تو یہ سب باتیں آپ کو کیسے معلوم ہوئیں؟“ وہ سوچتے ہوئے بولا۔

”بھائی کی موت کے کچھ دنوں بعد دلاور شاہ نے ہمیں تمہیں مارنے کی دھمکی دی تھی اور ساتھ میں یہ سب بھی بتایا تاکہ ہم اس سے دور رہیں۔“ دلاور شاہ کے جملے آج بھی ان کے کانوں میں گونجتے تھے۔

ان کی بات پر ارمان نے ان کے گھٹنے پر اپنا سر رکھ دیا ”آپ لوگوں نے فیصل کو اس سے واپس لینے کی کوشش کیوں نہیں کی؟“ وہ دکھی انداز میں بولا۔

”بیٹا! ہمارے پاس اتنے اختیارات اور طاقت نہیں تھی۔“ انہوں نے ارمان کے سیاہ بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔باقی سب پہلے ہی کی طرح خاموشی سے ان کی باتیں سن رہے تھے۔

”ہمارے ننھیال نے بھی آپ کی مدد نہی کی؟“

”بیٹا ! وہ لوگ تو بھابھی کی موت کے بعد ہی یہ ملک ہی چھوڑ کر چلے گئے تھی۔ہماری مدد کیسے کرتے ؟“

”فیصل غلط راستے پر چلا پڑا ہے۔مگر اسے سزا ضرور ملے گی اور آپ یہ مت سمجھیں کہ میں آپ کا بیٹا نہیں ہوں۔میں ہمیشہ سے ہی آپ دونوں کا بیٹا تھا اور ہمیشہ ہی آپ کا بیٹا رہوں گا۔“ اس کی بات پر ان کے چہرے پر مسکان چھا گئی۔

”اور رہی بات اس دلاور شاہ کی تو اسے بھی اس کے گناہوں کی سزا ضرور ملے گی۔“ وہ وحشت زدہ لہجے میں بولتا انہیں اپنے ارادوں سے آگاہ کر گیا۔اس بدلے کی داستان میں ایک نیا موڑ آچکا تھا!

اب بابا جان ایلبم کھول رہے تھے۔اس ایلبم سے ان کی نہ جانے کتنی ہی یادیں جڑی تھیں۔جیسے ہی انہوں نے پہلا پنہ پلٹا۔ایک تصویر کو دیکھ کر وہ سب چونکے۔

ان سب نے ایک دوسرے کے چہروں کی جانب دیکھا۔یہ سب کون تھے؟

باباجان مسکراتے ہوئے اس تصویر پر اپنا ہاتھ پھیر رہے تھے۔اس تصویر کا منظر کچھ یوں تھا کہ دو آدمی ایک ساتھ کھڑے تھے اور ان دونوں کے آگے چار بچے موجود تھے۔ان بچوں میں سے سب سے بڑے بچے کی عمر نو، دس سال کے لگ بھگ تھی۔جبکہ باقی اس سے چھوٹے تھے۔

”یہ افنان بھائی ہیں۔“انہوں نے دائیں جانب کھڑے آدمی کو دیکھتے ہوئے کہا۔اگر وہ نہ بھی بتاتے تو ان سب کو پھر بھی پتہ چل جاتا کیونکہ وہ ہو بہو ارمان کی طرح دکھ رہے تھے۔یونانی دیوتاؤں سا حسن رکھنے والے۔ارمان نے اپنے بابا کی تصویر پر محبت سے ہاتھ پھیرا۔ہاں ! وہ بالکل اپنے بابا کے جیسا تھا۔انہیں کی طرح دراز قد، چیل سی بھوری آنکھوں والا ارمان احمد! اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔اسرا کو دوسرے آدمی میں کسی کا عکس دکھائی دیا۔مگر ایسا کیسے ممکن تھا؟

” وہ دوسرے آدمی کون ہیں ؟“ ارمان نے بائیں جانب کھڑے آدمی کی جانب اشارہ کیا جو مسکرا رہا تھا۔اسے دیکھ کر بابا جان بھی مسکرائے۔

"یہ رضا حسین ہیں۔یہ افنان بھائی کے سب سے اچھے دوست تھے۔یہ بھی دلاور شاہ کے خلاف بھائی کی مدد کر رہے تھے۔جس رات بھائی پر حملہ ہوا۔اس رات بھائی نے ان کو مدد کے لیے بلایا تھا۔مگر راستے میں ہی دلاور شاہ نے ان کا بھی ایکسیڈنٹ کروا دیا۔" ان سب کے دلوں میں دلاور شاہ کے لیے نفرت اور بڑھ گئی تھی۔

اسرا کو لگا کہ اب ساری گتھیاں سلجھ رہی تھیں۔وہ رضا حسین کے نام پر چونکی تھی۔اب اسے معلوم ہوا کہ اس آدمی میں اسے اس انسان کا عکس کیوں نظر آ رہا تھا۔

" اور یہ بچے کون ہیں؟" ارمان نے ان کے آگے کھڑے ہوئے بچوں کی جانب اشارہ کر کے پوچھا۔

"یہ سب سے بڑا لڑکا حارث ہے۔جس کے بارے میں ، میں نے بتایا تھا۔اسی کی دادی کا دلاور شاہ نے قتل کیا تھا۔" ان کی اس بات پر وہ سب ساکت رہ گئے۔یہ اتفاق بالکل بھی نہیں تھا۔

ا"س کا پورا نام کیا ہے ؟" ارمان نے جلدی سے پوچھا تو بابا جان سوچ میں پڑ گئے۔

"حارث۔۔۔ہاں حارث اسلم۔۔" بلآخر انہیں یاد آ ہی گیا۔ارمان نے اسرا کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔جس پر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔اب ساری کڑیاں ایک دوسرے سے مل رہی تھیں۔

”اور یہ فیصل ہے۔ہمارا فیصل احمد۔“ اب ان کا اشارہ حارث کے ساتھ کھڑے چھ ، سات سال کے بچے کی جانب تھا۔جس نے حارث کا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔

”یہ دونوں ہمیشہ سے ایک دوسرے کے بہت اچھے دوست تھے۔“ وہ مسکرا کر بولے۔

ا”ور یہ تم ہو۔“ اب انہوں نے چار پانچ سال کے گول مٹول سے بچے کی جانب اشارہ کیا۔جس کی آنکھیں بھوری تھی۔وہ بچہ برا منہ بنا کر کھڑا تھا۔یہ تو سب کو ہی معلوم تھا کہ یہ ارمان تھا۔

اب آخر میں سرمئی آنکھوں والا سب سے چھوٹا بچہ بچ گیا۔جو بالکل رضا حسین کے آگے کھڑا تھا۔

”اور یہ ہے سب سے شرارتی بچہ۔ہمارا محب رضا۔مجال ہے جو رضا بھائی کے بغیر کہیں چلا جائے۔“

اسرا کو اس بات کا پہلے سے ہی اندازہ تھا۔اس لیے وہ نہیں چونکی۔جبکہ ارمان اور نعمان منہ کھولے اس چھوٹے بچے کو دیکھ رہے تھے۔وہ دونوں تو صرف ایک ہی محب رضا کو جانتے تھے۔کہیں یہ بھی تو وہی نہیں؟؟

”یہ محب ہے ؟“ ارمان حیرت سے بولا تو باباجان نے اثبات میں سر ہلایا۔

”کیا تم لوگ اسے جانتے ہو؟ ملے ہو اس سے ؟“ ان کے بے تابی سے پوچھنے پر ارمان نے اسرا کی جانب دیکھا۔

” بابا جان یہ میرے پیشنٹ ہیں۔آج پارٹی میں بھی آئے تھے۔شاید آپ نے انہیں نہیں دیکھا۔“ اسرا کے بولنے پر انہیں یاد آیا کہ ایک نوجوان میں انہیں کشش سی محسوس ہو رہی تھی۔مگر وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کون تھا۔

بابا جان ایلبم کے پرتوں کو پلٹ رہے تھے۔پورا البم انہیں چاروں بچوں کی تصویروں سے بھرا ہوا تھا۔

”ایک منٹ۔“ ارمان نے ایک تصویر کو دیکھتے ہوئے بابا جان سے کہا اور ایلبم اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیا۔اس تصویر میں افنان صاحب کے گرد فیصل اور حارث کھڑے تھے۔مگر تعجب کی وجہ وہ دونوں نہیں تھے۔بلکہ ان کے ہاتھوں میں موجود گھڑیاں تھیں۔سیاہ اور نیلی گھڑیاں ! سرخ بچھو والی گھڑیاں! اس نے نعمان اور اسرا کو وہ تصویر دکھائی۔

”کیا ہوا بیٹا؟ “ بابا جان ان کے تاثرات کو بغور دیکھ رہے تھے جو الجھے ہوئے لگ رہے تھے۔

" بابا جان ! یہ گھڑیاں۔۔؟ "اس نے سوال ادھورا چھوڑ دیا تو بابا جان کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"یہ گھڑیاں افنان بھائی کی پسند کی تھیں۔انہوں نے فیصل کی ساتویں سالگرہ پر ایک اسے اور ایک حارث کو تحفے میں دی تھی۔اور ان میں ایک خاص بات بھی تھی۔۔۔"وہ ماضی میں گم بولتے جا رہے تھے۔

"کہ ان کے بچھو کے سائیڈ پر ہونے پر ایک سیکرٹ جگہ ظاہر ہو جاتی ہے۔جہاں کسی بھی چھوٹی چیز کو چھپایا جا سکتا ہے۔" ارمان نے کھوئے کھوئے سے انداز میں ان کی بات کاٹی تو وہ حیران رہ گئے۔

"تمہیں کیسے معلوم؟" وہ تعجب سے بولے۔یہ بات تو صرف کچھ لوگ ہی جانتے تھے۔

" اس بات کو چھوڑیں بابا جان ! اب آپ ارام کریں۔میں یہ ایلبم لے کر جا رہا ہوں۔آؤ باہر چلیں ۔" وہ ایلبم اٹھاتا باہر نکل گیا تو اسرا اور نعمان بھی اس کے پیچھے گئے۔پیچھے بابا جان اور ماں جی ماضی کے لمحوں میں کھوئے ہوئے تھے۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔

راہداری سے گزرتے ہوئے وہ تینوں خاموش تھے۔مگر وہ خاموشی معمولی خاموشی نہیں تھی۔بلکہ شاکڈ خاموشی تھی۔جو کچھ آج انہیں پتہ لگا تھا وہ نارمل نہیں تھا۔وہ تو ایک راز کی تلاش میں نکلے تھے۔اور یہاں پورا پنڈورا باکس ہی ان کا انتظار کر رہا تھا۔

ارمان آگے تھا جبکہ وہ دونوں اس کے پیچھے کھوئے کھوئے سے انداز میں چل رہے تھے۔یکدم ارمان مڑا اور وہ دونوں اس میں لگتے بچے۔۔

"سوری بھائی! " نعمان کے کہنے پر ارمان نے سر ہلایا۔"میرے پیچھے آؤ۔" وہ دوبارہ رخ پھیر کر چلنے لگا۔اس کی بات پر نعمان نے اپنا منہ بسورا۔پہلے بھی تو پیچھے ہی چل رہے تھے!

ارمان راہداری مڑتا اپنے اسٹڈی روم کی جانب بڑھا۔اسٹڈی روم کے اندر داخل ہو کر اس نے ان دونوں کے اندر آنے کے بعد دروازہ لاکڈ کر دیا۔پھر وہ کرسی پر تھکے سے انداز میں گرا اور اپنا سر تھام لیا۔

"مجھے ان سب رازوں کو ہضم کرنے کے لیے تھوڑا وقت چاہیے۔" وہ آنکھیں موندیں ہوئے بولا۔اسرا اور نعمان اس کے سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"مطلب ؟" نعمان نا سمجھی سے بولا تو ارمان نے اپنی درد میں ڈوبی آنکھوں کو کھولا۔

" مطلب مجھے ان رازوں کو قبول کرنے کے لیے تھوڑا وقت چاہیے۔ میرا سر پھٹ رہا ہے۔ کچھ بھی سمجھ میں نہیں آرہا۔" ابھی وہ کہہ ہی رہا تھا کہ اسرا کو اپنی اور اس قاتل کی ملاقات یاد آئی۔

"مجھے آپ لوگوں کو ایک اور بات بتانی تھی۔"ارمان نے تھکے سے انداز میں اس کی جانب دیکھا۔جیسے کہنا چاہ رہا ہو کہ ابھی بھی کچھ بتانا باقی ہے؟

" بتائیں۔"نعمان بے صبری سے بولا تو اسرا نے انہیں ساری بات بتا دی۔اس نے ارمان کے تاثرات بغور دیکھے۔اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔مطلب وہ اسرا کے گھر آیا تھا! اس کی بات پر نعمان نے حیرانی سے اس کی جانب دیکھا۔

" اسرا! اگر وہ ڈاکٹر فیصل ہے۔پھر آپ نے اس کی آواز کیسے نہیں پہچانی ؟ " اس کی بات پر اسرا نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر اس کی آواز یاد کرنے کی کوشش کی۔

" نہیں۔وہ آواز ڈاکٹر فیصل کی نہیں تھی۔شاید وہ آواز تبدیل کرنا جانتا ہے۔" وہ سوچ کر بولی۔ارمان نے اپنا سر جھٹکا۔

اب ارمان ایلبم کھولے افنان صاحب کی تصویر دیکھ رہا تھا۔ان دونوں کو اس کی آنکھوں میں نمی دکھائی دے رہی تھی۔

”ارمان ! آپ جتنا سوچیں گے۔اتنا ہی الجھتے جائیں گے۔مت سوچیں اتنا۔اپنے دماغ کو تھوڑا سکون دیں۔تاکہ وہ ان سب چیزوں کو قبول کر سکے۔“وہ رسانیت سے بولی تو ارمان نے مشکور نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔نعمان سوچوں میں گم تھا۔

” اسرا! “ وہ سوچتے ہوئے بولا۔

”ہمم۔“ اسرا اور ارمان دونوں اس کی جانب متوجہ ہو گئے۔

”آپ نے مجھے بتایا تھا کہ فیصل نہال کے لیے رشتہ لانا چاہتا ہے۔“ وہ الجھے ہوئے انداز میں بولا تو ارمان چونکا۔اسرا تو اس بات کو بھول ہی چکی تھی۔

”ہاں۔اسی نے مجھ سے کہا تھا۔“

"مگر وہ قاتل تو آپ کا دیوانہ ہے۔تو اگر وہ قاتل فیصل ہے پھر اس نے نہال کے لیے رشتہ بھجوانے کا کیوں کہا؟" ارمان اس بات سے ناواقف تھا اور اسرا اس کی بات پر سوچ میں پڑ گئی۔ کہیں نہ کہیں کچھ تو غلط تھا۔

"مجھے سمجھ آگئی۔۔" اسرا کچھ دیر بعد پرجوش انداز میں بولی تو انہوں نے اس کی جانب سوالیہ انداز میں دیکھا۔

"وہ نہال سے محبت نہیں کرتا۔اور نہ ہی اس کے ساتھ کبھی شادی کرنا چاہتا تھا۔اس نے صرف اس گھر میں داخل ہونے کے لیے رشتے کا بہانہ بنایا تھا۔" وہ پرسوچ انداز میں بولی۔ہاں یہی ہو گا!!

"مگر وہ تو آپ کے ساتھ ہاسپٹل میں بھی کام کرتا تھا نا۔تو تب اسے آپ سے محبت کیوں نہیں ہوئی ۔" اس کی بات پر اسرا مسکرائی۔

"نعمان!! محبت ہمیشہ پہلی نظر میں نہیں ہو جایا کرتی۔ایک مخصوص لمحے میں ہوا کرتی ہے۔وہ لمحہ جس نے امر ہونا ہو۔پہلی نظر ہمیشہ محبت کی نہیں ہوتی دلکشی کی ہوتی ہے۔ہم دوسرے انسان کی

جانب اٹریکٹ ہو رہے ہوتے ہیں۔وہ پہلی نظر کی دلکشی بعد میں محبت میں تبدیل ہو جاتی ہے اور ہاسپٹل میں میرا اور ڈاکٹر فیصل کا سامنا بہت کم ہوا کرتا تھا۔" اب سب کچھ سمجھ میں آ رہا تھا۔

"تمہیں کس نے بتایا کہ قاتل فیصل ہے اور وہ میرا بھائی ہے ؟" اب ارمان بوجھل آواز سے بولا۔

"مسٹر محب نے۔" اس کی بات پر ارمان نے کرب سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔مطلب ایک صرف اسے ہی انجان رکھا گیا تھا! اس کا حق تھا یہ سب کچھ جاننا۔مگر کسی نے بھی اسے بتانے کی زحمت تک نہیں کی۔

اسرا نے نعمان کی جانب اشارہ کیا۔

"بھائی! پلیز اپنا حوصلہ مت ہاریں۔"اس کی بات پر ارمان نے ہاتھ کھڑا کیا۔

"چپ کر جاؤ نعمان ! پلیز چپ کر جاؤ۔مجھے صرف دو منٹ دو۔" اس نے میز کی سطح پر اپنا سر جھکا لیا۔ارمان احمد آج اپنے آپ کو ہارا ہوا محسوس کر رہا تھا۔سب اسے پتھر دل سمجھتے تھے۔نہیں تھا وہ پتھر دل! وہ بھی نارمل انسانوں کی ہی طرح تھا۔

کیوں چھپایا گیا اس سے یہ سب کچھ ؟؟ آخر کیوں اسے انجان رکھا گیا؟ اصل باپ سے انجان رکھا گیا۔۔اس کی موت سے انجان رکھا گیا! بھائی سے انجان رکھا گیا ! اور معلوم نہیں کتنے رازوں سے پردہ ہٹنا باقی تھا۔یہ تو طے تھا کہ اب ارمان احمد ، دلاور شاہ سے چن چن کر بدلے لے گا۔ہر بات کا بدلہ لے گا۔ایسی سزا دے گا کہ اس کی روح بھی کانپ اٹھے گی۔

اسرا اور نعمان تاسف سے اس کے جھکے ہوئے سر کی جانب دیکھ رہے تھے۔یکدم وہ اٹھا۔ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھا کر گلے میں انڈیلا اور اپنی سرخ آنکھوں سے بورڈ کی جانب دیکھا۔ارمان احمد اپنے اصل روپ میں آ چکا تھا۔اب دشمنوں کو چاہیے تھا کہ وہ اس کے بدلے سے ڈریں۔

وہ اپنے بورڈ کی جانب بڑھا اور وہاں موجود ہر نوٹ اکھاڑ کر پھینک دیا۔اب اسرا اور نعمان حیرت سے اس کو دیکھ رہے تھے۔اس نے واپس آکر میز سے لال مارکر اٹھایا اور بورڈ کے اوپر لکھتا چلا گیا

۔

"دلاور شاہ کی بربادی۔" اب وہ تنے ہوئے تاثرات کے ساتھ واپس پلٹا اور گردن اکڑا کر اپنی راکنگ چیئر پر بیٹھ کر جھولنے لگا۔بہت ہو گیا رونا دھونا۔اب انتقام کی باری تھی !!

”اسرا ! محب کو ابھی میسج کرو کہ کل نو بجے تمہارے ہاسپٹل پہنچے۔“ اسرا نے سر ہلاتے ہوئے یہی پیغام محب تک پہنچا دیا۔

”نعمان! یہ سارے راز ہم تینوں سے باہر نہیں جانے چاہیے۔ دلاور شاہ کو کسی صورت بھی یہ معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ ہم سب کچھ جان چکے ہیں۔“ اس کی بات پر نعمان نے ہاتھ ماتھے پر لے جا کر اسے سلیوٹ مارا۔

” راجر باس!“

” اب مجھے سمجھ آرہی ہے کہ اس نے اپنے فارم ہاؤس کے جلنے پر مجھے ہی کیوں بلایا؟“ وہ اس دن کو یاد کرتا بول رہا تھا۔

”کیوں ؟“ اسرا کے سوال پر اس نے اپنی بھوری آنکھوں سے اسرا کے چہرے کی جانب دیکھا۔

”کیونکہ اسے شک تھا کہ یہ سب کچھ میں نے کروایا ہے۔ جبکہ آستین کا سانپ تو اس نے پال رکھا ہے۔“ وہ طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔

”کیا یہ بات کنفرم ہے کہ قاتل فیصل ہی ہے ؟“ نمان کے پوچھنے پر ارمان نے اثبات میں سر ہلایا۔

"سارے ثبوت تو اسی کے خلاف ہیں۔"

"آپ کے ثبوت پہلے حارث کے بھی خلاف تھے۔"وہ منہ بناتا ہوا بولا تو ارمان مسکرا اٹھا۔

"اس کا بھی تو تعلق نکل ہی آیا ہے۔"

" مجھے ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ یہ حارث فضہ کو کیوں ٹارچر کرتا تھا ؟" اس کی بات پر اسرا نے اپنا سر پکڑ لیا۔

" بتایا تو تھا کہ اسے سائیکالوجیکل ڈس آرڈر ہے جس کی وجہ سے وہ فضہ کو ٹارچر کر کے اپنے آپ کو ذہنی تسکین پہنچاتا تھا۔" وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولی تو نعمان نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اسرا اب تم اپنے گھر جاؤ۔ بلکہ نعمان! جاؤ اسے چھوڑ کر آؤ۔ کل ہاسپٹل میں ملاقات ہوگی۔" اس کی بات پر اسرا سر ہلاتے کھڑی ہو گئی۔

" اللہ حافظ !! زیادہ مت سوچیے گا۔" اس کی تاکید پر ارمان مسکرایا۔

" اب میں اس کی بربادی کے بارے میں سوچوں گا۔ اللہ حافظ !! " نعمان بھی کھڑا ہو گیا اور وہ دونوں اسٹڈی روم سے باہر نکل گئے۔ پیچھے ارمان سوچوں میں گم ہو گیا۔

" آگگ آگ۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ بچاؤ۔۔۔۔۔ وہ اندر ہیں۔۔ پلیز کوئی تو بچاؤ انہیں۔ وہ اندر ہیں۔" وہ نیند میں پسینے میں شرابور نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

"بابا !! بابا !! کوئی تو میرے بابا کو بچاؤ۔" اس کی نگاہوں کے سامنے ایک گھر آگ میں جھلس رہا تھا۔

" نہیں۔۔" ایک زوردار آواز کے ساتھ وہ بیدار ہو گیا۔ اس نے بے چینی سے ادھر ادھر دیکھا۔ یہ خواب آخر کس دن اس کا پیچھا چھوڑیں گے؟ اس نے پانی کا گلاس گلے میں انڈیلا۔ اور سائیڈ ٹیبل سے موبائل اٹھایا۔

اب وہ ایک نمبر ڈائل کرنے لگا اور فون کان کے ساتھ لگا لیا۔

"تمہیں میں نے ایک کام کہا تھا۔ ابھی تک نہیں کیا تم نے ؟" وہ غصے سے بولا تو دوسری جانب سے کچھ کہا گیا۔ جس پر اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔

"ویری گڈ اور گارڈز ؟" کچھ لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔

”یہ تو بہت اچھی بات ہے۔میں ابھی آرہا ہوں۔اسے اس کے انجام تک پہنچانے۔“ پھر وہ خاموش ہو گیا۔

” نہیں۔ تمہارے آنے کی ضرورت نہیں ہے۔میں سب ہینڈل کر لوں گا۔اوکے بائے!! “ اس نے مسکراتے ہوئے فون بند کر دیا۔آج وہ اپنے انتقام کی جانب مزید ایک قدم بڑھائے گا۔

ایک گماں کا حال ہے اور فقط گماں میں ہے

کس نے عذابِ جان سہا ،کون عذابِ جاں میں ہے

خود بھی بے اماں ہوں میں، تجھ میں بھی بے اماں ہوں میں

کون سہے گا اس کا غم، جو میری امان میں ہے

آج رات وہ ایک اور کاذب کے گھر کے باہر کھڑا تھا۔مگر آج وہ مکمل تیاری کے ساتھ آیا تھا۔وہ آنکھوں میں انتقام لیے اس عالیشان بنگلے کو دیکھ رہا تھا۔نہ جانے کتنے حرام کاموں کے بعد اس انسان

نے اس بنگلے کو کھڑا کیا ہو گا۔ وہ روشنیوں میں ڈوبے اس بنگلے کو عجیب سی نظروں سے دیکھتا آگے بڑھا۔ دروازے پر موجود گارڈز نیند میں گم تھے یا پھر انہیں بے ہوش کیا گیا تھا۔

گارڈز کو بے سدھ دیکھتے وہ طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوا۔ وہ ایک گارڈ کی جیب سے چابیاں نکال چکا تھا۔ ان چابیوں میں اس بنگلے کے سارے کمروں کی چابیاں تھیں۔ اس بنگلے کی سیکیورٹی بہت ٹائٹ تھی۔ بہت سے گارڈز وہاں کی پہرہ داری دیا کرتے تھے۔ ہر دیوار کے ساتھ بہت سے کیمراز نصب تھے۔ مگر آج اسے کسی چیز کا ڈر نہیں تھا۔ کیونکہ وہ کیمراز اپنے دوست سے ہیک کروا چکا تھا۔ گارڈز اور ملازمین کے کھانے میں بھی ایک ملازم کو پیسے دے کر بے ہوشی کی دعا ملوا چکا تھا۔

آج اس انسان کو موت سے کوئی بھی نہیں بچا سکتا تھا۔ اس انسان کو مارنے کے لیے وہ بہت دنوں سے پلان بنا رہا تھا۔ اس بنگلے کے بلو پرنٹس بھی اس کے پاس موجود تھے۔ اسے اچھے سے معلوم تھا کہ وہ انسان اس وقت اپنے کمرے میں موجود ہو گا اور اس کے بچے باہر عیاشی کر رہے ہوں گے۔ وہ جگہ جگہ پر موجود بے ہوش گارڈز کو دیکھتے ہوئے استہزائیہ انداز میں ہنستا آگے بڑھا۔

اس کے ہاتھ میں اس کی ڈریل مشین بھی تھی۔

"یہ گارڈز تمہیں مجھ سے بچاتے ہاہاہا!" وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا اس انسان کے کمرے کے باہر پہنچ گیا۔اس گارڈ کی جیب سے نکالی ہوئی چابیوں میں اس کمرے کی چابی بھی تھی۔اس نے مختلف چابیاں کی ہول میں لگا کر دیکھیں۔مگر آخر کار ایک چابی سے وہ کمرہ کھل ہی گیا۔تو وہ دبے پاؤں اندر داخل ہوا۔

وہ انسان بستر پر خوابِ خرگوش کے مزے لے رہا تھا۔اسے سوتے دیکھ کر اس کی آنکھیں غضب ڈھانے لگیں۔وہ انسان پرسکون سو رہا تھا۔یکدم اس نے ایک نمبر ملایا اور فون کان کے ساتھ لگایا۔وہ چلتا ہوا کمرے میں موجود صوفے کی جانب بڑھا اور ٹانگ پہ ٹانگ جما کر وہاں بیٹھ گیا۔ڈرل مشین اپنے سامنے موجود شیشے کے میز پر رکھ دی۔

اب وہ ریلیکس سا صوفے پر بیٹھا دوسری جانب سے فون نے اٹھانے کا انتظار کر رہا تھا۔جیسے ہی دوسری جانب سے کال اٹھائی گئی۔اس نے کچھ سوچتے ہوئے کال کاٹ دی۔

"ہنہ۔آڈیو کیوں ؟ ویڈیو کرتا ہوں نا!" اس نے اسی انسان کو ویڈیو کال کی اور کیمرے کا رخ اس سوئے ہوئے انسان کی جانب کر دیا۔کچھ دیر بعد کال اٹھالی گئی۔

"کیا مسئلہ ہے تمہیں؟ اتنی۔۔" دوسری جانب موجود انسان ابھی کچھ بولتا ہی کہ سامنے سوئے ہوئے انسان کو دیکھ کر ساکت رہ گیا۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟ کال تو بند کرو۔" وہ آہستہ آواز میں بولا۔ مگر وہ انسان ٹس سے مس نہ ہوا۔

"اوہو ! تم بس انجوائے کرو۔" اب اس نے موبائل میز پر رکھ کر کچھ اس طرح سے ایڈجسٹ کیا کہ سکرین کے پار موجود انسان کو سارا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اس وقت اپنے اسٹڈی روم میں موجود تھا۔

اب وہ اٹھا اور سوئے ہوئے انسان کے سر پر کھڑا ہو گیا۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھتا کچھ تلاش کر رہا تھا۔ پھر اس نے سائیڈ ٹیبل سے پانی اٹھایا اور پانی سے بھرا ہوا گلاس اسے انسان پر گرا دیا۔ اب وہ اپنا گھٹنا موڑے ٹانگ اس کے پاس بیڈ پر رکھے کھڑا تھا۔ اس کی اس حرکت پر سویا ہوا انسان ہڑ بڑا کر اٹھا۔ اور اپنے سر پر کھڑی اس آفت کو دیکھ کر ڈرتے ہوئے پیچھے کی جانب کھسکا۔ اس انسان کی عمر ساٹھ سال کے لگ بھگ تھی۔

"جی قاضی صاحب ! سکون کی نیند آئی ؟" وہ اپنے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ سجاتا ہوا بولا تو وہ انسان بیڈ کے دوسری جانب سے نیچے اتر گیا۔اس نے کالے رنگ کا نائٹ ڈریس پہنا ہوا تھا۔اسکی بات سن کر انہوں نے اپنے چہرے پر سے پسینہ صاف کیا۔

"قاضی صاحب! اے۔سی میں بھی پسینہ چچ چچچ!!" وہ ان کے پاس دوسری جانب پہنچ چکا تھا۔

"کون ہو تم ؟" انہوں نے بامشکل یہ جملہ ادا کیا۔خوف ان کے حواسوں پر طاری ہو چکا تھا۔اس سوال پر اس نے قہقہہ لگایا۔سکرین کے پار بیٹھے انسان کو یہ منظر صاف طور پر دکھائی دے رہا تھا۔

"افنان احمد یاد ہے؟ "وہ بولا تو اس کا لہجہ برف کی مانند سرد تھا۔وہ انسان سوچ میں پڑ گیا۔یہ کس افنان احمد کی بات کر رہا تھا ؟

"قاضی زوالفقار صاحب ! میں نے پوچھا افنان احمد یاد ہے؟" اب کی بار وہ دھاڑا تو قاضی کو اپنے سر پر موت منڈلاتی نظر آئی۔

"کون۔۔کون افنان احمد ؟" انہیں اس کے کالے لباس اور ہاتھوں میں تھامی ڈرل سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔مگر اصل خوف کی وجہ اس کی لہو جھلکاتی آنکھیں تھیں۔اس نے طیش کے عالم میں دیوار پر ہاتھ مارا۔

"اپنے آپ کو تکلیف مت پہنچاؤ۔" سکرین کے پار بیٹھے انسان کے بولنے پر قاضی صاحب چونکے۔ انہوں نے حیرانی سے موبائل کی جانب دیکھا۔جس کے پار ایک 30 ، 32 سال کا جوان بیٹھا تھا۔اس کی بات پر کالے لباس پہنے انسان نے اپنا سر جھٹکا۔

"کون افنان احمد ؟" وہ استہزایہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"وہ افنان احمد جسے آپ نے پاگل قرار دے دیا۔وہ افنان احمد جس کے محنت سے جمع کیے گئے ثبوتوں کو آپ نے صرف چند پیسوں کے عوض اس دلاور شاہ کو بیچ دیا۔" اب اس کے لہجے میں ایک تکلیف تھی۔قاضی صاحب کو یاد آگیا کہ وہ کس افنان احمد کی بات کر رہا تھا!

" صرف اتنا ہی نہیں۔ آپ نے اس انسان کی دادی کے قاتل کو سزا دینے کے بجائے اسے رہا کر دیا۔" اب اس کا اشارہ موبائل کی سکرین کی جانب تھا۔ جس کے پار موجود انسان اپنی مٹھیاں بھینچے بیٹھا تھا۔

"کون ہو تم ؟" ان کا دماغ انہیں وہاں سے بھاگنے کا کہہ رہا تھا۔ اس انسان کا چہرہ بھلے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ مگر اس کی سرخ آنکھیں اس کے ارادوں کے کے بارے میں صاف صاف بتا رہی تھیں۔

"اسی افنان احمد کا بیٹا۔۔فیصل احمد!!" وہ اپنی ڈرل کو گھورتے لہوئے بولا۔ تو انہوں نے اپنے چہرے پر آیا پسینہ صاف کیا۔ یہ دیکھ کر فیصل کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ چھا گئی۔

"بچاؤ! کوئی تو بچاؤ۔" وہ چلائے۔

" حارث ! دیکھ رہے ہو قاضی صاحب کو ؟ ڈر میں یہ بات بھی بھول گئے کہ ان کا کمرہ ساؤنڈ پروف ہے۔" اس کے ہنس کر بولنے پر قاضی صاحب پر سکتہ طاری ہو گیا۔

”ویسے اپنے ایمان کو کتنے پیسوں میں بیچا تھا ؟ کیا قیمت لی آپ نے اپنے ایمان کی؟“ وہ سرد لہجے میں بولتا ان پر لرزہ طاری کر گیا۔

” اوہ ! لگتا ہے آپ کو یاد نہیں۔اچھا یہی بتا دیں کہ ان ثبوتوں کو کتنے میں بیچا تھا ؟“ یہ کہتے ہوئے اس نے ایک زوردار مکہ ان کے جبڑے پر رسید کیا۔کہ انہیں اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا۔وہ لڑکھڑا کر نیچے گر گئے۔

”بتائیں کیا قیمت لی تھی آپ نے اس گنہگار انسان کو رہا کروانے کی ؟“ اب وہ اپنی ٹانگوں سے ان پر وار کر رہا تھا۔اور وہ چینختے چلے جا رہے تھے۔

”آپ نے اپنے عہدے کا خیال نہیں کیا۔نہ جانے کتنے ہی معصوم لوگوں کے گنہگاروں کو ایسے ہی چھوڑ دیا ہوگا۔“ اس کا غصہ کسی صورت بھی کم نہیں ہو رہا تھا۔کوئی انسان پیسوں کے لیے کتنا گر سکتا تھا۔انسان کو اس بات کا ادراک ہونا چاہیے کہ ان کی جان جس ذات کے اختیار میں ہے۔وہ سب سے زیادہ انصاف کرنے والا ہے۔

"پلیز چھوڑ دو۔" ان کے ہاتھ جوڑ کر کہنے پر اس نے اپنی لال ہوتی آنکھوں سے ان کی جانب دیکھا۔

اور ایک نظر حارث کی جانب دیکھی ڈالی جو ساکت سا وہ منظر دیکھ رہا تھا۔اب اس کی ڈرل مشین کا رخ قاضی کے سینے کی جانب تھا۔اور وہ چینختے ہوئے بالکل دیوار سے لگ کر کھڑے تھے۔

" نہیں۔۔ نہیں ۔۔" وہ چلائے۔حارث نے اس منظر کی تاب نہ لاتے ہوئے اپنی آنکھیں مینچ لیں۔ڈرل قاضی کے سینے میں سوراخ کرتی چلی گئی۔دیکھتے ہی دیکھتے فیصل کے سامنے قاضی صاحب کا جسم بے جان ہو گیا۔اس نے ایک نظر قاضی صاحب کے بےجان جسم کی جانب ڈالی اور زیر لب کہا۔

" انا للہ وانا الیہ راجعون"

پھر اس نے ایک دیوار پر بڑا سا سوراخ بنا دیا۔اب وہ موبائل اٹھانے میز کی جانب بڑھا۔اس کے ہاتھوں پر خون لگا ہوا تھا جسے اس نے جیب سے رومال نکال کر صاف کیا۔

"کھول لو آنکھیں۔اپنے انجام تک پہنچ گیا ہے وہ۔" وہ طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولا تو حارث نے اپنی آنکھیں کھول لیں۔اب اس کا رخ کمرے سے باہر کی جانب تھا۔

"اب آگے کیا کرنا ہے؟"

"وہ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔" وہ مختلف راہداریوں سے گزرتا باہر کی جانب بڑھ رہا تھا۔

"تمہیں خوف نہیں محسوس ہوتا؟" وہ جھرجھری لیتے ہوئے بولا تو فیصل مسکرایا۔

"کس چیز سے؟" وہ بالکل پرسکون ہو کر چل رہا تھا۔جیسے اس کا اپنا گھر ہو۔

"خون سے۔۔"اس کی بات پر وہ بے اختیار ہنسا اور ہنستا ہی چلا گیا۔

"ہنس کیوں رہے ہو؟"

"تم تو ایسے بول رہے ہو جیسے مجھے جانتے ہی نہ ہو۔خیر یہ بات چھوڑو۔مجھے لگتا ہے اب تم نارمل ہو رہے ہو۔" وہ اس کے چہرے کو بغور دیکھتا بیرونی دروازہ پار کر گیا۔اب وہ اندھیرے میں کھڑی اپنی گاڑی کی جانب بڑھ رہا تھا۔

"شاید۔"یک لفظی جواب پر وہ مسکرایا۔

"سنو۔ارمان تمہیں ڈھونڈ رہا ہے۔ذرا احتیاط کرو۔" گاڑی کا دروازہ کھولتا فیصل رکا اور ایک نظر سکرین کی جانب ڈالی۔

” وہ مجھے نہیں ڈھونڈ رہا۔اپنے اصل کو ڈھونڈ رہا ہے۔اور اسے ڈھونڈنے دو جو وہ ڈھونڈ رہا تھا۔مجھے اس سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔“وہ دروازہ کھولتا ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔اور موبائل سامنے ڈیش بورڈ پر رکھ دیا۔وہ ارمان کو خطرہ نہ سمجھ کر بہت بڑی غلطی کر رہا تھا۔

”اب اپنی سالی کو ٹارچر کرنا بند کر دو۔“ اس کی بات پر حارث نے اپنا سر جھٹکا۔اب گاڑی کا رخ شاہ ولا کی جانب تھا۔

”میرے سالی اب اس ڈاکٹر کے گھر میں ہے۔“اس نے حیرانی سے موبائل کی جانب دیکھا۔

”کون ڈاکٹر ؟“ وہ زرا تعجب سے بولا۔

” ڈاکٹر اسرا۔“اس نے گاڑی کو جھٹکے سے بریک لگائی۔اچانک بریک لگانے کی وجہ سے گاڑی کے ٹائر چرچرائے۔

”وہ ان کے گھر کیا کر رہی ہے؟“ اس کے سوال پر حارث نے اپنے شانے اچکائے۔

”پتہ نہیں۔ ویسے مجھے ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔ تم نے ڈاکٹر اسرا سے اپنی کزن کے رشتے کی بات کیوں کی ؟“ اب وہ دوبارہ گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا۔ اب اس کے چہرے پر ایک دل فریب مسکراہٹ چھائی ہوئی تھی۔

”میں کبھی بھی اس نہال کو پسند نہیں کرتا تھا۔اور رہی رشتے کی بات تو مجھے ڈاکٹر اسرا سے محبت اس بات کے بعد میں ہوئی تھی۔“ اس کی نگاہوں کے سامنے اسرا کا مسکراتا چہرہ آگیا۔

”اور میں نے رشتے کی بات کوئی شادی وادی کے لیے نہیں نہیں کی تھی۔میں تو بس اپنے خاندان کو دیکھنا چاہتا تھا۔“

” اور محب ؟“ حارث نے اس کی بات کاٹی۔

”کیا محب؟“

”مجھے لگتا ہے کہ وہ بھی ڈاکٹر اسرا سے محبت کرتا ہے۔“حارث کی بات پر فیصل نے اپنے جبڑے بھینچ لیے اور گاڑی کی اسپیڈ تیز کر دی۔

” فیصل گاڑی آہستہ چلاؤ۔“ حارث سخت لہجے میں بولا تو فیصل نے لہو چھلکاتی آنکھوں سے اسے گھورا

۔”میری غیرت مجھے اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ میں اپنی محبت کو تم سے ڈسکس کروں۔ اس

لیے اس موضوع پر مجھ سے آئیندہ کوئی بات مت کرنا۔“ وہ سرد لہجے میں بولتا حارث کو ساکت کر

گیا۔

” اور رہی بات محب کی تو اسے میں دیکھ لوں گا۔ وہ میرے راستے میں نہیں آ سکتا۔“ اب وہ اپنی

منزل پر پہنچ چکا تھا۔

” اوکے۔ بعد میں بات ہو گی۔“ اس نے کال کاٹ کر گاڑی کا ہارن بجایا۔ کچھ دیر بعد گارڈ نے دروازہ

کھولا تو اس نے اپنی گاڑی شاہ ولا کے اندر داخل کر دی۔

اسرا اپنے گھر پہنچی تو فضہ لاؤنج میں بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ اس وقت لان کے سوٹ میں

ملبوس تھی۔ اسے دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔ اسرا بھی اپنے کمرے میں جانے کی بجائے فضہ کی جانب آ گئی۔

اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بیٹھ گئی۔

”کہاں تھیں آپ ؟ آنٹی کب سے آپ کا انتظار کر رہی تھیں۔ابھی کچھ دیر پہلے سونے گئی ہیں۔“

اسرا بھی اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔اور صوفے سے ٹیک لگا لی۔

”نعمان کے ساتھ گئی تھی۔“ وہ تھکے سے انداز میں بولی۔

”آپ تھکی ہوئی لگ رہی ہیں۔ جائیں آرام کریں۔“ اس کے فکریہ انداز سے کہنے پر اسرا نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

”مجھے آپ سے کچھ پوچھنا تھا۔“ اسرا مسکراتے ہوئے بولی تو فضہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

” پوچھیں۔“

”حارث کا فیملی بیک گراؤنڈ کیا ہے ؟ “ اسرا یہ بات تو جانتی تھی کہ کنزیٰ اور حارث کی شادی ان کی اپنی پسند سے ہوئی تھی۔ مگر وہ اس کے فیملی بیک گراؤنڈ کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔

”ان کی فیملی میں کوئی نہیں ہے۔بس ایک ماں تھیں جو چند سال پہلے ہی فوت ہو گئی تھیں۔اس کے علاوہ میں کچھ نہیں جانتی۔“ وہ سوچتے ہوئے بولی تو اسرا نے اثبات میں سر ہلایا۔فضہ کو اسرا کے چہرے پر عجیب سا دکھ نظر آ رہا تھا۔اسرا کے دماغ میں ارمان کی ساری باتیں گونج رہی تھیں۔

" آپ ٹھیک ہیں؟" فضہ کے فکرمندی سے پوچھنے پر وہ پھیکا سا مسکرائی۔

"میں کہاں سے آپ کو ٹھیک نہیں لگ رہی؟ "اس نے اپنے اوپر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

"اسرا ! ٹھیک ہونے اور ٹھیک لگنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔اور آپ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہیں۔" اس کے پر یقین لہجے سے کہنے پر اسرا چونکی۔کیا اس کا خول ٹوٹ رہا تھا ؟ فضہ کو اس کی آنکھوں میں نمی دکھائی دی۔وہ سب کچھ اپنے اندر چھپا کر کیوں رکھتی تھی؟

" آپ رونا چاہتی ہیں تو میرے گلے سے لگ کر رو سکتی ہیں۔" اسے معلوم تھا اکیلا ہونا کیسا ہوتا تھا ۔اسے اس لمحے اسرا پر ترس آیا تھا۔مگر اسرا اس کی بات سنتی ایک لمحے میں ہی اپنے خول میں واپس لپٹ چکی تھی۔اس کا چہرہ بے تاثر ہو گیا۔

" فضہ ! میری عادات مت بگاڑیں۔لوگ چلے جاتے ہیں مگر اپنی عادات ہمیں لگا جاتے ہیں۔اور میں اپنے آپ کو کسی دوسرے انسان کی عادت میں مبتلا نہیں کرنا چاہتی۔" اس کے دو ٹوک لہجے میں کہنے پر فضہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"کچھ انسان مخلص بھی ہوا کرتے ہیں۔" اس کے مسکرا کر کہنے پر اسرا نے تاسف سے اس کی جانب دیکھا۔"فضہ ! سارے انسان ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔مفاد پرست اور خود غرض۔۔صرف اس وقت تک مخلص رہتے ہیں جب تک ان کا مفاد آپ سے جڑا رہتا ہے۔جیسے ہی مفاد ختم، رشتہ بھی ختم۔مگر وہ ایک دم سے تعلق ختم نہیں کر دیتے۔۔۔" اس نے ایک لمحے کا توقف لیا۔

" بلکہ آہستہ آہستہ اپنے قدم پیچھے کی جانب بڑھانے لگتے ہیں۔تب ہمیں مصروف رہنے کی توجیح دی جاتی ہے ۔اور ہمارا دماغ ہمیں سگنل دینا شروع ہو جاتا ہے۔مگر یہ ہمارا دل دماغ کی بات نہیں سنتا۔"اس نے دل کی جانب اشارہ کیا۔فضہ دم سادھے اس کی بات سن رہی تھی۔

" آپ بہت عجیب ہیں۔میرے پاس آپ کو کمپلیمنٹ دینے کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔" اس کی بات پر اسرا مسکرائی۔

" جائیں سو جائیں۔میں بھی تھک گئی ہوں۔"وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تو فضہ بھی سر ہلاتی وہاں سے اٹھ گئی۔

اب کون زخم و زہر سے رکھے گا سلسلہ

جینے کی اب ہوس ہے ہمیں، ہم تو مر گئے

ہم نے بھی زندگی کو تماشہ بنا دیا

اس سے گزر گئے تو کبھی خود سے گزر گئے

اسرا کے روم میں اس وقت خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ دیوار گیر کھڑکیوں کی اوٹ سے کمرے میں داخل ہوتی سنہری روشنی فرش پر تکون بنا رہی تھی۔ کمرے میں موجود چاروں نفوس کے چہروں پر الجھن چھائی ہوئی تھی۔ اسرا اپنی راکنگ چیئر پر براجمان تھی۔ جبکہ اس کے سامنے موجود دو کرسیوں پر محب اور ارمان بیٹھے تھے۔ ان کے آگے دھواں اڑاتے کافی کے کپ انچھوئے پڑے ہوئے تھے ۔جبکہ نعمان صوفے پر بیٹھا کافی کے سپ لے رہا تھا۔ محب کو رات میں ہی اس بات کا اندازہ ہو چکا تھا کہ اسرا نے اسے کس لیے بلایا تھا۔ یقیناً اس نے ارمان کو سب کچھ بتا دیا تھا۔

”کیا کوئی بولنے کی زحمت کرے گا؟“ بلآخر نعمان نے کمرے میں چھائے جمود میں دراڑ ڈالی۔ نعمان کی بات پر ارمان نے ایک سرد نظر اس پر ڈالی۔ اور پھر محب کی جانب متوجہ ہوا۔ اسرا خاموشی سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

”فیصل کو کیسے جانتے ہو ؟“ محب نے اس کے سوال پر ایک نظر اسرا کی جانب ڈالی اور پھر ارمان کی طرف دیکھا۔

”بچپن سے ہی جانتا ہوں۔“ وہ بھی بے تاثر لہجے میں بولا۔ تو ارمان نے لال آنکھوں سے اسے گھورا۔

”تمہیں اس کی سچائی کیسے معلوم ہوئی ؟“ محب نے لمبا سانس بھرا اور پھر ارمان کی جانب دیکھا۔

”نہیں بتا سکتا۔“ ارمان نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں

”کیوں نہیں بتا سکتے ؟ یہ سب جاننا میرا حق بھی ہے اور فرض بھی۔ اور مجھے اپنے فرض کے بیچ میں آتے لوگ ہرگز نہیں پسند۔“ اس کی بات پر محب خاموش رہا۔

”محب !! میں بھول جاؤں گا کہ تم میرے مرحوم باپ کے مرحوم دوست کے بیٹے ہو۔“ وہ سرد لہجے میں بولتا اسے ساکت کر گیا۔ اس کے چہرے پر ایک زخمی مسکراہٹ چھا گئی۔

”مگر میں ہمیشہ یاد رکھوں گا کہ آپ میرے مرحوم باپ کے مرحوم دوست کے بیٹے ہیں۔“ وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔

”مسٹر محب !“ اسرا نے ابھی یہ بولا ہی تھا کہ محب نے اس کی بات کاٹ دی۔

”نہیں ڈاکٹر اسرا ! پلیز آج نہیں۔کچھ لوگوں کی زبان ان کے الفاظ کی ڈور سے بندھی ہوتی ہے۔ان کی ڈور نہیں کاٹنی چاہیے۔ورنہ وہ اپنی ہی نظروں میں گر جاتے ہیں۔“ وہ دکھی انداز میں بول رہا تھا۔

”باخدا ! میں نہیں چاہتا کہ آپ کی کسی بات سے انکار کروں۔اس لیے پلیز مجھے مجبور مت کریں۔“

”اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ قاتل فیصل ہی ہے ؟ “ ارمان بولا تو محب نے استہزائیہ انداز میں اس کی جانب دیکھا۔اتنا کچھ ہونے کے باوجود بھی وہ اس سے پوچھ رہا تھا کہ اس کے پاس کیا ثبوت ہے ! اس نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ اپنی جیب سے موبائل نکالا۔اب کافی کے کپوں سے بھاپ اڑنا بند ہو چکی تھی۔کافی یقیناً کمرے کی تناؤ بھری فضا میں ٹھنڈی پڑ چکی تھی۔وہ تینوں محب کو کوئی نمبر ملاتا ہوا دیکھ رہے تھے۔پھر اس نے موبائل کا اسپیکر آن کر کے فون شیشے کی میز پر رکھ دیا۔

”ہیلو پارٹنر!! کیسے ہو ؟ “ کچھ دیر بعد دوسری جانب سے ایک مردانہ ، گمبھیر آواز سنائی دی۔وہ آواز ڈاکٹر فیصل کی تھی۔وہ مسکراتے ہوئے بول رہا تھا۔آج وہ بہت خوش تھا۔اپنے بیڈ سے ٹیک لگائے وہ چھت کو تک رہا تھا۔

”میں تمہارا پارٹنر نہیں ہوں فیصل شاہ ! “ محب کے سرد لہجے میں بولنے پر دوسری جانب موجود فیصل کی مسکراہٹ تھم گئی۔

”میں فیصل شاہ نہیں ہوں۔“ اس نے شاہ پر زور دیتے ہوئے دو ٹوک لہجے میں کہا تو محب نے ارمان کی جانب اشارہ کیا۔اسرا ، ارمان اور نعمان بے چینی سے ان کی گفتگو سن رہے تھے۔فلحال انہیں کچھ بھی سمجھ نہیں آرہا تھا۔وہ کسی کی بات پر یقین کرنے کو تیار نہیں تھے۔

”مگر پھر کیا کہوں؟ فیصل احمد ؟“ وہ طنزیہ انداز میں بولتا مسکرایا تو دوسری جانب فیصل نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں اور آنکھیں کرب سے بند کیں۔

”کیا چاہتے ہو محب؟ “ وہ بے بسی سے بولا تو محب سوچ میں پڑ گیا۔

”تم نے اپنا ایکسیڈنٹ کیوں کروایا تھا اور اس رات حارث آیا تھا نا تمہارے گھر ؟ “ اس سوال پر ارمان کے کان کھڑے ہو گئے۔اس رات سے اگلے دن ہی تو فیصل نے اسے وہ گھڑی دی تھی۔وہ اتنے عرصے سے اسے جانتا تھا پھر کیوں اسے خون کی کشش محسوس نہ ہوئی؟ اس کے سوال پر دوسری جانب موجود فیصل نے قہقہہ لگایا۔

”ہاں ! وہ حارث ہی تھا۔اسے میں نے ہی یہ سب کچھ کرنے کو کہا تھا اور رہی بات ایکسیڈینٹ کی تو ہاں ! وہ ایکسیڈینٹ بھی میں نے ہی کروایا تھا۔“ وہ پرسکون انداز میں مسکراتے ہوئے بول رہا تھا۔

”تمہیں تو پھر بہت چوٹیں بھی آئی ہوں گی نا ؟“ وہ جان بوجھ کر بات کو طول دے رہا تھا۔ارمان مٹھیاں بھینچے ساری باتیں سن رہا تھا۔

” ہاں ! چوٹیں آئی تھیں۔ مگر اتنی زیادہ نہیں کہ فیصل احمد گھر بیٹھا رہے۔اور اگر دلاور شاہ نقلی میڈیکل رپورٹ بنوا سکتا ہے تو فیصل احمد بھی بنوا سکتا ہے۔“ اسی وقت ارمان نے میز پر پڑا ہوا نوٹ پیڈ اٹھایا اور اس پر کچھ لکھنے لگا۔مکمل لکھنے کے بعد اس نے وہ نوٹ پیڈ محب کے آگے کر دیا۔جس پر اسے ڈاکٹر حمنہ کے بارے میں پوچھنے کا لکھا تھا۔محب نے اثبات میں سر ہلایا۔

”ڈاکٹر حمنہ وہی ڈاکٹر تھی نا جس نے افنان انکل کی جعلی میڈیکل رپورٹس بنائی تھیں۔“ اس نے سرسری انداز میں پوچھا تاکہ فیصل کو شک نہ ہو۔حالانکہ یہ بات وہ بہت پہلے سے جانتا تھا۔

”محب ! تم یہ بات بہت پہلے سے جانتے ہو۔بلکہ اس معاملے میں ملوث ہر انسان کے بارے میں ہی جانتے ہو۔ہاں ! اگر تمہیں بھول گیا ہو تو بتا دیتا ہوں کہ ڈاکٹر حمنہ وہی ڈاکٹر تھی۔اور میں نے اسے اس کے برے کاموں کی سزا دے ڈالی۔“ وہ سرد لہجے میں بولتا ارمان کو ساکت کر گیا۔ہاں! قاتل فیصل ہی تھا۔اس کا بھائی ڈاکٹر فیصل احمد! اس نے ضبط سے اپنی آنکھیں بند کر کے چھت کی جانب دیکھا اور لمبا سانس بھرا۔

اب دوسری جانب موجود فیصل نے ٹیک چھوڑ دی

اس کے چہرے پر ایک دل فریب مسکراہٹ چھا گئی۔

” میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ آپ کے ہر لمحے پر میری نظر ہے۔“ اس کی بات سنتی اسرا ساکت ہو گئی۔وہاں موجود سب انسان تعجب سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔اس کا لہجہ اور آواز اب

مکمل طور پر تبدیل ہو چکی تھی۔ یہ وہ مخصوص آواز اور لہجہ تھا جس میں وہ صرف اسرا سے ہی بات کیا کرتا تھا۔ چاشنی بھرا لہجہ !

" اپنی اصل آواز میں بات کرو فیصل !" محب کے سرد لہجے میں بولنے پر فیصل کا چہرہ پتھریلا ہو گیا۔

"میں تم سے بات نہیں کر رہا۔ اس لیے خاموش رہو۔" وہ سرد لہجے میں بولا۔

"اور کس سے کر رہے ہو ؟ یہاں تو صرف میں ہوں۔" وہ محتاط انداز میں بولا تو فیصل نے قہقہہ لگایا۔

" ڈاکٹر اسرا! اسے سمجھائیں کہ مجھ سے جھوٹ بولنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ آپ کی بات ہی تو سنتا ہے نا یہ۔" اب کی بار وہ بولا تو آواز دوبارہ تبدیل تھی۔

اسرا پہلے کی طرح ہی خاموش بیٹھی رہی۔ کھڑکیوں سے آتی سنہری روشنی کی شدت میں اضافہ ہو رہا تھا۔

"مجھ سے بات کرو۔" محب چلا کر بولا تو دوسری جانب موجود فیصل نے سائیڈ پر پڑا ہوا لیمپ غصے سے زمین پر پھینکا۔ وہ سب اس آواز سے چونک اٹھے۔

"محب رضا حسین !! خاموش رہو۔" وہ انتہائی غصے سے بولا۔اب وہ اپنی مٹھیاں بھینچے غصے کو ضبط کر رہا تھا۔یکدم اس کے دماغ میں اسرا کا خیال آیا تو سارا غصہ اڑن چھو ہو گیا۔

"ڈاکٹر اسرا ! اگر اب آپ نہ بولیں تو میں کسی نہ کسی انسان کا قتل کر دوں گا۔" وہ اب پرسکون سے لہجے میں بولا تو ان سب نے جھرجھری لی۔فیصل اسرا کے بولنے کا انتظار کر رہا تھا۔اسرا نے اس کی بات پر لمبی سانس ہوا کے سپرد کی۔

"کیا کسی انسان کو مارنا اتنا آسان ہوتا ہے؟ " وہ بے تاثر لہجے میں بولی تو فیصل زخمی انداز میں مسکرا اٹھا۔ارمان جبڑے بھینچے بیٹھا تھا۔وہ نہیں چاہتا تھا کہ اسرا اس سے بات کرے۔

" ڈاکٹر ! بے قصور لوگوں کو مارنا مشکل ہوتا ہے۔گنہگاروں کو نہیں۔" وہ عام سے لہجے میں بولا۔

"مگر انسان تو انسان ہوتا ہے۔"

" میرے بابا بھی انسان تھے ڈاکٹر ! محب کے بابا بھی انسان تھے۔حارث کی دادی اور بابا بھی انسان تھے۔ان سارے انسانوں کا کیا قصور تھا ؟ ڈاکٹر اسرا ! یہ سب بھی تو بے قصور تھے نا ! انہوں نے تو کسی کی جان نہیں لی تھی۔ان کو کیوں مار ڈالا گیا ؟ کیوں ڈاکٹر اسرا؟ "وہ ایک کرب سے بولا۔اس

کے لہجے کا دکھ وہاں موجود ہر انسان کے دل کو چھلنی کر رہا تھا۔اس نے یہ شکوے کسی سے نہیں کیے تھے۔نہ جانے آج کیسے وہ اپنے آپ کو یہ بولنے سے روک نہ پایا۔ارمان اور محب کی آنکھیں ضبط کے مارے لال ہو چکی تھیں۔وہ ان کے بابا کا ذکر کر رہا تھا۔ہاں! وہ سب بے قصور تھے مگر یہاں بے قصور لوگوں کو کون انصاف دے سکتا تھا؟

"آپ نے کتنے قتل کیے ہیں آج تک؟" اسرا کے بے تاثر لہجے سے بولنے پر وہ زخمی انداز میں مسکرایا۔

" یہ تفتیش اور قتلوں کا معاملہ اس پولیس والے اور محب تک ہی رہنے دیں۔آپ ان سب معاملات میں مت پڑیں۔آپ کے لیے بہتر ہو گا۔" وہ تنبیہ کرتے ہوئے بولا تو اسرا ہلکا سا مسکرائی۔

"میں آپ کے حکم کی پابند نہیں ہوں۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتی بولی تو وہ خاموش رہ گیا۔

"کیا آپ کو اپنے انجام کا اندازہ ہے؟" اس کے طنزیہ لہجے میں پوچھنے پر فیصل نے قہقہہ لگایا۔

”20 سال کی عمر میں اس راستے پر اپنی قبر کھود کر نکلا تھا۔محب یاد ہے نا؟“ اس کی بات پر محب نے اپنی آنکھیں میچیں۔وہ اندھیری رات محب کیسے بھول سکتا تھا؟ ارمان نے محب کی جانب حیرانی سے دیکھا۔

”مگر اب آپ کی وجہ سے زندہ رہنا چاہتا ہوں۔“ اس کی بات پر محب نے غصے سے سکرین کی جانب دیکھا۔

”قتل کی سزا تو جانتے ہو گے؟ “ ارمان کے دکھی لہجے سے کہنے پر وہاں جمود چھا گیا۔دوسری جانب موجود فیصل پر سکتہ طاری ہو گیا۔اسے پہلے سے ہی اندازہ تھا کہ وہ وہی موجود تھا۔مگر اسے اس بات کی امید نہیں تھی کہ وہ اسے مخاطب کرے گا۔ہر کوئی خاموشی سے موبائل کی سکرین کو گھور رہا تھا۔ اور دوسری جانب بھی خاموشی ہی چھائی ہوئی تھی۔فیصل کو لگا کہ اس کے پاس سارے الفاظ ختم ہو چکے ہیں۔پھر اس نے لمبا سانس بھرا اور اپنے آپ کو بولنے کے قابل کیا۔

” پھانسی۔“ اس یک لفظی جواب نے ان سب کے رونگٹے کھڑے کر دیے۔

"مگر تم فکر مت کرو پھانسی کے پھندے تک پہنچنے سے پہلے ہی سب دشمنوں کو ان کے انجام تک پہنچا کر رہوں گا۔" وہ سرد لہجے میں بول رہا تھا۔فضا میں ایک عجیب سا احساس گھل گیا تھا۔اعصاب کو منجمند کر دینے والا احساس!

" قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا کہاں کی سمجھ داری ہے؟" کچھ لمحے بعد ارمان بولنے کے قابل ہوا۔

"یہاں قانون جن کے ہاتھوں میں ہے نا! وہ لوگ اقتدار کی ہوس میں نہ جانے کتنے بے قصور لوگوں کو مار ڈالتے ہیں۔اور تم یہاں بیٹھے مجھ سے قانون کی بات کر رہے ہو ! " وہ طیش کے عالم میں بولا۔

"تمہارے ہاتھ خون سے رنگے ہوئے ہیں۔" اس کی بات پر فیصل نے بےاختیار اپنے ہاتھوں کی جانب دیکھا۔جو ہلکے ہلکے کپکپا رہے تھے۔

"جانتا ہوں۔" اندر کی جلن باہر نکلنے کو بے تاب تھی۔

" اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دو۔میں پوری کوشش کروں گا کہ تمہیں پھانسی نہ ہو۔" اس کی بات پر دوسری جانب موجود فیصل نے اپنی لال ہوتی آنکھوں کے ساتھ قہقہہ لگایا۔

” مجھے پھانسی قبول ہے ارمان احمد ! مگر اپنے باپ کے قاتل زندہ نہیں قبول۔“ وہ وحشت زدہ لہجے میں بولا۔

”میں انہیں سزا ضرور دلواؤں گا۔“

”مجھے نہ ہی تم پر اور نہ ہی تمہارے اس قانون پر کوئی بھروسہ ہے۔اس لیے میں جو کر رہا ہوں وہ مجھے کرنے دو۔“ وہ دو ٹوک لہجے میں بولا۔

” قتل گناہ ہے۔“ ارمان چاہتا تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح واپس لوٹ آئے۔مگر اسے کیا معلوم تھا کہ جب سفید سیاہ ہو جائے تو اس کی واپسی کی کوئی امید نہیں رکھنی چاہیے۔

” قصاص کا نام سنا ہے ارمان احمد!“ وہ عجیب سے لہجے میں بول رہا تھا۔

” جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، کان کے بدلے کان ، بازو کے بدلے بازو۔“ اس کا لہجہ خود بخود سرد ہوتا جا رہا تھا۔

”کون سا قصاص ؟ ڈاکٹر حمنہ نے کس کی جان لی تھی ؟ جو تم نے انہیں قتل کر دیا۔“ ہاں ! ڈاکٹر حمنہ نے جرم کیا تھا۔مگر جرم اتنا بڑا نہیں تھا کہ انہیں مار ہی دیا جاتا۔

" ان کی وجہ سے بھرے کورٹ میں ہمارے بابا کو پاگل کہا گیا۔اور نہ جانے کتنے ہی جرم کیے ہوں گے انہوں نے۔"ابھی تو انہیں قاضی ذوالفقار کی موت کا علم نہیں تھا۔

" مجھے کیوں میرے خاندان سے دور کیا ؟ " وہ جاننا چاہتا تھا کہ اس نے وہ خط بابا جان کو کیوں بھیجا۔

اس کی بات پر فیصل استہزائیہ انداز میں ہنسا۔"مجھے کیوں دور کیا گیا تھا ؟ میری کیا غلطی تھی؟ اگر میں اپنوں سے دور تھا پھر تم کیوں ان کے پاس رہتے ؟ اس لیے میں نے دلاور شاہ کی طرف سے وہ خط احمد ولا پہنچا دیا۔" دلاور شاہ کا نام لیتے ہوئے اس کے لہجے میں تلخی گھل گئی۔ارمان کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

" ارمان احمد! تمہیں تو ابھی ایک اور قتل کی خبر پہنچنے والی ہے۔ذرا انتظار کرو۔مجھے لگتا ہے پولیس کی سروس بہت کمزور ہو گئی ہے۔"وہ دل ہی دل میں اس سے مخاطب ہوا۔

"محب ! ان کو سب کچھ بتا دو۔یہ جو بھی پوچھنا چاہتے ہیں بتا دو ان کو۔میں تمہیں اس وعدے کی زنجیروں سے آزاد کرتا ہوں۔" دکھی لہجے میں بولتا وہ کال کاٹ گیا۔محب نے آنکھیں بند کر کے اس رات کو یاد کیا جب فیصل نے کسی کو نہ بتانے کا وعدہ کیا تھا۔اب وہ سب محب کی جانب متوجہ تھے۔

"کیا جاننا چاہتے ہیں؟" فیصل اسے وعدے کی قید سے آزاد کر چکا تھا۔یعنی اب وہ انہیں سب کچھ بتا سکتا تھا۔وہ سب دوسری جانب کی کہانی جاننے کو بے تاب تھے۔ارمان سوچ میں پڑ گیا۔کہ کہاں سے شروع کرنا چاہیے تھا؟

"حارث فیصل کے پاس کیسے پہنچا؟" ارمان کو جاننا تھا کہ جب فیصل کو دلاور شاہ، احمد ولا سے لے کر گیا تب حارث وہاں نہیں تھا۔پھر وہ فیصل کے پاس کیسے گیا۔محب اب نظریں جھکائے شیشے کی میز کو تک رہا تھا۔نعمان صوفے پر بیٹھا اس کے بولنے کا انتظار کر رہا تھا۔

جبکہ اسرا کچھ دیر پہلے فیصل سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں سوچ رہی تھی۔فیصل کی باتوں نے اسے اندر تک ہلا کر رکھ دیا تھا۔وقت انسان کو کیا سے کیا بنا ڈالتا ہے؟

"اسی رات جب دلاور شاہ روتے بلکتے فیصل کو لے کر جا رہا تھا۔تب حارث نے اسے دیکھ لیا۔وہ اس وقت اپنے ماموں کے ساتھ گاؤں سے واپس آ رہا تھا۔انہوں نے دلاور شاہ کا پیچھا کیا اور شاہ حویلی پہنچ گئے۔" اسے یہ سب کچھ فیصل نے اس اندھیری رات میں بتایا تھا۔

”پھر ؟“ ارمان بے چینی سے بولا۔اسرا پین کو اپنی انگلیوں میں گھماتے اس کی بات سن رہی تھی۔

جبکہ نعمان اب کمرے میں ٹہلنے لگ گیا۔

”پھر اس نے دلاور شاہ سے وہاں کام کرنے کی اجازت مانگی جو اس نے دے دی۔۔۔۔“

”مگر کیا دلاور شاہ نہیں جانتا تھا کہ وہ اسلم کا بیٹا ہے ؟ اس نے اسے کیسے اجازت دے ڈالی ؟“ نعمان نے بیچ میں ہی اس کی بات کاٹی تو محب لمبا سانس بھر کر رہ گیا۔یہ لوگ اس کی بات مکمل ہونے بھی دیں گے یا نہیں ؟ ہر انسان کو ایک اچھا سامع ہونا چاہیے۔مگر یہاں صرف سوائے اسرا کے کوئی اچھا سامع نہیں تھا۔

”فیصل اس کے قابو میں نہیں آرہا تھا۔مگر فیصل نے جیسے ہی حارث کو دیکھا وہ خاموش ہو گیا۔ورنہ وہ ہر وقت شور تماشہ ہی کرتا رہتا تھا۔چیزیں اٹھا کر پھینکتا رہتا تھا۔مجبوراً دلاور شاہ کو حارث کو حویلی میں رکھنا ہی پڑا۔“ بات مکمل کرنے کے بعد اس نے اسرا کے چہرے کی جانب دیکھا۔جو اسی کی جانب متوجہ تھی۔

”پھر اس دن کے بعد آج تک حارث، فیصل کے ساتھ ہے۔“ اس کی بات پر اسرا سوچ میں پڑ گئی۔

"کیا ان دونوں کو کوئی ڈس آرڈر ہے ؟" پین اس کی شہادت کی انگلی اور انگوٹھے کے گرد گھوم رہا تھا

۔"جی ! ان دونوں کو ہی کوئی سائیکولوجیکل ڈس آرڈر ہے۔فیصل اس وقت سات سال کا تھا۔جب دلاور شاہ اسے اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔تب سے اسے ڈراؤنے خواب آنا شروع ہو گئے تھے۔وہ راتوں کو ڈر جایا کرتا تھا۔اسے آگ میں جھلستا اپنا گھر نظر آتا تھا۔" پھر وہ ساری رات چینختا ہی رہتا تھا۔اور اسے سوائے حارث کے کوئی بھی قابو نہیں کر پاتا تھا۔وہ اسی وجہ سے سائیکالوجسٹ بنا۔"

ارمان بہت ضبط سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔اس کا بھائی اتنا کچھ جھیل چکا تھا۔اس کے دل میں دلاور شاہ کے لیے نفرت بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

"دلاور شاہ نے اسے دو سال تو اپنے پاس قید میں ہی رکھا۔اسے سوائے آزادی کے ہر سہولت میسر تھی۔وہ بہت زیادہ غصہ کرنے لگا تو دلاور شاہ نے اس کی یاداشت مٹانے کی کوشش کی۔" محب نے اب سر اٹھا کر ارمان کی جانب دیکھا۔جو آنکھیں میچے بیٹھا تھا۔

”مگر اس کی کوششیں ناکام پڑ گئیں۔ کیونکہ ڈاکٹر کے مطابق اس کا دماغ پہلے ہی بہت کمزور ہو چکا تھا ۔اگر اسے وہ دوائیاں دی جاتیں تو بہت زیادہ نقصان ہو سکتا تھا۔“ اسرا اس بات کو سمجھتی تھی۔ وہ دوائیاں بعض اوقات بہت زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتی تھیں۔

”پھر وہ نارمل کیسے ہوا ؟ “ نعمان اب دوبارہ صوفے پر بیٹھ چکا تھا۔

”وہ نارمل نہیں ہوا۔ اس نے نارمل رہنے کی ایکٹنگ کی۔ اسے اور حارث کو یہ بات سمجھ آچکی تھی کہ ان کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ نارمل ری ایکٹ کریں۔ اس لیے ان دونوں نے سب کچھ بھولنے کی ایکٹنگ کی اور دلاور شاہ کو لگا کہ وہ سب کچھ بھول چکے ہیں۔“ اس نے ایک لمحے کا وقفہ لیا۔

”مگر کیا اس نے اور حارث نے ہمیں تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی ؟“ ارمان بولا تو اس کی آواز جذبات کی شدت سے بوجھل تھی۔

” اسے اور حارث کو پہلے تو باہر نکلنے کی اجازت نہ تھی۔ مگر جب دلاور شاہ کو لگا کہ وہ سب کچھ بھول چکے ہیں۔ تب حارث نے آپ لوگوں کو اور بابا کو بہت ڈھونڈا۔ مگر آپ لوگ بھی وہ گھر چھوڑ چکے

تھے۔اس لیے انہیں ہر بار ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔" وہ تھکے ہوئے انداز میں بولا۔مگر ابھی تو تھکا دینے والی گفتگو باقی تھی۔

" دلاور شاہ نے اپنے خاندان میں ان کے بارے میں کیا بتایا تھا ؟ " وہ شاہ خاندان کا اکلوتا وارث تھا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔

"اس نے فیصل کو اپنا بیٹا ہی کہہ کر متعارف کروایا تھا۔اس کے خاندان والے جانتے تھے کہ وہ کسی سے پیار کرتا ہے۔اس لیے دلاور شاہ نے اس بات کا فائدہ اٹھایا اور یہ کہا کہ اس نے بہت پہلے ہی اس عورت سے شادی کر لی تھی اور یہ ان کا بیٹا ہے۔اس انسان نے فیصل کو بالکل اپنے بیٹے کی طرح ہی پالا تھا۔"

"اور حارث ؟"

"حویلی والے جانتے تھے کہ وہ اسلم کا بیٹا ہے۔انہوں نے اعتراضات بھی اٹھائے مگر دلاور شاہ نے کسی کی ایک نہیں سنی اور فیصل کے لیے حویلی چھوڑ کر شاہ ولا آگیا۔" ارمان اس کی بات پر حیران رہ گیا۔

"دشمن کے بیٹے سے اتنی محبت ؟" وہ تعجب سے بولا تو محب استہزائیہ انداز میں مسکرایا۔

"آپ بھول رہے ہیں کہ فیصل، افنان احمد کا بیٹا ہونے کے ساتھ ساتھ بشرہ آنٹی کا بھی بیٹا ہے اور اسے فیصل سے محبت اس لیے ہے۔کیونکہ اس کے سارے خدوخال بشرہ آنٹی کے جیسے ہیں۔" محب کے جتاتے انداز سے کہتے پر ارمان نے سر ہلایا۔

"اس نے ڈاکٹر حمنہ کا قتل کیسے کیا ؟ مطلب اسے سارے ثبوت کیسے ملے ؟ " ارمان کے سوال پر محب نے اپنا سر جھٹکا۔

"اگر آپ کو لگتا ہے کہ فیصل نے پہلا قتل ڈاکٹر حمنہ کا کیا ہے۔تو آپ کو بالکل غلط لگتا ہے۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیکھ کر کہتا ان سب کو ساکت کر گیا۔کیا اس نے کسی اور کو بھی قتل کیا تھا؟

"جی ارمان احمد! وہ پہلے بھی قتل کر چکا ہے۔اسی پہلے قتل سے اس سب کی شروعات ہوئی تھی۔اسی اندھیری رات میں اسے میں ملا تھا۔اسی رات انتقام کی داستان کا آغاز ہوا تھا۔" اس نے ارمان کے لٹھے کی طرح سفید پڑتے چہرے کو دیکھتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

"کیا ہوا تھا اس رات؟" اسرا کے پوچھنے پر وہ اس رات کو یاد کرنے لگا۔ ارمان کچھ بولنے کے قابل ہی نہ تھا۔ وہ تو یہی سوچ رہا تھا کہ اب وہ فیصل کو ان گناہوں کے دلدل سے کیسے نکالے گا؟ نعمان بھی اب صوفے سے اٹھ کر محب کے پاس کھڑا ہو گیا۔

چند سال پہلے:

17 سالہ محب مختلف سڑکوں سے گزرتا ہوا قبرستان کی جانب بڑھ رہا تھا۔ آج اسے اپنے بابا کی بہت یاد آرہی تھی۔ وہ رات بہت سیاہ تھی۔ آسمان گھرے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ اس لیے چاند لاپتہ تھا۔ ہر سو گھور اندھیرا چھایا ہوا تھا اور خاموشی ہی خاموشی تھی۔ مگر وہ بنا ڈرے قبرستان کی جانب بڑھ رہا تھا۔

وہ سب سے چھپ کر گھر سے باہر نکلا تھا۔ اور اسے بغیر بتائے گھر سے باہر نکلنے کی پرانی عادت تھی۔

اسے اس اندھیرے سے بالکل بھی خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا کیونکہ اس کے مطابق اندھیرا اس کا دوست تھا۔ اس کا رازدار تھا۔

وہ اندھیرے کو کچھ بھی بتا سکتا تھا۔آج اس کا دل بہت بے چین تھا۔جیسے کوئی انہونی ہونے والی ہو ۔قبرستان میں جگہ جگہ جھاڑیاں اور درخت موجود تھے۔جو دور سے ہی بہت خوفناک منظر پیش کررہے تھے۔مگر وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا قبرستان کے دروازے پر پہنچ گیا۔

آہستہ سے دروازہ کھولنے پر فضا میں چرچراہٹ کی آواز گونج اٹھی۔لوہے کے دروازے پر جگہ جگہ زنگ لگ چکا تھا۔ابھی وہ اپنے بابا کی قبر کی جانب بڑھتا کہ اسے اپنے پیچھے سے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔تو وہ جلدی سے ایک درخت کی اوٹ میں چھپ گیا۔اندھیرے میں اسے کچھ بھی واضح طور پر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔بس ذرا سا عکس دکھائی دے رہا تھا کہ ایک لڑکا کسی انسان کو گھسیٹتے ہوئے قبرستان میں لا رہا تھا۔

وہ بغیر آہٹ کے درخت کے پیچھے سے نکلا اور اس کا پیچھا کرنے لگا۔وہ جو کوئی بھی تھا اس آدمی کو گھسیٹتے ہوئے ایک خالی جگہ پر لے گیا۔شاید وہ آدمی مر چکا تھا اور اگر وہ مر چکا تھا تو وہ ایسے چھپا کر کیوں لا رہا تھا؟

وہ اس آدمی کو وہاں چھوڑ کر کہیں چلا گیا تو محب بھاگ کر اس آدمی کے پاس گیا۔اس آدمی کی عمر تقریبا 40، 50 سال تھی۔اس نے اس کی ناک پر ہاتھ رکھ کر سانسیں محسوس کرنی چاہیں۔مگر اسے کوئی سانس محسوس نہ ہوئی۔وہ آدمی یقیناً مر چکا تھا۔

اس نے اپنی پیشانی پر آتا پسینہ صاف کیا۔آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ابھی وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر دھڑکن سننے ہی والا تھا کہ اسے اپنے پیچھے سے پیروں کی آہٹ سنائی دی۔

وہ دوبارہ سے ایک درخت کے پیچھے چھپ گیا اور نووارد کو دیکھنے لگا۔

اب اس کے ہاتھ میں قبر کھودنے کا سامان تھا۔وہ نہ جانے کہاں سے وہ سامان لے کر آیا تھا۔پھر اس لڑکے نے وہیں قبر کھودنی شروع کر دی۔محب خاموشی سے ساری کاروائی دیکھ رہا تھا۔اسے اس لڑکے پر شک ہو رہا تھا۔دو اڈھائی گھنٹے کی سخت مشقت کے بعد آخر کار وہ قبر کھودنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ اس نے ایک کی بجائے دو قبریں کھودی تھیں۔

قبریں کھودنے کے دوران وہ بار بار اپنے چہرے پر سے پسینہ صاف کر رہا تھا۔اس کی ہڑبڑی دیکھ کر محب کو لگا کہ اسے اس انسان کو دفنانے کی بہت جلدی تھی۔بادل اب گہرے ہوتے جا رہے تھے

اسے دفنانے کے بعد وہ چند لمحے گھٹنوں کے بل اس خالی قبر کے پاس بیٹھا رہا۔پھر وہ یکدم اٹھا اور ایک جانب بڑھنے لگا۔

محب بھی اس کا پیچھا کر رہا تھا۔اس کے بابا کی قبر بھی اسی جانب تھی۔وہ کہاں جا رہا تھا؟ یکدم وہ دو قبروں کے پاس آ کر رک گیا تھا۔محب جانتا تھا کہ وہ دو قبریں کس کی تھیں؟ وہ اس کے افنان انکل اور بشرہ آنٹی کی قبریں تھیں۔اس کی مام نے اسے بتایا تھا کہ وہ اس کے بابا کے بہت اچھے دوست تھے۔

اور جس رات بابا کا ایکسیڈینٹ ہوا اسی رات انکل بھی آگ میں جھلس کر مر گئے تھے۔وہ خاموشی سے اس لڑکے کو دیکھ رہا تھا۔اب وہ اس لڑکے کے بہت زیادہ قریب تھا۔اس لیے وہ اس کے تاثرات غور سے دیکھ سکتا تھا۔اس لڑکے کے چہرے پر ایک عجیب سا رنج تھا۔جیسے اسے کسی بات کا بہت زیادہ ملال ہو۔اب وہ افنان انکل کی قبر پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔

اس کی سیاہ آنکھوں سے آنسو نکل رہے تھے۔وہ بہت خوبصورت تھا۔جیسے بنانے والے نے اسے بہت فرصت سے بنایا ہو! اس کے تیکھے نقوش اس کے چہرے پر بہت بچ رہے تھے۔مگر چہرے پر چھایا ہوا ملال اس کی کم عمری سے میل نہیں کھا رہا تھا۔

”بابا ! مجھے معاف کر دیں۔“اس کے کرب بھرے لہجے سے کہنے پر محب چونکا۔وہ افنان انکل کو بابا کیوں کہہ رہا تھا ؟ افنان انکل کے تو دو ہی بیٹے تھے۔ارمان احمد اور فیصل احمد!!

” مجھے معلوم ہے کہ آپ مجھ سے ناراض ہوں گے۔مگر میں کیا کرتا ؟ مجھے ساری سچائی جاننی تھی۔ اگر وہ اس دلاور شاہ کو بتا دیتا کہ مجھے سب کچھ معلوم ہو گیا ہے تو میں کیسے آپ کا انتقام لیتا ؟ میں کیسے حارث کے بابا کا انتقام لیتا ؟ میں کیسے رضا انکل کا انتقام لیتا ؟“ اب کی بار محب کو بہت زور کا جھٹکا لگا۔اس نے رضا انکل کہا تھا۔مطلب اس کے بابا۔۔ اس کے بابا کا ایکسیڈینٹ نہیں ہوا تھا۔اس کے سر پر بجلی زور سے کڑکی۔

اب بادل برسنے کو تیار تھے۔اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔وہیں پاس اس کے بابا کی قبر بھی تھی۔ اس نے آنسو بھری آنکھوں سے اپنے بابا کی قبر کی جانب دیکھا۔آج کا انکشاف اس کے دل پر بہت وزنی پڑا تھا۔وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا اپنے بابا کی قبر کی جانب بڑھا اور وہاں بیٹھ کر رونے لگا۔

" بابا ! آپ مجھے کیوں چھوڑ کے چلے گئے ؟ آخر کیوں؟ کس نے مارا آپ کو ؟" وہ اونچی آواز میں چینخا۔وہ نوجوان کسی کی آواز سن کر چونک اٹھا۔اس نے ایک محتاط نظر اِدھر اُدھر ڈالی۔وہ آواز کسی لڑکے کی تھی۔ذرا غور کرنے پر اسے رضا حسین کی قبر کے ساتھ ایک لڑکا بیٹھا نظر آیا۔اس نے اپنی پاکٹ سے پسٹل نکالی اور اس کی جانب قدم بڑھانے شروع کر دیے۔

پسٹل وہ دلاور شاہ کے لاکر سے نکال کر لایا تھا۔حارث بہت زیادہ بیمار تھا۔اس وجہ سے وہ اس کے ساتھ نہ تھا۔اگر معاملہ اتنا سنگین نہ ہوتا تو حارث اسے کبھی بھی اکیلا نہ آنے دیتا۔اگر آج وہ اس آدمی تک نہ پہنچتا تو شائد کبھی بھی سارا سچ نہ جان پاتا۔وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتا اس کے پاس جا رہا تھا۔وہاں پہنچ کر اس نے پسٹل اس لڑکے کے سر پر تان لی۔اسی لمحے بادل زور سے گرجے۔

”کون ہو تم ؟اور رضا انکل کے قبر کے پاس کیا کر رہے ہو؟ “ اس کے سوال پر محب نے نم آنکھوں سے اس کی جانب دیکھا۔وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔ایک کی آنکھیں سرمئی تھیں تو دوسرے کی آنکھیں سیاہ تھیں۔

ایک چیز جو دونوں آنکھوں میں مشترک تھی۔وہ تھا ان میں غوطہ زن ملال ! دونوں کی آنکھوں میں ایک عجیب سا درد تھا۔کسی کو کھو دینے کا کرب تھا۔ان دونوں نے ہی اپنوں کو کھویا تھا۔20 سالہ نوجوان ، 17 سالہ لڑکے پر بندوق تانے کھڑا تھا۔

”تم ارمان ہو یا فیصل؟“ اس کے بوجھل لہجے میں پوچھے جانے سوال پر 20 سالہ نوجوان کا بندوق والا ہاتھ خود بخود نیچے جھول گیا۔آنکھوں میں حیرانی در آئی۔وہ لڑکا ان کو کیسے جانتا تھا؟ اس نے سوالیہ انداز میں اس لڑکے کی جانب دیکھا۔

”محب ! محب رضا حسین !“ فیصل حیران رہ گیا۔

”کیا ثبوت ہے تمہارے پاس؟“ وہ سخت لہجے میں پوچھ رہا تھا۔اس کے سوال پر محب جھنجلا اٹھا۔

"یار! میرا یقین کرو۔ میں جیب میں ڈی۔این۔اے رپورٹ لے کر نہیں پھرتا۔" وہ منہ بسورتے ہوئے بولا مگر فیصل کے تاثرات ویسے ہی برقرار رہے۔

"آئی۔ڈی کارڈ ؟"

"نہیں بنا ابھی۔" وہ تھکے ہوئے انداز میں بولا۔

"مگر میں تمہیں تمہارے خاندان کے بارے میں بتا سکتا ہوں۔تمہارے بابا یعنی افنان احمد میرے بابا رضا حسین کے بہت اچھے دوست تھے۔" فیصل حیران رہ گیا۔یکدم محب کی نظر اس کے ہاتھ میں موجود گھڑی پر پڑی۔

"اور ثبوت چاہیے؟ یہ گھڑی جو تمہارے ہاتھ میں ہے اس میں ایک خاص بات ہے۔وہ یہ کہ یہ ایک سیکرٹ لاکر کا کام بھی کرتی ہے۔" اسی اثنا وہ بیس سالہ نوجوان بندوق پھینکتا اس سترہ سالہ لڑکے کو گلے لگا گیا۔اسی وقت آسمان سے بارش ان پر برسنے لگی۔ان دونوں کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے ۔جیسے آسمان برس رہا تھا ویسے ہی ان کی آنکھیں بھی برس رہی تھیں۔دونوں کا دکھ ایک جیسا تھا۔

"کون ہو تم ؟" محب کے پوچھنے پر وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"فیصل۔فیصل احمد !!" وہ ابھی بھی ایک دوسرے کے گلے سے لگے ہوئے تھے۔بارش ان کے کپڑوں کو بھگوتی جا رہی تھی۔دل کا درد ہلکا ہوا تو وہ ایک دوسرے سے الگ ہوئے۔اب فیصل گن اٹھاتا اس کا ہاتھ تھامے قبرستان سے باہر نکل رہا تھا۔انہیں فلحال ایک سایہ دار جگہ ڈھونڈنی تھی۔ان کے چہرے اور کپڑے دونوں گیلے ہو چکے تھے۔تھوڑی دور انہیں ایک بس اسٹینڈ نظر آیا تھا۔وہ محب کو وہاں لے گیا۔

"کہاں تھے تم ؟ میں نے تمہیں اتنا تلاش کیا۔" ارمان کو ڈھونڈا۔مگر تم میں سے کوئی بھی نہیں ملا ۔میں بھری دنیا میں اکیلا ہو کر رہ گیا۔وہ بہت مشکل سے بول رہا تھا۔

"میں تو اس وقت بہت چھوٹا تھا۔مجھے تو کچھ بھی نہیں معلوم تھا۔" فیصل نے اسے بینچ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بیٹھ گیا۔محب کو یکدم کچھ یاد آیا۔

"وہ آدمی کون تھا جسے تم نے دفن کیا؟" اس کے سوال پر فیصل ہلکا سا مسکرایا۔

"رضا انکل کا قاتل تھا۔" محب کا منہ حیرانی کے باعث کھلا کا کھلا رہ گیا۔

" اس نے دلاور شاہ کے کہنے پر انکل کا ایکسیڈینٹ کروایا تھا۔تم فکر نہ کرو۔میں نے اسے اس کے انجام تک پہنچا دیا ہے۔" محب حیرت سے گنگ رہ گیا۔اس کے چہرے پر حیرانی اور دکھ کے ملے جلے تاثرات موجود تھے۔

"میرے بابا کا قتل ہوا تھا؟" اس کے پرملال لہجے سے پوچھنے پر فیصل نے اثبات میں سر ہلایا۔

" دلاور شاہ کون ہے؟" اب کی بار وہ غصے سے بولا تو فیصل کی آنکھیں لال ہو گئیں۔

" ایک شیطان ہے۔اس کے بھی انجام تک اسے پہنچا کر ہی رہوں گا۔"

"تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟" اس کے سوال پر فیصل نے لمبا سانس بھرا۔

" لمبی کہانی ہے۔مختصر یہ کہ میں نے دلاور شاہ کو فون پر اس کے آدمی سے بات کرتے سن لیا تھا۔وہ اس قاتل کو مروانے کی بات کر رہے تھے۔پھر میں گھر سے چھپ کر نکلا اور اسے مار ڈالا اور مارنے سے پہلے ساری سچائی بھی اگلوا لی۔" وہ پرسکون لہجے میں بولا۔

"کون سی سچائی؟" اس کے سوال پر فیصل پراسرار انداز میں مسکرایا۔

”اس سے بہت سے ثبوت نکلوا چکا ہوں۔ مگر تم ابھی ان سب چیزوں میں مت پڑو۔ ابھی تم چھوٹے ہو۔“وہ آخر میں نرم لہجے میں بولا۔

” اور تم قانون کو اپنے ہاتھوں میں مت لو۔“ وہ منہ بنا کر بولا تو فیصل نے اپنا سر جھٹکا۔

” ویسے تم نے دو قبریں کیوں کھودیں؟ دوسری قبر کس کے لیے تھی؟“ اس کی بات پر فیصل نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا۔اور پھر گہرا سانس بھرا۔

” اپنے لیے۔“ وہ بے تاثر لہجے میں بولا تو محب پر سکتہ طاری ہو گیا۔اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

” مگر اپنے لیے کیوں ؟“ وہ صدمے کے زیرِ اثر بولا۔

”کیونکہ میرا انجام بھی ایک دن اسی آدمی کی طرح ہو گا۔“وہ زخمی انداز میں مسکرایا تھا۔

”نہیں تمہارا انجام ایسا نہیں ہو گا۔تم گنہگار کو سزا دے رہے ہو۔تم بالکل ٹھیک کر رہے ہو۔تم بس کسی بے گناہ کو مت مارنا۔“اس کی بات پر فیصل نے ابر آلود آسمان کی جانب دیکھا۔

”تم سمجھتے ہو لڑکے ! مگر یہ دنیا نہیں سمجھتی۔یہ دنیا بالکل بھی نہیں سمجھتی !“ وہ آہستہ آواز میں بولا۔

”خیر آؤ۔میں تمہیں گھر چھوڑ دوں۔آنٹی پریشان ہو رہی ہوں گی۔“ وہ کھڑا ہوتے بولا۔

”کیا تم نے یہ پہلا قتل کیا ہے ؟“ اس کے سادہ سے لہجے پہ کہنے پر وہ ساکت رہ گیا۔ایک لمحے کو اسے ملال سا محسوس ہوا۔مگر پھر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

” اور کتنے کرو گے ؟“ اب اس کا لہجہ عجیب سا ہو گیا۔تو فیصل کی آنکھوں میں خوف نظر آنے لگا۔

” بتاؤ نا !“ اس نے فیصل کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس نے آہستہ سے شانے اچکائے۔

”معلوم نہیں۔“

”مگر مجھے سارا سچ جاننا ہے کہ تمہیں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا ؟“ وہ منہ بسورتے ہوئے بولا تو فیصل جھنجھلا اٹھا۔

”اس وقت باہر رہنا تمہارے لیے سیف نہیں ہے۔چلو راستے میں بتاتا ہوں۔“ اس کی بات پر محب نے بادل ناخواستہ اسے گھر کا ایڈریس بتایا۔وہ لوگ بھی گھر تبدیل کر چکے تھے۔مسز رضا نہیں چاہتی تھی کہ رضا صاحب کے دشمنوں کا سایہ بھی محب پر پڑے اس لیے انہوں نے بھی گھر تبدیل کر لیا تھا۔اب فیصل رازوں سے پردہ اٹھاتا اس کے ساتھ اس کے گھر کی جانب روانہ تھا۔بارش ابھی بھی اپنا جادو بکھیر رہی تھی۔

زمیں تو کچھ بھی نہیں، آسماں تو کچھ بھی نہیں

اگر گمان نہ ہو، درمیان تو کچھ بھی نہیں

سہے ہیں میں نے عجب کرب سود مندی کے

گلہ ہے تجھ کو زیاں کا ،زیاں تو کچھ بھی نہیں

محب خاموش ہوا تو کمرے کی فضا میں سکونت چھا گئی۔ ہر کسی کی آنکھیں نم تھیں۔ اسرا اور ارمان کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ نعمان آنسو ضبط کیے منہ پر ہاتھ کی مٹھی رکھے کھڑا تھا۔ اتنا سب کچھ فیصل نے کیسے برداشت کیا ہو گا ؟ ارمان نے بالوں میں انگلیاں پھیر کر اپنی آنکھیں میچیں۔ اس کے گلے میں آنسوؤں کا گولہ اٹک چکا تھا۔

”واقعی دنیا نہیں سمجھے گی۔“ ارمان نم لہجے میں آہستہ آواز سے بولا تو اسرا نے اپنی سرخ ہوتی آنکھوں سے اس کی جانب دیکھا۔ محب تو جیسے بہت لمبا اور تھکا دینے والا سفر طے کر کے آیا تھا۔ اس

نے سر کرسی سے ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔اسرا نے سائیڈ ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھا کر اس کے آگے شیشے کی میز پر رکھ دیا۔جس سے کمرے کا جمود ٹوٹ گیا۔

محب نے آہٹ پر اپنی آنکھیں کھولیں تو سامنے پانی کا گلاس پڑا تھا۔اس نے گلاس اپنے منہ کے ساتھ لگایا اور ایک ہی سانس میں سارا پانی پی گیا۔نعمان گرنے کے انداز سے صوفے پر بیٹھا۔

"ہی از ناٹ اے کریمینل۔" پانی پینے کے بعد محب کے منہ سے نکلنے والے جملے پر ارمان نے حیرانی سے اس کی جانب دیکھا .وہ اتنے گناہ اور جرم کر چکا تھا اور پھر بھی محب کہہ رہا تھا کہ وہ کریمنل نہیں تھا۔ارمان کی حیران نگاہوں پر محب نے اپنا ہاتھ اٹھایا۔

" میں وضاحت کر سکتا ہوں کہ وہ کیسے کریمنل نہیں ہے۔" وہ مدافعانہ انداز میں بولا۔

"کرو وضاحت۔" اس سے پہلے وہ کچھ بولتا۔ارمان کے موبائل کی بیل کی آواز پورے کمرے میں گونج اٹھی۔پولیس اسٹیشن سے فون تھا۔اس نے فون کان کے ساتھ لگایا۔دوسری جانب سے جو کہا گیا اس پر وہ چونک کر کھڑا ہو گیا۔

"اوکے ! آئی ایم کمنگ۔" کال بند کر کے اس نے نعمان کی جانب دیکھا۔وہ بھی دوسری طرف منہ کیے فون پر بات کر رہا تھا۔محب اور اسرا حیرانی سے ان دونوں کی جانب دیکھ رہے تھے۔

"بھائی ! نہال کا فون تھا۔ماں جی کی طبیعت بہت خراب ہو گئی ہے۔ہمیں جانا ہو گا۔"اس کی بات پر ارمان نے لمبا سانس بھرا۔اسرا نعمان کی بات پر چونک اٹھی۔

"تم جاؤ۔مجھے پولیس اسٹیشن جانا ہے۔قاضی ذوالفقار کا مرڈر ہو گیا ہے۔" وہ پریشانی سے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

" نعمان ! میں بھی چلتی ہوں۔" اس کی بات پر ارمان نے نفی میں سر ہلایا اور پھر محب کی جانب متوجہ ہوا۔

" جو بھی بتانا ہے اسرا کو بتاؤ۔اسرا ! تم یہیں رہو۔چلو نعمان !" وہ دونوں جلدی سے کمرے سے باہر نکل گئے۔

پیچھے محب اور اسرا آمنے سامنے بیٹھے تھے۔اسرا محب کی جھکی نگاہوں کو دیکھ رہی تھی۔جو شیشے کی میز پر مرکوز تھیں۔یکدم اس کی آنکھوں میں ایک چمک سی در آئی۔

"مسٹر محب ! میں آپ کو اسی طرح کی میز گفٹ کروں گی۔مجھے لگتا ہے یہ آپ کو بہت پسند آئی ہے۔" اس کے لہجے میں شرارت کی ہلکی سی رمک تھی۔اس کی بات پر محب نے نگاہیں اٹھائیں اور اس کی جانب حیرت سے دیکھا۔اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ سجی تھی۔

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ مذاق بھی کرتی ہیں۔" وہ خوشگوار حیرت کے زیرِ اثر بولا۔تو اسرا کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں مذاق نہیں کر رہی۔میں سچ میں آپ کو اس طرح کی میز گفٹ کرنے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔" اس کی مدھم مسکراہٹ کی وجہ سے محب کچھ دیر پہلے کا درد بھول چکا تھا۔کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔

"آپ شاید کوئی وضاحت دینا چاہتے تھے۔"کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد اسرا گلا کھنکارتے ہوئے بولی تو محب نے اپنی سوچوں کو جھٹکا۔

"میں کہہ رہا تھا کہ وہ کریمینل نہیں ہے۔" اب وہ اسرا کے چہرے کی جانب دیکھ رہا تھا۔جو آنکھیں سکیڑے اسی کی جانب دیکھ رہی تھی۔

”اور وہ کیسے ؟“ وہ دوبارہ پین اٹھا چکی تھی۔اب محب کی نظریں اس کے ہاتھوں پر مرکوز تھیں۔

”کیونکہ اس نے کسی بے گناہ کو نہیں مارا۔اس کے اپنے رولز ہیں۔جنہیں وہ بہت سختی سے فالو کرتا ہے۔“وہ نرم لہجے میں بول رہا تھا۔

(دوسری جانب فیصل احمد آئینے کے سامنے تیار کھڑا تھا۔سفید شرٹ کے اوپر کالا کوٹ پہنے وہ اپنے آپ کو آئینے میں دیکھ رہا تھا۔گھنے ابرو کے پاس زخم کا ہلکا سا نشان نظر آرہا تھا۔اس کے زخم مندمل ہو چکے تھے۔جیل سے سیٹ کیے گئے بالوں کی دو لٹیں اس کی صبیح پیشانی پر گر رہی تھیں۔جنہیں اس نے گھور کر دیکھا۔)

”کیا واقعی میں اس نے کسی بے گناہ پر حملہ نہیں کیا؟ “ اسرا استہزائیہ انداز میں مسکراتی ہوئی بولی تو وہ بے اختیار ہنسا۔

”کیا تھا۔اس نے کچھ دن پہلے کسی بے گناہ پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی اور وہ کوشش بری طرح ناکام ٹھہری۔“ وہ مسکراتے ہوئے بول رہا تھا۔

(اب اس نے سنہری گھڑی اپنی سیدھی کلائی کے گرد باندھی۔ پھر سامنے پڑا ہوا ٹام فارڈ اٹھایا اور اپنے اوپر سپرے کیا۔ پورے کمرے میں خوشگوار سی خوشبو پھیل گئی۔ اسی لمحے اس کے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔

یس۔ کف لنکس سیٹ کرتے ہوئے مصروف سے انداز میں بولا۔ وہ اپنی تیاری کے متعلق بہت کانشئیس تھا۔)

"کس پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی ؟ " اسے شک سا ہوا کہ محب اسی کی بات کر رہا تھا۔ اس کے سوال پر محب کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

"آپ پر ڈاکٹر اسرا! اس نے آپ پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر تقدیر نے ایسا پلٹا کھایا کہ وہ خود اپنے ہی جال میں پھنس کر رہ گیا۔" اس کی بات پر اسرا کو انان والی بات یاد آئی۔ جب محب نے اسے بچایا تھا۔

"اس نے مجھے مارنے کی کوشش کیوں کی تھی؟" وہ ابرو اٹھائے پوچھ رہی تھی۔ جس پر محب نے اپنا ابرو کھجایا۔

”آپ سے کس نے کہا کہ وہ آپ کو مارنا چاہتا تھا ؟ میں نے کہا نا کہ اس کے اپنے رولز ہیں۔جن کو وہ سختی سے فالو کرتا ہے۔“ اس کے لبوں کے ساتھ ساتھ آنکھیں بھی مسکرا رہی تھیں۔

(ملازمہ اس کے لیے جوس کا گلاس لے کر کھڑی تھی۔فیصل نے ایک نظر ادھیڑ عمر ملازمہ پر ڈالی اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

”رکھ دیں۔“ اس نے بے نیازی سے صوفے کے آگے پڑی میز کی جانب اشارہ کیا تو ملازمہ نے سر ہلا کر جوس ٹیبل پر رکھ دیا۔ابھی وہ دروازے کی جانب بڑھی ہی تھی کہ پیچھے سے فیصل کی آواز سنائی دی۔

” بڑے شاہ کہاں ہیں ؟“ اب وہ ایک تنقیدی نگاہ اپنے اوپر ڈال رہا تھا۔وہ صبح صبح دلاور شاہ سے مل کر یا اس کا نام لے کر اپنا دن خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔

”چھوٹے شاہ! وہ اپنے کمرے میں ہیں۔“اس کی بات پر فیصل نے سر ہلایا۔

”آپ میرے جانے کے بعد انہیں بتا دیجئے گا کہ میں حارث کی طرف جا چکا ہوں۔“ اب اس کے قدم باہر کی جانب تھے۔

”جی بہتر چھوٹے شاہ ! “ وہ سر ہلاتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

وہ ایک شان سے سیڑھیوں سے نیچے اتر رہا تھا۔اس کے پاؤں میں موجود سیاہ جوتوں کی سطح چمک رہی تھی۔وہ اس قدر حسین تھا کہ کوئی اگر اسے ایک نظر دیکھتا تو اپنی نظر اس سے ہٹا نہ پاتا۔اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔وہ کسی کو بھی اپنا چہرہ نہیں پڑھنے دیتا تھا۔اب وہ موبائل پر حارث کو میسج کرتا اپنی گاڑی کی جانب بڑھا۔)

”پھر مجھ پر حملہ کیوں کرنا چاہتا تھا؟“ اس کے سوال پر محب نے لمبا سانس بھرا۔

” اسے معلوم ہو گیا تھا کہ آپ میری کمزوری ہیں۔اس لیے وہ مجھے ڈرانا چاہتا تھا۔“ اسرا اس کی جانب نا سمجھی سے دیکھ رہی تھی۔

”اف!! کیسے سمجھاؤں؟“

” دیکھیں ڈاکٹر اسرا! وہ چاہتا تھا کہ میں اس کے ساتھ مل کر دشمنوں کو مار ڈالوں۔“ اب اسرا پین کو میز پر رکھے اسے دھیان سے سن رہی تھی۔

"مطلب وہ چاہتا تھا کہ آپ بھی اسی کی طرح کریمینل بن جائیں ؟" اسرا کی بات پر محب جھنجھلا اٹھا۔

" ڈاکٹر ! میں کتنی دفعہ بتاؤں کہ وہ کریمینل نہیں ہے۔"وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔تو اسرا کے تاثرات تن گئے۔

" اگر وہ کریمینل نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟ " وہ سخت لہجے میں بولی۔

(فیصل ایف۔ایچ کمپنی کے باہر پہنچ چکا تھا۔پارکنگ لاٹ میں اپنی گاڑی پارک کرنے کے بعد اس نے ایک نظر اس سکائی سکریپر کی جانب ڈالی۔یہ اس کی اور حارث کی ایمپائر تھی. اب وہ ایک کرو فر سے اندر کی جانب بڑھا .

راستے میں گزرتے ہر ورکر نے اسے رک کر سلام کیا تھا. جس کے جواب میں وہ سر کو ہلکا سا خم دے رہا تھا۔اب وہ پرائیویٹ لفٹ کی جانب بڑھا۔یہ لفٹ صرف اس کے اور چند لوگوں کے استعمال کے لیے مختص تھی۔وہ اس وقت لفٹ میں اکیلا داخل ہوا تھا۔

اس نے لفٹ میں ایک مخصوص فلور کا نمبر دبایا۔لفٹ اس مخصوص فلور کی جانب بڑھنے لگی۔)

”ہی از دا اونر آف ہز اون آرگنائزیشن۔“ آخر کار وہ بول ہی پڑا۔اسرا اس کی بات سنتی ساکت رہ گئی۔

”جی اسرا! وہ ایک آرگنائزیشن کا مالک ہے۔دنیا کی نظروں میں وہ ایک ڈاکٹر اور حارث ایک بزنس مین ہے۔مگر وہ دونوں مل کر کئی سو ذہین دماغوں کی آرگنائزیشن چلا رہے ہیں۔“

(انڈر گراؤنڈ فلور پر پہنچ کر وہ لفٹ سے باہر نکلا۔جہاں بہت سے سسٹمز کے آگے بہت سے لوگ ایک مخصوص یونیفارم میں ملبوس کام میں مصروف تھے۔وہ سب اسے دیکھتے کھڑے ہو گئے۔

”ویلکم باس !!“ وہ سب یک زبان بولے تو فیصل نے اثبات میں سر ہلایا اور ہاتھ کے اشارے سے سب کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔البتہ چہرے پر سرد تاثرات چھائے ہوئے تھے۔

اب وہ حارث کے مخصوص کمرے کی جانب بڑھ گیا۔یہ اس کی سلطنت تھی۔چھوٹی سی مگر مضبوط ترین۔وہاں اس کے پاس شہر کے ذہین ترین دماغ تھے۔وہ دماغ جو سکون کی تلاش میں اس کے پاس آئے تھے۔اور اس نے انہیں تراش کر ہیرا بنا ڈالا۔آج وہ سب لوگ اس کے شکر گزار تھے۔)

”کیسی آرگنائزیشن ؟“ اسرا حیرانی سے بولی۔

”ایک خفیہ آرگنائزیشن۔جو برے لوگوں کے خلاف کام کر رہی ہے۔دنیا اور قانون کی نظر میں بھلے وہ ایک قاتل ہے۔مگر وہ اصل میں ایک مسیحا ہے۔بہت سے معصوم اور بے سہارے لوگوں کا مسیحا۔“ اب اس کی آواز میں ایک فخر تھا۔اب اسرا خاموشی سے بیٹھی تھی۔وہ محب کو سننا چاہتی تھی۔

”اس کو ایک ایجنسی کا سپورٹ بھی حاصل ہے۔مگر صرف تب تک جب تک وہ منظرِ عام پر نہیں آجاتا۔جیسے ہی وہ منظرِ عام پر آیا تو وہ ایجنسی اس کا ساتھ نہیں دے گی۔“ وہ آخر میں دکھ بھرے لہجے میں بول رہا تھا۔

”ایجنسی اسے کیوں سپورٹ کر رہی ہے؟“ اسرا کے سوال پر محب مسکرایا تھا۔

”کیونکہ وہ ایجنسی کو فیور دے رہا ہے۔جب تک وہ اسے فیور دیتا رہے گا۔اس کے کام کرتا رہے گا۔تب تک وہ اسے سپورٹ کرے گی۔“ اس کی بات پر اسرا نے سمجھنے سے انداز میں سر ہلایا۔

(فیصل حارث سے ہاتھ ملاتا اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

” تم نے انہیں سب کچھ کیوں نہیں بتایا؟“ حارث حیرانی سے فیصل کا چہرہ تک رہا تھا۔

”کیا بتاتا ؟“ وہ تھکے سے انداز میں مسکراتے ہوئے بولا تو حارث نے اپنا سر جھٹکا۔

”یہی کہ تم نے جن لوگوں کو مارا وہ کوئی دودھ کے دھلے نہیں تھے۔تم جان بوجھ کر ان لوگوں کے سامنے اپنا برا تاثر بنا رہے ہو۔کیوں کر رہے ہو ایسا؟ “ اس کی بات پر فیصل نے لمبا سانس بھرا۔

میں چاہتا ہوں کہ اگر میرا انجام موت ہو تو میرے پیچھے کوئی رونے والا نہ ہو۔میں نہیں چاہتا کہ میں اس دنیا سے کسی کے لیے دکھ بن کر جاؤں۔وہ مجھے اچھا نہ سمجھیں۔میں جانتا ہوں کہ میں کون ہوں۔“اس کی بات پر حارث کو زور کا جھٹکا لگا۔

”میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہوں گا۔مجھے اپنے ساتھ لے کر جانا۔“ اس کی بات پر فیصل نے اپنی آنکھیں سکیڑ کر اس کی جانب دیکھا۔

” میرے پاس پلان بی ہے۔تم فکر مت کرو۔مجھے اتنی جلدی کچھ نہیں ہونے والا۔“ وہ بے نیازی سے بولا جیسے اسے کسی بھی چیز سے کوئی فرق ہی نہ پڑتا ہو۔

” استغفراللہ! “حارث کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"میں نے تمہیں چند ایک کام کہے تھے وہ تم نے کیے یا نہیں؟" حارث نے اپنے سامنے پڑھے لیپ ٹاپ کی سکرین پر نظریں دوڑاتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔)

"حارث دنیا کی نظر میں ایک بزنس مین ہے۔مگر اصل میں وہ بزنس مین ہونے کے ساتھ ساتھ گولڈ میڈلسٹ آئی۔ٹی ایکسپرٹ بھی ہے۔اسے ٹیکنالوجی کے متعلق ہر چیز کا علم ہے۔" اب وہ بغیر رکے بول رہا تھا۔کھڑکیوں کی اوٹ سے روشنی آنا بند ہو گئی تھی۔شاید سورج اپنے عروج پر تھا۔

" فیصل کے پاس ایجنسی کی وجہ سے گورنمنٹ کی طرف سے جاری کردہ ڈیٹیکٹو لائسنس بھی ہے۔جو اسے کسی بھی خطرے والی سچویشن سے بچا سکتا ہے۔" اب اسرا کو حیرت ہو رہی تھی۔

"اس نے یہ آرگنائزیشن کیسے بنائی ؟ ایجنسی کے ساتھ تعلقات کیسے استوار کیے؟" اسرا کے سوال پر محب سب کچھ اپنے دماغ میں دہرا رہا تھا۔

" جب اسے ساری حقیقت معلوم ہوئی تو اس کے دماغ پر ہر کسی سے بدلہ لینے کا جنون طاری ہو گیا ۔۔"۔اسرا نے اس کی بات کاٹی۔

"مسٹر محب ! اسے سچائی کیسے معلوم ہوئی؟" اس کی بات پر محب نے لمبا سانس بھرا۔

”دھیان سے سنیں۔ جس ڈرائیور نے میرے بابا کا ایکسیڈینٹ کیا تھا۔وہ دلاور شاہ کو بلیک میل کر رہا تھا۔کہ وہ پولیس کو سب کچھ بتا دے گا۔“ اس نے ٹھہر ٹھہر کر جملہ ادا کیا۔اسرا کا سارا دھیان اسی کی جانب تھا۔

” جس رات فیصل مجھے ملا۔ اسی رات دلاور شاہ نے اپنے فون سے ایک خاص آدمی کو اس ڈرائیور کو مارنے کا حکم دے ڈالا اور اتفاق سے فیصل نے اس کی پوری بات سن لی۔اسے اچھے سے معلوم تھا کہ دلاور شاہ نے ہی اس کے باپ کا قتل کیا اور اسے اس کے بھائی سے بھی جدا کیا۔“ اس نے ایک لمحے کا وقفہ لے کر کھڑکی کی جانب دیکھا۔

” دلاور شاہ کال پر اپنے آدمی کو ایڈریس بھی بتا رہا تھا۔پھر فیصل اس کے آدمی کے پہنچنے سے پہلے اس ڈرائیور کے پاس پہنچ گیا۔“ اب اس کی نظریں دوبارہ اسرا کے چہرے کی جانب مرکوز تھیں۔یہ سب کچھ بتانا اتنا آسان بھی نہیں تھا۔جتنا اس نے سوچا تھا۔

”پھر کیا ہوا ؟“ وہ بے چینی سے بولی۔

”پھر فیصل نے اسے بلیک میل کیا۔اسے ٹارچر کر کے ساری حقیقت پتہ لگوا لی۔حارث کی دادی کے قتل سے لے کر میرے بابا کے قتل تک کی۔اس کے بعد اس نے اس ڈرائیور کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔اس سے آگے کے بارے میں تو میں آپ کو سب کچھ بتا ہی چکا ہوں۔“

وہ اپنی بات مکمل کر چکا تھا مگر اسرا کو اپنے سوال کا جواب نہیں ملا تھا۔بعض اوقات جواب ہماری نگاہوں کے سامنے ہی موجود ہوتے ہیں۔مگر ہمیں دکھائی نہیں دیتے۔

” میں نے پوچھا کہ اس نے آرگنائزیشن کیسے بنائی اور ایجنسی کے ساتھ تعلقات کیسے استوار کیے؟ “وہ ہر لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی تو محب نے اپنے سر پر ہاتھ مارا۔

”ساری حقیقت جاننے کے بعد وہ ڈاکٹر بنا اور حارث بزنس بھی پڑھ رہا تھا اور آئی۔ٹی ایکسپرٹ بھی بن رہا تھا۔فیصل ساتھ ساتھ اپنی ایک آرگنائزیشن بھی بنا رہا تھا۔جب حارث مکمل طور پر آئی۔ٹی ایکسپرٹ بن چکا تھا۔اس نے ایک ایجنسی کا سسٹم ہیک کر لیا۔اس نے ایجنسی کے سامنے کچھ مطالبات رکھے۔جس کے مطابق انہیں ان کی آرگنائزیشن کو سپورٹ کرنا پڑے گا۔ایجنسی نے بہت مشکل سے

ان کے مطالبات مان لیے۔ مگر ساتھ میں ایک معاہدہ بھی کیا۔" اسرا کی آنکھیں بے یقینی سے کھلی رہ گئیں۔ یہ بہت خطرے کا کام تھا۔

" انہیں فیصل اور حارث کی قابلیت بہت پسند آئی تھی۔ اسی لیے انہوں نے ان سے معاہدہ کیا کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ اس طرح فیصل کی آرگنائزیشن مضبوط ہوتی چلی گئی۔" آخر میں اس نے گہرا سانس بھرا۔

"وہ آپ کو کیوں دھمکا رہا تھا ؟" اس بات پر محب نے اپنی آنکھیں گھمائیں۔ ابھی اس بات کا جواب بھی دینا تھا !

"وہ چاہتا تھا کہ میں اس کی آرگنائزیشن کو جوائن کر لوں۔ مگر میں نے انکار کر دیا۔ اس کی بات پر اسرا نے ناسمجھی سے اس کی جانب دیکھا۔

"مگر کیوں ؟"

" کیونکہ میرے پاس میری ماں ہیں۔ چاہے میں ان سے کتنے ہی اختلافات کیوں نہ رکھ لوں مگر وہ میری ماں ہیں۔ میں ان کو کھونا نہیں چاہتا۔" وہ دکھی انداز میں بول رہا تھا۔

”جبکہ فیصل کو معلوم ہے کہ اس کے پاس کھونے کو کچھ نہیں ہے۔اور جن لوگوں کے پاس کھونے کو کچھ نہ ہو ان کے بدلے سے ڈرنا چاہیے کیونکہ وہ یہ نہیں سوچتے کہ ان کی میت کو کندھا دینے کے لیے کوئی موجود ہے یا نہیں۔“ اس کا لہجہ بہت کربناک تھا۔

” اگر ایک دفعہ کوئی اس دلدل میں پھنس جائے پھر وہ اس سے باہر نہیں نکل سکتا۔اس لیے میں اس دلدل میں پاؤں بھی نہیں رکھنا چاہتا۔“ اس کے سادہ سے لہجے سے کہنے پر اسرا نے اثبات میں سر ہلایا۔

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔جس انسان کو اپنے انجام کی فکر نہ ہو صرف وہی انسان ہی اس دلدل میں قدم رکھ سکتا تھا۔

” اگر وہ منظرِ عام پر آیا تو کیا ایجنسی اس کا ساتھ چھوڑ دے گی ؟“ وہ سوچتے ہوئے بولی تو محب نے اثبات میں سر ہلایا۔

”جی ! مگر میں فیصل کو اچھے سے جانتا ہوں۔وہ ہمیشہ اپنے دماغ سے کام لیتا ہے۔میں نے اس کو صرف آپ کے معاملے دل کی سنتے ہوئے دیکھا ہے۔“وہ زخمی انداز میں مسکرایا۔

”مگر خیر !! میں کیا کہہ رہا تھا ؟“ اس نے اپنے آپ سے ہی سوال کیا۔

”ہاں! وہ ہمیشہ اپنے دماغ سے ہی کام لیتا ہے۔اس نے اپنے آپ کو بچانے کے لیے کوئی نہ کوئی پلان بی ضرور بنا رکھا ہوگا۔وہ کوئی کچا کھلاڑی نہیں ہے۔فیصل افنان احمد ہے !“ اس کے انداز پر اسرا مسکرائی تھی۔

” اگر اس کے پاس اتنی ہی طاقت ہے تو پھر اس نے اب تک دلاور شاہ کو سزا کیوں نہیں دی ؟“

” آپ تو ارمان احمد سے بھی سخت تفتیش کرتی ہیں۔“ وہ تپ کر بولا تو اسرا مسکرا اٹھی۔اس سے پہلے کہ محب کی نظریں اس کے چہرے پر جمتیں وہ دوبارہ اپنے خول میں لپٹ چکی تھی۔اب اس کے چہرے پر سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔

” مجھے میرے سوال کا جواب چاہیے مسٹر محب !“ وہ دو ٹوک لہجے میں بولی تو محب نے اپنی آنکھیں گھمائیں۔وہ صرف اسرا کی باتیں ہی برداشت کر سکتا تھا۔اگر اتنے سوال ارمان کرتا تو وہ کب کا وہاں سے جا چکا ہوتا۔اسرا نے اسے سخت نظروں سے گھورا۔

”ڈاکٹر ! میں آپ کے سوالوں سے بالکل تنگ نہیں آرہا۔آپ جتنے مرضی سوال پوچھیں۔میں سبھی کے جواب دوں گا۔“ وہ اسے نرم نظروں سے دیکھتے بولا تو اسرا نے اپنا سر جھٹکا۔

”چلیں۔آپ کے اس سوال کا جواب بھی دے ہی دیتا ہوں۔“اس نے اپنا ابرو کھجاتے ہوئے کہا۔

”وہ پہلے ارمان کو ڈھونڈنا چاہتا تھا اور یہ جو طاقت ہے نا اس کے پاس وہ اس کے سالوں کی محنت ہے۔ایک دو دنوں میں اس نے اپنے آپ کو اتنا مضبوط نہیں کر لیا۔“ ہاں !! اس نے فیصل احمد کا کمزور روپ بھی دیکھا تھا۔اور اس کا طاقتور روپ بھی دیکھا تھا۔

”اس نے پہلے ارمان کو ڈھونڈا اور پھر اپنے آپ کو مضبوط بنایا۔تاکہ وہ اپنے سارے دشمنوں سے بدلہ لے سکے۔“

” اس نے ارمان کو کیسے ڈھونڈا ؟“

”ڈاکٹر اسرا! آج کل ٹیکنالوجی کے ذریعے سے سبھی کچھ ممکن ہے۔“ اس کی بات پر اسرا نے اپنا سر اثبات میں ہلایا اور سوچ میں پڑ گئی۔

”کیا کوئی اور سوال بھی باقی ہے ؟“ محب شرارت سے بولا تو اسرا نے بے تاثر نظروں سے اسے گھورا۔

” آپ کو ایک بات بتاؤں؟ “ اب اس کی سرمئی آنکھوں میں ایک انوکھی سی چمک تھی۔اسرا نے اثبات میں سر ہلایا۔

” جب آپ مجھ پر حق جتاتی ہیں نا تب مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔“ اسرا نے حیرانی سے اس کی جانب دیکھا۔اس نے بھلا کب محب پر حق جتایا تھا ؟

”اب آپ سوچ رہی ہوں گی کہ آپ نے مجھ پر حق کب جتایا۔“وہ نرم لہجے میں بولتا اسرا کو حیرت میں مبتلا کر رہا تھا۔

”جب آپ مجھ سے کوئی کام کہتی ہیں نا تو آپ کے لہجے میں ایک مان ہوتا ہے ،ایک یقین ہوتا ہے کہ میں آپ کو کبھی انکار نہیں کروں گا۔“ اس کی بات پر اسرا ساکت رہ گئی۔ہاں! یہ بات سچ تھی۔ اسے یقین تھا کہ محب اس کی کسی بات پر انکار نہیں کرے گا۔

”باخدا ! میں آپ کے اس مان کو کبھی نہیں توڑوں گا۔ یہ محب رضا حسین کا اسرا یاسر سے وعدہ ہے ۔“ وہ اس سے وعدہ کر رہا تھا۔ جبکہ وہ ساکت نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ محب کچھ دیر اسے دیکھتا رہا اور پھر مسکراتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

”ڈاکٹر ! ویسے میرا یہاں سے جانے کا دل تو نہیں کر رہا مگر مجھے جانا پڑے گا۔“

” فی امان اللہ !! اپنا خیال رکھیے گا۔“ وہ ایک مسکراہٹ کے ساتھ دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ پیچھے اسرا چھت کو تکتی اس کی باتوں کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

ہمیں بچپن میں دوزخ اور جنت کی خبر تھی

دیانت تھی ، کہ دل میں خوف سا رکھا گیا تھا

بچھائی چال شاطر نے ، سمجھ آئی نہ حسرتؔ

ہمیں گھر میں ہی بچوں سے جدا رکھا گیا تھا

”گڈ۔“ اس نے متاثر کن لہجے میں کہا۔

”چلو میرے لیے جوس منگواؤ۔ میں جلدی پہنچنے کے چکر میں بنا جوس پیے ہی آگیا۔“ وہ کرسی سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ جبکہ حارث کی انگلیاں تیزی سے لیپ ٹاپ کی کیز پر چل رہی تھی۔ فیصل کی بات پر اس نے سر اٹھایا اور انٹر کام سے جوس کا آرڈر دیا۔ کچھ دیر بعد ایک اورنج جوس کا گلاس فیصل کے سامنے پڑا تھا۔ اس نے گلاس اٹھا کر جوس کا ایک گھونٹ اپنے گلے میں اتارا اور حارث کا روم دیکھنے لگا۔

اس کمرے میں بہت سے گیجٹس اور ڈیوائسز موجود تھیں۔

”فیصل! “ حارث لیپ ٹاپ پر نظریں دوڑاتا مصروف سے انداز میں بولا تو فیصل نے اس کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ حارث کی نگاہیں لیپ ٹاپ پر تھیں۔ مگر وہ جانتا تھا کہ فیصل اسے سوالیہ نظروں سے تک رہا تھا۔

”تمہارے واپس آنے کی خوشی میں پارٹی تو بنتی ہے۔“ اس کی بات پر فیصل کے چہرے پر سنجیدگی چھا گئی۔ اس نے ٹانگ پر ٹانگ جمائی اور گہری نظروں سے حارث کی جانب دیکھا۔ جس پر وہ گڑبڑا اٹھا۔

”یار ! کیا مسئلہ ہے؟“ اس نے لیپ ٹاپ کی سکرین بند کی اور اسے سائیڈ پر رکھ کر فیصل کی جانب دیکھا۔جو اسے بے تاثر نظروں سے گھور رہا تھا۔

”میں کوئی حج کر کے واپس نہیں آیا۔جب تک میرا مقصد پورا نہیں ہو جاتا میں کسی بھی پارٹی میں شامل نہیں ہوں گا۔“ وہ باس والے لہجے میں بول رہا تھا۔اس کی بات پر حارث نے سر ہلایا۔

” جیسی تمہاری مرضی۔ تم پارٹی میں شامل نہ ہو مگر میں ورکرز کو پارٹی دے رہا ہوں۔ وہ سب تمہارے آنے پر بہت خوش ہیں۔“ اس کی بات پر فیصل نے ایک ابرو اٹھا کر اسے دیکھا۔جیسے کہنا چاہ رہا ہو واقعی ؟

”مانا کہ تم ایک سخت باس ہو اور کسی کی غلطیاں معاف نہیں کرتے۔مگر تم ان سب کے محسن ہو۔“ وہ اپنے چہرے کے نیچے ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

”غلط۔بالکل غلط! “ اس کی بات پر فیصل نے اپنی شہادت کی انگلی کو نفی کے اشارے میں ہلایا۔

”میں لوگوں کو ایک موقع دیا کرتا ہوں۔ صرف ایک موقع! اور اس کے بعد دوسری غلطی پر ان لوگوں کی میری زندگی میں کوئی جگہ نہیں رہتی۔“ اس نے جوس کا ایک اور گھونٹ بھرا۔

"ہمارا اگلا ٹارگٹ کون ہے ؟" حارث نے اس کے چہرے کی جانب غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ اپنا کوٹ جھاڑتا کرسی سے اٹھا اور گلاس وال کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ جس کے پار سارے ورکرز نہائیت انہماک سے اپنا کام کر رہے تھے۔

وہ گلاس وال ایک ون۔وے مرر کا کام کرتی تھی۔ جس کے اندر سے تو باہر دیکھا جا سکتا تھا. مگر باہر سے اندر دیکھنا ممکن نہ تھا. اس کی نظریں ان کام کرتے ورکرز پر مرکوز تھیں۔وہ سب نوجوان تھے۔ ایسے نوجوان جنہیں اپنی زندگی کا مقصد معلوم نہیں تھا۔اور فیصل نے انہیں ایک راستہ تھمایا۔اس نے ان پر کوئی زور زبردستی نہیں کی تھی۔وہ سب خود اس کے ساتھ کام کرنے کو تیار ہوئے تھے۔

"حمید خان۔" اس کی ذہین آنکھیں ابھی بھی اپنے اندر بہت سے راز چھپائے ہوئے تھیں۔اس کے جواب پر حارث اپنی کرسی سے اٹھا اور اس کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔فیصل کی نظریں باہر کی جانب مرکوز تھیں۔ جبکہ حارث اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔اتنے سال اس کے ساتھ رہنے کے باوجود بھی وہ فیصل کے بارے میں ایک حد سے زیادہ نہیں جان پایا تھا۔وہ آج تک کبھی بھی یہ نہیں جان سکتا تھا کہ فیصل کے دماغ میں کیا چل رہا تھا؟

" مشہور بزنس مین حمید خان ؟ جس کے ہماری کمپنی میں بھی شئیرز ہیں؟" حارث نے الجھے ہوئے انداز سے پوچھا تو فیصل نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کیا اس وجہ سے تم نے میرا اس کے ساتھ کنٹریکٹ کروایا تھا ؟ " اس کے صدمے سے کہنے پر فیصل نے گردن موڑ کر ایک خاموش نظر اس کی جانب ڈالی۔

"سمجھدار ہوتے جا رہے ہو !" وہ طنزیہ انداز میں بولا تو حارث کا دل کیا کہ یا تو وہ اپنا سر دیوار میں مار ڈالے یا پھر کوئی اور چیز اٹھا کر پھینک دے کیونکہ فیصل کو تو وہ کچھ کہہ نہیں سکتا تھا اور اگر کہہ بھی دے تو اس کو کون سا فرق پڑنا تھا۔

"تم مجھے پہلے نہیں بتا سکتے تھے ؟" اس کی بات پر فیصل انٹر کام کی جانب بڑھا۔ حارث حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا کہ یہ کیا کرنے والا تھا۔

" تمام ورکرز کو ہال میں بلایا جائے۔" وہ بے تاثر لہجے میں حکم دینے کے بعد حارث کی جانب بڑھا۔

"مجھے ایک اناؤنسمنٹ کرنی ہے۔ اگر تم سننا چاہتے ہو تو آ جاؤ۔" وہ بے تاثر لہجے میں کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔ حارث بھی اس کے پیچھے ہی باہر گیا تھا۔

وہ غرور سے چلتے ہوئے ہال میں داخل ہوا تو وہاں سارے ورکرز کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔جو اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔

وہ ایک سائیڈ سے اسٹیج کی جانب بڑھا اور ڈائس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔حارث ایک جانب متذبذب سا کھڑا تھا۔وہ سب ورکرز اس کا احترام کرتے تھے۔اس سے ڈرتے بھی تھے اور وجہ اس کا سرد پن اور شاندار شخصیت تھی۔مگر انہیں اپنا یہ نکچڑا باس بہت پسند تھا۔اس نے اپنا سیدھا ہاتھ کھڑا کر کے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پھر اس کی شاندار آواز پورے ہال میں گونج اٹھی۔

" آئی ہوپ یو آل آر ڈوئنگ ویل! " وہ ایک جگہ پر کھڑا نہیں تھا۔اِدھر اُدھر ٹہل رہا تھا۔اور صرف ٹہل نہیں رہا تھا اپنی تیز نگاہوں سے ہر ورکر کا جائزہ لے رہا تھا۔حارث کو نہیں معلوم تھا کہ وہ کیا کرنے والا تھا؟ ایک یہ فیصل احمد اور ایک اس کے پلانز!

" جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ قاضی ذوالفقار اپنے انجام تک پہنچ چکا ہے۔" وہ سرد لہجے میں بولا تو پورے ہال میں تالیوں کی گونج پھیل گئی۔

” اس میں آپ سب لوگوں کی محنت کا ایک بہت بڑا ہاتھ ہے۔“ حارث اب اس کی اناؤنسمنٹ کا انتظار کر رہا تھا۔

”مگر اب ہمیں اپنے اگلے ٹارگٹ پر فوکس کرنا ہے۔“اس کے بولنے پر پورے ہال میں خاموشی چھا گئی۔سب جاننا چاہتے تھے کہ اگلا ٹارگٹ آخر کون تھا؟

” ہمارا اگلا ٹارگٹ حمید خان ہے۔جس کے ہماری کمپنی میں ٹوئنٹی پرسنٹ شیئرز بھی ہیں۔“ اس نے حارث کی جانب اشارہ کر کے کہا۔جس پر سب نے چونک کر ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔فیصل نے اپنی بات جاری رکھی۔

” فکر نہ کریں۔وہ انسان بھی دلاور شاہ کا ساتھی تھا۔“ اس نے ایک لمحے کا توقف لیا تو مجمع میں سے ایک ورکر نے ہاتھ کھڑا کیا۔وہ کوئی 25، 26 سال کا نوجوان تھا۔فیصل نے سر ہلاتے ہوئے اسے سوال کرنے کی اجازت دی۔

"مگر سر کیا ایجنسی کو اس بارے میں معلوم ہے؟" اس کی بات پر فیصل کے لب مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔ "بیٹھیں۔کافی اچھا سوال کیا آپ نے۔خیر ! یہ کام آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔آپ کو اس معاملے میں کسی خطرے کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔" اب وہ ایک جگہ رک گیا۔

"کیا کوئی اور مجھ سے کوئی سوال کرنا چاہتا ہے ؟ " اس کی بات پر سب نے نفی میں سر ہلایا۔وہ سب کو بولنے کی آزادی دیا کرتا تھا۔مگر کرتا وہی تھا جو اس نے سوچا ہوتا تھا۔اس کے مطابق انسان کو صرف دو پلانز ہی بنانے چاہئیں۔اگر ایک فیل ہو جائے تو دوسرے پر کام کرنا چاہیے۔اور اگر دوسرا ناکام ہو جائے تو دوبارہ پہلے پر کام شروع کر دینا چاہیے۔کیونکہ تب تک دماغ کو سمجھ آ جاتی ہے کہ پہلے پلان میں کیا غلطیاں تھیں۔

" یہ کام آسان نہیں ہے۔مگر ناممکن بھی نہیں ہے۔سب سے پہلے آپ لوگوں کو اس کی ساری انفارمیشن پتہ لگانی ہے۔وہ کب اور کیا کرتا ہے؟ سب کچھ! کلیئر؟؟ " اس کے ابرو اٹھا کر پوچھنے پر ہال میں یس سر کی آواز گونج اٹھی۔

"اس کے بعد اس کی فیملی کے بارے میں ہر چیز معلوم کرنی ہے۔ہر چھوٹی سے چھوٹی انفارمیشن نکالنی ہے۔ایچ اینڈ ایوری تھنگ۔" فیملی کے نام پر حارث نے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔وہ فیصل کو ایک بات بتانا تو بھول ہی گیا تھا۔اب اس کی خیر نہیں !

"آپ لوگوں کے پاس دو دن ہیں۔لگ جائیں کام پر اور ہاں ایک آخری بات۔۔" وہ جاتے جاتے رکا۔

"آج شام آپ سب میری طرف سے پارٹی پر انوائٹڈ ہیں۔مگر ہوسٹ حارث کرے گا۔اوکے ناؤ انجوائے۔" وہ باہر نکلا تو اسے اپنے پیچھے سے تالیوں کی ایک گونج سنائی دی تو اس کے چہرے پر ایک مطمئن سی پرسکون مسکراہٹ چھاگئی۔حارث اس کے پیچھے ہی باہر نکلا تھا۔اسے معلوم تھا کہ فیصل نے ہمیشہ اپنی ہی کرنی تھی۔اب فیصل کا رخ اپنے کمرے کی جانب تھا۔اس کا اور حارث کا کمرہ ساتھ ساتھ ہی تھا۔

"تم نے یہ سب کچھ مجھے کیوں نہیں بتایا؟" اسے معلوم تھا کہ یہ پوچھنا فضول تھا۔مگر کیا کرتا وہ عادت سے مجبور جو تھا! فیصل اپنے کمرے میں موجود اپنی راکنگ چیئر پر بیٹھ گیا۔اس چیئر پر بیٹھ کر

اسے ایک طاقت کا احساس ہوتا تھا۔جیسے وہ اپنے دشمنوں کے خلاف بہت طاقت رکھتا ہو۔حارث اس کے سامنے براجمان تھا۔

" جب معلوم ہے کہ جواب نہیں ملنا پھر بار بار پوچھ کر اپنی عزتِ نفس کیوں مجروح کرتے ہو ؟" ٹھنڈے ٹھار لہجے میں بولتا وہ حارث کو تپا گیا۔

" تمہارے معاملے میں میری عزتِ نفس گھاس چرنے چلی جاتی ہے۔" اب فیصل اپنی کرسی پر جھول رہا تھا۔

"غلط۔بالکل غلط!!" اس کی بات پر حارث نے اپنی آنکھیں گھمائیں۔

"ہر رشتے میں اپنی عزتِ نفس کو زندہ رکھنا چاہیے۔ورنہ انسان یہ بھول جاتا ہے کہ سب انسان برابر ہیں۔" اس کے کہنے پر حارث الجھا۔

"وہ کیسے ؟" فیصل نے جھولنا بند کر دیا۔

”جب انسان کسی رشتے میں اپنی عزتِ نفس کو بھول جاتا ہے۔تب وہ دوسرے انسان کو اپنے سے افضل سمجھنے لگتا ہے۔برتر سمجھنے لگ جاتا ہے۔حالانکہ دوسرے انسان کی حیثیت ریت کے ٹیلے کے برابر بھی نہیں ہوتی۔“ وہ بہت سنجیدگی سے بول رہا تھا۔

” ہم کسی کی حیثیت کا اندازہ کیسے لگا سکتے ہیں؟“ حارث کے سوال پر فیصل بے اختیار ہنسا اور ہنستا ہی چلا گیا۔اس کے یوں مسکرانے پر اسکے دونوں گالوں پر ایک ایک گڑھا نظر آنے لگا۔

”ہماری یہی تو غلطی ہے۔ہم کسی بھی انسان کو دیکھ کر اس کی حیثیت کا اندازہ لگانا شروع کر دیتے ہیں۔کہ یہ ہم سے برتر ہے یہ ہم سے کمتر ہے۔یہ ذہین ہے اور یہ کند ذہن ہے۔حالانکہ ہمیں جو نظر آرہا ہوتا ہے وہ صرف دکھاوا ہوتا ہے۔“ اس نے ایک لمحے کا توقف لیا اور لمبا سانس بھرا۔

”ہمیں یہ اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ ہوسکتا ہے کہ دوسرا انسان جان بوجھ کر وہ روپ ہمیں دکھا رہا ہو جو اس کا ہے ہی نہیں۔اس نے شاید اپنے اوپر ایک مکھوٹا چڑھا رکھا ہو۔“ اس نے سائیڈ ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھا کر ایک گھونٹ گلے میں اتارا۔حارث دھیان سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔

"کارل ینگ جو کہ ایک مشہور سوِس سائیکالوجسٹ تھا۔اس کے مطابق " پرسن " لفظ لاطینی زبان کے لفظ "پرسونا" سے نکلا ہے۔جس کا مطلب ہے" ماسک"، "مکھوٹا" یعنی انسان اپنے اوپر کسی بھی طرح کا ماسک چڑھا سکتا ہے۔اچھا بھی اور برا بھی۔اور ہمیں معلوم ہی نہیں پڑتا کہ آخر وہ اصل میں ہے کیا ؟؟" حارث کے مطابق وہ بہت مشکل باتیں کیا کرتا تھا۔

"ہر انسان کے اندر ایک ایسا انسان چھپا بیٹھا ہوتا ہے جس کا علم کبھی کبھار اس انسان کو بھی نہیں ہوتا۔جب وہ خود اپنے آپ کو سمجھ نہیں سکتا پھر ہم اس کو جان لینے کا دعوی کیسے کر سکتے ہیں ؟" وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔

" اس بات کا ایک اور پہلو یہ بھی نکلتا ہے کہ جب ہم اپنے آپ کو ہی صحیح سے نہیں جانتے تو کسی دوسرے انسان کو کیا خاک جانیں گے ؟ اس لیے۔۔" وہ بہت اچھا بولتا تھا۔اس نے ایک نظر حارث کے فق چہرے کی جانب ڈالی۔

"ہم کسی کی حیثیت کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔" وہ اپنی بات مکمل کر چکا تھا۔مگر حارث کے دماغ میں ایک نیا سوال سر اٹھا چکا تھا۔

" فیصل !! یہ حیثیت کیا ہوتی ہے ؟ " فیصل کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"یہ سوال تمہیں شروع میں پوچھنا چاہیے تھا۔ خیر ! کس حوالے سے تمہیں جواب چاہیے۔ اسلام کے حوالے سے یا سائیکالوجی کے حوالے سے ؟؟ " وہ ہر طرح سے اسے وضاحت دے سکتا تھا۔

"دونوں۔" حارث نے یک لفظی جواب دیا تو وہ اٹھا اور ایک سائیڈ پر پڑے چھوٹے سے ایکویریم کی جانب بڑھا۔ اس مستطیل شکل کے ایکویریم میں بہت سے رنگوں کی مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ مچھلیوں کے ساتھ ساتھ اندر بہت سے پودے جیسے جاوا فرن، ویلیسنیریا اور ہارن وارٹ بھی موجود تھے۔

"سب سے پہلے حیثیت کا جنرل مطلب جان لو۔ حیثیت کہتے ہیں پوزیشن کو ، سٹیٹس کو۔ کہ کوئی انسان کسی چیز کے متعلق کس پوزیشن پر ہے؟ اور کسی کے مقابلے میں وہ برتر ہے یا کمتر ہے۔ اب اسلام کے حوالے سے سمجھاتا ہوں۔" اس کی ساکت نظریں ایکویریم میں تیرتی سنہری ویل ٹیل پر جمی تھیں۔

" اسلام کے مطابق کوئی انسان کسی دوسرے انسان سے برتر اور کمتر صرف اور صرف تقویٰ کی وجہ سے ہوتا ہے اور معلوم ہے تقوی کیا ہوتا ہے ؟" اس نے گردن موڑ کر حارث کی جانب دیکھا۔جس نے نفی میں سر ہلایا۔

" میں جانتا ہوں کہ یہ باتیں میری شخصیت سے میل نہیں کھا رہیں۔مگر یہی سچ ہے خیر ! تقوی کا مطلب ہوتا ہے پرہیزگاری۔ہر اس چیز سے پرہیز کرنا جس سے اللہ نے منع فرمایا ہے اور جب کوئی انسان تقویٰ کے اعلیٰ درجے پر ہوتا ہے تو اسے دنیا سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔دنیا میں جو کچھ مرضی ہو رہا اسے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔اسے فرق پڑے گا تو صرف ایک چیز سے کہ کہیں وہ اس ذات کی نافرمانی تو نہیں کر رہا۔" اس نے اپنی نظریں دوبارہ ایکویریم پر مرکوز کر لی تھیں۔

"مگر ایک بات بتاؤں!! یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ آج کے زمانے میں ایسا انسان کہیں نہیں ملتا۔ اب آتے ہیں سائیکالوجی کی طرف۔" وہ ہلکا سا مسکرا رہا تھا۔

" انسان کے دماغ میں دوسرے انسان کے لیے مختلف پوزیشنز بنی ہوتی ہیں۔ان پوزیشنز کی کیٹگری میں سب سے پہلے دولت آتی ہے، پھر خوبصورتی ، پھر شخصیت۔اس کے بعد اور بھی بہت سی چیزیں

آتی ہیں۔مگر سر فہرست یہیں تین چیزیں ہیں۔"حارث اس کی باتوں سے بالکل بھی بور نہیں ہو رہا تھا۔

"سب سے پہلے دولت کی بات کرتے ہیں۔آج کل یہ ٹرینڈ بہت چلا ہوا ہے کہ معاشرے میں صرف اسی کی عزت ہے جو امیر ہے۔جبکہ غریب انسان کی کوئی عزت نہیں ہے۔ہر چیز امیر لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔جس کے پاس دولت ہے وہ برتر ہے اور جس کے پاس نہیں ہے وہ کمتر ہے۔خوبصورتی کے بارے میں بھی میرا کچھ ایسا ہی تجزیہ ہے۔اس ایکویریم کی مثال ہی لے لو۔" اس نے ایکویریم کی جانب اشارہ کیا۔جہاں بہت سی مچھلیاں تیر رہی تھی۔حارث بھی اب اس ایکوریم کو دیکھ رہا تھا۔

"یہاں بہت سی مچھلیاں ہیں۔مگر سب کی نظریں اس سنہری مچھلی پر ہی ٹکی رہیں گی کیونکہ یہ سب سے نمایاں ہے۔سب سے زیادہ خوبصورت!"حارث کی نظریں بھی اس سنہری ویل ٹیل پر جمی تھیں۔

اب وہ واپس اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

" اور رہی بات شخصیت یعنی پرسنیلٹی کی تو میں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔اٹ از آ ماسک۔سو آور ڈسکشن از اوور۔مجھے امید ہے کہ تمہیں سمجھ آگئی ہوگی۔" اس کی بات پر حارث نے بے یقینی سے اثبات میں سر ہلایا۔اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ اسے اتنے اچھے سے سمجھا بھی سکتا تھا۔یکدم اسے ایک بات یاد آئی۔"مجھے تمہیں ایک بات بتانی تھی۔" اس کے لہجے کی ہچکچاہٹ پر فیصل چونکا۔یہ ہچکچا کیوں رہا تھا ؟؟ "بتاؤ۔" حارث کچھ دیر سوچ میں پڑ گیا۔

"ارمان۔۔وہ ارمان شادی کر رہا ہے۔" ایک لمحے کے لیے فیصل کو جھٹکا لگا۔مگر اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔اس کا بھائی ارمان احمد شادی کر رہا تھا ! مگر کس سے؟ اسے معلوم تھا کہ اسرا ارمان سے محبت کرتی تھی۔

" یہ تو اچھی بات ہے۔مگر کس سے کر رہا ہے؟" اس نے سرسری انداز میں پوچھا تو حارث نے تھوک نگلا۔

"منال سے۔حمید خان کی بیٹی منال حمید خان سے۔"

اس کی بات پر فیصل ساکت رہ گیا۔حارث اس کا ساکت چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"آر یو شور ؟" کچھ دیر بعد اس نے اپنے آپ کو کمپوز کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہنڈرڈ پرسنٹ۔" وہ پر یقین لہجے سے بولا تو فیصل سوچ میں پڑ گیا۔

یہ چبھن اکیلے پن کی، یہ لگن اداس شب سے

میں ہوا سے لڑ رہا ہوں، تجھے کیا بتاؤں کب سے

یہ سحر کی سازشیں تھیں، کہ یہ انتقامِ شب تھا

مجھے زندگی کا سورج نہ بچا سکا ،غضب سے

ارمان کرائم سین پر پہنچ چکا تھا۔ قاضی ذوالفقار کی ڈیڈ باڈی دیکھ کر اسے دھچکا لگا۔وہ بالکل گنگ سا ہو گیا۔خون میں لت پت لاش نے اس کے رونگٹے کھڑے کر دیے تھے۔ مگر ابھی اصل جھٹکا تو لگنا تھا۔ اس نے پورے کمرے میں نظریں دوڑائیں۔ ابھی وہ ایک جھٹکے سے سنبھلا نہیں تھا کہ دیوار پر بنے ہوئے سوراخ نے اس کے حواس سلب کر دیے۔وہ بے اختیار وہاں پڑی کرسی پر بیٹھتا چلا گیا۔

"کیا ہوا سر؟ "اس نے کھوئے سے انداز میں نفی میں سر ہلایا۔اسے وہاں گھٹن سی ہونے لگی تھی۔ دیوار پر ڈرل سے بنا ہوا سوراخ چیخ چیخ کر اسے خونی کے بارے میں بتا رہا تھا۔مگر ارمان وہ پکار سننا ہی نہیں چاہتا تھا۔اسے لگا کہ اگر وہ مزید کچھ دیر وہاں کھڑا رہا تو اسے سانس نہیں آئے گا۔وہ بنا کسی کی طرف دیکھے اس کمرے سے باہر نکل گیا اور راہداری میں لمبے لمبے سانس لینے لگا۔کچھ آفیسرز اس کے پیچھے آئے جنہیں اس نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

"میرے پیچھے کوئی نہ آئے۔"وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔آفیسرز نے اسے آج سے پہلے ایسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔پورے گھر میں پولیس پھیلی ہوئی تھی۔وہ ان سب سے علیحدہ ایک طرف لان میں کھڑا ہو گیا۔وہ فیصل کو جتنا ان سب چیزوں سے نکالنا چاہتا تھا۔وہ اتنا ہی ان میں ملوث ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے ایک محتاط نظر لان کے اوپر ڈالی اور ایک فیصلہ کیا۔آج وہ فیصل سے بات کر کے ہی رہے گا ۔اس نے طیش کے عالم میں فیصل کا نمبر ملایا۔

دوسری جانب اس کا نمبر دیکھ کر حارث کے ساتھ بیٹھے فیصل کے چہرے پر ایک پراسرار مسکراہٹ پھیل گئی۔حارث نے حیرانی سے اس کی جانب دیکھا۔

”لگتا ہے کہ اے۔ایس۔پی صاحب تک قتل کی خبر پہنچ ہی گئی۔“ اس نے ایک مسکراہٹ کے ساتھ فون کان کے ساتھ لگایا۔

”ہیلو برادر !“ دوسری جانب ارمان کے چہرے پر کرخت تاثرات چھائے ہوئے تھے۔

”تم نے قتل کیا ہے نا!“پوچھا نہیں تھا،پر یقین لہجے سے کہا گیا تھا۔اس کی بھوری آنکھیں غصے کے مارے لال ہو چکی تھیں۔اس کی بات پر فیصل نے قہقہہ لگایا۔

”ہاہاہا !! پوچھ رہے ہو یا بتا رہے ہو ؟“ وہ اپنی کرسی پر جھول رہا تھا۔جبکہ حارث اس کی باتیں سننے کے ساتھ ساتھ اپنے موبائل کی سکرین پر بھی نظریں دوڑا رہا تھا۔

”فیصل احمد ! قانون کو اپنے ہاتھ میں مت لو۔بہت پچھتاؤ گے۔“ وہ دکھی لہجے میں بولا تو فیصل کے تاثرات سنجیدہ ہو گئے۔

”میں تمہیں آخری دفعہ کہہ رہا ہوں کہ میرے ساتھ اس قانون کی باتیں مت کیا کرو۔“ وہ دانت پیستے ہوئے بولا۔اس کی بات پر ارمان اچھا خاصا تپ گیا۔

"کیا کیا تھا قاضی نے؟" اب وہ مدعے کی جانب آیا۔مگر اس کا لہجہ انتہائی کرخت تھا۔جو دوسرے جانب موجود فیصل احمد کو بالکل بھی پسند نہیں آیا تھا۔اس کے ابرو تن گئے۔

"کیا تمہارے اپنوں نے تمہیں اپنے سے بڑے بھائی سے بات کرنے کی تمیز نہیں سیکھائی ؟ اوہ سوری ! میں تو بھول گیا تھا کہ تمہیں تو میرے بارے میں بتایا بھی نہیں گیا ہو گا۔" سرد لہجے میں طنز کیا گیا۔اس کی بات پر ارمان اپنے لب بھینچ کر رہ گیا۔

"فیصل ! مجھے غصہ مت دلاؤ۔" وہ اپنی مٹھیاں بھینچے بولا تو دوسری جانب فیصل کا سوگواریت بھرا قہقہہ فضا میں گونج اٹھا۔

"تمہیں معلوم ہے کسی بھی کام کو مکمل کرنے کا پہلا اصول کیا ہوتا ہے ؟ "اس کا لہجہ ٹھنڈا ٹھار تھا۔ اتنا ٹھنڈا کہ اعصاب کو منجمند کردے۔جبکہ نظریں کسی غیر مرئی مقام کو تک رہی تھیں۔ارمان اس کے سوال پر خاموش رہا۔

" خیر تمہیں کیسے معلوم ہوگا ؟ میں خود ہی بتا دیتا ہوں۔" اب کی بار اس کے لہجے میں طنز کی ہلکی سی رمک شامل تھی۔حارث بھی غور سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔

"دماغ کو ٹھنڈا رکھنا۔ ہر کام میں دماغ کو ٹھنڈا رکھنا چاہیے۔ گرم دماغ گاڑی کے اس گرم انجن کی طرح ہوتا ہے جو ٹھنڈا ہوئے بغیر نہیں چلتا۔" اس نے ایک لمحے کا توقف کیا۔ ارمان لب بھینچے اس کی باتیں سن رہا تھا۔

" جتنا غصہ کرو گے دماغ اتنا ہی مفلوج ہوتا چلا جائے گا۔ اس لیے میرے پاس اپنے چھوٹے بھائی کے لیے ایک مشورہ ہے۔ بھلے وہ مجھ سے تمیز سے بات کرے یا نہ کرے۔ مگر اس کی تصیح کرنا میرا فرض بنتا ہے۔" دوسرے انسان کو تپانا اسے بہت اچھے سے آتا تھا۔

" اگر تمہاری اجازت ہو تو بتاؤں ؟" اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ تھی۔ حارث حیرت سے اس کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

"بولو۔" وہ گلا پھاڑ انداز میں بولا۔

" غصہ کم کیا کرو۔ ورنہ پولیس سے نکال دیے جاؤ گے۔" شانِ بے نیازی سے کہا گیا۔ اس کی بات پر ارمان تپ اٹھا۔

" میرے سوال کا جواب دو۔" فیصل نے لمبا سانس بھرا۔

”کافی لمبی کہانی ہے۔محب ڈاکٹر اسرا کو بتا چکا ہو گا۔ان سے پوچھ لینا۔“ وہ لاپرواہی سے بولا تو ارمان نے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیلا پھیرا۔یہ انسان اس کے ضبط کا امتحان لے رہا تھا۔وہ بات کرتے ہوئے ایک محتاط نظر اپنے ارد گرد بھی ڈال رہا تھا۔

”تم بتا دو گے تو کیا ہو جائے گا ؟“ اس کی بات پر فیصل کے لب ایک لمحے کے لیے مسکراہٹ میں ڈھلے۔اس کا بھائی کافی ضدی تھا !! پھر وہ سنجیدہ ہو گیا۔”اس قاضی نے دلاور شاہ کے حق میں فیصلہ کیا تھا۔میرے خیال سے اتنا جواب کافی ہے۔“ اس بات پر ارمان نے لمبا سانس بھرا۔

”ایک اور بات !! ادھوری کہانیاں جان لینا بہت خطرناک ہوتا ہے۔یا تو ان کے نقش دماغ سے مٹا دینے چاہیے یا پھر انہیں مکمل کر لینا چاہیے۔بائے !“ وہ ارمان کو حیرت میں مبتلا کرتا کال کاٹ گیا۔

چند لمحوں کے لیے ارمان موبائل کی سیاہ سکرین کو گھورتا رہا۔پھر موبائل کی بیل نے اسے سوچوں کے منجھدار سے باہر نکالا۔سکرین پر منال کا نمبر جگمگا رہا تھا۔اس نے ایک لمحے کے لیے کال کاٹنی چاہی۔وہ اس وقت کم از کم منال سے بات نہیں کر سکتا تھا۔مگر پھر وہ کال کاٹ نہیں پایا۔اف ! اس نے بے بسی سے لمبا سانس بھرتے ہوئے فون کان کے ساتھ لگایا۔

" السلام علیکم !! کیسے ہو؟ " دوسری جانب سے منال کی چہکتی ہوئی آواز سن کر ایک لمحے کے لیے ساری کوفت دور ہو گئی۔

"وعلیکم السلام ! میں ٹھیک ہوں۔" اب وہ لان میں ادھر ادھر ٹہلتا کچھ سوچ رہا تھا۔

" شادی کی تیاریاں کیسی چل رہی ہیں؟ اور گھر میں سب ٹھیک ہیں ؟ " منال کو ارمان کا لہجہ کچھ عجیب سا لگا تھا۔

"صحیح چل رہی ہیں اور بس ماں جی کی طبیعت تھوڑی خراب ہو گئی ہے۔" ابھی وہ بول ہی رہا تھا کہ اسے ایک آفیسر اپنی جانب آتا دکھائی دیا۔

" منال ! میں بعد میں بات کرتا ہوں۔ابھی میں تھوڑا بزی ہوں۔" اس کے کال کاٹنے تک وہ آفیسر اس کے پاس پہنچ چکا تھا۔اس کے ہاتھ میں پانی کا ایک گلاس تھا۔

"سر ! آئی تھنک آپ کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔یہ پانی پی لیں۔" اس نے ارمان کی طرف پانی کا گلاس تھمایا۔جسے اس نے سر ہلاتے ہوئے تھام لیا۔وہ ایک سائیڈ پر پڑی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا اور پانی گلے سے نیچے اتارا۔

” تھینک یو۔اب میں ٹھیک ہوں۔اب وہ اسی آفیسر کے ساتھ اندر بڑھنے لگا۔اس آفیسر کا نام ہارون تھا۔

”ہارون !! قاضی صاحب کے فیملی ممبرز ؟“ اس نے سوالیہ انداز میں اس کے ساتھ چلتے آفیسر سے پوچھا۔

” سر ! ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔بیٹی کی شادی ایبروڈ میں ہو چکی ہے۔جبکہ دو بیٹے غیر شادی شدہ ہیں اور رات سے اب تک گھر نہیں پہنچے۔ارمان نے اثبات میں سر ہلایا۔“ ابھی بھی بہت کچھ ایسا تھا۔جو وہ نہیں جانتا تھا۔

”جتنے بھی ثبوت ہیں سارے مجھے دو۔“ اس نے حکمیہ انداز میں کہا تو آفیسر نے سر ہلایا۔

”سر! کوئی ثبوت ملے گا تبھی تو آپ کو دوں گا۔ابھی تک تو کچھ نہیں ملا۔ہر چیز اپنی جگہ پر موجود ہے۔“ وہ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولا تو ارمان کی نظر دیوار پر لگے کیمراز پر پڑی۔وہ اس وقت لاؤنج میں کھڑے تھے۔اس نے کیمرے کی جانب اشارہ کیا۔

”کیمراز کی ریکارڈنگ چیک کرو۔“ اس آفیسر نے اس کے اشارے کے تعاقب میں کیمرے کی جانب دیکھا۔

”سر ! چیک کر چکا ہوں۔کسی نے کیمراز ہیک کیے تھے۔اسی لیے کوئی بھی ریکارڈنگ نہیں مل سکی۔مگر جس نے بھی یہ کام کیا ہے۔بہت ہوشیاری سے کیا ہے۔“ ارمان نے اس کی بات پر سر ہلایا۔کاش! فیصل یہ دماغ تم نے کسی صحیح کام میں لگایا ہوتا!

لاؤنج کی ایک سائیڈ پر گارڈز ایک قطار میں کھڑے ہوئے تھے۔وہ ان کی جانب بڑھا۔

”تم سب کہاں تھے جب یہ سب کچھ ہوا ؟“ وہ کرخت لہجے میں ان سے استفسار کر رہا تھا۔ان سب کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔

”ہیڈ کون ہے ؟ “اس کے پوچھنے پر سب نے ایک جانب کھڑے ایک گارڈ کی جانب اشارہ کیا۔وہ اس کی طرف بڑھا۔

”قاضی صاحب کی حفاظت کرنا تم سب کی ذمہ داری تھی۔کہاں تھے تم سب ؟“ وہ سرد لہجے میں بولا تو اس گارڈ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔

"سر! ہمیں نہیں معلوم کہ ہمارے ساتھ کیا ہوا۔ کھانا کھانے کے بعد ہم سب پر بےہوشی طاری ہو گئی تھی۔اس کے بعد کی ہمیں کوئی خبر نہیں ہے۔" اس کی بات پر ارمان سوچ میں پڑ گیا۔

مطلب یہ کہ کھانے میں کچھ ملایا گیا تھا۔

" اس کا بیان ریکارڈ کرو۔" اس نے ہارون کو کہا تو وہ سر ہلاتا ہوا اس ہیڈ گارڈ کی جانب بڑھا۔اب ارمان چیل سی نظروں سے ہر چیز کا جائزہ لے رہا تھا۔وہ نہیں چاہتا تھا کہ فیصل کے خلاف کوئی ثبوت کسی اور کے ہاتھ لگے۔

فیصل اپنی راکنگ چیئر پر بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا کہ حارث نے گلا کھنکار کر اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کروانی چاہی۔

" ہمم۔" وہ چھت کی جانب دیکھتا بولا۔اس نے کرسی سے اپنا سر ٹکا رکھا تھا۔

"کنزیٰ آج ڈاکٹر اسرا کے گھر جا رہی ہے۔" اس بات پر فیصل نے ٹیک چھوڑ دی۔اور پر سوچ نظروں سے حارث کی جانب دیکھنے لگا۔

”کیا سوچ رہے ہو ؟“ اسے فیصل کی خاموش نگاہوں سے ڈر لگتا تھا۔نہ جانے وہ دماغ میں کیا کیا پلانز بناتا رہتا تھا ؟

”تم بھی بھابھی کے ساتھ جانا۔“ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد فیصل کے منہ سے نکلنے والے جملے نے حارث کو چونکا دیا۔

” میں ؟۔۔۔میں کیا کرنے جاؤں گا ؟“ وہ ہنستے ہوئے بولا تو فیصل نے ایک سنجیدہ نظر اس پر ڈالی۔

”اوکے۔ چلا جاؤں گا۔ مگر کرنا کیا ہے ؟“ اسے فیصل کے ارادے ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔اس کی بات پر فیصل کے چہرے پر ایک معنی خیز مسکراہٹ چھاگئی۔

”وہ بھی بتا دوں گا۔اتنی جلدی کس بات کی ہے ؟“ وہ مسکراتے ہوئے بولا تو حارث نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔

”مجھے معاف کر دو۔ بخش دو۔ کس جنم کا بدلہ لے رہے ہو تم مجھ سے؟ کسی دن مرواؤ گے مجھے۔“اس کی بات پر فیصل کا قہقہہ کمرے کی فضا میں گونج اٹھا۔

" تم میری وجہ سے نہیں بلکہ اپنی حرکتوں کی وجہ سے مرو گے اور یہ جنم وغیرہ کچھ نہیں ہوتا اور ہاں! اب سے تم کسی کو بھی ٹارچر نہیں کرو گے۔" آخر میں اس نے تنبیہ کی تو حارث نے شکی نظروں سے اسے دیکھا۔

" پہلے تو تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔اب اچانک سے اس ڈاکٹر کی وجہ سے یہ خیال تمہارے دماغ میں آیا ہے نا ؟" وہ ناک چڑھاتے ہوئے بولا تو فیصل کا چہرہ بے تاثر ہو گیا۔

"جب میں انہیں عزت سے پکارتا ہوں تو تم کس حیثیت سے انہیں ایسے پکار رہے ہو ؟" وہ سرد لہجے میں بولا تو حارث کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

"سوری! آئیندہ خیال رکھوں گا۔" وہ شرمندہ سا بولا تو اس نے سر ہلایا۔

یہی بہتر ہو گا تمہارے لیے۔"کچھ لمحے کے لیے کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

!سب سے کہو کہ حمید خان کے سارے خاندان کی انفارمیشن نکالیں سوائے منال حمید کے۔" اس کی بات پر حارث چونکا۔

" مگر کیوں ؟ "

”کیونکہ وہ میرے بھائی کی ہونے والی بیوی ہے۔یعنی اس کی عزت۔اور میں اس کے راز دوسرے مردوں کے ہاتھ نہیں لگنے دے سکتا۔“ وہ دو ٹوک لہجے میں بولا تو حارث نے سر ہلایا۔

”چیف تم سے دو دنوں سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔تم ان سے بات کیوں نہیں کر رہے ؟“ اس نے ایجنسی کے چیف کے بارے میں کہا۔اس کی بات پر فیصل مسکرا اٹھا۔

” ابھی میں ان سے بات نہیں کرنا چاہتا۔ان کو چاہیے کہ وہ تھوڑا سا صبر کریں۔“ اس نے محظوظ انداز میں کہا تو حارث کو لگا کہ اس کا دماغ خراب ہو گیا تھا۔

”چیف اور صبر ؟ تم ہوش میں تو ہو؟“ اس کے حیرت سے پوچھنے پر فیصل نے اثبات میں سر ہلایا۔

”بغیر صبر اور مشقت کے اس دنیا میں کچھ نہیں ملتا۔یوسف کو بھی مصر کا تاج تب ملا۔جب انہوں نے کنویں کی تاریکی ، اپنوں کا دھوکہ اور قید کی صعوبتیں برداشت کیں۔“ اس نے عجیب سے افسردہ لہجے میں کہا تو حارث چونک اٹھا۔

”کون ہو تم ؟“ وہ شاکڈ سا بولا تو فیصل کے چہرے پر ایک اداس سی مسکراہٹ چھا گئی۔

” انسان ہوں۔“

" انسان تو ہو۔مگر کیسے انسان ہو ؟ تم گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے ہو۔" اب کی بار فیصل کا قہقہہ فضا میں گونج اٹھا۔

"تم اس پر توجہ نہ دو۔بلکہ گھر جا کر بھابھی کے ساتھ ڈاکٹر اسرا کی طرف جاؤ۔" وہ بولا تو حارث برا سا منہ بناتا وہاں سے چلا گیا۔وہ کبھی بھی اس کو نہیں جان پائے گا۔

یہ سوچ کر کہ غم کے خریدار آگئے

ہم خواب بیچنے ،سر بازار آگئے

اب دل میں حوصلہ نہ سکت بازوؤں میں ہے

اب کے مقابلے پہ میرے یار آگئے

محب کے جانے کے بعد اسرا انہیں باتوں کے بارے میں سوچ رہی تھی۔فیصل نے قتل کیے تھے ،محب کو ڈرانے کے لیے اس پر حملہ کیا تھا۔مگر ایجنسی اس کے ساتھ تھی۔اسے ایجنسی کا سپورٹ اس وقت تک حاصل تھا جب تک وہ منظرِ عام پر نہ آ جائے۔وہ منظر عام پر صرف دو ہی صورتوں میں آ

سکتا تھا۔یا تو وہ خود جان بوجھ کر سب کے سامنے آئے یا پھر پولیس اسے ایکسپوز کرے۔مگر ارمان کو ابھی ان باتوں کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔اس نے اپنا موبائل اٹھایا اور اسے میسج کیا۔

"ارمان ! جب آپ فارغ ہوں تو میرے گھر آ جایئے گا۔" ابھی اس نے موبائل میز پر رکھا ہی تھا کہ کمرے میں بیل کی آواز گونج اٹھی۔موبائل کی سکرین پر ڈاکٹر نیلوفر کا نام جگمگا رہا تھا۔اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ پھیل گئی۔

"السلام علیکم !"وہ پرسکون سی کرسی سے ٹیک لگاتے ہوئے بولی۔

"وعلیکم السلام ! بیٹا فضہ کو کنزیٰ نے انفارم کیا ہے کہ وہ آج ہمارے گھر آ رہی ہے۔بلکہ وہ آنے ہی والی ہے۔تم جلدی سے گھر آجاؤ۔" دوسری جانب سے ڈاکٹر نیلوفر عجلت سے بولیں تو اسرا نے سر ہلایا۔

"اس مصروف بچی کو بھی آخر وقت مل ہی گیا۔" وہ ہنس کر بولی۔

"تم بچی کا مذاق مت بنایا کرو۔میں کھانے کا انتظام دیکھ لوں۔آرام سے آنا۔اللہ حافظ!" وہ آخر میں اسے ہدایت دینا نہیں بھولی تھیں۔

”اللہ حافظ !“ اس نے فون کان سے ہٹا کر لمبی سانس بھری۔آج ڈاکٹر فیصل کی لیو بھی ختم ہو جانی تھی۔اب ناجانے آگے کیا ہونے والا تھا ؟ اس نے اپنی چیزیں سمیٹیں اور باہر کی جانب بڑھ گئی۔اسے گھر جا کر سب سے پہلے فضہ سے بات کرنی تھی۔اسے جاننا تھا کہ کنزیٰ کیوں آ رہی تھی؟؟

وہ پارکنگ لاٹ میں بہت احتیاط سے اپنی گاڑی باہر نکال رہی تھی۔وہاں کافی رش تھا۔جیسے ہی اس نے لیفٹ ٹرن کیا ایک کالی بی۔ایم۔ڈبلیو اس کی گاڑی سے ٹکرائی۔حملہ اتنا شدید نہیں تھا۔بس ہلکی سی ٹکر لگی تھی۔اسرا کا سر سٹیرنگ وہیل پر لگتا لگتا بچا۔دوسری جانب سے گاڑی سے نکلنے والے نوجوان نے اس کی گاڑی کو دیکھ کر اپنا سر تھام لیا۔اس کا دل کیا وہ اپنا سر دیوار میں دے مارے۔وہ دوڑ کر اسرا کے پاس پہنچا۔کوئی اور اسے ایسے بے چینی سے بھاگتا ہوا دیکھتا تو یقیناً بے ہوش ہو جاتا۔

”آئی ایم سو سوری ڈاکٹر اسرا!“ اسرا نے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔وہ اس وقت سفید شرٹ اور کالی پینٹ میں ملبوس تھا۔اسرا کو اس کی سیاہ انکھوں میں ایک الوہی سی چمک نظر آرہی تھی۔

ابھی وہ کچھ اور بولتا اسرا کے دیکھنے پر خاموش ہو گیا۔اسرا اسے بے تاثر نظروں سے دیکھ رہی تھی۔وہ گاڑی سے نکلتی اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔مقابل اسے دیکھتا ساکت رہ گیا۔سفید شلوار قمیص کے

اوپر گرے رنگ کے دوپٹے کے ہالے میں چمکتا چہرہ اس کے دل کی دھڑکن تیز کر گیا۔میک اپ سے پاک چہرہ اس کے دل پر بجلیاں گرا رہا تھا۔اوپر سے اس کی سنہری آنکھیں !

" میں ٹھیک ہوں ڈاکٹر فیصل!! آپ کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا نا آپ کیسے ہیں ؟ " وہ بے تاثر لہجے میں بولی۔ اس نے فیصل کو صبح کی فون کال کے متعلق کچھ بھی نہیں جتایا تھا۔

" میں بھی ٹھیک ہوں۔" اس کی سیاہ ذہین آنکھیں اسرا کی کانچ سی سنہری آنکھوں کو تک رہی تھیں۔وہ بالکل پر اعتماد سا کھڑا تھا۔اس کی بات پر اسرا نے سر ہلایا اور گاڑی کا دروازہ کھولنے لگی۔

" آپ بہت خوبصورت ہیں ڈاکٹر ! " وہ مسکراتے لہجے میں بولا اسرا کے گاڑی کے دروازے کی جانب بڑھتے ہاتھ ساکت رہ گئے۔اسرا کو اس کی جرات پر حیرت ہوئی تھی۔

وہ فیصل کی جانب مڑی اور سخت نظروں سے اسے گھورا۔فیصل اس کا چہرہ اپنی نظروں میں بسائے ہوئے تھا۔

"آپ کو اپنی تعریف سن کر خوشی نہیں ہوئی؟" اس کے مسکرا کر بولنے پر اسرا نے لمبی سانس بھری۔

"ڈاکٹر فیصل! میں کسی نامحرم کی کی گئی اپنی تعریف پر خوش کیوں ہوں گی؟" اس نے سینے پر ہاتھ باندھتے سپاٹ لہجے میں کہا تھا۔فیصل کے مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

"تو محرم بننے دیں نا!" اس کی شیریں لہجے سے کہنے والے جملے پر اسرا سٹپٹا اٹھی۔

"میں محب رضا حسین سے شادی کر رہی ہوں ڈاکٹر فیصل!!" وہ سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔اگر محب یہاں ہوتا تو وہ خوشی کے مارے جھوم اٹھتا۔اس کی بات پر فیصل کے لبوں کی مسکراہٹ تھم گئی۔

"میں اور محب ایک جیسے ہیں۔اس میں اور مجھ میں کوئی فرق نہیں ہے۔" وہ زخمی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تو اسرا کے چہرے پر مدھم مسکراہٹ چھا گئی۔

"ہرگز نہیں۔" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"آپ اور مسٹر محب ایک جیسے نہیں ہیں۔انہوں نے سب کچھ اللہ پر چھوڑا اور آپ سب سے بدلہ لینے نکل پڑے۔آپ میں اور مسٹر محب میں بہت فرق ہے۔" وہ جانے انجانے میں محب کا دفاع کر رہی تھی۔فیصل ایک زخمی مسکراہٹ کے ساتھ اسے سن رہا تھا۔

”جی ! میں غلط تھا۔ مجھ میں محب جیسا ظرف نہیں ہے۔ مگر میں ایک ایسے انسان کو جانتا ہوں۔ جس میں محب سے زیادہ ظرف ہے۔“ وہ اسے دیکھتا ہوا بول رہا تھا۔ اسرا نے اس کی بات پر کوئی تاثر ظاہر نہیں کیا۔

”آپ میں اس سے زیادہ ظرف ہے۔“ اسرا نے اس کی بات پر ساکت نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔ وہ ایسا کیوں کہہ رہا تھا؟

”کیا اس انسان سے زیادہ ظرف والا کوئی ہو سکتا ہے۔ جس نے کسی دوسرے انسان کو اپنے پسندیدہ شخص کے ساتھ اس جگہ دیکھا ہو۔ جہاں اس نے خود ہونے کی خواہش کی تھی۔“ اس کی بات پر اسرا کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے اس کا سانس حلق میں اٹک گیا ہو۔ اس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ ایک لمحے کے لیے اس کی نظروں کے سامنے انان والا منظر آ گیا۔ مگر پھر اس نے اپنا سر جھٹک دیا۔ فیصل غور سے اس کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

”ویسے آپ کو میرے بھائی میں نظر کیا آیا تھا؟“ اس کے تمسخرانہ انداز میں کہنے پر اسرا کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ چھا گئی۔

"جو مجنوں کو لیلیٰ میں ، فرہاد کو شیریں میں اور رانجھے کو ہیر میں نظر آیا تھا۔" اس کی بات پر فیصل نے قہقہہ لگایا۔

"آپ ان فرضی کہانیوں پر یقین رکھتی ہیں۔میں تو سمجھا تھا کہ آپ بہت پریکٹیکل انسان ہیں۔" اسرا اب تیکھی نظروں سے اسے گھور رہی تھی۔

"کہانیوں پر نہیں مگر محبت پر رکھتی ہوں۔" اس کے سادہ سے جملے نے فیصل کو لاجواب کر دیا۔

"اور رہی بات ظرف کی تو۔۔" اس نے لمبا سانس بھرا۔

" زیادہ ظرف اس انسان میں ہوتا ہے۔جس کے سامنے اس کے باپ کی میت پڑی ہو اور اسے کندھا دینے والا کوئی نہ ہو۔" وہ آنکھیں بند کرتی مڑ گئی۔اس سے پہلے وہ گاڑی میں بیٹھتی فیصل اس کی کلائی پکڑ چکا تھا۔مگر اس کی گرفت اتنی مضبوط نہیں تھی۔اسرا اس افتاد پر ساکت رہ گئی۔اس نے حیران نظروں سے فیصل کی جانب دیکھا۔جو سرخ ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"آپ نے میرے بابا کی بات کی ہے؟" وہ وحشت زدہ لہجے میں بولا تو اسرا نے اپنے دوسرے ہاتھ سے اپنے کلائی اس کی گرفت سے آزاد کروائی۔

" انسان کو جب کسی بات کا پسِ منظر نہ معلوم ہو تو اس پر اسے ری ایکٹ نہیں کرنا چاہیے۔" اب اس کے لہجے میں غصہ تھا۔فیصل اپنے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا جسے کچھ دیر پہلے اسرا نے تھاما تھا۔وہ اسے ساکت چھوڑتی گاڑی میں بیٹھ گئ۔جبکہ فیصل بت بنا اس کے جاتی گاڑی کو دیکھ رہا تھا۔

" اس نے کس کی بات کی تھی ؟" کچھ دیر وہاں ساکت رہنے کے بعد اس نے موبائل نکال کر حارث کو میسج کیا۔

"کام ہو گیا ؟" اب وہ اپنی گاڑی کی جانب بڑھ رہا تھا۔ایک لمحے بعد اسے حارث کا میسج موصول ہوا۔

ہو گیا۔"کافی آسان تھا۔" اس کے چہرے پر ایک دل فریب مسکراہٹ چھا گئ۔ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اس نے اپنے سیدھے ہاتھ کو دل کے ساتھ لگایا۔اسے ابھی بھی اپنے ہاتھ پر اسرا کا لمس محسوس ہو رہا تھا۔

وہ گھر پہنچی تو اسے لاؤنج سے آوازیں سنائی دیں۔وہ اسی جانب بڑھی۔وہاں کنزیٰ اور حارث ، ڈاکٹر نیلوفر اور فضہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔حارث کو دیکھ کر اس کے چلتے قدم رک گئے۔یہ یہاں کیا کر رہا تھا ؟

پھر اس نے فضہ کے جانب دیکھا جو کنزیٰ کے ساتھ ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔وہ سیدھا ان کے پاس آئی۔

"السلام علیکم ! " اس نے باآواز بلند سب کو سلام کیا۔جس کا سبھی نے جواب دیا۔پھر وہ کنزیٰ سے گلے ملتی فضہ کے ساتھ بیٹھ گئی۔حارث محتاط سا بیٹھا تھا۔اسے معلوم تھا کہ وہاں ہونے والی ہر چھوٹی سے چھوٹی حرکت پر کسی دوسرے انسان کی نظر تھی۔

"آج آپ کو یہاں آنے کی فرصت کیسے مل گئی؟" اس کے کہنے پر کنزیٰ خفگی سے مسکرائی۔

"بس یار وقت ہی نہیں ملتا۔" اسرا نے اس کی بات" پر سر ہلایا۔

مگر آج میں فضہ کو لینے آئی ہوں۔" اس کی بات پر فضہ اور اسرا نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔

فضہ نے ہلکا سا سر نفی میں ہلایا۔تو اسرا نے اپنی پلکیں جھپکا کر اسے تسلی دی۔

"آپ لوگ پہلے کھانا کھائیں۔اس بارے میں بعد میں بات کرتے ہیں۔" وہ کھڑی ہو گئی۔

"دراصل مجھے فضہ سے کچھ بات کرنی ہے۔فضہ ! میرے ساتھ آئیں۔" حارث خاموش سامع کی طرح ان کی باتیں سن رہا تھا۔ہاسپٹل کے کمرے میں موجود انسان اسرا کے انداز پر مسکرا اٹھا۔کیا دبگ انداز تھا؟ جسے کوئی بھی انکار نہ کر پاتا۔فضہ ایک نظر کنزیٰ پر ڈالتی اسرا کے ساتھ اس کے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔اسرا نے اس کے اندر آنے کے بعد کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔

"کیا چاہتی ہے کنزیٰ ؟" وہ بیڈ پر بیٹھتی فضہ سے پوچھ رہی تھی۔فضہ جو باہر سب کے سامنے مسکرا رہی تھی۔اب اس کے چہرے پر پریشانی نظر آنے لگی۔

" وہ کہتی ہے کہ میری پڑھائی کا حرج ہو رہا ہے اور جوان لڑکی کسی دوسرے گھر میں کتنے دن رہ سکتی ہے۔" وہ اسرا کے ساتھ بیٹھتے افسردگی سے بولی۔

"آپ کیا چاہتی ہیں ؟" وہ اس سے اس کی مرضی جاننا چاہتی تھی۔اس کے سوال پر فضہ سوچ میں پڑ گئی۔وہ کیا چاہتی تھی؟ اگر انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ کیا چاہتا ہے۔تو اس کی زندگی کے آدھے مسئلے حل ہو جاتے ہیں۔

”میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی۔میرے دل کا آپ کے ساتھ ایک عجیب سا کنکشن بن گیا ہے۔

میں اس کنکشن کو توڑنا نہیں چاہتی۔پلیز مجھے مت جانے دیں۔“ اسرا کو اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں

میں اس سے دور جانے کا ڈر نظر آ رہا تھا۔اس نے ایک لمحے کے اندر اندر فیصلہ کر لیا۔

”کوئی آپ کو آپ کی مرضی کے خلاف یہاں سے نہیں لے کر جا سکتا۔“ وہ دو ٹوک لہجے میں بولی تو

فضہ

نے اس کی جانب مشکور نظروں سے دیکھا۔

”آپ جائیں میں 10 منٹ میں فریش ہوں کر آتی ہوں۔“ وہ واش روم کی جانب بڑی تو فضہ بھی

سرلاتے ہوئے باہر چلی گئی۔

شعلے اٹھتے ہیں اگر دل میں ،نہ آنسو روکو

آگ لگ جائے تو لازم ہے بجھائی جائے

ان کی تصویرِ ستم کیوں نہ دکھائی جائے

منظرِ عام پہ یہ شکل بھی لائی جائے

کھانا کھانے کے بعد وہ سب لاؤنج میں آ بیٹھے۔ڈاکٹر نیلوفر حارث سے اس کے کام کے متعلق پوچھ رہی تھیں اور وہ دل ہی دل میں فیصل کو کوس رہا تھا۔اس نے ایک جانب لگی پینٹنگ کی طرف دیکھ کر مسکین سا چہرہ بنایا۔

دوسری جانب اپنے کمرے میں بیٹھے فیصل کا اسکا چہرہ دیکھ کر قہقہہ چھوٹ گیا۔اس نے حارث کو وہاں ایک کیمرہ لگانے کا کہا تھا۔جو اس نے لگا دیا تھا۔اب وہ آسانی سے وہاں کا منظر اپنے لیپ ٹاپ کی سکرین پر دیکھ سکتا تھا۔

"کنزیٰ ! تم ابھی فضہ کو مت لے کر جاؤ۔" اسرا کے سوچ کر بولنے پر کنزیٰ اور حارث چونک اٹھے۔

"مگر کیوں ؟ اسے یہاں رہتے ہوئے اتنے دن ہو گئے ہیں۔" وہ نہیں چاہتی تھی کہ لوگ باتیں بنائیں

۔

"بیٹا ! یہاں کون سا کوئی مرد ہے۔جس کی وجہ سے لوگ باتیں بنائیں گے۔" ڈاکٹر نیلوفر اس فیصلے میں اسرا کے ساتھ تھیں۔

”اور اس کی پڑھائی ؟“ اس کی بات پر اسرا نے پر سوچ نظروں سے فضہ کی جانب دیکھا۔

”میں کل ڈرائیور کو بھیجوں گی۔اس کی بکس وغیرہ دے دینا۔یہ یہیں سے یونیورسٹی جایا کرے گی۔“

کنزیٰ اسرا کی بات پر جھنجھلا اٹھی۔

”مگر اسرا!۔۔“

”کنزیٰ ! میں یہیں رہنا چاہتی ہوں۔“ ابھی وہ کچھ کہتی کہ فضہ نے اس کی بات کاٹی۔کنزیٰ اس کی بات پر خاموش رہ گئی۔

”اچھا بھئی ! جو کرنا ہے کرو۔“

”بیٹا اسرا ! ٹھیک کہہ رہی ہے۔تم نے تو اپنی آرٹ گیلری چلے جانا ہوتا ہے۔اور اس بچے نے اپنے آفس۔پیچھے سے یہ بیچاری بچی اکیلی ہو جائے گی۔ایسے میں اسے ڈر تو لگے گا نا !“ ڈاکٹر نیلوفر کنزیٰ کو نرم لہجے میں سمجھا رہی تھیں۔جس پر اس نے سمجھنے کے انداز میں سر ہلایا۔حارث خاموش سا بیٹھا تھا ۔پھر اس نے گھڑی کی جانب دیکھا۔

”کنزیٰ ! کافی وقت ہو گیا ہے۔چلیں۔“ وہ بولا تو کنزیٰ اس کی جانب متوجہ ہو گئی۔

"اوکے آنٹی، اسرا! ہم چلتے ہیں۔" پھر وہ فضہ کے پاس آئی اور اسے گلے لگایا۔

"اپنا خیال رکھنا اور کسی کو تنگ مت کرنا۔" کنزیٰ اس سے گلے ملتی حارث کے ساتھ باہر نکل گئی۔

اسرا ابھی اپنے کمرے کی جانب بڑھنے ہی لگی تھی۔ کہ اس کی نظر مشرقی دیوار پر لگی ایک پینٹنگ پر گئی۔ اسے وہ پینٹنگ ٹیڑھی سی لگ رہی تھی۔ وہ پینٹنگ مختلف رنگوں کے امتزاج سے بنا ایک ایبسٹریکٹ آرٹ تھا۔ وہ اس پینٹنگ کو غور سے دیکھتی دیوار کی جانب قدم بڑھا رہی تھی۔

دوسری جانب موجود فیصل نے ایک لمحے کے لیے اپنی آنکھیں میچ لیں۔

کہیں انہیں شک تو نہیں ہو گیا؟

اب وہ بالکل اس پینٹنگ کے نزدیک کھڑی اسے سیدھا کر رہی تھی۔ دوپٹے سے نکلنے والی لٹیں اس کے چہرے پر جھول گئیں۔ فیصل نے محویت سے وہ منظر دیکھا تھا۔

پینٹنگ سیدھی کرنے کے بعد اس نے ایک نظر اس پر ڈالی اور آہستہ آواز میں بولی۔

"پرفیکٹ۔" اس پر فیصل کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"جی بالکل پرفیکٹ۔"

اب اسرا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

فیصل ہاسپٹل سے سیدھا ایف۔ایچ آیا تھا۔

اس وقت حارث اور فیصل آرگنائزیشن میں فیصل کے آفس میں بیٹھے ہوئے تھے۔فیصل کی نگاہیں لیپ ٹاپ پر نظر آتے منظر پر تھیں۔مگر پھر اس نے لیپ ٹاپ کی سکرین گرا دی کیونکہ وہاں کوئی دیکھنے لائق منظر اسے نظر نہیں آرہا تھا۔اس کے دماغ میں اسرا کی باتیں گردش کر رہی تھیں۔

اس نے کچھ سوچتے ہوئے سر پر ہاتھ رکھا۔

"کیا ہوا ؟ " حارث جو کب سے اس کے الجھے ہوئے تاثرات دیکھ رہا تھا۔بلآخر بول ہی پڑا۔اس کی بات پر فیصل نے چونک کر حارث کی جانب دیکھا۔

"ڈاکٹر اسرا کے والد کون تھے ؟ ان کے بارے میں انفارمیشن نکالو۔مجھے 10 منٹ کے اندر اندر ان کے بارے میں ہر انفارمیشن چاہیے۔" وہ سرد لہجے میں بولا تو حارث سر ہلاتا اپنے روم کی جانب بڑھ گیا۔اس سے کوئی امید بھی نہیں رکھی جا سکتی تھی۔کہ کب کیا کردے۔

پیچھے فیصل بے چینی سے کمرے سے میں ٹہل رہا تھا۔اسرا کس کی بات کر رہی تھیں؟ بابا کی میت کو کندھا دینے کے لیے تو انکل موجود تھے نا ! اب وہ حارث کا انتظار کر رہا تھا۔

کچھ دیر بعد حارث اپنا لیپ ٹاپ پکڑے اس کے پاس آیا۔فیصل اب کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔

"انفارمیشن نکالی ؟" اس کی بات پر حارث نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا۔فیصل کو اس کے چہرہ پر دکھ نظر آ رہا تھا۔

"بتاؤ۔"

" ریلیکس ہو جاؤ۔ڈاکٹر اسرا کے والد یاسر نقوی تھے۔وہ ایک بزنیس مین تھے۔ان کا تین سال پہلے انتقال ہوا ہے۔" فیصل پوری توجہ سے اس کی بات سن رہا تھا۔

"انا للہ وانا الیہ راجعون۔" اس نے زیر لب کہا۔

"کیسے انتقال ہوا ؟ " حارث لیپ ٹاپ کی سکرین پر نظریں دوڑا رہا تھا۔

"ہارٹ اٹیک سے۔" فیصل اس کی بات پر سوچ میں پڑ گیا۔

"مسز نقوی نے ان کے بزنس کے شئیرز سیل کر کے ہاسپٹل بنا لیا تھا۔" یہ بات تو فیصل کو بھی معلوم تھی۔

" ان کی میت کو کندھا کس نے دیا تھا ؟" کچھ دیر بعد اس نے اپنے آپ کو کہتے سنا۔اس کی بات پر حارث ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گیا۔

" بتاؤ۔" وہ دھاڑا۔

"محلے کے چند افراد نے۔" فیصل نے اپنی آنکھیں زور سے میچ لیں۔اسے اسرا کا درد اپنے سینے میں محسوس ہو رہا تھا۔

"ارمان اور نعمان نے کیوں نہیں دیا؟" اب کی بار بار وہ پر ملال لہجے میں بولا۔

" دونوں ہی یہاں نہیں تھے۔" اس کے جواب پر فیصل کو ان دونوں پر انتہا کا غصہ آیا۔مگر وہ ضبط کر گیا۔

"اس دنیا میں تو تھے نا ؟ مر تو نہیں گئے تھے!!" اس کی بات پر حارث نے مصنوعی معصومیت سے شانے اچکائے۔

" مجھ پر کیوں غصہ اتار رہے ہو؟ اس میں میرا کیا قصور ہے ؟ " فیصل نے اسے سخت نظروں سے

گھورا۔

"اگر میرے عتاب کا شکار نہیں بننا چاہتے تو چلے جاؤ یہاں سے۔" حارث برا منہ بناتا وہاں سے چلا گیا

۔

جبکہ پیچھے فیصل نے اپنا چہرہ میز پر رکھ دیا۔اسے اب ندامت ہو رہی تھی کہ اس نے اسرا سے ایسے

بات کیوں کی؟ مگر پھر اس کے ہاتھ نے دل کے درد پر مرہم رکھ دیا۔

اسرا نے نماز پڑھنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر معمول کی طرح اپنے بابا کے لیے دعا مانگی۔وہ تو اس کی

دعاؤں میں ہمیشہ سے ہی شامل رہے تھے۔

"اللہ جی ! بابا کو بتائیے گا کہ ان کی بیٹی انہیں بہت یاد کرتی ہے۔روز ان کے لیے دعائیں مانگتی

ہے۔وہ وہاں ٹھیک ہیں نا اللہ جی !" آنسو اس کے رخسار پر بہہ رہے تھے۔

”اللہ جی! آپ میرے بابا کی مغفرت فرمایئے گا۔وہ بہت اچھے انسان تھے۔انہوں نے کبھی بھی کسی کا برا نہیں چاہا تھا۔مگر آپ تو سب کچھ جانتے ہیں نا؟“ وہ ہچکیوں کے درمیان بول رہی تھی۔

” اللہ جی ! میں جانتی ہوں کہ ان کی قسمت میں اتنی عمر ہی لکھی تھی۔مجھے کوئی گلہ نہیں ہے۔آپ بس انہیں جنت فردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمایئے گا۔آمین !“

چہرے پر ہاتھ پھیر کر اس نے لمبے سانس بڑھتے ہوئے اپنا تنفس درست کیا۔پھر وہ بیڈ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

ابھی کچھ دیر ہی گزری تھی کہ موبائل کی بیل کی آواز کمرے میں گونج اٹھی۔اس نے بیزاریت سے موبائل کی جانب دیکھا۔پھر ہاتھ بڑھا کر سائیڈ ٹیبل سے اسے اٹھایا۔سکرین پر محب کا نام جگمگا رہا تھا۔

” السلام علیکم !“ اس کی آواز رونے کی وجہ سے بوجھل تھی۔اس کی آواز سنتے دوسری جانب خاموشی چھا گئی۔

مسٹر محب ! آپ نے اگر نہیں بولنا تو میں کال کاٹ دوں ؟“ اس کا دل عجیب سا ہو رہا تھا۔وہ کسی سے بھی بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

"ڈاکٹر آپ روئی ہیں؟" اسرا جو کال کاٹنے ہی لگی تھی اس کی بات سنتی رک گئی۔ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ محب کو اس کا لہجہ سمجھ میں نہ آئے؟

مگر وہ اس بات کا جواب نہیں دینا چاہتی تھی۔

"آپ روئی ہیں نا؟ مجھے پتہ ہے آپ روئی ہیں۔بتائیں کس نے آپ کو کچھ کہا ہے؟ اس کا حشر نہ بگاڑ دیا تو میرا نام بھی محب رضا حسین نہیں۔" وہ پر شدت لہجے میں بولا تو اسرا نے لمبا سانس بھرا۔

"مسٹر محب! ریلیکس ہو جائیں۔مجھے کسی نے بھی کچھ نہیں کہا۔" اس نے اپنی آواز کو حتی المقدور نارمل رکھنے کی کوشش کی۔

"پھر آپ کو رونے کا شوق ہے؟ میں آپ کو پہلے بتا رہا ہوں۔آپ کے اس شوق کے علاوہ سارے شوق پورے کروں گا۔" محب کے اس طرح بولنے پر اسرا مسکرا اٹھی۔

کچھ لمحوں کے لیے ہی صحیح مگر محب اس کا دھیان بھٹکانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

"ڈاکٹر اسرا!" کچھ لمحوں کے بعد وہ بولا تو اسرا چونکی اور اپنے سر پر چپت لگائی۔

"جی۔" وہ آہستہ سا بولی۔

"آپ کو کیا پسند ہے ؟"

"کیا مطلب کیا پسند ہے ؟" اس کے پوچھنے پر وہ ناسمجھی سے بولی تو محب سوچ میں پڑ گیا۔

" مطلب جیولری میں۔۔۔یا کھانے میں !" وہ سوچ سوچ کر بول رہا تھا۔

"کیوں ؟آپ کیوں پوچھ رہے ہیں ؟ " وہ بولی تو محب نے اپنی پیشانی پر سے پسینہ صاف کیا۔

"بتا دیں ڈاکٹر اسرا ! کب سے دھوپ میں کھڑا ہوں۔" اس کے بیچارگی سے بولنے پر اسرا کا ماتھا ٹھنکا۔

"کیوں کھڑے ہیں آپ دھوپ میں ؟ "

"اسرا ! جو میں پوچھ رہا ہوں وہ بتائیں۔" اس کا بس چلتا تو وہ ابھی اندر چلا جاتا۔

"میں نہیں بتا رہی۔" وہ دو ٹوک لہجے میں بولی تو محب نے خفگی سے سر جھٹکا۔

"پھر مجھے کچھ مت کہیے گا۔اور ہاں آپ نے۔۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔اگر وہ پوچھ بھی لیتا تو اسرا نے کون سا بتا دینا تھا۔

"مسٹر محب ! اپنی بات مکمل کیجئے۔" اس کی بات پر محب کے چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی۔

”ڈاکٹر اسرا! ذرا اپنی بالکنی سے نیچے سڑک پر نظریں دوڑائیں۔“ اس کی بات پر اسرا نے حیرانی سے پہلے موبائل کی طرف اور پھر بالکنی کی جانب دیکھا۔

اوہ شٹ !! مطلب وہ باہر کھڑا تھا۔وہ جوتا پہنتی بالکنی کی جانب بڑھی۔سڑک پر دیکھنے پر اسے محب اپنی گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا نظر آیا۔محب نے اسے دیکھتے وہیں سے ہاتھ ہلایا۔

”ہیلو ڈاکٹر اسرا ! اس کی بات پر اسرا تپ اٹھی۔

” مسٹر محب ! آپ یہاں کیا کر رہے ہیں ؟ اپنے گھر جائیں۔“ اس کی بات پر محب مسکرایا۔

” جی ڈاکٹر ! جا رہا ہوں۔مجھے جو دیکھنا تھا۔وہ میں دیکھ چکا ہوں۔“وہ مسکراتے ہوئے بول رہا تھا۔

” فی امان ! اللہ اپنا خیال رکھیے گا۔“

اس نے کال کاٹ دی اور اسرا کو دیکھتے ہوئے گاڑی کے اندر بیٹھ گیا۔اسرا نے حیرانی سے اس کی گاڑی کو وہاں سے جاتا ہوا دیکھا۔اسے محب کا وہاں آنے کا مقصد سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

قدم قدم پہ لطف ہم اٹھانے لگ گئے

حیات حادثے حسین بنانے لگ گئے

سیاہی ہر سو پھیل جب گئی دیار میں

صراط جگنو کچھ ہمیں دکھانے لگ گئے

وہ ڈاکٹر نیلوفر کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ نماز ادا کر رہی تھیں۔کچھ دیر اس نے وہاں انتظار کیا

۔کتنا پر سکون منظر تھا وہ !

جب انہوں نے نماز مکمل پڑھ لی تو وہ ان کے پاس نیچے بیٹھ گئی۔

”مما! میں نہال کی طرف جا رہی ہوں۔ماں جی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“ اس نے ان کے پر نور

چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا اٹھیں۔

”جاؤ بچے ! بلکہ ایسا کرو فضہ کو بھی ساتھ لے جاؤ۔بچی گھر میں رہتی بور نہ ہو جائے۔“ ان کے کہنے

پر اسرا نے سر ہلایا۔

” اللہ حافظ ! ہم کچھ دیر تک واپس آ جائیں گے۔“ وہ مسکراتی ہوئی ان کے کمرے سے باہر نکل گئی۔

"مگر اسرا! میں وہاں جا کر کیا کروں گی؟" اسے وہاں جانا عجیب لگ رہا تھا۔ابھی اس کے اندر سے لوگوں کا ڈر مکمل طور پر نہیں گیا تھا۔اسرا اس کے سامنے کھڑی تھی۔جبکہ وہ بیڈ پر تکیے کو گود میں رکھے بیٹھی تھی۔

"جو میں کروں۔وہ آپ بھی کر لینا۔" وہ بھی اسے وہاں لے کر جانا چاہتی تھی۔

"مگر اسرا۔۔"

"اسرا وسرا کچھ نہیں۔آپ میرے ساتھ چل رہی ہیں۔آپ نے وعدہ کیا تھا کہ آپ میری ہر بات مانیں گی۔" وہ خفگی سے بولی تو فضہ بے بس ہو گئی۔

"آپ لوگوں کو قابو کرنا اچھے سے جانتی ہیں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی تو اسرا مسکرا اٹھی۔

"نہیں ! میں لوگوں کو قابو نہیں کرتی۔لوگ خود اپنی چابیاں مجھے تھماتے ہیں۔" وہ مبہم سا بولی تو فضہ کو اس کی بات کی سمجھ نہیں آئی۔

" چابیاں ؟ کون سی چابیاں ؟" اب وہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑی تھیں۔

" آپ کو نہیں معلوم لوگوں کی چابیاں کیا ہوتی ہیں؟" اس کے پوچھنے پر فضہ نے نفی میں سر ہلایا۔

”ان کے ایموشنز۔ ان کی کمزوریاں ! لوگ اپنی کمزوریاں مجھے خود تھماتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے میرے پاس مجھ سے جڑے ہر انسان کی چابیاں ہیں۔“ہاں ! وہ اپنے سے جڑے ہر انسان کی کمزوری کے بارے میں جانتی تھی۔ مگر وہ انہیں استعمال نہیں کیا کرتی تھی۔

”مطلب آپ بہت خطرناک ہیں۔ آپ سے بچ کر رہنا چاہیے۔“ وہ متاثر کن لہجے میں بولی تو اسرا نے نفی میں سر ہلایا۔

”میں اس وقت تک ان کمزوریوں کو استعمال نہیں کرتی۔ جب تک لوگ مجھے مجبور نہ کریں۔ اس لیے آپ بے فکر رہیں۔“ وہ اندر سے ایک بالکل مختلف انسان تھی۔ جس کی اپنی حدود تھیں۔ جس نے اس کی حدود کو توڑا اس انسان کو بہت پچھتانا پڑتا تھا۔

اب فضہ حجاب کر رہی تھی۔

” میں آپ کے جیسی کیسے بن سکتی ہوں؟“ اس کی بات پر اسرا کی مسکراہٹ تھم گئی۔

”فضہ ! ہر انسان خاص ہوتا ہے اور کوئی انسان کامل نہیں ہوتا۔ شاید مجھ میں کچھ خامیاں ہوں اور آپ میں کچھ ایسی خوبیاں ہوں جو آپ کو نظر نہ آتی ہوں۔“ وہ اسے سمجھاتے ہوئے بول رہی تھی۔

”آپ یہ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ آپ میں خامیاں ہیں؟“ وہ حجاب کرتی اس کی جانب مڑی۔

”فضہ! ہر انسان کو اپنے آپ کا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیا ہے ؟ اگر وہ خود سے قبول نہ بھی کرے۔ پھر بھی اس کے اندر کے ایک حصے کو اپنی خامیوں کا اچھے سے ادراک ہوتا ہے۔“ وہ جانتی تھی کہ اس کے اندر کون سے جھول تھے۔ مگر اس نے کبھی ناشکری نہیں کی تھی۔وہ اپنے خامیوں کو دل سے قبول کرتی تھی۔

” اس لیے کسی انسان کی طرح بننے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ہو سکتا ہے وہ جیسا دکھتا ہو اصل میں ویسا نہ ہو۔اسرا فضہ نہیں بن سکتی اور فضہ اسرا نہیں بن سکتی۔ہر انسان اپنے آپ میں منفرد ہوتا ہے۔“ اس کی بات پر فضہ مسکرائی۔

” ویسے میں ایک بات سوچ رہی تھی۔“ وہ اپنے پیشانی پر انگلی رکھتے ہوئے بولی۔

”کیا سوچ رہی تھی آپ؟“ اب وہ باہر کی جانب بڑھ رہی تھیں۔

” یہی کہ آپ کو موٹیویشنل اسپیکر ہونا چاہیے تھا۔“

اس کے بعد پر اسرا کھکھلا کر ہنسی۔اسے اکثر لوگ یہی کہا کرتے تھے۔

"اللہ نے جو چاہا وہ میں بن گئی۔" اب وہ گھر سے نکل کر ساتھ والے گھر میں داخل ہو رہی تھیں۔

"السلام علیکم !" وہ سیدھا ماں جی کے کمرے میں گئیں۔ماں جی بستر پر لیٹی ہوئی تھیں۔جبکہ باقی سب ان کے ارد گرد موجود تھے۔ارمان ان کے پاؤں دبا رہا تھا۔جبکہ نہال اور نعمان ان کے پاس بیٹھے تھے۔اور باباجان صوفے پر پریشان سے بیٹھے تھے۔

"وعلیکم السلام !"فضہ صوفے پر بیٹھ گئی۔جبکہ اسرا ماں جی کے پاس آئی۔ماں جی ہوش میں تھیں۔

"کیسی ہیں آپ ؟" وہ ان کی جانب دیکھتی مسکرا کر بولی تو انہوں نے ہلکا سا سر ہلایا۔

"ٹھیک ہوں بچے ! بیٹھ جاؤ۔" ان کی آواز سے ہی نقاہت ظاہر ہو رہی تھی۔وہ ان کے پاس پڑی خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔ان سب کے چہرے پر پریشانی چھائی ہوئی تھی۔

نعمان نے ایک نظر فضہ کی جانب دیکھا۔اسی لمحے فضہ کی نظر بھی اس پر پڑی۔ایک ثانیے کے لیے دونوں کی آنکھیں ٹکرائیں۔مگر اگلے ہی لمحے نعمان نے اپنا سر جھٹک دیا۔وہ کم از کم یہاں سب کی موجودگی میں اسے تک نہیں سکتا تھا۔

”کیا ہوا تھا ؟ “اسرا اب نہال کی جانب متوجہ تھی۔جو ماں جی کی ایک طرف افسردہ سے بیٹھی تھی۔

” وہی ہائی بلڈ پریشر۔“ اس کی بات پر اسرا نے سر ہلایا۔وہ لوگ ماں جی کا علاج بہت اچھے ڈاکٹروں سے کروا رہے تھے۔مگر پھر بھی ان کو افاقہ نہیں ہو رہا تھا۔

”اللہ آپ کو صحت عطا فرمائے۔آمین۔!“ اسی لمحے ارمان کھڑا ہو گیا۔

”اسرا ! مجھے تم سے بات کرنی ہے۔کیا تم باہر آ سکتی ہو ؟ “ سب ارمان اور اسرا کی جانب دیکھ رہے تھے۔اسرا کو سمجھ آگئی تھی کہ وہ یقیناً فیصل کے متعلق بات کرنا چاہتا تھا۔اس لیے وہ سر ہلاتی کھڑی ہو گئی۔

”ہم ابھی آتے ہیں۔“ ارمان یہ کہتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔جبکہ اسرا بھی اس کے پیچھے باہر گئی۔

اب وہ دونوں لمبی راہداری کے ایک سرے پر کھڑے تھے۔

”کیا بتایا محب نے ؟“ وہ بے چینی سے بولا۔آج کے دونوں واقعات نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ایک قاضی ذوالفقار کے قتل نے اور دوسرا ماں جی کی خراب طبیعت نے۔

"بتایا تو بہت کچھ ہے۔مگر میں ایسے نہیں بتا سکتی۔وہ سب باتیں سننے کے لیے سکون اور ٹھنڈے دماغ کی ضرورت ہے۔" اسرا کی بات پر اسے فیصل کی بات یاد آگئی۔یہ سائیکالوجسٹ ٹھنڈے دماغ کی باتیں ہی کیوں کرتے تھے!!

"ٹھنڈے دماغ کو مارو گولی۔۔" اسی لمحے نعمان اس کے پیچھے آکر کھڑا ہو گیا۔

"اگر دماغ کو گولی لگ گئی تو انسان زندہ کیسے رہے گا؟" وہ فلسفانہ انداز میں بولا تو ارمان نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"اسی لیے کہہ رہی تھی کہ پرسکون ماحول کی ضرورت ہے۔آپ ایسا کیجئے گا رات کو میرے گھر آجائیے گا۔" وہ ارمان کو دیکھتی بولی تو نعمان نے گلا کھنکار کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

"اسرا! آپ مجھے کیوں بھول جاتی ہیں؟" وہ شکوہ کرتے ہوئے بولا تو اسرا ہلکا سا مسکرائی۔

"کیا تم میرے بلائے بغیر نہیں آؤ گے؟" اب وہ سینے پر ہاتھ دھرے چہرے پر مسکراہٹ سجائے اس سے پوچھ رہی تھی۔نعمان کھسیانہ سا ہنسا۔

”آؤں گا۔آپ مجھے نہ بھی بلائیں میں پھر بھی آؤں گا۔“ وہ ایک ہقین سے بولا تو اسرا نے اپنا ابرو اٹھایا۔

”تم لوگ اپنی باتیں بعد میں کرنا۔پہلے میری بات دھیان سے سنو۔“ وہ آہستہ آواز میں بولتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔نعمان اور اسرا کو دال میں کچھ کالا لگا۔

”جی سنایئے۔“ اسرا اپنے مخصوص انداز میں بولی۔

” قاضی ذوالفقار کا قتل فیصل نے کیا ہے۔“وہ انتہائی رازدارانہ انداز میں بولا تو نعمان کی چینخ گلے سے نکلتے نکلتے بچی۔

”او مائی گاڈ ! آپ سچ کہہ رہے ہیں ؟ “ وہ بے یقینی سے بولا تو ارمان نے اثبات میں سر ہلایا۔

”میری آج اس سے بات بھی ہوئی ہے۔قتل اسی نے کیا ہے۔“ اسرا اس کی بات پر سوچ میں پڑ گئی ۔

”ابھی آپ اتنا مت سوچیے۔رات کو میرے پاس آ کے ساری بات جان لیجئے گا۔ابھی بہت کچھ ایسا ہے۔جس کا علم آپ دونوں کو نہیں ہے۔ابھی اندر چلتے ہیں۔سب شک کر رہے ہوں گے۔“ وہ ایک

ہی سانس میں بولتی کمرے کی جانب بڑھ گئی۔جبکہ ارمان اور نعمان اسرا کی بات پر غور کرتے آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہے تھے۔

وہ گھر پہنچیں تو شام کا وقت ہونے والا تھا۔ڈاکٹر نیلوفر لان میں بیٹھی تھیں۔وہ دونوں بھی انہیں کے پاس آگئیں۔

" السلام علیکم ! " ان دونوں نے ان کی پشت کی طرف کھڑے ہو کر زور سے سلام کیا۔مگر وہ نہیں ڈریں۔وہ دونوں پیر پٹختے ہوئے ان کے سامنے پڑی کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔

" آپی کی طبیعت کیسی تھی ؟" ان کے سامنے چائے کا خالی کپ پڑا تھا۔

" بس ٹھیک تھی۔کافی کمزور لگ رہی تھیں۔"

" نجمہ !" انہوں نے نجمہ کو آواز دی۔جو کچھ دیر بعد دی وہاں پہنچ گئی۔

" جی بڑی بی بی! " وہ ہاتھ باندھے ان کے سامنے کھڑی تھی۔

”ان کے لیے بھی چائے بناؤ۔“ابھی نجمہ اندر جانے ہی لگی تھی کہ چوکیدار نے بیرونی دروازہ کھولا۔

انہوں نے حیرت سے اس طرف دیکھا۔ایک کالی گاڑی گیٹ کے اندر سے داخل ہو رہی تھی۔

اسرا ایک نظر میں ہی اس گاڑی کو پہچان چکی تھی۔یہ یہاں کیا کر رہے تھے؟

ڈاکٹر نیلوفر کھڑی ہو گئیں اور اس گاڑی کی جانب بڑھیں جو پورچ میں رک چکی تھی۔اس کے اندر سے ایک نوجوان اور ایک ادھیڑ عمر عورت باہر نکلی۔ڈاکٹر نیلوفر اس عورت اور نوجوان دونوں کو جانتی تھیں۔وہ مسز رضا تھیں اور وہ لڑکا تو وہی تھا جو کچھ دن پہلے ہی ان کے گھر آیا تھا۔اسرا ساکت سی وہاں کھڑی رہ گئی۔

ڈاکٹر نیلو فر مسز رضا سے مل رہی تھیں۔جبکہ محب کے ہاتھوں میں ایک سجی ہوئی ٹوکری تھی۔اسرا ساکت نظروں سے وہ منظر دیکھ رہی تھی۔

اس نے ایک نظر اپنے آسمانی نیلے رنگ کے شلوار قمیص کی جانب ڈالی اور ایک نظر محب کے نیلے سوٹ کی جانب۔وہ نیلے شلوار قمیص میں کف کو کوہنیوں تک موڑے کافی خوبصورت لگ رہا تھا۔

” اف !!“ وہ اس کے سوٹ کا رنگ دیکھنے آیا تھا۔بھلا کوئی انسان ایسا بھی کرتا ہے !!

ڈاکٹر نیلوفر اب انہیں ڈرائنگ روم کی بجائے لاؤنج میں لے گئیں۔انہوں نے اسرا اور فضہ کو وہاں کھڑا ہوا نہیں دیکھا تھا۔

فضہ اب معنی خیز نظروں سے اسرا کی جانب دیکھ رہی تھی۔

فضہ منہ پر ہاتھ رکھ کر مسکراتے ہوئے کھنکاری تو اسرا نے اسے گھورا۔

" اچھا نا ! میں تو کچھ نہیں کہہ رہی۔بس جیجا جی کی تیاری دیکھ رہی تھی۔" وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولی۔

"فضہ ! " اسرا دانت پیستے بولی تو فضہ خاموش ہو گئی۔

" ویسے انہیں کیسے پتہ لگا کہ آپ نے بلو ڈریس پہنا ہوا ہے۔" تھوڑی دیر بعد اس کی زبان پر کھجلی ہوئی۔ اسرا کو اب سب سے پہلے اپنا ڈریس چینج کرنا تھا۔اس سے پہلے وہ اندر جاتی۔اسے نجمہ اپنی جانب اتی دکھائی دی۔

"چھوٹی بی بی ! آپ کو بڑی بی بی بلا رہی ہیں۔" اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔اسے یہ سب کچھ بہت عجیب سا لگ رہا تھا۔نجمہ کے جانے کے بعد فضہ اسرا کے کان میں بولی۔

" چلیں دلہن بی بی !! "

”فضہ ! مجھے بہت عجیب لگ رہا ہے۔“ اس کی بات پر فضہ نے اپنے سر پر ہاتھ مارا۔

” پہلی دفعہ جیجا جی اپنے سسرال آئے ہیں۔ آپ کو ضرور جھجک محسوس ہو رہی ہوگی۔“ اب کی بار اسرا نے اسے سخت نظروں سے دیکھا تھا۔

”پہلی بار نہیں دوسری دفعہ۔اور ابھی وہ لوگ رشتہ لائے ہیں بارات نہیں۔“ فضہ اسے ابھی سے جیجہ جی بنائے بیٹھی تھی۔

” آج رشتہ لائے ہیں۔کل منگنی ہوگی اور پھر بارات بھی لے کر آئیں گے نا۔میں نے تو ابھی سے انہیں اپنا جیجا جی مان لیا ہے۔“وہ تو جیسے شادی تک کے پلانز بنائی بیٹھی تھی۔اس کی بات پر اسرا نے نفی میں سر ہلایا۔

”مجھے منگنی نہیں کرنی۔“ وہ دونوں ابھی بھی لان میں کرسیوں کے پاس کھڑی تھی۔فضہ نے نا سمجھی سے اسرا کی جانب دیکھا۔

”وہ کیوں؟“ اسرا نے لمبا سانس بھرا۔

” بتائیں نا! لڑکیوں کے سو ارمان ہوتے ہیں منگنی سے متعلق اور آپ کہہ رہی ہیں کہ آپ نے منگنی نہیں کرنی۔“ وہ جاننا چاہتی تھی کہ منگنی جیسی رسم سے اسرا کو کیا اختلاف تھا ؟

”فضہ! منگنی ایک پائیدار رشتہ نہیں ہے۔ لوگ ایک دن منگنی کرتے ہیں۔ دوسرے دن توڑ دیتے ہیں۔“ وہ مدھم لہجے میں اسے سمجھا رہی تھی۔

” پھر پائیداد کیا ہے ؟ “

”نکاح۔۔ نکاح پائیدار اور ایک حلال تعلق ہے۔“ ہاں ! اسے منگنی جیسی رسم میں کوئی دلچسپی نہیں تھی

۔

”مگر جو لوگ طلاق دے دیتے ہیں وہ ؟“ اس کے دماغ میں بہت سے خیالات جنم لے رہے تھے۔

”وہ ان کا ذاتی فعل ہوتا ہے۔ ہم کسی کی ذاتی زندگی کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے اور کم از کم ان کا تعلق طلاق سے پہلے حلال ہوتا ہے۔“ وہ نکاح پر یقین رکھتی تھی۔

” مگر کچھ لوگ تو باوفا ہوتے ہیں منگنی بھی کرتے ہیں اور پھر نکاح بھی کرتے ہیں۔“ اس کے دماغ سے یہ الجھن ختم ہی نہیں ہو رہی تھی۔ اسرا اس کی بات سنتی مسکرائی۔

”فضہ ! میں باوفا اور بے وفا کی تو بات ہی نہیں کر رہی۔“ اس کی بات پر فضا نے ناسمجھی سے اس کی جانب دیکھا۔

”میں تو بات ہی حلال اور حرام کی کر رہی ہوں۔یہ باوفا اور بے وفا کی باتیں تو بہت بعد کی ہیں۔“

” آپ منگنی کو حرام کہہ رہی ہیں؟“ اس کی بات پر اسرا نے نفی میں سر ہلایا۔

”نہیں فضہ ! میں حرام نہیں کہہ رہی۔میں اپنی ابزرویشنز بتا رہی ہوں۔منگنی حرام نہیں ہوتی مگر کچھ لوگوں نے اسے نکاح کی طرح ہی اہمیت دینی شروع کر دی ہے۔“ اب فضہ دھیان سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

” منگنی ٹھیک ہے۔مگر اس وقت تک جب تک لوگ اپنی حد پار نہ کریں۔“ اس کی بات پر فضہ نے سر ہلایا۔اسی وقت نجمہ دوبارہ اگئی۔

”چھوٹی بی بی ! آجائیں۔“

”ہم آ رہے ہیں۔آپ جائیں۔“

" چلیں اسرا! میرے جیجا جی آپ کو دیکھنے کے لیے بے تاب ہو رہے ہیں۔اسرا اس کی بات کو نظر انداز کرتی اندر بڑھ گئی۔

اندر لاونج میں ڈاکٹر نیلوفر مسز رضا کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں۔جبکہ محب کی بے چین نظریں اسے ہی ڈھونڈ رہی تھیں.

" السلام علیکم ! " وہ سلام کرتی لاونج میں داخل ہوئی۔تو مسز رضا مسکرا اٹھیں۔

" وعلیکم السلام! بیٹا اؤ بیٹھو۔" انہوں نے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ محب تو مسکراتی نظروں سے اسے ہی تک رہا تھا۔جس کے چہرے پر الجھن دکھائی دے رہی تھی۔ فضہ بھی ایک جانب صوفے پر بیٹھ گئی۔اسرا کے بالکل سامنے محب بیٹھا تھا۔سامنے پڑی میز پر پھولوں سے سجی ہوئی ٹوکری پڑی تھی۔جس میں نہ جانے کیا کچھ بھرا پڑا تھا۔

"پورے دو گھنٹے لگا کر محب نے آپ کے لیے یہ چیزیں خریدی ہیں۔" مسز رضا نے ٹوکری کی جانب اشارہ کیا تو وہ ہلکا سا مسکرائی۔تو اس لیے اس کی پسند پوچھی جا رہی تھی۔۔۔اس نے نظریں اٹھا کر

محب کی جانب دیکھا۔جو اسے ہی تک رہا تھا۔اس کے دیکھنے پر محب نے سر کو ہلکا سا خم دیتے ہوئے اپنا ابرو کھجایا تو اسرا نے اپنا سر جھٹک دیا۔

دوسری جانب فیصل یہ منظر دیکھ کر جل رہا تھا۔اس کے سینے میں درد سا اٹھنا شروع ہو گیا۔اسے اچھے سے سمجھ آ رہا تھا کہ محب اپنی ماں کو اسرا کے گھر کیوں لے کے گیا تھا۔

مگر وہ ایسا نہیں ہونے دے گا۔وہ ایسا ہرگز نہیں ہونے دے گا۔وہ بے چینی سے اٹھا اور اپنی ساری چیزیں زمین بوس کر دیں۔اس کا غصہ قابو میں نہیں آ رہا تھا۔

محب کیسے اسرا کے لیے رشتہ لے کر جا سکتا تھا۔

" وہ صرف میری ہیں !" وہ اونچی آواز میں دھاڑا۔

"صرف میری ! کوئی مجھے ان سے جدا نہیں کر سکتا۔میں یہ دنیا جلا دوں گا۔سب کو تباہ و برباد کر دوں گا۔" وہ وحشت زدہ لہجے میں دھاڑ رہا تھا۔

پھر اس نے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیر کر غصے کو قابو کرنے کی کوشش کی۔

"ریلیکس فیصل ! ریلیکس۔" اس نے لمبا سانس بھرا اور سائیڈ ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھایا۔وہ ایک ہی سانس میں سارا پانی پی گیا۔اب وہ لیپ ٹاپ کی سکرین کو سرخ آنکھوں سے گھور رہا تھا۔جہاں محب اسرا کو دیکھتا سر کو ہلکا سا خم دے رہا تھا۔اس نے سکرین سے نظریں ہٹائیں اور حارث کا نمبر ملایا۔

دوسری جانب حارث نے کال اٹھانے کے بعد جو جملہ اس کے لبوں سے سنا اس پر وہ کھڑا ہو گیا۔

"کیا کہا تم نے؟" اسے لگا کہ اس نے کچھ غلط سنا تھا۔فیصل نے دوبارہ سے وہی جملہ دہرایا تو اس کا دماغ گھوم اٹھا۔

"تم ہوش میں تو ہو ؟" وہ اس وقت لان میں کھڑا تھا۔کنزیٰ چائے لینے گئی ہوئی تھی۔

"میں اپنے پورے ہوش و حواس میں ہوں۔ اگر تم نے میری بات نہیں مانی تو نہ مانو میں خود ہی انہیں کہہ دیتا ہوں۔" اس کے سرد لہجے سے بولنے پر وہ بوکھلا اٹھا۔

"تم محب کے بارے میں بات کر رہے ہو نا ؟" اس نے ایک دفعہ دوبارہ پوچھنا ضروری سمجھا۔

" ہاں! میں محب رضا حسین کی بات کر رہا ہوں۔" اب وہ لیپ ٹاپ کی سکرین پر بھولے سے بھی نظر نہیں ڈال رہا تھا۔

" اچھا میں انہیں بھیج دیتا ہوں۔" حارث نے لمبا سانس بھرتے ہوئے کہا تو فیصل کے چہرے پر سرد سے مسکراہٹ چھا گئی۔

یہی بہتر ہو گا۔" یہ کہہ کر اس نے کال کاٹ دی۔ دوسری جانب حارث کسی کا نمبر ملا رہا تھا۔

میری نگاہ سے تو دور ہے ،دل و جاں سے پر تو قریب ہے

یہ فراق ہے نہ وصال ہے ، تیری شفقتوں کا یہ حال ہے

تجھے زندگی میں کیا ملا ؟صرف عشق ہی تو نہیں زندگی

تو نہ خوف کر اس بات کا ، تیرے دشمنوں کی یہ چال ہے

"اسرا بیٹا !محب کو گھر دکھاؤ۔" ڈاکٹر نیلوفر کی بات پر اسرا نے اپنی آنکھیں گھمائیں۔ وہ انہیں یہ نہیں کہہ پائی کہ گھر دکھانے والا بہانہ کافی پرانا ہو چکا تھا۔ محب کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

" ہاں محب بیٹا! جاؤ اسرا کے ساتھ۔"محب مسکراتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ وہ تو کب سے تیار بیٹھا تھا۔ فضہ معنی خیزی سے مسکرائی۔ جبکہ اسرا بھی بادل ناخواستہ تھا محب کو گھر دکھانے کے لیے تیار ہو گئی۔

"آئیں۔" وہ لاونج سے نکل گئی۔جبکہ محب بھی اس کے ساتھ باہر نکلا۔اب وہ لمبی راہداری میں چل رہے تھے۔

" آپ کو سرپرائز کیسا لگا ؟" محب آہستہ آواز میں بولا۔تو اسرا نے گردن موڑ کر اپنے دائیں جانب چلتے محب کو دیکھا۔وہ دونوں ایک ہی رنگ کے لباس میں ملبوس تھے۔

"آپ میرے ڈریس کا کلر دیکھنے آئے تھے نا ؟"اسرا کے پوچھنے پر وہ ہنسا۔

" بالکل ! اگر میں آپ سے پوچھتا تو آپ نے نہیں بتانا تھا اس لیے آگیا۔" وہ بے نیازی سے شانے اچکاتے بولا تو اسرا نفی میں سر ہلاتی رہ گئی۔

" آپ۔۔۔آپ نا۔۔۔" ابھی وہ بول ہی رہی تھی کہ محب نے اس کی بات کاٹ ڈالی۔

"جی ! مجھے معلوم ہے میں عجیب ہوں، میں پاگل ہوں اور میرا دماغ بھی خراب ہے۔" اب وہ راہداری مڑ رہے تھے۔راہداری کے سرے پر ایک آدمی کی تصویر لگی ہوئی تھی۔

"یہ کون ہیں؟ " وہ اس تصویر کو دیکھتا رک گیا۔اسرا نے اس کی بات پر تصویر کی جانب دیکھا اور اداسی سے مسکرائی۔

" میرے بابا ! یاسر نقوی۔" وہ مسکراتے ہوئے بول رہی تھی۔مگر اس کی آنکھوں میں محب کو ایک درد نظر آیا۔

" اب کہاں ہیں یہ ؟ " اس کے سوال پر اسرا ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گئی۔

" وہاں جہاں سے واپسی ممکن نہیں۔" وہ لمبا سانس بھرتی بولی تو محب کو اس کا درد اپنا سا لگا۔

" انا للہ وانا الیہ راجعون۔اللہ انہیں جنت میں اعلی مقام عطا فرمائے۔آمین! " وہ مدھم لہجے میں بولا۔

"آمین۔" وہ دونوں اب یاسر نقوی کی تصویر کے سامنے کھڑے تھے۔تصویر میں وہ کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھے تھے۔

" آپ کو ان کی یاد تو آتی ہو گی؟" اسرا کی آنکھوں میں نمی چھا گئی۔وہ انہیں کیسے بھول سکتی تھی؟

"کیا آپ کو اپنے بابا کی یاد نہیں آتی ؟ " وہ نم لہجے میں بولی تو محب نے اپنی آنکھیں میچ لیں۔

" آتی ہے۔"

"پھر مجھ سے یہ سوال کیوں پوچھا ؟" آج وہ ان کی کمزور سی اسرا، ڈاکٹر اسرا یاسر بن چکی تھی۔ جس کو دیکھنے کی خواہش یاسر نقوی نے ہمیشہ سے کی تھی۔ وہ آج ایک کمزور لڑکی نہیں بلکہ ایک مضبوط ڈاکٹر، اسرا یاسر تھی۔

"بس ویسے ہی۔" اسرا سر جھٹک کر اہداری مڑ گئی۔

"لان میں چلیں ؟" محب کے بولنے پر اس نے سر ہلایا اور لان کی جانب بڑھ گئی۔

لان میں موتیہ اور چمبیلی کی مدھم مہک پھیلی ہوئی تھی۔ محب نے وہاں آ کر لمبا سانس بھرا۔ ملگجے سے اندھیرے میں کھڑے وہ دونوں کسی داستان کے حسین کردار لگ رہے تھے۔ ان دونوں کے درمیان ایک پرسکون سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ان کی نظریں آسمان کی جانب تھی۔ اسرا اس کی موجودگی میں پرسکون محسوس کیا کرتی تھی۔ اس انسان کے گرد ایک پرسکون سا ہالہ تھا۔

"ڈاکٹر اسرا !" بلآخر اس نے اپنی خاموشی توڑ دی۔ اسرا نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"صبر کیا ہوتا ہے ؟" وہ کھوئے سے انداز میں بولا۔ اسرا کو سمجھ نہیں آئی کہ وہ اس وقت اس سے صبر کے متعلق کیوں پوچھ رہا تھا۔

”برداشت۔“ اسرا نے یک لفظی جواب دیا تو محب نے اس کی جانب دیکھا۔اس کی سرمئی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

” اسرا ! یہ تو چھوٹے سے بچے کو بھی معلوم ہوگا کہ صبر کا مطلب برداشت ہوتا ہے۔میں آپ سے پوچھ رہا ہوں۔ڈاکٹر اسرا یاسر سے۔“ اسے اسرا سے کچھ الگ سننا تھا۔اس کی بات پر اسرا کے چہرے پر مسکراہٹ چھاگئی۔

” مشکلات میں صبر سے کام لینا۔مگر مسٹر محب! مشکلات کیا ہوتی ہیں ؟ “ اس نے ایک لمحے کا توقف لیا۔یقیناً وہ اس سے سوال نہیں کر رہی تھی۔

”مشکلات وہ نہیں ہوتی جنہیں ہم خود اپنے دماغ میں بناتے رہتے ہیں کہ یہ ہو گیا تو کیا ہوگا ؟ وہ ہو گیا تو کیا ہوگا۔یہ مشکلات نہیں وسوسے ہیں ! مشکلات تو وہ ہوتی ہیں جو آپ کی پیشانی کو سجدے میں جھکنے پر مجبور کر دیں۔“ چاند کی روشنی میں نظر آتی اسرا محب کو کوئی اپسرا الگ رہی تھی۔

" اور مشکلات ہمارے مقدر میں لکھی ہی اس لیے جاتی ہیں کہ ہم اللہ سے نزدیک ہو جائیں۔جب انسان مشکل میں ہو اور کوئی اس کی مدد نہ کر پائے اور پھر بھی اسے یقین ہو کہ اللہ اس کے ساتھ ہے۔اس کی مدد فرمائے گا۔یہ ہے صبر۔"

" مگر لوگ سمجھتے ہیں کہ صبر کا مطلب یہ ہے کہ کوئی آپ پر ظلم کرے اور آپ چپ چاپ اسے سہتے جائیں۔اصل صبر یہ نہیں ہوتا۔"چاند کی مدھم روشنی میں وہ بولتی لڑکی محب کو اپنے دل کے قریب محسوس ہو رہی تھی۔

"ظلم کے خلاف طاقت رکھنے کے باوجود بھی آواز نہ اٹھانا صبر نہیں ہے۔مگر آواز اٹھانے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ لوگوں کو قتل کرنے لگ جاؤ۔" محب کے دماغ میں فیصل کا خیال آیا۔اس نے تو آواز نہیں بلکہ ہاتھ اٹھائے تھے۔کیا وہ غلط تھا؟

"پھر صبر کیا ہوا؟"

" مسٹر محب! ظالم کے خلاف آواز اٹھانے کے بعد بھی اگر آپ کچھ نہ کر پائیں۔پھر ہر چیز کو برداشت کرنا صبر کہلاتا ہے۔" اس کی بات پر محب مسکرایا۔اسے اس کے سوال کا جواب مل چکا تھا۔

"آپ کو برا تو نہیں لگا ؟" اس کی بات پر اسرا نے سوالیہ انداز سے محب کی جانب دیکھا۔

"کس لیے ؟ " اندھیرا ہر سو پھیل رہا تھا۔

"میں آپ کو بنا بتائے ہی آگیا۔" اسرا خاموشی سے کرسی سے اٹھی اور اندر کی جانب بڑھ گئی۔محب حیرانی سے اسے جاتا دیکھ رہا تھا۔وہ کیوں چلی گئی؟ کہیں ناراض تو نہیں ہو گئی؟

اس کے اندر جانے کی کچھ دیر بعد لان روشنیوں سے جگمگا اٹھا۔یقیناً وہ لائٹس آن کرنے گئی تھی ۔اسرا کچھ دیر میں واپس آگئی۔

"بتائیں نا ! آپ کو برا تو نہیں لگا؟" وہ واپس کرسی پر بیٹھ گئی۔اسرا نے اس کی بات پر نفی میں سر ہلایا۔

"کسی نہ کسی دن تو یہ ہونا ہی تھا۔" وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

"ویسے اگر میں نے پنک یا ریڈ کلر کا ڈریس پہنا ہوتا تو؟" وہ اپنا ابرو اٹھاتے ہوئے بولی تو مجھے ہلکا سا مسکرایا۔اب وہ دونوں مصنوعی روشنیوں کی وجہ سے ایک دوسرے کو واضح طور پر دیکھ سکتے تھے۔

"تو میں بھی اسی کلر کی شرٹ یا سوٹ پہن آتا۔" وہ مسکراتا ہوا بولا تو اسرا نے اپنا سر پکڑ لیا۔

"آپ۔۔"

" جی میں بہت عجیب ہوں۔" اس نے سر کو خم دیتے ہوئے اس کی بات مکمل کی۔اسرا یہی تو کہنے والی تھی۔

" اسرا ! مجھے ایک بات کی سمجھ نہیں آئی۔" وہ پرسوچ انداز میں بولا۔

"کس بات کی ؟ "

"آپ اتنی رحم دل ہیں۔۔" اس کی بات پر اسرا نے اپنی انکھیں گھمائیں رحم دل ؟

"آپ کے اندر لوگوں کے لیے بہت احساس ہے۔پھر آپ نے اپنا فری کلینک کیوں نہیں کھولا ؟"

اس کے سوال پر اسرا مسکرائی تھی۔

" فری کیوں ؟ "

"تاکہ غریب لوگ بھی آپ کے پاس علاج کروانے آ سکیں۔" اسرا کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

"مسٹر محب ! آپ نے کسی غریب ماں کو اپنے بچے کو کسی سائیکالوجسٹ کے پاس لے کر جاتے دیکھا ہے؟ " اسے اچھے سے معلوم تھا کہ اسے کیا جواب دینا تھا۔

" اگر ان کے بچے کے دماغ کو کوئی مسئلہ ہے تو وہ سائیکالوجسٹ کے پاس نہیں بلکہ کسی پیر بابا کے پاس جاتے ہیں۔" اس کی بات پر محب چونکا۔

!پیر بابا کے پاس کیوں ؟ " وہ حیرانی سے بولا۔

"کیونکہ ان کے مطابق بچے کو دماغ کا مسئلہ نہیں بلکہ اس پر جن کا سایہ ہے۔" اس کی بات پر محب کا قہقہہ فضا میں گونج اٹھا۔

"جن ہاہاہا! "

"جی مسٹر محب! جن ! میں مانتی ہوں جن ہوتے ہیں۔ مگر وہ لوگ اپنے ہر مسئلے کو جن کے ساتھ ایسوسییٹ کر دیتے ہیں۔ ان کی نظر میں یہ ڈپریشن، ڈس آرڈرز کچھ نہیں ہوتے۔" وہ بہت تحمل سے اسے سمجھا رہی تھی۔

"اور رہی بات امیر لوگوں کی تو وہ وہاں ہرگز نہیں جائیں گے جہاں فری کا بورڈ لگا ہوگا۔"وہ انتہائی خوبصورت انداز میں اپنا موقف اس پر واضح کر چکی تھی۔

"مجھے پتہ ہے کیا لگ رہا ہے؟" اس کے پوچھنے پر عسریٰ نے سوالیہ انداز میں ابرو اٹھائے۔

”کہ ہماری ساری زندگی انہی سوالوں جوابوں میں ہی گزر جائے گی۔“ وہ اپنا ابرو کھجاتے ہوئے بولا

تو اسرا نے مسکرا کر اپنے شانے اچکائے۔

”میں نے آپ کے لیے بہت سی چیزیں لی ہیں۔آپ نے تو اپنی پسند نہیں بتائی تھی۔مگر پھر میں اپنی پسند سے لے آیا۔“ اس نے پورے دو گھنٹے لگا کر اس لیے شاپنگ کی تھی۔

”ویسے مجھے لیڈیز کے لیے شاپنگ کرنے کا کوئی تجربہ تو نہیں ہے۔مگر آپ پھر بھی ان پر نظر کرم ڈال لیجیے گا۔“ وہ بولا تو اسرا نے مسکراتے کوئے اثبات میں سر ہلایا۔ابھی وہ کچھ اور بولتا انہیں اندر سے فضہ ان کی جانب آتی دیکھائی دی۔

”کیسے ہیں آپ جیجا جی!“ وہ اسرا کو تنگ کرتے ہوئے بولی۔

”الحمداللہ! میں بالکل ٹھیک ہوں۔آپ کیسی ہیں سالی صاحبہ !“ اسرا حیرانی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

”ایک منٹ۔آپ لوگ ابھی سے ایک دوسرے سے رشتہ جوڑ رہے ہیں۔“ اس کی بات پر وہ دونوں مسکرائے

"دلہن صاحبہ! اندر آپ کی شادی کی بات چل رہی ہے۔ذرا دلہن کی طرح ری ایکٹ کریں۔ذرا شرمایئے۔" اسرا نے اسے گھورا۔وہ کیوں شرمائے ؟

"میں نہیں شرما رہی۔" اس کے تن کر بولنے پر ان دونوں کا قہقہہ فضا میں گونج اٹھا۔

فیصل ماہی بے آب کی طرح اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔اور ہر دوسرے منٹ کے بعد لیپ ٹاپ کی سکرین پر نظریں بھی دوڑا رہا تھا۔جہاں پر محب اور اسرا کب سے غائب تھے۔اور وہ دونوں عورتیں ان کی شادی کی باتیں کر رہی تھی۔وہ ایسا نہیں ہونے دے گا۔

ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس کے موبائل کی بیل بجی۔نمبر دیکھ کر اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ چھا گئی۔اس نے فون کان کے ساتھ لگایا۔

" ہو گیا کام ؟" دوسری جانب سے ملنے والے جواب پر وہ دل کھول کر ہنسا۔

"ویری گڈ۔تمہیں انعام ملے گا۔" اس نے یہ کہتے ہوئے کال کاٹ دی۔اور اب پرسکون سا لیپ ٹاپ کی سکرین کے آگے بیٹھ گیا۔اب اسے محب کو بھوکھلاتے ہوئے دیکھنا تھا۔

۔۔۔۔

"کیوں؟" ابھی اسرا کچھ بولتی کہ محب کا فون بج اٹھا۔اس نے دیکھا تو گھر کے چوکیدار کا نمبر تھا۔وہ ان سے ایکسکیوز کرتا ایک سائڈ پر آگیا۔

"السلام علیکم !" دوسری جانب سے اسے جو خبر سننے کو ملی اس نے اس کے ہوش اڑا دیے۔

" آپ فکر مت کریں۔ہم آ رہے ہیں۔" وہ بکھلاتے ہوئے بولا اور کال کاٹ کر دی۔

"ڈاکٹر اسرا ! مجھے جانا ہوگا۔" اس کے چہرے پر پریشانی چھائی ہوئی تھی۔

"مگر کیا ہوا ؟" فضہ خاموش تھی۔

"کسی نے گھر پر حملہ کر دیا ہے۔" اب وہ تینوں اندر کی جانب بڑھے۔جہاں ڈاکٹر نیلوفر اور مسز رضا خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔

"مام ! ہمیں گھر جانا چاہیے۔" اس کی بات پر مسز رضا نے حیرانی سے اس کی جانب دیکھا۔جسے آنے کی بھی جلدی تھی اور جانے کی بھی۔

"مگر کیوں ؟" دوسری جانب لیپ ٹاپ کی سکرین پر یہ منظر دیکھتا فیصل مسکرا اٹھا۔وہ یہی تو چاہتا تھا۔

"مام گھر پر حملہ ہوا ہے۔ابھی چلیں میرے ساتھ۔"

ڈاکٹر نیلوفر بھی اس کی بات سنتی پریشان ہو گئیں۔

"اللہ حافظ!" وہ سب سے ملتے اپنے گھر کی جانب روانہ ہو گئے۔

حرفوں کا دل کانپ رہا ہے لفظوں کی دیوار کے پیچھے

کس قاتل کا نام لکھا ہے لفظوں کی دیوار کے پیچھے

کروٹ لے کر ایک قیامت جاگنے والی ہے اب شاید

کہنے کو ایک سناٹا ہے لفظوں کی دیوار کے پیچھے

وہ گھر پہنچے تو بیرونی گیٹ کھلا ہوا تھا۔وہ گاڑی اندر لے گیا۔لان کی حالت ناقابلِ بیان تھی۔سارے پودے جڑوں سے اکھڑے پڑے تھے۔محب سرد تاثرات سے وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔جبکہ مسز رضا

کے دل میں ہول اٹھ رہے تھے کہ یہ سب کچھ کس نے کیا تھا؟ محب کو شک سا ہو رہا تھا کہ یہ کام آخر کس کا تھا؟

اندر پورچ میں چوکیدار اور کچھ ملازمین زخمی حالت میں کھڑے تھے۔وہ گاڑی سے نکلتا ان کی جانب بڑھا۔اس کے تاثرات تنے ہوئے تھے۔

”کون تھے وہ لوگ ؟“ وہ اپنی مٹھیاں بھینچے پوچھ رہا تھا۔

” پتہ ۔۔۔پتہ نہیں سر۔پانچ چھ لوگ تھے اور وہ سب کچھ تباہ کر کے چلے گئے۔“ چوکیدار سر جھکائے بولا۔اسے محب کی لہو ٹپکاتی سرمئی آنکھوں سے خوف سا محسوس ہو رہا تھا۔

اب وہ سر ہلاتا اندر داخل ہوا۔کوئی بھی چیز اپنے مقام پر موجود نہیں تھی۔ایل سی ڈی زمین پر چکنا چور پڑی تھی۔شیشے کی میز ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکی تھی۔پینٹنگز دیوار کی بجائے زمین بوس ہو چکی تھیں۔کسی نے سب کچھ تباہ کر ڈالا تھا۔مگر وہ خاموش تھا۔اس کی خاموشی آنے والے کسی طوفان کی پیش گوئی کر رہی تھی۔مسز رضا کو حیرت ہو رہی تھی کہ وہ اب تک خاموش کیوں تھا؟

وہ دوڑ کر اندر کمروں کی جانب بڑھا۔ مگر کمروں کی ساری چیزیں اپنی جگہ پر موجود تھیں۔ کسی نے کمرے میں قدم بھی نہیں رکھا تھا۔ اس نے اپنے لب بھینچ لیے۔ اس کا شک یقین میں بدل چکا تھا۔

اب وہ واپس مسز رضا کے پاس آیا جو صوفے پر اپنے سر کو تھامے بیٹھی تھیں۔

"مام! آپ اپنے کمرے میں جائیں۔ اور ٹینشن مت لیں۔ میں یہ سب کچھ دیکھ لوں گا۔" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔ مسز رضا کو کسی انہونی کا اندیشہ ہو رہا تھا۔ وہ سر ہلاتی کمرے کی جانب بڑھنے لگی تو وہ بولا۔

"مام! میں کل سے آفس جوائن کر رہا ہوں۔" مسز رضا کو حیرت کا جھٹکا لگا۔ یہ اچانک کیسے تیار ہو گیا؟ مگر اچھا ہی ہوا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے بیٹا! میں بہت خوش ہوں۔" وہ اس کے پاس آتی ہوئی اسے گلے لگا گئیں۔ محب کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے مسکراہٹ چھا گئی۔ اب اسے سب کچھ ٹھیک کرنا تھا۔ اب وہ سب کو بتائے گا کہ محب رضا حسین کس بلا کا نام ہے؟ کچھ لوگ اسے کمزور سمجھنے لگ گئے تھے۔

" آپ جائیں اور آرام کریں۔" مسز رضا مسکراتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔اب انہیں اس خسارے کا کوئی ملال نہیں تھا۔ان کے جاتے ہی اس کی مسکراہٹ تھم گئی۔اس نے ایک نظر ان کے کمرے کے بند دروازے کی جانب ڈالی اور پھر دھاڑا۔

" اکرم !" وہ چوکیدار کو آواز دے رہا تھا۔اس نے ایک نظر ٹوٹی بکھری چیزوں پر ڈالی۔اب وہ اس خستہ حال لاؤنج میں قمیص کے کف موڑے ٹہل رہا تھا۔کچھ ہی دیر میں چوکیدار وہاں آگیا۔

" لوگوں کو بلواؤ۔مجھے کل تک یہ سب کچھ ٹھیک چاہیے۔" وہ انگلی اٹھاتا اسے حکم دے رہا تھا۔اکرم آج ایک مختلف محب کو دیکھ رہا تھا۔یہ ان کا نرم مزاج مالک نہیں تھا۔

"جی مالک! اور کوئی حکم ؟" وہ اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

"ہاں! سب سے پہلے سب کی مرہم پٹی کرواؤ۔میں ڈاکٹر کو بلواتا ہوں۔"

"جی مالک !" محب نے پھر اپنے فیملی ڈاکٹر کو فون کیا۔جو کچھ ہی دیر میں وہاں پہنچ چکا تھا۔

اس کے بعد وہ اپنے کمرے میں آگیا۔شاور لینے کے بعد وہ سادہ سے حلیے میں آئینے کے سامنے کھڑا کچھ سوچ رہا تھا۔اب وہ کچھ پرسکون تھا۔اب محب اس انسان کا نمبر ملا رہا تھا جس نے اسے ہر حال

میں پر سکون رہنا سیکھایا تھا۔ دوسری جانب وہ بھی شاید اسی کی کال کا انتظار کر رہا تھا۔ محب خاموشی سے اس کے بولنے کا انتظار کر رہا تھا۔

” تم نے کسی کو سرپرائز دیا۔ میں نے تمہیں دے دیا۔“

اس کی بات پر محب نے لمبا سانس کھینچا۔ اس نے فیصل کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ فیصل کو اس کی خاموشی کچھ غیر معمولی سی لگی۔

”میں نے کہا تھا نا کہ اسرا سے دور رہو۔“ فیصل بولا تو محب کی بھنویں سکڑ گئیں۔

”فیصل احمد ! میرا نام محب رضا حسین ہے۔ تم یہ بات بار بار کیوں بھول جاتے ہو؟ “ وہ سرد لہجے میں بولتا اسے ایک لمحے کے لیے خاموش کر گیا۔

”میں تمہاری کسی بھی چال سے بے خبر نہیں ہوں۔“ وہ دانت پیستے ہوئے ایک ایک جملے پر زور دیتا ہوا بولا۔

” میں تمہیں مار ڈالوں گا۔“ فیصل کی بات پر محب کا وحشت زدہ قہقہہ کمرے کی فضا میں گونج اٹھا۔

”کھوکھلی دھمکیاں کسی اور کو دینا۔محب رضا حسین ان سے ڈرنے والا نہیں ہے۔“ گیلے بال اسکی صبیح پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔اب وہ ریلیکس سا کاؤچ پر بیٹھ گیا۔

” میں ایسا کر سکتا ہوں۔“ فیصل دھاڑا۔

”ریلیکس فیصل ! کیا تم اپنی ہی باتیں بھول گئے کہ غصے میں دماغ کو ٹھنڈا رکھنا چاہیے۔“ وہ ٹھنڈے ٹھار لہجے میں بولا تو فیصل نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔

” آج جو تباہی میں نے مچائی ہے نا وہ صرف ٹریلر تھا۔“ اب کی بار اس کا لہجہ متوازن تھا۔محب اپنی ٹانگ جھلاتا اس کی بات سن رہا تھا۔

”ہاں ! مجھے ڈرانے کا ٹریلر تھا۔مگر یہ بات جان لو۔میں پیچھے نہیں ہٹوں گا۔باخدا ! اگر تم مجھ سے اسرا یاسر کے سوا کچھ بھی مانگتے تو تمہارے آگے وہ چیز پیش کر دیتا۔مگر تم تو مجھ سے میری سانسیں مانگ رہے ہو۔“ وہ آخر میں گمبھیر لہجے میں بولا تو فیصل کا دماغ گھوم اٹھا۔

”تو اپنی جان دے دو۔“ اس کے بولنے پر محب زخمی انداز میں مسکرایا۔

”مر تو جاؤں گا۔ مگر اسرا کو تمہارے حوالے کر کے قبر میں بھی سکون سے نہیں رہ پاؤں گا۔“ وہ اذیت ناک لہجے میں مسکراتا ہوا بولا۔

”میں انہیں خوش رکھوں گا۔“ اس کی بات پر محب کی سرمئی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

” تم ایک ایسی راہ پر چل رہے ہو جہاں تمہارے ساتھ چلنے والے ہر انسان کے مقدر میں بھی تباہی لکھی جائے گی اور تم کہہ رہے ہو کہ تم انہیں خوش رکھو گے! تمہارا کوئی انجام نہیں ہے شاید موت بھی نہیں۔“ وہ سرد لہجے میں انتہائی سخت الفاظ بول رہا تھا۔ مگر وہ الفاظ جتنے بھی سخت سہی مگر تھے تو سچ ہی۔ اور یہ بات فیصل بھی جانتا تھا۔ وہ اس کی باتیں سنتا گنگ رہ گیا۔ اس میں کچھ بھی بولنے کی سکت رہی ہی نہ تھی۔

” بتاؤ! چھوڑ سکتے ہو ان کی خاطر اپنا انتقام ؟ “ اس کے سخت لہجے پر فیصل نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ ایک لمحے میں اس کی نگاہوں کے سامنے اس کا جلتا ہوا گھر آگیا۔ وہ جنت جسے اس کے باپ اور اس کی ماں نے سجایا تھا۔ پھر اگلے ہی لمحے اسرا کا مسکراتا چہرہ اس کے سامنے آ گیا۔ مگر پھر اس کے

باپ کے چہرے نے بازی لے لی۔ اس نے اپنے سرخ آنکھیں کھولیں۔ مٹھیاں بھینچ لیں۔ چاہے دل اور دماغ کی جنگ میں جو مرضی جیتے مگر ہار ہمیشہ اس انسان کی ہوتی ہے۔

وہ ایک عجیب سی کشمکش میں مبتلا تھا۔

"بتاؤ اسرا کے لیے چھوڑ سکتے ہو اپنے انتقام کو ؟ افنان انکل کے قاتل کو، ہزاروں معصوموں کے گنہگاروں کو۔۔؟" بس یہاں پر فیصل ہار گیا ہاں وہ ہار چکا تھا۔

" نہیں ! میں نہیں چھوڑ سکتا۔"وہ زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔ آنسو ٹوٹ کر چہرے پر بہہ نکلے۔

" میں اس دلاور شاہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ میں اس کے ساتھیوں کو نہیں چھوڑ سکتا۔ میں پچھتاوے کے بوجھ کو اپنے کندھوں پر رکھے نہیں جی سکتا۔" اس کے لہجے میں اتنا درد تھا کہ ایک لمحے کے لیے محب خاموش ہو گیا۔

" پھر اسرا کا پیچھا چھوڑ دو۔" وہ کچھ دیر بعد تن کر بولا تو فیصل نے اپنے آنسو صاف کیے۔ کیا وہ اسرا کو چھوڑ سکتا تھا ؟

" نہیں چھوڑوں گا۔آخری دم تک ان کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔تم مجھے نہیں روک سکتے۔" اس کی بات پر محب کا سر گھوم گیا۔وہ اتنی دیر سے فضول میں اتنے سخت جملات بول رہا تھا۔

"مطلب تم ان کو بھی خطرے میں ڈالنا چاہتے ہو ؟ " اس کی موبائل پر گرفت مضبوط ہوتی چلی گئی۔ ہاتھوں کی سبز اور نیلی رگیں نظر آنے لگیں۔

" محب رضا حسین ! فیصل احمد میں اتنی طاقت ہے کہ وہ اسرا یاسر کی حفاظت کر سکے۔" اس نے جبڑے بھینچتے ہوئے کہا۔

" اور محب رضا میں بھی اتنی ہمت ہے کہ وہ ان کے لیے پوری دنیا سے لڑ جائے۔" وہ سرد لہجے میں بولا۔

" ایک چال تم نے چلی۔اب ایک چال میں چلوں گا۔" محب کو معلوم تھا کہ اسے آگے کیا کرنا تھا ؟ بس اسے کل صبح کا انتظار تھا۔

"تمہاری ہر ِچال کے لیے فیصل احمد تیار ہے۔"وہ پورے یقین کے ساتھ بولا تو محب مسکرا اٹھا۔

”مگر اس چال کے لیے ہرگز نہیں۔اور ہاں پہلے اپنے دشمنوں سے نپٹ لو۔بعد میں مجھ سے لڑنا۔یہ نہ ہو کہ انتقام بھی ادھورا رہ جائے اور محبت بھی۔“ وہ استہزائیہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔

”میں کسی بھی چیز کو ادھورا نہیں چھوڑتا۔“وہ بولا تو محب کے تاثرات سرد ہو گئے۔

”تم نے اپنے آدمیوں کو میرے گھر بھیج کر بہت بڑی غلطی کی ہے۔“ پھر اس نے لمبا توقف لیا۔اب کی بار وہ بولا تو اس کا لہجہ برف کی مانند سرد تھا۔

”فیصل احمد ! اب اگر تمہارے پالتو کتوں نے میرے گھر کا رخ کیا تو باخدا ! میں انہیں بھوکے شیروں کے آگے ڈالنے میں بالکل بھی دیر نہیں کروں گا۔“ اس کے برف کی مانند سرد لہجے میں کہنے پر فیصل کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

” اور یہ بات تم بھی اچھے سے جانتے ہو کہ میں کھوکلی دھمکیاں نہیں دیا کرتا۔مجھ جیسا انسان اگر اپنی کرنی پر آئے تو تم جیسوں کو دھول چٹا دے۔اس لیے آئندہ میرے گھر کی جانب بری نگاہ مت ڈالنا۔ورنہ بہت برا ہو گا۔“ سرد لہجے میں کہہ کر وہ کال کاٹ گیا۔جبکہ دوسری جانب فیصل نے موبائل دیوار میں دے مارا۔اب محب اسے دھمکیاں دے گا ؟؟

ارمان اور نعمان رات کے وقت اسرا کے گھر جا رہے تھے۔ابھی وہ اسرا کے لان میں پہنچے تھے کہ ارمان کے موبائل کی بیل بجی۔سکرین پر دلاور شاہ کا نمبر جگمگا رہا تھا۔اس کے تاثرات سخت ہو گئے ۔موبائل پر گرفت مضبوط ہو گئی۔نعمان حیرانی سے اس کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہوا ؟ کون ہے؟ " نعمان کے پوچھنے پر ارمان نے موبائل کی سکرین اس کے آگے کی۔ارمان کی طرح اس کے چہرے پر بھی غصہ چھا گیا۔

"کر لیں اٹینڈ !" نعمان کے کہنے پر اس نے لمبا سانس ہوا کے سپرد کیا اور بادل ناخوستی کال اٹینڈ کر کے موبائل اسپیکر پر لگا دیا۔

"ہیلو ارمان ! کیسے ہو ؟" اس کی آواز سنتے ارمان نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔اس کا دل کر رہا تھا کہ وہ اس آدمی کو بیچ چوراہے پر کھڑا کر کے گولیوں سے بھون ڈالے۔ناجانے فیصل کس طرح اس کے ساتھ دن رات گزار رہا تھا ؟

"ارمان آر یو دیئر ؟" ارمان نے اپنے آپ کو کمپوز کیا۔

"یس سر!" وہ بے تاثر لہجے میں بولا۔

"مجھے پوچھنا تھا کہ مجرم ملا؟" اس کی بات پر ارمان اور نعمان نے نظروں کا تبادلہ کیا۔

"نو سر۔ آئی ایم ٹرائنگ ٹو فائنڈ ہم۔" وہ غصے کو ضبط کرتے ہوئے بولا تو دوسری جانب کرسی پر بیٹھے

دلاور شاہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

" اوکے کرو کوشش۔ بیسٹ آف لک اور ہاں کل میرے فارم ہاؤس آنا۔ مجھے کیس کی پروگریس دیکھنی ہے۔" انہوں نے یہ کہہ کر کال کاٹ دی۔ اب ارمان اپنے تاثرات کو نارمل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

" مگر اس کا فارم ہاؤس تو جل گیا تھا نا؟" نعمان حیرت سے بولا۔

"دوبارہ کنسٹرکٹ کروا لیا تھا۔ چلو اب چلتے ہیں۔" اب وہ اندر کی جانب بڑھ گیے۔

اندر کی فضاؤں کے کرشمے بھی عجیب ہیں

مینہ ٹوٹ کے برسے بھی تو بادل نہیں ہوتے

عشاق کی مانند کئی اہل ہوس بھی

پاگل تو نظر آتے ہیں، پاگل نہیں ہوتے

اسٹڈی روم میں ارمان اور نعمان اسرا کے سامنے منہ پر ہاتھ رکھے گنگ بیٹھے تھے۔اسرا ان کی حالت سے لطف اندوز ہوتی بامشکل اپنی مسکراہٹ دبا رہی تھی۔

ارمان حیرت کے دریا میں غوطہ زن تھا۔وہ سوچ کچھ رہا تھا اور ہو کچھ گیا تھا؟

"یہ کیا ہے ؟ " سب سے پہلے نعمان نے ہی اپنی خاموشی توڑی تھی۔اس کی آنکھیں حیرت سے کھلی ہوئی تھیں۔یہ سب کیا ہو رہا تھا ؟؟ ارمان نے اب اپنا سر پکڑ لیا۔ایجنسی، فیصل ،ہیکر ،حارث، دلاور شاہ۔

کیا تھا یہ سب کچھ ؟

"یہ زندگی ہے یا کوئی ڈرامہ ہے؟" نعمان کے ڈرامائی انداز میں بولنے پر ارمان نے تکان سے اس کی جانب دیکھا۔اسرا سر جھکا کر ہنس پڑی۔

" تمہاری زندگی کو کیا ہوا ہے ؟ پھنسا ہوا تو میں ہوں۔" وہ تیکھے لہجے میں بولا تو نعمان نے اپنے ابرو سکیڑے۔

" ارمان بھائی! رازوں کو اپنے کندھے پر اٹھانا آسان نہیں ہوتا۔" وہ جتاتے ہوئے بولا تو ارمان نے اپنا سر جھٹکا۔

" مطلب یہ کہ فیصل کے ساتھ ایجنسی ہے اور اس کی اپنی ایک آرگنائزیشن ہے؟" اب وہ اسرا سے مخاطب تھا۔اسرا نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اور وہ اس وقت تک سیف ہے جب تک وہ منظرِ عام پر نہیں آجاتا۔" اسرا پر سوچ انداز میں بولی۔

"تو مطلب ہمیں اس کو منظرِ عام پر آنے سے بچانا ہے۔ تبھی میں کہوں کہ مجھ پر اوپر سے اس کیس کو جلدی سالو کرنے کے لیے پریشر کیوں نہیں ڈالا جارہا !!" وہ بھی کچھ دنوں سے سوچ رہا تھا کہ سوائے میڈیا کے کوئی بھی ان کیسز سے متعلق دلچسپی ظاہر نہیں کر رہا تھا۔یقیناً یہ سب ایجنسی کا کمال تھا۔

" بھائی !" نعمان نے کھوئے سے انداز سے کہا تو ارمان اس کی جانب متوجہ ہوا۔

"کیا ایجنسی کا سسٹم اتنا ویک ہوتا ہے کہ کوئی بھی اسے ہیک کر لے؟" اس کے بولنے پر ارمان چونکا

۔

"نہیں کوئی بھی عام سا ہیکر کسی بھی ایجنسی کا سسٹم ہیک نہیں کر سکتا۔یقیناً حارث بہت ماہر ہیکر ہے

۔" ارمان کی بات پر اسرا کا ماتھا ٹھنکا۔

" ارمان ! یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ایجنسی نے اسے سسٹم خود ہیک کرنے دیا ہو ؟" اس کی بات نے

ساری بازی پلٹ کر رکھ دی۔ایسا بھی ہو سکتا تھا کہ ایجنسی کو ان کی ضرورت ہو اور اس نے اپنا سسٹم

انہیں ہیک کرنا ہو۔

" ایسا ممکن ہے۔کیونکہ ایجنسی نے بھی تو ان کے سامنے مطالبات رکھے تھے۔" نعمان نے بھی ارمان

کی بات پر سر ہلایا۔جبکہ اسرا پر سوچ انداز میں شیشے کی میز پر لکیریں کھینچ رہی تھی۔یہ کرتے ہوئے

اسے بے اختیار محب کا خیال آیا تھا۔اس نے ہلکا سا مسکراتے ہوئے اپنا سر جھٹک دیا۔

" کیا سوچ رہی ہو اسرا؟ ارمان نے اسرا کو ایسے گم صم سا دیکھتے ہوئے پوچھا تو اس نے ارمان کو

خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔وہ ہنوز سر جھکائے کچھ سوچ رہی تھی۔اس کا دماغ اسے کوئی سگنل دے رہا

تھا۔ ارمان نے نعمان کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ جس پر نعمان نے اپنے شانے اچکا دیے۔

یکدم اسرا نے اپنا سر اٹھایا۔ اس کے چہرے پر نا فہمی کے تا ثرات جمے تھے۔

"ارمان ! یہاں کچھ مسنگ ہے۔ ہمیں سب کچھ نہیں بتایا گیا۔" وہ الجھے سے انداز میں بولی تو ارمان نے اپنا سر تھام لیا۔ اب کیا رہ گیا تھا؟

" اسرا یار ! یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ ؟ " نعمان بےچارگی سے بولا۔

"اسرا ! تمہیں یہ سب کچھ محب نے بتایا ہے نا ؟" اسرا نے سر ہلایا۔

"تو شاید اسی نے کچھ نہ کچھ چھپا لیا ہو۔"

"مجھے مسٹر محب پر بھروسہ ہے۔" وہ پریقین لہجے میں بولی تو ارمان نے سر اپنا سر جھٹکا۔

" میں بھروسے کی بات نہیں کر رہا۔ شاید کچھ ایسا ہو جو اس نے تم سے چھپایا ہو۔ ویسے تمہیں کیسے پتہ لگا کہ یہاں کچھ مسنگ ہے ؟" آخر میں اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

مجھے جہاں تک یہ سب کچھ سمجھ آرہا ہے۔اس کے مطابق اگر فیصل کو اپنی آرگنائزیشن کے لیے ایجنسی کی ضرورت تو تھی تو ایجنسی کو بھی فیصل ،حارث اور اس کے جیسے ذہین دماغوں کی ضرورت تھی۔" اس نے ایک لمحے کا توقف لیا۔

"مجھے یہ بات تنگ کر رہی ہے کہ فیصل نے ایجنسی کو اپروچ کیسے کیا ؟ ان کے درمیان کوئی ایسا لنک ہے جو ہمیں نظر نہیں آ رہا۔" اب اس کی بات ارمان کو بھی ٹھیک لگی تھی۔وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ ان سب کے درمیان کوئی مسنگ چیز تھی۔

" اسرا! یو آر آ جینیس۔" نعمان ستائشی انداز میں ابرو اٹھائے ہوئے بولا تو اسرا مسکرائی۔پھر نعمان کو ایک شرارت سوجھی۔اس نے سونگنے کے انداز میں ناک کو سکیڑا اور اوپر کی جانب دیکھا۔

"لگتا ہے کہیں سے جلنے کی بدبو آرہی ہے۔" وہ ارمان کو تنگ کرتا بولا تو ارمان نے اس کے کندھے پر مکے کی ضرب لگائی اور وہ چینخ کر رہ گیا۔

"ہائے ! اوئے! مجھ پر یہ ظلم مت کیا کریں۔آپ کا چھوٹا سا معصوم سا بھائی ہوں۔کچھ تو خیال کیا کریں۔" وہ شکوہ کرتا بولا تو ارمان ہلکا سا مسکرایا۔

”میرے چھوٹے سے، معصوم سے بھائی! تم بھی ایسی باتیں مت کیا کرو۔“ اسرا اب مسکرا رہی تھی۔

اسی لمحے اسٹڈی روم کا دروازہ بجا۔اسرا نے اجازت دی تو فضہ ٹرے میں تین کپ رکھے اندر داخل ہوئی۔اسے دیکھتے ہی نعمان نے بالوں میں ہاتھ پھیر کر انہیں ٹھیک کیا۔ارمان نے گہری نظروں سے اس کی یہ حرکت دیکھی تھی۔

”السلام علیکم !“ وہ کافی کے کپ میز پر رکھتی صوفے پر بیٹھ گئی۔

” وعلیکم السلام !“ انہوں نے یک زبان ہو کر جواب دیا تو فضہ مسکرائی۔ارمان کو نعمان کی آنکھوں میں اس لڑکی کے لیے پسندیدگی کی نظر آرہی تھی۔

” بیٹا کیسی ہو ؟ “ارمان کے بولنے پر فضہ ایک لمحے کے لیے خاموش رہ گئی۔اس کا کوئی بھائی نہیں تھا اور اسے کسی نے بھی ایسے مخاطب نہیں کیا تھا۔اس کی آنکھیں بھر آئیں۔اسرا بڑی فرصت سے اس کے تاثرات کا جائزہ لے رہی تھی۔

”ٹھیک ہوں۔“ ایک انسو ٹوٹ کر رخسار پر بہہ گیا۔جسے دیکھ کر نعمان بے چین ہو گیا۔اس سے پہلے وہ اٹھتا ارمان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔وہ برے دل کے ساتھ واپس کرسی پر بیٹھ

گیا۔نعمان کے بیٹھنے کے بعد ارمان نے فضہ کی جانب قدم بڑھائے جو سر کو جھکائے رونے میں مصروف تھی۔اسرا خاموشی سے وہ منظر دیکھ رہی تھی۔ارمان نے اس کے پاس جا کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔تو آنسو مزید روانی سے اس کے رخسار پر بہنے لگے۔

"بیٹا کیا ہوا؟ کیوں رو رہی ہو؟" فضہ کو اپنی کیفیت سمجھ نہیں آرہی تھی۔اسے چپ نہ ہوتا دیکھ کر اسرا اپنی کرسی سے اٹھی اور فضہ کے پاس صوفے پر بیٹھ گئی۔نعمان اپنی مٹھیاں بھینچے اسے روتے دیکھ رہا تھا۔اسرا نے اسے گلے لگایا تو وہ ہچکیوں سے رونے لگی۔

"ریلیکس فضہ! چپ ہو جائیں۔کچھ نہیں ہوا۔" ارمان اب پریشانی سے وہ منظر دیکھ رہا تھا۔اسے نہیں معلوم تھا کہ اس کے ایک جملے پر وہ ایسا ردِ عمل ظاہر کرے گی۔

"نعمان! پانی دو۔" اسرا کی بات پر وہ جلدی سے اٹھا اور پانی کا گلاس اسرا کی جانب بڑھایا۔اسرا نے فضہ کو پانی پلایا۔اب اس کے آنسو کچھ حد تک تھم چکے تھے۔

بڑی سیاہ آنکھیں رونے کی وجہ سے سرخ ہو چکی تھیں۔نہ صرف آنکھیں بلکہ اس کی ناک اور رخسار بھی سرخ ہو چکے تھے۔پھر اس نے شرمندگی سے ان سب کی جانب دیکھا۔

"آئی ایم سوری۔ وہ پتہ نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا؟" وہ اپنے رخصار کو رگڑتی شرمندگی سے بولی تو ان سب نے نفی میں سر ہلایا۔

"کوئی بات نہیں بیٹا! کبھی کبھار ایسا ہو جاتا ہے۔" ارمان نے دوبارہ اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو فضہ نے اس کی جانب مشکور نظروں سے دیکھا تھا۔

"تھینک یو بھا۔۔" وہ وہیں پر رک گئی۔ یہ لفظ اس کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔اسرا مسکراتی نظروں سے ارمان کا شفقت بھرا روپ دیکھ رہی تھی جو اس نے آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"تم مجھے بھائی کہہ سکتی ہو۔"

"شکریہ بھائی!" اب کی بار وہ مسکرا کر بولی تو نعمان نے شکر کا سانس لیا۔فضہ کو روتے دیکھ کر اس کی سانسیں ہی اٹک گئی تھیں۔

"تمہارا شکریہ۔تم نے ہمارے لیے کافی بنائی۔" ارمان کی بات پر نعمان اور اسرا نے بھی سر ہلایا۔

"وہ تو بس میرا دل کر رہا تھا تو میں نے آپ لوگوں کے لیے کافی بنا لی۔اب آپ اپنا کام کریں اور کافی انجوائے کریں۔میں جاتی ہوں۔" اب وہ کھڑی ہوتی بولی۔وہ انہیں ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"ارے ! آپ رک جائیں۔" نعمان کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔اسرا اور ارمان نے اچانک امنڈنے والی اپنی مسکراہٹ روکی۔جبکہ فضہ کو آکورڈ سا محسوس ہو رہا تھا۔

" وہ دراصل مجھے نیند آرہی ہے۔اس لیے میں چلتی ہوں۔" وہ جلدی سے کہتی اسٹڈی روم سے باہر نکل گئی۔اب کی بار نعمان کے چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی۔اور اس نے زیر لب کہا۔

"گڈ نائٹ۔"

اب وہ دوبارہ سے اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ چکے تھے۔اور کافی کے سپ لے رہے تھے۔تینوں کے دماغوں پر سوچوں کے پہرے تھے۔مگر ان سب کی سوچوں کا مرکز ایک ہی انسان تھا۔اور وہ تھا فیصل احمد!

جو سب کی زندگیوں میں ایک چھلاوے کی طرح داخل ہوا تھا اور ایک پہیلی بن کر رہ گیا تھا۔اسٹڈی روم میں موت سا سناٹا چھایا ہوا تھا۔مگر اس خاموشی میں بھی ایک بے چینی تھی۔جسے وہاں موجود ہر انسان محسوس کر رہا تھا۔

"ارمان !" اب کی بار اسرا نے کمرے کی بے چین سی خاموشی میں دراڑ ڈالی۔ ارمان نے سوالیہ انداز میں اس کی جانب دیکھا۔

"ہمم۔۔"

"اگر فیصل منظرِ عام پر آگیا تو کیا ہوگا ؟" اس کے پوچھنے پر ارمان دوبارہ سے سوچ میں پڑ گیا۔ نعمان کو اس بلاوجہ کی خاموشی سے کوفت ہو رہی تھی۔

" اس پر دفعہ 302 لگے گی۔" نعمان کا سر گھوم اٹھا۔"بھائی! یہ دفعہ 302 گیا ہے ؟" ارمان نے اسے سخت نظروں سے گھورا۔

" بتا رہا ہوں۔ پہلے سن تو لو۔" اس نے ایک لمحے کا توقف لیا۔ یہ بولنا بھی اس کے لیے بہت مشکل تھا۔ پھر اس نے لمبا سانس بھرا۔

"دفعہ 302 کے تحت اگر ایک انسان نے کسی کو قتل کیا ہے تو اسے سزائے موت یا عمر قید ہوگی۔" نعمان اور اسرا نے اس کی جانب حیرت سے دیکھا۔

"اس میں آگے بہت سی کنڈیشنز بھی آ جاتی ہیں کہ قتل غلطی سے ہوا ہے یا جان بوجھ کر کیا گیا ہے۔ اب فیصل نے جان بوجھ کر کیا ہے تو اسے سزا تو ملے گی۔" اب کی بار کمرے کی فضا میں ایک سرد پن گھل گیا۔

" مگر وہ تو بدلہ لے رہا ہے نا ؟ قتل کے بدلے میں قتل کر رہا ہے !" اسرا کی بات پر ارمان نے اثبات میں سر ہلایا۔

" پھر اسے کیوں سزا ملے گی ؟ "اب کی بار نعمان شاکڈ لہجے میں بولا تو ارمان نے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"اسرا، نعمان ! قانون مجرم کے مجبوریاں نہیں دیکھتا۔وہ یہ نہیں دیکھتا کہ مجرم نے کوئی جرم کیوں کیا ہے؟ وہ صرف مجرم کا جرم دیکھتا ہے اور اسے سزا دیتا ہے۔" وہ اپنے آپ پر ضبط کے گہرے پہرے بٹھاتے ہوئے گویا ہوا۔اس کی بات پر نعمان جھنجھلا اٹھا۔

" پھر دلاور شاہ کے جرم کو کیوں نہیں دیکھا گیا ؟ اس کے ساتھیوں کے جرم کو کیوں نہیں دیکھا گیا ؟ ان کو بھی تو سزا ملنی چاہیے۔" وہ طیش کے عالم میں بولا۔

" نعمان ! ہوش کے ناخن لو۔ یہاں انصاف کا نظام نہیں بلکہ لاٹھی کا نظام رائج ہے۔تم نے نہیں سنا جس کی لاٹھی اس کی بھینس ؟" نعمان نے اس کی بات پر اپنا سر جھٹکا۔یہ کیسا نظام تھا ؟؟

"کل لاٹھی دلاور شاہ کے پاس تھی۔ ظاہری طور پر آج بھی اسی کے پاس ہے۔مگر اصل میں آج لاٹھی فیصل افنان احمد کے ہاتھوں میں ہے۔اور وہ سب کو سزا دے گا۔" اب اس کا غصہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔اسے سمجھ آگئی تھی کہ وہ قانون کے ذریعے کچھ نہیں کر سکتا۔

"تو اب ہمیں کیا کرنا ہے ؟ " اسرا کے پوچھنے پر ارمان نے اس کی جانب دیکھا۔

"یہ کیس میں سا لو کر رہا تھا اور تم اس میں مین ثبوت ہو۔جب تک ہم نہ چاہیں فیصل کو کوئی ایکسپوز نہیں کر سکتا۔" وہ ٹھیک کہہ رہا تھا ساری باتوں کا علم یا تو ان تینوں کو تھا یا محب اور فیصل کو تھا !

"اور اگر محب نے فیصل کو ایکسپوز کر دیا ؟" نعمان کو شک سا ہو رہا تھا کہ محب کچھ گڑبڑ کرے گا ۔اس کی بات پر اسرا نے نفی میں سر ہلایا۔

”وہ ایسا نہیں کریں گے۔اگر انہوں نے یہ کرنا بھی ہوتا تو بہت پہلے کا کر چکے ہوتے۔انہوں نے یہ سب صرف مجھے بتایا ہے۔شاید وہ آپ لوگوں کو بھی یہ سب کچھ نہ بتاتے۔“ نعمان اس کی بات پر جھلا اٹھا۔

”آپ اس کی کچھ زیادہ طرفداریںنہیں کر رہیں؟“ وہ بظاہر تو استہزائیہ انداز میں بول رہا تھا۔مگر اصل میں وہ اسے احساس دلانا چاہتا تھا کہ اس کے دل میں محب کے لیے نرم گوشہ پیدا ہو رہا تھا۔اور یہ ایک اچھی علامت تھی۔اسرا اس کی بات سن کر چونکی۔ارمان خاموش تھا۔

”میں کیوں کسی کی طرفداری کروں گی؟ میں تو بس سچ بول رہی تھی۔“ اس کی بات پر نعمان نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

”میں ایک بات سوچ رہا تھا۔“ چند لمحوں کے بعد ارمان بولا۔

”کہ اگر ایجنسی نے اسے ایکسپوز کرنے کا سوچ لیا تو پھر کیا ہو گا ؟“ اسرا چونکی۔یہ بات تو انہوں نے سوچی ہی نہیں تھی۔

”مگر ایجنسی اسے کیوں ایکسپوز کرے گی ؟“نعمان نے نا سمجھی سے پوچھا۔

"جب ایجنسی کا مفاد ختم ہو گیا یا پھر فیصل ان کے لیے خطرہ بن گیا۔تو ایجنسی اسے ایکسپوز کرنے میں دیر نہیں لگائے گی۔" اس کی بات پر اسرا نے اپنے دماغ میں محب کی ساری باتیں دہرائیں اور پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

" ایسا نہیں ہو سکتا۔" اس نے ایک لمحے کا توقف لیا۔

" فیصل اب کمزور نہیں ہے۔وہ خود ایک آرگنائزیشن چلا رہا ہے اور ایجنسی کو اس کی اور اس کی آرگنائزیشن کی ضرورت ہے۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی۔

" اور دوسری بات مسٹر محب کے مطابق فیصل نے ہر چیز کے لیے پلان بی تیار کر رکھا ہے۔اگر ایک پلان کام نہیں آیا تو وہ دوسرے پر کام کرے گا۔ہی از آ جینئس۔"

"مطلب ایجنسی چاہے بھی تب بھی اسے ایکسپوز نہیں کر سکتی ؟" اس کے بعد پر اسرا نے نفی میں سر ہلایا۔

”میں نے ایسا بھی نہیں کہا۔ ہر انسان کی کچھ کمزوریاں ہوتی ہیں۔اگر کسی نے اس کی کمزوری ڈھونڈ لی تو وہ اسے شکست دے سکتا ہے۔“ اس کی بات پر ارمان اور نعمان نے ایک دوسرے کی جانب حیرانی سے دیکھا۔اسرا ناسمجھی سے ان کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔

”کیا ہوا ؟ “ اس نے ان دونوں کے حیران چہروں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

” آپ کو معلوم ہے کہ اس کے کمزوری کون ہے؟“ نعمان کے بولنے پر اسرا کی بھنویں سکڑ گئیں۔

”تم ! اسرا ! تم اس کی کمزوری ہو۔“ ارمان ہر لفظ پر زور دیتا بولا۔تو اسرا نے اپنا سر تھام لیا۔

”کسی کو کیا معلوم کہ میں اس کی کمزوری ہوں ؟ “ ارمان جھلا اٹھا۔

” اسرا ! وہ کسی نہیں ہے۔ایجنسی ہے جو کسی کی بھی معلومات منٹوں میں نکال لے۔“ ارمان کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ اسے کیسے سمجھائے۔

” ارمان ! مجھے کسی سے بھی خطرہ نہیں ہے۔“ اس کی بات پر ارمان نے نفی میں سر ہلایا۔

” میں تمہارے لیے دو باڈی گارڈز کا انتظام کر رہا ہوں۔“ اسرا کا دل کیا وہ اپنا سر دیوار میں دے مارے۔نہیں اسے باڈی گارڈز کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

"ارمان! ابھی آپ نے کہا کہ وہ ایجنسی ہے۔ان کو دو باڈی گارڈ سے کیا فرق پڑے گا ! ہونے دیں جو ہو رہا ہے۔میرے مقدر میں جو تکلیف لکھی ہوگی۔وہ مل کر ہی رہے گی چاہے کوئی جو کچھ مرضی کر لے۔" ارمان اس کی بات پر لاجواب ہو گیا۔بے شک وہ ہر کسی کو لاجواب کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔

"آپ بہت ضدی ہیں اسرا !!" نعمان بے بسی سے بولا تو اسرا مسکرا اٹھی۔

" اوکے ! اب ہم چلتے ہیں۔تم اپنا خیال رکھنا۔" ارمان کرسی سے کھڑا ہوتا بولا۔مگر پھر اس کے دماغ میں خیال آیا۔

"نعمان ! تم جاؤ۔مجھے اسرا سے بات کرنی ہے۔" نعمان اور اسرا دونوں نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔نعمان نہیں گیا تو اب کی بار ارمان نے اسے سخت نظروں سے گھورا۔

"جاؤ نعمان !"وہ دو ٹوک لہجے میں بولا۔تو وہ پیر پٹختے کھڑا ہو گیا۔

"اللہ حافظ اسرا! اپنا خیال رکھیے گا۔" اسرا نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ برا منہ بناتا وہاں سے چلا گیا۔

ارمان دوبارہ کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔اسرا بے چینی سے اس کے بولنے کا انتظار کر رہی تھی۔

" اسرا! تم نے نعمان کی آنکھوں میں فضہ کے لیے پسندیدگی دیکھی ؟ "اس کی بات پر اسرا کے چہرے پر مسکراہٹ چھاگئی۔

" پہلے دن سے ہی دیکھ رہی ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی تو ارمان سوچ میں پڑ گیا۔

" تو کیا خیال ہے ان کے لیے کچھ پلان کیا جائے ؟" وہ ابرو اٹھائے بولا تو اسرا کی آنکھوں میں چمک در آئی۔

" یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" اب ارمان کھڑا ہو گیا۔

" میں بابا جان اور ماں جی سے بات کرتا ہوں۔تم فضہ کے پیرنٹس سے بات کرو۔" ارمان کی بات پر اسرا نے سر ہلایا۔

" اللہ حافظ ! میں چلتا ہوں۔" اب وہ اسٹڈی روم سے باہر نکل گیا۔پیچھے اسرا نے چیئر سے ٹیک لگا لی

۔

کالے تھری پیس سوٹ میں ملبوس وہ ایک بلڈنگ کے اندرونی دروازے پر کھڑا تھا۔ دروازے پر دو گارڈز کھڑے تھے۔ جنہوں نے اسے کچھ نہیں کہا تھا۔ اس نے ایک کارڈ سوائپ کیا۔ جس سے وہ دروازہ کھل گیا۔ وہ ایک شان سے اندر داخل ہوا۔

سامنے ایک لمبی راہداری تھی۔ جس کے دونوں اطراف کمرے بنے ہوئے تھے۔ راہداری سے گزرتے لوگ اسے دیکھ کر رک گئے۔

"السلام علیکم ! ایجنٹ ایکس !" ہر کوئی پرجوش انداز میں اسے سلام کر رہا تھا۔ آخر اتنے دنوں بعد وہ وہاں آیا تھا۔ وہ سرد تاثرات سجائے ان کے سلام کا جواب دے رہا تھا۔

اب وہ ایک سیکرٹ روم کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اسے جس انسان سے ملنا تھا۔ وہ اسے وہیں ملے گا۔ اس سیکرٹ روم کے باہر اس نے دوبارہ اپنا کارڈ سوائپ کیا۔ مگر اس دفعہ اس کے لینز بھی ڈیٹیکٹ کیے گئے تھے۔ لینز ڈیٹیکٹشن کے بعد ایک آواز کے ساتھ وہ دروازہ کھل گیا۔ وہ زمین پر زور سے پاؤں جماتا اندر داخل ہوا۔

اندر کی فضا ٹھنڈی تھی۔وہ ایک جدید طرز کا کمرہ تھا۔جس کے درمیان میں ایک راکنگ چیئر پڑی تھی۔مگر اس کا رخ بیٹھنے والے نے دوسری جانب کیا ہوا تھا۔چیئر کے سامنے ایک شیشے کا میز پڑا تھا۔جس کے اوپر بہت سے ڈاکیومنٹس رکھے ہوئے تھے۔ایک بلند دیوار پر پوری بلڈنگ کے کیمراز کے مونیٹرز لگے ہوئے تھے۔جبکہ ایک طرف کافی میکر پڑا تھا۔اور ایک صوفہ بھی موجود تھا۔

"السلام علیکم ! چیف !" وہ بولا تو کرسی پر بیٹھے انسان نے مسکراتے ہوئے اپنا رخ اس کی جانب کیا۔

" وعلیکم السلام ! ایجنٹ ایکس ! بیٹھو۔" چیف کے بولنے پر وہ سرد تاثرات کے ساتھ ان کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

"آج ادھر کا رخ کیسے کر لیا ؟" وہ صرف تب ہی وہاں آتا تھا۔جب اسے بلایا جاتا تھا۔وہ ایجنسی کا سب سے شارپ شورٹر تھا۔جس سے سب ڈرتے تھے۔اسے خاص مشنز کے لیے ہی بلایا جاتا تھا۔

"چیف ! آئی نیڈ سیکیورٹی۔" اس کی بات پر چیف کو حیرت کا جھٹکا لگا۔ایجنٹ ایکس اور سکیورٹی! یہ کیسے ہو گیا تھا؟

" خیریت ؟"

”مجھے اپنے لیے نہیں بلکہ گھر کے لیے اور کسی اور کے لیے سکیورٹی کی ضرورت ہے۔“ اس نے چیف کی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔

”خطرہ کس سے ہے ؟ “ انہیں سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اسے سیکیورٹی چاہیے کیوں تھی ؟

” جسے میں آپ تک لے کر آیا تھا۔“ وہ بولا تو چیف کو سمجھ آگئی کہ وہ کس کی بات کر رہا تھا۔

”کافی پیو گے؟“ چیف کے پوچھنے پر اس نے لمبا سانس بھرا اور ایک نظر کافی میکر پر ڈالی۔۔اسے معلوم ہو گیا تھا کہ چیف اس کے ہاتھ کی کافی پینا چاہتے ہیں۔اس لیے وہ خاموشی سے اٹھا اور کافی بنانے لگا اس نے اپنے لیے کافی نہیں بنائی تھی۔کافی بنانے کے بعد اس نے کپ چیف کے سامنے رکھ دیا۔

”تم نہیں پیو گے؟ “

”نہیں چیف ! “ اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا تو انہوں نے اپنے کندھے اچکا دیے۔

”مگر تمہیں اس سے خطرہ کیوں ہے ؟“ انہوں نے کافی کا گھونٹ گلے میں اتارتے ہوئے پوچھا۔ان کی بات پر اس کے تاثرات پتھریلے ہو گئے۔

” چیف ! مسئلہ تھوڑا ذاتی ہے۔اس لیے میں نہیں بتا سکتا۔“ اس کے سرد لہجے میں بولنے پر چیف نے اثبات میں سر ہلایا۔وہ اس کے زیادتی معاملات میں پڑنا بھی نہیں چاہتے تھے۔

” ٹھیک ہے۔“چیف اس کے ساتھ سختی نہیں کیا کرتے تھے۔کیونکہ اب اس پر سختی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

” ایک اور بات۔۔چیف ! میں چاہتا ہوں کہ آپ اسے کچھ دنوں کے لیے کسی مصروفیت میں ڈال دیں۔ایسی مصروفیت جس میں اسے کسی اور چیز کا ہوش ہی نہ رہے۔“ چیف پہلے سے ہی اس کے لیے ایک ایسا کام سوچ بیٹھے تھے۔

” ٹھیک ہے۔ایجنٹ ایکس ! تمہارا کام ہو جائے گا۔“ان کی بات پر ایجنٹ ایکس نے سر ہلایا۔

” اوکے۔اب میں چلتا ہوں۔مجھے کہیں جانا ہے۔اللہ حافظ ! “ وہ کھڑا ہوتا وہاں سے چلا گیا۔

وہ نہ مل سکا تو کیا ہوا ؟ کسی اور کا وہ نصیب تھا

یہ عشق کی نہیں ہار دوست !تیری محبتوں کا زوال ہے

میری منزل ہے دور بہت، پر میری جستجو کو دوام ہے

کوئی رنج ہے نہ ملال ہے، میری عاشقی بے مثال ہے

رات کو اسرا اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو گلاب کے پھولوں کی خوشبو نے اس کا استقبال کیا۔ اس کی پہلی نظر ہی شیشے کی میز پر پڑی سفید ریبنز سے سجی اس لکڑی کی ٹوکری پر پڑی۔ وہ نہ ہی بہت بڑی تھی اور نہ ہی بہت چھوٹی۔ درمیانے سائز کی اس ٹوکری کو بہت سادگی سے سجایا گیا تھا۔

ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے پر مسکراہٹ چھاگئی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی صوفے پر بیٹھ گئی اور کچھ لمحوں کے لیے اس ٹوکری کو تکتی رہی۔ وہ ان سب چیزوں کو قبول کر رہی تھی۔

اللہ نے اس کے دل میں ارمان کی محبت ایک آزمائش کے طور پہ ڈالی تھی اور وہ اس آزمائش پر پورا اتری تھی۔ اس فیز میں کبھی کبھار اس کا دل چاہتا تھا کہ سب کچھ چھوڑ دے اور بس کہیں چھپ جائے۔ جہاں اسے کوئی بھی ڈھونڈ نہ سکے۔

بعض اوقات انسان اتنا تھک جاتا ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ وہ سب کچھ چھوڑ دے۔ اگر وہ سب کچھ چھوڑ بھی دیتا ہے۔ تب بھی ایک ذات ایسی ہے جو اسے نہیں چھوڑتی۔ اسرا پر بھی ایک ایسا وقت آیا

تھا۔تب اسے ادراک ہوا تھا کہ وہ اس ذات کے بغیر کچھ بھی نہیں۔سارے رشتے ناطے سب کچھ ثانوی ہے۔سب سے اہم ایک وہی ذات ہے۔کچھ لوگوں کو ٹھوکریں کھانے کے بعد اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ اس دنیا میں ان کا کچھ بھی نہیں رکھا۔

اسرا پر جس وقت یہ ادراک ہوا اس نے ہر رشتے ناطے سے منہ موڑ لیا۔اصل میں تو وہ اس ذات کی جانب لوٹ رہی تھی۔جو سب کو اندھیروں سے نکالتا ہے۔بےشک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ اس کی آزمائش کے ساتھ بھی اللہ نے آسانی رکھی تھی۔

اس ذات کو پانے سے پہلے وہ لوگوں سے پوچھنا چاہتی تھی کہ تم لوگوں نے ہچکیوں کی آواز تو سنی ہوگی! سسکیوں کی آواز بھی سنی ہوگی! کیا کبھی آنسوؤں کی آواز سنی ہے؟ صبر کی آواز سنی ہے؟ مگر وہ خاموش رہ جاتی۔کیا یہ مٹی کے پتلے اس کے دل کی آواز کو سنیں گے؟ کیا یہ اس کو سمجھیں گے؟ جنہیں خود بھی نہیں معلوم کہ وہ کیا ہیں!

اس نے اللہ کو اپنا دوست بنایا۔وہ جو سب کے دلوں کے حال سے واقف ہے۔اب اسے واقعی کسی کی چاہ نہیں تھی۔مگر انسان کب تک کچھ چاہ سکتا تھا ؟ ایک آنسو اس کی آنکھ سے ٹوٹ کر گر پڑا اور اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"شکر الحمد اللہ !" آج یہ آنسو تکلیف کا نہیں تھا۔شکر کا تھا۔آج اس کے دل میں نہ ہی کوئی ملال تھا اور نہ ہی کسی پسندیدہ انسان کی چاہ۔

جس انسان کے دل میں اللہ سما جائے تو کیا وہ کسی اور کی چاہ کرے گا ؟ اب وہ ہاتھ بڑھا کر اس ٹوکری کے اوپر سے جالی نما کپڑا ہٹا رہی تھی۔کپڑا ہٹانے کے بعد ایک لمحے کے لیے وہ حیران رہ گئی۔ چوڑیاں، جھمکے ، گجرے ،چاکلیٹس اور نہ جانے کیا کچھ اس کے اندر پڑا تھا۔ان چیزوں کو دیکھ کر اس کے اندر چلبلی سی اسرا مسکرائی تھی۔پانچ سال پہلے والی اسرا۔۔جسے یہ سب چیزیں بہت پسند تھیں۔وہ خوشگوار حیرت سے وہ سب چیزیں دیکھ رہی تھی۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر گلاب کے پھولوں کے گجرے اٹھائے۔اس کے پھول تھوڑے سے مرجھا گئے تھے۔اس نے ناک کے پاس لے جا کر ان کی خوشبو کو اپنے اندر اتارا۔ایک تازگی سی اس کی روح

کے اندر تک سما گئی۔چند لمحے وہ آنکھوں کو بند کیے ان کی خوشبو کو محسوس کرتی رہی۔پھر اس نے وہ شیشے کی میز پر رکھ دیے۔وہ انہیں پہننا نہیں چاہتی تھی۔

پھر اس کی نظر ایک ڈبے پر پڑی۔اس میں بہت سے رنگوں کی کانچ کی چوڑیاں سجائی گئی تھیں۔محب اسے ہر لمحے حیرت کا جھٹکا دے رہا تھا۔شاید وہ اس کے اندر کوئی چیز زندہ کرنا چاہتا تھا۔پھر اس نے باقی چیزیں دیکھیں۔جن میں جھمکے ،انگوٹھیاں اور چوڑیاں وغیرہ شامل تھیں۔

اسے سمجھ ہی نہیں آرہا تھا کہ وہ کیسے ری ایکٹ کرے۔ابھی وہ صوفے سے اٹھتی اس کی نظر ایک کارڈ پر گئی۔اس نے آنکھیں سکیڑتے ہوئے اس کارڈ کو اٹھایا۔اس پر ایک ہی جملہ لکھا ہوا تھا۔

”زندگی ایک ہی دفعہ ملنی ہے۔اسی لیے اسے کھل کر انجوائے کریں۔“

اسرا مسکرا اٹھی۔اگر وہ سامنے ہوتا تو وہ اس سے کیا کہتی ؟ یہی کہ اسی ایک زندگی میں کیے گئے ہر عمل کا جواب بھی آخرت میں دینا ہے۔پھر اس نے سر جھٹکا اور ٹوکری سے ایک چاکلیٹ اٹھائی۔ تاریخ گواہ ہے کہ سائیکالوجسٹ کبھی چاکلیٹ سے منہ نہیں پھیر سکتے۔وہ اپنی ہی سوچ پر مسکرا اٹھی۔

اب وہ کھڑکی کی جانب بڑھ رہی تھی۔اس نے قد آور کھڑکی کے بھورے پردوں کو سائیڈ پر کیا اور کھڑکی کھول دی۔ ہوا کا ایک تھپیڑا اس کے چہرے پر پڑا۔جسے اس نے آنکھیں بند کر کے محسوس کیا۔

آج وہ اپنے اندر ایک زندگی کو محسوس کر رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ سب کچھ ٹھیک ہو رہا تھا۔وہ اس اندھیرے کنویں سے باہر نکل رہی تھی۔اس کی مشکور نظریں آسمان پر مرکوز تھی۔کچھ دیر بعد وہ کھڑکی بند کرتی اس عزم کے ساتھ اپنے بستر کی جانب بڑھی کہ کل صبح ایک نئ اسرا آنکھ کھولے گی۔ایسی اسرا جس کی زندگی میں مایوسی کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوگی۔

اگلی صبح وہ اٹھی تو اس کے اندر جینے کی ایک لگن تھی۔وہ ایک مسکراہٹ کے ساتھ تیار ہوئی اور ڈائننگ ٹیبل کی جانب بڑھ گئ۔

"السلام علیکم !" اس کی پرجوش آواز پر ڈاکٹر نیلوفر نے حیرانی سے اس کی جانب دیکھا۔

”وعلیکم السلام !“ اب وہ کرسی پر بیٹھ چکی تھی اور گلاس میں جوس انڈیل رہی تھی۔اس کے چہرے پر مدھم سی مسکراہٹ بہت دلکش لگ رہی تھی۔

”مما بہت ہو گیا یہ جیم بریڈ ! آج مجھے آپ کے ہاتھ کا بنا ہوا پراٹھا کھانا ہے۔“ اس نے ایک طرف پڑے پراٹھوں کی جانب اشارہ کیا۔

” اور تمہاری ڈائٹ ؟“ ان کی بات پر اسرا سوچ میں پڑ گئی۔ڈائٹ ؟

” ڈائٹ کو چھوڑیں۔ایک دن پراٹھا کھانے سے میں موٹی نہیں ہو جاؤں گی۔“وہ آنکھیں گھماتی ہوئی بولی تو ڈاکٹر نیلوفر مسکرا اٹھیں۔ان کی بیٹی صبر کے تیسرے مقام تک پہنچ گئی تھی۔اب وہ دل سے مسکرا کر سب چیزوں کو قبول کر رہی تھی۔انہوں نے اس کی پلیٹ میں پراٹھا ڈالا۔ناشتہ کرنے کے بعد وہ اٹھنے لگی تو دماغ میں ایک خیال آیا۔

”آج میں جلدی آجاؤں گی۔آپ دونوں تیار رہنا شاپنگ پہ چلیں گے۔بہت دن ہو گئے ہیں شاپنگ کیے ہوئے۔“ اس سے پہلے ڈاکٹر نیلوفر کچھ کہتیں۔وہ ان کے گلے میں بازو ڈال چکی تھی۔

" اللہ حافظ ! اپنا خیال رکھیے گا۔اور ہاں آپ کا ذہین ڈاکٹر کل واپس آچکا ہے۔" ڈاکٹر نیلوفر کو اچھے سے معلوم تھا کہ وہ کس ذہین ڈاکٹر کی بات کر رہی تھی۔

" اللہ حافظ فضہ ! آپ بھی تیار ہو جایئے گا۔" وہ ٹیبل سے گاڑی کی کیز اٹھاتی باہر کی جانب بڑھ گئی۔پیچھے فضہ نے سوالیہ نظروں سے ڈاکٹر نیلوفر کی جانب دیکھا۔

" انہیں کیا ہوا ؟ "

" وہ زندگی کی جانب لوٹ رہی ہے۔" ان کی بات پر فضہ سوچ میں پر گئی۔

"مطلب اب وہ پہلے والی کمپوزڈ ، مضبوط اسرا نہیں رہیں؟ "اس کی بات میں ڈاکٹر نیلو فار مسکرائیں۔

"بیٹا ! اب وہ پہلے سے زیادہ مضبوط بن چکی ہے۔اس نے اپنے غم کو شکست دے ڈالی ہے۔اور رہی بات پہلے والی اسرا کی تو میری بیٹی کو معلوم ہے" انہوں نے ایک لمحے کا وقفہ لیا۔

" کہ اسے کس کے ساتھ کیسے بیہیو کرنا ہے۔اگر وہ ہمارے ساتھ ایسی ہے۔تو ضروری نہیں کہ ہر انسان کے ساتھ ایسے ہی رہے۔آپ ناشتہ کریں۔" ان کی بات پر فضہ سر ہلاتی ناشتہ کرنے میں مشغول ہو گئی۔

"مجھے چیف کے بارے میں جاننا ہے۔" فیصل آج چیف سے ملنے جا رہا تھا۔تیار ہونے کے ساتھ ساتھ وہ حارث سے فون پر بات بھی کر رہا تھا۔رسٹ واچ پہنتے اس نے اپنی آنکھیں سکیڑیں۔

"کیا جاننا ہے ؟" وہ تیکھے انداز میں بولا۔

"یہی کہ وہ کون ہیں ؟ ان کا نام کیا ہے ؟" وہ جھنجھلا کر بولا۔آخر فیصل اسے چیف کے بارے میں کچھ کیوں نہیں بتاتا تھا۔اس نے چیف کے بارے میں بہت دفعہ معلومات نکالنے کی کوشش کی تھی ۔مگر وہ ہر دفعہ ہی ناکام ٹھہرا تھا۔

"کیا کرو گے جان کر ؟ " اب وہ اپنے اوپر ایک تنقیدی نگاہ ڈال رہا تھا۔

"تم کیا کر رہے ہو جان کر ؟ " دوسری جانب سے کھٹاک سے جواب آیا۔

"میرا جاننا ضروری تھا۔تمہارا جاننا ضروری نہیں ہے۔" اس کے دو ٹوک لہجے میں کہنے پر حارث نے اپنا سر جھٹکا۔وہ اسے کبھی نہیں بتائے گا۔

”اچھا یہی بتا دو حمید خان نے کیا کیا ہے ؟ جو تم اس بیچارے کے پیچھے پڑ گئے ہو۔“ اس کی بات پر فیصل کے چہرے پر ایک پراسرار سی مسکراہٹ چھا گئی۔

” اس نے کچھ بھی نہیں کیا۔مگر مجھے شک ہے کہ وہ میرے راستے میں آئے گا۔“ اس کے مبہم جملے پر حادث چونکا۔حمید خان اس کے راستے میں کیوں آئے گا؟

” وہ تمہارے راستے میں کیوں آئے گا اور اس کا ہمارے بدلے سے کیا تعلق ؟ “ وہ حیرت زدہ لہجے میں بولا۔

”کیونکہ وہ دلاور شاہ کا دوست تھا۔“ اس کی بات پر حارث سر پکڑ کر رہ گیا۔وہ بھی آفس کے لیے تیار ہو رہا تھا۔

”دوست تھا۔۔ہے نہیں۔خیر چھوڑو تمہیں سمجھانے کا بھی کیا فائدہ ؟ “ وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولا تو فیصل مسکرا اٹھا۔

”اللہ حافظ ! مجھے چیف کے پاس جانا ہے۔“ اب وہ باہر کی جانب قدم بڑھا رہا تھا۔

" اللہ حافظ ! " حارث کے کہنے پر اس نے کال کاٹ دی۔اب اس کا رخ ڈائننگ ٹیبل کی جانب تھا

۔جہاں دلاور شاہ اسی کا انتظار کر رہا تھا۔اس نے اپنے چہرے پر سنجیدگی سجا لی۔

" السلام علیکم !" اس نے بادل ناخواستہ اس انسان کو سلامتی کی دعا دی۔جس پر دلاور شاہ مسکرا اٹھا۔

"وعلیکم السلام ! ہاسپٹل جا رہے ہو ؟" دلاور شاہ کی بات پر اس نے سنجیدہ تاثرات کے ساتھ سر اثبات

میں ہلایا۔

فیصل ناشتہ کر رہا تھا جبکہ دلاور شاہ کسی سوچ میں گم ہو گئے۔انہیں کبھی کبھار اپنے اور فیصل کے

درمیان سرد مہری کی ایک اونچی دیوار دکھائی دیتی تھی۔مگر انہیں اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی تھی

۔

"فارم ہاؤس ریکنسٹرکٹ ہو چکا ہے۔تم دیکھو گے ؟" انہوں نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب

دیکھا۔

"جی! مگر ابھی نہیں۔میں نے کل ہی ہاسپٹل جوائن کیا ہے۔ابھی بہت سا کام اکٹھا ہوا پڑا ہے۔پھر کبھی دیکھوں گا۔" اس کے بے تاثر لہجے میں کہنے پر دلاور شاہ نے اثبات میں سر ہلایا۔وہ اس کی مصروفیت سمجھتے تھے۔

"اچھا! اب میں چلتا ہوں۔" نیپکن سے منہ صاف کرتے وہ کھڑا ہو گیا۔

"اللہ حافظ! اپنا خیال رکھنا"۔ان کے کہنے پر فیصل نے اپنا سر ہلایا اور رخ موڑ لیا۔ان سے رخ موڑنے پر اس کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔اس نے لمبا سانس بھر کر اپنے غصے کو ضبط کیا۔اب تو اسے اس کام کی عادت ہو چکی تھی۔

زندہ رہیں تو کیا ہے جو مر جائیں ہم تو کیا

دنیا سے خامشی سے گزر جائیں ہم تو کیا

ہستی ہی اپنی کیا ہے زمانے کے سامنے؟

ایک خواب ہیں جہاں میں بکھر جائیں ہم تو کیا

اب وہ چیف کے سامنے بیٹھا اپنی ٹانگ جھلا رہا تھا۔جبکہ چیف غور سے اس کے تاثرات دیکھ رہے تھے۔اس کے چہرے پر لاپرواہی کے تاثرات جمے ہوئے تھے۔

چیف بہت دنوں سے اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔مگر وہ ان کا جواب ہی نہیں دے رہا تھا۔

اب وہ خاموشی سے اٹھا اور کافی میکر کے پاس گیا۔اسے معلوم تھا کہ چیف کے پاس آنے والے کافی خود بنایا کرتے تھے۔کافی بنانے کے بعد اس نے ایک کپ چیف کے آگے رکھ دیا اور ایک اپنے ہاتھ میں لے کر بیٹھ گیا۔

کمرے میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔چیف نے اپنے چہرے پر سرد تاثرات جمائے اور تھوڑا آگے کو جھکے۔

" اتنے دنوں کی تاخیر کی وجہ ؟" وہ بولے تو ان کا لہجہ کرخت تھا۔فیصل نے ان کی بات پر اپنے ابرو اٹھائے۔

" بزی تھا۔" وہ لاپرواہی سے بولا تو چیف نے سر ہلایا۔بیزی تو تم اب ہو گے برخوردار!

”برخوردار ! میرے متعلق جاننے کی کوشش مت کرو۔“ اب کی بار فیصل چونکا۔انہیں کیسے خبر ہوئی ؟

”حیران مت ہو۔میں تم سے ہمیشہ دس قدم آگے ہی رہوں گا۔“ وہ مسکرا کر بولے تو فیصل لاجواب ہو گیا۔

”تم اور تمہارے وہ سو کالڈ ذہین دماغ لاکھ کوشش کر لیں۔میرے بارے میں نہیں جان پائیں گے ۔خیر چھوڑو! میں نے اس بات کے لیے تمہیں یہاں نہیں بلایا۔“ فیصل جو سر جھکائے بیٹھا تھا ان کی بات پر اس نے سر اٹھایا۔چیف کو جو کرنا تھا وہ کر چکے تھے۔

” مجھے تم سے ایک کام ہے۔“ فیصل الجھن بھری نظروں سے چیف کو دیکھ رہا تھا۔انہیں اس سے ایسا کون سا کام پڑ گیا تھا۔جو ان کے لوگ نہیں کر سکتے تھے۔

”کیا کام ہے ؟ “

” الیکشنز ہونے والے ہیں۔“اب وہ وہاں سے اٹھے اور مونیٹرز کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ان کی بات پر فیصل نے نا سمجھی کے انداز میں سر ہلایا۔اب وہ مونیٹرز سے سسٹمز پر کام کرتے لوگوں کو دیکھ رہے تھے۔

"اب کی بار دلاور شاہ کی جگہ تم الیکشن میں کھڑے ہو گے۔" ان کی بات پر وہ چونک کر کھڑا ہو گیا۔

"ابھی نہیں کھڑا ہونا۔" وہ مسکرا کر بولے تو اس نے الجھ کر ان کی جانب دیکھا۔

"مگر کیوں ؟"

"کیا تم نہیں چاہتے تمہاری پاور بڑھے اور اس دلاور شاہ کا اقتدار ختم ہو جائے ؟" اب وہ واپس مڑے اور اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔ان کی بات پر فیصل نے سر اثبات میں ہلایا۔

" اگر تم الیکشن جیت گئے تو تم منسٹر بن جاؤ گے۔سوچو فیصل احمد ! تمہاری طاقت کتنی بڑھ جائے گی۔" وہ ہر لفظ پر زور دیتے بولے تو فیصل سوچ میں پڑ گیا۔

"مگر ابھی میں اپنے بدلے پر فوکس کرنا چاہتا ہوں۔" چیف مسکرا اٹھے۔

"تم اگر ایک دفعہ منسٹر بن گئے تو پھر دلاور شاہ کو اس کے انجام تک پہنچانا بالکل بھی مشکل نہیں ہو گا۔" فیصل نے اثبات میں سر ہلایا۔کہہ تو وہ ٹھیک رہے تھے۔

" ٹھیک ہے۔میں آپ کو سوچ کر بتاتا ہوں۔اب میں چلتا ہوں۔" وہ کھڑا ہوتے بولا۔ابھی وہ باہر جانے ہی والا تھا کہ چیف بول اٹھے۔

"میرا دلاور شاہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔اس لیے اپنے دماغ سے یہ بات نکال دو کہ میں تمہارے اور تمہارے بدلے کے درمیان میں آؤں گا۔" فیصل ان کی بات سنتا مڑا۔

" اور اسی مہینے تمہارے بھائی اور میری بیٹی کی شادی ہے۔مجھے امید ہے کہ تم کوئی مسئلہ کھڑا نہیں کرو گے۔اب تم جا سکتے ہو۔" انہوں نے سرد لہجے میں کہا تو فیصل سر ہلاتا وہاں سے چلا گیا۔اتنا تو وہ بھی جان چکا تھا کہ چیف نے اسے ڈھکے چھپے لفظوں میں اپنے سے دور رہنے کی دھمکی دی تھی۔

مطلب اب اسے آرگنائزیشن میں حمید خان کی انفارمیشن نکالنے سے منع کرنا تھا۔اسے لگا تھا کہ چیف اسے اس کے بدلے سے دور کر سکتے تھے۔مگر وہ غلط تھا۔

وہ اپنے کمرے میں بیٹھی ایک پیشنٹ کا ویٹ کر رہی تھی۔کچھ ہی دیر میں ایک ادھیڑ عمر عورت اندر داخل ہوئی۔

" ہیلو ڈاکٹر !" وہ مسکرا کر کرسی پر بیٹھ گئیں۔وہ سبز رنگ کا لباس پہنے ہوئے تھیں۔وہ مسز زیدی تھیں۔انہوں نے کچھ دن پہلے ہی اس سے اپوائنٹمنٹ لیا تھا۔"ہیلو مسز زیدی ! " اسرا اپنی مخصوص مسکراہٹ سجاتی بولی۔

"کیسی ہیں آپ ؟ کافی لیں گی؟" اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا تو مسز زیدی نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

" تھینک یو۔ میں ٹھیک ہوں۔" اب اسرا نے اپنی تھوڑی کے نیچے دونوں ہاتھ ان کی مٹھی جمائی اور میز پر تھوڑا سا آگے کو جھکی۔

"جی مسز زیدی ! کیا مسئلہ ہے آپ کے ساتھ؟" اس کی سنجیدہ سی سنہری آنکھیں مسز زیدی کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔اس کی بات پر مسز زیدی سوچ میں پڑ گئیں۔

" مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ میں آپ کو کیسے ایکسپلین کروں۔" وہ الجھے ہوئے انداز میں بولیں تو اسرا مسکرائی۔

"آپ جو فیل کرتی ہیں۔وہ آسان لفظوں میں مجھے بتائیں۔" وہ سادہ سے لہجے میں بولی تو مسز زیدی نے اثبات میں سر ہلایا۔

"مجھے نیند آتی ہے۔مگر جب میں سونے لگتی ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ ساری نیند اڑ گئی ہو۔" اسرا ان کی بات سنتی نوٹ پیڈ پر کچھ پوائنٹس لکھ رہی تھی۔

" اور جب سوتی ہوں تو تھوڑی دیر بعد پھر سے آنکھ کھل جاتی ہے۔" دماغ پر ہر وقت ایک پریشر سا محسوس ہوتا ہے۔اسرا اب سر ہلا رہی تھی۔اسے ان کے باتیں سمجھ میں آرہی تھیں۔

"ہر وقت جیسے سر پر تلوار سی لٹکی ہو کہ کچھ ہو جائے گا۔" میں نہ سکون سے سو پاتی ہوں اور نہ ہی سکون سے کوئی کام کر پاتی ہوں۔" اسرا نے پین رکھا اور ان کی جانب متوجہ ہوئی۔

"کیا آپ کو دن کے وقت ایسا لگتا ہے جیسے آپ کو بہت نیند آ رہی ہو ؟ " اس کی بات پر مسز زیدی نے حیرت سے سر ہلایا۔اسرا نے پھر سے نوٹ پیڈ پر کچھ لکھا۔

"کیٹا پلیسی یعنی مسلز میں ویکنس اور کچھ وقت کے لیے میسلز پیرا لائسز ؟ "اس کے سر جھکا کر پوچھنے پر مسز زیدی نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

"جی۔" انہوں نے شاکڈ لہجے میں یک لفظی جواب دیا۔

" ہیلو سینیشنز۔مطلب عجیب سے خیالات اور وسوسے ؟ "

" جی۔"اب عسریٰ نے نوٹ بیڈ ایک سائیڈ پر رکھا اور مکمل طور پر مسز زیدی کی جانب متوجہ ہوئی۔

نار کو لیپسی ! مطلب خوابی دورے۔ان کو نارکولیپسی تھا۔اب مسز زیدی اسرا کی جانب متوجہ تھیں۔

"آپ کو دن کے وقت بہت زیادہ نیند آتی ہے، مسلز میں ویکنس سی محسوس ہوتی ہے اور کبھی کبھار پیرالائسز بھی ہو جاتا ہوگا ! جس کی وجہ سے آپ سوتے ہوئے حرکت نہیں کر پاتی ہوں گی۔" مسز زیدی کو یہی سب کچھ محسوس ہوتا تھا۔

اور یہ کیوں ہوتا ہے ؟ ان کی بات پر اسرا سوچ میں پڑ گئی۔

"اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔جن میں آٹو امیونل ڈس آرڈرز ، فیملی ہسٹری ، ہارمونل چینج ، سٹریس وغیرہ شامل ہے۔" مسز زیدی نا سمجھی سے اس کی بات سن رہی تھیں۔

" میں ان سب کو ایکسپلین کرتی ہوں۔" اس نے ایک لمحے کا توقف لیا۔

”سب سے پہلے آٹو امیونل ڈس آرڈر۔ ہماری باڈی کا ایک اپنا امیون سسٹم ہوتا ہے۔جو بیماریوں کے خلاف لڑتا ہے۔اگر اس میں کوئی ڈس آرڈر پیدا ہو جائے تو اس کا اثر ہمارے دماغ پر ہوتا ہے۔“ قد آور کھڑکیوں سے سورج کی روشنی ترچھی ہو کر کمرے میں داخل ہو رہی تھی اور ایک عجیب سا سماں پیدا کر رہی تھی

”اس کے بعد فیملی ہسٹری۔کیا آپ کی فیملی میں سے آپ کے پیرنٹس کو کبھی ایسی سچویشن کا سامنا کرنا پڑا ہے ؟ “ اس کے سوالیہ انداز میں پوچھنے پر انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

”اور سب سے مین وجہ ہے ایموشنل سٹریس۔ آپ کسی وجہ سے سٹریس میں ہیں۔کوئی ایسی وجہ جو آپ کو پریشان کر رہی ہو ؟ “ مسز زیدی سوچ میں پڑ گئیں۔اسرا غور سے ان کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔یکدم انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

”بزنس لاس اور میری بیٹی کی وجہ سے میں بہت پریشان ہوں۔“ وہ تھکے سے انداز میں بولیں۔

” بیٹی کی وجہ سے ؟ “ یہ پوچھنا اس کے کام کا حصہ تھا۔اسے پیشنٹس کے متعلق ہر چھوٹی سے چھوٹی بات بھی معلوم ہونی چاہیے تھی۔

" میری بیٹی کی شادی کو پانچ سال ہو چکے ہیں۔ مگر ابھی تک اس کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اس کے سسرال والے اسے روز طعنے دیتے ہیں۔" ان کی بات پر اسرا نے تاسف سے سر ہلایا۔ یہ معاشرہ کس طرف کو جا رہا تھا؟

"مسز زیدی اولاد کا ہونا یا نہ ہونا انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اور ہم اس بات پر سوال ہی نہیں اٹھا سکتے۔" وہ آہستہ آواز میں بول رہی تھی۔

"جی ڈاکٹر! آپ کی بات درست ہے۔ مگر یہ بات لوگوں کو کیسے سمجھائی جائے؟" اسرا نے نفی میں سر ہلایا۔

"لوگ وہی بات سمجھتے ہیں جو وہ سمجھنا چاہتے ہیں۔ خیر! اب آپ کے مسئلے کی جانب آتے ہیں۔ آپ کے چند سیشنز ہوں گے۔ اس کے بعد آپ ان شاءاللہ ٹھیک ہو جائے گیں۔" پھر اس نے نوٹ پیڈ سے ایک کاغذ پھاڑ کر ان کی جانب بڑھایا۔

"یہ کچھ دوائیں ہیں۔ وقت پر لے لیجیے گا۔" ابھی وہ کچھ اور بولتی اسے دروازے سے محب اندر داخل ہوتا نظر آیا۔ جو اندر کسی خاتون کو دیکھتا وہیں رک گیا تھا۔

اسرا نے اس کا حلیہ دیکھ کر اپنے ابرو ستائشی انداز میں اٹھائے۔وہ تھری پیس سوٹ میں ملبوس تھا۔ایسا لگ رہا تھا کہ کسی کمپنی کا سی۔ای۔او غلطی سے وہاں آ گیا ہو۔

”سوری ! میں باہر ویٹ کرتا ہوں۔“اس کی بات پر مسز زیدی نے نفی میں سر ہلایا۔

” بیٹا ! میں جا رہی تھی۔آپ آجائیں۔“وہ اپنا بیگ اٹھاتی کھڑی ہو گئی۔

مسز زیدی کے جانے کے بعد محب لمبے لمبے ڈگ بھرتا اسرا کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔اس کی سنجیدہ سی سرمئی آنکھیں اسرا کی چمکتی سنہری آنکھوں سے ٹکرا رہی تھیں۔چند لمحوں کے لیے وقت وہیں پر رک گیا پھر اسرا نے اپنا سر جھٹکا۔

” السلام علیکم !“ اسرا اس کے حلیے کو دیکھ رہی تھی۔” وعلیکم السلام ! کیسے ہیں آپ ؟“ اس کے سوال پر وہ مسکرایا۔اس نے اپنے ابرو کو کھجاتے ہوئے سر کو ہلکا سا خم دیا۔

” ٹھیک ہوں۔آپ کیسی ہیں ؟ “ اسے جواب معلوم تھا۔مگر پھر بھی اس نے یہ پوچھنا ضروری سمجھا۔

”الحمداللہ ! محب کی سرمئی آنکھیں مسکرائیں۔پھر اسے چند لمحوں پہلے کا منظر یاد آیا۔

”ڈاکٹر آپ نے کچھ دیر پہلے ان خاتون کو میڈیسن پرسکرائب کی ہے؟ “ اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔دیوار پر نصب سنہری گھڑی کی ٹک ٹک کی مدھم آواز پورے کمرے میں گونج رہی تھی۔

”جی !“ اسرا نے اثبات میں سر ہلایا۔لہجہ متوازن سا تھا۔

”مگر سائیکولوجسٹ تو میڈیسن پرسکرائب نہیں کر سکتے !“ وہ ناسمجھی سے بولا تو اسرا کی سنہری آنکھیں مسکرائیں۔

”جی بالکل سائیکالوجسٹ میڈیسن پرسکرائب نہیں کر سکتے۔مگر سائیکیٹرسٹ کر سکتے ہیں۔“ اس کے مسکرا کر بولنے پر محب انگشت بہ دنداں رہ گیا۔مطلب وہ سائیکیٹرسٹ تھی !

آپ سائیکولوجسٹ نہیں ہیں ؟ وہ حیرت سے بولا تو عسریٰ نے اس کی حالت دیکھ کر اپنی مسکراہٹ دبائی۔

”ہوں! “

” اور سائکیٹرسٹ ؟“ وہ حیرت زدہ لہجے میں بولا۔”وہ بھی ہوں۔“

” اٹ از امپوسیبل۔“ وہ شیشے کی میز پر دونوں ہاتھ جماتا بولا۔

"نتھنگ از امپوسیبل۔" ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا گیا۔

"ایسا کیسے ممکن ہے ؟ اٹ ریکوائرز آ لوٹ آف ٹائم۔" وہ سچ میں سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اسرا سائیکالوجسٹ اور سائیکیٹرسٹ دونوں کیسے تھی۔"میرے بابا یونیورسٹی کے ٹرسٹی تھے۔" محب گنگ رہ گیا۔

" مطلب آپ نے رشوت کا استعمال کیا ؟ " اس کی بات پر اسرا کا سر گھوم گیا۔اسے وہ رشوت سے کام کرنے والی لگتی تھی ! پھر اس نے لمبا سانس بھرا۔

" نہیں ! بس ایڈمیشن کے لیے تھوڑے سے تعلقات استعمال کیے۔اس کے بعد کسی نے میری مدد نہیں کی۔سارا ٹائم میں نے خود ہی مینج کیا۔" اس کی بات پر محب نے سکون کا سانس بھرا۔

" بہت مشکل ہو گا ایک ہی وقت میں دو دو چیزوں پر فوکس کرنا وہ بھی اتنی مشکل چیزیں!" اب اسرا کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔

" بہت مشکل تھا۔ مگر بہت مزہ آیا۔جو مزہ محنت کر کے کام کرنے میں ہے وہ کسی کام میں نہیں۔جب تک دماغ کھپ نہ جائے تب تک محنت اپنا رنگ نہیں دکھاتی۔" اسرا محب کے متبسم چہرے کی طرف دیکھتی بول رہی تھی۔

"ہر کوئی اسرا یاسر نہیں ہوتا۔" وہ ستائشی انداز میں بولا تو اسرا نے نفی میں سر ہلایا۔

"کسی کو اسرا یاسر بننے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ہر انسان اپنی ذات میں منفرد ہے۔" وہ ہاتھ ہلاتے ہوئے بولی تو محب کی نظر اس کے ہاتھوں پر پڑی اور وہیں جم گئی۔اس نے پہلے دفعہ اس کے ہاتھوں پر غور کیا تھا۔سفید رنگت والے' لمبی لمبی انگلیوں والے' باریک سے ہاتھ!!

وہ چند لمحے اس کے ہاتھوں کو خاموشی سے تکتا رہا۔اچانک سے دل میں انہیں تھامنے کی عجیب سی خواہش پیدا ہوئی۔اس نے آنکھیں میچ کر اپنے خیال کو جھٹکا۔اسرا نے بڑے غور سے اس کے چہرے پر امنڈنے والے ہر تاثر کو دیکھا تھا۔

"مسٹر محب ! آپ کہیں جا رہے تھے ؟" اسرا کی آواز پر وہ اپنی سوچوں سے باہر نکلا۔

”جی ! آج پہلی دفعہ آفس گیا تھا۔“ اب اس نے اپنی نظروں پر پہرے بٹھا لیے تھے۔وہ اسے اپنی نظروں کی وجہ سے شرمندہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

”یہ تو بہت اچھی بات ہے۔کانگریچولیشنز!“ وہ مسکراتے ہوئے بولی تو محب بھی ہلکا سا مسکرایا۔

”ویسے آپ جلدی واپس نہیں آگئے ؟ ابھی تو ایک بھی نہیں بجا۔“ اس نے ٹک ٹک کرتی سنہری گھڑی کی جانب اشارہ کیا تو محب نے بھی اس کے اشارے کے تعاقب میں دیکھا۔

”ڈاکٹر اسرا ! آج پہلا دن تھا۔کل سے باقاعدگی سے جایا کروں گا۔آفٹر آل کمپنی کا نیکسٹ سی۔ای۔او ہوں۔“ اسرا نے اثبات میں سر ہلایا۔اب محب کی نظریں اسرا کے چہرے پر مرکوز تھیں۔جہاں پر سادگی اور پاکیزگی چھائی ہوئی تھی۔سبز سٹول کو چہرے کے گرد لپیٹے وہ اب سر جھکائے بیٹھی تھی۔

یکدم اسرا کو کچھ یاد آیا۔تو اس نے سر اٹھا کر محب کی جانب دیکھا۔

اب اسرا کی سنہری آنکھیں جگمگا رہی تھیں۔

”مسٹر محب ! تھینک یو سو مچ۔“ ایک لمحے کے لیے محب کو اچنبا ہوا۔وہ کس چیز کے لیے شکریہ ادا کر رہی تھیں ؟ مگر پھر اسے یاد آگیا۔

"کس چیز کے لیے ؟ "وہ جان کر بھی انجان بنا۔اسرا مدھم سا مسکرائی۔

" مسٹر محب ! کچھ چیزوں سے انجان نہیں بنا کرتے۔ورنہ پھر وہ اپنے آپ کو جاننے کا موقع نہیں دیتیں۔" محب نے سوالیہ انداز میں ابرو اٹھائے۔

"خیر چھوڑیں ! میں کل والی چیزوں کے لیے آپ کا شکریہ ادا کر رہی تھی۔"محب نے اثبات میں سر ہلایا۔"اس میں شکریہ والی تو کوئی بات نہیں۔وہ سب چیزیں آپ کا حق تھیں۔" اسرا نے نفی میں سر ہلایا۔

" نہیں مسٹر محب ! ابھی میرا ان چیزوں پر کوئی حق نہیں ہے اور نہ ہی میں وہ لینا چاہتی ہوں۔اس لیے آئندہ آپ میرے لیے کوئی چیز مت خریدیے گا۔"وہ بے تاثر لہجے میں بولی۔

ہاں ! اس کا ان چیزوں پر کوئی حق نہیں تھا۔جب ان کے دینے والے پر کوئی حق نہیں تھا تو ان چیزوں پر کیسے ہوتا! مگر یہ بات محب کو بری نہیں لگی تھی۔وہ مسکرا اٹھا۔وہ آج اسی حق کی بات کرنے آیا تھا۔

" اسی لیے آپ نے ان میں سے کوئی چیز نہیں پہنی ؟ " اس نے اسرا کے خالی ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ جن میں آرائش کے نام پر صرف ایک سنہری گھڑی بندھی ہوئی تھی۔ اسرا نے اس کی بات کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا۔ یکدم اسرا کو کچھ یاد آیا۔

"آپ کے گھر پر حملہ کس نے کیا تھا ؟" اس کے سوال پر محب ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گیا۔

اس نے ایک لمبا سانس ہوا کے سپرد کیا۔ اس کے بعد وہ اسے ساری بات بتاتا چلا گیا۔ اسرا حیرت سے دنگ رہ گئی۔

"ڈاکٹر فیصل نے آپ کے گھر پر حملہ کروایا ؟" وہ حیرت کے زیرِ اثر بولی تو محب نے اثبات میں سر ہلایا۔

"مگر کیوں؟"

" اسے معلوم ہو گیا تھا کہ میں آپ کے گھر رشتہ لایا تھا۔" اس کی بات پر اسرا نے ناسمجھی سے محب کی جانب دیکھا۔

"انہیں کیسے معلوم ہو سکتا ہے ؟" اس کا گھر تو مکمل طور پر سکیور تھا۔ محب سوچ میں پڑ گیا۔

"مجھے لگتا ہے کہ اس نے آپ کے گھر کیمراز لگائے ہوئے ہیں۔" اسرا نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔شاید اس نے آپ کے گھر لگائے ہوں۔" اس کی بات پر محب جھنجھلا اٹھا۔

"ڈاکٹر ! وہ میرے گھر بہت دنوں سے نہیں آیا۔ہاں ! کل اس کے آدمی میری غیر موجودگی میں آئے تھے ۔اگر میں وہاں ہوتا تو میری موجودگی میں وہ میرے گھر میں قدم بھی نہیں رکھ پاتے۔" وہ ہر لفظ پر زور دیتا بولا۔پھر اس نے سر پر ہاتھ رکھ کر کچھ سوچا۔

"کیا کچھ دن پہلے آپ کے گھر میں کوئی آیا تھا ؟یا پھر آپ کو کوئی مشکوک سرگرمی نظر آئی ہو ؟"

اسرا اب اپنی بھنویں سکیڑے کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔پھر یکدم اس کے دماغ میں چھپاکہ ہوا۔

"حارث آیا تھا کنزیٰ کے ساتھ۔" اس کی بات پر محب نے اثبات میں سر ہلایا۔ضرور اس نے کچھ کیا ہو گا!

”اور اسی دن کوئی مشکوک سرگرمی؟ “اب کی بار اسرا آنکھیں بند کیے اپنے دماغ پر زور دے رہی تھی۔کوئی مشکوک سرگرمی اسے یاد نہیں آرہی تھی۔اس نے آنکھیں کھولیں تو اس کی نظر محب کے پیچھے دیوار پر لگی کیلیگرافی کی پینٹنگ پر پڑی۔

ہاں پینٹنگ ! مگر وہ کوئی مشکوک سرگرمی تو نہیں تھی۔

”مسٹر محب ! مجھے ایک بات یاد ہے۔مگر پتہ نہیں وہ مشکوک ہے یا نہیں !“ مبہم لہجے میں کہا گیا۔

”آپ بتا دیں۔شاید کام کی بات ہو۔“

” ہمارے لاؤنج میں ایک پینٹنگ ہے۔اس کا اینگل کچھ اس طرح ہے کہ وہاں سے سارا لاؤنج دکھائی دیتا ہے۔“ اس نے ایک لمحے کا توقف لیا۔

” حارث لوگوں کے جانے کے بعد میری اس پینٹنگ پر نظر پڑی تھی۔وہ مجھے تھوڑی سی ترچھی لگی تھی۔جسے میں نے ٹھیک کر دیا۔“محب کا جاسوسی دماغ اسے کہہ رہا تھا کہ دال میں کچھ نہ کچھ تو ضرور کالا ہے۔

”اس کے اندر کیمرہ ہو سکتا ہے۔“ اسرا نے اچھنبے سے اس کی جانب دیکھا۔

"پینٹنگ میں کیمرہ؟"

"نہیں! اس کے فریم میں۔ شاید بہت چھوٹا ہو۔ جسے آپ نوٹس نہ کر پائی ہوں۔ میں آپ کے گھر آؤں گا اور اس پینٹنگ کو اتار لوں گا۔" وہ سوچ سوچ کر بول رہا تھا۔

"جی ٹھیک ہے۔ مجھے آپ سے ایک بات پوچھنی تھی۔" اسرا کی بات پر وہ اس کی جانب متوجہ ہوا۔

"جی پوچھیں۔" وہ اپنی تھوڑی کے نیچے ہاتھ جماتا مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتا بولا۔

"کیا آپ کا میرے پاس آنا کسی پلان کا حصہ تھا؟" اس کے جانچتے لہجے پر محب کا ہاتھ نیچے جھول گیا۔ چہرے کی مسکراہٹ مدھم پڑ گئی اور وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"بتائیں مسٹر محب!" اس کی بات پر محب نے نفی میں سر ہلایا۔

"میرا پلان نہیں تھا۔ اللہ کا پلان تھا۔ اللہ نے ہم دونوں کو ملوانا ہی تھا۔" اب وہ اس کے چہرے پر نظریں جماتا بول رہا تھا۔ اسرا نافہمی کے تاثرات کے ساتھ اسے تک رہی تھی۔

"ڈاکٹر حمنہ کے پاس جانا میرے پلان کا حصہ تھا۔"

اس نے لمبا سانس بھرا۔

"میں انہیں پہلے ہی وارن کرنا چاہتا تھا۔ مگر انہوں نے مجھے آپ کے پاس بھیج دیا۔" اسرا کی نگاہوں کے سامنے ان کی پہلی ملاقات گھوم گئی۔جب محب چہرے پر ناگواری سجائے اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

" مطلب آپ کو کچھ نہیں تھا ؟ آپ نے مجھ سے ہر بات جھوٹ کہی ؟" وہ بے یقینی سے بولی۔محب نے اس سے ہر بات جھوٹ کہی تھی۔اس کے بے یقینی بھرے لہجے پر محب نے کرب سے اپنی آنکھیں بند کیں۔

" باخدا! ڈاکٹر اسرا ! میں نے اپنی عمر اور تعلیم کے علاوہ آپ سے کچھ جھوٹ نہیں کہا۔مجھے واقعی میں سکون کی تلاش تھی اور میں سچ میں خودکشی کی کوشش کر چکا تھا۔" وہ شدت بھرے لہجے میں بولا۔وہ نہیں چاہتا تھا کہ اسرا اس سے بدگمان ہو جائے۔ابھی تو سب چیزیں ٹھیک ہونا شروع ہوئی تھیں۔

اسرا نے اپنی آنکھیں بند کر کے ایک لمحے کے لیے اپنے آپ سے پوچھا کہ کیا اسے محب کا یقین کرنا چاہیے؟ پھر اس نے اپنی آنکھیں کھولیں تو اب ان میں بے یقینی کی بجائے خفگی تھی۔

" پلیز ! میرا یقین کریں۔"محب آنکھوں میں التجا لیے بولا تو اسرا کسی سوچ میں گم ہو گئی۔

" میں آپ کا یقین کروں گی۔ مگر میری ایک شرط ہے۔" وہ بے تاثر لہجے میں بولی۔

"ہر شرط منظور ہے۔"

"مجھے آپ کی زندگی سے متعلق ہر بات جاننی ہے۔میں نہیں چاہتی کہ میں ایک ایسے انسان کی ہمسفر بنوں جس کے بارے میں مجھے کچھ بھی معلوم نہ ہو اور جو معلوم ہو وہ بھی جھوٹ ہو۔" اس کے سرد لہجے میں کہے جانے والے جملے پر محب خاموش رہ گیا۔وہ اسے اپنے بارے میں سب کچھ کیسے بتا سکتا تھا ؟ پھر اس نے لمبا سانس بھرا۔

"میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں۔جس دن آپ میرے نکاح میں آئیں۔اس دن میں آپ کے سامنے اپنی ذات کو کھول کر رکھ دوں گا۔یہ محب رضا حسین کا آپ سے وعدہ ہے۔"وہ نرم نظروں سے اسے دیکھتا بولا تو اسرا نے اثبات میں سر ہلایا۔جس طرح اس کی چیزوں پر اس کا ابھی کوئی حق نہیں تھا۔تو اس کے رازوں پر کیسے حق ہوتا ؟

"اور اگر محب رضا حسین نے یہ وعدہ پورا نہ کیا تو؟" اب وہ اپنے ابرو اٹھائے سوالیہ انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔

" اس دن ذوجئہ محب اسے جو سزا دیں گی۔وہ اسے قبول ہوگی۔" اس کی بات پر اسرا کے گال تب اٹھے۔جنہیں دیکھ کر محب مسکرایا۔

"مجھے آپ سے ایک بات کرنی تھی۔"کچھ دیر بعد محب بولا۔

"جی !"

"آپ میری بات آرام سے سنیں گی اور غصہ بھی نہیں کریں گی۔" اس کی بات پر اسرا نے متجسس نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

"پہلے بات تو بتائیں۔" اس پر محب نے جو جملہ کہا اسے سن کر وہ حیرانی سے کھڑی ہو گئی۔محب بے چارگی سے اس کے حیران چہرے کو دیکھتا رہ گیا۔

اسرا کے سر پر جیسے کمرے کی چھت گر گئی۔وہ حیرت سے آنکھیں کھولے محب کو تک رہی تھی۔ جبکہ محب دل ہی دل میں دعائے خیر مانگ رہا تھا۔پھر وہ کھوئے سے انداز میں کرسی پر بیٹھ گئی۔

" مسٹر محب ! ایسا نہیں ہو سکتا۔اٹ از امپوسیبل۔" وہ دو ٹوک لہجے میں بولی تو محب کے چہرے پر یک طرفہ مسکراہٹ چھا گئی۔

"ابھی کچھ دیر پہلے کسی نے مجھ سے کہا تھا کہ نتھنگ از امپوسیبل۔" وہ اسرا کا جملہ اسے ہی لوٹا رہا تھا۔ویسے بھی وہ لفظوں کا کھلاڑی تھا۔اسے معلوم تھا کہ کون سا داؤ کہاں استعمال کرنا تھا!! مگر صرف اس لڑکی کے سامنے وہ لاجواب ہو جایا کرتا تھا۔اس کی بات سن کر اسرا عاجز آگئی۔اس نے سائیڈ ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھایا اور محب کے سامنے رکھا۔

"مسٹر محب ! آپ پانی پئیں۔اور اپنے دماغ کو ٹھنڈا کریں۔پھر آرام سے اس بارے میں بات کرتے ہیں۔"محب نے سر جھٹک کر پانی کے دو گھونٹ بھرے اور پانی کا گلاس زور سے میز پر رکھا۔

" ڈاکٹر اسرا !" اب کی بار اس کا انداز دو ٹوک تھا۔سرمئی آنکھوں میں ایک عجیب سا تاثر تھا۔جسے اسرا نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔

" میں نے جو کچھ دیر پہلے کہا وہی میرا آخری فیصلہ ہے اور آپ کو ہر حال میں میرا ساتھ دینا ہوگا۔" اس کے جم کر بولنے پر اسرا نے ماتھے پر تیوری سجا کر اسے دیکھا۔

"آپ کو معلوم بھی ہے کہ آپ نے کیا کہا ہے ؟" وہ اپنے سینے کے گرد بازو لپیٹتی تیکھے انداز میں بولی۔اب اس کے چہرے پر کرخت تاثرات سجے ہوئے تھے۔محب میز پر آگے کو جھکا اور اس کی سنہری آنکھوں میں اپنی سرمئی آنکھیں ڈالیں۔

" جی ڈاکٹر اسرا ! مجھے اچھے سے معلوم ہے کہ میں نے کیا کہا ہے۔" اس نے اسرا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ایک لمحے کا توقف لیا۔

" میں نے کہا ہے کہ اس جمعہ کو ہمارا نکاح ہے۔ڈیٹس اٹ۔"آخر میں اس نے بے نیازی سے شانے اچکاتے ہوئے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی۔اسرا کا دماغ گھوم اٹھا۔

"یہ اتنی عام بات نہیں ہے۔جو آپ اتنی اسانی سے کہہ رہے ہیں۔نکاح ہے دونوں خاندانوں کی رضا مندی اور شمولیت ضروری ہے۔"اب وہ صلح جو انداز میں بولی تو محب مسکرایا۔اس کے مسکرانے سے سرمئی آنکھیں جگمگائیں۔ان کی چمک بہت خوبصورت تھی۔آنکھوں کو ایک سکون پہنچانے والی چمک !

" ڈاکٹر اسرا ! میں جانتا ہوں کہ میں نے کوئی عام بات نہیں کی۔میں نے محب رضا حسین اور اسرا یاسر کے نکاح کی بات کی ہے اور رہی بات خاندان کی تو ہمارے خاندان والے بھی رضامند ہیں۔اب

بس میری مام آپ کی مما سے نکاح کی بات کریں گی۔"وہ ایسے بات کر رہا تھا جیسے اخبار کا مطالعہ کر رہا ہو۔اسرا کو اب کی بار سمجھ نہیں آئی کہ وہ اسے کیا کہے کہ وہ مان جائے۔

" ڈاکٹر اسرا ! " اسرا کی سنہری آنکھوں میں الجھن واضح تھی۔اس نے سوالیہ انداز میں محب کی جانب دیکھا۔

"آپ نے خود ہی رشتے کے لیے رضامندی دی تھی۔پھر اب آپ کو کیا اعتراض ہے ؟" وہ سننا چاہتا تھا کہ اسرا کیوں اس رشتے سے گریز کر رہی تھی۔اس کی بات پر اسرا نے محب سے اپنی آنکھیں چرائیں۔

" جواب دیں اسرا ! ایسی کون سی بات ہے جو آپ کو اس رشتے میں آگے بڑھنے سے روک رہی ہے ؟ "اس کی نظریں اسرا کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔اسرا نے اس کے سوال پر لمبا سانس بھرا۔

"مسٹر محب !" وہ اب اس کے چہرے کی جانب نہیں دیکھ رہی تھی۔

"میں نہیں چاہتی کہ میں کسی رشتے سے غداری کروں۔" اس کے مدھم لہجے میں کہے جانے والے جملے میں ایک ڈر تھا کہ کہیں وہ رشتوں کے معاملے میں غدار نہ بن جائے۔اس کی بات سن کر محب مسکرایا۔وہ اس کا ڈر اچھے سے سمجھ رہا تھا۔

"ڈاکٹر اسرا! آپ کی نظریں جھکی ہوئی اچھی نہیں لگتیں۔میری طرف دیکھیں۔" آج پہلی دفعہ اسرا نے اس کے سامنے اپنا ڈر پیش کیا تھا۔تو وہ اسے کمتر کیوں محسوس ہونے دیتا۔اسے تو وہی دبنگ سی اسرا، کسی سے نہ ڈرنے والی اسرا پسند تھی۔اسرا نے اس کی جانب دیکھا تو اس کی آنکھوں میں ایک انجانا سا ڈر ہچکولے کھا رہا تھا۔

"میں جس اسرا کو جانتا ہوں۔وہ کبھی غداری کر ہی نہیں سکتیں۔آپ کے دل میں اللہ نے وفا ڈالی ہے اور جس کے دل میں وفا ہو وہ کبھی بےوفائی کا مرتکب ہو ہی نہیں سکتا۔" وہ شیریں لہجے میں بولتا اسے معتبر کر گیا۔اسرا نے مشکور نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

کچھ لوگوں کی آپ کی زندگی میں جو جگہ مرضی ہو وہ آپ کو کبھی بھی جھکنے نہیں دیتے۔نہ ہی اپنے آگے اور نہ ہی کسی دوسرے انسان کے آگے۔

”آپ کو لگتا ہے کہ آپ اس ارمان احمد کی وجہ سے اپنے رشتے سے غداری کریں گی ؟“ اس کی بات پر اسرا نے فوراً سے نفی میں سر ہلایا۔

”اپنے دل کی وجہ سے۔“ اس کی بات پر محب مسکرایا۔

”آپ نے خود کہا تھا کہ اگر محبت دل میں دفن ہو جائے تو اس کی قبر کے اوپر مضبوط پرتیں چڑھ جاتی ہیں جن کی وجہ سے وہ محبت باہر نہیں نکل سکتی۔آپ فکر نہ کریں میں اتنی مضوط پرتیں چڑھا دوں گا کہ آپ کے دل میں اس کا خیال بھی نہیں آئے گا۔“ اس نے ایک لمحے کا توقف لیا اور لہجہ تھوڑا دھیما کر لیا۔

”میں جانتا ہوں یک طرفہ محبت بہت تکلیف دیتی ہے۔زندگی کی سب سے بڑی تکلیف یہ ہے کہ آپ کسی کو رو رو کر مانگ رہے ہوں۔۔وہ انسان آپ کے ہر خیال میں آپ کے ساتھ ہو۔۔“وہ زخمی سا مسکرایا۔اس کے لہجے کے درد کو محسوس کرتی اسرا دنگ رہ گئی۔

”اور اس انسان کے وہم و گمان میں آپ کا عکس تک نہ ہو۔“ اس نے لمبا سانس لے کر اپنی بات مکمل کی اور پانی کا گلاس اٹھا کر اپنے گلے میں انڈیلا۔اب اسرا حیرت سے اسے تک رہی تھی۔

" آئی ایم سوری مسٹر محب !" اس کی بات پر محب نے نفی میں سر ہلایا۔

"ڈاکٹر اسرا ! آپ کی غلطی نہیں ہے۔یہ تو مقدروں کی باتیں ہیں۔کسی کی قسمت میں یک طرفہ محبت آتی ہے تو کسی کی قسمت میں آدھا بٹا ہوا انسان۔ وہ لوگ نصیبوں والے ہوتے ہیں جنہیں ایک دوسرے کی محبت نصیب ہوتی ہے۔" اسرا کے دل میں احساس ندامت بڑھتا چلا گیا۔

"مسٹر محب ! میں آدھی بٹی ہوئی انسان نہیں ہوں۔مجھے اللہ پر پورا یقین ہے کہ وہ مجھے آپ سے بےوفائی نہیں کرنے دے گا۔" وہ پریقین لہجے میں بولی۔

" ڈاکٹر اسرا ! میں نے آپ سے محبت کی ہے۔ملکیت کا دعویٰ نہیں کیا۔" وہ مضبوط لہجے میں بول رہا تھا۔کوئی انسان اس بات کو کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ وہ جس سے محبت کرتا ہے۔اس کے دل پر کسی اور انسان کے پہرے ہوں۔

" آپ میرے لیے اللہ کی نعمت ہیں۔میں اس بات کو قبول کر چکا ہوں کہ آج آپ کے دل میں میرے لیے محبت نہیں ہے۔مگر میں اس بات پر بھی یقین رکھتا ہوں کہ جس اللہ نے ہمیں ملوایا ہے۔

وہی آپ کے دل میں میرے لیے الفت بھی ڈالے گا۔" اس کے لہجے میں کمال کا یقین تھا۔ایسا یقین جو چٹانوں کو بھی اپنی جگہ سے ہلا کر رکھ دے۔

" آپ کو ارمان سے یک طرفہ محبت ہوئی اور مجھے آپ سے۔فرق بس اتنا ہے کہ آپ میری قسمت میں ہیں اور وہ آپ کی قسمت میں نہیں۔"اس کی بات پر اسرا کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے نمی ٹھہر گئی۔

"مجھے نکاح کی طاقت پر یقین ہے۔آپ آنٹی کو نکاح کی بات کرنے کے لیے میرے گھر بھیج سکتے ہیں۔" اس نے لمبا سانس بھر کر کہا تو محب مسکرایا۔

"شکر الحمداللہ ! تھینک یو سو مچ۔" اس نے شکر کا سانس لیا کہ وہ راضی تو ہو گئی۔

"اس کی ضرورت نہیں۔خیر آل کافی پیئیں گے؟" اس نے سائیڈ پر پڑے کافی میکر کی جانب اشارہ کیا ۔ایک لمحے کے لیے محب کو چیف کا کمرہ یاد آگیا۔مگر پھر اس نے اپنا سر جھٹک دیا۔

" آج میں آپ کو کافی بنا کر دوں گا۔" وہ کوٹ اتارتا کھڑا ہو گیا۔پھر اس نے کوٹ کو کرسی کی پشت پر رکھ دیا۔

"آپ کو کافی بنانی آتی ہے ؟" وہ اپنی سفید شرٹ کے کف موڑتا کافی میکر کی جانب بڑھا۔اس کے سوال پر وہ مسکرایا تھا۔اس کے توانا بازو شرٹ سے باہر جھلک رہے تھے۔جن کی سبز اور نیلی نسیں واضح طور پر دکھائی دے رہی تھیں

"بالکل اور میں بہت اچھی کافی بناتا ہوں۔" اب وہ کافی میکر کے پاس پڑا ہوا سامان دیکھ رہا تھا۔اس کی بات پر اسرا کے ابرو ستائشی انداز میں اٹھ گئے۔

" ویسے کون سی کافی پئیں گی آپ؟ امیریکانو، ایکسپریسو ، کیپیچینو ، لاٹے ، موچا۔۔۔" ابھی وہ پوری لسٹ تیار کیے بیٹھا تھا کہ اسرا نے اس کی بات کاٹ ڈالی۔

"بس بس۔مجھے بس ایک کپ بلیک کافی چاہیے۔" اس کی بات پر محب نے سر ہلاتے ہوئے کافی بینز کافی میکر میں ڈالے ۔اسرا اس کے تیزی سے چلتے ہاتھ دیکھ رہی تھی۔اس کے کام میں اسے ایک مہارت نظر آرہی تھی۔ایک پرفیکشن! جیسے وہ بہت سالوں سے یہ کام کرتا آ رہا ہو۔

" کہاں سے سیکھی ؟" اب وہ دو کالے مگ لیے اس کے سامنے آ بیٹھا۔ایک اس نے اسرا کے سامنے رکھ دیا۔

"کسی نے بہت پہلے سکھائی تھی۔" وہ یاد کرتا ہوا بولا تو اسرا نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اب آگے کا کیا ارادہ ہے ؟" اسرا نے کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔تازگی کی ایک لہر اس کے اندر تک اتر گئی۔اس کی بات سنتا محب مسکرایا۔

" آپ سے شادی۔" اس نے اپنا ابرو کھجاتے ہوئے کہا تو اسرا نے تیکھی نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔اس کے دماغ میں ایک شعر نے اپنے ڈیرے جما لیے۔

" آپ کی بات پر مجھے ایک شعر یاد آیا ہے۔" وہ مگ میز پر رکھتی بولی تو محب نے ابرو اچکائے۔

"ارشاد !!"

" اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا

راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا "

اس کے خوبصورت انداز میں شعر پڑھنے پر محب خاموش رہ گیا۔پھر اس نے گہرا سانس بھر کر مگ میز پر رکھا اور اپنا گلا کھنکارا۔

"مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ

میں نے سمجھا تھا کہ تو ہے تو درخشاں ہے حیات

تیرا غم ہے تو غمِ دہر کا جھگڑا کیا ہے ! "

محب کی چمکتی نظریں اسرا کے چہرے پر جمی تھیں۔جو کافی چھوڑ کر تھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھے آنکھیں بند کیے اس کی آواز سن رہی تھی۔اس کی آواز یقیناً بہت خوبصورت تھی۔

"تیری صورت سے ہے عالم میں بہاروں کو ثبات

تیری آنکھوں کے سوا اس دنیا میں رکھا کیا ہے "

محب کے لیے وقت اس کی بند سنہری آنکھوں کے پار ہی کہیں رک گیا تھا۔جبکہ اسرا کو صرف اس کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"تو جو مل جائے تو تقدیر نگوں ہو جائے

یوں نہ تھا، میں نے فقط ایسا چاہا تھا"

اب اس کی نظریں اسرا کے میز پر دھرے مخروطی انگلیوں والے ہاتھوں پر تھیں۔پھر اس نے سر جھٹک دیا۔

”اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا

راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا

مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ

مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ“

اس نے لمبا سانس بھر کر غزل کا اختتام کیا۔اسرا کو ایسا لگا کہ اسے کسی خواب سے بیدار کر دیا گیا ۔اس نے آنکھیں کھول کر ستائشی انداز میں محب کے چہرے کی جانب دیکھا۔

”کافی عمدہ غزل پڑھی آپ نے۔“ وہ ابھی بھی محب کی آواز کو اپنے کانوں میں گونجتا محسوس کر رہی تھی۔اس کی بات پر محب نے سر کو ہلکا سا خم دیا۔

”شکریہ۔اب میں چلتا ہوں۔شام میں آپ کے گھر آؤں گا۔سب سے پہلے اس پینٹنگ کو گھر سے باہر نکالوں گا۔“ وہ بولا تو اسرا نے اثبات میں سر ہلایا۔

”اوکے۔“ اب محب نے کوٹ اپنے بازو پر ڈالا اور کھڑا ہو گیا۔

” فی امان اللہ ! اپنا خیال رکھیے گا۔“

”اللہ حافظ ! “ محب سر ہلاتا کمرے سے باہر نکل گیا جبکہ اسرا اب ٹیبل سے ایک فائل اٹھا کر پڑھنے لگی۔

سمندر سارے شراب ہوتے تو سوچو کتنے فساد ہوتے

گناہ نہ ہوتے ثواب ہوتے تو سوچو کتنے فساد ہوتے

کس کے دل میں کیا چھپا ہے یہ تو رب ہی جانتا ہے

دل اگر بے نقاب ہوتے تو سوچو کتنے فساد ہوتے

ان کی نظریں نہ جان پائیں اچھائیاں ہماری محسنؔ

ہم جو سچ میں خراب ہوتے تو سوچو کتنے فساد ہوتے

”کہاں ہو تم ؟ “ فیصل ہاسپٹل میں اپنے کمرے میں موجود تھا اور اپنی چیئر سے ٹیک لگا کر وہ کان کے ساتھ فون لگائے حارث سے استفسار کر رہا تھا۔جبکہ اس کی نظریں کمرے کے بند دروازے پر تھیں

اے۔سی کی ٹھنڈک پورے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔زرد اور سفید روشنیوں سے جگمگاتے کمرے میں اس وقت اس کے ٹام فارڈ کی مہک موجود تھی۔

وہ آج خلافِ معمول سادہ سی سفید شرٹ اور نیلی جینز میں ملبوس تھا۔بھورے بال اس کی پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔

”آفس میں ہوں۔“ دوسری جانب حارث کچھ فائلز پر سائن کرتا مصروف سا بولا۔وہ لوگوں کے اثاثوں کو خریدتے تھے اور پھر آگے منافع بخش داموں میں بیچتے تھے۔اس کی بات پر فیصل نے اپنے بیرڈ پر ہاتھ پھیرا۔

”نیچے جاؤ اور سب کو حمید خان کے متعلق انفارمیشن نکالنے سے منع کرو۔“ حارث کے فائل پر سائن کرتے ہاتھ ساکن ہو گئے۔اس نے ناسمجھی سے اپنے دوسرے ہاتھ میں پکڑے ہوئے فون کو دیکھا۔ایسا کیا ہو گیا تھا جو وہ حمید خان کے متعلق انفارمیشن نکلوانے سے منع کر رہا تھا؟

”کیوں ؟“ اس کے سوال پر فیصل نے اپنی آنکھیں گھمائیں۔

"تم سوال پوچھے بنا میرا کوئی کام کیوں نہیں کرتے ؟" وہ تنگ آ کر بولا تو حارث نے گہرا سانس بھر کر فائل بند کری اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی۔

"اور تم کیوں مجھے ہر بات میں شامل نہیں کرتے ؟" اس کا انداز تھکا ہوا تھا۔"کیوں سب کچھ خود کرتے رہتے ہو؟ کیوں میں تمہارے لیے صرف ایک کام کرنے والی مشین ہوں ؟ جسے بس چابی لگائی اور وہ چلتی جائے۔۔تم کیوں مجھے بار بار سوال کرنے کا موقع دیتے ہو ؟" وہ بولنے پہ آیا تو بولتا ہی چلا گیا۔فیصل نے اب بے بسی سے اپنے بالوں کو پیشانی سے ہٹایا۔

"حارث ! کچھ چیزوں کا نہ جاننا ہی انسان کے لیے بہتر ہوتا ہے۔انسان انہیں جتنا جاننے کی کوشش کرتا ہے اتنا ہی تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے۔اس لیے کبھی کبھی کچھ نہ جاننا بھی ہمارے لیے نعمت ہوتا ہے۔" اس کے متوازن لہجے پر حارث الجھ کر رہ گیا۔

"مگر ان سب چیزوں کے بارے میں جان کر مجھے کیا تکلیف ہوگی ؟ "فیصل اب فون کو کان کے ساتھ لگائے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔اس نے ٹھیک تو کہا تھا کہ کچھ چیزوں کا جاننا انسان کے لیے عذاب لاتا ہے۔جیسے اس کے دل پر عذاب لایا تھا۔اگر وہ سب چیزیں بھلا دیتا اور اس ڈرائیور سے سب کچھ

معلوم نہ کرواتا تو وہ سکون کی زندگی جی رہے ہوتے۔نہ ہی کوئی انتقام ہوتا۔نہ ہی کوئی ارمان احمد ہوتا اور نہ ہی کوئی محب رضا حسین ہوتا۔بس وہ سکون سے حارث کے ساتھ زندگی گزار رہا ہوتا۔مگر خیر۔۔۔!کب کیا ہو جائے کسے معلوم ؟

" فیصل ! تم میری بات سن رہے ہو ؟" حارث کے محتاط انداز سے پوچھنے پر وہ اپنی سوچوں سے باہر نکلا۔

" ہاں ! دیکھو حارث ! میں وقت آنے پر تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔ابھی چیف نے مجھے کسی کو بھی یہ سب بتانے سے منع کیا ہے۔" اس کی بات پر حارث نے اپنا سر جھٹکا۔

"پتہ ہے جسم اور روح کے درمیان کس چیز کا فیصلہ ہوتا ہے ؟ صرف ایک لمحے کا!! تم اپنے صحیح وقت کا انتظار کرو۔مگر یہ دھیان رہے میرا وہ ایک لمحہ گزر نہ جائے۔" اس کے سپاٹ لہجے سے بولنے پر فیصل دنگ رہ گیا۔اس کا دل دہل اٹھا۔حارث مرنے کی بات کر رہا تھا۔اسے تو اس دنیا میں یا تو حارث جانتا تھا یا محب اور چاہے وہ زبان سے اقرار کرے یا نہ کرے وہ دونوں اس کے لیے عزیز تھے۔

اسے معلوم تھا کہ وہ حارث کو کوئی نقصان نہیں پہنچنے دے گا۔مگر محب کے معاملے میں وہ پھنس چکا تھا۔فیصل نے اب تک اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔مگر اب وہ آگے کی گارنٹی نہیں لے سکتا تھا۔

"یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو ؟ میرے خیال سے تمہیں پرسکون نیند کی ضرورت ہے۔" اس نے ہنس کر بات اڑانی چاہی۔مگر دوسری جانب حارث مکمل سنجیدہ بیٹھا تھا۔

"فیصل ! مانا کہ تم ایک سائیکالوجسٹ ہو۔مگر میں ایک ہیکر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بزنس مین بھی ہوں اور ایک بزنس مین سے اچھی جمع تفریق کوئی نہیں کر سکتا۔" اس نے ایک لمحے کا توقف لیا ۔فیصل کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ حارث گفتگو کا رخ کس طرف موڑ رہا تھا۔

"کیا تمہیں نہیں لگتا کہ تم ایک خسارے کے پیچھے بھاگ رہے ہو ؟ "اس کے طنزیہ انداز میں کہنے پر فیصل کے چلتے قدم رک گئے۔اس کا چہرہ فق ہو گیا۔

"کیا مطلب ؟" وہ بامشکل بول پایا۔

"مطلب یہ کہ وہ لڑکی تمہارا نصیب نہیں ہے۔اپنا وقت اس پر ضائع مت کرو۔" فیصل کی سیاہ آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

"اپنے بدلے پر فوکس کرو۔اس لڑکی کی وجہ سے تم اپنے بدلے کو بھول رہے ہو۔فیصل اس کو بولنے دے رہا تھا۔اس کی گرفت موبائل پر سخت ہوتی چلی گئی۔

"فیصل احمد اپنے بدلے کو نہ ہی بھول چکا ہے اور نہ ہی اس سے ہٹ رہا ہے۔" یکدم وہ غرایا۔

"مجھے اچھے سے معلوم ہے کہ مجھے اپنے دشمن پر کب کون سا وار کرنا ہے۔" وہ سرد لہجے میں بولا تو حارث نے لمبا سانس بھرا۔

"دیکھو فیصل ! اس دنیا میں محبت ہی سب کچھ نہیں ہے اور بھی بہت سی چیزیں ہیں۔میں مانتا ہوں محبت ہوتی ہے۔مجھے بھی اپنی بیوی سے ہے۔مگر محبت سب کچھ نہیں ہوتی۔خیر چھوڑو! تم سمجھنا ہی نہیں چاہتے۔" حارث کی بات پر فیصل نے سر جھٹکا اور ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھا کر گلے میں انڈیلا۔ اب وہ تھوڑا پرسکون ہو چکا تھا۔وہ واپس اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

" میں ابھی آرڈر دے دیتا ہوں کہ حمید خان کے متعلق انفارمیشن مت نکالیں۔" ابھی حارث فون رکھنے ہی والا تھا کہ فیصل بولا۔

"مجھے تم سے ایک اور بات کرنی ہے۔" فیصل نے لمبا سانس بھرتے ہوئے کہا۔

”کرو۔“

” چیف چاہتے ہیں کہ اس دفعہ الیکشن میں دلاور شاہ کی جگہ میں کھڑا ہوں۔“ اس کی بات سن کر حارث چونکا۔

”تم اور سیاست ؟ نہیں رہنے دو۔“ اس نے فوراً سے انکار کیا۔وہ نہیں چاہتا تھا کہ فیصل سیاست کے چکروں میں پڑے۔

”کیوں ؟ میں سیاست میں حصہ نہیں لے سکتا !“ وہ اپنے بھنویں سکیڑے بولا تو حارث نے نفی میں سر ہلایا۔

” میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں تھا۔میں کہنا چاہتا تھا کہ تمہیں سیاست میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔اپنی آرگنائزیشن چل رہی ہے۔بزنس ہے یہ الگ بات ہے تم چلاتے نہیں ہو۔۔ قابل ڈاکٹر ہو۔ اب سیاست ویاست میں جانے کی کیا تک بنتی ہے؟“ اس کی بات سن کر فیصل مسکرایا۔

”منسٹر بن جاؤں گا۔ہمارے پاس بہت پاور آ جائے گی۔“ اس کی بات پر حارث جھنجھلایا۔

"پاور ابھی بھی بہت ہے۔مجھے دال میں کچھ کالا لگ رہا ہے۔کہیں چیف تمہیں پھنسانا تو نہیں چاہتے؟"

اس کے شکی انداز میں بولنے پر فیصل نے قہقہہ لگایا۔اس کے ٹیبل پر فائلز کا ایک انبار لگا ہوا تھا اور وہ حارث سے بات کرنے میں مصروف تھا۔

" چیف نے مجھے پھنسا کر اپنا داماد بنانا ہے ؟ " استہزائیہ انداز میں بولنے کے ساتھ ہی اسے چیف کا داماد یاد آیا۔اس کی بات پر حارث اپنی کرسی پر جھولتا ہوا سوچ میں گم ہو گیا۔

" ہاں ! ہو سکتا ہے کہ وہ تمہیں اپنا داماد بنانے کے بارے میں سوچ رہے ہوں۔آخر اتنا قابل اور ذہین داماد انہیں کہاں ملے گا ؟" وہ پاگل کا اضافہ کرنا بھول گیا تھا۔فیصل اس کی سوچ پر مسکرایا۔

" تم اپنے سوچوں پر لگام ڈالو اور حمید خان کے متعلق انفارمیشن نکالنے سے منع کرو۔میرا بہت سا کام پڑا ہے میں وہ کر رہا ہوں۔بائے !" اس کی بات پر حارث نے کال کاٹ دی۔اب اس کا رخ ایک دیوار کے ساتھ لگے بک ریک کی جانب تھا۔اس نے ایک کتاب سائیڈ پر کی تو بک ریک ایک آواز کے ساتھ پیچھے ہٹ گیا۔اس نے ایک نظر کمرے کے لاکڈ دروازے کی جانب ڈالی اور ایک نظر اس خفیہ دروازے کی جانب ڈالی۔جو بک ریک کے پیچھے سے نکلا تھا۔اس کے پیچھے آرگنائزیشن کے آفس

تک جانے کی سیڑھیاں موجود تھیں۔ایسا ہی ایک خفیہ کمرہ فیصل کے آفس کے اندر بھی موجود تھا۔

مگر وہ وہاں بہت کم آیا کرتا تھا۔پھر اس نے دروازہ کھول کر سیڑھیوں پر قدم رکھ دیے۔

جبکہ دوسری جانب فیصل نے ایک طرف پڑے فائلز کے انبار کو دیکھا اور پھر ایک نمبر ملایا۔

" ہیلو ! آج کام ہو جانا چاہیے۔مگر خیال رہے کوئی مرنا نہیں چاہیے۔" وہ کال بند کرتا اب فائلز کی جانب متوجہ ہو گیا۔

ارمان دوپہر میں لنچ کرنے کے لیے گھر آیا تو سب ڈائننگ ٹیبل پر اسی کا انتظار کر رہے تھے۔

" السلام علیکم !" وہ اپنی مخصوص کرسی گھسیٹتا اس پر بیٹھ گیا۔سربراہی کرسی پر بابا جان براجمان تھے۔

ان کی دائیں جانب ارمان جبکہ بائیں جانب نعمان بیٹھا تھا۔نہال نعمان کے ساتھ بیٹھی اس کی پلیٹ میں کھانا ڈال رہی تھی اور ماں جی ارمان کے ساتھ بیٹھی تھیں۔

" وعلیکم السلام !" ان سب نے ارمان کے سلام کا جواب دیا اور پھر کھانا کھانے میں مشغول ہو گئے۔

ارمان کے چہرے پر سنجیدگی چھائی ہوئی تھی اور وہ فیصل کے متعلق سوچ رہا تھا۔کھانے کے بعد وہ پورچ میں کھڑی اپنی گاڑی کی جانب بڑھا۔جبکہ نعمان بھی اس کے پیچھے آیا۔

" بھائی !" ارمان جو گاڑی کا دروازہ کھولنے ہی لگا تھا کہ اس کی آواز سنتا مڑا اور اس کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"آپ دلاور شاہ کے پاس نہیں گئے ؟ " اس کی بات سن کر ارمان نے اپنی سن گلاسز اتارتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"صبح اس کے آدمی کی کال آئی تھی۔اس نے کہا تھا کہ لنچ کے بعد آنا۔اس لیے ابھی جاؤں گا۔"

اب وہ اپنی گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

"مجھے بھی لے جائیں۔" اس نے التجائیہ انداز میں کہا تو ارمان نے مسکرا کر اس کے کندھے کو جھاڑا۔

" بچے! تم کل سے آفس جاؤ گے۔" اس نے نعمان کی بات کو نظر انداز کیا۔جس پر وہ برا منہ بنا کر رہ گیا۔

" بھائی ! باباجان ابھی اتنے بوڑھے بھی نہیں ہوئے۔سب کچھ سنبھال رہے ہیں نا۔اور میں تو ابھی بچہ ہوں۔۔کہاں آفس وغیرہ سنبھالوں گا۔" وہ منہ بسورتے ہوئے بولا۔وہ اب وہ ارمان کے سامنے کھڑا تھا۔

" ابھی سے آفس جاؤ گے۔تبھی سنبھال پاؤ گے اور کوئی بچے وچے نہیں ہو تم !" اب کی بار وہ ذرا سخت لہجے میں بولا۔

"آپ نے خود تو پولیس ڈیپارٹمنٹ جوائن کر لیا اور مجھ بیچارے کو آفس بھیج رہے ہیں۔ڈیٹس ناٹ فیئر۔" وہ جھنجھلا کر بولا تو ارمان نے رسٹ واچ پر ٹائم دیکھا۔

" ابھی میں جا رہا ہوں۔بعد میں اس موضوع پر بات کرتے ہیں۔اللہ حافظ !" وہ گاڑی کا دروازہ کھولتا اندر بیٹھ گیا۔

"اللہ حافظ !"نعمان کے کہنے پر اس نے گاڑی سٹارٹ کر دی۔

دکھ پہنچے تو اشک آنکھ میں بھر آتا ہے

دل تڑپے تو لہجے میں اثر آتا ہے

کچھ بھی نہ کسی میں ہو تو کیا آئے نظر

کچھ ہو جو کسی میں تو نظر آتا ہے

دلاور شاہ گاڑی میں بیٹھے فارم ہاؤس کی جانب جا رہے تھے۔وہاں انہیں ارمان سے ملنا تھا۔ان کی سکیورٹی کے لیے دو گاڑیاں موجود تھیں۔جن میں بہت سے باڈی گارڈ سوار تھے۔تینوں گاڑیاں تیزی سے شاہراہ پر دوڑ رہی تھیں کہ یکدم آگے والی گاڑی کے ٹائر چرچرائے۔گاڑی کے آگے کوئی آ گیا تھا۔

جیسے ہی وہ رکی چاروں طرف سے گولیاں کی بوچھاڑ ہونا شروع ہو گئی۔دلاور شاہ کی رنگت خوف کی وجہ سے اڑ گئی۔وہ تیزی سے نیچے کی جانب جھکے۔

پوری سڑک پر لوگ اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔دلاور شاہ اپنے دل پر ہاتھ رکھے نیچے جھکے ہوئے تھے۔ جبکہ ان کے گارڈز بھی جوابی فائرنگ کر رہے تھے۔دلاور شاہ کے حواس کام نہیں کر رہے تھے۔انہیں لگ رہا تھا کہ آج ان کا قصہ تمام ہو جائے گا۔

یکدم فائرنگ کی آواز بند ہوئی۔اب فائرنگ کرنے والے چار پانچ نوجوان بھاگ رہے تھے۔شاید ان کی گولیاں ختم ہو چکی تھیں۔آدھے گارڈز ان کے پیچھے بھاگے۔چار لوگ بھاگنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔جبکہ ایک کو گارڈ نے پکڑ لیا تھا۔

اب دلاور شاہ نے پانی پی کر سکون کا سانس بھرا۔مگر دل کی رفتار ابھی بھی معمول پر نہیں آرہی تھی ۔

"سر یہ ان لوگوں میں سے ایک ہے۔" ایک گارڈ نے اس نوجوان کا گریبان پکڑا ہوا تھا۔وہ کہیں سے بھی ڈرا سہما نہیں لگ رہا تھا۔

دلاور شاہ نے ایک نظر اس نوجوان کی جانب ڈالی۔وہ سادہ سی جینز شرٹ میں ملبوس تھا۔

" اپنی گاڑی میں بٹھاؤ اور فارم ہاؤس لے چلو۔وہاں اس کی خاطر داری کرتے ہیں۔"وہ کرخت لہجے میں بولے تو گارڈ سر ہلاتا وہاں سے اسے لے گیا۔اب ان تینوں گاڑیوں کا رخ دلاور شاہ کے فارم ہاؤس کی جانب تھا۔پولیس اور میڈیا کے پہنچنے سے پہلے وہ لوگ جائے وقوعہ سے نکل چکے تھے۔

فائلز کا کام ختم کرنے کے بعد اس نے محب کا نمبر ملایا۔کل رات کے بعد اس کی محب سے بات نہیں ہوئی تھی۔اس کے چہرے پر ایک پراسرار سی مسکراہٹ چھائی ہوئی تھی۔

دوسری جانب محب نے اس کا نمبر دیکھ کر لمبا سانس بھرا۔وہ اس وقت اپنے کمرے میں موجود تھا ۔اسے کچھ دیر پہلے ہونے والے حادثے کی ابھی خبر ملی تھی۔اور وہ فیصل کو ہی فون کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔اس نے بیڈ کراؤن سے پشت ٹکا کر فون کان کے ساتھ لگایا۔

”کیسے ہو ؟ “موبائل کے اسپیکر سے فیصل کی آواز ابھری۔ان دونوں کے درمیان بہت عجیب سا رشتہ تھا۔ایک پل میں دوست بن جاتے تھے اور دوسرے پل میں ایسا لگتا تھا کہ ان کا ایک دوسرے سے بڑا کوئی دشمن ہے ہی نہیں ! بہت کچھ عجیب تھا ان کے درمیان !!

” تم نے یقیناً یہ جاننے کے لیے تو کال نہیں کی ہوگی۔“ وہ تیکھے لہجے میں بولا۔اس کی بات سن کر فیصل نے قہقہہ لگایا۔

”آف کورس ! اب میں تمہارا حال پوچھنے کے لیے تمہیں کال کروں گا ؟ بالکل بھی نہیں !! میرا وقت اتنا فضول نہیں ہے۔ خیر تمہیں خبر تو مل گئی ہوگی ؟ “ اس کے تمسخرانہ لہجے پر محب نے اپنی آنکھیں گھمائیں۔

”ویسے مجھے سمجھ نہیں آتا کہ تمہیں اتنی جلدی ساری خبریں مل کیسے جاتی ہیں ؟ “فیصل شکی انداز میں بولا تو محب مسکرایا۔

” لگتا ہے تم ٹی وی نام کی چیز سے ناواقف ہو۔“ اب اس کی نظریں سامنے لگی ایل۔ای۔ڈی پر مرکوز تھیں۔ جہاں اینکر چینخ چینخ کر دلاور شاہ پر ہوئے حملے کے بارے میں بتا رہا تھا۔ مگر محب نے آواز بند کر رکھی تھی۔” اس وقت تقریباً ہر نیوز چینل پر اسی حملے کے بارے میں بتایا جا رہا ہے۔“ وہ محظوظ انداز میں بولا۔

”واہ ! یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ ویسے مجھے یہ پوچھنا تھا کہ کل والا حملہ زیادہ اچھا لگا یا آج والا ؟“ اب وہ محب کو تپاتے ہوئے بولا۔ مگر محب پرسکون بیٹھا رہا۔

"اور مجھے یہ کہنا تھا کہ ڈاکٹر اسرا یاسر تمہاری محبت نہیں ہیں۔وہ تمہارا جنون ہیں ، ابسیشن ہیں۔اس لیے جتنی جلدی اس ابسیشن سے باہر نکلو گے۔اتنا ہی تمہارے لیے بہتر ہو گا۔" وہ بے تاثر لہجے میں بولا تو فیصل کا دماغ گھوم اٹھا۔محب کو اسے تپانا بہت اچھے سے آتا تھا۔فیصل نے غصے میں آ کر کاٹ دی۔جبکہ محب نے سرد نظروں سے موبائل کی سکرین کو گھورا۔جیسے کہنا چاہ رہا ہو۔بڑا آیا مجھے غصہ دلانے والا !!

دوسری جانب فیصل کو ایک نمبر سے کال آئی۔وہ اس نمبر کو پہچانتا تھا۔اس نے فون کان کے ساتھ لگایا۔یہ کال ان نوجوانوں میں سے ایک نے کی تھی۔

" ہاں ظفر ! سب ٹھیک ہیں ؟" وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

"جی سر ! سب ٹھیک ہیں اور دلاور شاہ بری طرح ڈر چکا ہے۔مگر۔۔" ظفر نے بات ادھوری چھوڑ دی

۔

"مگر کیا ؟"

"علی نے جان بوجھ کر اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دیا۔" اس نے ڈر ڈر کر جملہ پورا کیا۔ جس پر فیصل کے چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی۔

"جان بوجھ کر نہیں کیا۔ میں نے اسے یہ کرنے کو کہا تھا۔ تم لوگ فکر مت کرو۔ اپنا خیال رکھو۔" وہ مبہم انداز میں بولتا کال بند کر گیا۔ اب وہ راکنگ چیئر پر گھوم رہا تھا۔

"کھیل تو ابھی شروع ہوا ہے۔ دلاور شاہ! میں ایک ہی تیر سے دو شکار کروں گا۔ ہاہاہا!" اس کے قہقہے کی آواز پورے کمرے میں گونج اٹھی۔

اسرا ہاسپٹل کے کیفے میں بیٹھی سینڈوچ کھانے میں مصروف تھی کہ کیفے کے دروازے سے اندر آتے فیصل کی اس پر نظر پڑی۔ اس کے قدم وہیں جم گئے۔ وہ بنا پلکیں جھپکائے اسرا کو دیکھے گیا۔ جو اس کی نظروں سے یہ اکثر بے نیاز سینڈوچ کھانے میں مصروف تھی۔

" آر یو اوکے ڈاکٹر!" پاس سے گزرتے ایک سینیئر ڈاکٹر نے اسے ایسے ساکت دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس نے ڈاکٹر کی بات کو ان سنا کر دیا۔

"ڈاکٹر فیصل !!" اب کی بار وہ فیصل کے آگے کھڑا ہو گیا۔ جس سے اسے اسرا دکھائی دینا بند ہو گئی۔

اس نے سرد نظروں سے اس ڈاکٹر کو غورا۔

"آئی ایم اوکے۔" وہ بے تاثر لہجے میں بولتا وہاں سے ہٹ گیا۔ پیچھے کھڑے ڈاکٹر نے اسے دیکھتے ہوئے

اپنے کندھے اچکائے۔

وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اسرا کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اسرا نے اس کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا تو

وہ مسکرایا۔

"کین آئی سٹ ہیر ؟" اس نے اسرا کی سامنے پڑی کرسی کی جانب اشارہ کیا۔ اس وقت بہت سے

ڈاکٹر ہلکا پھلکا کھانے کیفے آیا کرتے تھے۔ اس وقت بھی وہاں بہت سے لوگ موجود تھے۔ اسرا نے

ایک نظر خالی چیئر کی جانب ڈالی۔

"بیٹھ جائیں۔ میری پراپرٹی تھوڑی ہے۔" وہ بے تاثر لہجے میں بولتی سینڈوچ کا آخری بائٹ کھا گئی۔ وہ

جلدی سے جلدی وہاں سے جانا چاہتی تھی۔ مگر اس نے چائے کا آرڈر پہلے سے ہی دے رکھا تھا۔ اف

!!

فیصل کے چہرے سے مسکراہٹ جدا ہی نہیں ہو رہی تھی۔وہ مسکراتا ہوا اس کے سامنے بیٹھ گیا۔اسرا اسے مکمل طور پر نظر انداز کر رہی تھی۔ جیسے وہ وہاں موجود ہی نہ ہو۔فیصل کی نظریں اسی کے چہرے پر مرکوز تھیں۔اسے ارد گرد کا کوئی ہوش نہیں تھا۔

کچھ لیڈی ڈاکٹرز کے مطابق فیصل سے زیادہ خوبصورت نوجوان انہوں نے پوری زندگی میں نہیں دیکھا تھا۔ابھی وہی لیڈی ڈاکٹرز انہیں اکٹھا دیکھ کر چہ مگوئیاں کر رہی تھیں۔کچھ دیر میں ویٹر چائے لے کر آگیا۔تو اسرا موبائل پر مشغول ہو گئی۔

”میرے لیے بھی ایک کپ چائے۔“فیصل ویٹر سے بولا تو وہ سر ہلاتا وہاں سے چلا گیا۔اسرا نے موبائل پٹخنے کے انداز میں میز پر رکھا اور اس کی جانب سرد نظروں سے دیکھا۔اس کے انداز پر فیصل کی سیاہ آنکھیں مسکرائیں۔

اسرا اس کی شکل دیکھتی اپنا موبائل اور چائے کا کپ اٹھائے کھڑی ہو گئی۔

”ارے ! آپ کھڑی کیوں ہو گئیں ؟ کم از کم ساتھ چائے پینے کا شرف تو نوازیں۔“ وہ اس کی بات کو نظر انداز کرتی باہر کی جانب بڑھ گئی۔فیصل بھی اس کے پیچھے گیا۔اسرا اپنے کمرے کی جانب جا رہی تھی۔

”سوری ڈاکٹر !“ اس کی بات پر وہ رکی۔اس کے چہرے پر کرخت تاثرات سجے ہوئے تھے۔

” مجھے آپ کے سوری کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔اپنا کام کریں۔“ وہ سپاٹ لہجے میں بول رہی تھی۔

اس کے بے تاثر چہرے کو دیکھ کر فیصل کو محب کی بات یاد آئی۔

”وہ تمہارا جنون ہیں۔ابسیشن ہیں۔“ اس کے سینے میں درد کی ٹیسیں اٹھنا شروع ہو گئیں۔

”ڈاکٹر محبت اور جنون میں کیا فرق ہوتا ہے ؟“ وہ کھوئے سے انداز میں بولا۔اسرا نے اس کی جانب ناسمجھی سے دیکھا۔ان کے درمیان چند قدموں کا

فاصلہ تھا۔ارد گرد مریضوں اور نرسز کی آمدورفت جاری تھی۔

"جس انسان سے محبت کی جاتی ہے اسے باندھ کر نہیں رکھا جاتا۔اس انسان کی خوشی سب سے اہم ہوتی ہے۔اور جنون۔۔" اس نے لمبا سانس بھرا۔فیصل دم سادھے اس کی بات سن رہا تھا۔اسے نہیں معلوم تھا کہ اس نے اسرا سے یہ سوال کیوں کیا تھا۔

"جنون ؟؟ "وہ بے چینی سے بولا۔

"جنون میں انسان پاگل بن جاتا ہے۔ وہ بس اپنے جنون کو پانا چاہتا ہے۔چاہے جو کچھ مرضی ہو جائے۔" اسرا کے کہنے پر وہ مڑ گیا۔اب وہ کھوئے سے انداز میں اپنے کمرے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ جبکہ اسرا چند لمحے حیرانی سے اس کی پشت دیکھتی رہی اور پھر شانے اچکا کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

" کیا رپورٹ ہے ؟؟" دلاور شاہ اپنے فارم ہاؤس کے ٹارچر روم میں داخل ہوئے۔یہاں وہ اپنے دشمنوں کو مارا کرتے تھے۔اس تاریک سے کمرے میں ایک جانب وہی نوجوان کرسی سے بندھا ہوا

تھا۔اس کی حالت بہت تشویش ناک تھی۔وہ سر سے لے کر پاؤں تک لہو لہان ہو چکا تھا۔اس کے سر پر دو توانا گارڈز کھڑے تھے۔

"سر! یہ کچھ بھی بتانے کو تیار نہیں ہے۔" گارڈ کے بتانے پر دلاور شاہ چہرے پر سفاکیت سجائے اس نوجوان کی جانب بڑھے۔دلاور شاہ باہر سے مضبوط دکھائی دے رہے تھے۔مگر اندر سے وہ بہت ڈر چکے تھے۔ان کا دل پتے کی مانند لرز رہا تھا۔ان پر بار بار حملہ کیا جا رہا تھا اور وہ انسان تک پہنچ بھی نہیں پا رہے تھے۔یہی بات انہیں طیش میں مبتلا کر رہی تھی۔اس نوجوان کے چہرے پر درد کی رمک بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔دلاور شاہ نے اس کے بال پکڑ کر اس کے چہرے کو اوپر کیا۔

"بتا کس کے کہنے پر مجھ پر حملہ کیا؟" وہ سفاکیت سے بولے۔اس نوجوان نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

" نہیں بتاؤں گا۔"وہ ہنستے ہوئے بولا تو دلاور شاہ نے ایک گارڈ سے لوہے کی راڈ پکڑی اور اسے دکھائی۔

"نہیں بتائے گا ؟ " نوجوان نے پھر سے نفی میں سر ہلایا۔تو دلاور شاہ نے راڈ اس کے مضبوط بازوؤں پر مارنا شروع کر دی۔پورے کمرے میں اس کی چینخیں گونجنے لگیں۔وہ اس پر وار پر وار کر رہے تھے۔مگر وہ نوجوان نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

جب دلاور شاہ تھک گئے تو انہوں نے راڈ زمین پر پھینک دی اور اس کا جبڑا دبوچا۔

" کس مٹی کا بنا ہوا ہے تو ؟ بتا کس نے بھجوایا تجھے؟ "وہ غصے میں بولے۔اب وہ نوجوان تھکے انداز میں سر جھکائے بیٹھا تھا۔

" لگتا ہے ایسا نہیں بولے گا۔اس کے گھر والوں کا پتا نکلواؤ۔"دلاور شاہ گارڈ سے بولے تو اس نوجوان نے فوراً سے اپنا سر اٹھایا۔

" نہیں!"وہ چلایا تو دلاور شاہ کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ چھا گئی۔

"چل شاباش بتا۔"نوجوان کی آنکھوں کے سامنے فیصل کا چہرہ گھوم گیا۔اس نے زور سے اپنی آنکھیں میچیں۔

" بتا۔۔" اب کی بار گارڈ چلایا۔

" ارمان۔۔۔" وہ آہستہ سے بولا۔تو دلاور شاہ چونکے۔انہوں نے دوبارہ سے اس نوجوان کے بال پکڑے۔

"کون ؟"

" اے۔ایس۔پی ارمان احمد نے آپ پر حملہ کروایا۔" اس کی بات پر دلاور شاہ ساکت رہ گئے۔

ارمان کی گاڑی دلاور شاہ کے فارم ہاؤس کی جانب روانہ تھی۔کہ راستے میں ہی اسے ایس۔پی کی کال موصول ہوئی۔

"جی سر !" اس نے ایک ہاتھ سے فون کان کے ساتھ لگایا۔جبکہ دوسرے ہاتھ سے سٹیرنگ وہیل سنبھالا۔دوسری جانب سے اسے جو سننے کو ملا اس پر اس نے چونک کر بریک پر پاؤں رکھا۔

گاڑی کے ٹائر چڑچڑائے۔دلاور شاہ پر حملہ!

" اوکے ! میں پہنچتا ہوں۔میں ادھر ہی جا رہا تھا۔" اس نے جلدی سے کال بند کر کے گاڑی اسٹارٹ کی۔اب اس کی گاڑی شاہراہ پر تیزی سے دوڑ رہی تھی۔

" ارمان احمد ؟" دلاور شاہ کے حیرانی سے بولنے پر اس نوجوان نے اپنا سر اثبات میں ہلایا۔دلاور شاہ نے گارڈ کی جانب ہاتھ بڑھایا اور ایک مخصوص اشارہ کیا۔گارڈ نے اس اشارے کو سمجھتے ہوئے ایک گن انہیں تھما دی۔

نوجوان بے خوف نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔اسے معلوم تھا کہ اب اس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا۔فیصل کا اندازہ اس دفعہ غلط تھا۔اس نے آنکھیں بند کیں اور زیر لب کلمہ پڑھا۔

"لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔"

اسے اپنے گھر والوں کی کوئی فکر نہیں تھی۔اسے معلوم تھا کہ فیصل سب سنبھال لے گا۔

دلاور شاہ نے ایک نظر اس کی بند آنکھوں پر ڈالی اور انتہائی سفاکیت سے اس کے سینے پر گولیوں کے وار کرتا چلا گیا۔چار گولیوں کی آواز ٹارچر روم میں گونج اٹھی۔مگر وہاں موجود انسان نما شیطانوں کو ذرا رحم نہ آیا۔وہ نوجوان ان کے سامنے ہی دم توڑ چکا تھا۔

"سوری بچے ! اب تم میرے کسی کام کے نہیں رہے تھے۔اور جو دلاور شاہ کے کام کا نہ رہے۔اسے دلاور شاہ اس دنیا میں نہیں رہنے دیتا۔ٹھکانے لگاؤ اسے۔" اب وہ سخت لہجے میں بولتے ٹارچر روم سے باہر نکل گئے۔

دوسری جانب لیپ ٹاپ میں یہ منظر دیکھ کر فیصل کی آنکھیں لہو ٹپکانے لگیں۔اسے پہلی دفعہ اپنے کسی فیصلے پر پچھتاوا ہو رہا تھا۔اس نے میز پر پڑی ساری فائلز زمین پر دے ماریں۔وہ چیخنا چاہتا تھا۔مگر ہسپتال کا یہ کمرہ ساؤنڈ پروف نہیں تھا۔اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔

اس نے اتنے زور سے مکا دیوار میں مارا کہ اس کا ہاتھ سرخ ہو گیا۔پھر بھی اسے سکون نہ ملا تو صوفے کے سامنے پڑی میز پر دونوں ہاتھ دے مارے۔شیشے کی میز چکنا چور ہو گئی اور اس کے ہاتھوں سے خون بہنے لگا۔مگر اسے لگ رہا تھا کہ اس کی محسوس کرنے کی حس کام نہیں کر رہی تھی۔دل کو کسی صورت قرار نہیں مل رہا تھا۔

اس کی وجہ سے ایک نوجوان مر گیا۔اسے لگا اگر وہ تھوڑی دیر مزید وہاں رکا۔تو وہ اپنے آپ کو ان سب پر ظاہر کر دے گا۔وہ لہو ٹپکاتے ہاتھوں کے ساتھ ساری چیزیں سمیٹتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

اس کی آنکھوں سے وحشت ٹپک رہی تھی۔راستے میں نظر آتے ہر ڈاکٹر ، مریض، نرس، وارڈ بوائے نے اسے حیرت زدہ نظروں سے دیکھا۔مگر اس کی آنکھوں سے ڈر کر اس کے پاس جانے کی ہمت نہیں کی۔وہ تیزی سے گاڑی میں بیٹھا۔وہ اس وقت شاہ ولا نہیں جانا چاہتا تھا۔اس نے گاڑی کا رخ ایف۔ایچ کی جانب کر دیا۔

ارمان دلاور شاہ کے فارم ہاؤس پہنچا تو باہر میڈیا اور پولیس پہلے سے ہی موجود تھی۔سب اسے بےیقین نظروں سے دیکھ رہے تھے۔وہ گاڑی سے نکلتا اندر کی جانب بڑھا۔مگر اس کے سامنے میڈیا کا ایک کارکن آگیا۔

”آپ اس حملے کے بارے میں کیا کہنا چاہیں گے ؟“ اس کے کچھ بولنے سے پہلے ہی دلاور شاہ اسے باہر آتا نظر آیا۔دلاور شاہ نے ایس۔پی کو اشارہ کیا تو وہ ارمان کی جانب بڑھا۔

"اے۔ایس۔پی ارمان احمد! یو آر انڈر اریسٹ۔" ایس۔پی ریحان کے بولنے پر اس نے اڑی ہوئی رنگت سے اس کی جانب دیکھا۔

"مگر کیوں سر؟ "وہ حیرانی سے بولا تو ایس۔پی طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

"دلاور شاہ پر حملہ کر کے پوچھتے ہو کہ کیوں؟" اس بات پر ارمان چونکا۔دلاور شاہ پر حملہ اور وہ بھی اس نے!

"سر! آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔میں نے دلاور شاہ پر حملہ نہیں کروایا۔" اس کی بات پر دلاور شاہ آگے آیا اور اس کے سامنے موبائل کی سکرین کی۔جہاں علی بندھا ہوا تھا۔

" اے۔ایس۔پی ارمان احمد نے آپ پر حملہ کروایا۔" ریکارڈنگ سن کر ارمان حیرت سے دنگ رہ گیا۔

" سر! یہ جھوٹ بول رہا ہے۔"وہ چلایا۔میڈیا والے اس کی ریکارڈنگ کر رہے تھے۔

"میں تو اسے جانتا بھی نہیں ہوں۔بلائیں اس کو۔کہاں ہے یہ؟ میں نے دلاور شاہ پر حملہ نہیں کروایا۔"وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔مگر کوئی بھی اس کی بات کا یقین نہیں کر رہا تھا۔

"ارمان احمد ! تمہیں ہمارے ساتھ پولیس اسٹیشن چلنا ہوگا اور تم سسپینڈ ہو چکے ہو۔" ایس۔پی کی بات سن کر وہ برف کا مجسمہ بن گیا۔اس نے ساکت نظروں سے ایس۔پی کی جانب دیکھا۔یہ کیسے ہو سکتا تھا ؟

اب ایس۔پی اس سے بندوق اور اس کی اسٹک پکڑ رہا تھا۔پھر اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگا رہا تھا۔ اس نے کھوئے ہوئے دماغ کے ساتھ یہ سب کچھ ہوتا ہوا دیکھا۔یہ وردی اس کا عشق تھی اور دلاور شاہ اس سے اس کے عشق کو چھین رہا تھا۔اس کی آنکھوں کے آگے دھند چھا گئی۔اب ایس۔پی ریحان اسے پولیس وین میں بٹھائے پولیس اسٹیشن کی جانب لے گیا۔

جبکہ پیچھے دلاور شاہ ہاتھ جھاڑتا ہوا اپنے فارم ہاؤس کی جانب بڑھا۔

"خس کم جہاں پاک۔"

میڈیا باہر کھڑی زور و شور سے ارمان کے خلاف بول رہی تھی۔

نعمان ٹی۔وی لاؤنج میں صوفے پر بیٹھا چینلز سوئچ کر رہا تھا کہ ایک نیوز چینل پر اس کی نظریں ٹھہر گئیں۔اس نے جلدی سے ٹی۔وی کا والیوم بڑھایا۔اس منظر کو دیکھتے اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

نہال جو کسی کام سے باہر آئی تھی۔وہ بھی اس منظر کو دیکھتی ٹھٹک کر رک گئی۔دکھائے جانے والے منظر میں ارمان کو ہتھکڑی لگائی جا رہی تھی اور پیچھے میڈیا کا کارکن جوش سے ارمان کے خلاف بول رہا تھا۔

”جی ناظرین ! جیسا کہ آپ سب دیکھ رہے ہیں۔اے۔ایس۔پی ارمان احمد کو دلاور شاہ پر حملہ کرنے کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا ہے۔اور نہ ہی صرف گرفتار کیا گیا ہے بلکہ انہیں سسپینڈ بھی کر دیا گیا ہے۔جی ناظرین ! آپ کو اہم خبر سے آگاہ کرتے ہوئے۔۔۔“

یہ منظر دیکھتے ہوئے وہ حیرت سے کھڑا ہو گیا۔

”یہ سب کیا ہے اور دلاور شاہ کون ہے ؟“ نہال نے حیرت زدہ لہجے میں استفسار کیا۔

"نہیں ! ایسا نہیں ہو سکتا۔بھائی ایسا نہیں کر سکتے۔یہ سب جھوٹ ہے۔" اس نے نہال کی بات تو سنی ہی نہیں تھی۔

"نعمان !" نہال چینخی۔

" خاموش رہو۔مجھے سوچنے دو۔" نعمان اسے ساکت چھوڑتا باہر آگیا۔وہ باباجان کو اس بارے میں نہیں بتا سکتا تھا۔

بہت سوچنے کے بعد بھی اس کے دماغ میں ایک ہی انسان کا نام آیا تھا۔محب رضا حسین !! ہاں ! وہی فیصل کو کہہ کر بھائی کی مدد کر سکتا تھا۔

مگر پھر اس کے دماغ میں چھپاکہ ہوا۔اگر حملہ ہی فیصل نے کروایا ہوا ہو تو ؟؟ نہیں !! وہ لان میں کھڑا آہستہ آواز میں خود کلامی کر رہا تھا۔

"اسرا کے پاس چلتا ہوں۔وہی کوئی حل بتائیں گی۔"وہ اب گاڑی کی جانب بڑھا۔اسرا اس وقت اپنے ہاسپٹل میں تھی۔

ارمان پولیس اسٹیشن میں سلاخوں کے پیچھے سر جھکائے کھڑا تھا۔اور سارا سٹاف اس کی جانب افسوس بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔وہ وہاں کا جلاد مشہور تھا اور اب کسی مجرم کی طرح سلاخوں کے پیچھے موجود تھا۔

اسے وہاں آئے دو گھنٹے ہونے والے تھے۔اسے معلوم تھا کہ دلاور شاہ پر حملہ فیصل نے ہی کروایا تھا۔اور اب سارا الزام اس پر لگا ڈالا تھا۔

یکدم دروازے سے ایک ادھیڑ عمر آدمی ایک وکیل کے ساتھ اندر داخل ہوا۔اس شاندار شخصیت والے آدمی نے ارمان کی جانب دکھی نظروں سے دیکھا اور چلائے۔

" ایس۔پی ریحان کہاں ہے ؟" اس آواز پر ارمان نے سر اٹھا کر دیکھا تو سامنے حمید خان کو ایک وکیل کے ساتھ کھڑا پایا۔

ایک کانسٹیبل بھاگ کر اندر سے ایس۔پی کو بلانے گیا۔حمید خان ارمان کی جانب بڑھے جو انہیں بے یقین نظروں سے دیکھ رہا تھا۔اسے اندازہ نہیں تھا کہ حمید خان اس کے لیے پولیس اسٹیشن آئیں گے۔

”فکر مت کرو۔ تمہاری بیل کے پیپرز میں ساتھ لے کر آیا ہوں۔“ انہوں نے وکیل کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تو ارمان نے مشکور نظروں سے ان کی جانب دیکھا۔

” تھینک یو انکل !“ اس کی بات پر حمید خان خفگی سے مسکرائے۔

”برخودار ! پہلے باہر آ جاؤ۔ پھر شکریہ ادا کرنا۔“ اتنی دیر میں ایس۔پی ریحان بھی وہاں پہنچ چکا تھا۔وہ حمید خان کو ایک بزنس مین کے طور پر جانتا تھا۔

” سر آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں ؟ اندر بیٹھیے۔“ وہ خوشامدی انداز میں بولا تو حمید خان سر ہلاتے ہوئے اس کے ساتھ اندر چلے گئے۔

”جی سر کیا پیش کروں ؟ ٹھنڈا یا گرم ؟ “حمید خان کرخت تاثرات لیے اس کے سامنے بیٹھے تھے۔ انہوں نے اس کی بات کو نظر انداز کیا اور وکیل سے فائل پکڑی۔

” یہ ارمان احمد کی بیل کے پیپرز ہیں۔اسے جلداز جلد رہا کیا جائے۔“ انہوں نے سرد لہجے میں بولتے ہوئے فائل اس کے آگے رکھ دی جسے وہ اٹھا کر دیکھنے لگا۔وہ حیران ہو رہا تھا کہ اتنی جلدی ارمان کی بیل کے پیپرز کیسے تیار ہو گئے۔

" سر بیل تو ہو جائے گی۔ مگر وہ سسپینڈ ہو چکا ہے۔اس حوالے سے میں کچھ نہیں کر سکتا۔"اس کی بات پر حمید خان نے سر ہلایا۔یہ بات تو انہیں آئی۔جی بھی بتا چکا تھا۔ویسے بھی ارمان کا ابھی سسپینڈ رہنا ہی بہتر تھا۔

"ٹھیک ہے اسے رہا کرو اور اس سے معافی مانگو۔"وہ ٹانگ پر ٹانگ جماتے ہوئے بولے تو ایس پی حیران ہوا۔

"معافی کیوں ؟"حمید خان مسکرائے۔

" تم نے ایک باعزت شہری کو ایک بے بنیاد الزام کی بیس پر میڈیا کے سامنے گرفتار کیا ہے۔اس لیے تمہیں اس سے معافی مانگنی ہو گی۔" ان کی بات پر ایس۔پی تلملا کر رہ گیا۔

" جی سر ! میں اس سے معافی مانگنے کو تیار ہوں۔ وقاس ! " اس نے کانسٹیبل کو آواز دی جو کچھ ہی دیر میں وہاں موجود تھا۔

"ارمان کو رہا کر دو۔"اس نے وقاص کو حکم دیا۔جو جی سے کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

کچھ ہی دیر میں وقاص ارمان کو ساتھ لیے آفس میں داخل ہوا۔اب کی بار ارمان کا چہرہ بے تاثر تھا۔ اسے معلوم تھا کہ فیصل نے اسے اس کیس سے دور رہنے کے لیے پھنسایا تھا۔اب ارمان حمید خان کے ساتھ پڑی خالی کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ جماتا بیٹھ گیا۔

ریحان غور سے اس کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔مگر کوئی اندازہ نہیں لگا پا رہا تھا۔آفس میں ایک عجیب سا تاثر گھلا ہوا تھا۔

حمید خان کی کرسی کے پیچھے ان کا وکیل کھڑا تھا۔جبکہ وقاص ارمان کو چھوڑتا باہر نکل گیا تھا۔حمید خان نے اپنا گلا کھنکارا۔

" ایس۔پی صاحب ! میرے خیال سے آپ کچھ بھول رہے ہیں۔" ان کے طنزیہ انداز میں کہنے پر ریحان نے اپنا سر جھٹکا۔

"آئی ایم سوری ارمان !" اس کے بولنے پر ارمان کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے مسکراہٹ ابھری۔مگر پھر اس کا چہرہ سپاٹ ہو گیا۔

" اٹس او کے سر ! آپ اپنا فرض نبھا رہے تھے۔ مگر مجھے جاننا ہے کہ وہ نوجوان کہاں ہے ؟ " ارمان کے سرد لہجے میں پوچھے جانے والے سوال پر ایس۔پی ریحان نے اپنے چہرے پر آیا پسینہ صاف کیا اور گھبراہٹ سے اِدھر اُدھر دیکھا۔حمید خان غور سے اس کے تاثرات کا جائزہ لے رہے تھے۔

" اس نوجوان کو کچھ تحفظات کی بنا پر منظر عام پر نہیں لایا جا سکتا۔"اس کے لہجے میں ایک ڈر تھا ۔جسے حمید خان کے ساتھ ساتھ ارمان بھی محسوس کر چکا تھا۔مگر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"او کے سر ! کیا آپ میری اسٹک اور پسٹل واپس کریں گے؟" اس کے بے تاثر لہجے پر ایس۔پی نے حمید خان کی جانب دیکھ کر تھوک نگلا۔

"ارمان ! اس بارے میں ہم بات کرتے ہیں۔" حمید خان کے بولنے پر ارمان نے ایک نظر ان کی جانب ڈالی اور پھر ایس۔پی ریحان کی اڑی ہوئی رنگت کی جانب دیکھا۔وہ سمجھ چکا تھا کہ وہ ابھی بھی سسپینڈڈ ہے۔

اب حمید خان اپنا قمیص جھاڑتے کھڑے ہو گئے اور ایس۔پی سے مصافحہ کیا۔

”تھینک یو ! ایس۔پی صاحب ! ہم چلتے ہیں۔“ حمید خان کے کہنے پر ارمان بھی کھڑا ہو گیا۔اس کے چہرے کے ساتھ ساتھ آنکھیں بھی سرد تاثر لیے ہوئے تھیں۔اس کی نگاہوں کے سامنے بار بار دلاور شاہ کے فارم ہاؤس منظر آ رہا تھا۔وہ اپنی توہین کبھی نہیں بھولے گا۔

” ارمان ! اس آفس کو اچھی طرح سے دیکھ لو۔اگلی دفعہ جب تم اس پولیس اسٹیشن میں قدم رکھو گے تو تمہارا ٹھکانا یہ آفس ہونا چاہیے۔“ ان کی بات پر ایس۔پی ریحان ساکت رہ گیا۔اب حمید خان اور ارمان نے مسکراتی نظروں سے اس کی جانب دیکھا اور باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔

اسرا اپنے روم میں بیٹھی ایک فائل کا مطالعہ کر رہی تھی کہ نعمان بھاگتا ہوا اندر داخل ہوا۔اسرا نے حیرت سے اس کے پریشان چہرے کی جانب نگاہ ڈالی۔اس کی رنگت اڑی ہوئی تھی۔وہ جلدی سے اسرا کے سامنے آ بیٹھا۔اسرا نے فائل بند کر کے اس کی جانب دیکھا۔

”کیا ہوا نعمان ؟ “ وہ اسے ساری بات بتاتا چلا گیا جسے سن کر اسرا کے چہرے پر تعجب پھیل گیا۔

”مگر ایس۔پی نے ارمان کو کیوں گرفتار کیا ؟“ نعمان نے اپنا سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا۔اسرا نے پانی کا گلاس اس کے آگے رکھا۔جسے وہ ایک ہی سانس میں پی گیا۔” ان کے پاس ارمان بھائی کے خلاف کوئی ویڈیو ہے۔“ اس کی بات پر اسرا سوچ میں پڑ گئی۔ارمان کے خلاف ویڈیو ؟؟

نعمان نے پاکٹ سے موبائل نکالا اور ایک ویڈیو اس کے سامنے نکال کر پلے کر دی۔اس ویڈیو میں ایک نوجوان کرسی سے بندھا ہوا بیٹھا تھا۔کچھ دیر بعد وہ بولا۔

”اے۔ایس۔پی ارمان احمد نے آپ پر حملہ کروایا ہے۔“ اسرا نے اپنے چہرے پر ہاتھ رکھ لیا۔نعمان نے واپس سے موبائل اپنی پاکٹ میں ڈال دیا۔

”کوئی ارمان کو کیوں پھنسانا چاہے گا؟“ اسرا پر سوچ انداز میں بولی۔پھر اس کے دماغ میں فیصل کا خیال آیا۔

” ہاں ! فیصل۔“وہ ارمان کو پھنسا سکتا تھا۔

”وہ ارمان کو اس کیس سے دور رکھنے کے لیے پھنسا سکتا ہے۔“ اب کی بار نعمان بولا۔

” مگر اب ہم کیا کریں ؟“ اسرا کی نگاہیں چھت پر مرکوز تھیں۔

"کیا محب ہماری مدد کر سکتا ہے ؟" کچھ دیر بعد کمرے کی فضا میں نعمان کی آواز گونجی۔اس کی بات پر اس نے گردن موڑ کر نعمان کی جانب دیکھا۔

"مگر وہ ہماری کیا مدد کرے گا ؟"

"وہ فیصل کا دوست ہے نا ! تو شاید وہ فیصل سے بات کر کے ارمان بھائی کو چھڑوا دے۔" اس کی بات پر اسرا آگے کو جھکی۔

" دیکھو نعمان ! یہ بات صرف ہم جانتے ہیں کہ دلاور شاہ پر حملہ فیصل نے کیا ہے۔شاید محب بھی جانتا ہو۔مگر وہ ارمان کی مدد نہیں کر سکتا۔کیونکہ فیصل نے ہی ارمان کو پھنسایا ہے۔" وہ ہر لفظ پر زور دیتی ہوئی بولی تو نعمان سر تھامے بیٹھ گیا۔

"پھر ہم کیا کریں ؟ "وہ بے بسی سے بولا تو اسرا نے پرسوچ انداز میں کرسی سے ٹیک لگا لی۔یکدم اس کے دماغ میں چھپاکہ ہوا۔اس نے کرسی سے ٹیک چھوڑی۔

" وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہاسپٹل میں ہی تھا۔ہم اس سے بات کر سکتے ہیں۔" وہ پرجوش انداز میں بولی تو نعمان نے نم انکھوں سے اس کی جانب دیکھا۔

”نعمان ! پریشان مت ہو۔اللہ جی ہیں نا۔سب ٹھیک ہو جائے گا۔آؤ فیصل سے بات کرتے ہیں۔“وہ کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔نعمان کو اس پر رشک سا آیا۔وہ ہر حالت میں اتنی پرسکون کیسے رہ لیتی تھی ؟

اب وہ دونوں فیصل کے کمرے کی جانب بڑھے۔مگر بند دروازے نے ان کا استقبال کیا۔دروازہ لاکڈ تھا۔اسرا نے لاک کھولنے کی کوشش کی۔مگر دروازہ کھلا ہی نہیں۔اس نے پاس سے گزرتی ایک نرس کو روکا۔

” سسٹر ! آپ نے آج ڈاکٹر فیصل کو دیکھا ہے ؟ “اسرا کے پوچھنے پر نرس کی نظروں کے سامنے کچھ دیر پہلے کا منظر گھوم گیا۔

”جی ڈاکٹر ! وہ کچھ دیر پہلے ہی ہاسپٹل سے گئے ہیں۔“ پھر اس نے ادھر ادھر دیکھا اور اپنی آواز آہستہ کر لی۔نعمان پریشان نظروں سے ان کی جانب دیکھ رہا تھا۔

” ڈاکٹر ! ان کے چہرے پر غصہ چھایا ہوا تھا اور دونوں ہاتھ بہت زخمی تھے۔“ وہ رازدارانہ انداز میں بولی اور وہاں سے چلی گئی۔جبکہ پیچھے اسرا سوچ میں پڑ گئی۔اب نعمان اور وہ فیصل کے کمرے کے باہر ایک دوسرے کو پرسوچ نظروں سے تک رہے تھے۔

"کیا ہوا اسرا ؟"وہ اس کی خاموشی پر الجھ کر رہ گیا۔اسرا اب اپنے کمرے کی جانب بڑھنے لگی۔ جبکہ نعمان بھی اس کے پیچھے ہی چل رہا تھا۔وہ کچھ سوچ رہی تھی۔

اب وہ واپس اپنی کرسی پر اور نعمان اس کے سامنے موجود تھا۔

"اسرا یار ! پلیز کچھ بولیں۔" اس کی بات پر اسرا نے نعمان کے پریشان چہرے پر اپنی نظریں دوڑائیں اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"نعمان ! فیصل نے دلاور شاہ پر حملہ کروایا ؟ "وہ سوالیہ انداز میں بولی تو نعمان نے نا سمجھی سے اثبات میں سر ہلایا۔

" اور پھر اپنے آدمی کے ذریعے ارمان پر الزام لگوا دیا ؟" وہ اپنے ہی دماغ کی الجھن دور کر رہی تھی۔

جس کی وجہ سے ارمان کو اریسٹ کر لیا گیا۔

نعمان کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کہنا کیا چاہتی تھی۔

" اسرا یار ! کیوں پہیلیاں بجھوا رہی ہیں ؟ صحیح سے بتائیں کیا کہنا چاہتی ہیں ؟" اب اسرا نے اپنی کوہنیاں میز پر ٹکائیں اور دونوں ہاتھ جوڑ کر ان کے اوپر اپنا چہرہ رکھ دیا۔

"نعمان ! اگر سب کچھ اس کے پلان کے مطابق ہو رہا ہے تو وہ غصے میں کیوں تھا ؟ اس نے اپنے ہاتھ زخمی کیوں کیے؟" وہ دو ڈوک لہجے میں بول رہی تھی۔

" اسرا ! ہو سکتا ہے اس کے ہاتھ پر کوئی چوٹ لگ گئی ہو ؟" وہ کمزور لہجے میں بولا تو اسرا نے نفی میں سر ہلایا۔

" اگر چوٹ لگی ہوتی تو وہ ہاسپٹل سے کسی سے اپنی پٹی کرواتا۔اس نے اپنے آپ کو جان بوجھ کر درد دیا۔اور پھر ہاسپٹل سے چلا گیا۔" وہ اس نرس کی بات یاد کرتی بولی تو نعمان نے اثبات میں سر ہلایا ۔وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔

" اب۔۔" ابھی وہ کچھ بولتا کہ اس کے موبائل پر میسج کی بیپ بجی۔نعمان نے دیکھا تو نہال نے اسے ایک ویڈیو سینڈ کی تھی۔اس نے چہرے پر بیزاریت سجائے وہ ویڈیو پلے کی۔مگر اسے دیکھتے ہی ساری بیزاریت غائب ہو گئی۔

اس نے جلدی سے والیوم بڑھایا تاکہ اسرا بھی سن سکے۔

"جی ! ناظرین آپ کو اہم خبر سے اگاہ کرتے ہیں ! سسپینڈڈ افیسر اے۔ایس۔پی ارمان احمد کو بیل

پر رہا کر دیا گیا ہے۔" یہ سنتے ہی ان دونوں کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"الحمد اللہ !" اسرا کے منہ سے بے ساختہ نکلا تو نعمان مسکرایا۔

کچھ دیر پہلے والی پریشانی اب کہیں نہیں تھی۔

" مگر ان کی بیل کس نے کروائی ؟ اور وہ ابھی بھی سسپینڈڈ ہیں۔"

" یہی تو فیصل کی اصل چال تھی۔ارمان کو پولیس سے دور کرنا ہی اس کا پلان تھا۔مگر۔۔۔" وہ پھر

سے سوچ میں پڑ گئی۔

"کیا مگر ؟"

" میرا سوال وہیں پر ہے۔اگر سارا کچھ اس کے پلان کے مطابق ہو رہا ہے۔پھر وہ غصے میں کیوں تھا

؟" اس نے اپنے سر پر ہاتھ رکھا۔

" یار اسرا ! آپ ایسے سوچ رہی ہیں۔وہ سائیکو ہے۔کچھ ہو گیا ہو گا۔"

”مجھے اس لڑکے والی ویڈیو دیکھاؤ۔“ وہ پر سوچ انداز میں بولی تو نعمان نے وہ ویڈیو پلے کر کے موبائل اس کے سامنے رکھ دیا۔

اسرا اب اس نوجوان کی بات نہیں سن رہی تھی۔ویڈیو کو پاذ کر کے اس کی حالت دیکھ رہی تھی۔

اس کی حالت دیکھ کر اسرا نے اپنی آنکھیں مینچیں اور پھر موبائل کی سکرین میز پر الٹ دی۔اب وہ سر تھامے بیٹھی تھی۔

”کیا ہوا ؟“ نعمان حیرت سے اس کے چہرے پر ملال دیکھ رہا تھا۔

”ہی از ڈیڈ۔اسے مار دیا گیا ہے۔“ اس کے لہجے میں ایک درد تھا۔

جہانِ دیدہِ دل اب لٹا معلوم ہوتا ہے

نظر کی اوٹ میں کوئی چھپا معلوم ہوتا ہے

” ایم ایچ چلو۔“حمید خان نے گاڑی میں بیٹھے ڈرائیور کو حکم دیا۔وکیل ان سے مسافحہ کرتا جا چکا تھا۔

اب گاڑی میں پسنجرز سیٹ پر حمید خان اور ارمان بیٹھے ہوئے تھے۔

حمید خان کی بات پر ارمان نے حیرت سے ان کی جانب دیکھا۔

" مگر وہاں کیوں ؟" ارمان کے پوچھنے پر وہ پر اسراریت سے مسکرائے۔

"میں تمہیں اپوائنٹ کر چکا ہوں۔"اب وقت آ چکا تھا کہ ارمان کے سامنے بہت سے رازوں سے پردہ اٹھایا جائے۔اب ارمان کو سب کچھ بتانا ہی صحیح تھا۔ارمان نے ان کی بات پر چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

" مگر۔۔۔"

"اگر مگر کچھ نہیں برخوردار ! جب تک تمہاری پولیس والی پوسٹ کا کچھ نہیں ہو جاتا۔تم میرے پاس کام کرو گے۔" اب کی بار ان کا لہجہ دو ٹوک تھا۔ارمان نے ان کی بات پر تھکے سے انداز میں سر ہلایا

۔

"گاڑی ایم۔ایچ کے سامنے پہنچ چکی تھی۔حمید خان اور ارمان ایک ساتھ گاڑی سے باہر نکلے۔اس سے پہلے ارمان داخلی دروازے سے اندر کی جانب بڑھتا حمید خان کھنکارے۔

"برخوردار ! یہاں نہیں۔ہمیں یہاں نہیں جانا۔میرے پیچھے آؤ۔" ان کی بات پر ارمان نے حیرانی سے اس کئی فلورز والی بلڈنگ کی جانب دیکھا اور پھر حمید خان کی جانب دیکھا۔جو اس بلڈنگ کے پچھلی جانب جا رہے تھے۔

ارمان حیرت سے ان کے پیچھے چل پڑا۔وہاں پر کافی جھاڑیاں موجود تھیں۔حمید خان ان جھاڑیوں سے گزرتے ہوئے ایک دروازے کے سامنے کھڑے ہوگئے۔اس دروازے کے ساتھ ایک کوڈ لاک لگا ہوا تھا۔انہوں نے کوڈ ملانے کے بجائے اپنی جیب سے کارڈ نکالا اور اسے سوائپ کیا۔

کارڈ سوائپ کرتے ہی وہ دروازہ کھل گیا۔ارمان کو تو سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے اور حمید خان اسے کہاں لے کر جا رہے تھے!!

حمید خان نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے دروازے سے اندر لے گئے۔اندر ایک شاندار بلڈنگ موجود تھی۔جہاں بہت سے لوگ پھر رہے تھے۔ان سب نے ایک مخصوص یونیفارم پہن رکھی تھی۔

" السلام علیکم ! چیف ! "جو کوئی بھی انہیں دیکھتا۔وہ رک کر انہیں سلام کرتا۔ارمان تو ساکت نگاہوں سے اس چھپی ہوئی دنیا کو دیکھ رہا تھا۔لمبی راہداری کے ارد گرد بہت سے کمرے تھے۔جن کے شیشے سے بنے ہوئے دروازوں کے پار بہت سے لوگ سسٹمز کے آگے بیٹھے اپنا کام کر رہے تھے۔

ارمان کو لگا کہ وہ کسی ڈیجیٹل دنیا میں پہنچ چکا ہے۔حمید خان مسکراتے ہوئے اس کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔وہ اب اپنے کمرے کی جانب بڑھے۔جیسے ہی وہ اپنے کمرے کے باہر پہنچے۔انہوں نے اپنی آواز میں ایک مخصوص کوڈ بولا۔جس سے وہ دروازہ اسی وقت کھل گیا۔

وہ دروازہ باقی سب دروازوں سے الگ تھا۔اس کا دروازہ شیشے کا نہیں بلکہ کسی میٹل کا تھا۔جو کارڈ کے سوائپ کرنے ،لینز ڈیٹیکشن یا چیف کی مخصوص آواز میں بولے جانے والے کوڈ سے کھلتا تھا۔ارمان اپنا منہ کھولے اندر داخل ہوا۔حمید خان اپنی کرسی پر بیٹھ کے جبکہ ارمان حیرت میں مبتلا کھڑا وہاں موجود ہر چیز کا جائزہ لے رہا تھا۔

وہاں جدید طرز کے گیجٹس ،مونیٹرز اور ہر قسم کے ڈیوائسز موجود تھیں۔

"بیٹھ جاؤ ارمان !" حمید خان کے بولنے پر ارمان ان کے چہرے کو جانچتی نظروں سے دیکھتا ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

"کون ہیں آپ ؟" وہ بے ؟تاثر لہجے میں پوچھ رہا تھا۔حمید خان اس کے سوال پر مسکرائے۔

"تمہیں کیا لگ رہا ہوں ؟" انہوں نے جوابی سوال کیا تو ارمان نے ادھر ادھر دیکھا۔

"ان چیزوں کو دیکھ کر تو کوئی ڈیٹیکٹو یا سیکرٹ ایجنٹ ہی لگ رہے ہیں۔" اب اس کی نظر ان مونیٹرز پر تھی۔

" تمہارا اندازہ کافی حد تک درست ہے۔" وہ کھڑے ہوئے۔اب ان کا رخ اپنی کرسی کے پیچھے کی جانب تھا۔وہ اپنی کرسی کے اوپر دونوں بازو رکھے آگے کو جھکے۔

".It's Khan's security and detective agency"

وہ بولے تو ارمان چونکا۔

" آپ ڈیٹیکٹیو ہیں ؟"

"کہہ سکتے ہو۔" انہوں نے اپنے شانے اچکاتے ہوئے کہا۔

”آپ کی ایجنسی پرائیویٹ ہے ؟ “ اس کے دماغ میں بہت سے سوال سر اٹھا رہے تھے۔حمید خان نے اثبات میں سر ہلایا۔

”ہم پبلک اور حکومت دونوں کے لیے کام کرتے ہیں۔“ اب وہ ان مونیٹرز کے آگے کھڑے تھے۔

” اور آپ کا بزنس ؟ “ ارمان تعجب میں تھا کہ وہ دونوں چیزیں کیسے مینج کرتے تھے۔

”وہ ہمارا خاندانی بزنس ہے۔میں نے اپنی محنت سے کھڑا نہیں کیا۔“وہ سکرینز کا جائزہ لے رہے تھے۔

” تمہارے بھائی نے تمہیں پھنسایا تھا۔“ یکدم وہ پلٹے۔ان کی بات پر ارمان ساکت رہ گیا۔انہیں فیصل کے بارے میں کیسے معلوم تھا ؟

”کون سا بھائی ؟ میرا کوئی بھائی نہیں ہے۔“ وہ اپنے لہجے کو ہر ممکن حد تک بے تاثر کرتے ہوا بولا۔ جس پر حمید خان ہلکا سا مسکرائے اور اس کے سامنے پڑی اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔

” برخوردار !“ انہوں نے ارمان کی بھوری آنکھوں میں دیکھا۔

”اپنے بھائی کے بارے میں تم بھی جانتے ہو اور میں بھی جانتا ہوں۔اس لیے یہ ڈرامہ مت کرو۔“ اب کی بار ان کا لہجہ مسکراتا ہوا تھا۔ارمان ان کے چہرے کو تک رہا تھا۔

" تمہیں یہ تو پتہ ہو گا کہ فیصل کو کسی ایجنسی کا سپورٹ حاصل ہے ؟ " ان کی بات پر ارمان حیرت سے چونکا۔"ایجنسی ؟" اس نے میکانکی انداز میں سر اثبات میں ہلایا۔

"اسے میری ایجنسی کا سپورٹ حاصل ہے۔خانز سیکیورٹی اینڈ ڈیٹیکٹیو ایجنسی کا سپورٹ حاصل ہے۔"

انہوں نے اپنے دونوں بازو پھیلا کر اردگرد اشارہ کیا تو ارمان کو ساری بات سمجھ میں آگئی۔

" آپ فیصل کو کب سے جانتے ہیں ؟ " وہ ان سے سب کچھ جاننا چاہتا تھا۔اب حمید خان کرسی سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔جبکہ ارمان ان کے سامنے بے چین سا بیٹھا تھا۔

"دس بارہ سالوں سے۔"ان کی بات پر ارمان ٹھٹکا۔

"مگر اس نے آرگنائزیشن تو بہت بعد میں بنائی تھی۔" وہ ناسمجھی سے بولا تو حمید خان کی آنکھیں مسکرائیں۔

" برخوردار ! تم نے پوچھا ہے کہ میں اسے کب سے جانتا ہوں تو اس کا جواب یہی ہے کہ میں اسے دس بارہ سالوں سے جانتا ہوں۔"انہوں نے ہر لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"کیسے ؟ "اس نے اپنی آنکھیں میچتے ہوئے سوال کیا۔ سوائے اس کے ہر انسان اس کے بھائی کے بارے میں جانتا تھا۔

" دنیا کی نظر میں ، میں اس وقت دلاور شاہ کا دوست تھا۔" انہوں نے لمبا سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"مگر میں اصل میں اس کی جاسوسی کر رہا تھا۔میں اس کے کالے کارناموں کو ایکسپوز کرنا چاہتا تھا:اور اسی دوران میں اس کے گھر جاتا رہتا تھا۔وہیں پر فیصل سے ملاقات ہوئی تھی۔" انہوں نے ایک لمحے کا توقف لیا۔ارمان دم سادھے ان کی بات سن رہا تھا۔

" اور بھی ایک انسان ہے جس کی وجہ سے میں فیصل کو جانتا ہوں۔" وہ اب آہستہ آواز میں بول رہے تھے۔

"کون سا انسان ؟ "ابھی حمید خان کچھ بولتے یکدم دروازہ کھلا اور ایک وجود تیزی سے اندر داخل ہوا ۔اس نے سبز فراک کے ساتھ نیلی جینز پہن رکھی تھی۔جبکہ نیلا دوپٹہ گلے کے گرد موجود تھا۔سنہری بال ہمیشہ کی طرح اونچی پونی ٹیل میں مقید تھے۔

اس کے اندر آتے ہی کمرے میں ہیلز کی ٹک ٹک گونج اٹھی۔اس کی نظریں ہاتھ میں پکڑے لیپ ٹاپ کی سکرین پر مرکوز تھیں۔کانوں میں بلوتوتھ ڈیوائس موجود تھی۔

"بابا ! آپ نے نیوز سنی ؟ " اس کی نظر ہنوز لیپ ٹاپ کی روشن سکرین پر موجود تھی۔اس نے ان کی جانب دیکھنے کی بھی زحمت نہیں کی تھی۔حمید خان نے اپنا سر تھاما۔ان کی بیٹی کبھی نہیں سدھر سکتی۔

" ایجنٹ ! آپ جا سکتے ہیں۔مجھے بابا سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" وہ ارمان کے ساتھ میز پر لیپ ٹاپ رکھے کھڑی تھی۔جبکہ ارمان منہ کھولے اسے دیکھ رہا تھا۔اب یہ کیا تھا؟

یکدم منال کو کچھ غیر معمولی سا محسوس ہوا۔اس نے آہستہ سے اپنا سر اٹھایا اور وہاں موجود بیٹھے وجود کی طرف دیکھا۔ارمان کو حیران بیٹھا دیکھ کر اسے ایسا لگا جیسے کمرے کی چھت اس کے سر پر گر گئی ہو۔

اس نے دو قدم پیچھے کی جانب لیتے ہوئے اپنے بابا کے چہرے کی جانب دیکھا۔جنہوں نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے ہلکے سے شانے اچکائے۔منال آہستہ سے آگے آئی اور ارمان کے میز پر

دھرے ہاتھوں پر آہستہ سے اپنا ہاتھ رکھا۔ پھر جیسے اسے زور کا جھٹکا لگا۔ نہیں! وہ اس کا خیال نہیں تھا۔

اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اپنے بابا کی طرف دیکھا۔ جیسے کہہ رہی ہو بابا ! مجھے بچائیں۔

" بیٹھ جاؤ منال ! " آخرکار انہیں اپنی بیٹی پر ترس آ ہی گیا۔ انہوں نے ارمان کے ساتھ پڑھی خالی کرسی کی جانب اشارہ کیا۔ تو وہ سر جھکائے اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

ارمان اب حیرت سے اپنے ساتھ سر جھکائے بیٹھے منال کو دیکھ رہا تھا۔ منال دل میں ہی آل تو جلال تو کا ورد کر رہی تھی۔

" کیا آپ بتائیں گے کہ یہ سب کیا ہے ؟" آخر کار ارمان نے وہاں چھائی خاموشی توڑی۔ اس کا سر گھوم رہا تھا۔

" مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ منال کسی پلان کے تحت میرے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھنے آئی تھی۔" وہ اب سرد لہجے میں بول رہا تھا۔

"کیا آپ مجھے یہ سب کچھ پہلے نہیں بتا سکتے تھے۔کیوں مجھے ہی ہر بات سے بے خبر رکھا جاتا ہے ؟

"وہ غصے سے بولا۔آخر میں اس نے اپنا سر تھام لیا۔منال خاموش بیٹھی اسے دکھی نظروں سے دیکھ

رہی تھی۔"برخوردار ! ہر چیز کا ایک مناسب وقت ہوتا ہے۔ہم چاہنے کے باوجود بھی کسی چیز کو اس

کے وقت سے پہلے نہیں جان سکتے۔" اب وہ ارمان کو سمجھاتے ہوئے بول رہے تھے۔

" قران پاک میں اللہ فرماتا ہے۔

اے ایمان والو ایسی باتیں نہ پوچھو جو تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بری لگیں۔

تمہیں یہ سب ایک مخصوص وقت میں پتہ لگنا تھا۔انسان ہر چیز جاننے کے لیے اتنی جلد بازی کیوں

کرتا ہے؟ اگر کچھ باتیں اس سے چھپائی جا رہی ہیں تو اس میں اللہ کی مصلحت ہی ہوگی۔"اب منال

بھی سر اٹھائے ان کی باتیں سن رہی تھی۔

" اگر یہی باتیں تمہیں بہت پہلے پتہ لگ جاتی تو کیا ہوتا ؟ تم خود سوچو۔کیا تم ایک پولیس آفیسر

ہوتے؟ اوہ سوری سسپینڈڈ پولیس آفیسر !! ا"ن کی بات پر ارمان سوچ میں پڑ گیا۔اگر اسے پولیس

آفیسر بننے سے پہلے یہ سب کچھ پتہ ہوتا تو وہ یقیناً غصے میں دلاور شاہ کے پاس پہنچ جاتا۔

”تو یقیناً تم اس دلاور شاہ کے پاس جاتے۔کیا کہتے اس سے ؟ یہی کہ میرا بھائی مجھے واپس کرو۔پھر وہ کیا کرتا ؟ کیا تمہیں ایسے ہی چھوڑ دیتا ؟“ اب کی بار انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

”بالکل نہیں! اس لڑکے کی طرح مار کر تمہاری لاش کو اپنے فارم ہاؤس میں ہی دفنا دیتا۔یہ دنیا اتنی سیدھی نہیں ہے۔جتنی تم سمجھ رہے ہو۔ہر راز کے پیچھے کئی راز چھپے ہوئے ہیں۔ہم ایک انسان کو صرف ظاہری طور پر ہی جان سکتے ہیں۔وہ اندر سے کیا ہے ہم اتنی آسانی سے معلوم نہیں کر سکتے۔“

ان کی بات پر ارمان چونکا تھا۔

”کون سا لڑکا ؟“

”جس نے فیصل کے کہنے پر تم پر الزام لگایا۔تمہیں کیا لگتا ہے دلاور شاہ اسے ایسے ہی چھوڑ دیتا۔میں اسے جانتا ہوں۔وہ ایک گدھ ہے۔جو مردار بھی نہ چھوڑے۔اور گدھوں سے اچھائی کی امید نہیں کرنی چاہیے۔وہ اس نوجوان کو مار چکا ہے۔“ ارمان نے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

”اور کتنا کچھ ہے جو مجھ سے چھپا ہوا ہے ؟“ ارمان نے تکان سے پوچھا تو حمید خان مسکرائے۔

”برخوردار ! ہر راز کا جاننا ضروری نہیں ہے اور جن کا جاننا ضروری ہو گا۔وہ خود تم تک پہنچیں گے۔تم ان کے پاس نہیں جاؤ گے۔اس لیے انتظار کرو۔“اب ارمان نے منال کی جانب دیکھا۔جو بھولے سے بھی اس کی جانب نہیں دیکھ رہی تھی۔

”میری بیٹی کی کوئی غلطی نہیں ہے۔اسے ایسے مت گھورو۔اس نے جو کچھ کیا میرے کہنے پر کیا۔

“ان کی بات پر ارمان نے سر جھٹکا۔

”منال بیٹا ! ہمارے لیے کافی بناؤ۔“ حمید خان کے کہنے پر وہ خاموشی سے کافی میکر کی جانب بڑھ گئی۔

” ابھی مجھے تمہیں کسی اور سے بھی ملوانا تھا۔“ ان کی بات پر ارمان نے تھکے سے انداز میں ان کی جانب دیکھا۔

”کس سے ؟“ اس کے سوال پر انہوں نے لمبا سانس کھینچا۔

”ابھی نہیں بتا سکتا۔اس کے مطابق وہ اپنی سچائی سب سے پہلے کسی خاص انسان کو بتانا چاہتا ہے۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولے تو ارمان نے اثبات میں سر ہلایا۔

اب منال نے کافی کے کپس ان کے سامنے رکھ دیے اور خود ارمان کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"کافی انجوائے کرو۔" حمید خان کے کہنے پر ارمان نے ایک کپ اٹھا لیا۔

دین سے دور ،نہ مذہب سے الگ بیٹھا ہوں

تیری دہلیز پہ ہوں ،سب سے الگ بیٹھا ہوں

ڈھنگ کی بات کہے کوئی، تو بولوں میں بھی

مطلبی ہوں ، کسی مطلب سے الگ بیٹھا ہوں

محب شاپنگ مال سے اسرا کے لیے نکاح کا جوڑا خریدنے آیا تھا۔وہ اس کے لیے اپنی پسند کا لباس خریدنا چاہتا تھا۔مگر وہ ایک گھنٹے سے کئی بوتیکس گھوم چکا تھا۔مگر اس کی نظر کسی بھی جوڑے پر ٹھہری نہیں تھی یا پھر اسے کوئی لباس اسرا کے لائق ہی نہیں لگا تھا۔

وہ تھکے ہوئے انداز میں ایک اور بوتیک میں داخل ہوا۔وہ چلتا پھرتا وہاں لگے ہر لباس کو دیکھ رہا تھا۔پھر یکدم اس کی نظریں ایک لباس پر ٹھہر گئیں۔اس کی تلاش اپنے اختتام کو پہنچ چکی تھی۔

"پرفیکٹ۔" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔اسے لگا جیسے یہ جوڑا بنایا ہی اسرا کے لیے گیا تھا۔وہ قدم بڑھاتا اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔وہ آف وائٹ رنگ کا کامدار میکسی نما فراک تھا۔جس کے گھیرے پر سنہری تیلوں سے نفیس کام کیا گیا تھا۔وہ لمبا فراک محب کو پہلی نظر میں ہی پسند آیا۔

اس کے اوپر نیٹ کی پرتیں چڑھی ہوئی تھیں جن پر سنہری تاروں سے خوبصورت انداز میں نقش بنائے گئے تھے۔وہ نہ ہی بہت وزنی تھا اور نہ ہی بہت ہلکا۔اس کے ساتھ ہی ایک آف وائٹ کلر کی شیروانی موجود تھی۔محب نے وہ فراک اور شیروانی دونوں چیزیں خرید لیں۔

محب نے ایک خوبصورت سا لال دوپٹہ خریدا۔جو اس لباس پر بہت جچ رہا تھا۔اس کے بعد وہ جیولری شاپ پر گیا اور وہاں سے اسرا کے لیے کچھ سامان خریدا۔باقی چیزیں اس کی مام نے خریدنی تھیں۔

اب وہ سارا سامان پیسنجرز سیٹ پر رکھے گاڑی میں بیٹھا تھا۔اس نے بوتیک میں جوڑے کی تصویر بنائی تھی۔جو وہ اسرا کو فارورڈ کر چکا تھا۔کچھ دیر بعد اس کا فون بجنا شروع ہو گیا تو اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ چھا گئی۔اسے معلوم تھا کہ اسرا اب اسے کال ضرور کرے گی۔اس لیے اس نے ابھی گاڑی اسٹارٹ نہیں کی تھی۔

"یہ کیا ہے؟" اسرا کی تیکھی آواز موبائل کے اسپیکر سے ابھری۔ جسے سن کر محب مسکرایا۔

"آپ کے نکاح کا جوڑا۔ کیسا ہے ؟" اس کے لہجے میں ایک آنچ تھی۔ اس نے بہت خوشی سے اسرا کے لیے وہ سب خریدا تھا۔ اس کے سوال پر اسرا سوچ میں پڑ گئی۔

"کیا ہوا ؟ پسند نہیں آیا تو میں چینج کروا لیتا ہوں۔ میں ابھی مال کی پارکنگ میں ہوں۔" اس کی بات پر اسرا چونکی۔

" نہیں مسٹر محب ! آپ نے جو بھی خریدا میں پہن لوں گی۔" وہ مدھم لہجے میں بولی تو محب مسکرایا۔

"مگر آپ کی پسند بھی ضروری ہے۔ اگر آپ کو پسند نہیں آیا تو میں تبدیل کروا لیتا ہوں۔ آپ بلا جھجک بولیں۔" اس کی بات پر اسرا جھنجھلا اٹھی۔

"مسٹر محب ! مجھے ڈریس بہت پسند آیا۔" وہ بولی تو محب کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"تھینک یو ڈاکٹر !" اس کی بات پر اسرا نے اثبات میں سر ہلایا۔ محب سامنے نہیں تھا مگر اسے معلوم تھا کہ اسرا نے سر ہلایا تھا۔ وہ تصور میں اسے دیکھتا مسکرا اٹھا۔

" اوکے۔ اب میں فون رکھتا ہوں۔ فی امان اللہ ! اپنا خیال رکھیے گا۔" محب مسکراتا ہوا بولا۔

”فی امان اللہ!“ اس کی بات پر محب نے فون رکھ دیا۔

اب اس کے دماغ میں اس نوجوان کی بات چل رہی تھی۔اسے پتہ لگ چکا تھا کہ اسے مار دیا گیا تھا۔

اس نے فیصل کا نمبر ملایا اور سیٹ سے پشت ٹکا دی۔

اب اسے فیصل کو اس کی غلطی کا احساس دلانا تھا۔اسے بتانا تھا کہ اس کی وجہ سے ایک معصوم کی جان چلی گئی۔بیل جا رہی تھی مگر دوسری جانب سے کوئی فون نہیں اٹھا رہا تھا۔

فیصل اپنے روم میں حارث کے ساتھ سر کو تھامے بیٹھا ہوا تھا۔حارث اسے ایف۔ایچ سے شاہ ولا لے آیا تھا۔آج کا نقصان ناقابلِ تلافی تھا۔اس کا موبائل پچھلے دو منٹ سے مسلسل بج رہا تھا۔وہ ڈھیٹ بنا بیٹھا تھا۔مگر کال کرنے والا اسے بھی زیادہ ڈھیٹ ثابت ہو رہا تھا۔اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھے حارث نے سائیڈ ٹیبل سے موبائل اٹھایا اور فیصل کے آگے کر دیا۔

موبائل کی سکرین پر محب کا نمبر جگمگا رہا تھا۔فیصل نے جھپٹنے کے انداز میں موبائل پکڑا۔

”کیا مصیبت پڑ گئی اسے؟“ اس نے چہرے پر بیزاریت سجاتے ہوئے فون کو اسپیکر پر لگایا اور میز پر رکھ دیا۔

"کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ ؟ " وہ گلا پھاڑ انداز میں چلایا۔اس کی آواز سنتے محب نے فون کان سے ہٹایا۔اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔

"وہ نوجوان کہاں ہے ؟" وہ بولا تو اس کی آواز میں درشتی تھی۔اس کا سوال سنتے فیصل کے اعصاب شل ہو گئے۔اس نے تھکے سے انداز میں صوفے سے اپنا سر ٹکا دیا۔

" میں نے پوچھا وہ لڑکا کہاں ہے ؟" وہ کاٹدار لہجے میں پوچھ رہا تھا۔فیصل کے پاس اس کی بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔آج اس کے پاس کوئی جواز ، کوئی دلیل موجود نہیں تھی۔ جس سے وہ اپنی جسٹیفیکیشن دیتا۔

" مر گیا نا ؟ تمہارے اس سو کالڈ باپ نے مار دیا نا؟" اس کے لہجے میں طنز تھا۔جسے محسوس کرتے فیصل کی رگیں پھول گئیں۔آنکھوں میں لہو سا اتر آیا۔

"وہ میرا باپ نہیں ہے۔" وہ حلق کے بل دھاڑا۔

"واٹ ایور۔" محب نے اپنے شانے اچکائے۔

”مگر تمہاری وجہ سے ایک معصوم مارا گیا۔ تم نے بلاوجہ اس ارمان کو اپنے کیس سے دور رکھنے کے لیے ایک معصوم کی قربانی دے ڈالی۔“ اس کا لہجہ حد درجہ سرد تھا۔اب فیصل کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ساری چیزیں تہس نہس کر ڈالے۔

” میں نے جان بوجھ کر کچھ نہیں کیا۔“ وہ تھکے انداز میں بولا تو محب طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

”تمہارے پاس ہر چیز کا پلان بی ہوتا ہے نا ؟ تو اس دفعہ کہاں گیا تمہارا پلان بی ؟ “ محب طنز پر طنز کر رہا تھا۔وہ پہلی دفعہ جان بوجھ کر فیصل کو اذیت سے دوچار کر رہا تھا۔آج وہ سمجھ چکا تھا کہ یہ کرنا بہت ضروری تھا۔فیصل کو اس بات کا احساس دلانا ضروری تھا کہ وہ اپنی بدلے کی راہ میں بہت کچھ کھو رہا تھا۔

” نکل آؤ اپنی جنونیت سے۔بس کر دو۔ختم کر دو یہ ناٹک۔کیوں اپنے سے جڑے لوگوں کو بھی سولی پر لٹکایا ہوا ہے ؟ “آج وہ تکلیف دہ حد تک سچ بول رہا تھا۔تلخ باتیں کر رہا تھا۔حارث فیصل کے ساتھ خاموش بیٹھا تھا۔

”میں اپنا بدلہ لے کر رہوں گا۔“اس کا وجود شعلوں کی لپٹ میں آ چکا تھا۔محب ایسے ہی اسے سب کچھ چھوڑنے کا کیسے کہہ سکتا تھا؟ کیا وہ سب کچھ نہیں جانتا تھا؟

”پھر لو اپنا بدلہ۔کیوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہو؟ سیدھا دلاور شاہ کو مار ڈالو۔“ باہر رات تیزی سے اپنے طرف پر پھیلا رہی تھی۔مگر اندھیرا اپنی دہشت پھیلانے میں کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا۔ مصنوعی روشنیوں نے ان اندھیروں کو مات دے ڈالی تھی۔

” میں اسے تڑپا تڑپا کر ماروں گا۔پہلے اس سے سب کچھ چھینوں گا اور پھر اسے بدترین موت دوں گا ۔“وہ وحشت زدہ لہجے میں بولا تو محب نے اپنا سر جھٹکا۔

” اور اسے مارنے تک کتنے نوجوانوں کی قربانی دو گے؟ “ اس کے استہزائیہ انداز میں پوچھے جانے والے سوال نے فیصل کو آگ کی لپیٹوں میں کھڑا کر دیا۔اسے لگا کہ اس کا وجود جل رہا تھا،دہک رہا تھا۔

”میں آئندہ کوئی غلطی نہیں کروں گا۔میں دلاور شاہ کو اس کے انجام تک پہنچا کر رہوں گا۔“وہ اذیت ناک لہجے میں دھاڑا۔

”دلاور شاہ تمہارے لیے کوئی مشکل ہدف نہیں ہے۔تم اسے کبھی بھی ختم کر سکتے ہو۔کوئی تمہیں پوچھنے والا نہیں ہوگا۔کیونکہ دنیا کی نظر میں تم فیصل شاہ ہو۔“اس کی بات پر فیصل نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔اسے اس نام سے نفرت تھی۔مگر پوری دنیا اسے فیصل شاہ کے نام سے پکارتی تھی۔اس نے لمبا سانس بھرتے ہوئے اپنا تنفس درست کیا جو غصے کی وجہ سے پھول چکا تھا۔

”وہ آسان ہدف نہیں ہے۔اس کے نام کے ساتھ شاہ لگا ہوا ہے۔اگر اسے کچھ ہوا شاہ حویلی والے اتنی آسانی سے اسے مارنے والے کو نہیں چھوڑے گے۔“ اب حارث موبائل کی جانب جھکا تھا۔

”محب ! تم وہ نہیں جانتے جو ہم جانتے ہیں۔“ اس کی بات پر محب پراسراریت سے مسکرایا۔

”اوہ! تو حارث صاحب بھی یہاں موجود ہیں اور جو تم لوگوں کو لگتا ہے نا کہ تم سب کو جانتے ہو یہ تم لوگوں کی بھول ہے۔ایک ذات اوپر موجود ہے جو ہر انسان کے دل کا حال بھی جانتی ہے۔“ آخر میں وہ مسکرایا تھا۔اس کی بات پر فیصل نے شعلہ بار نگاہوں سے موبائل کی سکرین کو گھورا۔

” تو اس ذات کو تب ظلم نہیں نظر آیا جب ہمارے اپنوں کو مارا گیا تھا ؟“ اب اس کی آنکھوں میں نمی چھاگئی تھی۔اسے حالات نے برا بنایا تھا۔ورنہ وہ کہاں ایسا تھا ؟

"کیوں اس ذات نے ہمارے بابا کو ہم سے چھین لیا؟ کیوں میرے بابا کو، تمہارے بابا کو اور حارث کے بابا کو اس دلاور شاہ کے ہاتھوں مرنے دیا؟ آخر کیوں؟" وہ حلق کے بل دھاڑا۔

"کیوں؟ آخر کیوں؟" آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے تھے۔یہی حال حارث اور محب کا بھی یہی تھا۔اب فیصل صوفے کے ساتھ نیچے قالین پر بیٹھا تھا۔

"اللہ پر بھروسہ رکھو۔وہ بہترین چال چلنے والا ہے۔" محب بامشکل بول پایا تھا۔

" تم نے رکھا نا؟ میں بھی دیکھتا ہوں وہ کس دن اپنی چال چلے گا۔" اس کی بات پر محب نے اپنی سرمئی آنکھوں سے نکلنے والے آنسوؤں کو صاف کیا۔

"ناامیدی کفر ہے۔اللہ سے نا امید مت ہو۔جس دل میں اللہ کے کسی بندے کے لیے محبت ہو اس کا دل ناامید نہیں ہوتا۔اس دل میں اللہ خود ہی امید کے بیج بو دیتا ہے۔" اس کی بات پر فیصل کے آنسو تھمے تھے۔اسرا کا چہرہ آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔

"محب!" وہ بولا تو محب کو اس کے لہجے میں ایک درد محسوس ہوا۔ایک آس محسوس ہوئی۔

"ہمم۔" اس نے ہنکارہ بھرا۔

"تم سے کچھ مانگوں تو دو گے ؟" حارث حیرانی سے فیصل کا یہ روپ دیکھ رہا تھا۔اگر محب سامنے ہوتا تو فیصل سے کوئی بعید نہ تھی کہ وہ اس کے پیروں میں گر جاتا۔اس کی بات پر محب نے لمبا سانس کھینچا۔

" پلیز ! ایسا کچھ مت مانگنا۔جو میں تمہیں نہ دے سکوں۔"وہ بے بسی سے مسکراتے ہوئے بولا۔کچھ لمحوں کے لیے دونوں جانب خاموشی چھاگئی۔محب کو اندازہ تھا کہ وہ اس سے کیا مانگنے جا رہا تھا۔

" مجھے۔۔۔" وہ ایک پل کو رکا۔محب نے کرب سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔وہ فیصل کی بات مکمل نہیں سننا چاہتا تھا۔اس کا شدت سے دل چاہا کہ اس کا موبائل بند ہو جائے۔مگر نہیں ہوا۔

"مجھے ڈاکٹر اسرا دے دو۔پلیز ! مجھے ڈاکٹر اسرا دے دو۔میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں۔" اس نے باقاعدہ اپنے دونوں ہاتھوں کو جوڑ لیا۔حارث ساکت بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔محب اسی بات کو سننا نہیں چاہتا تھا۔

"اگر تم چاہو تو میں تمہارے پیروں میں بھی پڑ جاؤں گا۔پلیز مجھے اسرا دے دو۔" اس کی بات پر محب نے لمبا سانس بھرا۔

"وہ کوئی چیز نہیں ہیں جیتی جاتی انسان ہیں۔میں نے کہا تھا نا کچھ بھی مانگ لو۔دے دوں گا مگر جو تم مانگ رہے ہو وہ محب رضا حسین نہیں دے سکتا۔" اس کے بوجھل لہجے میں کہنے پر فیصل کے اندر چھن سے کچھ ٹوٹا تھا۔کوئی آس تھی ، جو بکھر گئی تھی۔کوئی امید تھی جو ڈوب گئی تھی۔

"کاش ! فیصل احمد ! کاش تم اپنے انتقام کو چھوڑ کر مجھ سے یہ مانگتے تو شاید میں تمہیں اسرا دے دیتا۔ مگر تم اپنے انتقام کے پیچھے اندھے ہو چکے ہو۔کاش! تم انتقام اور اسرا میں سے اسرا کا انتخاب کرتے۔مگر تم نے نہیں کیا۔" اس نے ایک لمحے کا توقف لیا۔فیصل دم سادھے اس کی بات سن رہا تھا

۔

"آج محب رضا حسین ، فیصل احمد کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔اپنا خیال رکھنا۔" اس نے دکھ سے اپنی آنکھیں بند کرتے ہوئے موبائل کو ڈیش بورڈ پر اچھال دیا۔کیا وہ فیصل کو اسرا دے دیتا۔ہاں ! شاید دے دیتا۔مگر فیصل نے اپنے انتقام کو نہیں چھوڑا۔تو وہ کیوں اس کے لیے اسرا کو چھوڑتا ؟ اس نے گاڑی اسٹارٹ کر کے اپنے گھر کی جانب بڑھا دی۔ابھی اسے اپنی مام کو لے کر اسرا کی طرف بھی جانا تھا۔

دوسری جانب فیصل شکستہ سا صوفے کے پاس نیچے قالین پر بیٹھا تھا۔آج پھر اس پر اپنی بدقسمتی کا ادراک بہت شدت سے ہوا تھا۔حارث اس سے کچھ کہہ رہا تھا مگر وہ خالی نظروں سے اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو گھورتا رہا۔

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

سبھی کچھ ہے تیرا دیا ہوا، سبھی راحتیں، سبھی کلفتیں

کبھی صحبتیں، کبھی فرقتیں، کبھی دوریاں، کبھی قربتیں

یہ سخن جو ہم نے رقم کیے، یہ سب ورق تیری یاد کے

کوئی لمحہ صبحِ وصال کا، کئی شام ہجر کی مدتیں

رات کو محب مسز رضا کے ساتھ ڈھیر سارا سامان لیے اسرا کے گھر پہنچ چکا تھا۔مگر اس دفعہ اسرا نے ان کو محب کے پلان کے تحت ڈرائینگ روم میں بٹھایا تھا۔

ہلکے گلابی رنگ کے سوٹ میں ملبوس اسرا سر پہ دوپٹہ سجائے بیٹھی تھی۔جبکہ محب کالی پینٹ شرٹ میں ملبوس شرٹ کے بازوؤں کو کوہنیوں تک موڑے شریف بن کر بیٹھا تھا۔

اس کی نگاہیں اسرا پر تھیں۔ سرمئی آنکھوں میں الوہی سی چمک موجود تھی۔ یکدم اس کے دماغ میں ایک خیال آیا۔

اس نے منہ پر ہاتھ کی مٹھی جمائی اور ہلکا سا کھنکارا۔ اسرا نے مسکراہٹ دباتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔

"کیا ہوا بچے ؟ " ڈاکٹر نیلوفر نے پوچھا جو مسز رضا سے باتیں کرنے میں مصروف تھیں۔ فضہ بھی اپنے چہرے پر مسکراہٹ سجائے اسرا کے ساتھ بیٹھی تھی۔ ڈاکٹر نیلوفر کے کہنے پر اس نے اپنے چہرے پر مصنوعی سی جھجک سجا لی۔

" وہ مجھے ڈاکٹر اسرا سے کچھ پوچھنا تھا۔ کیا میں ان سے پوچھ سکتا ہوں ؟ "ابرو کو کھجاتے ہوئے ہچکچاہٹ سے پوچھا گیا۔ ڈاکٹر نیلوفر چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی۔ کتنا اچھا بچہ تھا !

"بالکل بچے ! اسرا محب کے ساتھ جاؤ۔ "اسرا اور محب اپنے مسکراہٹ دباتے ہوئے کھڑے ہو گئے جبکہ فضہ تعجب سے ان کے چہروں کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔

"مسٹر محب ! آپ بہت الگ ہیں۔" وہ دل سے بولی تھی۔وہ سچ میں باقی مردوں کی طرح نہیں تھا ۔اس کی بات پر محب نے سر کو ہلکا سا خم دیتے ہوئے دیوار کے ساتھ ٹیک لگا لی۔اب وہ اپنے سرمئی آنکھوں میں چمک لیے اسرا کو فرصت سے دیکھ رہا تھا۔کچھ لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔

" جیسا بھی ہوں فقط آپ کا ہوں۔"اب وہ اپنے سینے کے گرد بازو لپیٹے کھڑا تھا۔اس کی بات پر اسرا کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے سرخیاں سی گھل گئیں۔جسے دیکھ کر محب مبہوت ہوا۔بہت مشکل سے اس نے اسرا سے نظریں ہٹائیں اور اپنا سر جھٹکا۔

"آپ مجھے اپنے قابو میں کر رہی ہیں۔"وہ بے بسی سے ہنستے ہوئے بولا۔

"آپ بھول رہے ہیں کہ ہم کس کام کے لیے باہر آئے تھے !! اب وہ اپنے ابرو اچکائے بولی تو محب نے سر ہلایا۔وہ لڑکی اسے پوری دنیا فراموش کروا دینے کی طاقت رکھتی تھی۔

"پرسوں ہمارا نکاح ہے۔"یکدم محب گمبھیر لہجے میں بولا تو اسرا ٹھٹکی۔اس نے حیران نظروں سے محب کی جانب دیکھا۔

" اتنی جلدی ؟ " وہ بے ساختہ بولی تو محب مسکرایا۔

"پرسوں جمعتہ المبارک ہے اور میں چاہتا ہوں اسی مبارک دن ہم اس پاک رشتے میں بندھیں۔"

اس کی آنکھوں کی چمک اسرا کی سنہری آنکھوں کو خیرا کر رہی تھی۔

اسرا نے آہستہ سے اپنا سر اثبات میں ہلاتے ہوئے جھکا دیا۔اب وہ لاؤنج کی جانب قدم بڑھا رہے تھے۔لاؤنج کے باہر وہ دونوں کھڑے ہو گئے۔اب محب نے اپنی جیب سے کچھ نکالا تھا۔اس کے ہاتھ میں کالے رنگ کا ایک آلہ تھا۔جس کے اوپر تین چار لمبے انٹینا کی شکل میں راڈ لگے ہوئے تھے۔یا کم از کم اسرا کو وہ راڈ ہی لگ رہے تھے۔وہ متجسس نظروں سے اس آلے کی جانب دیکھتی رہی۔

"یہ کیا ہے ؟"محب نے منہ پر انگلی رکھتے ہوئے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔اب وہ آلے کے ساتھ چھیڑ خانی کر رہا تھا۔اسرا حیرت سے اس کے تیز چلتے ہوئے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔کچھ دیر بعد محب مسکرایا اور آلے کو دوبارہ اپنی پاکٹ میں ڈال لیا۔

"اب آپ بول سکتی ہیں۔" وہ لاؤنج کی جانب قدم بڑھاتے بولا۔لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے اسرا نے ہاتھ سے دیوار پر لگی پینٹنگ کی جانب اشارہ کیا۔

"وہ کیا تھا ؟" وہ دونوں اب اس پینٹنگ کی جانب بڑھ رہے تھے۔

"کیمرہ جیمر تھا۔اس سے کوئی بھی وائرلیس کیمرہ جیم ہو سکتا ہے۔"وہ اس پینٹنگ کا غور سے جائزہ لے رہا تھا۔

"مگر محترم ! یہ آپ کے پاس کہاں سے آیا ؟ "اب کی بار وہ سینے پر بازو لپیٹے تیکھے لہجے میں بولی تو محب نے حیران نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔اسے خوشگواریت کا جھٹکا لگا تھا۔اسرا نا سمجھی سے اس کی چمکتی آنکھوں کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا ؟ "محب نے اپنا سر جھٹکا۔

" آپ مجھے محترم ہی کہا کریں۔مجھے اچھا لگا۔" اب وہ پینٹنگ کو چھوڑے اسے دیکھ رہا تھا۔

" میں آپ کا محترم اور آپ میری محترمہ !" اب کی بار وہ ہنستا ہوا بولا تو اسرا نے اپنی آنکھیں گھمائیں۔

" محترم ! آپ میری بات کو ایسے گھما نہیں سکتے۔بتائیں یہ جیمر آپ کے پاس کہاں سے آیا ؟ " وہ اپنے مخصوص انداز میں ابرو اٹھائے پوچھ رہی تھی

محب تو اس کے انداز کو دیکھتا ہی رہ گیا۔

" محترمہ ! عورت کو حسین ہونے کے ساتھ ساتھ اتنا ذہین نہیں ہونا چاہیے۔" وہ بھی اسی کے انداز میں سینے کے گرد بازو لپیٹے بولا۔

"وہ کیوں ؟ " تڑخ کر پوچھا گیا۔

"کیونکہ پھر آپ ہم جیسوں کو دیوانہ بنا دیتی ہیں۔" وہ مبہم انداز میں مسکراتے بولا تو اسرا نے تیکھی نظروں سے اسے گھورا۔

"محترم ! آپ جیسوں سے آپ کی کیا مراد ہے ؟ " اس کے سوال پر محب گردن کو پیچھے کی جانب گراتا ہنستا چلا گیا۔شاید ہی وہ کسی کے سامنے اس قدر مسکرایا ہو۔اسرا تو حیرت سے اسے تک رہی تھی۔

" ہم جیسوں کو چھوڑیں۔آپ بس مجھ پر دھیان دیں۔" وہ بالوں کو ایک ادا سے پیشانی سے ہٹاتا بولا تو اسرا اس سے منہ پھیر کر مسکرائی۔

" جب وقت آئے گا۔تب آپ پر بھی دھیان دے لیں گے۔مگر فلحال آپ اس پینٹنگ پر دھیان دیں محترم !!" اس نے آخر میں محترم پر زور دیتے ہوئے کہا تو محب مسکرایا۔

”جو آپ کا حکم محترمہ !“ وہ سر کو ہلکا سا خم دیتے ہوئے پینٹنگ کی جانب پلٹا۔ ہر طرف سے جائزہ لینے کے بعد اسے ایک سرے پر چھوٹا سا کیمرہ نظر آ ہی گیا۔اس نے احتیاط سے اسے باہر نکالا اور اپنی ہتھیلی پر رکھا۔

وہ بٹن کے حجم کا چھوٹا سا وائرلیس کیمرا تھا۔اسرا نے حیرانی سے اس کی جانب دیکھا۔محب نے اسے نیچے گرایا اور اسے اپنے بوٹ سے مسل دیا۔پھر اس نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے اسرا کی جانب دیکھا۔

” ہو گیا کام تمام۔“ اب وہ اِدھر اُدھر نظریں دوڑا رہا تھا۔اسرا تو حیرانی سے اس کے چیل سے تیز مشاہدے کو دیکھ رہی تھی۔اس میں کچھ ایسا تھا جو اسرا کو غیر معمولی سا محسوس ہوا تھا۔

اب محب چاروں دیواروں پر آویزاں پینٹنگز کا جائزہ لے رہا تھا۔پھر اس نے سارے ڈیکوریشن پیسز دیکھے۔

آخر کار جب اسے تسلی ہو گئی کہ وہاں کوئی اور کیمرا نہیں ہے وہ اسرا کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

”کیا ہوا محترمہ ؟ “ اب اس کی آواز میں شرارت واضح تھی۔اسرا کی پر سوچ نظریں محب کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

محب کے سوال پر اس نے نفی میں سر ہلایا اور ڈرائینگ روم کی جانب بڑھنے لگی۔جبکہ محب بھی اس کے پیچھے چل رہا تھا۔

" آپ بزنس مین ہی ہیں نا ؟" اس کے سوال پر محب کے چلتے قدم رک گئے۔اس نے حیرت سے اسرا کی پشت کی جانب دیکھا۔

اسرا یکدم پلٹی اور اب وہ محب کی سرمئی آنکھوں میں اپنی سنہری آنکھیں ڈالے کھڑی تھی۔محب نے ایک لمحے میں ہی اپنی آنکھیں بے تاثر کر لیں۔مگر اسرا نے جذبات کے اس تغیر کو بہت غور سے دیکھا تھا۔

"کیا پوچھا آپ نے ؟ "محب نے گلے سے تھوک نگلتے ہوئے پوچھا۔جس پر اسرا سر جھٹکتی ہوئی پلٹ گئی۔محب اس کے انداز پر بے چین ہوا تھا۔

" کیا ہوا ڈاکٹر ؟ "اب وہ ڈرائنگ روم کے دروازے پر پہنچ چکے تھے۔

"کچھ نہیں۔" اب کی بار وہ بے تاثر لہجے میں بولی تھی۔

"کچھ نہیں بھی اپنے اندر بہت کچھ چھپائے ہوتا ہے۔مجھے بتائیں کیا ہوا ہے ؟" وہ اسرا کے سامنے ڈٹا کھڑا تھا۔محب کی بات پر وہ مسکرائی تھی۔عجیب سی مسکراہٹ تھی اس کی! جسے محب چند لمحوں کے لیے دیکھتا ہی رہ گیا۔مگر کچھ سمجھ نہ پایا کہ آخر اس کی مسکراہٹ کے پیچھے کون سا جذبہ عیاں تھا۔

" مسٹر محب ! آپ انسانوں کو جانتے ہیں۔مجھے پہلی دفعہ کوئی ایسا انسان ملا ہے جو جذبوں کی ظاہری پرتوں کو الٹ کر ان کی بنیاد کو تلاش کرے۔" اس کی بات پر محب کی سانسیں تھمی تھیں۔وہ محب کو ساکت چھوڑتے ڈرائینگ روم کے اندر بڑھ گئی۔

جبکہ محب کے کانوں میں اسرا کے کہے الفاظ گونج رہے تھے۔اسرا کی بات سن کر اس کا دماغ ماؤف ہو گیا تھا۔وہ چند لمحے اپنے ماؤف ہوتے ذہن کے ساتھ وہیں کھڑا رہا پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا اندر داخل ہو گیا۔

جہاں اب فضہ کے ساتھ نعمان براجمان تھا۔جبکہ ڈاکٹر نیلوفر اور اس کی ماما اکٹھی بیٹھی ہوئی تھیں۔اس نے کمرے میں نظریں دوڑائیں تو اسرا کے ساتھ جگہ خالی پڑی تھی۔وہ چند لمحے وہیں دروازے پر کھڑا رہا۔پھر ڈاکٹر نیلوفر کی اس پر نظر پڑی۔

” بیٹا ! وہاں اسرا کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔“ انہوں نے اسرا کی جانب اشارہ کیا تو وہ سر ہلاتا اس جانب بڑھ گیا۔باہر والے باتوں اثر ابھی تک زائل نہیں ہوا تھا۔اس کا خوبصورت چہرہ اس وقت بے تاثر تھا۔

وہ اسرا سے مناسب فاصلہ اختیار کرتا اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔اب وہ سن ہوتے دماغ کے ساتھ اپنی ماں اور ڈاکٹر نیلوفر کی باتیں سن رہا تھا۔

اسرا کے سامنے بیٹھی فضہ اسرا کو آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی اشارہ کر رہی تھی۔جبکہ اسرا نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

نعمان ان دونوں کو دیکھتا مسکرا اٹھا۔وہ تو اتفاقاً وہاں آیا تھا اور یہاں اسے سرپرائز ہی مل گیا۔

” ہم نکاح کا کچھ سامان لے کر آئے تھے۔“ مسز رضا نے ٹیبل پر پڑے سامان کی جانب اشارہ کیا۔

ان دونوں کی غیر موجودگی میں وہ نکاح کی بات کر چکی تھیں۔جس پر ڈاکٹر نیلوفر رضا مند تھیں۔

ساری تیاریوں کی ذمہ داری نعمان نے اٹھائی تھی۔نکاح پرسوں رات کو طے پایا تھا۔

”اس کی ضرورت نہیں تھی۔“ ڈاکٹر نیلوفر کی مسز رضا کے ساتھ کافی اچھی دوستی ہو چکی تھی۔

"محب نے اسرا بیٹی کے لیے نکاح کا جوڑا خود خریدا ہے۔میں نے تو کہا تھا اسے ساتھ لے جاؤ۔ مگر اس نے کہا میں جو خریدوں گا وہ پہن لیں گی۔" اسرا نے اپنی مسکراہٹ دبائی۔یقیناً محترم کو معلوم ہو گا کہ میں نہیں چلوں گی۔

جبکہ محب بھی دل میں اسی سے مخاطب تھا۔میں تو کہہ دیتا مگر یہ محترمہ مانتی ہی نہیں !! ان کی بات پر فضہ اور نعمان نے اپنی مسکراہٹ دبائی تھی۔

"بچوں! آپ سب باہر لان میں چلے جائیں۔کچھ دیر تک کھانا لگ جائے گا تو آپ کو نجمہ بلا لے گی۔ اسرا انہیں لان میں لے جاؤ۔" ڈاکٹر نیلوفر فضہ اور نعمان کو اشارے کرتے دیکھ چکی تھیں۔ان کی بات پر اسرا، فضہ اور اور نعمان کو آنکھیں دکھاتی کھڑی ہو گئی۔

"جیجا جی ! آپ بھی چلیں۔" محب کو بیٹھا دیکھ کر فضہ بولی تو وہ مسکرا کر کھڑا ہو گیا۔اس کی چہکتی آواز سن کر نعمان حیران ہوا۔اسرا نے تو فضہ جی کو مکمل ہی تبدیل کر دیا۔واہ اسرا یار!!

اب وہ چاروں مصنوعی روشنیوں میں نہائے لان کی میں بیٹھے تھے۔فضہ شرارتی نظروں سے اسرا کو دیکھ رہی تھی۔

”کیا مسئلہ ہے ؟“ اسرا کے چڑ کر بولنے پر محب مسکرایا۔

” میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔“ وہ معصوم چہرہ بناتی انجان بن گئی۔

”مبارک ہو اسرا اور محب بھائی !!“ نعمان کے بولنے پر محب کے ابرو اٹھے۔وہ انہیں اسرا کیوں کہہ رہا تھا؟ خیر ! ایک دفعہ نکاح ہونے دو۔ پھر میں تمہیں بتاتا ہوں۔وہ مسکراتی نظروں کے ساتھ دل میں نعمان سے مخاطب تھا۔

”کیا چاہیے نعمان؟ “نعمان کی بات پر اسرا اپنی آنکھیں گھماتی بولی۔

” ٹریٹ۔“ نعمان شرارتی انداز میں مسکراتا بولا۔

” نکاح کے بعد ٹریٹ میری طرف سے۔“ محب کے بولنے پر وہ دونوں خوش ہو گئے۔یہ تو محب ہی جانتا تھا کہ انہیں وہ ٹریٹ ملنی تھی یا نہیں!

” تھینک یو سو مچ جیجا جی ! “ محب کو جیجا جی لفظ سن کر بہت اچھا لگ رہا تھا۔

” ویسے پہلے آپ صرف محب تھے۔اب اسرا کی وجہ سے بھائی بھی بن گئے۔خیر ! کیا کیا جا سکتا ہے ؟“ نعمان نے شانے اچکاتے ہوئے کہا۔وہ سب اس کے انداز پر مسکرا اٹھے۔

"میں ویسے کیا کہہ رہا تھا ؟" اس نے مسکراتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔

"ہاں ! محب بھائی ! آپ یہ بتائیں کہ آپ کو اسرا سے کب محبت ہوئی ؟" اس کے سوال پر اسرا نے اسے آنکھیں دکھائی تھیں۔جنہیں وہ نظر انداز کر گیا۔

محب نعمان کے سوال پر مسکرا اٹھا۔اسے اسرا کے ساتھ اپنی پہلی ملاقات یاد آئی۔اس کی سنہری آنکھیں اور اس کی مدھم مسکراہٹ اس کے دماغ کے پردے پر گھوم گئی۔

اسے واقعی میں سمجھ نہیں آیا کہ اسے اسرا سے کب محبت ہوئی تھی ؟ شاید تب جب وہ سنہری کرنوں کی روشنی میں دروازہ تھامے کھڑی تھی یا پھر جب ڈوبتی ہوئی شام میں گلی کے سرے پر اس نے پستول تانے اسے مارنے کی دھمکی دی تھی۔

یا پھر جب وہ کسی سے فون پر بات کرتی کھکھلا کر ہنسی تھی۔وہ ان لمحوں میں ہی کھو سا گیا کہ پاس بیٹھی اسرا نے اپنا گلا کھنکارا۔یکدم وہ ہوش میں آیا۔وہ سب مسکراتی نظروں سے اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

"بتائیں نا!" اب کی بار فضہ بے چینی سے بولی تو محب کی سرمئی آنکھیں مسکرائیں۔اسے ان کے سوال کا جواب مل چکا تھا۔

"جب عالمِ ارواح میں اللہ نے ہماری روحوں کو ایک دوسرے سے ملوایا تھا۔جب ہمارے پیدا ہونے سے ہزاروں سال پہلے ہم دونوں کے نام ایک ساتھ لکھے گئے تھے۔" وہ اسرا کے چہرے کو اپنی نرم گرم نگاہوں کے حصار میں لاتا گمبھیر لہجے میں بولا تھا۔

وہ دونوں جو کسی واقعے کو سننے کے منتظر بیٹھے تھے اس کے جواب پر مبہوت رہ گئے۔کیا اس سوال کا اس سے بہتر کوئی جواب ہو سکتا تھا؟ بالکل بھی نہیں! ایک لمحے کے لیے ساکن تو اسرا بھی ہوئی تھی۔دھڑکنوں میں انشار سا برپا ہوا تھا۔

میز کے ایک جانب کرسی پر اسرا اور فضہ بیٹھی تھیں۔جبکہ دوسری جانب نعمان اور محب براجمان تھے۔وہ لوگ اس کی بات کے جادو میں ہی کھو کر رہ گئے تھے۔

کچھ دیر بعد نعمان نے تالیاں بجائیں۔

" واہ ! میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ دونوں شادی کے بعد بہت خوش رہیں گے۔" اسرا اور محب مسکرائے۔

"اب میں چلتا ہوں۔ ارمان بھائی ابھی تک نہیں آئے۔ اللہ تعالی آپ دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے ۔آمین !"

فضہ نے بھی اس کی دعا پر زیرلب آمین کہا۔اب نعمان کھڑا ہو چکا تھا۔

"کھانا کھا کر جانا نعمان !" اسرا کے بات پر اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں اسرا ! ابھی مجھے بھوک نہیں ہے۔ اللہ حافظ !" اب وہ دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

نعمان کے جانے کی دیر تھی کہ انہیں اندر سے نجمہ باہر جاتی نظر آئی۔

" چھوٹی بی بی ! آ جائیں۔" وہ اسرا سے مخاطب ہوئی۔اسرا اس کی بات پر سر ہلاتے کھڑی ہو گئی۔اب وہ اندر کی جانب بڑھ گئے۔

یا رب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے میری بات

دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور

"انکل کیا میں منال سے کچھ دیر بات کر سکتا ہوں؟ "کافی کا کپ میز پر رکھتے ہوئے منال کے ہاتھ کپکپائے تھے۔حمید خان نے ایک نظر اپنی بیٹی کی جانب ڈالی اور کھڑے ہو گئے۔

" میں راؤنڈ پر جا رہا ہوں۔تم دونوں بات کر سکتے ہو۔" حمید خان اسے اجازت دینے دیتے باہر کی جانب بڑھ گئے۔کمرے کی فضا میں ایک سرد پن چھایا ہوا تھا۔

ارمان منال کے پاس سے اٹھا۔وہ اپنی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اب اِدھر اُدھر گھوم رہا تھا۔

منال نے آنکھوں میں ہلکا سا خوف لیے اسے پینڈیولم کی طرح گھومتے ہوئے دیکھا۔

یکدم ارمان نے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔غصے میں وہ بالکل اپنے بھائی پر گیا تھا۔پھر وہ مڑا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا حمید خان کی کرسی کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔اب وہ اپنی بھوری آنکھوں میں بےیقینی لیے منال کو دیکھ رہا تھا۔

منال نے چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔مگر پھر سر جھکا گئی۔منال کو ارمان کی خاموشی چبھ رہی تھی۔جبکہ وہ منال کو ویسے ہی اپنی تیکھی نظروں سے گھور رہا تھا۔چند لمحوں بعد وہ میز پر ہاتھ جماتے جھکا۔

"تم نے ایسا کیوں کیا؟" اس کا لہجہ اس قدر سرد تھا کہ منال کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔اسکی آنکھوں میں نمی کی پرت نظر آنے لگی۔

" بتاؤ کیوں کیا؟" اب کی بار وہ دھاڑا تھا۔منال اس کی دھاڑ سنتی سہم سی گئی۔اس نے خشمگیں نگاہوں سے ارمان کی جانب دیکھا۔جنہیں ارمان نظر انداز کر گیا۔کچھ دیر پہلے اس کی حقیقت دیکھتے اس کے حواس شل ہو گئے تھے۔منال اس سے اتنی بڑی بات کیسے چھپا سکتی تھی؟

" بتاؤ۔میرے ساتھ محبت کا ڈرامہ کیوں کیا؟" اس کے بے اعتنائی سے بولنے پر منال نے صدمے بھری آنکھوں سے ارمان کی جانب دیکھا۔

"ارمان! میری محبت جھوٹی نہیں ہے۔" اس کے نم لہجے پر ارمان نے زور سے میز پر مکا مارا جس پر منال ڈر کر اچھلی۔مگر وہ اپنی نم ہوتی آنکھوں سے اسی کو تک رہی تھی۔

"کسی رشتے کی بنیاد ہی جھوٹ ہو تو وہ کتنا پائیدار ہوگا؟" وہ منال کی بات کو نظر انداز کرتا دکھی لہجے میں اس سے استفسار کر رہا تھا۔منال نے اس کی بات پر آنکھوں کی نمی کو پیچھے دھکیلا اور اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

" ارمان احمد ! میں نے تم سے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔" اب وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پختہ لہجے میں بولی۔اس کی بات پر ارمان نے اپنا سر جھٹکا۔

"میں نے صرف اپنی پہچان چھپائی۔وہ بھی صرف اور صرف اپنے حلف کی وجہ سے۔" وہ اب اپنی انگلی اٹھائے لہجے میں درشتی لیے ارمان سے مخاطب تھی۔

"صرف اور صرف اپنے فرض کی وجہ سے۔" ارمان استہزائیہ انداز میں مسکرایا۔اب وہ سیدھا کھڑا تھا۔میز کے ایک سرے پر ارمان جبکہ دوسرے سرے پر منال موجود تھی۔

" میں یہاں فرض کی تو بات ہی نہیں کر رہا۔میں نے تو اعتبار کی بات کی ہے۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولا تو منال جھنجھلا اٹھی۔

" ارمان ! میں نے حلف اٹھایا تھا۔وعدہ کیا تھا کہ میں یہ بات کسی کو نہیں بتاؤں گی۔" وہ ہر لفظ پر زور دیتے ہوئے بول رہی تھی۔

"ہاں !اگر مجھے آج بھی پتہ نہ چلتا تو تم ساری زندگی مجھے یہ بات نہیں بتاتی۔" اس کے لہجے میں ایک بے یقینی تھی۔جو منال کے دل کو چیر رہی تھی۔

" میں بتانے والی تھی۔۔۔" ارمان نے اس کی بات کاٹی۔

"کب ؟ تم مجھے کب بتانے والی تھی ؟ جب میں مر جاتا تب ؟ میری قبر پر آ کر بتاتی ؟" وہ انتہائی تلخ جملات کا استعمال کر رہا تھا۔اس کی بات پر منال کی آنکھیں پھر سے نم ہو گئیں۔

"شادی۔۔۔شادی کے بعد بتا دیتی۔" وہ لڑکی جو ایک بہادر ایجنٹ تھی۔جس کا کام اپنے دشمنوں کو ان کے انجام تک پہنچانا تھا۔لوگوں کی حفاظت کرنا تھا۔ایک ارمان احمد کے سامنے بے بس ہو رہی تھی۔

"پتہ ہے منال ! محبت کی شکست کب ہوتی ہے؟ "اس کا لہجہ اب بھی تیکھا تھا۔مناہل ویسے ہی ساکت نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

”محبت کو شکست تب ہوتی ہے جب وہ اپنا اعتبار کھو دیتی ہے اور آج تم، منال حمید خان! تم اپنا اعتبار کھو چکی ہو۔“ اس نے بہت ضبط سے یہ جملہ ادا کیا تھا۔منال نے دہل کر اس کی سرخ آنکھوں کی جانب دیکھا۔جن میں اسے کرب ہی کرب دکھائی دیا۔

مگر منال کو آج خاموش نہیں رہنا تھا۔اگر آج وہ خاموش رہتی تو ارمان کو ہمیشہ کے لیے کھو دیتی۔

بعض خاموشیاں انسان کو مار دیتی ہیں۔آج کی خاموشی اس کی روح پر کوڑے برسا رہی تھی۔

اس نے ایک لمحے کے لیے اپنی آنکھیں بند کیں اور جب کھولیں تو اس کی آنکھوں میں ایک عزم تھا۔ارمان اپنے ابرو سکیڑے اسے دیکھ رہا تھا۔

”ارمان! تم محبت میں اتنے خودغرض کیوں ہو؟“ اب کی بار اس کا لہجہ گریہ کرتا ہوا یا کمزور نہیں تھا۔اب اس کے اندر ایجنٹ منال نے اپنا سر اٹھایا تھا۔جو پیچھے ہٹنے والوں میں سے قطعی نہیں تھی۔پھر محبت کو کیوں پیچھے ہٹنے دیتی؟

اس کی بات پر ارمان کے جبڑے بھینچ گئے۔

"میں نے کون سی خودغرضی دکھائی ہے ؟" ارمان نے دانت چکچاتے ہوئے پوچھا تو منال نے اپنے سینے پر بازو لپیٹے اور اس کی جانب دیکھا۔ ارمان کو اس کے مسکراہٹ میں طنز سا محسوس ہوا۔ مگر آنکھیں ! منال کی آنکھیں اس کے تاثرات سے میل نہیں کھا رہی تھیں۔

"تمہیں کیوں لگتا ہے کہ محبت میں ہر بات ایک دوسرے کو بتانی ضروری ہوتی ہے ؟ ہر انسان کی اپنی زندگی ہے۔ ہم کسی کو بیڑیوں میں تو جکڑ نہیں سکتے!! " ارمان کو اس کی بات چابک کی طرح لگی۔ منال اس کی محبت کو بیڑیاں کہہ رہی تھی۔ مگر وہ تو ارمان سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ نہ جانے یہ سمجھانا کیا رنگ لانے والا تھا؟

"میں نے پہلے سے ہی بابا کو یہ بتا رکھا تھا کہ جیسے ہی ہماری شادی ہوگی۔ میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گی۔ لیکن نہیں !" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ارمان ساکت نظروں سے اس کے پرملال چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ اس میں تو ہلنے کی بھی سکت موجود نہیں رہی تھی۔

"مجھے کہاں معلوم تھا کہ تمہیں تو سب کچھ جاننا تھا۔" اب کی بار وہ طنزیہ انداز میں مسکرائی۔اس کے اتنے ضبط کے باوجود ایک آنسو ڈھلک کر اس کے رخسار پر بہہ نکلا۔ارمان کو اب خود پر غصہ آ رہا تھا۔وہ کیوں غصے میں سب کام بگاڑ دیتا تھا؟ منال نے انتہائی بے دردی سے اپنا گال رگڑا۔

"ارمان احمد! تمہیں یہ بات سمجھنی چاہیے کہ محبت سے بڑا فرض ہوتا ہے۔فرض کا مطلب پتہ ہے؟" وہ اپنی سیاہ آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔مگر ارمان کے لبوں پر تو قفل لگ چکا تھا۔وہ اپنے آپ سے ہی نظریں نہیں ملا پا رہا تھا تو اس سے نظر کیا ملاتا!!

"فرض ایک عبادت ہوتا ہے۔جو اگر قضا ہو جائے تو دل سے خون رسنا شروع ہو جاتا ہے۔مگر فرض کا احساس بھی کچھ لوگوں کو ہی ہوتا ہے۔"اسکی بات پر ارمان نے اپنا سر اٹھا کر منال کی جانب دیکھا۔

"جانتا ہوں۔میں فرض کی اہمیت کے بارے میں اچھے سے جانتا ہوں۔" اب کی بار اس کا لہجہ مدھم تھا۔منال دوبارہ سے کرسی پر بیٹھ گئی۔ارمان بھی لاشعوری طور پر حمید خان کی کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔

"تمہیں معلوم ہے بابا نے مجھے تمہاری حفاظت کے لیے بھیجا تھا؟"اب وہ نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔

ارمان اس کی بات سن کر ساکت ہوا تھا۔

"نہیں تم ہی ملی تھی میری حفاظت کرنے کے لیے ؟" وہ سر جھٹکتا بولا تو منال مسکرائی۔

"میں نے ضد کی تھی۔ ویسے بھی مجھے آگے پڑھنا بھی تھا تو یہ بیسٹ آپشن تھا۔" اس کی بات پر

ارمان نے اپنا سر اثبات میں ہلایا۔

"تم نے مجھے خودغرض کہا ؟" ارمان کچھ نے پہلے کی بات یاد کرتا ہوا بولا تو منال نے اپنی مسکراہٹ

دبائی۔

" تو ٹھیک ہی تو کہا تھا۔۔"

"کہاں سے ٹھیک کہا تھا ؟ " ارمان اس کی بات کاٹتا شکوہ کرتا ہوا بولا۔

"ارمان احمد ! تم ہی پوری بات سنے بنا ری ایکٹ کرنا شروع کر دیتے ہو۔پہلے پوری بات سنا کرو۔اپنا

ہی نہ سوچا کرو بلکہ دوسرے انسان کی جگہ پر بھی کھڑا ہو کر سوچا کرو۔" منال نے ایک لمحے کا توقف

لیا۔

" اگر تم نے اپنی یہ عادت نہیں بدلی تو تم کسی بڑے نقصان سے دوچار ہو سکتے ہو۔"منال نے بے تاثر

لہجے میں کہا تو ارمان نے اثبات میں سر ہلایا۔

اسے اپنے آپ پر کام کرنا چاہیے تھا۔زندگی کے کسی بھی موڑ پر اگر اپنے اندر کوئی بری عادت پاؤ۔تو اسے ختم کرنے کی کوشش کرو۔یہ سوچ بنا کہ اب اپنے آپ کو تبدیل کر کے کیا کرو گے !

" آئی ایم سوری منال ! "

"ارمان احمد! معافی سب کچھ ٹھیک نہیں کر سکتی۔کیا تم نے کانچ کے ٹوٹنے کے بعد اسے پہلے جیسا دیکھا ہے؟ یقیناً نہیں ! " اس نے لمبا سانس بھرا۔ارمان سانس روکے اسے سن رہا تھا۔

"میں تمہاری معافی قبول کر رہی ہوں۔اس لیے نہیں کہ میں تمہاری باتیں بھول چکی ہوں۔بلکہ اس لیے کہ تمہاری باتیں ہماری آنے والی زندگی پر اثرانداز نہ ہوں۔" وہ ارمان کے چہرے کو دیکھتی سنجیدگی سے بول رہی تھی۔

واقعی میں معافی سب کچھ ٹھیک نہیں کر سکتی تھی۔مگر ان لوگوں کو بعض اوقات معاف کر دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔جن کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بھی نہ کیا جا سکا اور منال حمید خان کے لیے ارمان احمد انہیں لوگوں میں سے تھا۔

" میں کوشش کروں گا کہ آئندہ تمہیں ہرٹ نہ کروں۔" ارمان کی بات پر منال نے اپنی اچانک امنڈنے والی مسکراہٹ کو روکا تھا۔ارمان نے اس کے بدلتے تاثرات ہی دیکھ رہا تھا۔

"تم صرف کوشش ہی کرتے سکتے ہو۔یا اللہ! اس انسان کو ہدایت عطا فرما۔آمین !" وہ آخر میں اوپر چہرہ کرتے ہوئے بولی۔جس پر ارمان خفگی سے مسکرایا۔

" ویسے تمہیں محبت کرنا ایجنٹ ایکس سے سیکھنی۔۔۔" اس نے فورا سے اپنی زبان دانتوں تلے دبائی اور پھر اِدھر اُدھر دیکھا۔صد شکر کہ وہاں کوئی کیمرا نہیں تھا۔مگر یہ بھی اس کی بہت بڑی غلط فہمی تھی۔ارمان نے اپنا ابرو اٹھایا۔

"کون ایجنٹ ایکس ؟" وہ پہلی دفعہ اس سے یہ نام سن رہا تھا۔شاید کوئی لڑکی ہوگی !!

" وہ نا ایک کورین ڈرامہ ہے ۔اس میں ہیرو کا نام ایجینٹ ایکس ہے۔" اس نے اپنے دماغ کے گھوڑے دوڑائے۔منال ! تم بھی نہ کوئی بات پیٹ میں نہیں رکھ سکتی !!

" ڈرامے کا نام ؟ " ارمان کے جانچتے لہجے میں پوچھے جانے والے سوال پر منال اصل میں پھنسی تھی ۔اس نے شدت سے دعا کی کہ اس کے بابا آ جائیں۔

"بتاؤ منال ! ڈرامے کا نام کیا ہے ؟ "ایک یہ بندہ اور اس کی شکی کھوپڑی !! چل منال ! کوئی بھی نام بتا دے۔اس نے کون سا ڈرامہ دیکھ لینا ہے!

" یاد کر رہی ہوں۔ایک منٹ!! " وہ کل جویریہ کون سا ڈرامے کا نام لے رہی تھی بھلا ؟ جویریہ بھی ایک ایجنٹ تھی۔

" ہاں یاد آگیا۔ویسینزو۔" ارمان نے اس کی بات پر سر ہلایا۔منال نے شکر کا سانس لیا کہ اس نے موبائل کھول کر سرچ نہیں کیا تھا۔اسی لمحے حمید خان دروازے سے اندر داخل ہوئے تو ارمان یکدم کھڑا ہو گیا۔

منال نے اپنی مسکراہٹ دبائی۔

"اوکے انکل ! اب میں چلتا ہوں کافی رات ہو گئی ہے۔ویسے مجھے ایک بات پوچھنی تھی۔" اب وہ تینوں کھڑے تھے۔حمید خان نے اپنا سر ہلا کر اسے اجازت دی۔

"یہ لوگ کب تک کام کرتے ہیں ؟" اس نے مونیٹرز کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو حمید خان مسکرائے

۔

"نو بجے تک۔" ارمان نے ان کی بات پر اثبات میں سر ہلایا۔ابھی ساڑھے اٹھ بج رہے تھے۔

" اوکے اللہ حافظ !" وہ ایک نظر منال اور حمید خان کی جانب ڈالتا باہر کی جانب بڑھ گیا۔اب اس کا دل کافی ہلکا ہو چکا تھا۔

بازیچۂ اطفال ہے دنیا میرے آگے

ہوتا ہے شب و روز تماشہ میرے آگے

حارث چند لمحے فیصل کو یوں ہی بیٹھا دیکھتا رہا اور پھر کھڑا ہو گیا۔کچھ دیر بعد وہ واپس لوٹا تو اس کے ہاتھوں میں فرسٹ ایڈ باکس تھا۔

پہلے تو فیصل نے اسے مرہم پٹی نہیں کرنے دی تھی۔مگر اب وہ گہری سوچوں میں گم تھا۔اسے کسی چیز کا ہوش ہی کہاں رہا تھا !! حارث خاموشی سے اس کی ڈریسنگ کرتا رہا اور پھر ہاتھ دھو کر واپس آیا تب بھی وہ اپنی سوچوں میں گم تھا۔

"مجھے تمہاری سوچتی نگاہوں سے ڈر لگتا ہے۔"اس نے بہت دفعہ کہا جانے والا جملہ ایک دفعہ پھر کہا ۔فیصل نے خالی نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔فیصل کا چہرہ بے تاثر تھا۔حارث کوئی بھی اندازہ نہیں لگا پا رہا تھا۔

فیصل نے اپنی آنکھوں کو بند کر کے صوفے پر سر رکھ دیا۔وہ اب بھی حارث کے ساتھ نیچے قالین پر بیٹھا تھا۔

"اگر تمہیں اتنا ہی دکھ ہو رہا ہے تو چھوڑ دو اپنے انتقام کو۔کر لو ڈاکٹر اسرا سے شادی۔محب کی بات مان لو۔" حارث کی بات پر فیصل کا قہقہہ کمرے کی فضا میں گونج اٹھا۔

حارث کو اس کے درد بھرے قہقہے سے وحشت سی محسوس ہوئی۔فیصل ایک ایک ٹانگ کو موڑے گھٹنے پر اپنا ہاتھ دھرے صوفے پر سر رکھے بیٹھا تھا۔وہ ابھی بھی قہقہہ لگا رہا تھا۔

"بس کرو۔"اپنے اندر اس کے اذیت ناک قہقہے کو سننے کی سکت نہ پاتے ہوئے حارث نے اپنی آنکھیں میچتے ہوئے کہا تو فیصل نے اپنی آنکھیں کھولیں۔اس کی لہو میں ڈوبی سیاہ آنکھیں سیلنگ کو گھور رہی تھیں۔اب وہ خاموش تھا۔

اگر اس کا قہقہہ وحشت ناک تھا تو خاموشی میں اس سے زیادہ اذیت تھی۔ بولتی ہوئی،چینختی ہوئی، گریہ کرتی ہوئی خاموشی !!

”بتاؤ کیوں ایسے ہنس رہے تھے ؟“ حارث سے اس کی خاموشی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔وہ چاہتا تھا کہ فیصل بولے۔چاہے اسے جلی کٹی سنائے مگر بولے۔

”تمہیں لگتا ہے کہ محب رضا حسین اپنی محبت سے دستبردار ہو جاتا ؟“ وہ استہزائیہ انداز میں درد میں ڈوبے ہوئے لہجے میں بولا تو حارث نے حیرانی سے اس کی جانب دیکھا۔

”کیا مطلب ؟ “اسے فیصل کی باتیں کم ہی سمجھ میں آیا کرتی تھیں۔اب فیصل سیدھا ہو کر بیٹھا اور حارث کو دیکھا۔

”مطلب وہ کبھی بھی ڈاکٹر اسرا سے دستبردار نہیں ہوسکتا۔اگر میں اپنا انتقام چھوڑ بھی دیتا تب بھی وہ انہیں نہ چھوڑتا۔“ وہ عجیب سے بین کرتے ہوئے لہجے میں بول رہا تھا۔

”اس نے ابھی کہا تھا کہ وہ انہیں چھوڑ دیتا۔“ وہ ناسمجھی سے بولا تو فیصل نے دکھی انداز میں اپنا سر جھٹکا۔

"اس نے ایک چال چلی تھی۔اسے معلوم تھا میں اپنے انتقام کو نہیں چھوڑوں گا۔"وہ پراسراریت سے بھرے لہجے میں بول رہا تھا۔

"پھر تم نے اس کی چال کیوں نہیں پلٹی ؟" حارث نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔حارث کی بات پر فیصل نے اپنی انکھیں موند لیں۔

"وقت! حارث ! وقت ! میں وقت سے پہلے کسی چال کو نہیں پلٹتا۔ صحیح وقت پر اس کی چال کو ایسے پلٹوں گا کہ اسے کوئی ہوش ہی نہیں رہے گا۔"وہ مبہم لہجے میں بول رہا تھا۔

" اور اگر وقت نے تمہاری چال کو ہی پلٹ ڈالا ؟ "فیصل ! یہ وقت بہت ظالم چیز ہے۔اس سے بہت کچھ چھیننا پڑتا ہے۔ورنہ یہ ہماری چاہتیں ، خواب ، خواہشات، رشتے سبھی کچھ ہماری پہنچ سے بہت دور لے جاتا ہے۔" حارث کی گہری بات پر فیصل نے جھٹ سے اپنی گھنی پلکیں واں کی تھیں۔

اب اس کی آنکھوں میں ایک عزم تھا۔وہ جھٹکے سے کپڑے جھاڑتا ہوا کھڑا ہوا۔

"کہاں جا رہے ہو ؟" حارث بھی نیچے سے اٹھتا حیرت سے بولا۔فیصل نے اس کی بات کو ان سنا کرتے ہوئے ڈریسنگ مرر کی جانب قدم بڑھائے۔اور آئینے میں اپنے عکس کو دیکھا۔

ملگجی سی پینٹ شرٹ میں ملبوس فیصل احمد کا عکس اپنی لال آنکھوں کے ساتھ اس کے سامنے کھڑا تھا ۔فیصل نے اپنی آنکھیں بند کر کے چند لمبے سانس لے کر اپنے آپ کو کمپوز کیا۔اب اس نے اپنی آنکھیں کھولیں تو پہلے سے بہتر تھی۔

پھر یکدم اس کی نگاہ اپنے ہاتھوں پر پڑی تو اس نے افسوس بھری نظر حارث پر ڈالی۔

" یار ! یہ تو بتا دو کہاں جا رہے ہو ؟ سوتیلا دوست نہیں ہوں ! " اس کی بے تکی بات پر فیصل نے اسے گھورا۔فلحال وہ حارث سے یہ پوچھنے کے موڈ میں بالکل بھی نہیں تھا کہ سوتیلا دوست کون سا دوست ہوتا ہے ؟ پھر اس نے لمبا سانس بھرا۔

"دلاور شاہ کے پاس جا رہا ہوں۔تم یہیں رکو۔میں ابھی واپس آتا ہوں۔"اس نے باہر کی جانب قدم بڑھائے ہی تھے کہ حارث جھٹکے سے اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

" تمہارا اس حالت میں اس کے پاس جانا ٹھیک نہیں ہے۔کل چلے جانا۔" وہ ٹھیک کہہ رہا تھا مگر فیصل احمد نے پہلے کسی کی سنی تھی جو اب سنتا ! فیصل نے اسے سخت نظروں سے گھورتے ہوئے ایک سائیڈ پر کیا۔

”میں اسے یہ کہنے جا رہا ہوں کہ۔۔اس دفعہ الیکشن میں اس کی جگہ میں کھڑا ہوں گا۔آج مجھے ایک ناکامی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔میں آج ہی اپنے اگلے قدم کے بارے میں سوچنا چاہتا ہوں۔اس لیے مجھے تنگ مت کرو۔اور جانے دو۔“ وہ اپنی شرٹ کے بازو موڑتا سنجیدگی سے بولا تو حارث نے تھکے انداز میں سر ہلاتے ہوئے صوفے کی جانب قدم بڑھائے۔جبکہ فیصل لمبے لمبے ڈگ بڑھتا باہر نکل گیا۔

دلاور شاہ اس وقت اپنے اسٹڈی روم میں منظور علی کے ساتھ موجود تھے۔وہ منظور علی کو سب کچھ بتا چکے تھے۔کیونکہ دشمن ان پر بار بار حملہ کر رہا تھا۔”حضور ! مجھے حویلی سے ایک خبر ملی ہے“۔منظور علی ،دلاور شاہ کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔اس کی بات پر دلاور شاہ نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

”حضور ! اگلے ہفتے تک شاہ سردار آرہے ہیں۔“ رازدارانہ انداز میں کہے جانے والے جملے پر سگار کے کش لگاتے دلاور شاہ کھانسے۔

"وہ یہاں کیوں آ رہے ہیں؟" انہیں اچھے سے معلوم تھا کہ اگر وہ یہاں آگئے تو ان کے ارد گرد سکیورٹی کے سخت پہرے لگوا دیں گے۔

"حضور! انہیں آپ پر ہونے والے حملوں کی خبر ملی ہے۔اس لیے وہ اپنے ساتھ کچھ آدمی بھی لا رہے ہیں جو آپ کی حفاظت کریں گے۔۔۔حضور! انہیں آپ کے گارڈز پر بالکل بھی بھروسہ نہیں ہے۔"منظور علی کی بات پر دلاور شاہ نے اپنا سر جھٹکا۔منظور علی کا رشتہ دار شاہ حویلی میں کام کرتا تھا ۔جو اسے ساری خبریں پہنچاتا تھا۔

ابھی دلاور شاہ کچھ بولتے کہ فیصل اسٹڈی روم کا دروازہ کھٹکھٹاتا اندر داخل ہوا۔دلاور شاہ کو اسے دیکھ کر بہت خوشی ہوئی تھی۔مگر جیسے اس کے پٹی بندھے ہاتھوں کو دیکھا تو وہ کھڑے ہو گئے۔

"شہزادے! آپ کے ہاتھوں کو کیا ہوا؟" وہ فکر مندی سے بولے تو فیصل نے بامشکل اپنے اندر اٹھتے ابال کو دبایا۔وہ مصنوعی مسکراہٹ سجاتا ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

"بابا! آپ بیٹھ جائیں۔بس ہاسپٹل میں کانچ ٹوٹا پڑا تھا اور بے دھیانی میں ،میں نے وہاں پر ہاتھ رکھ دیے۔" فیصل نے ان کی نگاہوں میں دیکھتے ہوئے پورے اعتماد سے جھوٹ گھڑا۔

”آپ کو احتیاط کرنی چاہیے تھی اور ہاسپٹل کی انتظامیہ کو بھی خیال کرنا چاہیے تھا۔خیر ! آپ چھوڑیں ۔کیا چاہیے آپ کو ؟ “وہ سر ہلاتے ہوئے بیٹھ گئے۔ان کی بات پر فیصل نے ایک لمحے کے لیے اپنی آنکھیں بند کیں۔

” میں اس دفعہ الیکشن میں کھڑا ہونا چاہتا ہوں۔“وہ پر عزم لہجے میں بولتا دلاور شاہ کو حیرت میں مبتلا کر گیا۔ایک لمحے کے لیے تو انہیں یقین ہی نہ آیا مگر پھر ان کے چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی۔

”سچ میں ؟“ فیصل کو ان کے مسکراتے ہوئے چہرے سے کراہت محسوس ہوئی۔اس نے دلاور شاہ کے سوال پر اثبات میں سر ہلایا۔

”منظور علی ! کل صبح ہی میرے شہزادے کا صدقہ اتارو۔ مٹھائیاں بانٹو۔میرا شہزادہ ، میرا شیر ، سیاست کی دنیا میں قدم رکھ رہا ہے۔ ہر طرف اعلان کر دو کہ دلاور شاہ کا بیٹا ،اس کا غرور، فیصل دلاور شاہ الیکشن میں کھڑا ہو رہا ہے۔“ ان کی خوشی کسی صورت بھی کم نہیں ہو رہی تھی۔

فیصل نے چہرے پر بڑی مشکل سے مسکراہٹ سجا رکھی تھی۔

" اوکے بابا ! اب میں چلتا ہوں۔" دلاور شاہ کے اثبات میں سر ہلانے پر وہ جلدی سے وہاں سے نکل آیا۔

میں نے کانٹوں سے بھر لیا دامن

تاکہ ہر شاخِ گل پہ نکھریں پھول

تیری جھولی کو بے خلش کردیں

زندگی کے تیار خانے میں

بارہا میں ارادتاً ہارا

کہ تیری جیت کی خوشی دیکھوں

اگلا دن ان لوگوں کے لیے کافی مصروف دن تھا۔نہال ،ماں جی ، بابا جان سب کو اسرا کے نکاح کے بارے میں جان کر حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

"تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ کل رات اسرا کا نکاح ہے؟" ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے جوس پیتے ارمان کو اچھو لگا تھا۔وہ بامشکل کھانستے ہوئے بولا تو نعمان نے اثبات میں سر ہلایا۔نہال کو وہ رات میں ہی بتا چکا تھا۔جو اب اسرا سے ناراض بیٹھی تھی۔

"محب کے ساتھ؟ " نعمان نے پھر سے سر اثبات میں ہلایا تو ارمان نے اس کے کندھے پر مکے کی ضرب لگائی۔

"اللہ نے زبان دی ہے نا تو اسے استعمال کرو۔" وہ اب گھر میں ہی موجود تھا۔بیچارہ سسپینڈ جو ہو چکا تھا۔ماں جی اور بابا جان خاموشی سے ناشتہ کر رہے تھے۔ارمان کی حرکت پر نعمان درد سے کلبلا اٹھا۔

" یار بھائی ! آپ کو اپنے سوالوں کے جواب تو مل رہے تھے پھر مجھے کیوں مارا ؟" وہ اپنے بازو کو رگڑتے بولا تو ارمان نے جلدی سے جوس کا آخری گھونٹ گلے میں اتارا۔

"کل اسرا کا نکاح پھر ہم یہاں آرام سے کیوں بیٹھے ہیں؟ ساری تیاریاں کس نے کرنی ہیں؟" ارمان کے کھڑے ہونے پر نعمان نے اپنا کندھے جھاڑا۔

" نعمان احمد سجاوٹ والوں کو، کیٹرنگ والوں کو آرڈر دے چکا ہے۔باقی رہ گئی شاپنگ تو وہ ہم آج ہی کر لیں گے۔ابھی چلتے ہیں اسرا کی طرف۔" نعمان مسکراتا ہوا بولا تو ارمان کے ابرو ستائشی انداز میں اٹھے۔

اس نے گھر والوں کے بار بار پوچھنے پر بھی انہیں کل کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا تھا کہ اس کی بیل کس نے کروائی تھی۔اب وہ سب اسرا کے گھر جا رہے تھے۔

ڈاکٹر نیلوفر نے اسرا کا ہاسپٹل جانا بند کر دیا تھا اور اب وہ سارے اس کے ارد گرد جمع تھے۔اسرا سر تھامے ان کی باتیں سن رہی تھی۔

"اسرا! تم نے مجھے بتانا ہی ضروری نہیں سمجھا۔" نہال نروٹھے پن سے بولی تو اسرا بے چارگی سے اسے دیکھتے رہ گئی۔اب وہ ان سب کو کیا جواب دیتی!

" آج ہم سب شاپنگ پر جائیں گے۔" نعمان بولا تو ڈاکٹر نیلوفر مسکرا اٹھیں۔وہ سب ان کا بہت ساتھ دیتے تھے۔

" آپ سب چلے جانا۔میں کہیں نہیں جا رہی۔" اسرا نے اپنے ہاتھ کھڑے کیے تو ان سب نے منہ بنالیا۔وہ اس وقت لاؤنج میں صوفوں پر بیٹھے تھے۔

"اسرا ! شادی ہماری نہیں تمہاری ہے۔تمہارا جانے ضروری ہے۔" ارمان کے سنجیدگی سے بولنے پر اسرا نے اپنا سر نفی میں ہلایا۔

"آپ سب لوگ میری پسند سے واقف ہیں۔اس لیے میرا جانا ضروری نہیں ہے۔" وہ دو ٹاک لہجے میں بولی۔

"چھوڑیں ارمان بھائی ! سب سے اہم تو نکاح کا جوڑا ہوتا ہے جو چیجا جی کل ہی لے آئے تھے۔" فضہ اسرا کو تنگ کرتی بولی تو نہال نے اسرا کو ٹہوکا مارا۔

" میسنی ! تم نے جوڑا بھی نہیں دکھایا۔"نہال کی بات پر وہ ان سب کو گھورتی اپنے کمرے کی جانب بڑھی۔

" اب کہاں جا رہی ہیں ؟" پیچھے سے نعمان نے ہانک لگائی۔

” تم لوگوں کو علاج کروانے ڈنگر ڈاکٹر کے پاس جا رہی ہوں۔“اسرا اندر سے چینخی تو ان سب کے قہقہے فضا میں بلند ہوئے۔

”مگر وہ تو تم ہو۔کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔“ اب کی بار ارمان بولا۔کچھ دیر بعد اسرا ہاتھ میں جوڑا تھامے باہر آگئی۔ان سب چہرے پر ستائشی تاثرات چھا گئے۔

” ماشاءاللہ ! اللہ آپ کے نصیب اچھے کرے۔آمین!“

نعمان نے ہمیشہ کی طرح اسے دعا دی۔جس پر سب نے آمین کہا۔

”اوکے اسرا ! تم ہمارے گھر چلی جاؤ۔وہاں ماں جی اکیلی ہوں گی۔بابا جان تو آفس جا چکے ہیں۔“

ارمان کے کہنے پر اس نے سر ہلایا اور حجاب کرنے اندر کی جانب بڑھ گئی۔کچھ دیر بعد وہ سب شاپنگ پر جبکہ اسرا احمد ولا جا چکی تھی۔

اسرا ماں جی کے لیے کچن میں سوپ بنا رہی تھی کہ اس کا فون بجا۔سکرین پر کوئی ان نون نمبر جگمگا رہا تھا۔اس نے مصروف سے انداز میں سبزیاں کاٹتے ہوئے فون کان کے ساتھ لگایا۔

”السلام علیکم! “ دوسری جانب مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اس نے ایک لمحے کے لیے سکرین کو گھورا اور پھر سے سلام کیا۔ مگر دوسری جانب سے کوئی جواب موصول نہ ہوا۔

”وعلیکم السلام !“ ابھی وہ فون رکھنے والی تھی کہ دوسری جانب سے فیصل کی گمبھیر آواز سنائی دی۔ اسی لمحے اسرا کو محب کا خیال آیا تھا۔ مگر اس نے اپنا سر جھٹک دیا۔

”جی ڈاکٹر فیصل ! “ وہ بے تاثر لہجے میں بولی۔ اب وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ دوسری جانب ہاسپٹل میں کرسی سے ٹیک لگائے فیصل نے اپنی آنکھیں موند لیں۔

” ڈاکٹر فیصل ! آپ کو مجھ سے کوئی کام ہے ؟“ ایک لمحے کو اس کے دل میں آیا کہ فیصل کو بتا ڈالے کہ کل اس کا نکاح ہے مگر پھر اس نے کچھ سوچ کر اپنے خیال کو جھٹک دیا۔

”کام تو ہے اور بہت اہم کام ہے۔ مگر افسوس۔۔۔۔“ وہ نرم لہجے میں بول رہا تھا۔

”کہ میرے کام کی آپ کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔“ اس کے لہجے میں حسرت تھی۔

”ڈاکٹر فیصل ! میں بزی ہوں۔ اللہ حافظ !“ اس سے پہلے وہ فون رکھتی فیصل بول پڑا۔

"آپ آج ہاسپٹل کیوں نہیں آئیں ؟" اسے اسرا کے ہر پل کی رپورٹ ہوتی تھی۔ پھر اسے یہ بات کیسے معلوم نہ ہوتی۔

" نن آف یور بزنس !" وہ درشتی سے کہتے ہوئے اسرا نے کال کاٹ دی۔

دوسری جانب فیصل بے بسی سے مسکرا کر رہ گیا۔

اب کچھ پل گزرے تھے کہ اس کا فون بجنا شروع ہو گیا۔ سکرین پر جگمگاتے نام کو دیکھ کر اس نے فون کان کے ساتھ لگایا۔

"کیا ہوا ؟" دوسری جانب سے جو کہا گیا۔ اس پر وہ یکدم سے کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ اس نے مٹھیاں بھینچ کر اپنے آپ کو کمپوز کرتے ہوئے مقابل کی پوری بات سنی اور کال کاٹ کر فون میز پر رکھ دیا۔

ایک لمحے میں ہی اس کی آنکھیں لہو ٹپکانے کو تیار تھیں۔ مگر اسے اپنے غصہ کو قابو کرنا تھا۔ پانی کا گلاس گلے میں وہ انڈیلتے وہ دماغ میں کوئی پلان بنا رہا تھا۔ ایسا پلان جس میں فیصل احمد کے نصیب میں

جیت لکھی جائے۔جس سے وہ اپنی بد نصیبی کے بادلوں کو امید کی کرن دکھا سکے۔بہت سوچنے کے بعد وہ فون اپنی پاکٹ میں ڈالتا باہر کی جانب بڑھ گیا۔کم از کم اب وہ کام کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

وہ لوگ شام میں بہت سا سامان لیے اسرا کے گھر پہنچ چکے تھے۔اسرا تو سامان سے بھرے ہوئے لاؤنج کو دیکھتی حیران رہ گئی۔کہیں چوڑیاں پڑی تھی ،کہیں مہندی، کہیں میک اپ کا سامان، کہیں سجاوٹ کا سامان۔باقی سب تھکاوٹ سے نڈھال صوفے پر ڈھے گئے تھے۔نجمہ ان سب کو جوس پلا رہی تھی۔

" یہ سب کیا ہے؟" وہ کچھ دیر پہلے ہی نعمان کے فون کرنے پر یہاں آئی تھی۔نہال نے تھکی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔

"یہ سارا تمہارا سامان ہے۔"پھر اس نے سامان میں سے ایک شاپر نکال لیا۔

"بس یہ میرا ہے۔" اسرا سامان کو حیرت سے دیکھتی وہاں بیٹھ گئی۔یہ سب اس نے ایک دن میں پہننا تھا؟ اس نے تاسف سے اپنا سر نفی میں ہلایا۔

"اسرا ! میں آپ کو مہندی لگاؤں گی۔ دیکھنا آپ کی مہندی کا رنگ بہت گہرا آئے گا۔ جیجا جی آپ سے بہت پیار جو کرتے ہیں۔" فضہ اب سب کے ساتھ نارمل ری ایکٹ کیا کرتی تھی۔

اس کی بات پر اسرا کے گال دہک اٹھے اور ان سب کے قہقہے لاؤنج میں گونج اٹھے۔ اسرا انہیں صلواتیں سناتی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

رات میں فضہ نے اسرا کو مہندی لگائی تھی اور اس کے کہنے کے مطابق مہندی کا رنگ بہت گہرا آیا تھا۔ایک لمحے کے لیے اسرا بھی ساکت رہ گئی۔

"دیکھیں میں نے کہا تھا نا ؟" نہال لوگ شام میں ہی اس کے گھر سے جا چکے تھے۔ سارے دن کی مشقت کے بعد وہ لوگ کافی تھک چکے تھے۔ سجاوٹ کرنے والوں نے کل صبح میں آنا تھا اور باقی ساری چیزیں بھی ارمان اور نعمان مینج کر چکے تھے۔

"جی بڑی اماں! آپ کی بات مان لی۔ چلیں اب آپ بھی نماز پڑھیں۔میں بھی پڑھنے لگی ہوں۔" فضہ اس کی بات پر مسکراتی ہوئی وہاں سے اٹھ گئی۔

عشاء کی نماز کے بعد اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو ایک آنسو پلکوں کے باڑ ٹوڑتا اس کے رخصار پر بہہ گیا۔

”اللہ جی! آپ کا بہت بہت شکریہ۔“ اب وہ مسکراتے ہوئے بول رہی تھی۔

”میں ایک نیا رشتہ جوڑنے جا رہی ہوں۔اللہ جی! مجھے اس سے وفادار رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔میں جانتی ہوں اس دنیا میں ہر کسی کو سب کچھ نہیں ملتا۔“ اس کی پلکوں سے آنسو موتیوں کی صورت بہہ رہے تھے۔

”اللہ جی ! میں نے مان لیا کہ میری قسمت میں محب رضا حسین ہیں۔مان لیا۔“وہ لڑکی اپنے نکاح سے ایک رات پہلے اپنے رب سے گفتگو کرنے میں مصروف تھی۔”اللہ جی ! مجھے پتہ ہے میرے دل کو صبر آگیا ہے۔“

اس نے ایک لمبا سانس بھرا تھا۔

"اب مجھے پہلے کی طرح بے چینی محسوس نہیں ہوتی۔ مگر اللہ جی ! آپ پلیز میرے دل کو ارمان احمد کے خیال سے مت دھڑکائیے گا۔" وہ معصومیت سے ہاتھ پھیلائے اوپر کی جانب دیکھ رہی تھی۔اس کی آنکھوں میں ایک التجا تھی۔

" اللہ جی ! میں نہیں چاہتی کہ میں کسی کے نکاح میں رہوں اور میرا دل کسی نامحرم کے لیے دھڑکے۔ اللہ جی ! میرے دل سے اس کے سارے اختیار مٹا دیں۔پلیز اللہ جی !!" اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

" پلیز ! میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔" عجیب بے بسی سی بے بسی تھی۔وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ بے وفا کہلائے۔

"اللہ جی ! آپ نے میرے دل میں وفا رکھی ہے نا؟ " اسے محب کی بات یاد آئی تھی۔مگر پھر اس نے فوراً سے اپنے آپ کو جھڑکا۔وہ اس وقت اپنے اللہ جی سے مخاطب تھی۔

”مجھے پتہ ہے کہ آپ نے میرے دل میں وفا ڈالی ہے اور آپ مجھے بے وفا نہیں کہلانے دیں گے۔ میں نے آپ کے ہر فیصلے پر اپنا سر خم کیا ہے۔اللہ جی ! آپ میرے دل کو میرے سامنے رسوا مت کیجئے گا۔“ رات لمحہ بہ لمحہ سلگتی جا رہی تھی۔

”اللہ جی ! میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں میں ارمان احمد کے ہر خیال کو اپنے دماغ سے جھٹک دوں گی۔اس کی محبت کو تو دفنا ہی چکی ہوں۔ مگر اللہ جی! سارے اختیار تو آپ کے ہاتھ میں ہیں۔آپ پلیز میری مدد فرمایئے گا۔“ اس کا دل صرف اس ڈر میں الجھا ہوا تھا کہ کہیں وہ نکاح کے بعد کسی بے وفائی کے مرتکب نہ ہو جائے۔عجیب لڑکی تھی !

” اللہ جی ! مجھے بابا کی بہت یاد آرہی ہے۔آپ ان کی مغفرت فرمایئے گا۔انہیں بتایئے گا کہ ان کی بیٹی اتنی بڑی ہوگی ہے کہ کل اس کا نکاح ہے۔“ وہ اب اپنے بابا کو یاد کرتی دکھی انداز میں مسکرائی تھی۔

” آپ کو پتہ ہے اللہ جی ! بابا کہتے تھے پہلے ڈاکٹر بن جاؤ پھر بعد میں شادی وادی کے بارے میں سوچیں گے۔“ اس نے اپنے آنسوؤں کو صاف کیا۔

"اللہ جی ! انہیں بتایئے کہ ان کی بیٹی ڈاکٹر بھی بن گئی اور کل اس کا نکاح بھی ہے۔"وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ وہ بیٹی جس کا باپ اس پر ایک کھروچ بھی برداشت نہیں کرتا تھا۔آج اپنے باپ کو شدت سے یاد کرتی وہ رو پڑی تھی۔یہ دکھ بہت بڑا تھا۔بہت بڑا !! اس کی زندگی کے تمام خساروں سے بڑھ کر یہ خسارہ تھا۔

" اللہ جی ! اپ ہر انسان کو صبر عطا فرمایئے گا۔آمین!" اپنے آنسوؤں کو صاف کرتے وہ وہاں سے اٹھ گئی۔

اب اسے ایک ضروری کام کرنا تھا۔اسے ارمان احمد سے آخری دفعہ ایک موضوع پر بات کرنی تھی ۔جہاں سے سب کچھ شروع ہوا تھا۔اسے وہیں سے یہ ختم کرنا تھا۔

اس نے ارمان کو اپنے لان میں آنے کا میسج کیا اور خود بھی لان کی جانب بڑھ گئی۔

کچھ دیر بعد اسے ارمان بیرونی دروازے سے اپنی جانب آتا دکھائی دیا۔آج کی رات بھی پانچ سال والی اس رات سے زیادہ مختلف نہیں تھی۔

" السلام علیکم !" وہ اسے الجھن بھری نگاہوں سے دیکھتے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔کردار وہی پانچ سال پرانے تھے۔مگر سامنے بیٹھا انسان پانچ سال پہلے والا ارمان احمد نہیں تھا اور نہ ہی وہ پانچ سال پہلے والی اسرا یاسر تھی۔وہ سر پر دوپٹہ سجائے سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

ارمان اس کی سوجی ہوئی آنکھیں دیکھ کر پریشان ہوا تھا۔

"سب خیریت ہے ؟" اس نے اسرا کو جانچتی نظروں سے دیکھتا پوچھا۔اس کے سوال پر اسرا نے مسکرانے کی ناکام سی کوشش کی۔کم از کم آج وہ اس کے سامنے مسکرا نہیں سکتی تھی۔

" جی سب ٹھیک کرنے کے لیے ہی آج آپ کو یہاں بلایا ہے۔"اس کی مدھم آواز پر ارمان نے ناسمجھی سے اس کی جانب دیکھا۔

" آپ کو پانچ سال پہلے والی اندھیری رات یاد ہے ؟" اسرا کے پوچھنے پر ارمان نے اپنی آنکھیں مینچیں۔وہ رات ارمان احمد کیسے بھول سکتا تھا؟

اس نے آہستگی سے اپنا سر اثبات میں لایا۔ٹھنڈی ہوا پودوں پر سے گزرتی سرسراہٹ پیدا کر رہی تھی۔موتیے اور چمبیلی کی خوشبو پورے لان میں پھیلی ہوئی تھی مگر ان دونوں کو محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

"بس اس رات کی گئی غلطی کو ٹھیک کرنا چاہتی ہوں۔مجھے معاف کر دیں۔میری وجہ سے آپ اپنے گھر سے، سارے رشتہ داروں سے دور رہے۔" ارمان نے پانچ سال بعد اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے۔اس نے جلدی سے نفی میں سر ہلایا۔

"اسرا! جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔اب میں بھی اپنی زندگی میں آگے بڑھ رہا ہوں اور تم بھی۔تو پرانی باتیں یاد کرنے کا کیا فائدہ ؟" ارمان کی بات پر اسرا بے بسی سے مسکرائی۔

" ارمان ! آپ پلیز پانچ سال پہلے والی اس رات کو بھول جائیں۔بھول جائیں کہ پانچ سال پہلے والی اسرا یاسر نے آپ سے کوئی اقرارِ محبت کیا تھا۔بھول جائیں پلیز! اس رات کو اپنی زندگی سے نکال دیں۔" وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے بول رہی تھی۔جبکہ ارمان تو اس کی بات سن کر ساکت رہ گیا۔

"پلیز ارمان! بھول جائیں کہ کوئی اسرا یاسر آپ سے محبت کرتی تھی۔" ارمان اس کی بات پر کھڑا ہو گیا۔اسرا نے آنسو بہاتی نظروں سے اسے کھڑا ہوتے دیکھا۔

تو کیا وہ اس بات کو نہیں بھولے گا؟ مگر اس کی اگلی حرکت پر اسرا برف کا مجسمہ بن گئی۔

اس نے ساکن نظروں سے اپنے سر پر موجود ارمان کے ہاتھ کو دیکھا۔آنسو تھم سے گئے۔بینائی پتھرا گئی۔"بھول گیا! میں ارمان احمد آج یہ وعدہ کرتا ہوں۔میں پانچ سال پہلے والی رات کی کوئی بات یاد نہیں رکھوں گا۔وہ رات میری زندگی میں کبھی آئی ہی نہیں۔میں ہمیشہ سے اسرا یاسر کا بھائی تھا اور ہمیشہ رہوں گا۔چلو شاباش۔۔اپنے آنسو صاف کرو۔" وہ اخر میں کسی بچے کی طرح پچکارتا ہوا بولا۔تو اسرا نے بوجھل ہاتھوں سے اپنے آنسو صاف کیے۔

ارمان کا ہاتھ ابھی بھی اس کے سر پر موجود تھا۔وہ اسے بہت وزنی معلوم ہو رہا تھا۔اب اسے اس اٹھے ہوئے ہاتھ کی بھی لاج رکھنی تھی۔اب تو اس کا تصور بھی اسرا یاسر پر حرام تھا۔اب اسے بھائی کا درجہ بھی دینا تھا۔اس نے لمبا سانس بھرتے ہوئے تقدیر کے اس فیصلے کے آگے بھی سرنگوں کیا تھا۔اب ارمان اس کے سامنے بیٹھ چکا تھا۔

"اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے میں۔ تو صرف دعا ہی دے سکتا ہوں۔"ارمان کی بات پر اسرا نم آنکھوں کے ساتھ مسکرائی۔یکدم ارمان کی نظر اس کے مہندی لگے ہاتھوں پر پڑی۔

"ویسے میرا بہنوئی اچھا انسان ہے۔تمہیں خوش رکھے گا اور اگر کبھی لڑائی ہو جائے تو مجھ سے شکایت لگانا۔دو مکے لگاؤں گا تو تیر کی طرح سیدھا ہو جائے گا۔"اس کی بات پر اسرا کھکھلا کر مسکرائی۔

اب وہ ارمان کو کیا بتاتی کہ وہ بیچارہ تو پہلے ہی تیر سے بھی زیادہ سیدھا تھا۔

"چلیں دلہن صاحبہ ! آرام کریں۔کل پھر جلدی اٹھنا بھی ہے۔اللہ حافظ !"وہ ایک دفعہ پھر اس کے سر پر ہاتھ رکھتا بولا اور باہر نکل گیا۔پیچھے اسرا آسمان کی جانب دیکھے ہوئے مسکرائی تھی۔اس مسکراہٹ میں آج کوئی دکھ نہیں تھا۔

تم تکلف کو بھی اخلاص سمجھتے ہو فرازؔ

دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا

وہ سب صبح سویرے ہی اسرا کے گھر ٹپک پڑے تھے۔اسرا اس وقت لان میں چہل قدمی کر رہی تھی۔سورج ابھی افق سے نہیں نکلا تھا۔وہ سب سیدھا اسرا کے پاس آئے۔

"السلام علیکم ! دلہن صاحبہ! کیسی ہیں آپ ؟ "نعمان شرارتی آواز میں بولا۔وہ سب اب لان میں موجود کرسیوں پر بیٹھ چکے تھے۔

"وعلیکم السلام ! الحمداللہ ! میں ٹھیک ہوں۔" اسی وقت اندر سے آتی فضہ بھی سلام کرتی ان کے ساتھ بیٹھ گئی۔نعمان اور ارمان لان کو دیکھتے ہوئے ایک دوسرے سے ڈیکوریشن کی باتیں کر رہے تھے کہ کہاں کیا لگوانا تھا؟

جبکہ نہال کی نظر اسرا کے ہاتھوں پر پڑی۔اس کے دودھیا ہاتھوں پر لگی مہندی بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

"واؤ اسرا ! رنگ تو بہت گہرا آیا ہے۔فضہ نے ٹھیک ہی کہا تھا۔" ابھی وہ سب باتیں کر رہے تھے کہ اندر سے نجمہ باہر آئی۔

" بڑی بی بی آپ سب کو اندر بلا رہی ہیں۔" اس کی بات پر وہ سب اندر داخل ہو گئے۔لاؤنج میں داخل ہوتے ہی ان سب کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔انہوں نے ایک دوسرے کی طرف بیچارگی سے دیکھا۔جبکہ ڈاکٹر نیلوفر انہیں دیکھتی مسکرائی تھیں۔

" آجاؤ بچوں !" ان کے کہنے پر وہ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتے ان کے پاس بیٹھ گئے۔

" السلام علیکم !" ان سب نے یک زبان ہو کر کہا تو ڈاکٹر نلوفر نے سر ہلایا۔

" وعلیکم السلام ! "لاؤنج کے ایک جانب قالین پر بہت سے کرٹنز بڑے تھے۔جبکہ ایک جانب صفائی کا سامان پڑا تھا۔انہیں معلوم تھا کہ ڈاکٹر نیلوفر کیا کہنے والی تھیں۔

" نعمان اور ارمان بیٹا ! تم میں سے ایک کھڑکیوں کے اوپر کرٹنز لگائے اور ایک جالے صاف کرے گا۔"ان دونوں نے بے چارگی سے اثبات میں سر ہلایا۔

"اور یہ کیا کریں گی ؟" نعمان کے منہ میں کھجلی ہوئی۔جس پر نہال نے اسے گھورا۔

" بچے ! میں یہ کام ورکرز سے کروا لیتی۔مگر وہ سب فی میل ہیں۔ان کے ہاتھ اوپر تک نہیں پہنچتے۔اس لیے تم دونوں سے کہا۔" ڈاکٹر نیلوفر کی بات پر اسرا کھڑی ہوگئی۔

”مما ! یہ بات غلط ہے۔میں آپ کو یہ کام کر کے دکھاتی ہوں۔“ اس کی بات پر ان سب نے حیرانی سے اس دلہن صاحبہ کو دیکھا۔جس کا رات کو نکاح تھا اور وہ صفائی کی باتیں کر رہی تھی۔نعمان نے تو باقاعدہ اپنا سر تھاما تھا۔

”اسرا! تم بیٹھ جاؤ۔ہم کر لیں گے۔“ ارمان بولا تو اسرا نے نفی میں سر ہلایا۔

”نہیں! میں یہ ہی کروں گی۔بلکہ میرے ساتھ فضہ اور نہال بھی کام کر وائیں گی۔“ اس کی بات پر فضہ نے زور و شور سے اثبات میں سر ہلایا جبکہ نہال ویسے ہی بیٹھی رہی۔

” اسرا ! رات میں تمہارا نکاح ہے۔“اب کی بار ڈاکٹر نیلوفر بولیں۔انہیں اپنی بات پر پچھتاوا ہو رہا تھا کہ انہوں نے یہ بات کیوں کی۔انہیں معلوم تھا کہ ان کی بیٹی بہت ضدی تھی۔اب جب تک سارا کام نہیں کرے گی تب تک نہ خود سکون سے بیٹھے گی اور نہ ہی دوسروں کو بیٹھنے دے گی۔

”میری پیاری سی مما ! آپ ہم سب کے لیے اچھا سا ناشتہ بنائیں۔ہم سب تھوڑی سی دیر میں فارغ ہو جائیں گے۔“ وہ ڈاکٹر نیلوفر کو کچن میں لے گئی۔

وہ واپس آئی تو وہ سب ویسے ہی بیٹھے تھے۔

"چلو شاباش! سارے اٹھو۔" اس کی بات پر فضہ اور نعمان تو فوراً سے کھڑے ہو گئے۔اسرا نے صوفے پر بیٹھے ارمان اور نہال کو آنکھیں دکھائیں۔

" یار اسرا! مجھے تو ہائٹ فوبیا ہے۔"نہال نے منہ لٹکا کر بولا تو اسرا نے اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا کر دیا۔نہال نے اپنے گھر کو سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔سارے کام کرتی تھی۔مگر اسے اونچائی سے بہت ڈر لگتا تھا۔

"کرتی ہوں آج تمہارے اس ہائیٹ فوبیا کا علاج۔میں لوگوں کے فوبیاز کا علاج کر رہی ہوں اور میری اپنی دوست سے ذرا سی اونچائی پر نہیں چڑھا جاتا۔اسے کہتے ہیں چراغ تلے اندھیرا ہونا۔چلو میرے ساتھ آؤ۔" وہ دو ٹوک لہجے میں بولتی اسے حکم دے رہی تھی۔

"اور آپ سسپینڈڈ اے۔ایس۔پی صاحب ! زرا سا کام کر لینے سے آپ کی شان میں کمی نہیں آئے گی۔"اس کے طنزیہ انداز پر ارمان مسکراتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"میں نے تو سنا تھا کہ مشرقی دلہنیں زیادہ بولتی نہیں ہیں اور تم تو باقاعدہ حکم چلا رہی ہو۔تمہاری ساس کو تو اللہ بچائے !" وہ بھی حساب بے باک کرنا نہیں بھولا تھا۔اس کی بات پر اسرا نے اپنا سر جھٹکا۔

مشرقی دلہن !! ہنہ ! خود کون سا مغرب سے یہاں ٹپکے ہیں۔

اب اسرا اسٹول کے اوپر کھڑی قد آدم کھڑکیوں پر کرٹنز چڑھا رہی تھی۔جبکہ دوسری جانب فضہ بھی یہی کام کر رہی تھی۔نعمان نے فضہ کا جبکہ ارمان نے اسرا والا سٹول پکڑا ہوا تھا۔

" اسرا! مجھے نیچے اترنے دو۔"نہال چیخ رہی تھی۔اسرا نے اسے ایک اونچے اسٹول پر کھڑا کر رکھا تھا۔کرٹنز چڑھاتی اسرا نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا۔

"نہال ! ابھی ایک منٹ بھی نہیں ہوا۔ تمیں تب تک یہاں کھڑا رہنا ہے۔جب تک ہم سارا کام نہ کر لیں۔۔"

" اللہ پوچھے تمہیں !" نہال جل کر بولی تو ان سب کے قہقہے فضا میں بلند ہوئے۔

اب وہ جالے صاف کر رہے تھے۔جس میں ارمان اور نعمان نے بھی مدد کروائی تھی۔اب اتنے بڑے گھر کو وہ دونوں اکیلی صاف کرتی تو شام ہو جاتی۔

کچھ دیر تک نہال کانپتی ٹانگوں کے ساتھ کھڑی رہی۔مگر پھر اسے محسوس ہوا کہ اسے ڈر نہیں لگ رہا ۔اب وہ لوگ اپنا کام ختم کر کے صوفوں پر بیٹھ چکے تھے۔

”مجھے اب ڈر نہیں لگ رہا۔ میں خود اتر رہی ہوں۔“اس کی بات پر اسرا کی سنہری آنکھیں مسکرائیں۔

اب نہال ان کے ساتھ آ کر بیٹھ گئی۔

”تم دوست ہو یا دشمن ؟ اگر ڈر کے مارے میری جان چلی جاتی تو ؟“ اسرا نے اپنے ابرو اچکا کر اس کی جانب دیکھا۔

” اتنی نازک جان نہیں ہے تمہارے اندر جو ایسے ڈر کے مارے نکل جاتی۔۔“ اسرا کے بولنے سے پہلے نعمان نہال کو تپاتے ہوئے بولا تو نہال نے اس کے بال بگاڑے۔ یہاں تو سارے میرے دشمن ہیں !!

پھر ان سب نے خوشگوار ماحول میں ناشتہ کیا۔ کافی یادگار صبح گزری تھی۔اب ناشتے کے بعد نعمان اسرا کے سر پر سوار تھا۔

” یار اسرا ! بتا دیں نا کون سا سیٹ اپ اچھا لگ رہا ہے ؟“ وہ کب سے اسرا سے یہ پوچھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”نعمان ! خود ہی دیکھ لو۔“ وہ بیزاریت سے بولی تو نعمان جھنجھلا اٹھا۔

"نکاح بھی خود ہی نہ کر لوں ؟؟ یار ! اسرا آپ خوش تو ہیں نا ؟ کیوں ہمارے دل دہلا رہی ہیں ؟" وہ اب تھکے انداز میں بولا۔

اسکی بات پر اسرا نے اس کے ہاتھ سے موبائل کھینچا۔

"بلیک میلر !!" اسے پتا تھا کہ نعمان اسے بلیک میل کر رہا تھا۔

اسے آدھے گھنٹے میں کوئی بھی سیٹ اپ پسند نہیں آیا تھا۔ان لوگوں کو اچھے سے معلوم تھا کہ اسے چیزیں کم ہی پسند آتی تھیں۔اور جو آتی تھیں وہ لاجواب ہوتی تھیں۔

وہ آگے آگے سوائپ کر رہی تھی کہ اس کی نظر ایک سیٹ اپ پر ٹھہر گئی۔اس کی آنکھوں میں ستائش ابھری۔وہ اس وقت لان میں کرسیوں پر براجمان تھے۔

"یہ والا۔"اسرا نے موبائل ان دونوں کے آگے کیا۔اس تصویر کو دیکھ کر ان کی آنکھوں میں چمک در آئی۔وہ بہت خوبصورت تھا۔

اس تصویر میں سفید پھولوں کی لڑیوں کے ایک طرف بھوری قالین پر دلہا بیٹھا تھا اور جبکہ دوسری طرف جانب دلہن بیٹھی ہوئی تھی۔

”پرفیکٹ !!“ ارمان کے کہنے پر اسرا نے نفی میں سر ہلایا۔

”او نہوں ! اس میں بھی کچھ چینجز کرواؤ۔ نیچے براؤن قالین کی بجائے وائٹ قالین ہونی چاہیے۔“

اب وہ تصویر کی جانب دیکھتے ہوئے بول رہی تھی۔

”اور ان سفید پھولوں کے ساتھ ساتھ تھوڑے سے ریڈ بھی ہونے چاہیے اور پھولوں کے دونوں اطراف میں گولڈن اور وائٹ کشنز بھی رکھوانا۔“ نعمان اس کی بات غور سے سن رہا تھا۔

”اوکے اسرا ! وہ لوگ کچھ ہی دیر میں آتے ہوں گے۔ آپ لوگ اندر آنٹی کے ساتھ کام کروائیں۔“

آخر میں وہ فضہ اور نہال کی جانب دیکھتا ہوا بولا تو وہ تینوں اندر کی جانب بڑھ گئیں۔

پیچھے ارمان اور نعمان سیٹ اپ کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔

اسرا اس وقت اپنے کمرے میں اکیلی تھی۔ نہال اور فضہ ڈاکٹر نیلوفر کے ساتھ تھیں۔ جبکہ وہ شاور لینے اندر آئی تھی۔ دوپہر ہونے کو تھی اور اس کا دل بہت گھبرا رہا تھا۔

یکدم اس کے فون کی گھنٹی بجی۔موبائل پر "محترم" لفظ جگمگا رہا تھا۔اس نے کل ہی کنٹیکٹ نمبر مسٹر محب سے محترم میں تبدیل کر دیا تھا۔اس نے کال اٹینڈ کر کے فون کان کے ساتھ لگا لیا۔اس کے لمبے سیاہ بال اس کی کمر پر لٹک رہے تھے۔

" السلام علیکم !" وہ صوفے پر بیٹھتی بولی۔

"وعلیکم السلام ! کیسی ہیں آپ محترمہ؟" وہ انتہائی شیریں لہجے میں بولا تو اسرا مسکرائی۔

"الحمداللہ !" اس کی بات پر محب نے اثبات میں سرہلایا۔

"محترمہ ! کیا کر رہی ہیں آپ ؟" وہ تو کل سے بے تاب تھا کہ آخر کب ان کا نکاح ہو۔اور کب فیصل کے نام کی ان کے سروں پر لٹکتی تلوار ہٹے۔

" آپ سے بات کر رہی ہوں محترم !" اس کی بات پر محب کی سرمئی آنکھیں مسکرائیں تھیں۔

"محترمہ ! میں آپ کے گھر گارڈز بھجوا رہا ہوں۔" صوفے سے ٹیک لگاتی اسرا چونکی۔

"وہ کیوں ؟ "

" آپ شائد فیصل احمد کو بھول چکی ہیں۔" وہ بولا تو اسرا کو کل کی فون کال یاد آگئی۔

" او کے۔ محترم ! بھیج دیں۔"

" آپ نے مہندی لگوائی ؟" محب کے پر اشتیاق لہجے پر اسرا کی نظر بے اختیار اپنے ہاتھوں پر پھسلی اور چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی۔

"نکاح کے بعد دیکھ لیجئے گا۔" اس نے محب کو زچ کرتے ہوئے اپنی مسکراہٹ دبائی۔

"بتائیں نہ !! میں کون سا تصویر مانگ رہا ہوں۔بس پوچھ رہا ہوں۔آپ نے مہندی لگوائی یا نہیں ؟"

اسرا اب ریلیکس انداز میں صوفے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔

" لگوائی ہے۔"اس کی بات پر محب کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

" میرا نام لکھوایا ؟" وہ اپنی سرمئی آنکھوں میں امید لیے اسرا سے پوچھ رہا تھا۔

" جی لکھوایا ہے۔" اسرا نے موبائل الٹے ہاتھ میں پکڑا اور سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی پر لکھے محب کے نام کو دیکھا۔جسے فضہ نے ہر ممکن حد تک چھپانے کی کوشش کی تھی۔

" ماشاءاللہ۔"وہ لمبا سانس بھرتے ہوئے بولا۔

"محترم ! باقی باتیں نکاح کے بات کر لیجیے گا۔اللہ حافظ۔" اسرا بولی تو وہ لمبا سانس بھر کے رہ گیا۔

جی محترمہ ! فی امان اللہ! اپنا خیال رکھیے گا۔“

محب کے کہنے پر اسرا نے کال کاٹ دی۔

ادھوری چاہتیں میری، ادھوری داستان میری

میرے جذبے ادھورے ہیں ، میری خواہش کے پیمانے ادھورے ہیں

محبت کے میرے ہونٹوں پر افسانے ادھورے ہیں

ادھورے پن کی ایک دنیا میرے چاروں طرف ہے

پھر بھی اپنے دل کی سب گہرائیوں کے ساتھ سب سچائیوں کے ساتھ

میں اقرار کرتا ہوں، میں تم سے پیار کرتا ہوں

شام ہوتے ہی پارلر والے لڑکیاں اسے تیار کر چکی تھیں۔ ہلکے سے میک اپ میں وہ ایک اپسرا لگ رہی تھی۔ آف وائٹ رنگ کے سفید کامدار جوڑے میں ملبوس بالوں کو جوڑے کی شکل میں سمیٹے وہ

بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔وہ کبھی سجی سنوری نہیں تھی۔اس لیے اس پر روپ بھی ٹوٹ کر آیا تھا۔

اس کے دل کی دھڑکن بہت تیز رفتار میں چل رہی تھی۔باہر مہمان آنا شروع ہو چکے تھے۔

"ماشاءاللہ ! میری بیٹی تو بہت خوبصورت لگ رہی ہے۔" ڈاکٹر نیلوفر گرے کلر کی شلوار قمیص میں ملبوس تھیں۔ان کی آنکھیں بار بار نم ہو رہی تھیں۔اس وقت وہ دونوں کمرے میں اکیلی تھیں۔باقی سب بھی تیار ہونے گئے تھے۔

اسرا کی آنکھوں میں بھی نمی چھائی ہوئی تھی۔وہ ڈاکٹر نیلوفر کو گلے لگا گئی۔اس کا دل بوجھل ہو رہا تھا ۔بے چینی سی تھی۔ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے کچھ ہونے والا ہے۔

"مما ! میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔مجھے بابا کی بہت یاد آرہی ہے۔"اس کی کاجل سے سجی سنہری آنکھیں سرخ ہو کر اور بھی غضب ڈھا رہی تھیں۔

"بیٹا ! نکاح سے پہلے ایسا ہی محسوس ہوتا ہے تم تو میری بہادر بچی ہو نا !! رو مت تمہارے بابا تمہیں روتا دیکھ کر بالکل بھی خوش نہیں ہوتے۔" اسرا نے لمبا سانس بھر کر اپنے آنسوؤں کو اندر دھکیلا ۔اسی وقت دروازہ کھلا اور وہ سب اکٹھے اندر داخل ہوئے۔

اسرا تو ان سب کو دیکھتی حیران رہ گئی۔وہ سب گرے کلر کے لباس میں ملبوس تھے۔اصل ٹھٹکے تو وہ سب تھے۔

"ماشاءاللہ ! " ان سب کے منہ سے بےساختہ نکلا۔اسرا کا سر دوپٹے سے اچھی طرح سے کور کیا گیا تھا۔نیٹ کے لال کے دوپٹے کے علاوہ محب ایک سنہری دوپٹہ بھی لے کر آیا تھا۔

"اسرا کہاں ہو تم ؟" ارمان نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا تو سب ہنس پڑے۔

"میڈم ! آپ نے ہماری دوست کو دیکھا ہے ؟" اب کی بار نعمان اسرا سے مخاطب ہوا تو ڈاکٹر نیلوفر نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"شرم کرو۔" اسرا بھی مسکرا اٹھی۔

"اسرا ! آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں۔ ان کو بولنے دیں۔ خود پیارے نہیں لگ رہے نا ! اس لیے آپ کو ایسے بول رہے ہیں۔" فضہ کے کہنے پر نعمان اور ارمان نے صدمے بھری نظروں سے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔

" مجھے کچھ دیر اکیلا رہنا ہے۔ آپ لوگ پلیز چلے جائیں۔" اسرا نے ڈاکٹر نیلوفر کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو وہ سب سنجیدہ ہو گئے۔ ڈاکٹر نیلوفر نے انہیں اشارہ کیا۔ تو وہ اسرا کو دیکھتے باہر نکل گئے۔ وہ سب جانتے تھے کہ وہ اپنے بابا کو یاد کر رہی تھی۔

اب وہ بیڈ پر خاموشی سے بیٹھی اپنے بابا کی تصویر کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں پھر سے نم ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ اسی لمحے اسے اپنے پیچھے ایک آواز سنائی دی۔ جسے اس نے دروازے کی دستک سمجھا۔

"میں نے کہا تھا نا مجھے کچھ دیر اکیلا رہنا ہے۔"

وہ سخت لہجے میں بولی۔مگر اسی لمحے اسے اپنے کمرے میں کسی کے تیز پرفیوم کی مہک محسوس ہوئی۔

اس نے جلدی سے اپنا رخ موڑا تو سامنے فیصل کو کھڑا پایا۔وہ انکھیں بند کیے کھڑا تھا۔جیسے اس کی جانب نہ دیکھنے کا تہیہ کیا ہو۔وہ کالی پینٹ شرٹ میں ملبوس تھا۔اسرا کو اسے دیکھ کر حیرت کا جھٹکا لگا۔

اس نے دروازے کی جانب دیکھا۔جو ابھی بھی لاک تھا۔

" آپ یہاں کیا کر رہے ہیں ؟ " وہ دو قدم اس کی جانب بڑھی۔اس کی سنہری چوڑیوں کی چھنکار فیصل کے دل میں طوفان برپا کر گئی۔

"میں نے پوچھا آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" اب کی بار وہ سخت لہجے میں بولی تھی۔مگر فیصل آنکھیں موندے مہندی اور گلابوں کی ملی جلی مہک کو اپنے اندر اتا رہا تھا۔

"آنکھیں کھولیں اپنی۔" اسرا کے حکمیہ انداز پر فیصل نے نفی میں سرہلایا۔

"کیوں ؟" وہ ناسمجھی سے بولی تو فیصل کے چہرے پر ایک مسکراہٹ چھا گئی۔

" اگر آپ کو دیکھوں گا تو سانس لینا بھول جاؤں گا۔"اس کی بات پر اسرا نے اپنا سر جھٹکا۔

"اگر آپ ابھی یہاں سے نہ گئے تو میں ارمان کو بلا لوں گی۔" اس کی دھمکی پر فیصل کے تاثرات تن گئے۔

" اگر آپ نے ایسا کرنے کی ذرا سی بھی کوشش کی تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ باہر بیٹھا ہر انسان بےموت مارا جائے گا۔"اس کے وحشت ناک لہجے میں کہنے پر اسرا کا دل کانپ اٹھا۔اس نے نفی میں سر ہلایا۔

" آپ ایسا نہیں کر سکتے۔آپ بے گناہ لوگوں کو کیسے مار سکتے ہیں ؟ "اس کے کانوں میں محب کا جملہ گونجا تھا کہ وہ بے گناہ لوگوں کو نہیں مارتا۔فیصل کی آنکھیں ہنوز بند تھیں۔

" ڈاکٹر اسرا !! میں آپ کے لیے کسی کی کیا اپنی بھی جان لے سکتا ہوں۔۔۔"مگر اسرا کو کوئی جان لینے والا نہیں چاہیے تھا۔اس کا دماغ بھک سے اڑا تھا۔مطلب وہ ویسا نہیں تھا۔جیسا محب نے بتایا تھا۔

یکدم کمرے کی فضا میں خاموشی چھا گئی۔اب وہ ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔اسرا کی سنہری آنکھیں فیصل کے چہرے پر جمی تھیں۔جبکہ فیصل آنکھیں موندیں اس کی موجودگی محسوس کر رہا تھا۔

دل میں اسے دیکھنے کی خواہش زور پکڑتی جا رہی تھی۔دل دماغ سے بغاوت کرنے کو تیار تھا۔یکدم آنکھوں نے دل کی بات مانتے ہوئے اپنے آپ کو وا کیا اور پھر فیصل احمد کے لیے ساری دنیا تھم گئی ۔وہ جہاں تھا وہیں جم گیا۔کاجل سے لبریز سنہری آنکھیں اسی پر اٹھی تھیں۔جن میں آج اسے ذرا بھی رحم دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

وہ بھول چکا تھا کہ اسرا اس وقت کسی کے لیے سجی تھی۔اسے یاد تو بس اتنا کہ وہ اس کے سامنے موجود تھی۔وہ لڑکی جس کے لیے فیصل احمد کے دل میں پہلی دفعہ ڈر پیدا ہوا تھا۔جسے کھونے کے خیال سے بھی فیصل احمد تڑپا تھا۔جسے کسی اور کا ہوتے دیکھ کر اس کی روح کانپی تھی۔

" وردۃ بیضاء (سفید گلاب) "اس کے منہ سے بےاختیار نکلا۔اسرا اس کے سامنے نا سمجھی سے کھڑی تھی۔

"کیا کہا آپ نے ؟ " وہ بولی تو فیصل نے نفی میں سر ہلایا۔

" ڈاکٹر فیصل ! جائیں یہاں سے۔" وہ مزید اس کو یہاں برداشت نہیں کر سکتی تھی۔فیصل نے اپنی سیاہ آنکھیں اس کی سنہری آنکھیں میں ڈالیں۔

”میں آپ کو لیے بنا یہاں سے نہیں جا رہا۔چلیں میرے ساتھ۔“ اس نے اسرا کی جانب قدم بڑھائے جس پر اسرا نے نفی میں سر ہلایا۔

”نہیں چلوں گی۔“اسکی بات سن کر فیصل کی آنکھوں میں ایک سرد تاثر گھل گیا۔

” ڈاکٹر ! ضد مت کریں۔چلیں میرے ساتھ۔“وہ وحشت ناک لہجے میں بولا۔اسرا پیچھے کی جانب قدم اٹھا رہی تھی۔

” کہا نا کہ نہیں چلوں گی۔ مطلب نہیں چلوں گی۔میرا ابھی کچھ دیر میں محب رضا حسین سے نکاح ہے۔“اس کی بات پر فیصل نے اپنے مٹھیاں بھینچ لیں۔

” آپ یہاں رہیں گی تب ہی نکاح ہو گا نا !! اور اگر آپ میرے ساتھ نہیں آئیں تو میں باہر موجود ہر انسان کے چیتھڑے چیتھڑے کر دوں گا۔“ وہ سرد لہجے میں بولا

تو اسرا کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑ گئی۔اس نے جھرجھری لی۔یکدم اسے گارڈز کا خیال آیا۔

”کیسے ماریں گے ؟ باہر تو گارڈز موجود ہیں۔“ فیصل استہزائیہ انداز میں مسکرایا۔

"آپ کو کیا لگتا ہے جو گارڈز مجھے آپ کے کمرے میں آنے سے روک نہیں پائے۔وہ مجھے ان لوگوں کو مارنے سے روک پائیں گے ؟؟ " وہ طنزیہ انداز میں بولا تو اسرا کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

" پلیز چلے جائیں۔کیوں میری عزت کو پامال کرنا چاہتے ہیں ؟ کیوں مجھے برباد کرنا چاہتے ہیں؟ "اس کی بات پر فیصل ساکت ہوا۔وہ اور اسرا یاسر کو برباد؟؟

" نہیں ڈاکٹر ! میں آپ کو اپنی زندگی کا حصہ بنانا چاہتا ہوں۔"وہ اسرا سے چند قدموں کے فاصلے پر رک گیا تھا۔

"چھوڑ دیں میرا پیچھا۔چلے جائیں یہاں سے۔آپ کو آپ کے بابا کا واسطہ چلے جائیں۔" وہ چینخی تھی۔

اس کی بات پر فیصل ساکت رہ گیا۔

" سمجھ جائیں اس دنیا میں سب کو کچھ نہیں ملتا۔کچھ چیزوں پر صبر کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوتا۔" وہ بے تاثر لہجے میں بولی تو فیصل کے چہرے پر اذیت بھری مسکراہٹ چھا گئی۔

" ڈاکٹر اسرا ! مجھے تو کچھ بھی نہیں ملا۔میں کیسے صبر کروں ؟ " اس نے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”آپ کے معاملے میں کیسے صبر کروں ؟ آپ کو تو یہاں سے چاہا ہے۔“اس کا ہاتھ ابھی بھی اپنے دل کے مقام پر موجود تھا۔

”کیوں دیا آپ نے مجھے یہ واسطہ ؟ کیوں دیا ؟ کاش! ڈاکٹر اسرا! آپ مجھے یہ واسطہ نہ دیتی۔کاش!!“

اسرا کو اس کے لہجے میں درد محسوس ہو رہا تھا۔مگر وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

” ڈاکٹر فیصل ! کسی انسان کو زمین اور آسمان دونوں نہیں ملے۔

؎کبھی کسی کو مکمل جہاں نہیں ملتا

کہیں زمین نہیں ملتی کہیں آسماں نہیں ملتا“

اسرا کی بات پر فیصل نے اپنا سر جھٹکا۔کیا غضب تھا وہ کہ وہ اس کے سامنے دلہن بنی کھڑی تھی مگر کسی اور کے نام کی۔ہائے !! اس کے دل میں درد کی ٹیسیں اٹھنا شروع ہو گئیں۔

”میرے حصے میں تو ڈاکٹر ! نہ زمین آئی اور نہ ہی آسمان۔میں اپنی ہی کہانی کا مرکزی کردار نہیں رہا۔میں کیا کروں؟“ وہ اپنی ہی بے بسی پر مسکرایا تھا۔

”کسی نہ کسی دن آپ کو بھی صبر آ ہی جائے گا۔۔“

”صبر ؟؟ کیا آپ کو کھو کر صبر کرنا آسان ہے؟“ اس نے عجیب سے لہجے میں اسرا سے سوال کیا تھا

۔

”کیا آپ کو کھو کر سمجھوتا کرنا آسان ہے ؟؟“ اسرا کے پاس اس کی بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

”من پسند چیزوں پر سمجھوتا نہیں کیا جا سکتا۔“ اب کی بار اس کے چہرے پر ایسا ملال تھا جو اسرا نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

ابھی اسرا کچھ بولتی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

”اسرا ! آ جائیں۔جیجا جی آ گئے ہیں۔“ فضہ کی چہکتی آواز سن کر اس نے ایک نظر فیصل کی جانب ڈالی۔جس نے اپنے آنسو چھپانے کی خاطر سر جھکا لیا تھا۔

” آپ دس منٹ بعد آیئے گا۔“ دروازے پر کھڑی فضہ سر ہلاتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

فیصل سر جھکائے رو رہا تھا۔ہاں وہ فیصل احمد۔۔اسرا یاسر کے لیے رو رہا تھا۔جو صرف اپنے والدین کی خاطر رویا تھا۔

"چلے جائیں۔"اس کی بات پر فیصل نے اپنی آنسو بھری آنکھوں سے اس سجی سنوری دلہن کو دیکھا۔ وہ اسے ساتھ لے جانے کے لیے آیا تھا۔مگر ہائے !! نصیب نے اسے یہاں بھی دھوکہ دے ڈالا تھا ۔اس نے ایک ہاتھ سے اپنے آنسو صاف کیے۔

" محب رضا حسین سے کہیے گا کہ آپ میرا جنون نہیں ہیں۔" اس کی سیاہ آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔

" اگر آپ جنون ہوتیں تو آپ کو چھوڑ کر نہ جاتا۔بلکہ اپنے ساتھ لے کر جاتا۔مگر آپ میرا جنون نہیں ہیں۔محبت ہیں اور محبتیں حقیقی دنیا میں کہاں ملا کرتی ہیں؟؟ " اس نے لمبا سانس بھرا۔

" اس سے کہیے گا کہ اب میرے سامنے کبھی نہ آئے۔ورنہ میں یہ بات بھول جاؤں گا کہ وہ کون ہے۔میں اسے سچ میں مار ڈالوں گا۔" اب کی بار سرد لہجے میں بولا تھا۔

پھر اس نے اپنی جیب سے چھوٹا سا چاکو نکالا۔اسرا تو حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی۔اس نے چاقو سے اپنا انگوٹھا زخمی کیا۔زخمی انگوٹھے سے خون باہر نکل رہا تھا۔

" ڈاکٹر فیصل ! یہ آپ نے کیا کیا ؟ " فیصل نے لمبا سانس بڑھتے ہوئے اسرا کا ہاتھ تھاما اور خون سے اس کی کلائی پر کچھ لکھنے لگا۔اسرا نے ہاتھ چھڑوانے کی کوشش کی تھی مگر اس کی گرفت اتنی بھی نرم نہیں تھی۔

اپنا کام مکمل کرتے ہوئے وہ پیچھے ہٹا۔اسرا کی کلائی پر خون سے فیصل لکھا ہوا تھا۔اسرا نے جلدی سے ٹیبل سے رومال اٹھایا جس سے اس نے کچھ دیر پہلے آنسو صاف کیے تھے۔اسرا نے وہ رومال فیصل کو تھمایا۔فیصل احمد نے رومال پر لگے کاجل کے نشان دیکھنے کے بعد اپنے انگوٹھے پر باندھنے کی بجائے جیب میں ڈال دیا۔وہ وردۃ بیضاء کی نشانی تھی۔وہ اسے اپنے خون سے آلودہ نہیں کر سکتا تھا۔اسرا نے اس کی حرکت پر اپنا سر جھٹکا۔

" کیا کسی اور جہان میں آپ مجھے مل سکتی ہیں؟ " وہ بولا تو اس دفعہ ساکت ہونے کی باری اسرا کی تھی۔کوئی اور جہان ؟؟ مطلب آخرت میں ؟؟ پھر فیصل کا درد بھرا قہقہہ کمرے کی فضا میں گونجا۔

”میں تو گنہگار ہوں اور آپ پاکیزہ انسان ہیں۔میں سیاہ ہوں اور آپ سفید !! ہمارا ملاپ بھلا کیسے ممکن ہے؟ میں یہ بات کیسے بھول گیا؟“ اس کی بات پر اسرا نے پتھرائی ہوئی نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

” اللہ سب کو معاف فرما دیتا ہے۔آپ توبہ تو کر کے دیکھیں۔“ وہ مدھم لہجے میں بولی تو فیصل نے اپنا سر جھٹکا۔

”توبہ ایک عہد ہوتا ہے۔اس کے بعد ہم کوئی برا کام نہیں کر سکتے اور ابھی مجھے اپنے دشمنوں سے بدلہ لینا ہے۔میں توبہ نہیں کر سکتا۔“ اسرا کے دل نے شدت سے کوئی خواہش کی کہ وہ اللہ کی جانب لوٹ آئے۔

”کیا میں آپ کی تصویر بنا سکتا ہوں ؟؟ خیر!! چھوڑیں۔تصویر کی کیا ضرورت ؟ آنکھیں بند کرتے ہی نگاہوں کے سامنے آجائیں گی۔“ اسرا اسے اجازت دینے بھی نہیں لگی تھی۔

” میرے لیے اللہ سے دعا کیجئے گا کہ مجھے یہ صبر آ جائے۔اب میں چلتا ہوں۔یہ نہ ہو کہ میں اپنے آپ سے سارے اختیار کھو بیٹھوں۔“ اب وہ کھڑکی کی جانب مڑا۔

”نکاح اٹینڈ کر لیں۔“ یہ جملہ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس کے منہ سے کیسے ادا ہوا۔فیصل نے لمبا سانس بھرتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔وہ بہت مشکل سے اپنے پیروں پر کھڑا تھا۔اس کے اعصاب شل ہو رہے تھے۔

” آپ کیوں چاہتی ہیں کہ میں محب رضا حسین کو اپنی گولیوں سے چھلنی کر دوں؟ “اس کے بے تاثر لہجے سے بولنے پر اسرا نے بے یقینی سے فیصل کی جانب دیکھا۔

”میں اتنا بھی اعلیٰ ظرف نہیں ہوں کہ اپنے سامنے آپ کو کسی اور کا ہوتے ہوئے دیکھوں۔اور اگر آئندہ وہ میرے سامنے آیا تو آپ یہ بات یاد رکھیے گا میں اپنی پسٹل کی ساری گولیاں اس کے سینے میں اتار ڈالوں گا۔“ اب اس کا لہجہ حد سے زیادہ سرد تھا۔

”اور پھر آپ کے یہ واسطے کام نہیں آئیں گے۔“ ابھی وہ کچھ اور بولتا کہ دروازے پر پھر سے دستک ہوئی۔”اسرا! آ جائیں۔ہم سب باہر کھڑے ہیں۔“اب کی بار نعمان بولا تھا۔اسرا نے فیصل کی جانب دیکھا جو لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے جا رہا تھا۔

فیصل کا ایک ایک قدم من من کا ہو رہا تھا۔اس کا دل کہہ رہا تھا کہ رک جاؤ۔اسے لے جاؤ۔ آنسو اس کے رخسار پر بہنے لگے۔وہ اس نے اس ڈر سے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا کہ اگر اب دیکھ لیا تو وہ پتھر بن جائے گا۔

''ہائے فیصل ! تم تو آج اپنا سب کچھ ہار بیٹھے۔'' وہ چھلانگ لگاتا کھڑکی سے کود گیا۔

اب اسرا کمرے میں اکیلی کھڑی تھی۔اس نے جلدی سے اپنی کلائی دھوئی۔فیصل کے خون کا نشان مٹ چکا تھا۔پھر اس نے لمبا سانس بھرتے ہوئے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔

***

وہ تو خوشبو ہے ہواؤں میں بکھر جائے گا

مسئلہ پھول کا ہے پھول کدھر جائے گا

وہ جب آئے گا تو اس کی رفاقت کے لیے

موسمِ گل میرے آنگن میں ٹھہر جائے گا

اسرا نے دروازہ کھولا تو سامنے ان چاروں کے ساتھ کنزیٰ اور ڈاکٹر نیلوفر بھی موجود تھیں۔کنزیٰ نے آگے بڑھ کر اسرا کو گلے سے لگایا۔اسرا دروازے سے ہٹی تو وہ سب اندر آ گئے۔ڈاکٹر نیلوفر کے ہاتھ میں محب کا لایا ہوا لال دوپٹہ تھا اور ان کے چہرے پر ایک اداس سی مسکراہٹ چھائی ہوئی تھی۔مگر اس مسکراہٹ کے ساتھ ساتھ آنکھوں میں نمی بھی تھی۔

”یار اسرا ! آپ ہمیں بھول تو نہیں جائیں گی نا ؟“ نعمان اپنی آنکھوں کو صاف کرتا معصومیت بھرے انداز میں بولا تو اسرا کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ چھا گئی۔

” میرا نکاح ہو رہا ہے۔رخصتی نہیں !! جو تم اتنے ایموشنل ہو رہے ہو اور بھلا اسرا یاسر آپ لوگوں کو بھول سکتی ہے ؟؟ “ وہ بولی تو سب مسکرا اٹھے۔اب ڈاکٹر نیلوفر نے دوپٹے کو آگے کر کے اسرا کے چہرے پر گھونگھٹ نکالا۔

”چلیں باہر؟ محب بھائی انتظار کر رہے ہیں۔“ نعمان کے کہنے پر اسرا کے ایک طرف ڈاکٹر نیلوفر اور فضہ جبکہ دوسری جانب نہال اور کنزیٰ کھڑی ہو گئیں۔جبکہ ارمان اور نعمان ان سب کے پیچھے تھے۔

اسرا کو اپنی دھڑکن کی آواز کانوں میں سنائی دے رہی تھی۔اس کی ہتھیلیوں پر پسینہ آرہا تھا۔وہ عجیب سا محسوس کر رہی تھی۔ایسا لگ رہا تھا کہ ابھی غش کھا کر گر جائے گی۔وہ لان میں پہنچے تو اسرا نے گھونگھٹ کے اندر سے ہی ایک نظر لان پر ڈالی۔لان ویسے ہی سجایا گیا تھا جیسے اسرا نے کہا تھا اور اردگرد کرسیاں پر مہمان بیٹھے تھے۔

پھولوں کی لڑیوں کے پار محب رضا حسین آف وائٹ شیروانی میں ملبوس اسی کا انتظار کر رہا تھا۔آج اس کی سرمئی آنکھوں کی چمک لان میں لگی ان مصنوعی روشنیوں کو بھی مات دے رہی تھی۔جیسے ہی اس نے اسرا کو دیکھا اس کی نظر ٹھہر سی گئی۔آنکھیں کوئی اور منظر دیکھنے سے انکاری ہو گئیں۔

آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی اسرا اب قالین پر سفید اور سنہری کشنز کے درمیان بیٹھ چکی تھی۔نہال اور کنزیٰ نے اس کے کامدار فراک کے گھیرے کو کالین پر پھیلایا اور خود کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔اب پھولوں کی لڑیوں کی ایک جانب محب بیٹھا تھا جبکہ دوسری جانب اسرا موجود تھی۔نعمان ،ارمان اور بابا جان نکاح خواں کے پاس کھڑے تھے۔

اسرا کو اپنےاوپر محب کی نگاہوں کا ارتکاز بہت اچھے سے محسوس ہو رہا تھا۔کچھ دیر بعد نکاح خواں کے جملے اس کے کانوں میں سنائی دینے لگے۔اس کا دل بہت زور سے دھک دھک کر نے لگا۔

" اسرا یاسر ولد محمد یاسر آپ کا نکاح محب رضا ولد رضا حسین سے باعوض دو لاکھ حق مہر سکہ رائج الوقت طے پایا ہے۔کیا اپ کو یہ نکاح قبول ہے؟؟ " باریش نکاح خواں اپنی وزنی آواز میں بولے تو ایک لمحے کے لیے اسرا نے اپنی آنکھیں بند کیں۔سانسیں تھم سی گئیں۔محب سانس روکے اس کے اقرار کا منتظر تھا۔

"ق۔۔قبول ہے۔"اس نے اپنے گلے کو تر کرتے ہوئے لڑکھڑاتی آواز میں کہا تو محب کے اندر زندگی کی ایک نئ لہر دوڑ گئی۔(میں اسرا یاسر، محب رضا حسین کو اپنے دل و جان سے قبول کرتی ہوں۔)

نکاح خوان نے وہی جملے پھر سے کہے۔

" قبول ہے۔"(میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر یہ وعدہ کرتی ہوں کہ کبھی محب رضا حسین سے بے وفائی نہیں کروں گی۔)اب کی بار محب کے چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی۔

نکاح خواں نے اب آخری دفعہ اسرا سے پوچھا۔اس دفعہ اس نے ایک لمحے کا توقف لیا اور پھر لمبا سانس بھرا۔نم ہتھیلیاں رگڑیں۔

"قبول ہے۔"(میں اللہ کے بعد محب رضا حسین کو عزیز رکھوں گی۔)اس کے آخری دفعہ اقرار کرنے پر پورے لان میں خوشی کا ایک سماں بندھ گیا۔باباجان نے آگے بڑھ کر اسرا کے سر پر ہاتھ رکھا۔ارمان نے نکاح نامہ اسرا کے آگے رکھا جس پر وہ کپکپاتے ہوئے ہاتھوں سے سائن کر رہی تھی۔اس نے کبھی ایسا سوچا نہیں تھا۔نم آنکھوں سے کچھ آنسو نکاح نامے پر جا گرے۔

اب نکاح خواں محب کی جانب متوجہ ہوئے۔

" محب رضا ولد رضا حسین آپ کا نکاح اسرا یاسر ولد محمد یاسر سے باعوض دو لاکھ حق مہر سکہ رائج الوقت طے پایا ہے۔کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے ؟"

نکاح خواں کے پوچھنے پر محب کا دل کیا کہ وہ ایک ہی دفعہ اکٹھا قبول ہے، قبول ہے، قبول ہے بول دے۔

"قبول ہے۔" دوسری جانب بیٹھی اسرا کا دل زور سے دھڑکا۔(میں محب رضا حسین ، اسرا یاسر کو دل

جان سے قبول کرتا ہوں۔اپنی آخری سانس تک قبول کرتا ہوں)

نکاح خواں نے دوبارہ سے وہی جملے کہے۔جن پر محب نے دوبارہ اقرار کیا۔

"قبول ہے۔"(میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے سامنے آپ کے ماضی کی کوئی بات نہیں لاؤں گا۔

صرف آپ پر اعتبار کروں گا۔)

نکاح خواں کے آخری دفعہ پوچھنے پر بھی وہ ابرو کھجاتا قبول ہے کہہ گیا۔(میں محب رضا حسین اپنی

آخری سانس تک آپ کی حفاظت کروں گا)

پھر اس نے نکاح نامے پر دستخط کیے۔نکاح مکمل ہونے کے بعد وہ سب ان دونوں کے پاس آ گئے۔

مبارک ہو کی گونج پورے لائن میں پھیل چکی تھی۔ارمان ، نعمان اور باباجان محب کو مبارکباد دے

رہے تھے۔جبکہ نہال ،منال،فضہ،کنزیٰ ،ڈاکٹر نیلوفر اور مسز رضا اسرا کے ساتھ موجود تھیں۔مسز رضا

نے پہلے اسرا کو مبارکباد دی تھی۔اور پھر محب کے پاس گئی تھیں۔

منال کو اسرا نے انوائٹ کیا تھا۔اب وہ سب اسرا کو اسٹیج کی جانب لے کر جا رہے تھے۔سفید اور سرخ پھولوں سے سجا ہوا اسٹیج بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔جس کے درمیان میں پڑے صوفے پر بیٹھا محب اپنی دلہن کا انتظار کر رہا تھا۔

جیسے ہی اسرا اسٹیج کے پاس پہنچی۔محب اپنے دل کو سنبھالتا کھڑا ہو گیا۔وہ اپنے دل کی کیفیت سے انجان تھا۔جس ہاتھ کو تھامنے کی خواہش بہت دنوں پہلے کی تھی۔آج وہ اس خواہش کو حق کے ساتھ پورا کرنے جا رہا تھا۔ایسا لگ رہا تھا ہر طرف پھول کھل گئے ہوں۔

اسرا کا گھونگھٹ ابھی بھی اس کے چہرے پر موجود تھا۔اسرا نے اپنا کانپتا ہوا ہاتھ محب کی جانب بڑھایا۔جسے محب نے نہایت عقیدت سے تھام لیا۔باقی سب کے چہروں پر مسکان چھا گئی۔محب نے اپنے چہرے پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے اسے اوپر آنے میں مدد کی۔وہ اسرا کے ہاتھ کی کپکپاہٹ کو اچھے سے محسوس کر چکا تھا۔محب کو لگا کہ آج اس کی تلاش اپنے اختتام کو پہنچی۔اسرا کا ہاتھ تھامے وہ اپنی روح میں سکون اترتا محسوس کر رہا تھا۔وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئے۔

نعمان نے ان دونوں کی بہت سی تصویریں بنائی تھیں۔ جنہیں وہ کسی اچھے وقت میں ان کو دکھانے کا پلان بنا چکا تھا۔

ان دونوں کے بیٹھنے پر پوری پلٹن ان کے پاس آ ٹپکی۔ محب لمبا سانس بھر کر رہ گیا۔ نکاح کی مبارکباد تو دینے دیتے !!

ابھی ان پانچوں میں سے کوئی کچھ بولتا۔ ایک انسان محب کی جانب بڑھا۔ اس انسان کو دیکھ کر محب فوراً سے کھڑا ہو گیا۔ وہ انسان مسکراتا ہوا محب کو گلے لگا گیا۔ باقی سب حیرانی سے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

" مبارک ہو برخوردار !! "سوائے منال کے ہر کسی کے چہرے پر ناسمجھی چھائی ہوئی تھی۔ حمید خان محب کو کیسے جانتے تھے ؟؟ اور محب بھی انہیں مسکرا کر ملا تھا !!

"شکریہ۔ "اس نے یک لفظی جواب دیا تو حمید خان نے اس کے اس کندھے کو تھپکا اور پھر انہوں نے اسرا کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"انکل ! آپ محب کو جانتے ہیں؟ "ارمان کے پوچھنے پر منال نے اپنے مسکراہٹ دبائی۔جبکہ حمید خان اور محب کے چہرے پر گہری مسکراہٹ چھا گئی۔

"بہت اچھے طریقے سے برخوردار !! اور کیسے والا سوال بعد کے لیے رکھو۔ابھی مجھے ضروری کام سے جانا ہے۔اللہ حافظ ! "وہ ان سب کو ساکت چھوڑتے وہاں سے نکل گئے۔

"نکاح میں کوئی سالی والی کی رسم نہیں ہوتی؟" فضہ کے بولنے پر گھونگھٹ سے چہرہ ڈھانپے اسرا بھی مسکرائی تھی۔

"نہیں فضہ جی ! نکاح میں آپ لوگوں کی یہ چال بازیاں کام نہیں آتیں۔" اس کے بولنے پر ان سب کے ان نے قہقہہ لگایا۔اب وہ سب ان دونوں کو تحفے دے رہے تھے۔اسرا اب تھک چکی تھی۔محب نے ایک نظر ان سب کی جانب ڈالی جو ادھر سے جانے کا نام نہیں لے رہے تھے۔پھر وہ گلا کھنکارتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

"مجھے اسرا سے اکیلے میں بات کرنی ہے۔"اس نے کسی سے اجازت نہیں مانگی تھی اور نہ ہی گزارش کی تھی۔ایک حق سے ، مان سے، استحقاق سے کہا تھا۔جس پر وہ سب خاموش رہ گئے۔

محب نے اپنی مام کے ساتھ بیٹھی ڈاکٹر نیلوفر کی جانب دیکھا۔جو اسی کی جانب متوجہ تھیں۔محب کے دیکھنے پر انہوں نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔نعمان تو منہ کھولے اس کی ہمت دیکھ رہا تھا۔ محب کی بات پر اسرا کا دل کانپا تھا۔محب نے کسی کی بات کا انتظار کیے بغیر جھک کر ایک استحقاق سے اسرا کا ہاتھ تھاما۔اسرا اس کے ہاتھ تھامنے پر کھڑی ہو گئی اور اس کے ساتھ چلنے لگی۔محب بنا کسی کی پرواہ کیے اس کا ہاتھ تھامے گیسٹ روم کے اندر داخل ہو گیا۔اس کا خود کا دل بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔وہ دروازہ لاک کرتا اسرا کی جانب بڑھا جو بیڈ کے پاس کھڑی تھی۔

محب کا ایک ایک قدم اسرا کو اپنے دل پر پڑتا محسوس ہو رہا تھا۔محب نے اس سے ایک قدم کے فاصلے پر رک کر اس کا گھونگٹ پلٹ دیا۔گھونگھٹ کے پلٹنے کی دیر تھی کہ محب کا دل دھڑکنا بھول گیا۔اس کے دل نے گواہی دی کہ اس منظر سے زیادہ خوبصورت کوئی منظر ہو ہی نہیں سکتا۔اسرا اپنے گھنی پلکوں کو گرائے زمین کو تک رہی تھی۔

" ماشاءاللہ !" محب کے لبوں سے بے ساختہ نکلا تو اسرا نے ایک لمحے کے لیے اسے دیکھا۔اس کی سنہری آنکھوں میں اپنا عکس دیکھ کر محب جی جان سے مسکرایا تھا۔

”میں نے جب آپ کو پہلی دفعہ دیکھا تھا تو مجھے تعجب ہوا تھا کہ آپ میرا علاج کیسے کریں گی ؟“وہ اسے اپنی نظروں کے حصار میں لاتا بولا۔

” اور آج آپ میرے ہر مرض کی دوا بن گئی ہیں۔“اس نے انتہائی نرمی سے اس کے گرد اپنے بازؤں کا حصار باندھا تھا۔اسرا کے چہرے پر سرخی پھیل گئی۔وہ اپنے آپ کو محب کے حصار میں محفوظ محسوس کر رہی تھی۔محب نے آہستہ سے اس کے سر پر اپنے لب رکھے۔ایک آنسو اس کی آنکھ سے ڈھلکتا ہوا اسرا کے دوپٹے میں گم ہو گیا۔

”پتہ ہے آج مجھے اس آیت کا مطلب اچھے سے سمجھ میں آیا۔

* فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ

اور تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟؟؟“

وہ سرشار سے لہجے میں بو رہا تھا۔اگر آج اس کے سامنے پوری کائنات بھی رکھ دی جاتی تو وہ اسرا کے صدقے میں وار دیتا۔

"اوہ ! میں نکاح کی مبارکباد تو دینا بھول ہی گیا۔" وہ پیچھے ہٹتے بولا۔مگر اسرا کا چہرہ دیکھنے کے بعد کچھ کہنا بھول ہی گیا۔اس کے چہرے پر سرخیاں گھلی ہوئی تھیں۔وہ چند پل ساکن سا اسے دیکھتا رہا۔اسرا سر جھکائے اپنی انگلیاں چٹخانے میں مصروف تھی۔مگر اصل دھیان تو محب کی جانب مرکوز تھا۔

محب نے ٹرانس کی کیفیت سے نکلتے ہوئے اس کی تھوڑی پر شہادت کی انگلی رکھتے ہوئے اسے اوپر دیکھنے پر مجبور کیا۔

"زوجۂ محب کو نکاح بہت بہت مبارک ہو۔"وہ اسرا کی سنہری آنکھوں میں دیکھتا بولا۔مگر اسرا نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔

"کیا محترمہ !! آپ اپنے محترم کو نکاح کی مبارکباد بھی نہیں دیں گی ؟" اس کی سرمئی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔اسرا کے چہرے پر وہ پہلی دفعہ گھبراہٹ کے تاثر دیکھ رہا تھا۔اس کی بات پر اسرا نے اپنے دھڑکتے دل کو سنبھالا اور تھوک نگلا۔

"آپ کو نکاح مبارک ہو۔"وہ انتہائی مدھم آواز میں بولی۔مسکراہٹ تو محب کے چہرے سے جم کر رہ گئی تھی۔اس کی بات پر محب کو اپنے اندر سیروں خون بڑھتا ہوا محسوس ہوا۔

”کیا یہ ڈاکٹر اسرا یاسر ہیں ؟؟“ اس کا یہ انداز بھی محب کو اچھا لگا تھا۔مگر اسے وہ حکم دیتی ہوئی زیادہ اچھی لگتی تھی۔اس کی بات پر اسرا مسکرائی۔

”محترم ! پہلے آپ محرم نہیں تھے۔مگر اب آپ محرم ہیں۔رشتہ بدلا ہے تو احساسات بھی تو بدلیں گے ،طرزِ تخاطب بھی بدلے گا، لہجہ بھی بدلے گا۔“وہ اب اس کی جانب دیکھتی بول رہی تھی۔

یکدم محب کی نظر اسرا کے ہاتھوں پر پڑی۔محب کو اس کے ہاتھوں میں لگی مہندی حد سے زیادہ بھلی لگی۔اب وہ سائیڈ ٹیبل کی جانب قدم بڑھا رہا تھا۔اسرا حیرانی سے اسے وہاں جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔محب نے وہاں سے کچھ اٹھایا اور اپنے پیچھے چھپاتے ہوئے اسرا کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

”اسرا ! “محب نے پہلی دفعہ اسے یوں یوں پکارا تھا۔

”آپ کو پتہ ہے آپ کے ہاتھ مجھے سونے سونے لگ رہے ہیں ؟ “اسرا نے تعجب سے اپنے ہاتھوں کی جانب دیکھا۔جن میں سنہری چوڑیاں اور انگوٹھیاں موجود تھیں۔اب محب نے اپنے پیچھے چھپائی چیز اسے دکھائی۔وہ سرخ گلابوں کے گجرے تھے۔جنہیں دیکھ کر اسرا مسکرا اٹھی۔

محب نے انتہائی نرمی سے اس کے مخروطی انگلیو ں والے ہاتھوں کو تھاما اور ان میں گجرے پہنائے۔وہ آنکھوں میں محبت لیے اسرا کو دیکھ رہا تھا۔اسرا کو اس کی نظروں کی تپش سے اپنے گال دہکتے محسوس ہو رہے تھے۔وہ ابھی بھی اسرا کے ہاتھوں کو تھامے کھڑا تھا۔اس نے اسرا کے سجے ہاتھوں کو اپنی ناک کے قریب کیا اور مہندی اور گلاب کے پھولوں کی مہک کو اپنے اندر اتارا۔محب کی گرم سانسیں اسرا کو اپنے ہاتھوں پر محسوس ہو رہی تھیں۔

اب وہ اپنی چیل سی نظروں سے اسرا کی ہتھیلی پر اپنا نام ڈھونڈنے لگا جو اسے زرا سی تگ ودو کے بعد مل ہی گیا۔

"محترمہ ! نام تھوڑا سا چھپا کر لکھوانا تھا۔"وہ اسکی ہتھیلی پر لکھے اپنے نام پر انگلیاں پھیر رہا تھا۔اسرا کے چہرے پر حیرانی در آئی۔بےچاری فضہ نے اتنی محنت کے ساتھ اسکا نام چھپا کر رکھا تھا اور ان موصوف نے ایک منٹ میں ہی اس کی محنت پر پانی پھیر دیا۔

پھر محب نے آرام سے اس کے ہاتھوں کو چھوڑ دیا۔اسرا کو لگ رہا تھا کہ وہ ابھی گر جائے گی۔اس کے چہرے کے تاثرات کو دیکھ کر محب نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے بیڈ پر بٹھا دیا۔اب وہ اپنی پاکٹ سے کچھ نکال رہا تھا۔اسرا کے کچھ سمجھنے سے پہلے وہ نیچے اس کے قدموں میں جھک چکا تھا۔

اس سے پہلے وہ اپنے ہاتھ اسرا کے پاؤں کی جانب بڑھاتا۔اسرا جھٹکے سے اپنے پاؤں پیچھے کر گئی۔محب نے وہیں فرش پر گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے اسرا کی جانب سے سوالیہ نظروں سے دیکھا جس پر اسرا نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں آپ کو اپنے قدموں میں جھکنے نہیں دوں گی۔" وہ اب کی بار دو ٹوک لہجے میں بولی۔محب کے ہاتھ میں سنہری پائل موجود تھی۔

"آپ پلیز نیچے سے اٹھیں۔"وہ بالکل اسرا کے پاس بیٹھا تھا۔وہ کھڑی بھی نہیں ہو سکتی تھی۔اس کی بات پر محب نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کے پیروں کی جانب ہاتھ بڑھایا اور اس کے مومی پاؤں کو تھام کر اس میں سنہری پائل پہنا دی۔وہ اب اپنی نرم نظروں سے اسرا کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"میں کیوں نہ جھکوں ؟" محب نے سر اٹھا کر اس سے استفسار کیا۔

”بس میں نہیں چاہتی کہ آپ میرے آگے کبھی بھی جھکیں۔اس لیے پلیز کھڑے ہو جائیں۔“محب اس کی بات سنتا مسکرایا تھا۔مگر پھر بھی وہیں بیٹھا رہا۔

”میں نے تو سنا تھا کہ لڑکیوں کو بہت شوق ہوتا ہے ان کے شوہر ان کے سامنے جھکیں۔“وہ ایک لمحے کو بھول گیا کہ سامنے بیٹھی لڑکی ڈاکٹر اسرا یاسر تھی۔

”محترم ! عورت کبھی بھی یہ نہیں چاہتی کہ اس کا شوہر اس کے آگے جھکے۔وہ بس اس کے دل پر حکمرانی کرنا چاہتی ہے۔جہاں اس کے علاوہ کسی دوسری عورت کا خیال بھی نہ بھٹکے۔“اس کے جواب جواب نے محب کو ایک دفعہ پھر لاجواب کیا تھا۔محب نے اسرا کا ہاتھ تھاما اور اپنے دل کے مقام پر رکھا۔اسرا کو اس کے دل کی دھڑکن کی رفتار محسوس ہو رہی تھی۔دھک ! دھک ! دھک !!

”یہاں صرف آپ تھیں ، آپ ہیں اور ہمیشہ آپ ہی رہیں گی۔“ وہ پر شدت لہجے میں بولا تھا۔

” اور آپ کیا چاہتے ہیں ؟ “ اسرا کے سوال پر محب نے اس کا ہاتھ چھوڑا۔

”کچھ بھی نہیں۔اب تو محب رضا حسین کو کچھ بھی نہیں چاہیے۔آپ جیسی بھی ہیں۔میرے لیے خاص ہیں۔“اب وہ نیچے سے اٹھا اور اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

"میں نے آپ سے ایک وعدہ کیا تھا۔اب اس وعدے کو پورا کرنے کا وقت آ چکا ہے۔"محب کے بولنے پر اسرا نے حیرانی سے اس کی جانب دیکھا۔پھر اسے یاد آیا کہ محب نے اسے کچھ بتانے کا وعدہ کیا تھا۔

یوں جو تکتا ہے آسمان کو تو

کوئی رہتا ہے آسمان میں کیا؟

یہ مجھے چین کیوں نہیں پڑتا؟

ایک ہی شخص تھا جہان میں کیا ؟

حارث ریش ڈرائیونگ کرتا ہوا شاہ ولا پہنچا۔مگر دروازے پر ہی گارڈ نے اسے روک دیا۔حارث گاڑی کا دروازہ بند کرتے ہوئے اترا اور گارڈ کا گریبان پکڑ لیا۔

"تم ہوتے کون ہو مجھے اندر جانے سے روکنے والے ؟" گارڈ نے اپنی نظریں جھکا دیں۔مگر دروازہ نہیں کھولا۔

"فیصل سر کا حکم ہے کہ آپ کو ہرگز اندر نہ آنے دیا جائے۔"

"تمہارے فیصل سر کی ایسی کی تیسی۔ہٹو یہاں سے۔ورنہ گاڑی تمہارے اوپر چڑھا دوں گا۔" وہ انگلی اٹھاتا اسے وارن کر رہا تھا۔جبکہ گارڈ بڑبڑاتا ہوا دروازہ کھول گیا۔ایک تو اس فیصل سر کے سارے دوست بدمعاش قسم کے تھے!!

حارث نے دروازہ کھلنے پر گاڑی جلدی سے اندر کی جانب بڑھائی۔وہ بھاگتا ہوا فیصل کے کمرے میں گیا۔مگر خالی کمرہ اس کا منہ چڑھا رہا تھا۔وہ کمرے میں ٹہلنے لگا۔فیصل ہاسپٹل نہیں تھا،آفس میں بھی نہیں تھا۔پھر کہاں تھا؟ پھر یکدم اس کے دماغ میں ایک خیال آیا۔

وہ جلدی سے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھا۔وہاں سے بیسمنٹ کو ایک خفیہ دروازے جاتا تھا۔اب وہ تیزی سے زینے پھلانگتا بیسمنٹ میں پہنچا۔فیصل بیسمنٹ کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے اندھیرے میں بیٹھا تھا۔

اسکا سر گھٹنے پر موجود تھا جبکہ گود میں ایک لال دوپٹہ تھا۔حارث کو معلوم تھا کہ وہ لال دوپٹہ کس کا تھا۔

آج ساری دیواریں اور آلات بھی فیصل کے ساتھ ساتھ افسردہ تھے۔ان سے فیصل کی یہ حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔حارث ایک لمحے کو اسے وہاں بیٹھے دیکھ کر ساکن ہو گیا۔

کیا یہ وہی فیصل احمد تھا؟ جو اس پر حکم چلاتا تھا۔ وہ جو کسی کی ایک نہیں سنتا تھا ! جس کے آگے بڑے سے بڑے لوگ خاموش ہو جایا کرتے تھے ! کیا یہ وہ فیصل احمد تھا جسے کسی چیز سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا؟

حارث نے نفی میں سر ہلایا۔یہ وہ فیصل احمد بالکل بھی نہیں تھا۔ یہ تو اپنی بدقسمتی کا روگ مناتا ہوا کوئی کمزور انسان تھا۔جسے اپنے آپ سے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ یہ اس کا دوست فیصل احمد نہیں تھا۔

قسمت سے ہارے لوگ جب ٹوٹتے ہیں پھر سخت دل بن جاتے ہیں، پتھر بن جاتے ہیں۔ پھر انہیں کسی کی پرواہ نہیں رہتی۔ اب تو اس کے پاس کھونے کو اسرا بھی نہیں تھی۔ اب کون سا فیصل جنم لینے والا تھا؟؟

حارث بھاگتا ہوا فیصل کے پاس بیٹھ گیا۔فیصل نے آہٹ پر سر اٹھا کر دیکھا تو حارث اس کی آنکھیں دیکھ کر پیچھے کی جانب کھسکا تھا۔بیسمنٹ میں بلب کی مدھم روشنی میں اس کی آنکھیں لہو ٹپکا رہی تھیں۔وہ اب رو نہیں رہا تھا۔اس کا بے تاثر چہرا دیکھ کر حارث کو احساس ہوا کہ اسے پہنچنے میں دیر ہو چکی تھی۔

فیصل کے چہرے پر طوفان کے بعد میں ہونے والی آہ و بکا نہیں تھی۔وہ سسکیاں بھر چکا تھا،وہ آنسو بہا چکا تھا۔اب تو حارث کو اس کے چہرے پر طوفان سے پہلے کی خاموشی نظر آ رہی تھی۔

”ڈاکٹر اسرا کا نکاح ہو گیا ہے۔“ حارث کے مدھم لہجے سے کہنے پر بھی فیصل نے کوئی تاثر ظاہر نہیں کیا۔اب حارث کو ڈر لگ رہا تھا۔وہ کچھ ری ایکٹ کیوں نہیں کر رہا تھا؟؟ کچھ بول کیوں نہیں رہا تھا؟؟ حارث نے اس کے کندھوں کو جھنجھوڑا۔

”فیصل ! ڈاکٹر اسرا کا محب کے ساتھ نکاح ہو گیا ہے۔“ فیصل خالی خالی نظروں سے حارث کے چہرے کی جانب دیکھتا رہا۔حارث کے دماغ میں کسی بڑی انہونی کی گھنٹیاں بجنا شروع ہو چکی تھیں۔وہ جلدی سے اٹھا۔فیصل ابھی بھی بے تاثر چہرہ لیے بیٹھا رہا۔حارث واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں پانی کا گلاس

تھا۔اس نے گلاس فیصل کے چہرے کی جانب بڑھایا۔جسے اس نے جھٹک دیا۔حارث کا دماغ خراب ہو رہا تھا۔

"کیا تم نے میری بات نہیں سنی ؟ "اب کی بار وہ چلایا تھا۔

"کیا کروں؟ بتاؤ کیا کروں؟" اس کی سرد آواز دیواروں سے ٹکرائی۔حارث نے فیصل کو کھڑا کرنے کی کوشش کی۔مگر اس نے حارث کے ہاتھ کو جھٹک دیا۔اب وہ دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

"تم نے نکاح رکوانے کی کوشش کیوں نہیں کی ؟" فیصل نے اس کی بات پر قہقہہ لگایا۔اس کے قہقہے کی گونج پوری بیسمینٹ میں سنائی دینے لگی۔

"میں فیصل احمد ، اپنے ہاتھوں سے اپنی محبت ہار کر آیا ہوں۔" اب کی بار وہ اذیت بھرے لہجے میں بولا۔اس کی گود میں ابھی بھی وہ لال دوپٹہ موجود تھا۔یہ وہی دوپٹہ تھا جو وہ دلاور شاہ کے فارم ہاؤس سے کچھ ثبوتوں کے ساتھ لایا تھا۔یہ اس کی ماں کا ڈوپٹہ تھا۔حارث فیصل کی بات سنتا اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

" جاؤ یہاں سے۔میری روح تھکی ہوئی ہے۔اسے سکون چاہیے۔" فیصل کی بات پر حارث نے پتھرائی ہوئی نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

" پہلے روح کی پہچان تو کر لو۔پہلے یہ تو تلاش کر لو کہ تم ہو کون ؟ فیصل احمد ! تمہیں ایک کڑوا سچ بتاؤں ؟؟" وہ بے تاثر لہجے میں بولا۔فیصل نے اپنی آنکھیں کھولیں اور اس کی جانب دیکھا۔

"تم حیوان نہیں ہو۔تم کبھی بھی محب کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔اور یہ بات تم بھی اچھے سے جانتے ہو ۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولا اس کی بات پر فیصل خاموش رہا تھا۔

"تم گئے تھے نا ؟؟ "اب فیصل نے دیوار سے اپنا سر ٹکائے آنکھیں موندتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"ڈاکٹر اسرا کو کیوں نہیں لے کر آئے ؟ "وہ تعجب میں تھا کہ فیصل نے اپنی محبت کو کسی اور کا کیوں ہونے دیا ؟؟

" قسمت نے ساتھ نہیں دیا۔"وہ یوں ہی آنکھیں موندے بیٹھا تھا۔اس کی بات پر حارث پر سکتہ طاری ہو گیا۔یہ وہ فیصل احمد نہیں تھا۔جو مقدروں سے لڑنے کی باتیں کیا کرتا تھا۔جو خود تقدیر بدلنے

پر یقین رکھتا تھا۔اس کے سامنے تو قسمت کے فیصلوں پر سمجھوتا کرنے والا ایک بے بس انسان بیٹھا تھا۔حارث نے نفی میں سر ہلایا۔

"تم فیصل نہیں ہو۔۔" اسکی بات پر فیصل کا قہقہہ گونجا۔

"تم جس فیصل احمد کو جانتے تھے۔وہ مر چکا ہے۔میں ابھی اسے اپنے ہاتھوں سے دفنا کر آیا ہوں۔" اب اس نے اپنی آنکھیں کھولیں تو وہ لہو ٹپکانے کو تیار تھیں۔" اب تمہارے سامنے جو فیصل احمد بیٹھا ہے۔تم اسے بالکل بھی نہیں جانتے۔"وہ اب بے تاثر لہجے میں بولا تھا۔حارث کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔

" تم نے فیصل کو مار ڈالا۔۔ مگر یہ بتاؤ اچھے والے کو مارا ہے یا برے والے کو ؟؟" حارث کی بات پر فیصل ٹھٹکا تھا۔اس نے خونخوار نظروں سے حارث کی جانب دیکھا۔

"تمہیں میں بتاؤں گا کہ میرے اندر سے کون سا فیصل مرا ہے۔" وہ غرایا۔

"کس نے مارا ہے؟ محب رضا حسین نے ؟" حارث اپنے سوالوں سے اسے زچ کر رہا تھا۔اس کی بات پر فیصل نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔

"اس انسان کا میرے سامنے نام بھی مت لو۔" اب ہنسنے کی باری حارث کی تھی۔

"اچھا مذاق تھا۔بہت اچھا مذاق تھا۔مجھے بہت پسند آیا۔"یکدم وہ سنجیدہ ہو گیا۔

"ہو گیا نا ان کا نکاح؟ اب تم بھی شادی کر لو۔" بس یہاں پر فیصل کے ضبط کی انتہا تھی۔وہ جبڑے بھینچے حارث کا گریبان پکڑ گیا۔حارث اس کی حرکت پر ششدر رہ گیا۔

" ایک دفعہ اور اگر یہی جملہ بولا پھر اپنی حالت کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔"اس نے ٹھیک کہا تھا۔وہ فیصل احمد کو دفنا آیا تھا اور جو اس کے سامنے کھڑا تھا وہ اس کا دوست نہیں تھا۔

"میں نے ٹھیک ہی تو کہا ہے کر لو اپنی کزن سے شادی اور۔۔" اس کی بات کے مکمل ہونے سے پہلے فیصل کا مکا اس کے جبڑے پر پڑا تھا۔حارث پھٹی پھٹی آنکھوں سے فیصل کو ایسے دیکھ رہا تھا۔ جیسے یقین کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"تم نے مجھے مارا ؟" وہ صدمے کی کیفیت میں بولا تو فیصل نے اپنی شرٹ کے بازو موڑے۔

"ہاں مارا اور اس سے بھی برا کر سکتا ہوں۔" فیصل کے سرد لہجے پر حارث نے اپنا سر جھٹکا۔

”مجھے دلاور شاہ کے لیپ ٹاپ کے ساری انفارمیشن چاہیے ۔میں جلد از جلد اسے بربادی میں گھرا دیکھنا چاہتا ہوں۔“اب وہ اِدھر اُدھر گھوم رہا تھا۔دوپٹے کو وہ میز پر رکھ چکا تھا۔اس کی آنکھوں میں جنون تھا۔کوئی درد نہیں تھا۔

”تم اب اسرا کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرو گے؟“ اس کی بات پر فیصل کے چلتے قدم رکے اور لہو ٹپکاتی نظروں سے حارث کی جانب دیکھا۔

”تم یقیناً مرنے کا ارادہ رکھتے ہو۔اگر رکھتے ہو تو سیدھا سیدھا بتاؤ۔ابھی پسٹل سے۔۔۔“ وہ ایک لمحے کو رکا۔پھر دیوار پر نصب آری کو دیکھا اور اس کی جانب بڑھا۔

”بلکہ پسٹل سے کیوں ؟ اس آری سے مارنا چاہیے۔مجھے مارنے میں بھی مزہ آئے گا اور تمہیں مرنے میں بھی۔۔۔کیسا خیال ہے ؟“ اس کے شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھنے پر حارث نے بامشکل اپنا تھوک نگلا تھا۔مرنے میں کون سا مزہ آتا ہے ؟؟

"بہت برا خیال ہے۔" وہ آہستہ آواز میں بڑبڑایا تو فیصل کا قہقہہ گونجا۔وہ کچھ دیر پہلے والی حالت سے بالکل مختلف لگ رہا تھا۔حارث کا دل کر رہا تھا کہ وہ اپنا سر دیوار میں دے مارے۔وہ یہاں آیا ہی کیوں تھا؟؟

" پھر چپ کر کے میری بات سنو۔" وہ بولا تو حارث منہ بنا کر رہ گیا۔

"مگر مجھے جانا تھا۔"وہ منمنایا تو فیصل اس کی جانب بڑھا اور اسے دیوار کی جانب دھکیلا۔

"مجھے اب وہ نہیں چاہئیں۔ سمجھ آئی تمہیں؟ فیصل احمد خود انہیں چھوڑ کر آیا ہے اور ایک دفعہ چھوڑی گئی چیزوں کی جانب دوبارہ رخ کرنا عزتِ نفس کی توہین ہوتی ہے۔"اس نے سرد لہجے میں کہتے ہوئے ایک لمحے کا توقف لیا۔

" اور فیصل احمد اب اسرا یاسر کی جانب کبھی نہیں لوٹے گا۔یہ بات اپنے چھوٹے سے ،بھوسے بھرے دماغ میں بٹھا لو۔"اب فیصل نے اس کے سر کی جانب اشارہ کیا تو اس نے ڈرتے ہوئے اثبات میں سرہلایا۔

"گڈ! اب دلاور شاہ کا لیپ ٹاپ حاصل کرنے کے لیے پلان بناؤ۔"حارث کو ایک بات یاد آئی۔

"فیصل !!" حارث نے اِدھر سے اُدھر ٹہلتے فیصل کو دیکھتے ہوئے کہا۔ایک تو پتہ نہیں اپنے اندر کون سا سافٹ ویئر اپڈیٹ کروا کر آیا تھا کہ اسے بلانے سے بھی ڈر لگ رہا تھا۔

"ہمم۔" وہ سوچتے ہوئے بولا تو حارث نے اپنا تھوک نگلا۔

"کل شاہ سردار آرہے ہیں۔" اس کی بات پر فیصل رکا اور ایک طرف پڑی لکڑی کی کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ رکھتا بیٹھ گیا۔اب حارث اس کی جانب بڑھ رہا تھا۔

" جانتا ہوں۔" اس کے بولنے پر حارث نے اپنا سر جھٹک کر برا منہ بنایا۔

"مگر یہ نہیں معلوم ہوگا کہ کیوں آرہے ہیں ؟" اس کی بات پھر فیصل نے تیکھی نظروں سے حارث کی جانب دیکھا۔

" دلاور شاہ کی حفاظت کرنے کے لیے اپنے پالتو کتوں کو لا رہے ہیں۔مگر ہمارا ان سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ہمیں صرف دلاور سے انتقام لینا ہے۔"اب کی بار حارث مسکرایا تھا۔اسے اصل بات تو معلوم ہی نہیں تھی۔

"اگر جان کی امان پاؤں تو اصل بات بتانے کی ہمت کروں گا۔" وہ ڈرامائی انداز میں اس کے آگے ہاتھ باندھتے ہوئے بولا تو فیصل نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

" وہ تمہاری شادی کروانے آ رہے ہیں۔" یہ جملہ سنتے ہی فیصل کے چہرے پر کرخت تاثرات چھا گئے۔

" ان کا مجھ پر اور میری زندگی پر کوئی حق نہیں ہے۔اس لیے وہ میرے بارے میں ایسے فیصلے نہیں لے سکتے۔" اسے غصہ آرہا تھا کہ کوئی دوسرا انسان اس کی زندگی کے فیصلے کیسے لے سکتا تھا۔

"فیصل احمد ! تم دنیا کی نظروں میں فیصل شاہ ہو اور شاہ سردار کے اکلوتے پوتے۔انہیں تم سے اپنی نسل کو آگے بڑھانا ہے۔" حارث کی بات پر اس نے اپنا سر جھٹکا۔وہ بھی دیکھتا ہے کہ یہ شاہ سردار اس کی شادی کیسے کرواتے ہیں؟؟

اور کیا دلکش کیا بدصورت ؟

ہر چہرے پر نقاب ہے ، ہر شخص با حجاب ہے

محب کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کہاں سے شروع کرے۔اس نے اپنے ملائم بالوں پر ہاتھ پھیر کر اسرا کو دیکھا۔جو اسی کو دیکھ رہی تھی۔محب نے لمبا سانس بھرا اور پاکٹ سے والٹ نکال کر اسرا کے سامنے رکھ دیا۔اور پھر وہ جھکا اور جوتے سے کوئی چیز نکالی۔اسرا کی آنکھیں گن کو دیکھ کر حیرانی سے پھیل گئیں۔محب نے وہ گن بھی اسرا کے سامنے رکھی اور اب کھڑا ہو گیا۔

" والٹ کھولیں اسرا !" اسرا نے اپنے ہاتھ والٹ کی جانب بڑھائے اور اسے کھولا۔سامنے ہی ایک لائسنس کے اوپر اس کا نام جگمگا رہا تھا۔

" ایجنٹ ایکس محب رضا حسین۔" اسرا نے حیرانی سے محب کی جانب دیکھا۔اس نام کو پڑھتے ہی اسرا کھڑی ہو گئی۔مگر اب اس کے چہرے پر تعجب نہیں تھا۔اسے اندازہ تھا کہ محب کا تعلق کسی نہ کسی ڈیٹیکٹو ایجنسی سے ضرور تھا۔محب بے چینی سے اس کے بولنے کا انتظار کر رہا تھا۔اور وہ تھی کہ خاموشی سے اسے تکے جا رہی تھی۔

"کچھ بولیں زوجہ !"

”آپ ایک ڈیٹیکٹو ہیں۔ویری امپریسو۔“ اب کی بار وہ مسکرائی تو محب نے سکھ کا سانس لیا۔پھر اسرا نے ایجنسی کا نام پڑھا۔

” خانز سکیورٹی اینڈ ڈیٹیکٹو ایجنسی۔“ اب وہ کسی سوچ میں گم ہو گئی۔خان !! خان !! اسے منال کے بابا یاد آگئے۔

”حمید خان !!“ محب اپنی زوجہ کی ذہانت پر مسکرا اٹھا۔

”میں نے کہا تھا نا کہ حسین ہونے کے ساتھ ساتھ ذہین نہیں ہونا چاہیے۔“ اس کے مسکرا کر بولنے پر اسرا کو اپنا جواب مل گیا تھا۔اس نے ہلکے سے شانے اچکائے۔

” محترمہ ! کیا آپ میری پوری بات سننا پسند کریں گی ؟؟“ محب کے ایک ابرو اٹھا کر پوچھنے پر اسرا نے کمرے کے بند دروازے کی جانب نگاہ ڈالی۔

”فکر نہ کریں۔باہر سب لوگ ڈنر کرنے میں مصروف ہیں۔کوئی ہمیں ڈسٹرب نہیں کرے گا۔۔“ وہ ایک ہی نظر میں جان چکا تھا کہ اسرا کیا سوچ رہی تھی۔اسرا کے چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی۔اب محب اسرا کو لیے صوفے کی جانب بڑھا۔

"یہ سب فیصل سے ملنے کے بعد شروع ہوا تھا۔" وہ اپنے ذہن میں باتوں کو دہرا رہا تھا۔اسرا کا سارا دھیان محب کی جانب تھا۔جبکہ محب اس کی جانب دیکھنے سے احتیاط برت رہا تھا۔

"فیصل سے ملنے کے تقریباً ایک مہینے کے بعد میں رات کو اس سے ملنے جا رہا تھا کہ راستے میں ، میں نے ایک آدمی کو کسی دوسرے آدمی پر گن تانے کھڑا دیکھا۔وہ اس سے دلاور شاہ کے بارے میں کچھ پوچھ رہا تھا۔" اسرا سوچ رہی تھی کہ وہ آدمی کون ہو سکتا تھا !!

"وہ راستہ کافی سنسان تھا کیونکہ پاس ہی قبرستان تھا۔جس وجہ سے وہاں کوئی اور نہیں تھا۔"اس کی بات پر اسرا نے ابرو اٹھا کر اسے دیکھا۔

"آپ اس سنسان رستے پر کیا کر رہے تھے؟" اس کی بات پر محب مسکرایا۔

"بابا سے ملنے گیا تھا۔"اس کی بات پر اسرا نے اثبات میں سر ہلایا۔

"پھر اس آدمی نے دوسرے کو مار ڈالا اور اسی لمحے اس کی مجھ پر نظر پڑ گئی۔" اسرا کو اپنی دل کی دھڑکن تیز ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔

” پھر میں نے بھاگنے کی کوشش کی مگر اس نے مجھے پکڑ لیا۔“محب نے آنکھیں بند کر کے ان لمحات کو یاد کیا جب وہ اس آدمی کے سامنے سر جھکائے کھڑا تھا۔

”کون تھا وہ ؟“ اسرا کے پوچھنے پر محب نے اپنی آنکھیں کھولیں اور مسکرایا۔

”حمید خان۔چیف حمید خان، خانز سیکیورٹی اینڈ ڈیٹیکٹو ایجنسی کے فاؤنڈر اور جس آدمی کو انہوں نے مارا تھا وہ دلاور شاہ کا دوست تھا۔“ اسرا نے اثبات میں سر ہلایا۔

” پھر کیا ہوا ؟ “ وہ محب کے بارے میں سب کچھ جاننا چاہتی تھی۔

” پھر وہ مجھے اپنی ایجنسی لے گئے۔ وہاں مجھ سے پوچھ گچھ کی۔مجھے پتہ چل چکا تھا کہ وہ ایک ڈیٹیکٹو ایجنسی چلا رہے ہیں۔“ اسرا خاموشی سے اسے سن رہی تھی۔

”وہاں انہوں نے میرے سامنے ایک آفر رکھی۔“ اب اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔مگر نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔

”کیسی آفر ؟؟“

"کہ وہ مجھے سب کچھ سکھائیں گے۔ایجنسی کا سب سے شارپ اور خاص شوٹر بنائیں گے اور بدلے میں مجھے انہیں فیصل اور دلاور شاہ کے بارے میں ہر خبر سے آگاہ کرنا ہوگا۔" اسے آج بھی وہ دن یاد تھا جب حمید خان نے اس سے یہ بات کی تھی۔

" وہ فیصل کو بھی ایجنسی کا حصہ بنا لیتے۔انہوں نے فیصل کو بھی ایجنٹ کیوں نہیں بنایا تھا ؟؟" اسرا الجھن بھرے انداز میں بولی تو محب اس کی بات پر مسکرایا۔

"اسرا ! وہ فیصل احمد ہے۔اسے کسی کے حکم کی پابندی کرنا نہیں آتی۔وہ صرف حکم دینے کے لیے پیدا ہوا ہے۔وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔اگر ایجنسی کا حصہ بننا تھا تو چیف کا ہر حکم بھی ماننا تھا۔جو وہ ہرگز نہیں مانتا۔" محب کے کہنے پر اسرا نے اثبات میں سر ہلایا۔

"پتہ ہے چیف اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں ؟ "اسرا نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

".He is a broken angel with an evil mind "

"چیف کے مطابق اسے اپنے طریقے سے کام کرنے دینا چاہیے۔ہم نے اپنے طریقے سے دلاور کے خلاف ثبوت ڈھونڈے اور فیصل نے اپنے طریقے سے۔۔۔"

"مگر آپ سب کے ہوتے ہوئے بھی دلاور شاہ اب تک آزاد کیوں گھوم رہا ہے ؟؟" اسرا اس کی بات کاٹتی بولی۔اب اسے محب کی جھکی نظروں سے کوفت ہو رہی تھی۔

" آپ میری طرف کیوں نہیں دیکھ رہے ؟" اس سے پہلے محب کچھ بولتا اسرا دوبارہ بولی تھی۔وہ سر کو جھکاتا مسکرا اٹھا۔

" آپ کو دیکھ کر بولوں گا تو ساری باتیں بھول جاؤں گا۔"اس کی بات پر اسرا کے چہرے پر گہری مسکراہٹ پھیل گئی۔

" محترم ! اب ساری عمر ساتھ ہی رہنا ہے۔ پھر ابھی سے دیکھنے کی عادت ڈال لیجیے۔" وہ اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے بولی تو محب نے چمکتی سرمئی آنکھوں سے اسرا کے چہرے کی جانب دیکھا۔

"اگر انہیں آپ کو دیکھنے کی عادت پڑ گئی پھر یہ آنکھیں کسی دوسرے منظر کی طرف دیکھنا پسند نہیں کریں گی۔" محب کے پاس اس بات کا بھی جواب موجود تھا۔اس کے جواب پر اسرا نے اپنا سر جھٹکا۔

"چھوڑیں ! آپ میری بات کا جواب دیں کہ آپ لوگ اسے پکڑ کیوں نہیں پائے ؟ " وہ گفتگو کا رخ پہلے کی جانب موڑ چکی تھی۔اب محب اسی کی جانب دیکھ رہا تھا

" اسرا ! اس کا بیک گراؤنڈ سیاسی ہے اور وہ پچھلے 10 سالوں سے منسٹر ہے۔اسے ایکسپوز کرنا بہت مشکل ہے۔اس کے لیے پراپر پلین کی ضرورت ہے۔"

" آپ سب کو اپنی ایک ٹیم بنانی ہوگی۔جس میں آپ ہوں ، چیف ہوں، فیصل ہو اور ارمان ہو ۔"محب نے اس کی بات پر سر ہلایا تھا۔اسے پتہ چل چکا تھا کہ ارمان کو چیف نے ایجنسی کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔مگر آج والے واقعے کے بعد کیا فیصل ان کا ساتھ دے گا ؟

"کیا فیصل ہمارے ساتھ کام کرے گا ؟"محب کی بات پر اسرا کو آج کا واقعہ یاد آیا۔اس نے محب کے چہرے کی جانب دیکھا۔

"مجھے آپ کو کچھ بتانا ہے۔"اسرا اسے ساری بات بتاتی چلی گئی۔محب کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔محب کو خاموش دیکھ کر اسرا گھبرائی محب آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔اسرا نے آہستگی سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔محب نے چونک کر اپنی آنکھیں کھولیں تو اپنے ہاتھ پر اس کا ہاتھ دیکھ کر سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی۔

”محترمہ ! آپ ایسا کیوں کر رہی ہیں ؟ “وہ بے بسی سے مسکراتے ہوئے بولا تو اسرا نے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

”میں کیا کر رہی ہوں؟ “ اس کے گھبرائے سے انداز میں کہنے پر محب کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

”آپ اس ایجینٹ ایکس کو اپنے قابو میں کر رہی ہیں۔“ اس کی بات پر اسرا اپنا سر جھکا گئی۔

”میں کب آپ کو قابو کر رہی ہوں۔“ وہ خفگی بھرے انداز میں بولی تھی۔اسرا نے پہلی دفعہ اس سے خفگی کا اظہار کیا تھا۔وہ خفا کرنے کا حق بھی کچھ ہی لوگوں کو دیا کرتی تھی۔اور نکاح کے دو بول کے بعد محب بھی ان لوگوں میں شامل ہو چکا تھا۔

”کر تو رہی ہیں!!! میرے دل کے اندر جھانک کر دیکھیے۔“ اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔محب نے برا منہ بنایا۔اسے یہ مداخلت بالکل بھی پسند نہیں آئی تھی۔

”چھوٹی بی بی ! باہر آ جائیں۔سب انتظار کر رہے ہیں۔“ نجمہ کی آواز پر اسرا نے اپنی مسکراہٹ دبائی اور کھڑی ہو گئی۔

”چلیں محترم ؟“ اس کی بات پر محب بھی بادل ناخواستہ کھڑا ہو گیا اور اپنا ہاتھ اسرا کے جانب بڑھایا۔

”جی محترمہ ! چلیں۔“اسرا نے جھجکتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما تو وہ مسکرا اٹھا۔اب وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامتے باہر کی جانب بڑھ رہے تھے۔

چلو وہ عشق نہیں چاہنے کی عادت ہے

پھر کیا کریں ہمیں ایک دوسرے کی عادت ہے

اور میں کیا کہوں کہ مجھے صبر کیوں نہیں آتا

میں کیا کروں کہ تجھے دیکھنے کی عادت ہے

وہ دونوں باہر پہنچے تو آدھے سے زیادہ مہمان جا چکے تھے۔اب لان میں بس منال ،کنزیٰ ، فضہ اور احمد ولا کے لوگ موجود تھے۔

وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے باہر آتے ہوئے اس قدر خوبصورت لگ رہے تھے کہ ان سب نے انہیں ہمیشہ اکٹھے رہنے کی دعا دی۔

”محترم ! میرا ہاتھ چھوڑ دیں۔سب دیکھ رہے ہیں۔“

اسرا نے ان سب کو دیکھتا پا کر محب سے آہستہ آواز میں کہا تو محب مسکرا اٹھا۔

”محترمہ ! یہ تو تھامنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔اب تھام لیا ہے تو زندگی بھر نہیں چھوڑوں گا۔“وہ اس کے ہاتھ پر اپنی گرفت مضبوط کرتا ہوا بولا۔

اب وہ دونوں اسٹیج پر بیٹھ گئے اور محب نے اسرا کا ہاتھ اپنے گود میں رکھ لیا تھا۔وہ ابھی بھی اس کے ہاتھ کی محفوظ گرفت میں تھا۔اسی لمحے وہ سب اسٹیج پر آ گئے۔

نعمان انہیں دیکھ کر مصنوعی انداز میں کھنکارا۔

”واہ بھئی واہ! ماشاءاللہ ! آپ دونوں تو اکٹھے بہت پیارے لگ رہے ہیں۔“ اس بات پر محب مسکرایا تھا۔

وہ آج وہ دل سے اللہ کا شکر گزار تھا کہ اللہ نے اسے اتنی بڑی نعمت سے نوازا۔یہ نعمت اس کے تمام خساروں ، تمام محنتوں سے بہت بڑی تھی۔

ہاں! اس کے دل میں فیصل کے لیے ایک ملال تھا۔اسے معلوم تھا کہ اب وہ اس سے دور ہو جائے گا۔مگر محب رضا حسین پہلی دفعہ خود غرض بنا تھا۔ہاں ! وہ محبت کے معاملے میں خودغرض بنا تھا۔

فیصل احمد سمجھوتا کرنے والوں میں سے نہیں تھا۔مگر زندگی بھی بعض اوقات ایسی ٹھوکریں مارتی ہے کہ محلوں میں رہنے والے نوابوں کو جھونپڑیوں میں بھی رہنا پڑتا ہے۔ہم کچھ نہیں کر سکتے۔سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہوتا ہے۔

اگر ہمارے مطابق کچھ نہیں ہوتا تو اس میں بھی اللہ کی کوئی نہ کوئی خیر موجود ہوتی ہے۔جو ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہوتی ہے۔جسے ہم دیکھ نہیں پاتے۔جب مشکل وقت گزر جاتا ہے۔پھر کبھی آسمان کو دیکھتے ہوئے، تنہائیوں میں ، سرد راتوں میں بیٹھے ہوئے ، بارش کے قطروں کو دیکھتے ہوئے ہم اپنے آپ پر ہنس دیتے ہیں کہ وہ کیا چیز تھی جس کے پیچھے ہم بھاگ رہے تھے!!

پھر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اس چیز کے لیے جو ہمارے پاس موجود ہوتی ہے۔بے شک اللہ بہترین حکمت والا ہے۔انسان کی زندگی میں بہت سے اتار چڑھاؤ آتے ہیں ، مختلف اسٹیجز آتے ہیں اور ان

مختلف اسٹیجز میں وہ مختلف چیزوں کے پیچھے بھاگتا ہے۔خود کو ہلکان کرتا رہتا ہے۔ایک خواہش پوری کی تو دوسری کے پیچھے بھاگتا ہے۔دوسری کے بعد تیسری۔۔۔ایسے ہی وہ اپنے آپ کو تھکاتا ہے۔

اگر ایک خواہش پوری نہیں ہوتی تو وہ روتا ہے، چلاتا ہے۔۔۔۔اللہ سے شکوہ کرتا ہے کہ اس کی اس خواہش کو پورا کیوں نہیں کیا گیا ؟؟ شکوہ کرتے ہوئے وہ یہ تک بھول جاتا ہے کہ جہاں اس کی اتنی خواہشات پوری ہوئیں وہاں اس ادھوری رہ گئی خواہش کا کیا ملال؟؟

جہاں اللہ نے اتنا سب کچھ دیا ہے۔تو یہ ایک چیز نہیں دی تو کیا ہوا ؟

پھر اس کے پاس دو ہی چوائسز ہوتی ہیں۔۔۔یا تو صبر سے اللہ کے فیصلے پر سر خم کر دے یا پھر روئے اور شکوہ کرے۔پھر جب وہ اس اسٹیج سے گزر جاتا ہے۔پھر وہ اپنے ہی خواہشات پر حیران رہ جاتا ہے۔

فیصل کے پاس بھی اب صرف دو ہی چوائسز تھیں کہ یا تو وہ رو دھو کر اس فیصلے کو تسلیم نہ کرے۔یا پھر خاموش رہ کر صبر کے ساتھ آگے بڑھ جائے۔اب نہ جانے وہ کیا کرتا ہے؟؟

محب نے لمبا سانس بھرتے ہوئے اپنے آپ کو سوچوں کے اس بھنور سے نکالا اور نعمان کی جانب متوجہ ہو گیا۔جو اسے شرارتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"ویسے آپ دونوں کے ہاتھ بھی بہت خوبصورت لگ رہے ہیں۔"نعمان کی بات پر اسرا نے اسے آنکھیں دیکھائیں اور ساتھ ہی اپنے ہاتھ کو محب کی گرفت سے نکالنے کی کوشش کی۔مگر محب تو ہاتھ نہ چھوڑنے کا تہیہ کیے بیٹھا تھا۔

"محترمہ ! مت کوشش کریں۔میں نہیں چھوڑ رہا۔" اب کی بار محب ہلکا سا اسرا کی جانب جھکتا ہوا بولا

۔

"یار ! میں آپ دونوں کی تعریف کر رہا ہوں اور آپ سن ہی نہیں رہے۔اپنی ہی باتوں میں مصروف ہیں۔"نعمان کے منہ بسورنے پر محب نے ارمان کی جانب دیکھا۔چیف نے ارمان کو سب کچھ بتا دینے کا آرڈر دے دیا تھا۔کیونکہ اگلے ہفتے سے ارمان اور منال کی شادی کے فنکشنز اسٹارٹ ہونے والے تھے۔جن سے پہلے انہیں ایک ٹیم بنا کر کسی نتیجے پر پہنچنا تھا۔

"ارمان اس بیچارے کے بارے میں بھی کچھ سوچو۔" محب کی بات پر سب مسکرائے تھے۔ڈاکٹر نیلوفر ، مسز رضا ، ماں جی اور بابا جان اب کرسیوں پر بیٹھے ارمان اور منال کی شادی کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔محب کی بات پر نعمان نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھا۔

" ہائے ! میں تو ابھی معصوم سا بچہ ہوں۔"وہ ڈرامائی انداز میں بولا تھا۔

"تو پھر معصوم سے بچے ! آپ اپنی نگاہوں پر قابو رکھیں۔آپ کے دل کا حال بتا رہی ہیں !!" اس کی بات پر نعمان نے اپنی نگاہیں چرائیں اور دل میں محب کو کوسا۔انہیں کیسے پتہ چلا؟؟

اس کے سامنے بیٹھی فضہ محب کی بات پر مسکرائی تھی۔اسے اس بات کی سمجھ اچھے سے آچکی تھی۔

محب اور اسرا کے صوفوں کے ساتھ دو سفید صوفے بھی ایک دوسرے کے آمنے سامنے رکھے گئے تھے۔جن میں سے ایک پر منال، کنزیٰ اور فضہ بیٹھی تھیں۔جبکہ دوسرے پر ارمان نہال اور نعمان بیٹھے تھے۔

" آپ میری آنکھوں کی بجائے اپنی بیگم پر فوکس کریں تو زیادہ اچھا ہوگا۔" نعمان کے چڑ کر بولنے پر وہ سب مسکرائے۔

" ہمارا سارا دھیان انہیں کی جانب ہے۔کیوں زوجہ ؟ " وہ ایک دفعہ پھر اس کے کان کے پاس جھکا تھا ۔اس دفعہ اسرا اس کی سانسوں کی تپش کو محسوس کرتی سٹپٹائی تھی۔اس کا چہرہ ٹماٹر کی طرح لال ہو گیا۔وہ سب ان کی حرکتوں کو انجوائے کر رہے تھے۔

" آپ ذرا پیچھے ہو کر نہیں بیٹھ سکتے ؟"

ان دونوں کو ایک دوسرے سے باتیں کرتا دیکھ کر نعمان نے پھر سے منہ بنایا۔پھر سے شروع ہو گئے۔ہم تو بیٹھے دکھائی ہی نہیں دے رہے !!

"نہیں بیٹھ سکتے۔" اس کی بات پر اسرا خود ہی پیچھے کی جانب کھسکی تھی۔اس سے پہلے محب کچھ کہتا ڈاکٹر نیلوفر ان کے پاس آئیں۔

" اسرا بیٹا ! فریش ہو جاؤ اور محب بیٹا ! گیسٹ روم میں اپ کی ضرورت کا سارا سامان موجود ہے۔ آپ بھی فریش ہو جائیں۔پھر ہم ڈنر کریں گے۔" ان سب میں سے کسی نے بھی کھانا نہیں کھایا تھا۔ فضہ گھر کے ایک خالی کمرے میں شفٹ ہو چکی تھی۔

اسی وقت کنزیٰ کھڑی ہو گئی۔

"اوکے۔اسرا! میں چلتی ہوں۔" اس کا ڈرائیور باہر انتظار کر رہا تھا۔پھر وہ ان سب سے ملی اور باہر کی جانب بڑھ گئی۔اب منال بھی جانے کا سوچ رہی تھی۔وہ بھی ارمان کو دیکھتی کھڑی ہو گئی۔

"میں بھی چلتی ہوں۔کافی ٹائم ہو گیا ہے۔" منال کی بات پر محب نے سنجیدہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔منال کا یہاں ہونا ضروری تھا۔وہ اسرا کے کان کے پاس جھکا۔

"محترمہ! منال کو روکیں۔اس کا یہاں ہونا ضروری ہے۔میں آج ہی ارمان کو سب کچھ بتانا چاہتا ہوں۔" محب کی مدھم آواز میں کی جانے والی سرگوشی پر اسرا نے اثبات میں سر ہلایا۔

"منال! آج آپ یہیں رک جائیں۔" اسرا کی بات پر منال نے حیرانی سے اس کی جانب دیکھا اور پھر محب پر ایک نظر ڈالی۔جس نے ہلکا سا اثبات میں سر ہلایا تھا۔اسے پتہ لگ گیا تھا کہ یہ ایجنٹ ایکس کچھ کرنے والا ہے!! ابھی تو اتنی مشکل سے ارمان کو منایا تھا!

"اوکے! میں رک جاتی ہوں۔" اب وہ سب ڈائننگ روم کی جانب جبکہ اسرا اور محب فریش ہونے کمروں میں چلے گئے۔

وہ سب ڈاکٹر نیلوفر کی مدد کر رہے تھے۔نعمان کچن سے کچھ لینے گیا تو وہاں فضہ کیبنٹ کھولنے کی کوشش کر رہی تھی۔مگر اس کا ہاتھ نہیں پہنچ رہا تھا۔اس نے باہر جھانکا تو سب اپنی اپنی باتوں میں مصروف تھے۔

وہ کچھ دیر فضہ کو ایسے ہی دیکھتا رہا۔اس سے پہلے فضہ مڑتی وہ دروازے کی اوٹ میں چھپ چکا تھا۔فضہ نے پورے کچن میں نظریں دوڑائیں تو اسے ایک جانب کرسی دکھائی دی۔اس نے کرسی کو اٹھا کر کیبنٹ کے نیچے رکھا اور خود اس پر چڑھ کر کیبنٹ کھول لیا۔

نعمان اس کی حرکت پر مسکرایا تھا۔فضہ نے اپنی مطلوبہ چیزیں وہاں سے اٹھائی اور نیچے اتر گئی۔نیچے اترنے کے بعد وہ جیسے ہی مڑی اس نے اپنے سامنے نعمان کو کھڑا پایا۔

"ہیلو فضہ جی! کیسی ہیں آپ ؟ نعمان نے اس کے ہرنی جیسی سیاہ آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو فضہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ٹھیک ہوں۔وہ ہچکچاتے ہوئے بولی تو نعمان مسکرایا۔

"ویسے کافی بہادر ہیں آپ!! "ان کے درمیان چند قدموں کا فاصلہ تھا۔فضہ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

"آپ کو پتہ ہے پتہ ہے آج آپ بہت خوبصورت لگ رہی ہیں۔" وہ آنکھوں میں نرمی لیے اسے دیکھ رہا تھا۔فضہ کو سمجھ نہیں آئی کہ وہ کیا کہے۔وہ اپنے ہاتھ میں باؤل تھامے جلدی سے باہر نکل گئی۔

نعمان تو اس کی پھرتی پر مسکرا کر رہ گیا۔

شام سمے ایک اونچی سیڑھیوں والے گھر کے آنگن میں

چاند کو اترے دیکھا ہم نے ،چاند بھی کیسا ؟پورا چاند!!

انشا جی! ان چاہنے والی آنکھوں نے دیکھنے والی آنکھوں نے

ملکوں ملکوں ، شہروں شہروں، کیسا کیسا ،دیکھا چاند!!

ہر ایک چاند کی اپنی دھج تھی، ہر ایک چاند کا اپنا روپ

لیکن ایسا ایسا روشن، ہنستا ، باتیں کرتا چاند!!

درد کی ٹیس تو اٹھتی تھی ، پر اتنی بھی ، بھرپور کبھی ؟؟

آج سے پہلے کب اترا تھا ؟ دل میں اتنا گہرا چاند!!

ہم نے تو قسمت کے در سے جب پائے اندھیارے پائے

یہ بھی چاند کا سپنا ہو گا، کیسا چاند؟ کہاں کا چاند؟؟

اسرا ابھی فریش ہو کر واش روم سے نکلی تھی۔اب اس کا ارادہ شکرانے کے نفل ادا کرنے کا تھا۔اس نے حجاب کیا ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔اس نے لمبا سانس بھر کر دروازہ کھولا تو اپنے سامنے محب کو کھڑا پایا۔

وہ سفید شلوار قمیص میں ملبوس ابرو کھجاتا ہوا اسے دیکھ رہا تھا۔اس کے گیلے بال پیشانی سے چپکے ہوئے تھے۔وہ اسرا کے میک اپ سے پاک چہرے کو تک رہا تھا۔نیلی شلوار قمیص کے ساتھ نیلے رنگ کے ڈوپٹے کے ہالے میں موجود چہرے نے اسے مبہوت کیا تھا۔اسرا کے گلہ کھنکارنے پر وہ ہوش میں آیا۔

"محترمہ ! اندر نہیں آنے دیں گی؟" اسرا دروازے سے ہٹی تو محب اندر آگیا۔اب وہ کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔

"محترم ! آپ کو مجھ سے کوئی کام ہے ؟" اسرا کے سوال پر محب نے اپنا ابرو اٹھایا اور سینے پر اپنے بازو لپیٹے۔

" زوجہ! اب میرا ہر کام آپ سے ہی ہے۔ویسے مجھے نفل ادا کرنے تھے۔میں نے سوچا کیوں نہ اکٹھے ادا کیے جائیں !!" محب کی بات پر اسرا مسکرائی تھی۔محب کی دی گئی پائل ابھی بھی اس کے پاؤں میں موجود تھی۔اسرا نے محب کی بات پر اپنا سر اثبات میں ہلایا۔اور اپنی جائے نماز کے ساتھ اس کے لیے بھی ایک جائے نماز بچھائی۔

اب وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ شکرانے کی نفل ادا کر رہے تھے۔اللہ نے ان دونوں کو بہترین ہمسفر عطا فرمائے تھے۔پھر نفل ادا کرنا تو بنتا تھا!!

بعض اوقات اللہ ہم سے وہ چھینتا ہے۔جو ہمیں چاہیے ہوتا ہے اور وہ عطا کرتا ہے جو ہمارے لیے بہترین ہوتا ہے۔کھڑکی کی اوٹ سے جھانکتا چاند ان دونوں کو دیکھ کر مسکرایا تھا۔

اسرا اپنے دل میں سکون اترتا محسوس کر رہی تھی۔بے شک جو لوگ اللہ کے ہر فیصلے کو صبر کے ساتھ مانتے ہیں تو اللہ ان کے دلوں میں سکون ضرور اتارتا ہے۔اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اللہ نے اس کو اس سے بہتر کو لے کر بہترین عطا فرمایا تھا۔

جبکہ دوسری جانب محب اپنے دل کی کیفیت کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔اس نے اللہ تعالی سے صرف اسرا یاسر کو مانگا تھا اور اللہ نے اس کی دعاؤں کو سنا تھا ، قبولیت کا درجہ بھی دیا تھا۔اس کے دل کی کیفیت عجیب سی ہو رہی تھی۔

ایک طرف جہاں وہ انتہائی خوش تھا۔دوسری جانب اس کا دل ایک طویل سجدے میں پڑا رہنے کو کر رہا تھا۔اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کن لفظوں میں اللہ کا شکر ادا کرے۔کچھ لوگ اپنے دکھ میں اللہ سے شکوے کرتے ہیں اور خوشی کے موقع پر اللہ کو بھول جاتے ہیں۔مگر محب رضا حسین نے اللہ کو یاد رکھا تھ۔

سلام پھیرنے کے بعد ان دونوں نے نم آنکھوں سے ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور مسکرا اٹھے۔

بے شک یہ ان کی زندگی کا سب سے خاص وقت تھا۔

پھر ان دونوں نے دعا کے لیے اپنے اپنے ہاتھ اٹھائے۔

"یا اللہ ! آج تو نے مجھ پر اپنا بہت بڑا کرم کیا ہے۔ تیرا بہت بہت شکر ہے۔اے اللہ ! مجھ سے کبھی بھی میں اپنی شریک سفر سے محبت کرنے کی توفیق مت چھیننا۔میں ہمیشہ تیرا شکر گزار رہوں گا۔" وہ آنکھ بند کیے اللہ سے دعا مانگ رہا تھا۔

"اے اللہ ! مجھے میری شریک سفر کا نگہبان بنا کہ میں ان پر آنے والے ہر خطرے کو روک سکوں۔

اے اللہ ! مجھے ان کا ہم راز بنا کہ وہ مجھ پر بھروسہ کر سکیں۔اے اللہ ! مجھے اور انہیں دنیا کی برائیوں سے بچا! آمین !!" وہ اپنے منہ پر ہاتھ پھیرنے کے بعد اسرا کی جانب دیکھنے لگا۔جو آنکھیں بند کیے نہ جانے کیا مانگنے میں مصروف تھی۔

محب نے جائے نماز لپیٹی اور گھٹنوں کے بل اسرا کے پاس بیٹھ گیا۔اللہ نے اس کے چہرے میں محب کے لیے سکون رکھا تھا۔اسرا کی بند آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔محب ٹکٹکی باندھے اس کے پر سکون چہرے کو دیکھے گیا۔اس نے ایک دفعہ پھر اوپر کی جانب دیکھا اور مسکرادیا۔

”اللہ جی ! آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے مجھے محب جیسے اچھے انسان سے نوازا۔ اللہ جی ! مجھے ہمیشہ ان کا وفادار بنا کر رکھیے گا۔“ اسے ارد گرد کا ہوش نہیں تھا۔

”اللہ جی ! مجھے ان کے دل کا سکون بنا دیں۔“ اسے نہیں معلوم تھا کہ یہ دعا اس کے مانگنے سے پہلے ہی قبولیت کے درجے تک پہنچ چکی تھی۔ وہ جس انسان کے دل کا سکون بننا چاہتی تھی۔ وہ تو اپنے دل کے تمام اختیارات اسے سونپ چکا تھا۔ اس کے دل میں بادشاہت کی کرسی پر صرف وہی براجمان تھی

۔

”اللہ جی ! ہم دونوں کو اکٹھے ہمیشہ خوش رکھیے گا۔ ہم دونوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کیجئے گا۔

اللہ جی ! بابا کو بتایئے گا کہ ان کی بیٹی آج بہت خوش ہے۔“ اب کی بار وہ بند آنکھوں کے ساتھ مسکرائی تھی۔ اس کی مسکراہٹ دیکھ کر محب ایک دفعہ پھر مبہوت ہوا تھا۔

” اللہ جی ! آپ کا پھر سے بہت بہت شکریہ !! “ اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرنے کے بعد آنکھیں کھولیں تو محب کو اپنے پاس بیٹھا پایا۔ وہ اس قدر عقیدت سے اسے تک رہا تھا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ کیا صبر کا اجر اتنا خوبصورت بھی ہوتا ہے ؟؟

اس کی سنہری آنکھوں سے آنسوؤں کو بہتا دیکھ کر محب کا ہاتھ بے ساختہ اس کے چہرے کی جانب بڑھا۔اس نے انتہائی نرمی سے اسرا کے چہرے پر سے آنسو صاف کیے۔اس کی اس قدر احتیاط پر اسرا کے آنسو مزید بہنے لگے۔یہ شکر کے آنسو تھے ،حیرت کے آنسو تھے۔اس کا سرد خول چٹخ چکا تھا۔

اسے مزید روتا دیکھ کر محب نے آہستگی سے اس کا سر اپنے شانے پر ٹکا دیا اور آہستہ سے تھپکا۔

"کیا ہوا ہے ؟ کیوں رو رہی ہیں؟ کیا میں آپ کو پسند نہیں ہوں ؟ شکوہ کر رہی ہیں اپنے اللہ سے ؟" وہ مدھم آواز میں بول رہا تھا۔اس کی بات پر اسرا نے نفی میں سر ہلایا۔ایک تو وہ اپنی قربت سے اسے گھبراہٹ میں مبتلا کر رہا تھا۔

"یہ آنسو شکوے کے نہیں ہیں۔شکرانے کے ہیں۔" وہ بوجھل آواز میں بولی تو محب کو حیرت کا جھٹکا لگا۔"آپ۔۔۔" اسے سمجھ نہیں آیا کہ وہ کیا بولے۔

" آپ میرے لیے اللہ کا شکر ادا کر رہی ہیں ؟ کیا محب رضا حسین اس قابل ہے کہ کہ اسے پانے پر آپ شکریہ ادا کریں ؟" وہ بولا تو اسرا نے اس کے شانے سے اپنا سر اٹھایا اور جائے نماز سے

کھڑی ہو گئی۔اس نے محب کی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔محب کو ہلکا سا دکھ ہوا۔اسرا خاموشی سے جائے نماز لپیٹ کر اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

”محب رضا حسین، اسرا یاسر کے لیے اس دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہیں !!“ اس نے اپنی سنہری آنکھوں سے محب کی سرمئی آنکھوں میں دیکھا۔

”آپ اسرا یاسر کے لیے اس کے صبر کا اجر ہیں۔پھر اسرا یاسر شکریہ کیوں نہ ادا کرے ؟“ محب کی سرمئی آنکھوں کی چمک حد سے زیادہ بڑھ گئی۔

”کیا اظہار صرف مرد کر سکتا ہے؟ نہیں !! عورت بھی کر سکتی ہے۔“ وہ مدھم آواز میں کہتی پلٹی اور سائیڈ ٹیبل کے ڈرا سے کچھ نکالا۔پھر محب کے سامنے کھڑی ہو گئی۔محب تو حیرت سے دنگ کھڑا تھا۔اسرا کے ہاتھوں میں ایک باکس تھا۔اسرا نے باکس کھولا اور اس میں موجود گھڑی باہر نکالی۔محب تعجب سے اسے دیکھ رہا تھا۔

وہ سلور کلر کی رور لیکس گھڑی محب کو پہلی نظر میں بہت پسند آئی تھی۔اسرا نے یہ گھڑی نعمان سے منگوائی تھی۔اس نے اسرا کو چند گھڑیوں کی تصویریں سینڈ کی تھیں۔جن میں سے اسے یہ بہت پسند آئی تھی۔صرف گھڑی نہیں اس نے ایک اور چیز بھی منگوائی تھی۔

اسرا نے وہ گھڑی محب کی جانب بڑھائی۔مگر محب اسے تھامنے کے بجائے مسکرا کر ہاتھ آگے کر دیا۔

"پہنا بھی دیں !!" محب کے کہنے پر اسرا نے اس کے ہاتھ میں گھڑی پہنا دی۔جو اس کی ابھری ہوئی رگوں والے ہاتھ میں بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

اس سے پہلے اسرا اپنا ہاتھ پیچھے کرتی محب اس کا ہاتھ تھام چکا تھا۔اب اسرا کا مہندی والا ہاتھ محب کی گرفت میں تھا۔محب نے اس کا ہاتھ اپنے سینے سے لگا لیا۔اب اسرا نے اپنا سر جھکایا ہوا تھا۔محب کی آنکھوں میں اس قدر محبت تھی کہ وہ اس کی نگاہوں کی تاب نہیں لا رہی تھی۔

"بہت شکریہ زوجۂ محب ! اسرا محب رضا حسین!" اس نے پہلی دفعہ اس کے نام کے ساتھ اپنا نام جوڑا تھا۔اسرا کا دل یکدم بہت تیزی سے دھڑکا۔

"آپ نے کچھ دیر پہلے اپنے آپ کو اسرا یاسر کہا تھا۔میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے نام کے ساتھ میرا نام استعمال کریں۔اسرا محب رضا حسین !! "اسرا کو اپنے گال دہکتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔اف! یہ کیا ہو رہا تھا !!!

پھر محب نے اسرا کو اپنے حصار میں لے لیا۔اسے اسرا کے تیز چلتی دھڑکنیں محسوس ہو رہی تھیں۔

"محترمہ! آپ کا دل اتنا تیز کیوں دھڑک رہا ہے ؟" وہ مسکراتے لہجے میں بولا۔اسرا نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔اس سے بولا ہی نہیں گیا۔

"محترم ! آپ مجھے اپنا عادی بنا رہے ہیں۔" کچھ دیر بعد وہ مدھم آواز میں بولی تو محب کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔

"کیا کہا آپ نے؟؟ "وہ پیچھے ہٹتا خوشگوار حیرت سے بولا۔اسرا اب اپنے لال ہوتے چہرے کے ساتھ سر جھکائے کھڑی تھی

" بتائیں زوجہ ! آپ نے کیا کہا ؟" اس کے دوبارہ بولنے پر اسرا نے گھبرائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔وہ واقعی میں اسے اتنا پیار، اتنی عزت دے کر اپنا عادی بنا رہا تھا۔

" آپ مجھے اپنا عادی بنا رہے ہیں۔" اس نے محب کی چمکتی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دوبارہ کہا۔

"تو بننے دیں نا!" وہ نرم لہجے میں بولا۔

" میں کون سا کہیں جا رہا ہوں ؟ موت کے علاوہ ہم دونوں کو اب کوئی جدا نہیں کر سکتا۔" اس کی بات کو تقدیر کے پنوں پر لکھا گیا تھا۔

موت کی بات پر اسرا نے دہل کر محب کی جانب دیکھا تھا۔محب نے اس کی ڈری ہوئی آنکھوں کی جانب دیکھا تو مسکرایا۔پھر اسرا کو کچھ یاد آیا تو وہ لاکر کی جانب بڑھی اور اس میں سے سبز رنگ کے خلاف میں لپٹا ہوا قران پاک باہر نکالا۔یہ اس نے محب کے لیے لیا تھا۔محب حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

اسرا نے وہ قران پاک محب کی جانب بڑھایا۔

"یہ آپ کے لیے ہے۔"محب تو حیرت سے دنگ رہ گیا۔یہ لڑکی آخر کیا تھی ؟ ہر لمحے اسے حیرت میں مبتلا کر دیتی تھی۔اس کے ہر عمل سے محب کے دل میں اس کے لیے محبت مزید بڑھ جاتی تھی۔کیا وہ اس لڑکی کے قابل بھی تھا ؟؟

اس نے نہایت ادب سے اسرا کے ہاتھوں سے قران پاک پکڑا اور اپنے سینے سے لگا لیا۔

" اللہ جی آپ کو قران پاک سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں !! آمین! "محب نے بھی زیر لب آمین کہا۔

"آپ اسے سنبھال کر رکھیں۔میں جاتے ہوئے آپ سے لے لوں گا۔" محب کے کہنے پر اسرا نے اس سے قران پاک پکڑ لیا اور دوبارہ لا کر میں رکھ دیا۔

اب محب کو اپنے کندھوں پر ایک بہت بڑی ذمہ داری محسوس ہو رہی تھی۔اس نے دل میں اس ذمہ داری کو اچھے سے پورا کرنے کی دعا مانگی۔پھر وہ اسرا کی جانب متوجہ ہوا۔

"آئیں محترمہ ! نیچے چلتے ہیں۔کھانے کے بعد ارمان کو سب کچھ بتانا بھی ہے۔"اب وہ دونوں باہر کی جانب بڑھ گئے۔کھڑکی کی اوٹ سے جھانکتے چاند نے ان دونوں کو ہمیشہ خوش رہنے کی دعا دی تھی۔

وہ سامنے ہے تو پھر کیوں یقین نہیں آتا

یہ بار بار جو آنکھوں کو مل کے دیکھتے ہیں

ابھی تلک تو نہ کندن ہوئے نہ خاک ہوئے

ہم اپنی آگ میں ہر روز جل کے دیکھتے ہیں

خوشگوار فضا میں ڈنر کیا گیا تھا۔ڈنر کرنے کے بعد سب لوگ لاؤنج میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔اسرا اور محب ایک ساتھ صوفے پر بیٹھے تھے۔محب کے دماغ میں بہت کچھ چل رہا تھا۔

جبکہ منال کے دل میں خوف نے سر اٹھانا شروع کر دیا تھا۔اب اگر ارمان اس سے ناراض ہو گیا تو کیسے منائے گی ؟ اس کے بابا اور ان کا یہ ایجنٹ ہر دفعہ اسے کیوں پھنستے تھے۔اس نے ڈری ہوئی نظروں سے چائے کے سپ لیتے ہوئے ارمان کو دیکھا جو نعمان سے بات کرنے میں مصروف تھا۔

"ماں جی ! آجائیں۔ آپ کی دوائی کا ٹائم ہو گیا ہے۔" چائے پینے کے بعد نہال کھڑی ہو گئی۔اس کی بات پر ماں جی اور بابا جان دونوں کھڑے ہو گئے۔وہ سب باہر کی جانب نکل گیے پھر نہال کو کچھ یاد آیا تو وہ پلٹی۔

" ارمان ! تم لوگ نہیں آرہے؟ "اس کی بات پر نعمان نے اپنے ابرو اکٹھے کر لیے۔

" ہم یہاں جتنی دیر مرضی رکیں۔ تمہیں کیا ؟ تم جاؤ۔ ہم آجائیں گے۔"نعمان کے بولنے پر نہال سر جھٹکتی ہوئی باہر کی جانب بڑھ گئی۔ نہیں آنا تو نہ آئیں۔ مجھے کیا ؟؟

مسز رضا اور ڈاکٹر نیلوفر پتہ نہیں کون سی باتوں میں مصروف تھیں کہ محب نے اسرا کو اشارہ کیا تو وہ سر ہلاتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔اب وہاں ڈاکٹر نیلوفر، مسز رضا ، فضہ ، نعمان ، ارمان ، منال ،اسرا اور محب موجود تھے۔

”مما! ہمیں کچھ امپورٹنٹ بات کرنی ہے۔تو ہم سب اسٹڈی روم میں جا رہے ہیں۔“اس کی بات پر ارمان فضہ اور نعمان حیران ہوئے۔

”اوکے بچے ! آپ لوگ جاؤ۔“ ڈاکٹر نیلوفر کے مسکرا کر بولنے پر وہ فضہ اور نعمان کی جانب متوجہ ہوئی۔

”فضہ ! آپ اپنے روم میں جا کر ریسٹ کریں اور نعمان تم بھی گھر جاؤ۔“ اس کی بات پر فضہ تو تابعداری سے کھڑی ہوگی اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

جبکہ نعمان وہیں بیٹھا رہا۔

”میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ چلوں گا۔“اسرا نے نعمان کی بات پر محب کی جانب دیکھا اور پھر اپنی مما کی جانب ایک نگاہ ڈالی جو انہیں کی جانب متوجہ تھیں۔

” تم چلو۔میں تمہیں بات سمجھاتا ہوں۔“ محب کے کہنے پر اسرا ان سب کو لے کر اسٹڈی روم میں آ گئی۔اب اسرا اپنی کرسی پر اور منال اس کے سامنے بیٹھ چکی تھی۔جبکہ محب ارمان اور نعمان کھڑے تھے۔

” دیکھو نعمان! تم یہ بات نہیں جان سکتے۔“محب کے بات پر نعمان نے اپنے سینے پر بازو لپیٹے اور اس کے سامنے تن کر کھڑا ہو گیا۔

”کیوں آپ کو میرے سر پر سینگ نظر آرہے ہیں ؟ یا میرے پاس دماغ نہیں ہے ؟ جو میں آپ کی بات نہیں جان سکتا !! “ اس کی بات پر اسرا نے اپنی مسکراہٹ دبائی۔

”دماغ تو واقعی میں نہیں ہے۔“ ارمان بڑبڑایا

نعمان نے اس کی بات کو نظر انداز کیا تھا۔وہ محب کے چہرے کی جانب تنے ہوئے تاثرات لیے اس بات کا ثبوت پیش کر رہا تھا کہ وہ بھی احمد خاندان کا ہی فرزند تھا۔اس کی رگوں میں بھی وہی خون دوڑتا تھا جو فیصل احمد اور ارمان احمد کی رگوں میں دوڑتا تھا۔

محب نے لمبا سانس بھر کر اپنے آپ کو کمپوز کیا ورنہ وہ ایک سیکنڈ میں اسے وہاں سے باہر پھینکنے کی طاقت رکھتا تھا۔

" دیکھو ! یہ بات کانفیڈینشل ہے۔" محب نے اسے اطمینان سے سمجھانے کی کوشش کی۔ جس پر وہ استہزائیہ انداز میں مسکرایا۔

"قتل والی بات کانفیڈینشل تھی۔ وہ مجھے معلوم ہے۔" اب وہ انگلیوں پر گنتا طنزیہ انداز میں بول رہا تھا۔

" فیصل۔۔ ارمان احمد کا بھائی ہے۔ یہ بات بھی کانفیڈینشل تھی۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے۔" اسرا خاموشی سے انہیں بحث کرتا دیکھ رہی تھی اور منال تو کبھی نعمان کی جانب تو کبھی محب کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"فیصل ایک آرگنائزیشن چلا رہا ہے۔ یہ بھی کانفیڈینشل تھی اور مجھے یہ بات بھی معلوم ہے۔ اب یہ کانفیڈینشل ، کانفیڈینشل کا کھیل ختم کریں۔ اب اتنی باتیں جانتا ہوں تو ایک اور جان لوں گا تو کچھ نہیں ہوگا۔" اس نے بے نیازی سے اپنے شانے اچکائے تو محب کے ابرو تن گئے۔

"جب تک میں واپس نہ آ جاؤں۔آپ لوگوں میں سے کوئی باہر نہیں آئے گا۔"وہ انتہائی سرد لہجے میں بولا۔اور پھر بہت زوردار آواز سے دروازہ بند کرتا باہر نکل گیا۔

نعمان لاپرواہی سے اسرا کے سامنے بیٹھ گیا۔

" اسرا ! آپ کو ایک بات بتاؤں ؟" اس نے رازدارانہ انداز میں کہا۔ارمان ادھر ادھر ٹہلتا سوچ رہا تھا کہ آخر اب محب نے انہیں کیا بتانا تھا اور سب سے زیادہ حیرانی والی بات تو یہ تھی کہ اس نے منال کو جانے کا نہیں کہا تھا۔

"ہمم۔"اسرا نے ہنکارا بھرا۔

"آپ کا شوہر آدھا پاگل ہے۔آپ پہلے ان کا علاج کریں۔" اس کی بات پر اسرا نے اپنا سر جھٹکا۔

چیف نے ارمان کو سب کچھ بتانے کا کہا تھا۔محب نعمان سے لڑائی نہیں کرنا چاہتا تھا۔اس لیے اطمینان سے اس سے بات کرنا چاہتا تھا۔

"السلام علیکم چیف !" کچھ دیر بعد کال اٹھا لی گئی تھی۔وہ اس وقت اپنے آفس میں بیٹھے ایک اہم کو ایک کیس کی فائل اسٹڈی کر رہے تھے۔

”وعلیکم السلام! خیریت ہے؟“ وہ اس وقت محب کی کال دیکھ کر حیران ہوئے تھے

”چیف!۔۔وہ نعمان بھی سب کچھ جاننا چاہتا ہے۔

اسے سوائے ہماری ایجنسی کی ساری باتیں معلوم ہیں۔“ وہ اہستہ آواز میں بول رہا تھا۔چیف نعمان کے بارے میں بھی سب کچھ جانتے تھے۔انہوں نے پرسوچ انداز میں اپنا سر کرسی کے ساتھ ٹکایا۔”اوکے بتا دو۔مگر ایک شرط ہے۔“ان کی بات پر محب نے اپنی آنکھیں گھمائیں۔اب کون سی شرط باقی تھی۔

”جی؟“وہ اسٹڈی روم کے باہر راہداری میں چکر کاٹ رہا اسے۔

”اسے اور تمہاری بیوی کو ایجنسی جوائن کرنی ہوگی۔“ ان کی بات سننی تھی کہ محب کا چہرہ تن گیا۔وہ یکدم خاموش ہو گیا۔چیف کو معلوم تھا کہ وہ کیا سوچ رہا ہو گا۔

”برخوردار! تم اچھے سے ایجنسی کے رولز جانتے ہو جو کوئی اس کے بارے میں جاننے کا وہ یا تو سزا پائے گا یا ہمارے ساتھ شامل ہو گا۔“ وہ مسکراتے ہوئے بول رہے تھے۔

” چیف! آپ نے مجھے اسرا کے بارے میں ایسا کچھ نہیں بتایا تھا۔وہ ایجنٹ ہرگز نہیں بنے گیں۔“ وہ سرد لہجے میں بولتا انہیں بہت کچھ باور کروا گیا۔

”برخوردار ! میں اس لڑکی کی قابلیت کے بارے میں جانتا ہوں۔اسی نے ارمان کی مدد کی تھی ۔“وہ اسے منانے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے۔

” جو بھی ہو میں اپنی زوجہ کو ان خطروں میں نہیں ڈالوں گا۔“ اس کا لہجہ دو ٹوک ہو گیا تھا۔

” تمہاری زوجہ خطروں کا سامنا کر سکتی ہے۔“حمید خان ابھی بھی مسکرا رہے تھے۔انہیں معلوم تھا کہ مقابل تو ان کی بات سن کر غصہ آ چکا تھا۔

” انہیں زوجہ صرف میں ہی کہہ سکتا ہوں۔“اس کے دانت پیس کے کہنے پر ان کا قہقہہ گونجا۔

”ایجنٹ ایکس! میں اسے تمہاری زوجہ کہہ رہا ہوں۔اور وہ میں نے کہا نا۔۔۔“

”میں ایجنسی جوائن کرنے کو تیار ہوں۔“ ابھی وہ کچھ بولتا کہ پیچھے سے اسرا بول پڑی۔محب اچانک سے پیچھے مڑا تو سامنے اسرا کو کھڑا پایا۔اس کا چہرہ بے تاثر ہو گیا۔

”چیف! میں آپ سے بعد میں بات کرتا ہوں۔پہلے اپنی زوجہ سے نبٹ لوں۔“آخری جملہ اس نے دل میں بولا تھا۔کال بند کر کے اس نے موبائل پاکٹ میں ڈالا اور اسرا کی جانب دیکھنے لگا۔اسرا بھی اپنے سینے پر بازو لپیٹے اسے دیکھ رہی تھی۔

محب کو اسی لمحے ادراک ہوا کہ وہ پوری کائنات سے اپنی زوجہ کے لیے لڑ سکتا تھا۔مگر اس سے نہیں لڑ سکتا تھا۔پوری دنیا سے ناراض ہو سکتا تھا۔مگر اپنی زوجہ سے ناراض تو کیا منہ بھی نہیں پھیر سکتا تھا

۔

اس کے سامنے اس کے الفاظ گم، اعتراضات مردہ، اور انا اپنا سر خم کر دیتی تھی۔اس نے بے بسی سے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

" محترمہ ! دیکھیں میں آپ سے بحث نہیں کر سکتا۔میرے پاس آپ سے جرح کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔اس لیے پلیز میری بات مان لیں۔" وہ اس کے سامنے بےچارگی سے بولتا اتنا پیارا لگ رہا تھا کہ اسرا مسکرا اٹھی۔

" مگر میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھ سے بحث کریں۔" وہ اپنے گردن تان کر بولی۔وہ نہیں چاہتی تھی کہ محب اس سے دب کر رہے۔

" آپ چاہتی ہیں کہ ہماری لڑائی ہو؟ "محب کی بات پر اس نے اپنا سر نفی میں ہلایا۔

"میں نے لڑائی کا نام نہیں لیا۔ محترم ! میں نے بحث کہا ہے۔ آپ مجھے اپنے نظریے شیئر کریں کہ آپ کیوں چاہتے ہیں کہ میں ایجنسی جوائن نہ کروں ؟" وہ مدھم آواز میں بول رہی تھی۔

لڑائی اور بحث ایک چیز نہیں ہوتی۔ہاں ! بحث میں اگر کوئی بات شدت پکڑ لے تو معاملہ لڑائی تک پہنچ سکتی ہے۔

"میں نہیں چاہتا کہ آپ ان خطروں میں پڑیں۔انسان ہوں نا اس لیے ڈرتا ہوں کہ کہیں آپ کو کھو نہ دوں۔" اس کی بات پر اسرا مسکراتے ہوئے ایک قدم آگے آئی۔

" مسٹر محب ! اگر اللہ نے چاہا تو مجھے کچھ نہیں ہوگا۔"وہ اپنے سنہری آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ان چمکتی آنکھوں کے لیے محب تو اپنی جان بھی وار سکتا تھا اور یہیں محب ہار گیا۔

" اوکے۔ مگر ایک شرط پر۔۔" اسی لمحے اس کے موبائل کی بیپ بجی۔اس نے دیکھا تو چیف کا میسج جگمگا رہا تھا۔

”یقیناً اب تک تمہاری زوجہ تمہیں منا چکی ہوگی۔اس لیے کل سے ان دونوں کو ٹریننگ دو دن بعد ان کا شوٹنگ ٹیسٹ ہوگا۔آئی ہوپ یو انڈرسٹڈ۔“ اس نے بے تاثر چہرے کے ساتھ میسج پڑھا اور پھر اسرا کی جانب دیکھا۔اب اس کی نظروں میں نرمی تھی۔

”آپ مجھے بتائے بغیر کچھ نہیں کریں گی۔میری زندگی میں واحد خوشی بس آپ ہیں۔آپ کے بغیر یہ سانسیں بھی جسم سے اپنا تعلق توڑ لیں گی۔“ وہ شیریں لہجے میں آنکھوں میں محبت لیے بول رہا تھا۔

”اور آئندہ میری بات بھی مانیں گی۔“اس نے کچھ دیر پہلے والی بات کی نشاندہی کی تو اسرا نے مسکراتے ہوئے اپنا سر اثبات میں ہلایا۔

”اوکے ! اب اندر چلتے ہیں۔“ اب وہ اندر کی جانب بڑھے جہاں وہ تینوں ان کے منتظر تھے۔اب اسرا کی کرسی کے آگے پڑی کرسیاں خالی تھیں۔جبکہ ایک طرف صوبے پر منال اور نعمان بیٹھے تھے۔

اسرا اپنی کرسی پر بیٹھ چکی تھی۔جبکہ اس کے سامنے محب اور ارمان بیٹھے تھے۔

”تم اب کیا بتانا چاہتے ہو؟ ایک تو ہر دفعہ کچھ نا کچھ بتا کے جھٹکے دیتے رہتے ہو۔“نعمان نے ارمان کی بات پر اثبات میں سر ہلایا۔منال انتہائی بے چینی سے وہاں بیٹھی تھی۔

” آئی ایم این ایجنٹ !! “ اس نے ارمان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تھا تو وہ چونکا۔نعمان کی حالت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔منال نے اپنا سر تھام لیا۔اب اس کے پول کھلنے والی تھی۔

”تم ایک ایجنٹ ہو؟“ ارمان کا دماغ گھوم اٹھا۔پہلے فیصل کی آرگنائزیشن ، پھر حمید خان کی ایجنسی اور اب محب بھی ایجنٹ نکل آیا تھا۔پھر وہ ٹھٹکا۔

” ایک منٹ !! تم حمید انکل کی ایجنسی۔۔۔؟“ اس نے اپنا سوال ادھورا چھوڑ دیا۔اسے یقین آچکا تھا۔محب نے ارمان کی بات پر اثبات میں سر ہلایا۔

”میں ایجینٹ ایکس ہوں اور کچھ لوگوں کے مطابق ویسپزو۔“ اس نے منال کی جانب دیکھتے ہوئے بے تاثر لہجے میں کہا تھا۔منال نے اس کی بات پر اپنا سر جھکا لیا۔ارمان نے سے جھٹکے سے گردن موڑ کر منال کی جانب دیکھا تھا۔جو سر جھکائے اپنے اوپر ارمان کی نگاہوں کی تپش محسوس کر رہی تھی۔نعمان تو حیرت سے دنگ کبھی منال کی جانب تو کبھی محب کی جانب دیکھ رہا تھا۔

" ایجنٹ ! آپ بھول گئیں کہ مجھے چیف کے روم کے کیمراز تک بھی رسائی حاصل ہے۔"اب وہ منال کو دیکھتے ہوئے سرد لہجے میں بولا تھا۔آج اسرا اس کا نیا روپ دیکھ رہی تھی۔

" ایجنٹ ایکس ! مجھے پتہ ہی نہیں تھا کہ وہاں کیمراز لگے ہوئے ہیں۔" اس نے تھوک نگلتے ہوئے کہا تو محب کے تاثرات مزید تن گئے۔

" اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں کیمراز نہیں ہوں گے۔وہاں آپ کچھ بھی بولیں گی !! "اب کی بار اس کا لہجہ کرخت تھا۔منال کی آنکھوں میں نمی چھاگئی۔

" سوری ایجنٹ ! "وہ سر جھکائے شرمندگی سے بولی۔

" بس کرو محب ! "اس سے پہلے محب اور کچھ بولتا ارمان کو بولنا پڑا۔اسے محب کا منال پر غصہ کرنا بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

" اٹس فرسٹ اینڈ لاسٹ ٹائم۔ آپ کو میں اس دفعہ صرف اس لیے معاف کر رہا ہوں کیونکہ آپ چیف کی بیٹی ہیں۔ آئندہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔"محب کے دو ٹوک انداز میں کہنے پر منال نے جلدی سے اپنا سر اثبات میں ہلایا۔

"تم نے ایجنسی کیسے جوائن کی ؟؟" ارمان کی بات پر محب نے لمبا سانس بھرا۔

"سب کچھ بتانے سے پہلے میں ایک بات کلیر کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ سب کچھ جاننے کے بعد آپ سب لوگوں کو ہماری ٹیم کا حصہ بننا پڑے گا۔اوکے ؟" اس نے آخر میں نعمان کی جانب دیکھا تھا کیونکہ ارمان کو تو چیف پہلے ہی اجازت دے چکے تھے۔محب کی بات پر نعمان سوچ میں پڑ گیا۔ مطلب یہ سب جاننے کے بعد وہ ایجنٹ بن جائے گا۔واہ! ایجنٹ بننا اتنا آسان ہے !! چل نعمان ! ہاں کر دے۔اچھا موقع ہے۔

"اسرا اور نعمان کو کل سے سخت ٹریننگ دی جائے گی۔تاکہ آپ دونوں ٹیسٹ پاس کر سکیں۔"

نعمان کا سارا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔مطلب یہاں پر بھی محنت درکار تھی۔ہائے !!

"نعمان ! جلدی بتاؤ۔" محب کی ساری توجہ نعمان کے چہرے کے تاثرات کی جانب تھی۔

" اوکے ! میں تیار ہوں۔" نعمان کچھ سوچتا ہوا بولا تو محب نے ان کو ساری بات بتانی شروع کر دی۔

محب نے ساری بات بتانے کے بعد ارمان اور نعمان کے حیران چہروں کی جانب دیکھا تو مسکرا اٹھا۔

اسرا اور منال تو ویسے ہی بیٹھی تھیں۔انہیں یہ باتیں پہلے سے ہی معلوم تھیں۔

”پھر اب ہم نے کیا کرنا ہے ؟“اب کی بار ارمان نے خاموشی توڑی تھی۔اس کی بات پر محب نے بے نیازی سے شانے اچکاتے ہوئے کرسی سے اپنا سر ٹکا دیا۔

”فیصل سے رابطہ۔“ وہ بے فکری سے بولا۔ارمان تو اس کو پر سکون چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

”تمہیں ٹینشن نہیں ہو رہی کہ یہ سب کچھ کیسے ہو گا؟؟“ ارمان حیرت سے بولا تو محب نے مسکراتے ہوئے ارمان کی بھوری آنکھوں میں دیکھا۔

”مستقبل کی فکر کرتے ہوئے اپنے حال کو تباہ نہیں کیا کرتے۔ہم جتنی ٹینشن لیں گے اتنا ہی اپنی زندگی کو بے کیف گزاریں گے۔اس لیے جو بھی پلان بناتے ہیں وہ بنا کسی ٹینشن کے۔۔۔ٹھنڈے دماغ سے بنایا کرتے ہیں۔یہ میرا نظریہ ہے۔آگے آپ میں سے کچھ لوگ میری بات سے متفق نہیں ہوں گے۔کیونکہ۔۔“ اس نے ایک لمحے کا توقف لیا۔

پورے اسٹڈی روم میں صرف محب رضا حسین کی آواز گونج رہی تھی۔وہ اپنے الفاظ کو موتیوں کی مالا میں ایسے پروتا تھا کہ سننے والا دنگ رہ جاتا تھا۔

"کیونکہ کچھ لوگوں کا دماغ ٹینشن میں زیادہ چلتا ہے۔۔۔کیوں زوجہ ؟ " محب کے اس کی جانب دیکھنے پر وہ چونکی۔چند لمحوں کے لیے محب اس کی سنہری آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

"جی ! آپ نے بالکل ٹھیک کہا۔" اسرا کی بات پر محب کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔اس نے آہستہ سے سر کو خم دیتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا۔

"اوکے ! کل صبح نو بجے آپ سب مجھے ایجنسی میں چاہئیں۔کوئی ایک منٹ بھی لیٹ نہیں ہونا چاہیے۔ ورنہ سزا ملے گی۔" اب وہ انہیں ایک ایجنٹ کی طرح حکم دے رہا تھا۔

"ارمان! تم نعمان کو لے کر آنا اور اسرا ! میں آپ کو پک کر لوں گا۔اوکے ؟؟ " اس کے پوچھنے پر ان سب نے اثبات میں سر ہلایا۔ان کے اب کئی دن بہت مشکل گزرنے والے تھے۔

"اور فیصل ؟؟" نعمان کی بات پر محب سوچ میں پڑ گیا۔

"چیف نے اسے اور حارث کو کل ایجنسی میں بلایا تھا پتہ نہیں اب وہ آئے گا یا نہیں۔"

"اچھا ! اگر وہ نہ آیا ؟ " ارمان کی بات پر محب کے چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی۔

"پھر میں کس کام کے لیے ہوں۔لے آؤں گا اسے۔" محب کی بات سن کر اسرا کو فیصل کی بات یاد آئی۔

"اس نے آپ کو مارنے کی دھمکی دی تھی۔" محب نے قہقہہ لگایا۔

"کیا آپ دوبارہ بتائیں گی کہ اس نے کیا کہا تھا ؟ " محب نے اپنا ابرو اٹھا کر پوچھا۔باقی سب کو اس بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔

"اس نے کہا اگر آپ اس کے سامنے آئے تو وہ اپنے پسٹل کی ساری گولیاں آپ کے سینے میں اتار دے گا۔"وہ آہستہ آواز میں بولی تو محب مسکرایا تھا۔

"اس وقت وہ صدمے کے زیر اثر تھا اس لیے اول فول باتیں کر رہا تھا۔وہ مجھ پر چھ گولیاں کیا ایک گولی بھی نہیں چلا سکتا !!" اسے معلوم نہیں تھا کہ اب وہ پرانا فیصل احمد نہیں رہا تھا۔

"اتنا اعتماد ؟" ارمان کے بولنے پر محب کی مسکراہٹ تھمی تھی۔

" ارمان احمد ! جب تم اس کے ساتھ نہیں تھے۔تب میں اور حارث اس کے ساتھ تھے۔ہم دونوں کے درمیان جتنے بھی جھگڑے ہو جائیں۔چاہے وہ مجھ سے کتنی نفرت کا اظہار کرے مگر وہ مجھے مار

نہیں سکتا۔" محب کے بے تاثر لہجے میں کہنے پر ارمان نے اپنا سر اثبات میں ہلایا۔یہاں سب ہی تکلیف سے گزرے تھے۔جہاں ارمان اپنوں سے دور رہا تھا وہیں فیصل بھی دور رہا تھا۔ناجانے اب کیا ہونے والا تھا؟

"اب باہر چلتے ہیں۔" اسرا کے کہنے پر وہ سب کھڑے ہو گئے۔پھر ارمان اور نعمان احمد ولا کی جانب بڑھ گئے۔جبکہ محب نے اسرا سے اپنی امانت لی اور مسز رضا کے ساتھ رضا مینشن کی جانب روانہ ہو گیا۔

جو دور ہو تم تو لمحہ لمحہ غضب میں ہے، اضطراب میں ہے

ابھی مقدر میں گردشیں ہیں ،ابھی ستارہ عذاب میں ہے

صبح ناشتہ کرنے کے بعد محب اسرا کے گھر پہنچ چکا تھا۔اس نے ڈاکٹر نیلوفر سے اسرا کو شاپنگ پر لے جانے کی پرمیشن لی تھی۔فضہ نے پھر سے یونیورسٹی جانا شروع کر دیا تھا۔اب محب باہر گاڑی میں بیٹھا

اسرا کا انتظار کر رہا تھا۔وہ اسرا کو پانچ منٹ پہلے میسج کر چکا تھا کہ وہ باہر ہے وہ اسٹیرنگ وہیل پر ہاتھ رکھے گیٹ کی جانب دیکھ رہا تھا کہ بالآخر اسے اسرا گیٹ سے آتی دیکھائی دی۔

گہرے سبز رنگ کے لمبے فراک کے ساتھ چوڑی دار پاجامہ پہنے وہ محب کو اپنے دل کے بہت قریب محسوس ہوئی۔اسرا نے سبز رنگ کا ہی اسٹول حجاب کی صورت میں لیا ہوا تھا۔جبکہ براؤن ہینڈ بیگ کندھے پر لٹک رہا تھا۔سفید مومی پاؤں کالی سینڈل میں مقید تھے۔

محب تو اسے دیکھنے میں گم تھا۔جبکہ اسرا مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ چکی تھی۔

"السلام علیکم ! آپ کیسے ہیں ؟" اسرا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔جو بلیک وی گلے والی شرٹ کے ساتھ کالی ہی پینٹ پہنے ہوئے تھا۔البتہ بال سلکی ہونے کی وجہ سے اس کی پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔

" وعلیکم السلام ! میں بالکل ٹھیک ہوں۔" اسرا کے دل میں اس کے بالوں کو پیچھے ہٹانے کی خواہش پیدا ہوئی۔مگر اس نے اپنے ہاتھ نہیں بڑھائے۔محب اس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ کر مسکرایا اور اپنا

سر اس کے آگے جھکا دیا۔ اسرا کی آنکھیں حیرت سے پھیل چکی تھیں۔ محب اس کی نگاہوں کے مفہوم کو بھی سمجھ چکا تھا۔

" جو کرنا چاہتی ہیں وہ کریں۔" وہ مسکراتے ہوئے بول رہا تھا۔ اسرا نے آرام سے اس کی پیشانی پر بکھرے بالوں کو اپنی انگلیوں سے پیچھے کیا۔ محب آنکھیں بند کیے ایک سکون محسوس کر رہا تھا۔

"اب میں انہیں سلجھایا ہی نہیں کروں گا۔" اسرا کے ہاتھ پیچھے کرنے پر وہ سیدھا ہوتے ہوئے بولا ۔اب وہ گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا۔

" اسرا! ٹریننگ بہت مشکل ہوگی۔" وہ اسے محتاط کرتے ہوئے بولا تو اسرا مسکرا اٹھی۔

" آپ کی زوجہ نے مارشل آرٹس کی ٹریننگ لے رکھی ہے۔" اس کی بات پر محب نے جھٹکے سے بریک لگا کر گاڑی روکی اور حیرانی سے اسرا کی جانب دیکھا۔ جو جھٹکا کھانے کی وجہ سے تھوڑا سا آگے ہو چکی تھی۔

"کیا ہوا؟ "اسرا نے نا سمجھی سے محب کے مسکراتے چہرے کی جانب دیکھا۔

"آپ نے اپنے آپ کو میری زوجہ کہا۔" اس نے مسکراتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ جبکہ اسرا اپنے ہی جملے کو سوچ کر سٹپٹائی تھی۔

"زوجہ ہوں تو زوجہ ہی کہوں گی۔" اب اس کا رخ کھڑکی کی جانب تھا۔

" آپ کے پاس میں نے گن دیکھی تھی۔ مطلب آپ کے پاس لائسنس بھی ہو گا اور آپ کا نشانہ بھی اچھا ہو گا۔" محب کی بات پر اسرا نے ہلکی سی گردن موڑی اور اثبات میں سر ہلایا۔

"میرا نشانہ بہت اچھا ہے۔ میں بابا سے ہمیشہ جیت جایا کرتی تھی۔" آخر میں وہ اداسی سے مسکرائی تو محب نے ایک ہاتھ سے اسٹیرنگ وہیل سنبھالا جبکہ دوسرا ہاتھ اسرا کے ہاتھ پہ رکھ دیا۔

"اپنوں کے جانے کے بعد انہیں اداسی سے نہیں بلکہ خوشی سے یاد کرنا چاہیے۔" محب کی بات پر اسرا نے اثبات میں سر ہلایا۔ اب وہ لوگ ایم۔ ایچ پہنچ چکے تھے۔ محب نے پارکنگ لاٹ میں گاڑی پارک کر کے اپنی گھڑی پر وقت دیکھا۔ ابھی نو بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔

گاڑی سے نکلتے ہی ان کی نظر سامنے کھڑی ارمان کی گاڑی پر پڑی۔ جس کے بونٹ پر نعمان بیٹھا ہوا تھا۔

جبکہ ارمان اس کے ساتھ کھڑا تھا۔ محب اور اسرا ان کی جانب بڑھے۔

" السلام علیکم ! " محب کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی جلدی پہنچ جائیں گے۔

" وعلیکم السلام ! دیکھیں ہم آپ سے پہلے پہنچ گئے۔" نعمان بونٹ سے اترتا ہوا بولا تو محب نے اثبات نے سر ہلایا۔

"گڈ ! کیا تم ٹریننگ کے لیے تیار ہو ؟" محب نے آہستہ آواز میں پوچھا کیونکہ ایم۔ایچ کے ورکرز کے آنے کا بھی وقت ہو چکا تھا۔ نعمان نے محب کی بات پر بے فکری سے اپنا کندھا جھاڑا۔

"نعمان احمد ہر کام کے لیے تیار رہتا ہے۔" اس کے اوور کانفیڈنس پر ارمان اور محب دونوں نے اپنی مسکراہٹ دبائی تھی۔ انہیں اچھے سے معلوم تھا کہ اس کا سارا کانفیڈنس خاک میں ملنے والا تھا۔ اب محب ان سب کے آگے جبکہ وہ تینوں اس کے پیچھے تھے۔

"اسرا! آپ تو تیار ہیں نا ؟؟ " نعمان نے سرگوشی میں پوچھا تو اسرا نے اثبات میں سر ہلایا۔ یہ اور بات تھی کہ اس کی سرگوشی کی آواز اتنی تھی کہ ان سب کو سنائی دے رہی تھی۔

"اگر آپ کو کوئی مدد چاہیے ہو تو مجھے بتایئے گا۔"

نعمان کی بات سنتا محب مڑا اور اس کی جانب تیکھی نظروں سے گھورا۔

"ان کی مدد کرنے کے لیے محب رضا حسین موجود ہے۔تم اپنی مدد کرنا۔" محب بے تاثر لہجے میں بولا تھا۔اسرا مسکرا اٹھی۔

" اور ہاں آئیندہ میں تمہارے منہ سے اسرا نہ سنوں۔" نعمان تو محب کے تیوروں پر حیران رہ گیا تھا ۔پہلی ملاقات میں تو یہ بہت سویٹ لگے تھے۔یہ تو کوئی اور ہی محب تھا۔

"آپی کہا کرو یا پھر بھابھی کہا کرو۔ورنہ بہت برا ہو گا !! " وہ نعمان کو وارن کرتا پلٹ گیا۔جبکہ نعمان منہ بنا کر رہ گیا۔

" دیکھا آپ نے ؟ آپ کے شوہر نے مجھے دھمکی دی۔مجھ معصوم سے نعمان احمد کو دھمکی دی۔یہ دن بھی آنا تھا!!" وہ صدمے کی کیفیت میں بولا تو ارمان کا قہقہہ گونجا۔

اب وہ لوگ دروازے کے پاس پہنچ چکے تھے۔محب نے کارڈ سوائپ کیا جس سے وہ دروازہ کھل گیا۔

اب حیران ہونے کی باری نعمان کی تھی۔وہ حیرت سے آنکھیں پھیلائے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔اِدھر اُدھر کام کرتے ایجنٹس محب کو دیکھتے رک کر سلام کر رہے تھے۔

" یہ آپ کو اتنی عزت کیوں دے رہے ہیں ؟" نعمان نے ابرو سکیڑے محب سے پوچھا۔اب محب ان کو ٹریننگ ہال لے کر جا رہا تھا۔جہاں منال پہلے سے موجود تھی۔

" ٹریننگ کے بعد تمہیں خود ہی معلوم ہو جائے گا۔" وہ پراسرار مسکراہٹ کے ساتھ بولا تو نعمان نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

اب وہ لوگ ایک وسیع ہال میں داخل ہو چکے تھے۔جہاں ایک جانب فائٹنگ رنگ تھی جبکہ دوسری جانب شوٹنگ کے سامان کے علاوہ بہت سی چیزیں موجود تھیں۔منال دروازے کے پاس کھڑی ان کا انتظار کر رہی تھی۔

" السلام علیکم ! ایجنٹ ایکس !!" منال کالے رنگ فراک کے ساتھ کالے پاجامے میں ملبوس تھی۔کالا ڈوپٹہ آج سر پر موجود تھا۔

" وعلیکم السلام !" اس کو سلام کا جواب دینے کے بعد محب ان سب کو ایک خالی جگہ لے گیا۔

"ایک لائن میں کھڑے ہو جائیں !!" اب محب اپنی پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے کرخت لہجے میں بولا۔

یہاں داخل ہوتے ہی اس کا لہجہ تبدیل ہو چکا تھا۔

"یہاں آپ سب کا ایک دوسرے سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔" وہ اپنی پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے اِدھر اُدھر چلتا بول رہا تھا۔اس کی آواز یکدم بھاری ہو گئی تھی۔

"یہاں میں آپ سب کا ٹرینر ہوں اور آپ ایک دوسرے کو نہیں جانتے !! اس ڈیٹ کلیئر ؟" وہ اونچی آواز میں بولا۔

" یس ایجنٹ !! "ان سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا۔نعمان کو اب لگ رہا تھا کہ وہ بہت برا پھنسا تھا !!

"سب سے پہلے آپ لوگوں کا نشانہ دیکھا جائے گا۔پھر آپ کو فائٹنگ ، سچویشن میکنگ جیسی بہت سی چیزیں سیکھنی ہوں گی۔" اسرا کو وہ کہیں سے بھی کچھ دیر پہلے گاڑی میں بیٹھا ہوا محب نہیں لگا۔مگر اسے اتنی فکر نہیں تھی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ وہ سب کچھ کر لے گی۔اسے اللہ پر پورا بھروسہ تھا۔

" اوکے ! اب نشانہ چیک کیا جائے گا۔سب سے پہلے ارمان کی باری ہے۔ہمارے پاس وقت بہت کم ہے اور کام بہت زیادہ۔اس لیے فاسٹ !! سب ادھر آئیں۔"وہ ہال کی ایک جانب بڑھ گیا۔جہاں شوٹنگ کا سامان رکھا ہوا تھا۔

"اسٹارٹ !! " ارمان نے جلدی سے کانوں میں ہیڈ فونز لگائے۔اور پسٹل اٹھائی ، اس میں گولیاں بھریں اور پھر نشانہ باندھا۔وہ پولیس کی ٹریننگ لے چکا تھا۔اس لیے یہ سب بچوں کا کام تھا۔اس کی گولیاں سیدھے نشانے پر لگیں۔نعمان نے اپنا تھوک نگلا۔بات یہ نہیں تھی کہ اسے بندوق چلانی نہیں آتی تھی۔اسے بندوق چلانی آتی تھی اور اس کے پاس لائسنس بھی تھا۔مگر اس کا نشانہ اتنا اچھا نہیں تھا۔

" ویری گڈ !! " محب نے پتلے کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔ارمان مسکراتے ہوئے واپس مڑا اور نعمان کے ساتھ سیدھا کھڑا ہو گیا۔منال کی ٹریننگ پہلے سے ہی مکمل تھی۔محب نے اسرا کو فائٹنگ سکھانے کے لیے منال کو بلوایا تھا۔

" ناؤ اسرا ! اٹس یور ٹرن !!"محب کے بولنے پر اسرا آگے آئی۔محب کا چہرہ بے تاثر تھا مگر وہ دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا۔اسرا کے تیز چلتے ہاتھوں کو دیکھ کر ایک لمحے کو وہاں کھڑے سب انسان حیران ہوئے تھے۔وہ انتہائی مہارت سے گولیوں کو میگزین میں بھر رہی تھی۔پھر اس نے سامنے لگے پتلے کے سر پہ موجود سرخ نشان کو دیکھا اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

"بیٹا ! کبھی بھی اس نشان کو محض ایک ڈوٹ مت سمجھنا۔اسے اپنے اندر کا ڈر سمجھنا جو تم پر ہنس رہا ہے۔۔۔اپنے دماغ میں سوچو کہ وہ تم پر ہنس رہا ہے۔وہ کہہ رہا ہے کہ تم مجھے ہرا نہیں سکتی!!!" اب محب پریشانی سے اسرا کے ساکت ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔وہ شوٹ کیوں نہیں کر رہیں؟؟ جبکہ اسرا سوچنے میں مصروف تھی۔

" بیٹا ! اس ڈر کو اگر مارنا ہے تو تمہیں اسے شوٹ کرنا ہوگا۔اس کا سامنا کرنا ہو گا۔"اس کے کانوں میں یاسر صاحب کی آواز گونج رہی تھی۔یکدم اسرا نے آنکھیں کھولیں۔اب اس کی آنکھیں مسکرا رہی تھی۔اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ چھائی ہوئی تھی۔نعمان اور ارمان بھی پریشان ہو رہے تھے۔

پھر اسرا نے ایک ساتھ ہی گولیوں کی برسات کر دی جو سارے کی ساری اس سرخ نشان میں پیوست ہو گئیں۔ نعمان ، ارمان اور منال کا تو منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ جبکہ محب ہال میں داخل ہونے کے بعد پہلی دفعہ مسکرایا تھا۔

"ایجنٹ نعمان ! کم !" نعمان کے چہرے پر ڈر دیکھتے ہوئے وہ استہزائیہ انداز میں بولا۔ نعمان ڈرتے ڈرتے آگے بڑھا اور بندوق میں گولیاں بھرنی شروع کر دیں۔ اس کی سستی دیکھ کر محب کی پیشانی پر بل پڑے۔

" فاسٹ !!" وہ کرخت لہجے میں بولا تو نعمان نے اپنے ہاتھوں کی رفتار تیز کر دی۔ ہائے نعمان !! تمہیں ان کی باتیں نہیں سننی چاہیے تھیں!! یہ تو تمہیں کچا چبا جائیں گے ، ہضم کر جائیں گے اور ڈکار بھی نہیں ماریں گے!! مگر اب کیا ہو سکتا ہے !!

نعمان نے لرزتے ہوئے دل کے ساتھ اس پتلے کے سر کا نشانہ باندھا اور فائر کر دیا۔ پہلی گولی اس نشان کے تھوڑا پاس لگی۔ چھ گولیاں فائر کرنے کے بعد وہ واپس پلٹا تو محب نے سرد نگاہوں سے اسے گھورا۔

" صرف تین گولیاں درست نشانے پہ لگی ہیں۔یو ول گیٹ پنشمنٹ۔ٹوئنٹی پش اپس ناؤ !!" اس کے حکمیہ انداز میں نعمان نے بیچارگی سے ارمان کی جانب دیکھا۔جس نے اپنی نظریں پھیر لیں۔ہائے یار یار نہ رہا!!

" ٹھرٹی !! "محب کی بات پر وہ تیزی سے وہیں لیٹ کر پش اپس کرنے لگا۔اب محب منال کی جانب متوجہ ہو گیا۔

" اس کے پش اپس مکمل ہونے کے بعد اس وقت تک ٹریننگ کرواؤ۔جب تک چھ کی چھ گولیاں اس نشان سے پار نہ ہو جائیں۔" پش اپس لگاتے نعمان کو گہرا صدمہ لگا۔ماں جی!! مجھے نہیں رہنا یہاں۔ مجھے واپس جانا ہے ! وہ دل ہی دل میں دہائیاں دے رہا تھا!!

جبکہ اسرا اور ارمان نے اپنی اپنی مسکراہٹ دبائی۔

" آپ دونوں میرے پیچھے آئیں۔" محب آگے چلنے لگا جبکہ وہ دونوں اس کے پیچھے تھے۔اب وہ انہیں ہال کے ایک حصے میں لے آیا۔جہاں بہت سے پنچنگ بیگز لگے ہوئے تھے۔

”پنچ ڈیم فار تھرٹی منٹ کنٹینیوسلی !!“ اس کی بات پر ارمان کے ساتھ ساتھ اسرا کی آنکھیں بھی پھیلی تھیں۔یہ کیا مذاق تھا !!

”فاسٹ ! “اب وہ اپنی گھڑی پر وقت دیکھ رہا تھا۔دس بج چکے تھے۔اسرا اور ارمان اس کی بات پر پنچنگ بیگز پر مکے برسانے لگے۔جبکہ محب کرسی پر بیٹھا کبھی ان دونوں کی جانب تو کبھی نعمان کی جانب دیکھ رہا تھا۔تقریباً پندرہ منٹ گزر چکے تھے۔اب ارمان اور اسرا کی رفتار کافی آہستہ ہو چکی تھی۔

” فاسٹ !!“ محب کے بولنے پر انہوں نے اپنی رفتار دوبارہ تیز کر دی۔جبکہ نعمان پانچ درست نشانے لگانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔منال اس کے ساتھ کھڑی اسے ہدایات دے رہی تھی۔

محب اب اسرا کی جانب نہیں دیکھ رہا تھا۔اسے معلوم تھا کہ وہ تھک چکی تھی۔مگر پھر بھی اپنا کام اچھے سے کر رہی تھی۔پانچ !!

اسرا کے بازو تھک چکے تھے۔مگر وہ اپنی پوری کوشش کر رہی تھی۔چار !!

محب اب سر جھکائے کچھ سوچنے میں مصروف تھا۔

تین !!

ارمان کے لیے یہ کام اگر آسان نہیں تھا تو مشکل بھی نہیں تھا۔دو !!

محب فیصل کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ کیا وہ آئے گا یا نہیں۔ایک!! اور اسی لمحے نعمان کی خوشی بھری چینخ پورے ہال میں گونجی۔

زیرو !! وہ بھاگتا ہوا ان کی جانب آیا۔

"اسٹاپ !!"محب ارمان اور اسرا کو دیکھتے ہوئے بولا تو وہ دونوں تھک کر وہیں پر بیٹھ گئے۔

"میں نے سارے نشانے درست لگا لیے ہیں۔"منال بھی اس کے پیچھے آئی تھی۔اب نعمان کا چہرہ ایسے دمک رہا تھا جیسے اس نے کوئی ٹرافی حاصل کر لی ہو۔وہ محب کے منہ سے کوئی تعریفی جملے سننے کی توقع کر رہا تھا۔

"گڈ !!" وہی روکھا سوکھا گڈ سن کر نعمان کا منہ بن گیا۔اسی لمحے دروازے سے ایک ایجنٹ اندر داخل ہوا۔

"السلام علیکم ! ایجنٹ ایکس!! "وہ محب کے پاس آیا۔

"وعلیکم السلام!!" محب نے سرد لہجے میں کہا کیونکہ اس وقت یہاں آنے کی اجازت اس نے کسی کو نہیں دی تھی۔

"سوری ایجنٹ !! مگر مجھے چیف نے آپ سب کو بلانے کے لیے بھیجا ہے۔کوئی ان سے ملنے کے لیے آیا ہے۔وہ اسے آپ سے ملوانا چاہتے ہیں۔" اس کی بات سنتا محب مسکرایا تھا۔مطلب فیصل آ چکا تھا !!

"اوکے! ہم آتے ہیں۔" محب کے بولنے پر وہ وہاں سے چلا گیا۔

"کیا فیصل آیا ہے ؟" ارمان کے پوچھنے پر محب نے اس کی جانب دیکھا۔

"ہو سکتا ہے !! "اب وہ باہر کی جانب بڑھ رہے تھے۔

"کیا اسے معلوم ہے کہ آپ ایجنٹ ہیں؟" اسرا کے بولنے پر محب پر اسراریت سے مسکرایا۔

"بالکل بھی نہیں !! "اسے فیصل کا چہرہ دیکھنا تھا۔جب اسے یہ بات پتہ چلے گی تو اس کا کیا ری ایکشن ہو گا۔

” ویسے نعمان ! ٹریننگ کیسی رہی ؟ “ہال سے نکلتے ہی محب نے مسکراتے ہوئے پوچھا تو نعمان نے اپنا منہ بسورا۔

” ایک تو اتنی سخت ٹریننگ دی اور اوپر سے نہ کوئی چائے پوچھی نہ ہی کوئی پانی!! اسرا ! میں بتا رہا ہوں آپ کے شوہر بہت کنجوس ہیں !! “ نعمان کی بات پر محب نے اسے سرد آنکھوں سے گھورا ۔جس پر نعمان نے اپنی زبان دانتوں تلے دبائی۔

”اوہ اسرا آپی !! “

ہنہ !! بھابھی تو وہ بھی نہیں کہے گا۔اب کی بار اسرا مسکرائی تھی۔

” ارمان بھائی ! آپ یہ بات لکھ کر رکھ لیں کہ اگر ٹریننگ کے دوران میں مر ور گیا تو میرے قتل کے ذمہ دار یہ ایجنٹ ایکس ہوں گے!! “ وہ اونچی آواز میں دہائیاں دے رہا تھا۔ارد گرد سے گزرتے ایجنٹس اس نمونے کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

”خاموش رہو ! “ محب کے دپٹ کر کہنے پر وہ ایک دم سے خاموش ہو گیا۔کہ یہ نہ ہو کہ وہ اگلی ٹریننگ میں اس کا بھی بدلہ لے لیں!!

محب نے چیف کے کمرے کے باہر کارڈ سوائپ کیا اور اس کے بعد لینز ڈیٹیکشن ہوئی تو ایک آواز کے ساتھ وہ دروازہ کھل گیا۔وہ سب اندر داخل ہوئے تو کمرے میں کوئی بھی نہیں تھا۔اتنے مونیٹرز دیکھ کر نعمان کا تو سر گھوم گیا۔

"چیف کہاں ہیں ؟ "ارمان کی بات پر منال ایک طرف بنے دروازے کی جانب بڑھی اور دروازہ ناک کیا تو اندر سے یس کی آواز سنائی دی۔وہ چیف کا میٹنگ روم تھا۔

" اندر آ جاؤ سب۔" محب نے دروازہ کھولا تو وہ سب اندر داخل ہو گئے۔لمبی میز کے گرد بہت سی کرسیاں موجود تھیں۔سر براہی کرسی پر چیف براجمان تھے۔جبکہ فیصل ان کے بائیں جانب بیٹھا تھا ۔جیسے ہی فیصل نے دروازے کی جانب دیکھا وہ ساکت رہ گیا۔حارث بھی ان سب کو وہاں دیکھ کر حیران تھا۔

محب کو دیکھ کر فیصل کو ساری گتھیاں سلجھتی ہوئی نظر آئیں۔اس کے دماغ میں ماضی اپنے ورق پلٹنے لگا۔محب کا ان کو ایجنسی کا سسٹم ہیک کرنے کا مشورہ دینا ، اتنی اسانی سے سسٹم ہیک ہو جانا، پھر چیف کا معاہدہ!! یہ سب کچھ فیصل کا پلان نہیں تھا !محب کا پلان تھا۔

محب شاہانہ چال چلتا ہوا چیف کے دائیں جانب فیصل کی کرسی کے بالکل سامنے بیٹھ چکا تھا۔

" السلام علیکم چیف !" ابھی محب بولا ہی تھا کہ فیصل اس پر جھپٹا۔محب کرسی سے نیچے گرتا گرتا بچا ۔فیصل اب خونخوار نظروں سے محب کی جانب دیکھ رہا تھا۔جبکہ باقی سب ایک جانب کھڑے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے۔

"تم نے مجھے صرف کل ہی نہیں بلکہ بہت پہلے بھی دھوکہ دیا !" محب کے جبڑے پر مکا مارتے ہوئے فیصل نے کہا۔محب اپنا دفاع نہیں کر رہا تھا۔اسرا نے آگے بڑھنے کی کوشش کی۔مگر منال اس کا ہاتھ پکڑ چکی تھی۔

"انہیں خود ہینڈل کرنے دو !" منال کے کہنے پر اسرا خاموش رہ گئی۔

"فیصل ! پیچھے ہٹو۔" چیف کے حکم پر فیصل نے سرد تاثرات لیے چیف کو دیکھا۔وہ اس وقت ایک بپھرا ہوا شیر لگ رہا تھا۔

"چیف! اسے مت روکیں۔" محب کے کہنے پر وہ سب اپنے لب بھینچ کے رہ گئے۔محب کا چہرہ لال پڑ چکا تھا۔فیصل نے اپنی شرٹ کا بازو موڑا اور اس کے پیٹ پر ضرب لگائی۔

” تم تو آستین کے سانپ نکلے۔ میں نے تم پر اتنا بھروسہ کیا اور تم نے میرا بھروسہ توڑ دیا۔“ وہ اس کی ٹانگوں پر حملہ کر رہا تھا۔ محب کو اسکی مار اتنی تکلیف نہیں دے رہی تھی جتنی تکلیف اس کے الفاظ دے رہے تھے۔ محب لڑکھڑاتے ہوئے گر گیا۔ محب چاہتا تھا کہ فیصل اپنے اندر کا غصہ نکالے۔

”تمہیں معلوم تھا کہ میں ڈاکٹر اسرا سے محبت کرتا ہوں۔ تم نے پھر بھی ان سے نکاح کر لیا۔“ اب کی بار فیصل نے اسے بازو سے پکڑے کھڑا کیا اور دوبارہ اس کے سینے پر مکے برسانے شروع کر دیے۔ وہ عجیب انسان تھا۔ خود ہی اسے نیچے سے اٹھا رہا تھا اور خود ہی اسے مار رہا تھا۔ محب درد سے کرا اٹھا مگر فیصل کا غصہ کسی صورت کم نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی گن ڈھونڈنی چاہی مگر وہ تو دروازے پر ہی اس سے لے لی گئی تھی۔ وہ ایک دفعہ پھر تلملا اٹھا۔ وہ محب کو مارتا جا رہا تھا اور محب خاموشی سے اس کی مار برداشت کر رہا تھا۔

” تم نے مجھ سے ہر ایک بات چھپائی۔ میں نے تو تمہیں ہر بات بتائی تھی نا؟ پھر تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟ “ اس کی آنکھوں میں لہو سا اتر آیا۔۔ سینے میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ وہاں موجود ہر انسان کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔

”میں نے تمہیں بتایا تھا کہ تمہارے بابا کا قتل ہوا ہے۔تم نے کیا کیا ؟ تم نے تو مجھے یہ تک بتانے کی زحمت نہیں کی کہ تم ایک ایجنٹ ہو!! “ وہ حلق کے بل دھاڑا تھا۔اب کی بار اس کا وار اس قدر زوردار تھا کہ محب کے منہ سے خون نکلنے لگ گیا۔

” میں نے تمہیں دلاور شاہ کے بارے میں ہر بات بتائی۔تم نے کیا کیا ؟ تم نے مجھے کچھ نہیں بتایا! کچھ بھی نہیں بتایا ! “ اب اس کی آواز میں درد تھا۔

”تم ! محب رضا حسین !! تم چاہے محبت کے معاملے میں جیت گئے ہو مگر دوستی کے معاملے میں ہار چکے ہو! ہار چکے ہو!“ اب وہ چینخا اور محب کے سینے پر وار کیا۔محب درد کی تاب نہ لاتے ہوئے نیچے گر گیا۔بس اسرا کی برداشت یہیں تک تھی۔وہ بھاگتی ہوئی محب اور فیصل کے درمیان کھڑی ہو گئی۔ فیصل محب کو دوبارہ مارنے ہی لگا تھا کہ اسرا کو بیچ میں حائل دیکھ کر اپنے قدم پیچھے کی جانب بڑھائے اور اپنا رخ موڑ لیا۔

”میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ میں اسے مار ڈالوں گا پھر بھی یہ میرے سامنے آگیا۔لے جائیں اسے میرے سامنے سے!! ورنہ میں بہت غلط کر دوں گا۔“ وہ ان دونوں کی طرف اب نہیں دیکھ رہا تھا۔ اگر اسرا کی جانب دیکھتا تو شائد اپنے آپ سے اس کے لیے لڑ بیٹھتا۔

اسرا نے محب کی جانب ہاتھ بڑھایا تو وہ کھڑا ہو گیا۔ایجنٹ ایکس اتنی مار تو برداشت کر ہی سکتا تھا ! وہ اسرا کا ہاتھ تھامے اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ڈرامے کا بنا کسی نتیجے کے ساتھ کلائمیکس ہو چکا تھا۔محب کے ساتھ اسرا اور منال بیٹھی تھی۔جبکہ بائیں جانب ایک خالی کرسی کے آگے حارث ، ارمان اور نعمان بیٹھ چکے تھے۔اب بس فیصل کی کرسی خالی پڑی تھی۔فیصل ان سب سے رخ موڑے اپنے سرخ ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔اس کے اندر غصے نے دوبارہ سر اٹھانا شروع کر دیا تھا۔

”فیصل واپس آؤ۔“ چیف کی بات پر اس نے اپنے جبڑے بھینچ لیے۔مگر ویسے ہی رخ موڑے کھڑا رہا۔

” پہلے ان سب کو یہاں سے چلتا کریں۔پھر آؤں گا۔“ وہ دانت کچکچاتے ہوئے بولا تو محب ہلکا سا مسکرایا۔

"یہ سب اس ایجنسی کا حصہ ہیں۔" فیصل نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔

"یہ سب حصہ ہیں مگر میں نہیں ہوں !! حارث چلو یہاں سے ! یہاں ہماری کوئی جگہ نہیں ہے۔"

اس نے سرد لہجے میں کہا تو حارث کھڑا ہو گیا۔

حارث کے ایک بھی قدم بڑھانے سے پہلے ارمان کھڑا ہوا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا فیصل کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔اس کے پاس فیصل کی ایک چیز تھی۔جو وہ گھر سے لے کر آیا تھا۔ارمان نے آہستہ سے فیصل کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔جسے اس نے جھٹک دیا۔

"کیا مسئلہ ہے؟ تمہیں بھی مار کھانی ہے؟" وہ ہتھے سے اکھڑ گیا۔اب وہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے تھے۔دونوں کے قد تقریباً چھ انچ تھے۔وہ ایک دوسرے میں اپنے والدین دیکھ رہے تھے۔

"یار ! تمہارا بھائی ہوں ! "ارمان یکدم سے فیصل کے گلے لگ گیا۔فیصل تو حیرت سے دنگ کھڑا تھا ۔ارمان کی آنکھوں سے آنسو نکلنا جاری ہو گئے۔فیصل نے اگر اس کی جانب ہاتھ نہیں بڑھائے تھے تو

اسے جھٹکا بھی نہیں تھا۔وہ تو پہلی دفعہ خون کی کشش کو اپنے اتنے قریب محسوس کر رہا تھا۔باقی سب بھی نم آنکھوں کے ساتھ مسکرا دیے۔

" تمہیں پتہ تھا کہ تمہارا ایک چھوٹا بھائی بھی ہے پھر کیوں نہیں آئے میرے پاس ؟" ارمان تو اسے چھوڑ ہی نہیں رہا تھا۔فیصل نے آہستہ سے اس کے گرد اپنے بازو پھیلا دیے۔

"تمہیں نہیں معلوم تھا کہ تمہارا ایک بڑا بھائی بھی ہے؟ "وہ بھی نم لہجے میں بولا تو ارمان نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں پتہ تھا۔سچ میں نہیں پتہ تھا۔اگر معلوم ہوتا تو اسی وقت تمہارے پاس پہنچ جاتا اور اپنے ساتھ لے جاتا !! " اب ارمان آنسو صاف کرتے ہوئے پیچھے ہٹا اور اپنی پاکٹ سے ایک چیز نکالی۔فیصل کی سیاہ آنکھیں اس چیز کو دیکھ کر مسکرائی تھیں۔یہ اس کی گھڑی تھی جو اس کے بابا نے اس کی سالگرہ پر اسے دی تھی۔جس گھڑی کی بدولت ارمان کو پتہ چلا تھا کہ اس کا ایک بھائی بھی اس دنیا میں موجود تھا۔ارمان نے وہ گھڑی فیصل کو پکڑائی۔جو اس نے اپنے سینے سے لگا لی۔

"تم بابا سے نہیں کہہ سکتے تھے کہ ایک میرے چھوٹے بھائی کے لیے بھی لے لیں ؟" ارمان کے مصنوعی دکھ سے کہنے پر وہ سب مسکرائے۔

" تم سے بڑا ہوں۔بھائی کہو!" فیصل نے گھڑی اپنی جیب میں ڈالنے کی بجائے ارمان کی جانب بڑھا دی ۔جسے ارمان اب حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"بھائی تو میں تمہیں نہیں کہنے والا اور یہ گھڑی تمہاری ہے۔تم ہی رکھو۔" فیصل نے ارمان کی بات پر خاموشی سے وہ گھڑی اس کی کلائی کے گرد باندھ دی۔

" تمہارے پاس بابا کی ایک بھی نشانی نہیں ہے۔رکھ لو۔" وہ گھڑی کی جانب دیکھتا بولا۔اسے وہ گھڑی بہت عزیز تھی۔

"شکریہ میرے بھائی ! اب آجاؤ۔" ارمان نے اس کا ہاتھ تھاما اور کرسی کے پاس لے گیا۔فیصل نے اس کا ہاتھ نہیں جھٹکا تھا۔اب وہ خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔مگر اس نے سامنے بیٹھے محب اور اسرا پر ایک نظر بھی نہیں ڈالی تھی۔

"کیا بات کرنی ہے آپ کو ؟" فیصل اب چیف سے مخاطب ہوا۔

"دیکھو۔۔ تمہارے پاس دلاور شاہ کے قتلوں کے ثبوت ہیں اور ہمارے پاس اس کے باقی کالے کارناموں کے۔۔" وہ آگے کو جھکتے فیصل کی جانب دیکھ رہے تھے۔

"تو اگر ہم ایک ٹیم بن کر کام کریں اور اسے اس کے انجام تک پہنچائیں تو یہ کام زیادہ آسان ہو جائے گا۔" ان کی بات پر فیصل سوچ میں پڑ گیا۔ پھر اس نے کرسی سے ٹیک لگا لی اور مسکراتے ہوئے چیف کی جانب دیکھا۔

"اس سے مجھے کیا ملے گا؟" اس کے مسکرا کر بولنے پر محب بھی مسکرایا تھا۔اسے معلوم تھا کہ فیصل یہ بات ضرور کرے گا !!

"کیا چاہیے تمہیں ؟" ان کی بات میں فیصل نے اپنی سیاہ آنکھیں ان کی آنکھوں میں ڈالیں۔

" میں منظرِعام پر آنا چاہتا ہوں۔" اس کے بولنے پر حارث بھی چونکا تھا۔یہ اس نے کب سوچا تھا؟

"کیا مطلب؟" چیف نے ناسمجھی سے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے کہ میں منسٹر بننے کے بعد منظرِ عام پر آکر دلاور شاہ کے خلاف کیس دائر کروں گا اور آپ مجھے اسپورٹ کریں گے۔" اس کے دو ٹوک لہجے میں کہنے پر چیف نے نفی میں سر ہلایا۔

”ایسا نہیں ہو سکتا ! “ فیصل پھر سے مسکرایا۔

”چیف ! آپ کے پاس شاہ خاندان سے کئی گنا زیادہ پاور ہے اور اس بات کو آپ مجھ سے چھپا نہیں سکتے۔“ اب کی بار اس کا انداز طنزیہ تھا۔محب سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ آخر فیصل کے دماغ میں کیا چل رہا تھا!!

” تمہاری جان خطرے میں پڑ جائے گی۔“ چیف نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

”مجھے میری جان خطرے میں منظور ہے۔اب بدلہ لینے کے لیے میں ہر حد پار کروں گا۔جان جاتی ہے تو چلی جائے ! “ اس نے لاپرواہی سے اپنے شانے اچکائے۔چیف اس کی بات پر سوچ میں پڑ گئے۔پھر انہوں نے محب کی جانب دیکھا جس نے پلکیں جھپکا کر انہیں تسلی دی تو چیف نے اثبات میں سر ہلایا۔

”ٹھیک ہے برخوردار ! ہم تمہیں ہر ممکن حد تک اسپورٹ کریں گے۔“ اب کی بار فیصل کھل کر مسکرایا۔پھر یکدم اس کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

” مگر میری ایک اور شرط بھی ہے۔“چیف نے اس کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

" آپ کے ساتھ بیٹھا انسان مجھ سے بات نہیں کرے گا۔" محب مسکرا اٹھا۔

" اوکے ! ٹھیک ہے۔" انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔اب چیف اسرا اور نعمان کی جانب متوجہ ہوئے۔

"ویلکم ٹو ایجنسی !! پرسوں آپ دونوں کا ٹیسٹ ہو گا۔مجھے امید ہے آپ مجھے اور ایجنٹ ایکس کو مایوس نہیں کریں گے۔" اب چیف کھڑے ہو گئے۔

"یس چیف !" اسرا اور نعمان یک زبان ہو کر کہا۔اب باقی سب بھی کھڑے ہو چکے تھے۔چیف کے کمرے سے نکلنے کے بعد اسرا محب کو سہارا دیتی باہر کی جانب بڑھی۔

اسی وقت نعمان نے ارمان کو اشارہ کیا۔ارمان نے اس کا اشارہ سمجھتے ہوئے ایک نظر فیصل کی جانب ڈالی اور پھر محب کے پیچھے گیا۔اس نے اپنی بند مٹھی محب کی پشت کی جانب بڑھائی۔مگر اس سے پہلے وہ محب کو لگتی اس کا ہاتھ ہوا میں معلق ہو کر رہ گیا تھا۔

فیصل سرد تاثرات لیے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

پھر اس نے ایک جھٹکے سے ارمان کا بازو چھوڑ دیا۔

" دشمن کے پیچھے سے وار کرنے والے بزدل ہوا کرتے ہیں۔ بہادر ہمیشہ سامنے سے وار کرتے ہیں۔"

وہ بے تاثر لہجے لہجے میں کہتا حارث کے ساتھ باہر نکل گیا۔ محب اب زخمی حالت میں سینے پر بازو لپیٹے

ارمان کو تک رہا تھا۔ یکدم وہ دونوں ہنسنا شروع ہو گئے۔

"تم نے ٹھیک کہا تھا! وہ تم پر ایک گولی بھی نہیں چلا سکتا؟" ارمان کی بات پر وہ سب مسکرائے۔

"اب بس کرو واپس ٹریننگ ہال چلو۔" محب کے کہنے پر نعمان نے ایک لمبا سانس خارج کیا۔

"آپ اس حالت میں ٹریننگ دیں گے؟" نعمان کی بات پر محب نے سرد آنکھوں سے اسے گھورا۔

"میری حالت بالکل ٹھیک ہے۔" اب وہ سب ہال کی جانب بڑھ رہے تھے۔

یہ کافی ہے کہ ہم دشمن نہیں ہیں

وفاداری کا دعوی کیوں کریں ہم؟

وفا، اخلاص، قربانی، محبت

اب ان لفظوں کا پیچھا کیوں کریں ہم؟

"نعمان! ان دونوں کو بھی ٹریننگ ہال میں لے کر آؤ۔" ہال کی جانب جاتے ہوئے محب نے نعمان سے کہا۔اب وہ بنا سہارے کے آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔

"کن دونوں کو ؟" نعمان نے نا سمجھی سے پوچھا۔

" فیصل اور حارث کو۔"محب کے کہنے پر نعمان باہر کی جانب دوڑا۔وہ دونوں ابھی گاڑی میں بیٹھنے ہی لگے تھے کہ نعمان نے فیصل کو آواز دی۔

" فیصل بھائی!!" اس کی پکار پر فیصل نے رک کر اسے دیکھا۔جس کی شکل ارمان سے ملتی تھی۔فیصل نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

" آپ کو اندر ایجنٹ ایکس بلا رہے ہیں۔" نعمان بھاگتا ہوا اس کے پاس آیا۔فیصل نے نا سمجھی سے اس کی جانب دیکھا۔کوئی ایجنٹ اسے کیوں بلائے گا؟؟

"کیوں ؟" وہ جانتا تھا کہ سامنے کھڑا لڑکا اس کا چچازاد ہے۔

" آپ اب ایجنسی کا حصہ ہیں۔اس لیے آپ دونوں کو بھی ٹریننگ لینی پڑے گی۔یہ ایجنسی کا رول ہے۔" نعمان کی بات پر فیصل کے ابرو تن گئے۔

"واٹ ربش !! چلو میں بھی دیکھتا ہوں کہ آخر کون ہے یہ ایجنٹ ایکس !! "اس نے اپنی آنکھوں سے گاگلز اتارے۔اس کے تلخ لہجے میں یہ کہنے پر نعمان نے اپنی مسکراہٹ دبائی اور اندر کی جانب بڑھ گیا۔

وہ دونوں بھی اس کے پیچھے ہی تھے۔وہ ہال میں داخل ہوئے تو وہاں محب، اسرا، ارمان اور منال انہیں کا انتظار کر رہے تھے۔محب اسے وہاں دیکھ کر عجیب سی انداز میں مسکرایا تھا۔فیصل نے اس کو ایک نظر دیکھا اور پھر اپنی نگاہ پھیر لی۔

"کہاں ہے وہ ایجنٹ ایکس؟" فیصل نے نعمان سے پوچھا تو سب مسکرا اٹھے۔نعمان نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے کرسی کی جانب اشارہ کیا۔جہاں محب ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھا اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ فیصل کو محب کی نگاہیں اپنا مذاق اڑاتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

" میں اس سے ٹریننگ ہرگز نہیں لوں گا۔" وہ اپنے دانت چباتے ہوئے بولا تو محب کھڑا ہوا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا فیصل کے مقابل کھڑا ہو گیا۔

" ایجنٹ نعمان! آپ نے اسے رولز نہیں بتائے ؟ "وہ تیکھی آواز میں بولا تو نعمان نے اپنا سر اثبات میں ہلایا۔

"اگر انہیں یاد نہ ہوں تو میں دوبارہ بتا دیتا ہوں۔" اب وہ فیصل کے گرد گھوم رہا تھا۔

" اس ٹیم کے ہر ممبر کو مجھ سے یعنی ایجنٹ ایکس سے ٹریننگ لینی ہوگی۔اس ڈیٹ کلیئر ؟" اب وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

" یس ایجنٹ ایکس! "نعمان کی آواز گونجی تو محب نے اس کا کندھا تھپکا۔

"گڈ ایجنٹ!" فیصل اپنی مٹھیاں بھینچے اپنے ارد گرد گھومتے محب کو دیکھ رہا تھا۔

"دوسرا رول ! یہاں موجود کسی انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہے۔نہ دوستی کا، نہ محبت کا اور نہ ہی نفرت کا۔"اب وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتا فیصل کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

" آئی تھنک باتیں کچھ زیادہ ہو گئی ہیں۔اب ٹریننگ شروع کی جائے۔سب فائٹنگ رنگ کے پاس آئیں۔فاسٹ! " وہ کرخت لہجے میں بولتا رنگ کی جانب بڑھ گیا۔سوائے فیصل اور حارث کے باقی سب بھی اس کے پیچھے گئے تھے۔

" اب کیا کرنا ہے؟" حارث نے سرگوشی کی تو فیصل نے بے تاثر چہرے کے ساتھ اسے دیکھا اور آگے بڑھ گیا۔اب وہ دونوں بھی رنگ کے پاس پہنچ چکے تھے۔ان کے وہاں پہنچتے ہی محب رنگ میں داخل ہو گیا۔

" ایک ایجنٹ کو فائٹنگ کی تمام سکلز آنی چاہئیں تاکہ وہ بروقت انہیں استعمال کر سکے۔"سب اسے غور سے سن رہے تھے۔جبکہ فیصل اپنا غصہ دبائے کھڑا تھا۔

" سب سے پہلے میں آپ کو فائٹنگ دکھاؤں گا۔" اس کی بات پر ان سب نے حیرت سے اسے دیکھا۔ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو اس نے فیصل سے اتنی مار کھائی تھی۔اب اس کی حالت لڑائی کرنے والی تو بالکل بھی نہیں تھی۔

" مگر اس سے پہلے میری ایک بات غور سے سنیں فائٹنگ کے دوران دشمن کے ہر قدم پر نظر رکھیں کہ وہ کب کیا کر رہا ہے!! اگر آپ اس کی اگلی چال سے ہی بے خبر ہوں گے۔تو اپنا دفاع کیسے کر پائیں گے؟ " اس نے ایک لمحے کا توقف لے کر اپنی چیل سی نظریں ان سب پر دوڑائیں۔

”میرے مطابق فائٹنگ میں دو چیزیں نہایت اہم ہیں۔ایک اپنا دفاع اور دوسرا دشمن پر حملہ۔“ اس کی بات پر فیصل نے اپنی آنکھیں گھمائیں۔

” تو میرے ساتھ کون لڑنا چاہے گا؟ “ محب نے ان سب کی جانب دیکھا۔پھر اس کی نظر ایک طرف کھڑے فیصل پر پڑی۔اس کی سرمئی آنکھیں مسکرائی تھیں۔”ایجنٹ فیصل احمد! رنگ کے اندر آئیں۔“ ان سب کو محب کی بات پر حیرت کا جھٹکا لگا۔وہ اب کیوں فیصل سے لڑنا چاہتا تھا ؟ فیصل اس کی بات پر وہیں کھڑا رہا۔

”تیسرا رول! ہر کسی کو میری ہر بات ماننی پڑے گی۔“ وہ فیصل کو تپاتے ہوئے مسکرایا تھا۔فیصل غصے سے اپنی شرٹ کے بازو موڑتا ہوا رنگ کے اندر داخل ہو گیا۔اسرا کی آنکھوں میں پریشانی چھا گئی۔

یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے ؟

”لگتا ہے ایجنٹ ایکس کچھ دیر پہلے والی مار بھول چکے ہیں۔“ فیصل بھی تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ مگر محب کا چہرہ بے تاثر ہی رہا۔تمہیں تو اب یہ ایجنٹ ایکس بتائے گا!!!

اب وہ ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔محب کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔جبکہ فیصل کی آنکھیں اب بے تاثر ہو چکی تھیں۔باقی سب تیز دھڑکن کے ساتھ ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

"اسٹارٹ!" محب کی آواز پر فیصل نے اس کے منہ پر مکا مارنا چاہا۔مگر محب نیچے جھک گیا۔فیصل نیچے گرتا گرتا بچا۔محب کے چہرے پر اب طنزیہ مسکراہٹ چھائی ہوئی تھی۔فیصل آنکھوں میں غصہ لیے اس کے سینے پر ضرب مارنے کے لیے بڑھا۔مگر محب پہلے ہی دائیں جانب ہو چکا تھا۔اسرا کی آنکھیں مسکرائی تھیں۔محب اب اپنا دفاع کر رہا تھا۔

فیصل نے پھر سے اپنے وار کو ضائع ہوتا دیکھا تو تیزی سے اپنی ٹانگ اس کے گھٹنے پر مارنی چاہی۔مگر محب قلازیاں کھا کر رنگ کے دوسرے حصے میں پہنچ چکا تھا۔اب فیصل کا چہرہ غصہ کی وجہ سے لال ہو چکا تھا۔نعمان اور ارمان تو اب ان کی لڑائی کو انجوائے کر رہے تھے۔اب تک فیصل کا ایک بھی وار کامیاب نہیں ہو پایا تھا۔

اب فیصل گھٹنوں پر ہاتھ رکھے لمبے لمبے سانس بھر رہا تھا۔اس کو تھکا دیکھ کر محب نے اپنی مسکراہٹ دبائی۔

”اسٹاپ !“ اب وہ رنگ کے باہر کھڑے ان پانچوں کی جانب متوجہ ہوا۔

”جو ابھی آپ سب نے دیکھا یہ ڈفینس فیز تھا۔اس میں بس اپنا دفاع کرنا ہوتا ہے اور اب جو آپ دیکھیں گے وہ فائٹنگ فیز ہو گا۔“وہ بے تاثر لہجے میں کہتے ہوئے مڑا اور فیصل کے سامنے کھڑا ہو گیا

۔

”اسٹارٹ !“اب کی بار محب نے زور سے فیصل کے جبڑے پر ضرب لگائی۔فیصل نے بے یقینی سے محب کی جانب دیکھا۔جبکہ محب فیصل کے ایسے دیکھنے پر ہلکا سا مسکرایا۔

”تم نے محب رضا حسین پر حملہ کیا تھا۔مگر بدلہ یہ ایجنٹ ایکس لے گا۔“وہ فیصل کے بےیقین چہرے کی جانب دیکھتا سرد لہجے میں بولا۔پھر اس نے فیصل کی ٹانگوں پر ضربیں لگائیں کہ وہ لڑکھڑا کر گر گیا۔

” تم نے میرے چہرے پر تین مکے، سینے پر پانچ مکے، اور ٹانگوں پر تین دفعہ حملہ کیا تھا۔“ وہ سب حیرانی سے محب کے سرد لہجے میں کہے جانے والے جملے سن رہے تھے۔

پھر محب نے دوبارہ اس کے منہ پر مکا مارا اور اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا کیا۔

" دو مکے ہو گئے۔" اب محب کا بازو فیصل کے کندھے تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کی گرفت میں آ چکا تھا۔

اب فیصل بے یقینی سے نکل آیا تھا۔اس نے محب پر حملہ کرنا چاہا۔مگر محب نیچے کو جھک گیا۔

" حملہ کرنے سے پہلے یہ بات سوچ لینا کہ ایجنٹ ایکس ایسے ہی چھوڑ دینے والوں میں سے نہیں ہے۔" اسی لمحے فیصل کا فون بجنا شروع ہو گیا۔جس کی وجہ سے محب پیچھے ہٹ گیا۔

فیصل نے اپنے پھٹے ہونٹ سے خون کو صاف کرتے ہوئے پاکٹ سے فون نکالا۔منظور علی کا نمبر جگمگا رہا تھا۔اس کو مجھ سے کیا کام پڑ گیا!!

" وعلیکم السلام! کیا ہوا؟" محب اب پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے غور سے فیصل کو دیکھ رہا تھا۔

"اوکے! میں آتا ہوں۔"اس نے فون بند کیا اور محب کی جانب دیکھا۔

"تم یہاں سے نہیں جا سکتے۔ ابھی مجھے تمہارا ادھار واپس کرنا ہے۔"محب کی بات پر فیصل نے اپنا سر جھٹکا۔ہنہ !! ادھار واپس کرنا ہے!

" حارث! شاہ سردار آگئے ہیں اور ہمیں بلا رہے ہیں۔ میں یہاں کل آ جاؤں گا۔" وہ دیکھ حارث کو رہا تھا۔ مگر اصل میں محب سے مخاطب تھا۔اسے حیرت ہو رہی تھی کہ محب نے زخمی حالت میں ہونے کے باوجود اسے اتنی بری طرح مارا تھا۔

"تم جا سکتے ہو۔ مگر کل کو نو بجے تم دونوں مجھے یہاں موجود چاہیے۔" محب کے بے تاثر لہجے میں کہنے پر فیصل حارث کے ساتھ باہر نکل گیا۔جبکہ محب اب رنگ سے باہر نکل آیا۔

" ایجنٹ ایکس ! آپ پانی لیں گے ؟" منال کے پوچھنے پر محب نفی میں سر ہلایا اور نعمان کی لائی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔

" آپ کو زیادہ چوٹ تو نہیں آئی ؟" اسرا اب اپنے اس کے سامنے کھڑی تھی۔محب اپنے نفی میں سر ہلایا۔

" اتنی سی مار ایجنٹ ایکس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔" وہ بولا تو اسرا مسکرائی۔محب کے چہرے سے ہلکا ہلکا خون نکل رہا تھا۔اسرا نے اپنے اسٹول کے پلو سے اس کا چہرہ صاف کیا تو محب مسکرا اٹھا۔

"او نہوں!" اسی وقت نعمان مصنوعی سا کھانسا۔

"یہاں کسی کا ایک دوسرے کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہے۔" وہ محب کے انداز میں پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے بولا تو ان سب کا قہقہہ گونجا۔

"انسانیت کا رشتہ سب سے بڑا ہوتا ہے۔" منال بولی تو ارمان نے اپنا سر جھٹکا۔

"ایجنٹ منال! یہ سب آج کے زمانے میں کتابی باتیں بن چکی ہیں۔آج لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں اور آپ انسانیت کی باتیں کر رہی ہیں!! " ارمان کے بولنے پر ان سب نے سر ہلایا۔یہ معاشرے کی ایک تلخ حقیقت تھی۔لوگ آج اپنی روایات کو بھول چکے تھے۔اپنے اصل کو بھول رہے تھے۔

" ایجنٹ ایکس ! آج کے لیے اتنی ٹریننگ بہت ہے؟" نعمان کے سوال پر محب نے نفی میں سر ہلایا۔

" ابھی آپ لوگوں کی فائٹنگ رہتی ہے۔اسرا اور ایجنٹ منال کا ایک پیئر ہوگا اور آپ دونوں کا دوسرا پیئر ہوگا۔" اس نے آخر میں ارمان اور نعمان کی جانب اشارہ کیا۔نعمان نے آسمان کی جانب دیکھا۔

" یا اللہ ! ان سے مجھ معصوم پر ظلم کرنے کا الگ سے حساب لیجئے گا۔"

"ناو اسٹارٹ!" وہ اپنی کرسی سے ٹیک لگائے ہوئے بولا تو اسرا اور منال جبکہ ارمان اور نعمان ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ وہ سب ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔ ایک جانب نعمان، ارمان پر حملہ کر رہا تھا جبکہ دوسری جانب منال، اسرا پر حملہ کر رہی تھی۔

اسرا کی ٹرکس دیکھ کر محب کے ابرو ستائشی انداز میں اٹھے۔ واہ زوجہ ! آئی ایم ٹوٹلی امپریسڈ!

کچھ ہی دیر میں نعمان اور منال ہار چکے تھے۔ محب کھڑا ہو گیا۔

"ویری گڈ !" اسرا نے ہاتھ بڑھا کر منال کو نیچے سے اٹھنے میں مدد کی جو مسکراتے ہوئے کھڑی ہو چکی تھی۔

"ایجنٹ منال! مجھے آپ سے یہ امید بالکل بھی نہیں تھی۔" محب کے بولنے پر منال نے شرمندگی سے اپنا سر جھکا لیا۔

" ایجنٹ اسرا بہت اچھی فائٹر ہیں۔" وہ اسرا کی جانب دیکھتی بولی تو محب نعمان کی جانب متوجہ ہوا۔

"تم شام تک یہیں رہ کر پریکٹس کرو گے۔ منال اور ارمان تمہارے ساتھ رہیں گے۔" محب کی بات پر نعمان کے چہرے پر صدمہ چھا گیا۔

”میں کیوں؟“ ارمان کے شکایتی انداز پر محب اس کی جانب متوجہ ہوا۔

”اگر تم منال اور نعمان کو چھوڑ کر جانا چاہتے ہو تو جا سکتے ہو۔“ اسے معلوم تھا کہ ارمان اب وہیں رکے گا۔

” اوکے ! میں رک جاتا ہوں۔“ ارمان کی بات پر محب کھڑا ہو گیا۔

” چلیں اسرا! “اسرا نے اس کی بات پر اثبات میں سر ہلایا۔

”اسرا آپی کیوں جا رہی ہیں؟“ نعمان کے سوال پر محب کے چلتے قدم رکے اور پھر وہ سینے پر بازو لپیٹتا ان سب کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

”رول نمبر فور ! کوئی مجھ سے سوال نہیں کرے گا۔اور کم از کم مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اسرا محب رضا حسین ہر چیز میں پرفیکٹ ہیں۔“ اب وہ اسرا کا ہاتھ تھامتا باہر نکل گیا۔

” دیکھا اس لیے میں کہہ رہی تھی کہ تمہیں ایجنٹ ایکس سے محبت کرنا سیکھنی۔۔۔“ اسی وقت منال نے اپنی زبان دانتوں تلے دبائی اور اِدھر اُدھر دیکھا۔

" یہاں کیمراز لگے ہیں۔اس لیے ٹریننگ پر فوکس کرو۔" اب ارمان اور نعمان ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے۔جبکہ منال پنچنگ بیگ پر مکے برسا رہی تھی۔

تم کو جہانِ شوق و تمنا میں کیا ملا

ہم بھی ملے تو درہم و برہم ملے تمہیں

جیسے ہی محب باہر نکلا تو ایک ایجنٹ ہاتھ میں بہت سا سامان پکڑے اس کی جانب بڑھا۔

" ایجنٹ ایکس ! یہ آپ کا سامان آگیا ہے۔کیا میں آپ کی گاڑی تک چھوڑ آؤں؟" اس نے ایک دفعہ بھی اسرا کی جانب نہیں دیکھا تھا۔ایجنٹ ایکس کا اتنا رعب جو تھا۔

ایجنٹ کی بات پر محب نے نفی میں سر ہلایا۔

"شکریہ ! آپ مجھے دے دیں۔" محب نے اسرا کا ہاتھ چھوڑا اور اس سے وہ سامان پکڑ لیا۔

"یہ سب کیا ہے؟" محب اسکے سوال پر مسکرایا۔اب وہ لوگ پارکنگ لاٹ میں پہنچ چکے تھے۔

”محترمہ ! آپ کی مما سے شاپنگ کے لیے پرمیشن لی تھی۔اب اگر آپ خالی ہاتھ جائیں گی تو کیا ان

کو شک نہیں ہو گا؟“ محب نے پسنجر سیٹ پر سارا سامان رکھا اور اسرا کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولا۔

اسرا کے اندر بیٹھنے کے بعد وہ دوسری سائیڈ سے ڈرائیونگ سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔

اسرا نے محب کی بات پر اثبات میں سر ہلایا۔یہ بات تو اس نے سوچی ہی نہیں تھی۔

” یہ سامان میں نے آن لائن منگوایا تھا اور گارڈز کو اطلاع بھی دے دی تھی۔“محب کا ارادہ اب کسی

ریسٹورانٹ جانے کا تھا۔

”آپ ہاسپٹل چلیں۔“اسرا نے اس کے زخمی چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو محب مسکرایا۔

” زوجہ ! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ یہ چھوٹی موٹی چوٹیں تو زندگی کا حصہ ہوتی ہیں۔آپ فکر مت

کریں۔آپ کو بھوک لگی ہے؟“ اسرا نے محب کی بات پر نفی میں سر ہلایا۔

” اوکے۔پھر ہم آئس کریم کھانے چلتے ہیں۔“ اب محب نے گاڑی کا رخ اپنے فیورٹ ریسٹورانٹ کی

جانب کر دیا۔

”ڈاکٹر فیصل نے ہاسپٹل سے ریزائن کر دیا ہے۔“ اسرا کو آج صبح ڈاکٹر نیلوفر نے یہ بات بتائی تھی۔

محب اس بات پر چونکا نہیں تھا۔اسے معلوم تھا کہ جلد یا بدیر وہ ایسا کرے گا۔

”وہ الیکشن میں کھڑا ہو رہا ہے۔اس لیے ہاسپٹل کا کام مینج نہیں کر پائے گا۔“ محب کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”آپ دونوں کی صلح ہو جائے گی؟“ اسرا کی بات پر محب مسکرایا تھا۔

”اس کا غصہ کچھ دنوں تک اتر جائے گا۔ابھی اس کے زخم گہرے ہیں۔جیسے جیسے بھرتے جائیں گے

۔وہ ٹھیک ہو جائے گا۔“محب کے مبہم انداز میں کہنے پر اسرا نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

”زخم؟“ محب نے اثبات میں سر ہلایا۔

”جی دو دو زخم ! ایک دوستی کا اور دوسرا محبت کا۔“ اسرا نے اثبات میں سر ہلایا۔

”آپ اسے بتا دیتے کہ آپ ایک ایجنٹ ہیں۔“ اسرا کی بات پر محب نے لمبا سانس بھرا۔

”اسرا ! آپ کو کیا لگتا ہے کہ میں اسے بتانا نہیں چاہتا تھا ؟ “ اس نے اسرا سے سوال کیا۔اس کی

نظر ڈرائیونگ وے پر مرکوز تھیں۔

"اسرا! میں زنجیروں سے بندھا ہوا تھا۔ جس طرح منال ارمان کو نہیں بتا سکتی تھی۔اس طرح میں بھی کسی کو نہیں بتا سکتا تھا۔"وہ آہستہ آواز میں اسرا کو سمجھا رہا تھا۔

" ہم لوگوں کی زندگیاں سب سے چھپی ہوتی ہیں۔کسی کو نہیں معلوم ہوتا کہ ان کے ارد گرد موجود انسان ایجنٹس ہیں اور یہ بات صرف ان کے فائدے کے لیے چھپائی جاتی ہے۔" اس نے ایک لمحے کا توقف لیا۔

" اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ہم ایجنٹس ہیں تو ان کی زندگی بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔اس لیے ہم کسی کو بھی یہ بات نہیں بتا سکتے کہ ہم ایجنٹس ہیں۔"اب کی بار اس کا لہجہ تھکا ہوا تھا۔

"سوری۔" اسرا نے آہستہ آواز میں کہا تو محب مسکرایا۔

" ارے محترمہ! آپ مجھے کیوں سوری کہہ رہی ہیں؟ آپ پر تو پورا محب رضا حسین قربان!" محب نے مسکراتے ہوئے کہا تو اسرا نے اپنا سر جھکا لیا۔محب نے ریسٹورانٹ کی پارکنگ میں گاڑی پارک کی۔اسرا نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ چونک اٹھی۔یہ تو انان تھا۔وہ مسکرائی۔

"آپ کو پتہ ہے یہ ہم سب کا فیورٹ ریسٹورانٹ ہے۔" وہ پرجوش لہجے میں بولی۔ محب کو یہ بات معلوم تھی۔اس رات یہیں پر تو فیصل نے اسرا پر حملہ کرنا چاہا تھا۔

محب نے ایک پرائیویٹ ٹیبل بک کروایا اور اس جانب بڑھ گیا۔اسرا کے سامنے اس رات کا واقعہ گھوم گیا۔اب وہ خاموشی سے محب کے سامنے کرسی پر بیٹھ چکی تھی۔محب اس کے تاثرات جانچ رہا تھا۔جبکہ وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔یکدم محب کو لگا کہ اس کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔

"کیا ہوا زوجہ؟" محب کے فکر مند انداز پر اسرا مسکرائی اور محب کی جانب دیکھ کر نفی میں سر ہلایا۔

"کچھ نہیں۔" مگر محب اس کے جواب سے مطمئن نہیں ہوا تھا۔ان کی دوسری جانب کھڑکی تھی۔ جس کے پار درخت ہوا میں جھوم رہے تھے۔اسی وقت ان کے پاس ویٹر آگیا۔محب نے اسرا سے پوچھ کر چاکلیٹ آئس کریم کا آرڈر دے دیا۔اسرا کھڑکی کے پار نظر آتے منظر کو دیکھ رہی تھی۔جبکہ محب اس کے چہرے کی جانب دیکھ رہا تھا۔کچھ دیر بعد ان کا آرڈر آ چکا تھا۔

محب نے اپنا گلا کھنکارا۔

"باہر کتنے درخت ہیں؟" محب کے سوال پر اسرا نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

"میں نے پوچھا کہ آپ کو یہاں سے کتنے درخت نظر آ رہے ہیں ؟" اسرا کو محب کے سوال کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا تھا۔اسرا کو خاموش دیکھ کر محب نے آئسکریم اس کے آگے رکھ دی۔

"آپ باہر والے منظر کو نہیں دیکھ رہی تھیں۔بلکہ اپنے دماغ میں کچھ سوچ رہی تھیں۔آپ کو معلوم ہے کہ سب سے بڑی ایڈکشن کون سی ہوتی ہے ؟" اسرا نے خالی نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

" اسرا سب سے بڑی ایڈکشن برے خیالات کی ایڈکشن ہوتی ہے۔اگر ایک دفعہ انسان اس دلدل میں پھنس جاتا ہے۔تو اس سے نکلنا بہت مشکل ہوتا ہے۔" اس کی بات پر اسرا نے خفگی سے اپنا سر جھٹکا۔

" میں کون سا برے خیالات سوچ رہی تھی! " وہ بولی تو محب بے ساختہ مسکرایا۔

" پھر میرے ہوتے ہوئے ایسا کیا سوچا جا رہا تھا جو آپ میری طرف نہیں دیکھ رہی تھیں؟" اب وہ ساتھ ساتھ آئسکریم بھی کھا رہے تھے۔اسرا اس کی بات پر پھر سے خاموش ہو گئی۔

"زوجہ! بتائیں نا ! آپ مجھے پریشان کر رہی ہیں۔"محب کی بات پر اسرا نے لمبا سانس بھرا۔

"میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی تھی۔" وہ آہستہ آواز میں بولی۔ محب کو اسی وقت کا انتظار تھا کہ وہ کب اسے اپنے دل کی بات بتائے گی ؟؟

"جی زوجہ !محب رضا حسین اپنے کانوں کے، دل کے اور دماغ کے دروازے کھول کر آپ کی جانب متوجہ ہے۔ آپ ارشاد فرمایئے ! " محب کی بات پر اسرا بے اختیار مسکرا اٹھی۔ پھر یکدم وہ سنجیدہ ہو گئی۔ محب خاموشی سے اس کے بدلتے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

" آپ کو پتہ ہے میرا دعویٰ تھا کہ میں ارمان سے عشق کرتی ہوں۔"وہ آہستہ آواز میں بولی تھی۔ محب اس کی جھکی نگاہوں کو دیکھ رہا تھا۔

"مجھے لگتا تھا کہ میں ارمان سے اس قدر عشق کرتی ہوں کہ اللہ مجھے ارمان دے دیں گے۔"اس کے مدھم آواز میں بولے جانے والے الفاظ محب کے دل پر بجلیاں گرا رہے تھے۔اسرا کے منہ سے یہ سننا آسان نہیں تھا۔

اسرا اس کے دل کی کیفیت سے بے خبر سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس کی نگاہوں کے سامنے پانچ سال والی رات گھوم گئی۔

”میں پانچ سال پہلے اس کے کمرے میں گئی تھی۔“ اس کی آواز میں درد نہیں تھا۔وہ مسکرا رہی تھی۔پھر اسرا نے اسے اس رات کے ہر لمحے کے بارے میں بتا دیا۔محب کی سرمئی آنکھیں لال ہو چکی تھیں۔اس کی میز پر گرفت مضبوط ہوتی چلی گئی۔

” پتہ ہے میں نے ارمان سے کہا تھا کہ تم کبھی عشق مت کرنا ورنہ برباد ہو جاؤ گے۔مگر میں غلط تھی۔میری ہر ایک بات غلط تھی۔میرا ہر ایک نظریہ غلط تھا۔“ وہ آخر میں مسکرا اٹھی۔محب خاموش بیٹھا تھا۔اس کے کانوں میں صرف اسرا کے الفاظ گونج رہے تھے۔

”اگر وہ عشق کرتا تو آباد ہو جاتا۔“ اسرا کی بات پر محب چونکا تھا۔اس نے حیرانی سے اسرا کی جانب دیکھا۔اس نے تو جہاں بھی سنا تھا یہی سنا تھا کہ عشق بربادی ہے۔جو بھی کرے گا وہ برباد ہو جائے گا۔مگر اسرا یہ کیوں کہہ رہی تھی؟ اسرا اپنے چہرے پر محب کی نظروں کا ارتکاز محسوس کر رہی تھی۔

” میں نے تو کبھی ارمان سے عشق کیا ہی نہیں۔بلکہ ساری دنیا میں کسی انسان نے بھی کسی دوسرے انسان سے کبھی عشق نہیں کیا۔“محب اب پوری توجہ سے اسرا کی بات سن رہا تھا۔

" عشق کسی انسان سے ہو ہی نہیں سکتا۔ عشق تو حقیقی ہوتا ہے۔صرف ایک ذات سے ہوتا ہے ۔صرف اللہ سے! اس ذات کے علاوہ کسی سے عشق ہو ہی نہیں سکتا۔میں شاعروں کے ہر فلسفے کو رد کرتی ہوں۔" اب کی بار اس کا لہجہ پختہ تھا۔اس نے اپنا سر اٹھایا اور محب کی آنکھوں میں دیکھا۔

" آپ کو معلوم ہے اللہ نے مجھے ارمان کیوں نہیں دیا؟" اب اس کی آنکھوں میں نمی نہیں تھی۔محب اس کے سوال پر خاموش رہا۔

"کیونکہ میں نے اللہ کی حدود کو توڑ ڈالا تھا۔" اس کا لہجہ دھیما تھا۔محب کی نگاہوں میں نا سمجھی ابھری ۔

"اللہ کی حدود؟" وہ بولا تو اسرا نے اثبات میں سر ہلایا۔

" جو مقام اللہ کا ہونا چاہیے تھا، جو محبت مجھے اللہ سے کرنی چاہیے تھی۔وہ میں ارمان سے کرتی رہی۔ اس دل میں سب سے اونچا مقام اس ذات کا ہونا چاہیے جس نے ہمیں پیدا فرمایا۔"اس نے ایک لمحے کا توقف لیا۔

” انسان جب اپنے دوسرے رشتوں کو وہ مقام دینے لگ جاتا ہے جو اللہ کا ہونا چاہیے تو وہ اللہ کی حدود کو توڑ دیتا ہے۔ پھر پتہ ہے کیا ہوتا ہے؟ “ وہ سوالیہ انداز میں پوچھتے ہوئے مسکرائی تھی۔ محب نے نفی میں سر ہلایا۔ آئسکریم پگھلتی جا رہی تھی۔ کھڑکی کے پار درخت ویسے ہی جھوم رہے تھے۔

” پھر اس انسان سے ان رشتوں کو چھین لیا جاتا ہے۔ اسے عرش سے فرش پر پھینک دیا جاتا ہے۔ گہرے کنویں میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اور پوچھا جاتا ہے۔

بتایا اے میرے بندے! یہاں تیرا کون ہے ؟ “ اسرا کی آنکھوں میں نمی گھل گئی۔

” وہ انسان پھر اِدھر اُدھر اپنے رشتوں کو تلاش کرتا ہے۔ ان کو آوازیں دیتا ہے۔ مگر اس کو جواب میں صرف سناٹا ملتا ہے۔ صرف خاموشی !“ اس نے ایک لمحے کا پھر سے توقف لیا۔ محب کے لیے ارد گرد کی دنیا تھم چکی تھی۔ اس کے سامنے بس اسرا بیٹھی بول رہی تھی۔

” پھر وہ کنویں سے باہر نکلنے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر بھی توقع کرتا ہے کہ اس کے رشتے اسے وہاں سے باہر نکالیں گے۔ مگر کوئی نہیں آتا۔ وہ ہر طرف سے مایوسیوں میں گھر جاتا ہے۔ پھر انسان تھک

جاتا ہے۔اپنے رشتوں کو آوازیں دے کر تھک جاتا ہے۔اس کے حواس شل ہو جاتے ہیں ،ساری توقعات چھوٹ جاتی ہیں اور پھر آتا ہے امید کا جگنو !" وہ آنکھوں میں نمی لیے بول رہی تھی۔

" جانتے ہیں وہ جگنو کیا ہوتا ہے؟ " اسرا خود ہی سوال کر رہی تھی اور خود ہی جواب بھی دے رہی تھی۔

"ڈرو نہیں۔میں تمہارے ساتھ ہوں۔سب کچھ سن بھی رہا ہوں اور دیکھ بھی رہا ہوں۔

اس جگنو کے ساتھ ہی انسان کے اندر امید پیدا ہوتی ہے۔پھر وہ اللہ سے دعا مانگتا ہے۔اور اللہ اسے وہاں سے نکالتا ہے۔انسان ایسے ہی اللہ تک نہیں پہنچ جاتا۔پہلے کنویں کی تاریکی اور مایوسیاں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔" اس نے سامنے پڑے جگ سے پانی کا گلاس پانی گلاس میں انڈیلا اور ایک ہی سانس میں پی گئی۔

" آپ نے اتنا کچھ کیسے برداشت کیا؟" محب حیرت سے بولا تو اسرا مسکرائی۔

"میں نے اللہ کی حدود کو توڑا تھا۔یہ میری سزا تھی۔اگر مجھے نہ ملتی تو آج میں آپ کے سامنے بیٹھی نہ ہوتی۔میں آج جو کچھ بھی ہوں وہ اللہ کی بدولت ہوں۔"اب وہ مسکرا کر بولی۔

”آپ میرے ساتھ خوش تو ہیں؟“ محب نے ڈرتے ڈرتے سوال کیا۔

” محترم! خوشی میں بے سکونی رہتی ہے۔ ہر وقت دل کو دھڑکا سا لگا رہتا ہے کہ کہیں اس کی خوشی چھین نہ لی جائے۔ اس لیے ہمیشہ مطمئن رہنا چاہیے اور میں آپ کے ساتھ مطمئن ہوں۔“ اس کی بات پر محب نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

”اب چلیں! مما ویٹ کر رہی ہوں گی۔“ اسرا کے کہنے پر وہ اٹھا اور کاؤنٹر پر بل جمع کروایا۔ اب وہ دونوں اسرا کے گھر کی جانب روانہ ہو چکے تھے۔

تو اپنی شیشہ گری کا ہنر نہ کر ضائع

میں آئینہ ہوں مجھے ٹوٹنے کی عادت ہے

فیصل نے جیسے ہی گاڑی شاہ ولا میں داخل کی حارث کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ پورچ میں چھ سے سات کالی گاڑیاں کھڑی تھیں اور باہر لان میں بلکہ گھر کے ہر جگہ گارڈز ہی گارڈز کھڑے تھے۔

” یہ شاہ سردار اپنے ساتھ کیا پوری نفری لے کر آئے ہیں؟“فیصل کا چہرہ بے تاثر تھا۔

” دلاور شاہ کی حفاظت کرنے کے لیے ان گارڈز کو لائے ہیں۔“ وہ بولا تو حارث نے اثبات میں سر ہلایا۔ گاڑی پورچ میں پارک کرنے کے بعد وہ دونوں گاڑی سے نکلے۔ مگر اس سے پہلے وہ اندر کی جانب بڑھتے دو گارڈز ان کا راستہ روک چکے تھے۔

فیصل نے اپنی آنکھوں سے گاگلز اتارے اور سرد نظروں سے ان کی جانب دیکھا۔ شاید وہ اسے جانتے نہیں تھے !!

”کون ہو تم لوگ اور اندر کیسے آئے ؟ “ایک گارڈ کی بھاری آواز گونجی تو فیصل کے ابرو تن گئے۔

اس سے پہلے وہ کچھ بولتا اندر سے منظور علی باہر آیا۔

”اوہ! تم لوگوں نے چھوٹے حضور کا راستہ کیوں روک لیا؟ ہٹو ان کے سامنے سے۔“وہ بولا تو گارڈز آگے سے خود ہٹ گئے۔

”سوری سر! ہمیں آرڈر دیا گیا تھا کہ کسی کو بھی اندر نہیں جانے دینا۔“ گارڈ کے کہنے پر حارث نے فیصل کی جانب دیکھا۔ فیصل نے اثبات میں سر ہلایا اور گاگلز پہنتا اندر داخل ہو گیا۔

”چھوٹے حضور! شاہ سردار آپ کے دادا ہیں۔ان سے ادب سے ملے گا۔“ منظور علی کے کہنے پر اس نے سخت تاثرات لیے اسے گھورا۔

”تم کون ہوتے ہو مجھے ہدایات دینے والے؟ مجھے اچھے سے معلوم ہے کہ کسی کے ساتھ کیسے پیش آنا ہے۔“ راہداری مڑتے وہ سخت لہجے میں بولا۔

سامنے لاؤنج میں دلاور شاہ کے ساتھ ایک باریش آدمی بیٹھا تھا جس کے چہرے سے ہی رعب جھلک رہا تھا۔وہ کبھی شاہ حویلی نہیں گیا تھا۔اور شاہ سردار اپنی ضد کی وجہ سے یہاں نہیں آتے تھے۔ان کے مطابق دلاور شاہ نے غیر کے لیے اپنوں کو چھوڑا تھا۔مگر جیسے ہی انہیں دلاور شاہ پر ہونے والے حملوں کی خبر ملی تو ان سے رہا نہیں گیا اور یہاں آ گئے۔

” السلام علیکم ! “ وہ اور حارث سلام کرتے ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔اس کے سلام پر شاہ سردار نے اسے گھورا اور دلاور شاہ کی جانب دیکھا۔جو اب ان کی جانب معذرات خوانہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔جبکہ دوسری جانب فیصل ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔

”فیصل شاہ! کیا تم ہماری روایات کو بھول چکے ہو؟“ ان کی بھاری آواز لاؤنج میں گونجی تو فیصل نے مسکراتے ہوئے انہیں دیکھا۔وہ انہیں تپانے کا پورا منصوبہ بنا کر آیا تھا۔وہ اتنا بھی بے خبر نہیں تھا کہ حویلی کی روایات کے بارے میں نہ جانتا۔اسے اچھے اے معلم تھا کہ شاہ سردار سے ملتے وقت لوگ پہلے ان کے ہاتھ چومتے تھے۔مگر وہ تو ٹھہرا فیصل احمد! کیوں ان روایات کو پورا کرے؟

”فیصل شاہ! ہم نے پوچھا کہ کیا تم ہماری روایات بھول چکے ہو؟ “ اسے خاموش بیٹھا دیکھ کر وہ دوبارہ کرخت لہجے میں بولے تو فیصل نے اپنے چہرے پر معصومیت سجالی۔

”دادا سردار ! روایات انہیں بھولتی ہیں جنہیں کبھی یاد ہوں۔مجھے تو کسی نے سیکھائی ہی نہیں تو مجھے یاد کیسے ہوں گی۔“وہ پرسکون لہجے میں بولا تو انہوں نے دلاور شاہ کی جانب دیکھا۔

”تم اس لیے ہمارے پوتے کو یہاں سب سے دور لائے تھے ؟ تم نے ہمارے پوتے کی یہ پرورش کی ہے ؟“انہوں نے دلاور شاہ کو ڈپٹا۔فیصل دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا۔

” دادا سردار ! ان کا کوئی قصور نہیں ہے۔شاید انہیں بھی روایات بھول چکی ہوں گی۔اس لیے مجھے سکھانے کا یاد نہیں رہا۔کیوں بابا ؟“حارث تو اپنے مسکراہٹ دبائے بیٹھا تھا۔اب شاہ سردار کی ساری توپوں کا رخ دلاور شاہ کی جانب ہو چکا تھا۔

”ہم نے سوچا تھا کہ ہمارا پوتا آئے گا۔ہمیں گلے سے لگائے گا۔ہمارے ساتھ باتیں کرے گا۔مگر یہ تو سلام کر کے بیٹھ گیا ہے۔یہ کچھ سکھایا ہے تم نے اسے؟“ ان کی کرخت آواز پورے لاؤنج میں گونج رہی تھی۔فیصل کو اپنے دل میں ایک سکون سا اترتا محسوس ہوا۔

”معذرت بابا سردار!“ دلاور شاہ جھکے ہوئے سر کے ساتھ بولا تو شاہ سردار نے تنفر سے اپنا سر جھٹکا۔

” اب ہم یہیں رہیں گے۔تمہاری سکیورٹی ہم تبدیل کروا چکے ہیں۔تمہارے سارے گارڈز کو ہم نے فارغ کروا دیا ہے اور تمہارا سکیورٹی سسٹم بھی تبدیل کروا چکے ہیں۔اب ہم بھی دیکھتے ہیں کہ کوئی تم پر حملہ کیسے کرتا ہے۔“ ان کی بات پر حارث نے پریشانی سے فیصل کی جانب دیکھا۔جو بالکل پرسکون بیٹھا تھا۔

" میرے یہاں آنے کا ایک اور مقصد بھی ہے۔" اب وہ فیصل کو دیکھ رہے تھے۔اسے اچھے سے معلوم تھا وہ مقصد آخر کیا تھا!

" جی کون سا مقصد ؟ "دلاور شاہ کے کہنے پر وہ ہلکا سا مسکرائے۔

"اب ہمیں اپنا وارث چاہیے۔"پانی پیتے حارث کو اچھو لگا۔انہوں نے ایک نظر حارث کی جانب ڈالی اور پھر فیصل کو دیکھنے لگ گئے۔

" اوہ! یہ تو بہت اچھی بات ہے۔کیا آپ نے رشتہ ڈھونڈا؟" فیصل کی بات پر حارث نے جھٹکے سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔جبکہ شاہ سردار مسکرائے تھے۔

"ہاں ! ہماری نظر میں خاندان کی چند لڑکیاں ہیں۔"ان کی بات پر فیصل نے گاگلز اتار کر میز پر رکھے اور آگے کو جھکا۔

" میں آپ کو بتا دیتا ہوں کہ مجھے اپنی نئ مام میں کون کون سی خوبیاں چاہیے۔" وہ انتہائی سنجیدگی سے بول رہا تھا۔جبکہ اس کی بات پر دلاور شاہ اور شاہ سردار کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

"چھوٹے شاہ! تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟" شاہ سردار نے ناسمجھی سے پوچھا تو فیصل کے چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی۔

" آپ نے خود ہی تو کہا کہ آپ کو وارث چاہیے۔اس لیے آپ بابا کی شادی کروا دیں۔ سمپل!" وہ صوفے سے ٹیک لگاتا عام سے لہجے میں بولا تو حارث کا قہقہہ چھوٹ گیا۔ سمپل !!

"ہاہاہا! " اس کی ہنسی کو شاہ سردار کی سخت نظروں نے بریک لگائی۔جبکہ دلاور شاہ تو مکمل صدمے میں جا چکے تھے۔

" تم ہوش میں ہو؟ تمہیں معلوم بھی ہے کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" فیصل اطمینان سے مسکرایا۔

" جی دادا سردار! مجھے اچھے سے معلوم ہے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔اگر آپ کو سمجھ نہیں آئی تو میں دوبارہ بتا سکتا ہوں۔" اس نے ایک لمحے کا توقف لیا۔

"اگر آپ کو اپنے وارث کو دیکھنے کی اتنی ہی جلدی ہے تو بابا کی شادی کروا دیں۔آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔" اس کے چہرے پر مسکراہٹ چھائی ہوئی تھی۔

" ہم تمہاری شادی کی بات کرنے آئے تھے اور تم ہو کے اپنے باپ کی شادی کا مشورہ دے رہے ہو! یا اللہ! کیسا زمانہ آگیا ہے ؟ "حارث کا دل کر رہا تھا کہ وہ فیصل کی باتوں پر کھل کر ہنسے۔

" دادا سردار ! واضح سی بات ہے کہ میں شادی نہیں کرنا چاہتا۔" دلاور شاہ تو بیٹے اور باپ کے درمیان بہت برے پھنسے تھے۔

" شہزادے! آپ نے ایک لڑکی بھی تو پسند کی تھی۔ہم اس کے گھر رشتہ لے کر چلتے ہیں۔" دلاور شاہ کی بات پر ایک لمحے کو فیصل کے تاثرات پتھریلے ہو گئے۔اس سے پہلے وہ کچھ بولتا شاہ سردار دھاڑے۔

" تمہیں معلوم نہیں کہ ہمارے خاندان میں باہر شادی نہیں کی جاتی۔" ان کی بات پر فیصل نے اپنی آنکھیں گھمائیں۔پہلے میرا ڈی۔این۔اے ٹیسٹ تو کروا کر دیکھیں دادا سردار! بڑے آئے خاندان سے باہر شادی نہیں کرتے !

"آپ فکر مت کریں دادا سردار! میں خاندان سے باہر کیا خاندان کے اندر بھی شادی نہیں کرنا چاہتا۔" وہ ٹھنڈے ٹھار لہجے میں کہتا انہیں تپا گیا۔

”دیکھ رہے ہو اپنے بیٹے کی ضد کو! دیکھنا ایک دن تم بہت پچھتاؤ گے۔“ شاہ سردار کی بات پر فیصل نے دل میں ان شاءاللہ کہا۔

”اوکے دادا سردار ! آپ اپنی بحث کیری آن کریں۔میں چلتا ہوں۔“ اس نے مسکراتے ہوئے اپنے گاگلز میز سے اٹھائے اور حارث کے ساتھ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔جبکہ پیچھے سردار اور دلاور شاہ کی بحث جاری تھی۔

کمرے میں آتے ہی حارث فکر مندی سے ٹہلنے لگا۔جبکہ فیصل آرام سے صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔

”کیا ہوا ہے ؟“فیصل کے پوچھنے پر وہ اس کے پاس صوفے پر بیٹھ گیا۔

”انہوں نے سارا سیکیورٹی سسٹم چینج کر دیا ہے۔اب ہم کیا کریں گے؟“ حارث کے فکر مندی سے کہنے پر بھی فیصل کے اطمینان میں ذرا بھی کمی نہیں آئی۔

”ہمیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ہمیں اب بس اس کا لیپ ٹاپ چاہیے۔پھر اگلے ہفتے الیکشنز ہیں تب تک انتظار کرنا ہو گا۔“وہ آہستہ آواز میں بولا۔

"تمہارے بھائی کی شادی بھی اگلے ہفتے ہی ہے۔ اس سے اس سے پہلے ہمیں لیپ ٹاپ حاصل کرنا ہے۔" وہ بولا تو فیصل نے بے تاثر نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

"ہمیں بس اس لیپ ٹاپ میں سے ایک انفارمیشن چاہیے۔ تم اسے ہیک کر سکتے ہو۔" وہ بولا تو حارث نے اثبات میں سر ہلایا۔

"مگر اس کے لیے بھی ہمیں کوڈ کی ضرورت پڑے گی۔" اس کی بات پر فیصل نے اسے سخت نظروں سے گھورا۔

" یہ بات تم مجھے پہلے نہیں بتا سکتے تھے؟ اس کا کوڈ مجھے معلوم ہے۔" فیصل کی بات پر حارث نے جھٹکے سے اس کی جانب دیکھا۔

"بتاؤ پھر۔ میں آج سے ہی یہ کام شروع کرتا ہوں۔" حارث جلدی سے بولا تو فیصل ایک منٹ کے لیے خاموش ہو گیا۔

"بتاؤ نا !" اس کے بولنے پر فیصل نے لمبا سانس بھرا۔

" وہی ڈیٹ جس دن سے یہ سب کچھ شروع ہوا تھا۔" وہ آہستہ آواز میں بولا تو حارث کو سمجھ آگئی۔

" اوکے! میں آج ہی ہیک کر لوں گا۔ مگر اس میں ہے کیا ؟" فیصل اب صوفے سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے بیٹھا تھا۔ یکدم کسی کی چوڑیوں کی چھنک کانوں میں گونجی۔ وہ ہلکا سا مسکرایا۔

حارث تو حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

فیصل کی نگاہوں کے سامنے اسرا دلہن بنی کھڑی تھی۔

" فیصل!" اس سے پہلے وہ خیالوں کی دنیا میں بہت آگے نکل جاتا حارث نے اسے جھنجھوڑا۔ فیصل نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"کیا ہوا؟" حارث کے پوچھنے پر وہ پھیکا سا مسکرایا۔

" حقیقت میں نہیں دیکھ سکتا خیالوں میں تو دیکھنے دو۔" اس نے انتہائی آہستہ آواز میں کہا مگر حارث اس کی بات سن نہیں پایا۔

"کچھ نہیں۔ تم کیا کہہ رہے تھے؟" فیصل کے سوال پر حارث نے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں نے پوچھا کہ اس لیپ ٹاپ میں ایسا کیا ہے۔ جو تمہیں چاہیے ؟"اب فیصل سنجیدہ نظروں سے حارث کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"تمہاری بنائی گئی ویڈیو!" اس کی بات پر حارث کی نگاہوں کے سامنے اپنا بچپن آگیا۔ جس وقت دلاور شاہ نے اس کی دادی کو مارا تھا۔ اس وقت وہ اپنے بابا کے موبائل پر گیم کھیل رہا تھا۔ گیم کھیلتے کھیلتے اس نے کیمرہ آن کر لیا اور وہ سارا منظر قید ہو گیا۔

مگر اسی وقت دلاور شاہ کی اس پر نظر پڑ چکی تھی۔ دلاور شاہ نے اسے وہ موبائل لے کر اپنے لاکر میں رکھ لیا۔

"اب ہمیں کیا کرنا ہے؟" حارث کی بات پر فیصل نے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

"بتایا تو ہے وہ ویڈیو حاصل کرنی ہے اور پھر اگلے ہفتے کا انتظار!" اس کی بات پر حارث نے اثبات میں سر ہلایا۔

" اور ایجنسی؟" فیصل پراسراریت سے مسکرایا۔

"چیف کو معلوم ہے کہ میرے اور محب کے علاوہ اس دلاور شاہ کو اس کے انجام تک کوئی نہیں پہنچا سکتا۔" اس کی بات پر حارث نے اس کی جانب نا سمجھی سے دیکھا۔

" تو پھر ڈاکٹر اسرا، نعمان اور ارمان ٹریننگ کیوں لے رہے ہیں؟" اسے سمجھ نہیں آئی تھی کہ وہ سب وہاں کیوں تھے ؟

" ڈاکٹر اسرا اور نعمان کا وہاں کوئی کام نہیں ہے۔چیف نے محب اور ارمان کو متحرک رکھنے کے لیے انہیں ٹیم کا حصہ بنایا ہے۔جیسے ہی کام ختم ،ویسے ہی وہ ایجنسی کا حصہ نہیں رہیں گے۔" حارث نے اس کی بات پر اثبات میں سر ہلایا۔

" اوکے! اب میں چلتا ہوں جیسے ہی ویڈیو حاصل کر لوں گا تمہیں سینڈ کر دوں گا۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا تو فیصل نے صوفے سے ٹیک لگا لی۔

ہیں دلیلیں تیرے خلاف مگر

سوچتا ہوں تیری حمایت میں

" حضور! اگر آپ اجازت دیں تو ایک بات کہوں؟" اس وقت دلاور شاہ اپنے اسٹڈی روم میں بیٹھے تھے۔

"کہو۔" ان کی بات پر منظور علی نے تھوک نگلا۔

" مجھے چھوٹے حضور کچھ عجیب سے لگتے ہیں۔" اس کی بات پر دلاور شاہ نے سخت نظروں سے اسے گھورا۔

"کیا مطلب ؟" وہ تیکھے لہجے میں بولے۔

" مطلب مجھے لگتا ہے کہ انہیں اپنا بچپن یاد ہے اور۔۔" اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

" اور؟"

" اور آپ پر ہونے والے حملوں میں کہیں نہ کہیں ان کا ہاتھ ہے۔" اس نے ڈرتے ڈرتے جملہ مکمل کیا تو دلاور شاہ کے چہرے کے تاثرات سخت ہو گئے۔

" تمہیں معلوم بھی ہے تم یہ کس کے بارے میں کہہ رہے ہو ؟ وہ فیصل دلاور شاہ ہے۔اس کا احمد خاندان سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اسے اپنا بچپن بالکل بھی یاد نہیں۔" وہ کرخت لہجے میں بول رہے تھے۔

"حضور! آپ ایک دفعہ سوچیں کہ آپ پر چھوٹے حضور کے علاوہ کون حملہ کروا سکتا ہے ؟ ان کا بھائی؟ " اس نے دلاور شاہ کی جانب دیکھا۔

"کیا آپ کو نہیں لگتا کہ ایک معمولی سے پولیس والے کے لیے یہ کام بہت مشکل ہے۔" اس کی بات پر دلاور شاہ سوچ میں پڑ گئے۔منظور علی ان کے دل میں شک کے بیج بونے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

" وہ گھڑی جو چھوٹے حضور کو ملی تھی وہ ان کے باپ کی تھی۔شاید وہ انہیں کے پاس ہو اور انہوں نے یہ حملے والا سارا ڈرامہ کیا ہو۔" اس کی بات پر دلاور شاہ نے اثبات میں سر ہلایا۔مگر ایسا کیسے ہو سکتا تھا؟ جس کو انہوں نے اپنے بچے کی طرح پالا۔وہ انہیں مارنے کی کوشش کیسے کر سکتا تھا!!

" اور وہ ڈاکٹر حمنہ بھی تو انہیں کے ہاسپٹل میں کام کرتی تھی نا؟" دلاور شاہ دل اور دماغ کی جنگ میں بہت برے پھنسے تھے۔ساری دلیلیں فیصل کے خلاف تھیں۔

" گارڈز کو بلواؤ۔" دلاور شاہ نے کچھ سوچ کر کہا تو منظور علی باہر نکل گیا۔کچھ دیر بعد وہ گارڈز کے ہیڈ کے ساتھ اندر آیا۔

"جی سر!" وہ ہاتھ باندھے بولا تو دلاور شاہ کرسی سے کھڑے ہو گئے۔

"فیصل شاہ پر نظر رکھنی ہے اور دھیان رہے یہ بات کسی کو معلوم نہیں ہونی چاہیے اور شاہ کو تو بھنک بھی نہیں پڑھنی چاہیے۔" وہ بے تاثر لہجے میں اسے حکم دے رہے تھے۔انہیں اپنے فیصل شاہ پر پورا بھروسہ تھا۔مگر وہ منظور علی کی بات کو جھٹلانا چاہتے تھے۔

"اس نے ہاسپٹل سے ریزائن دے دیا ہے۔کل سے وہ جہاں بھی جائے گا تم اس کا پیچھا کرو گے۔وہ جس بھی انسان سے ملے گا تم مجھے خبر کرو گے۔" ان کے حکمیہ انداز میں کہنے پر گارڈ نے اثبات میں سر ہلایا۔

" اوکے سر!"

"ٹھیک ہے تم جا سکتے ہو۔" اس کے جانے کے بعد انہوں نے سگار سلگایا۔

"منظور علی! دعا کرو کہ تم غلط ہو۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولے۔

" اور اگر میں غلط نہ ہوا؟" اس کی بات پر انہوں نے دھواں اسٹڈی روم کی فضا میں چھوڑا۔

”پھر مجھے وہ کرنا پڑے گا۔ جس کے بعد میں اپنے آپ سے بھی نظریں نہیں ملا پاؤں گا۔“ وہ بولے تو منظور علی چونکا۔

” آپ چھوٹے حضور کو مار ڈالیں گے؟“ دلاور شاہ نے لمبا سانس بھرا۔

”میرے نزدیک دھوکے کی سزا فقط موت ہے اور فیصل کو مرنا ہوگا۔“ ان کے لہجے میں ایک درد تھا۔

”آپ نے انہیں اپنے بیٹے کی طرح پالا ،ان سے اتنی محبت کی اور اب انہیں مار ڈالیں گے ؟“ دلاور شاہ کی فیصل سے محبت کا گواہ خود منظور علی تھا۔

” تم دعا کرو کہ فیصل نے کچھ نہ کیا ہو۔“ وہ آہستہ آواز میں بولے تو منظور علی خاموشی سے انہیں تکتا رہ گیا۔

اللہ بھی انسان کو اپنوں کے ہاتھوں ہی فرش پر گراتا ہے۔دلاور شاہ نے فیصل کو اپنا سمجھا تھا اور اگر فیصل نے وہ سب کچھ کیا ہو تو وہ انہیں مار ڈالے گا۔دلاور شاہ اپنے دشمنوں کو کبھی نہیں بخشتا تھا۔وہ ایک درندہ تھا اور اس بات کا اندازہ منظور علی کو آج ہوا تھا۔

۔۔۔۔

رات میں محب شاور لے کر اپنے روم میں آیا تو اس نے اپنا موبائل چیک کیا۔موبائل کی سکرین پر فیصل کے نمبر سے آیا ہوا میسج جگمگا رہا تھا۔اسے حیرت ہوئی کہ فیصل نے اسے میسج کیا تھا۔مگر جیسے ہی اس نے میسج پڑھا۔اس کے ابرو تن گئے۔

" تم انتہائی درجے کے بےوقوف ہو۔چیف نے ڈاکٹر اسرا کو ایجنسی میں اس لیے شامل کیا تاکہ تم ان کے قابو میں رہو۔پتہ نہیں کیسے کیسے لوگ ایجنٹ بن جاتے ہیں !! " اس نے میسج پڑھنے کے بعد موبائل بیڈ پر اچھالا اور گلاس ڈور سائیڈ پر کرتا جم روم میں داخل ہو گیا۔

اب وہ پنچنگ بیگ پر پنچز مار رہا تھا۔جبکہ چہرے کے تاثرات حد درجہ سرد تھے۔وہ مسلسل سوچنے میں مصروف تھا۔

وہ تو پہلے ہی چیف کی ہر بات مانتا تھا۔پھر چیف اسرا کو کیوں مہرہ بنائیں گے ؟ شاید وہ میری کمزوری کو بھی اپنے قابو میں رکھنا چاہتے ہیں! اسی وقت اس نے زور سے ایک پنچ مارا اور واپس اپنے کمرے میں آگیا۔اب وہ اسرا کا نمبر ملا رہا تھا۔کچھ دیر بعد دوسری جانب سے کال اٹھا لی گئی۔

" السلام علیکم !کیسے ہیں آپ ؟"اسرا کی آواز سن کر اس نے سکون سے اپنی انکھیں بند کیں۔

"وعلیکم السلام! الحمداللہ میں ٹھیک ہوں۔" اب وہ صوفے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔جبکہ دوسری جانب اسرا ابھی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھی۔اب وہ بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔جبکہ نظریں چھت پر مرکوز تھیں۔

" آپ کل سے ایجنسی نہیں آئیں گی۔" اس کی بات پر اسرا بری طرح چونکی۔

" مگر کیوں ؟ "اس نے حیرت سے پوچھا تو محب نے لمبا سانس بھرا۔

" میں آپ کو کسی کھیل کا حصہ نہیں بننے دے سکتا۔پلیز ! میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔" وہ انتہائی بے بسی سے بولا۔وہ صرف اپنی زوجہ کے سامنے ہی بے بس ہو جایا کرتا تھا۔اس کی بات پر اسرا سوچ میں پڑ گئی۔

" اوکے محترم ! میں نہیں آؤں گی اور نہ ہی ایجنسی کا حصہ بنوں گی۔مگر چیف؟" اس نے محب کو مزید تنگ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔وہ خود بھی کسی کھیل کا حصہ نہیں بننا چاہتی تھی۔

"بہت بہت شکریہ آپ کا ! چیف کو میں خود ہینڈل کر لوں گا۔آپ فکر مت کریں اور ہاں نعمان بھی نہیں آئے گا۔" اس کی بات پر اسرا نے اثبات میں سر ہلایا۔

”یہ لڑائی ارمان ،میری اور فیصل کی ہے۔اس لیے اسے ہم تینوں کو ہی لڑنے دیں۔آپ لوگوں کو اس میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔اب بس دلاور شاہ کی بربادی نزدیک ہے۔خیر آپ چھوڑیں انہیں! “ اب وہ پرسکون تھا۔نعمان تو مان نہیں جائے گا کیونکہ وہ پہلے ہی ٹریننگ سے بھاگ رہا تھا۔

” آپ کیا کر رہی تھیں؟ “ اسرا محب کے سوال پر مسکرائی۔

” ابھی نماز پڑھی ہے۔“

” دعا میں کیا مانگا ؟“محب مسکراتے ہوئے بولا تو اسرا سوچ میں پڑ گئی۔

”دعا انسان اور اللہ کے درمیان کا سیکرٹ رہا ہوتا ہے۔اسے دوسرے انسانوں کو نہیں بتانا چاہیے۔“

اس کی بات پر محب مسکرایا۔

” محترمہ ! آپ نے بالکل درست فرمایا۔“ اس کی بات پر اسرا کو یکدم کچھ یاد آیا۔

”آپ نماز پڑھتے ہیں؟“ وہ ابرو اٹھا کر پوچھ رہی تھی۔محب نے آنکھیں بند کر کے اس کو تصور کے پردے میں دیکھا۔

”جی الحمداللہ! ابھی پڑھنے لگا تھا۔ویسے کیا نماز بھی اللہ اور انسان کے درمیان کا سیکرٹ نہیں ہوتی ؟“وہ بولا تو اسرا سنجیدہ ہو گئی۔

”جی ہوتی ہے ! ہم کسی کو نیک کام کرنے کے لیے مجبور نہیں کر سکتے۔مگر اس کے سامنے وہ نیک کام خود کر کے اسے مائل ضرور کر سکتے ہیں اور میں تو آپ کی شریکِ سفر ہوں نا پھر کیا میں اپ سے نہیں پوچھ سکتی ؟ “ اس کے مان سے کہنے پر محب مسکرایا تھا۔

”مگر ابھی آپ نے کہا کہ نماز اور دعا دونوں سیکرٹ ہوتے ہیں۔پھر اگر آپ نماز کے بارے میں پوچھ سکتی ہیں تو میں کیا دعا کے بارے میں نہیں پوچھ سکتا؟ “ اسرا اس کی ذہنیت پر مسکرائی۔

”اگر آپ نماز پڑھ رہے ہیں تو سب کو دیکھائی دے گا کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں۔اگر آپ آنکھیں بند کر کے دل میں دعا مانگیں گے تو سوائے آپ کے اور اللہ کے وہ کسی کو معلوم نہیں ہوگی۔“ وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتی بول رہی تھی تو محب نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔اسی وقت اسرا کے کمرے کا دروازہ بجا۔

”یس!“ اسرا کے کہنے پر فضہ دروازہ دھکیلتی اندر داخل ہو گئی۔اس کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی۔

"محترم! میں آپ سے بعد میں بات کرتی ہوں۔اللہ حافظ! " اسرا فضہ کو دیکھتی ہوئی بولی۔جو اس کی جانب شرارتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

" جی ٹھیک ہے۔فی امان اللہ! اپنا خیال رکھیے گا۔" محب کے کہنے پر اسرا نے کال کاٹ دی۔

" جیجا جی سے بات کر رہی تھیں؟ " وہ شرارتی لہجے میں بولتی اس کے ساتھ بیڈ پر بیٹھ گئی۔اس کی بات پر اسرا نے اثبات میں سر ہلایا۔

"آپ کو کوئی کام تھا ؟"اس کے سوال پر فضہ نے فوراً اپنی کتاب اس کے آگے کر دی۔

"مجھے یہ ٹاپک سمجھ میں نہیں آ رہا۔" اسرا نے دیکھا تو وہ اکاؤنٹنگ کا کوئی ٹاپک تھا۔اس نے مسکرا کر فضہ کو دیکھا۔

" فضہ ! میرا اس کتاب سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔میں یہ نہیں سمجھا سکتی۔" اس کی بات پر فضہ نے نفی میں سر ہلایا۔

" اسرا یاسر سب کچھ کر سکتی ہیں۔آپ دیکھیں آپ سمجھا دیں گی۔" وہ ضدی انداز میں بولی تو اسرا نے قہقہہ لگایا۔

" چندا! اسرا یاسر کوئی ہوائی مخلوق نہیں ہے اور ہر انسان سب کچھ نہیں کر سکتا۔مجھے واقعی میں اکاؤنٹنگ کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔" فضہ نے اداسی سے اپنا سر جھکا لیا۔اسے اداس دیکھ کر اسرا سوچ میں گم ہو گئ۔

"مگر میرے پاس ایک آئیڈیا ہے۔" وہ بولی تو فضہ نے سر اٹھا کر سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

اسرا اب کسی کا نمبر ملا رہی تھی۔

"السلام علیکم!" دوسری جانب سے نعمان کی نیند میں ڈوبی آواز سنائی دی۔

" وعلیکم السلام! میرے گھر آؤ۔" اسرا کی بات پر نعمان نے اپنی آنکھیں کھولیں۔

" یار اسرا ! میں بہت تھکا ہوا ہوں۔کل کو بات کریں گے۔" وہ اونگتا ہوا بولا۔

"نعمان! فضہ کو ایک ٹاپک سمجھ میں نہیں آ رہا۔تم سمجھا دو گے یا وہ یوٹیوب سے سمجھ لے؟ " اسرا نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا تو دوسری جانب نعمان کی نیند اڑ گئی۔وہ جلدی سے اٹھا۔

"آرہا ہوں۔" اس کی بات پر اسرا نے کال کاٹ دی۔اب اسرا کا قہقہہ کمرے میں گونج اٹھا۔جبکہ فضہ اسے ہونقوں کی طرح دیکھ رہی تھی۔

"آپ لاؤنج میں چلیں۔میں سب کے لیے کافی بنا کر لاتی ہوں۔" وہ بیڈ سے اٹھتی بولی۔

کچھ دیر بعد وہ لاؤنج میں کافی لے کر گئی تو نعمان فضہ کو ٹاپک سمجھانے میں مصروف تھا۔جبکہ فضہ برا منہ بنائے بیٹھی تھی۔کافی دیکھ کر نعمان نے لمبا سانس بھرا۔

"سچ میں اسرا ! ابھی مجھے صرف کافی چاہیے تھی۔" اس نے کافی کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔اسرا فضہ کے ساتھ والے صوفے پر بیٹھ چکی تھی۔اب وہ ان دونوں کو دیکھنے میں مصروف تھی۔ان دونوں کو اکٹھے دیکھ کر اسرا کو میڈ فار ایچ ادر والی فیلنگ آتی تھی۔

کچھ دیر بعد فضہ کو ٹاپک سمجھ میں آگیا تو وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔اب لاؤنج میں اسرا اور نعمان موجود تھے۔

"نعمان! ہم کل سے ایجنسی نہیں جا رہے۔" اسرا کی بات پر نعمان چونکا۔

"مگر کیوں؟"

”ایجنٹ ایکس کا حکم ہے۔“ وہ بولی تو نعمان نے شکر کا سانس بھرا۔

”ویسے اچھا ہی ہوا۔مجھے تو پہلے ٹریننگ نہیں لینی تھی۔اوکے! اب میں چلتا ہوں۔“ وہ باہر نکل گیا جبکہ اسرا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

آئینہ کہتا ہے۔۔کہنا تو نہیں چاہیے تھا

تو ابھی زندہ ہے۔۔رہنا تو نہیں چاہیے تھا

صبح فیصل اور حارث ایجنسی جا رہے تھے کہ حارث کو راستے میں کچھ غیر معمولی سا محسوس ہوا۔اس نے مرر سے پیچھے کی جانب دیکھا تو کچھ فاصلے پر ایک کالی گاڑی ان کا پیچھا کر رہی تھی۔یہ انہیں ہی سات گاڑیوں میں سے ایک تھی۔اس نے فیصل کے چہرے کی جانب دیکھا۔

”گارڈز ہمارا پیچھا کر رہے ہیں۔“حارث کی بات پر اس نے بھی پیچھے کی جانب دیکھا اور ہلکا سا مسکرایا۔

”لگتا ہے شاہ سردار نے گارڈز کو پیچھا کرنا نہیں سکھایا۔“ وہ طنزیہ لہجے میں بولا تو حارث کے چہرے پر پریشانی چھا گئی۔

یکدم فیصل نے گاڑی کا رخ تبدیل کر لیا۔

”اب ہم کہاں جا رہے ہیں ؟“ حارث کے پوچھنے پر وہ خاموش رہا۔

” بتاؤ نا! کیا سوچ رہے ہو؟“ حارث کی بات پر فیصل نے اسے سخت نظروں سے گھورا۔ حارث نے کھڑکی سے باہر دیکھ کر راستہ پہچاننے کی کوشش کی اور پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے فیصل کی جانب دیکھا۔

” نہیں فیصل ! تم ایسا نہیں کر سکتے۔ ہمارے سالوں کی محنت ضائع ہو جائے گی۔“ اس نے فیصل کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا جسے اس نے جھٹک دیا۔

” فیصل احمد اب ہر حد پار کرے گا۔“ حارث نے اس کی ہٹ دھرمی پر پیچھے آتی کالی گاڑی کی جانب دیکھا۔

”فیصل ! اگر یہی کرنا تھا تو شروع میں ہی کر لینا تھا۔ اب تم صرف اپنی نہیں بلکہ سب کی زندگیاں

خطرے میں ڈالو گے۔ مت کرو ایسا۔" حارث نے اپنا سر تھامتے ہوئے کہا جبکہ فیصل بے تاثر چہرہ لیے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔

"فیصل! ہمارے اتنے سال ضائع ہو جائیں گے۔" اس کا لہجہ نم ہو رہا تھا۔ اسے افسوس ہو رہا تھا کہ فیصل اب ایسا کیوں کر رہا تھا؟ سب کچھ تباہ و برباد ہو جائے گا۔

"تم نے مجھے ویڈیو سینڈ کی تھی؟" فیصل نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا تو حارث ایک لمحے کے لیے اس کے بے تاثر چہرے کو دیکھتا رہ گیا۔

"کیا تمہیں فرق نہیں پڑتا؟ کیا تمہیں ہماری راتوں کی جاگ کر کی گئی محنت یاد نہیں؟ کیا تمہیں ہمارے آفس میں کام کرتے نوجوانوں کی محنت یاد نہیں؟ وہ سب کچھ تباہ و برباد کر ڈالے گا۔ وہ سب کو مار ڈالے گا۔ فیصل احمد! وہ سب کو مار ڈالے گا۔" اب حارث کی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو گئے تھے۔ مگر فیصل ایسے ظاہر کر رہا تھا جیسے اسے کوئی فرق ہی نہ پڑ رہا ہو۔

"میں نے پوچھا کیا تم نے مجھے ویڈیو سینڈ کی؟" گاگلز کے پیچھے چھپی سیاہ آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔ اس کے دل میں درد کی ٹیسٹیں اٹھ رہی تھیں۔ مگر پھر بھی وہ سرد لہجے میں بولا۔

"ہاں کر دی تھی۔" اب کی بار حارث چلایا اور اپنا رخ گاڑی کی جانب کر لیا۔اس انسان کو کوئی فرق نہیں پڑنے والا تھا۔فیصل نے ایک لمبا سانس بھر کر اس کی جانب نگاہ ڈالی اور پھر گاڑی کو قبرستان کے باہر پارک کر دیا۔

وہ دروازہ کھول کر باہر نکل چکا تھا۔حارث بھی اس کے پیچھے گیا۔اسے معلوم تھا کہ وہ گاڑی ابھی بھی ان کے پیچھے تھی۔مگر دلاور شاہ اور شاہ سردار ان کا پیچھا کیوں کروائیں گے؟ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ گارڈز ان کی حفاظت کے لیے ان کا پیچھا کر رہے ہوں۔وہ جلدی سے فیصل کے پیچھے بھاگا اور اس سے پہلے فیصل اپنے بابا کی قبر کے پاس پہنچتا حارث نے اسے روک لیا۔

" فیصل ! ٹھنڈے دماغ سے سوچو۔شاید وہ ہماری حفاظت کے لیے ہمارے پیچھے آئے ہوں۔" اس کی بات پر فیصل نے اپنی آنکھوں سے گاگلز اتارے اور اپنی پاکٹ میں ڈال لیے۔

" چاہے وہ ہماری حفاظت کرنے آئے ہوں یا چاہے جاسوسی کرنے آئے ہوں۔اب مجھے یہ چوہا بلی کا کھیل نہیں کھیلنا۔" اب وہ حارث کو پیچھے کرتا افنان احمد کی قبر کی جانب بڑھ گیا۔دور کھڑے گارڈز نے ان دونوں کی تصویر بنائی تھی۔

اب فیصل افنان احمد کی قبر کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا۔یہیں سے انتقام کی داستان کا آغاز ہوا تھا۔سالوں پہلے فیصل نے یہیں بیٹھ کر اپنے آپ سے ایک عہد کیا تھا۔

حارث اس سے چند قدموں کے فاصلے پر کھڑا تھا۔کاش! وہ اس رات افنان احمد کے پاس نہ جاتا تو شاید آج افنان احمد اپنے بچوں کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہے ہوتے۔مگر اس کے جانے کی وجہ سے سب کچھ تباہ ہو گیا۔افنان احمد مر گئے، محب کے بابا مر گئے، ارمان اور فیصل جدا ہو گئے۔ کاش! وہ نہ جاتا! اس کی تو ساری زندگی اس کاش میں ہی الجھ کر رہ گئی تھی۔اسے اپنی ساری زندگی ایک کاش کے بوجھ تلے جینا تھا۔اس بوجھ کو اٹھاتے اٹھاتے اس کے کندھے جھک چکے تھے۔اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔فیصل، افنان احمد کی قبر کے اوپر ہاتھ پھیر رہا تھا۔

اس کی آنکھیں حد درجہ سرخ ہو چکی تھیں۔

”بابا ! میں آپ کے انتقام کو پورا کرنے جا رہا ہوں۔“ وہ آہستہ آواز میں بولا۔اس کے دل میں درد ہو رہا تھا۔

" بابا! مجھے دعا دینا کہ آپ کا فیصل آپ کے دشمنوں کو مار ڈالے۔مجھے پتہ ہے آپ خوش نہیں ہوں گے۔" اس نے لمبا سانس بھر کر اپنے آنسوؤں کو اندر دھکیلا۔اس کے جملات سن کر حارث کا ضبط جواب دے گیا۔وہ زاروقطار رونے لگا۔

" بابا ! آپ مجھے معاف کر دیں گے نا ؟ اپنے فیصل کو معاف کر دیں گے نا ؟ "ایک آنسو اس کی گال پر بہہ نکلا۔حارث نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

" آپ کو پتہ ہے میں کل ارمان سے ملا تھا۔مجھے اس کو دیکھ کر تھوڑی سی جلن ہوئی۔پتہ ہے ! وہ سارا آپ کی طرح دکھتا ہے۔اس کی ساری شکل آپ پر گئی ہے۔" اب وہ نم آنکھوں سے مسکرا رہا تھا۔

"مجھے آپ کی طرح دکھنا تھا۔مگر خیر۔۔!آپ کو پتہ ہے میں نے وہ بچھو والی گھڑی ارمان کو دے دی۔" وہ یہاں آ کر ایک بچہ بن جایا کرتا تھا۔والدین کے لیے ان کی اولاد تو ہمیشہ چھوٹی ہی رہتی ہے۔اب وہ اپنے آنسوؤں کو صاف نہیں کر رہا تھا۔

”ویسے بھی مجھے اس گھڑی کو رکھ کر بھی کیا کرنا تھا؟ میں تو آپ کے پاس آ رہا ہوں نا؟ دعا کیجئے گا کہ میں آپ کے پاس جلد آجاؤں۔ یہ دنیا مجھے قبول نہیں کرے گی۔“ اس کی بات پر حارث نے تڑپ کر اسے گلے سے لگایا۔

” بابا! یہ دنیا آپ کے فیصل کو قبول نہیں کرے گی۔

بابا! آپ اپنے اللہ سے کہیے گا کہ وہ مجھے بلا لیں۔ وہ میری بات نہیں سنتے۔ آپ ان سے کہیے گا کہ میرے بیٹے کو بلا لیں۔ مجھے آپ سے ملنا ہے بابا! مجھے آپ کے گلے سے لگ کر رونا ہے۔ یہاں میرا کوئی نہیں ہے! بابا! یہاں میرا کوئی نہیں ہے۔“ اس کی باتیں سن کر حارث کا دل تڑپ اٹھا تھا۔ وہ فیصل کو خاموش کروانے کی کوشش کر رہا تھا مگر فیصل خاموش نہیں ہو رہا تھا۔ وہ بول رہا تھا۔ آخر اتنے دنوں بعد تو اسے بولنے کا موقع ملا تھا۔

”حارث! تم کہو نا ان سے کہ مجھے بلا لیں۔ مجھے اس ظالم دنیا میں نہیں رہنا۔ اللہ! مجھ سے میری سانسیں چھین لیں۔“ اب وہ حارث کو سائیڈ پر کرتا آسمان کی جانب دیکھ کر چینختا تھا۔

” سنبھالو خود کو!“ حارث نے اس کے کندھے جھنجھوڑے تو وہ بپھر گیا۔

"کب سے سنبھال ہی تو رہا ہوں۔اب نہیں سنبھالا جاتا۔مجھے بکھرنے دو۔میں خود کو سنبھال سنبھال کر تھک گیا ہوں۔کوئی میری بات سنتا ہی نہیں !" وہ رو رہا تھا۔ہاں وہ فیصل احمد رو رہا تھا۔وہ تھک چکا تھا۔

"کوئی مجھے سمجھتا ہی نہیں۔نہ تم نہ ہی وہ محب۔کوئی نہیں سمجھتا ! فیصل احمد کو کوئی نہیں سمجھتا!" درد کی انتہا تھی۔صبر کرنا تو وہ جانتا ہی نہیں تھا۔پھر وہ کیا کرتا ؟ آج اچانک اس کے دل کا درد باہر نکلا تھا کہ حارث بھی دنگ رہ گیا تھا کہ وہ اپنے دل میں کتنا کچھ چھپا کر بیٹھا تھا۔

" پتہ ہے اب مجھے نہ ہی تمہارا سہارا چاہیے نہ ہی اس محب کا اور مجھے ڈاکٹر اسرا بھی نہیں چاہیے۔" وہ تھکے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

" پھر تمہیں کیا چاہیے؟" حارث کی بات پر اس نے آسمان کی جانب دیکھا اور لمبا سانس بھرا۔

" موت!!" اس کے لب ہلکے سے ہلے تھے۔اس کی مدھم سی سرگوشی پر حارث نے نفی میں سر ہلایا۔

" نہیں ! تم مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔میں نے ہر قدم پر تمہارا ساتھ دیا ہے۔ہم بچپن کے ساتھی ہیں۔تم مجھے چھوڑ کر کیسے جا سکتے ہو؟" حارث کے کہنے پر فیصل کا اذیت ناک قہقہہ گونجا۔

”تمہارا ایک خاندان ہے۔ تم ان کے ساتھ رہو۔ کیوں مجھ بد قسمت انسان کے ساتھ بندھے ہوئے ہو؟ جاؤ بھابھی کے پاس۔“ فیصل نے حارث کو پیچھے کی جانب دھکیلا۔

”تو تم بھی شادی کر لو۔ اپنا خاندان بنا لو۔“ حارث کی بات پر فیصل کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔

”یار! تم لوگ کیوں نہیں سمجھتے؟ شادی ہر مسئلے کا حل نہیں ہوتی۔ کوئی بھی لڑکی مجھے نہیں سنبھال پائے گی۔ مجھے کسی نئی کہانی کا آغاز نہیں کرنا۔ مجھے اس کہانی کا اختتام کرنا ہے جو دلاور شاہ نے شروع کی تھی۔ مجھے اختتام کرنا ہے!“ وہ انتہائی بے بسی سے بولا۔

”شاید شادی سے تمہارے مسائل حل ہو جائیں۔“ حارث نے آخری دفعہ پر امید لہجے میں کہا تو فیصل نے بے تاثر نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

”کون سے مسائل؟ بتاؤ کون سے مسائل؟ دل میں دلاور شاہ کے لیے نفرت اور ڈاکٹر اسرا کے لیے محبت ہے۔ یہ دونوں ہی میری زندگی کے مسائل ہیں۔ شادی سے ان میں سے ایک بھی مسئلہ حل نہیں ہو گا۔“ اس نے ایک لمحے کا توقف لیا۔

"مسائل حل نہیں ہوں گے بلکہ بڑھ جائیں گے۔میں نہ ہی اپنے بدلے پر فوکس کر پاؤں گا اور نہ ہی اس لڑکی کے حقوق و فرائض کو پورا کر پاؤں گا۔اس لیے آئیندہ اس شادی کا نام میرے سامنے مت لینا۔نفرت ہے مجھے اس لفظ سے!!" وہ آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔وہ گارڈ ان دونوں کی تصویر بنا کر باہر جا چکا تھا۔

" اللہ حافظ بابا ! میں جلد آپ کے پاس آؤں گا۔" اس نے ایک نظر افنان احمد کی قبر کی جانب ڈالی اور باہر نکل گیا۔حارث بھی اس کے پیچھے گیا تھا۔

گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے فیصل کا چہرہ انتہائی سرد تھا۔

" وہ گاڑی کہاں ہے؟" فیصل کے پوچھنے پر حارث نے پیچھے کی جانب دیکھا۔وہ گاڑی ابھی بھی ان کے پیچھے ہی تھی۔

" ہمارے پیچھے ہی ہے۔" فیصل نے اس کی بات پر اثبات میں سر ہلایا۔

"اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟" حارث نے اس کے بے تاثر چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

" ایجنسی!" فیصل کے یک لفظی جواب پر حارث بری طرح چونکا۔

”مگر کیوں؟ ہمیں ادھر نہیں جانا چاہیے۔“ اس کی بات پر فیصل نے بے تاثر نظروں سے اسے گھورا۔

” تم چپ کر کے نہیں بیٹھ سکتے؟ دلاور شاہ کو جو پتہ لگنا تھا وہ لگ چکا ہے۔اب ہم جہاں بھی جائیں۔ اسے معلوم ہو چکا ہے کہ میں نے ہی اس پر حملہ کروایا تھا۔اس لیے جو ہونے والا ہے اسے ہونے دو۔“

” پرسوں ارمان کی شادی ہے۔“

حارث کی بات پر فیصل چونکا۔وہ ارمان کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔

” میں اسے کچھ نہیں ہونے دوں گا۔اس کی شادی اچھے سے ہوگی اور دلاور شاہ کچھ بھی نہیں کر پائے گا۔“وہ پر یقین لہجے میں بولا۔اب وہ گاڑی ایم۔ایچ کی پارکنگ میں پارک کر رہا تھا۔

بنے ہیں اہلِ ہوس مدعی بھی، منصف بھی

کسے وکیل کریں ،کس سے منصفی چاہیں

ایجنسی میں داخل ہوتے ہی وہ دونوں چیف کے کمرے کی جانب بڑھے۔اندر چیف ایک فائل کو اسٹڈی کر رہے تھے۔وہ ان دونوں کو وہاں دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔

"کیا ہوا؟" انہوں نے فیصل کے بے تاثر چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔اگر آپ کسی کو بلانا چاہتے ہیں تو بلا سکتے ہیں۔" وہ ان کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔اس کے دماغ میں بہت .کچھ چل رہا تھا۔چیف نے اس کی بات پر موبائل اٹھایا۔

"ایجنٹ ایکس! میرے روم میں آؤ" کچھ دیر بعد محب اندر داخل ہوا تو وہ بھی فیصل اور حارث کو دیکھ کر چونکا تھا۔

اس کے آنے کے بعد چیف میٹنگ روم کی جانب بڑھ گئے۔باقی سب بھی ان کے پیچھے گئے تھے۔وہ سب اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ کر فیصل کے بولنے کا انتظار کر رہے تھے۔

"سب سے پہلے میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں"فیصل کی بات پر چیف نے اثبات میں سر ہلایا۔

”آپ کی یہ ایجنسی پرائیویٹ ہے مگر آپ ذاتی طور پر ہماری مدد کیوں کر رہے ہیں؟ “ اس نے ابرو اٹھا کر پوچھا۔

”دلاور شاہ ہماری لسٹ میں ٹاپ پر تھا۔جب تم لوگ نہیں تھے تب بھی میں اس کے خلاف کام کر رہا تھا۔“ ان کی بات پر فیصل طنزیہ مسکرایا۔

”مگر ہمیں ایک الگ ٹیم بنا کر کیوں رکھا گیا؟ ہماری اتنی مدد کیوں کی گئ؟ اور جہاں تک مجھے معلوم ہے ایجنٹس اپنے ذاتی مفائد کو اپنے فرض کے بیچ میں نہیں لاتے!“اس نے استہزائیہ انداز میں کہتے ہوئے محب کی جانب دیکھا۔محب خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”فیصل احمد! ایجنٹ ایکس نے آج تک میری کسی باتکو نہیں ٹالا۔وہ اپنے ذاتی مسائل کو کبھی بھی مشن کے بیچ میں نہیں لایا۔یہی وجہ تھی کہ ہم نے تمہیں ایجنسی میں شامل نہیں کیا تھا اور رہی بات مدد کی تو۔۔“انہوں نے ایک لمحے کا توقف لیا۔

”میں چاہتا تھا کہ اس دلاورشاہ جیسے ناسور سے ہمارا ملک جلد از جلد پاک ہو جائے۔بتاؤ کیا میں نے کچھ غلط سوچا یا کچھ غلط کیا؟ کوئی بھی بات کرنے سے پہلے یہ مت بھولا کرو کہ یہ ایجنسی میری

ہے۔یہاں کے رولز صرف اور صرف میں بناتا ہوں۔" آخر میں ان کا لہجہ سخت ہو گیا۔فیصل نے ان کی بات پر اپنا سر جھٹکا۔

" دلاور شاہ کو معلوم ہو گیا ہے کہ مجھے سب کچھ پتہ ہے۔" کچھ دیر بعد وہ بولا تو چیف نے سرد نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

" اور اسے یہ سب کس نے بتایا؟" ان کی سرد آواز پورے کمرے میں گونجی۔محب کا چہرہ بے تاثر تھا۔

"اور اس کے گارڈز نے مجھے یہاں آتے ہوئے بھی دیکھ لیا ہے۔" فیصل نے چیف کے سوال کو نظر انداز کیا۔اس کی بات پر چیف کھڑے ہو گئے۔

" تمہیں معلوم بھی ہے تمہاری وجہ سے کیا ہو گیا ہے؟" فیصل نے ان کے کرخت لہجے میں کہنے پر اپنے ابرو کھڑے کیے۔

”جی ! مجھے اچھے سے معلوم ہے۔مگر میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس وقت دلاور شاہ کے خلاف سارے ثبوت ہمارے پاس ہیں اور اسے ایکسپوز کرنے کا وقت آ چکا ہے۔“وہ پر اسراریت سے مسکرایا۔اب کی بار محب بھی مسکرایا تھا۔اسے سمجھ آ رہی تھی کہ فیصل کیا کرنا چاہتا تھا۔

” تمہیں ایجنسی میں شامل کرنا میری بہت بڑی غلطی تھی۔“ ان کی بات پر فیصل نے لاپرواہی سے اپنے شانے اچکائے۔

” مگر اب تو ہو گئی۔“اس سے پہلے وہ کچھ بولتے محب کھڑا ہو گیا۔

”چیف! ہمیں اس کی بات سن لینی چاہیے۔شاید وہ ٹھیک ہی کہہ رہا ہو۔“ محب کی بات پر فیصل نے اپنی آنکھیں گھمائیں۔

” بولو۔۔۔“

”چیف پرسوں ارمان کی شادی ہے۔“ فیصل کی بات پر چیف نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اور ہمارے پاس کل کا دن ہے۔ ہمیں اس کے خلاف سارے ثبوتوں کو لیک آؤٹ کرنا ہے۔ اس طرح پولیس اسے خود ہی گرفتار کر لے گی۔ اتنے گناہوں کے بعد وہ کم از کم منسٹر تو نہیں رہے گا۔"

اس نے ایک لمحے کا توقف لیا۔

" وہ گرفتار ہو جائے گا اور ارمان کی شادی بھی سکون سے ہو جائے گی اور۔۔" اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

اور؟؟

اس کے بعد بولنے والے جملے پر وہ سب چونکے تھے۔

"مگر ایسا کیسے ہو سکتا ہے ؟" چیف بولے تو فیصل مسکرایا۔

"وہ سب کچھ مجھ پر چھوڑ دیں۔" وہ بے فکری سے بولا۔

"فیصل احمد! میں تمہیں پہلے سے وارن کر رہا ہوں اگر کسی کو کچھ ہوا تو اس کے ذمہ دار صرف اور صرف تم ہو گے۔"وہ انگلی اٹھاتے اسے تنبیہ دے رہے تھے۔

"آپ فکر مت کریں میں کسی کو کچھ نہیں ہونے دوں گا۔" وہ پختہ لہجے میں بولا تو چیف نے اثبات میں سر ہلایا۔

"یہ سب کچھ جاننے کے بعد دلاور شاہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔اس لیے کل کا انتظار مت کرو۔ آج ہی سارے ثبوتوں کو لیک آؤٹ کر دو۔" چیف کی بات پر محب نے اثبات میں سر ہلایا۔اب وہ سب چیف کے کمرے میں آگئے۔ جبکہ چیف لاکر سے کچھ ثبوت باہر نکال رہے تھے۔ انہوں نے سارے ثبوتوں کو حارث کے سامنے رکھ دیا۔حارث کی انگلیاں لیپ ٹاپ پر تیزی سے چل رہی تھیں۔ باقی سب حارث کے چہرے کی جانب دیکھ رہے تھے۔ جس کی نظریں لیپ ٹاپ کی سکرین پر مرکوز تھیں۔کچھ دیر بعد اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ چھا گئی۔

"ہو گیا کام !" حارث کی بات پر چیف نے اسکرین کی جانب دیکھا۔وہ ہر ثبوت کو لیک آؤٹ کر چکا تھا۔اب ہزاروں لوگ ان ثبوتوں کو دیکھ رہے تھے۔

"اب آئے گا اصل مزا! " حارث فیصل سے بھی سارے ثبوت لے چکا تھا۔اب وہ سب سکون سے کرسیوں پر بیٹھے تھے۔اسی وقت منال دروازہ کھولتی اندر داخل ہوئی۔اس کے ہاتھ میں لیپ ٹاپ تھا۔

"بابا! یہ سب۔۔" اس نے اوپر دیکھا تو ان سب کو وہاں دیکھ کر خاموش ہو گئی۔وہاں ایک سائیڈ پر ساری فائلز پڑی تھیں۔جبکہ حارث کے آگے لیپ ٹاپ تھا۔

یقیناً انہوں نے ہی کچھ کیا ہو گا۔

"یہ سب آپ لوگوں نے کیا ہے؟" منال کے سوال پر حارث نے اثبات میں سرہلایا تو اس نے شکر کا سانس لیا۔

"مطلب ڈرامے کا کلائمیکس ہو گیا ہے ؟"وہ صوفے پر بیٹھتی بولی تو فیصل نے نفی میں سر ہلایا۔

"ڈرامے کا کلائمیکس دلاورشاہ کی موت کے ساتھ ہو گا۔"وہ سرد لہجے میں بولا تو ان سب نے اثبات میں سر لایا۔

"حضور !" منظور علی چینختا ہوا لان میں شاہ سردار کے ساتھ بیٹھے دلاور شاہ کے پاس آیا۔

"کیا ہوا ہے؟ کیوں چینج رہے ہو ؟" دلاور شاہ کی بات پر اس نے تھوک نگلتے ہوئے موبائل کی سکرین ان کے آگے کی۔جہاں پر دلاور شاہ کی زندگی کا ہر کالا کارنامہ ان کے سامنے ہنس رہا تھا۔

جبکہ لوگ لاکھوں کی تعداد میں اسے دیکھ چکے تھے۔ ان کا دماغ بھک سے اڑا۔ قدم لڑکھڑا گئے۔ انہوں نے کرسی کو تھاما اور نیچے بیٹھتے چلے گئے۔ شاہ سردار تو حیرت سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

"مجھے دکھاؤ۔" ان کے کہنے پر دلاور شاہ نے نفی میں سر ہلایا۔ اولاد اپنے کالے کارنامے اپنے والدین کو کبھی نہیں دکھانا چاہتی۔

"میں نے کہا نا مجھے دکھاؤ۔" انہوں نے دلاور شاہ کے ہاتھ سے موبائل پکڑا۔ سامنے نظر آتے منظر کو دیکھ کر انہوں نے اپنے دل کے مقام پر ہاتھ رکھ لیا۔ انہیں معلوم تھا کہ حارث کی دادی کا قتل اس کے بیٹے نے کیا تھا۔ مگر انہیں بعد کا کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ ان کے ہاتھ سے موبائل چھوٹ گیا اور وہ اندر کی جانب بڑھ گئے۔ فلحال انہیں اپنے بیٹے کی شکل بھی نہیں دیکھنی تھی۔

پیچھے دلاور شاہ کو اپنی بربادی اپنی نظروں کے سامنے نظر آرہی تھی۔ اسی لمحے انہیں موبائل پر گارڈ کا میسج نظر آیا۔ انہوں نے ماؤف ہوتے ذہن کے ساتھ میسج اوپن کیا تو ان کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔ گارڈ نے انہیں دو تصویریں بھیجی تھیں جن میں سے ایک تصویر میں فیصل اور حارث افنان احمد کی قبر کے پاس کھڑے تھے۔ جبکہ دوسری تصویر میں وہ ایم۔ ایچ کمپنی کے باہر کھڑے تھے۔ انہیں

اچھے سے معلوم تھا کہ یہ کمپنی حمید خان کی تھی اور حمید خان کسی زمانے میں ان کا بہت اچھا دوست رہ چکا تھا۔مگر اس نے دوست رہ کر ان کے ساتھ دشمنوں والا کام کیا تھا۔انہوں نے موبائل اٹھا کر نیچے پھینکا۔

”میں نے خود اپنی آستین میں سانپ پالے ہیں۔میں اس حمید خان اور فیصل احمد کو نہیں چھوڑوں گا۔ کبھی نہیں چھوڑوں گا۔“ فیصل نے انتہائی رازداری سے ان کی بربادی کا منصوبہ بنایا تھا۔اسی لمحے باہر سے پولیس کی گاڑی کے سائرن کی آواز سنائی دینے لگی۔دلاور شاہ نے فق ہوتے چہرے کے ساتھ منظور علی کی جانب دیکھا تو وہ بھاگتا ہوا باہر کی جانب بڑھا۔کچھ دیر بعد انہیں منظور علی کے ساتھ ایس۔پی ریحان اندر آتا دکھائی دیا۔اب دلاور شاہ کھڑے ہو چکے تھے۔

” دلاور شاہ ! ہمارے پاس آپ کے اریسٹ وارنٹ ہیں۔آپ کو ہمارے ساتھ جیل چلنا پڑے گا۔“

دلاور شاہ کی نگاہوں کے سامنے وہ منظر گھوم گیا۔جب انہوں نے ارمان کو اریسٹ کروایا تھا۔لمحوں کا کھیل تھا اور ساری کہانی کا رخ بدل گیا۔

”مگر کیوں ؟“ وہ لڑکھڑاتے ہوئے لہجے میں بولے۔

” دلاور شاہ! اس دفعہ کیس بہت پکا ہے۔آپ نے چھ چھ قتل کیے ہیں اور اوپر سے آپ کو اریسٹ کرنے کے سخت آرڈرز ملے ہیں۔انٹرنیٹ پر آپ کے خلاف سارے ثبوت گردش کر رہے ہیں۔“ پھر اس نے اپنے پیچھے کھڑے آفیسر کو اشارہ کیا۔

”انہیں ہتھکڑی لگاؤ۔“آفیسر نے دلاور شاہ کو ہتھکڑی لگائی جو وہ کسی سوچ میں گم تھے۔چھ چھ قتل!!

”کون سے چھ قتل؟“ ایس۔پی اب انہیں پولیس وین میں بٹھا رہا تھا۔

”ڈاکٹر حمنہ، قاضی ذوالفقار ،افنان احمد ،محمد اسلم، ان کی دادی اور اس نوجوان کا قتل جس کی ویڈیو دکھا کر آپ نے ایک بے گناہ انسان کو اریسٹ کروایا تھا۔“ اس کی بات پر انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

”میں نے ڈاکٹر حمنہ اور قاضی کا قتل نہیں کیا۔“ وہ چلا رہے تھے مگر ایس۔پی ان سنی کرتا اپنی جیپ میں بیٹھ چکا تھا۔دلاور شاہ نے اپنا سر گھٹنوں پر ڈال دیا۔

ان کے عروج کو زوال آ چکا تھا۔مگر وہ اتنی جلدی ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھے۔وہ فیصل احمد اور حمید خان سے انتقام ضرور لیں گے۔

____

دوسری جانب فیصل ارمان کے ساتھ اپنے گھر یعنی احمد ولا میں داخل ہو چکا تھا۔اس کے ساتھ حارث بھی موجود تھا۔فیصل کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔وہ آج اپنوں سے ملنے والا تھا۔وہ تینوں لاؤنج میں اکٹھے داخل ہوئے تو وہاں بابا جان، ماں جی، نہال اور نعمان کوئی نیوز سننے میں مصروف تھے۔جہاں دلاور شاہ کے خلاف ثبوت دیکھائے جا رہے تھے۔

" السلام علیکم! " ارمان کے سلام کرنے پر ان سب نے دروازے کی جانب دیکھا۔تو وہاں ارمان کے ساتھ دو نوجوانوں کو کھڑا پایا۔نعمان نے جلدی سے ٹی۔وی بند کیا۔

بابا جان تو فیصل کو دیکھ کر ساکت رہ گئے تھے۔انہیں لگا کہ ان کا خون ان کے سامنے کھڑا تھا۔وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے فیصل کے سامنے کھڑے ہو گئے۔

فیصل نے اپنے سامنے کھڑے اس ادھیڑ عمر آدمی کو دیکھا جو نم آنکھوں سے اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔

انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو چھوا۔انہیں لگا کہ افنان احمد قبر سے نکل کر ان سے ملنے آئے تھے۔اس کے نقوش تو افنان احمد جیسے نہیں تھے۔مگر اس کے اندر انہیں خون کی کشش محسوس ہو رہی تھی۔ان کا دل اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ ان کے سامنے کھڑا یہ نوجوان ان کے بھائی کے جگر کا ٹکڑا تھا۔

"فیس۔۔فیصل احمد؟" ان کے کہنے پر فیصل نے ہلکا سا اثبات میں سر ہلایا تو وہ اس کے گلے سے لگ گئے۔

آخر کتنے سالوں بعد انہیں وہ ملا تھا۔ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔فیصل کی بھی یہی حالت تھی۔

آخر کار وہ اپنے گھر والوں کے پاس ،اپنوں کے پاس آ چکا تھا۔اس کا سفر اپنے اختتام کو پہنچا تھا۔وہ فیصل احمد آج اپنے گھر میں کھڑا تھا۔جسے وہ فخر سے کہہ سکتا تھا کہ یہ میرا گھر ہے! پھر بابا جان نے دوسری طرف کھڑے ارمان کا بازو پکڑا۔اب وہ تینوں ایک دوسرے کے گلے سے لگے رونے میں مصروف تھے۔جبکہ باقی وہاں موجود ہر انسان کی آنکھیں نم ہو چکی تھیں۔

"میں اب تمہیں کہیں نہیں جانے دوں گا۔" وہ بولے تو فیصل نے ہنستے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں کہیں نہیں جا رہا۔" اب وہ پیچھے ہٹے تو ان کی نظر حارث پر پڑی۔ انہوں نے سوالیہ نظروں سے حارث کی جانب دیکھا۔

"حارث اسلم۔" فیصل کے بولنے پر وہ اس سے بھی گلے ملے۔ اب ماں جی بھی ان سے مل رہی تھیں۔

نہال تو حیرت سے ان سب کو دیکھ رہی تھی۔ اسے تو یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ فیصل کے ساتھ اس کا کوئی رشتہ بھی نکل آئے گا۔ وہ چلتی ہوئی فیصل کے پاس آئی۔

"ہیلو کزن!" نہال کی بات پہ فیصل نے اثبات میں سر ہلایا اور باقی سب کے ساتھ لاؤنج کی جانب بڑھ گیا۔ پیچھے نہال نے اپنا منہ بسورا۔

" اکڑو کہیں کا! کزن ہے تو کزن ہی بن کر رہے! شہزادہ بننے کی ضرورت نہیں ہے ! ہنہ! اب اتنا بھی پیارا نہیں ہے۔"

اب سب ماضی کی کچھ خوشگوار اور کچھ تلخ یادوں میں گم ہو چکے تھے۔جبکہ فیصل کے چہرے پر کافی دنوں بعد مسکراہٹ کھلی تھی۔اسے اپنا دل ہلکا ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔مگر جانے کب تک ان کی یہ خوشیاں برقرار رہنی تھیں!!

غیر سے دور ،مگر اس کی نگاہوں کے قریں

محفلِ یار میں اس ڈھب سے الگ بیٹھا ہوں

رات کو سب لوگ احمد ولا کے لاؤنج میں ڈیرا جمائے بیٹھے تھے۔ماں جی اور بابا جان صوفے پر جب کہ ارمان، نعمان، نہال ، فیصل اور حارث نیچے قالین پر بیٹھے تھے۔

ارمان فیصل اور حارث کو اپنے بچپن کے قصے سنا رہا تھا۔

"پتہ ہے ماں جی کہتی ہیں کہ میں بہت شرارتی ہوا کرتا تھا۔" ارمان کی بات پر ان سب نے قہقہہ لگایا۔

”صرف شرارتی ہی نہیں کافی گول مٹول بھی ہوا کرتے تھے۔“ فیصل کی بات پر ارمان نے خفگی سے اس کی جانب دیکھا۔

”باڈی شیمنگ بری بات ہوتی ہے۔بڑے بھائی تم ہو اور سیکھانا مجھے پڑھ رہا ہے۔“ اس نے صدمے بھرے لہجے میں کہا۔

”صحیح ہے۔ پھر بڑے بھائی والا رعب جماؤ ؟“ نہال اور نعمان تو خاموشی سے ان بچھڑے ہوئے بھائیوں کو دیکھ رہے تھے۔دونوں ہی ایک دوسرے سے بڑھ کر ایک تھے۔

”جما کر دکھاؤ۔“وہ اپنی کمر پر ہاتھ رکھتا بولا تو فیصل مسکرایا۔

”ٹھیک ہے بھئی !اب ایسا ہے تو ایسا ہی صحیح۔تم کل ہمارے ساتھ شاپنگ پر نہیں جا رہے۔“ فیصل نے مسکراہٹ دباتے ہوئے اپنا چہرہ پھیر لیا جبکہ ارمان کا منہ کھلا رہ گیا۔

” بابا جان ! آپ اپنے بڑے بھتیجے کو دیکھ رہے ہیں نا؟ اپنے بڑے ہونے کا ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے۔مجھے نہیں پتہ ! میں شاپنگ پر جاؤں گا۔بلکہ منال کو بھی ساتھ لے کر جاؤں گا۔“ وہ ضدی انداز

میں بولا تو فیصل نے اس کا کان کھینچا۔ نعمان کو تو اب ان دونوں کی نوک جھونک دیکھ کر مزہ آ رہا تھا

۔

"پھر کیوں مجھے مجبور کر رہے ہو کہ میں تم پر ظلم کروں ؟" ارمان چلا اٹھا۔

" چھوڑو۔ میں تم سے ڈرتا نہیں ہوں۔ چھوڑو۔" اس کی چنخیں سن کر فیصل نے اس کا کان چھوڑ دیا۔

پھر اس نے اپنا ہاتھ جھاڑا۔

" فیصل بھائی! ان کا دوسرا کان بھی پکڑیں۔" نعمان کے کہنے پر ارمان نے اسے گھورا تو وہ کھسیانہ سا ہنسا۔ ارمان کی شادی کی ساری تیاریاں تقریباً مکمل تھیں۔ ماں جی ، نہال اور بابا جان چند ہفتوں سے اس کی شادی کی تیاریاں ہی تو کر رہے تھے۔

"فیصل بھائی ! آپ بتائیں آپ کا بچپن کیسا گزرا ؟" نعمان کی بات پر فیصل کی آنکھیں سرد ہو گئیں۔ مسکراہٹ تھم گئی۔ فیصل احمد سے زیادہ کون جان سکتا تھا کہ گھونسلا اجڑنے کے بعد چڑیا کے بچوں کا کیا حال ہوتا ہے؟

نعمان کے سوال پر سب نے اسے تنبیہی نظروں سے گھورا۔فیصل اب آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔اس کی نظروں کے سامنے کیا کچھ نہیں آیا تھا۔

اس کی سالگرہ، اس کے افنان احمد کے ساتھ گزارے گئے کچھ خوبصورت پل اور پھر ساری خوشیاں ختم۔سب کچھ ختم۔۔۔۔دلاور شاہ کا اس کے گھر آنا۔۔اس کے باپ کو جلتے ہوئے گھر میں چھوڑ دینا ، دھواں ، چینخ و پکار ، تاریکی، مایوسی، اس کا رونا ، دلاور شاہ کے آگے گڑگڑانا !!! ایک لمحے میں ہی وہ آج سے سال پیچھے پہنچ چکا تھا۔اس کی بند آنکھوں کے پیچھے نمی چھاگئی۔اس کے بچپن کا اختتام تو اسی دن ہو گیا تھا جب اسے سب سے جدا کیا گیا تھا۔اس کے بعد تو وہ معصوم فیصل احمد ختم ہو گیا تھا ۔اندر ہی اندر مر گیا تھا۔

پھر اس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور پھیکا سا مسکرایا۔

"میرا بچپن جاننے کی کیا ضرورت ہے؟" وہ پھیکے لہجے میں بولا تو نعمان نے اپنے کندھے اچکا دیے۔

"نہ بتائیں !" اس کے انداز پر فیصل مسکرایا تھا۔

اس سے پہلے فیصل کچھ بولتا نہال کا فون بجا۔اس نے فورا سے کال کاٹ دی۔

"اٹھا لو۔شاید کوئی ضروری کال ہو۔"نعمان کے کہنے پر اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے بالوں کی لٹ کو کان کے پیچھے اڑسا۔

" نہیں کوئی ضروری کال نہیں تھی۔" فیصل کی زیرک نظروں نے اس کے چہرے کا بغور جائزہ لیا تھا ۔اسے اپنی یہ کزن کچھ عجیب سی لگی تھی۔

" جیسی تمہاری مرضی۔" نعمان نے بے فکری سے کہا۔

" اچھا آپ لوگ باتیں کرو۔ میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔ میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔" نہال جلد بازی میں کہتی وہاں سے اٹھ گئی۔فیصل اس کے گھبرائے ہوئے انداز کو دیکھتا کچھ سوچ رہا تھا۔

اسی لمحے لاؤنج سے اسرا ہاتھ میں ٹرے تھامتی اندر داخل ہوئی۔ مگر سامنے بیٹھے فیصل کو دیکھ کر اس کے قدم رک گئے۔اسے دیکھ کر فیصل کی سیاہ آنکھیں ساکت ہو گئیں۔اس کا دل زور سے دھڑکا۔اس کا چہرہ بے تاثر ہو گیا۔اب وہ مسکرا نہیں پایا۔

جن لوگوں سے انسان کی مسکراہٹیں جڑی ہوں اگر وہ لوگ اس کی زندگی سے چلے جائیں تو پھر ایک ایسا وقت آتا ہے کہ انہیں دیکھ کر وہ مسکرا نہیں پاتا۔کیونکہ وہ لوگ آگے بڑھ چکے ہوتے ہیں۔ان لوگوں کے پاس اس انسان کے لیے کچھ نہیں ہوتا۔

" السلام علیکم !" اسرا سلام کرتی ان کی جانب بڑھی۔

" وعلیکم السلام !" سوائے فیصل اور حارث کے سب نے اسے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

" مما نے بریانی بنائی تھی۔" اس نے ٹرے نعمان کے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔

" تھینک یو اسرا ! " نعمان کے کہنے پر اسرا مسکرائی۔

" اوکے ! میں چلتی ہوں۔" اسرا کی بات پر فیصل کی دھڑکنیں تھمی تھیں۔دل میں اسے روکنے کی خواہش پیدا ہوئی۔مگر کوئی اسے کب تک وہاں روک سکتا تھا۔جانے والے کو تو جانا ہی تھا۔

"رک جاؤ اسرا ! ہم کل کے بارے میں بات کر رہے تھے۔" ارمان کی بات پر اس نے ایک نظر فیصل کی جانب ڈالی جو اب سر جھکائے بیٹھا تھا۔نعمان ٹرے کچن میں رکھنے جا چکا تھا۔

"بیٹھ جاؤ بیٹا! یہ ارمان کا بڑا بھائی ہے۔" بابا جان اسرا کو فیصل کی جانب دیکھتا پا کر بولے تو اسرا نے اثبات میں سر ہلایا۔اب وہ انہیں کیا بتاتی کہ اسے تو یہ بات پہلے سے ہی معلوم تھی۔

پھر وہ نیچے ان تینوں کے ساتھ بیٹھنے کی بجائے صوفے پر ماں جی کے ساتھ بیٹھ چکی تھی۔

" فیصل ! اب تمہاری شادی بھی ہو جانی چاہیے۔" ارمان کی بات پر اس نے لمبا سانس بھرا۔وہ کم از کم اس دشمنِ جاں کے سامنے تو یہ بات نہ کرتا۔اسرا ان کی باتوں سے بے خبر ماں جی سے باتیں کرنے میں مصروف تھی۔فیصل نے بے بسی سے اس بے خبر کی جانب حسرت بھری نظروں سے دیکھا۔مگر پھر سر جھٹک دیا۔وہ کسی اور کے نکاح میں تھی ! وہ اسے نہیں دیکھے گا۔

" پہلے تم کر لو۔بعد میں میرے بارے میں سوچنا۔" فیصل نے اس کی بات ٹال دی۔اس کی بات پر ارمان نے قہقہہ لگایا۔

" اوکے بھئی ! میں بھی تمہاری شادی انتظار کر رہا ہوں۔" فیصل اپنے دل پر ضبط کیے بیٹھا تھا۔اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔مگر آنکھیں سرد ہو چکی تھیں۔ان کی چمک غائب ہو چکی تھی۔سامنے بیٹھی وہ لڑکی اس کی آنکھوں کی چمک کہیں دور لے گئی تھی۔

" اوکے۔اب میں چلتی ہوں۔" اسرا کھڑی ہوتے ہوئے بولی۔

" ٹھیک ہے آپ ان کو محب بھائی کو بھی لے آیئے گا۔ہم سب مل کر شاپنگ پر چلیں گے۔" نعمان بھی ان کے پاس آکر بیٹھا۔اس کی بات پر فیصل کے تاثرات سخت ہو گئے تھے۔اس نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔حارث نے نامحسوس سے انداز میں اس کا ہاتھ پکڑا تو وہ لمبا سانس بھر کر رہ گیا۔

" ٹھیک ہے۔میں انہیں بھی لے آؤں گی۔اللہ حافظ! " اب وہ باہر کی جانب بڑھی۔فیصل کی نگاہوں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو اس نے اپنا سر جھٹک دیا۔

"چلو بچوں ! کافی وقت ہو گیا ہے۔اب سب سو جاؤ۔کل سب نے جلدی اٹھنا ہے۔" بابا جان کے کہنے پر وہ سب کھڑے ہو گئے۔فیصل نے مشکور نظروں سے باباجان کی جانب دیکھا۔وہ اس وقت صرف تنہائی چاہتا تھا۔

" اب میں بھی چلتا ہوں کنزیٰ میرا ویٹ کر رہی ہو گی۔" حارث نے وقت دیکھا تو دس بجے تھے ۔یقیناً اب وہ اس سے ناراض ہوگی۔نعمان اور ارمان ، حارث سے ملتے اپنے اپنے کمروں کی جانب بڑھ گئے۔

" میں حارث کو باہر چھوڑ کر آتا ہوں۔" فیصل بھی حارث کے ساتھ باہر نکل گیا۔پورچ کی راہداری میں کھڑے ہو کر فیصل نے ایک محتاط نظر کھلے دروازے کی جانب ڈالی اور پھر حارث کی جانب دیکھا۔

" یہ لڑکی، نہال۔۔اس کا نمبر چیک کرو۔مجھے کوئی گڑبڑ لگی تھی۔" وہ آہستہ آواز میں بولا تو حارث چونکا۔

"کیا مطلب ؟" اس کے پوچھنے پر فیصل ہلکا سا مسکرایا۔

"وہ لڑکی جھوٹ بول رہی تھی کہ اس کے سر میں درد تھا اور وہ بار بار موبائل کی جانب بھی دیکھ رہی تھی۔جہاں کچھ دیر پہلے کال آئی تھی۔" اس کی بات پر حارث نے اپنا سر تھام لیا۔

"یار فیصل! اس کی اپنی زندگی ہے۔اگر وہ کال اٹینڈ نہیں کرنا چاہ رہی تھی تو یہ اس کا معاملہ ہے۔ ہمیں بیچ میں پھنسنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" حارث اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔اس کی بات پر فیصل نے نفی میں سر ہلایا۔

" حارث! وہ گھبرائی ہوئی تھی۔وہ کچھ چھپا رہی تھی اور میں تمہیں کہہ رہا ہوں کہ تم نمبر چیک کرو

تو کرو۔اب مجھ سے کوئی بحث مت کرنا۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولا تو حارث نے خفگی سے اپنا نفی میں

ہلایا۔

" مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ تم مجھ پر حکم چلانے کے لیے ہی پیدا ہوئے ہو خیر۔۔!کر لوں گا چیک۔" پھر

اس نے اپنے چہرے پر معصومیت سجاتے ہوئے اس کے سامنے ہاتھ باندھے۔

" حضور ! میرے لائق کوئی اور حکم ہو تو وہ بھی بتا دیں۔یہ بندہ ناچیز آپ کے ہر حکم کی تعمیل کے

لیے تیار ہے۔" حارث کے انداز پر فیصل مسکرایا تھا۔

" تم زیادہ ڈرامے بازی مت کرو اور جاؤ۔یہ نہ ہو کہ بھابھی تمہیں گھر سے باہر ہی نکال دیں۔" اس

کے کہنے پر حارث اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔یہاں وہ اپنی جبکہ فیصل ، ارمان کی گاڑی میں آیا تھا۔

____

اسرا اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو اسے نعمان کی بات یاد آئی۔

"اوہ! ابھی محترم کو بھی بتانا ہے۔" اس نے وقت دیکھا اور محب کو کال ملائی۔اب وہ بالکنی میں کھڑی ہو چکی تھی۔ آسمان پر چاند جگمگا رہا تھا اور اسرا کی نظریں آسمان پر موجود اس چاند پر مرکوز تھیں۔ دوسری جانب سے کسی نے کال نہیں اٹھائی۔ اسرا کچھ دیر تک کال کرتی رہی مگر محب کال نہیں اٹھا رہا تھا۔اسے حیرت ہوئی۔ محب اس کی کال ہمیشہ اٹینڈ کرتا تھا۔ اسرا نے موبائل میز پر رکھ دیا اور آسمان کو تکنے لگی۔

اس کی زندگی یکدم بہت پرسکون ہو گئی تھی۔ محب کے اس کی زندگی میں آنے کے بعد سب کچھ تبدیل ہو گیا تھا۔اب وہ خوش رہنے لگی تھی۔یکدم اسے محب کا نرم حصار یاد آیا تو گالوں پر خود بخود لالی چھاگئی۔لب مسکراہٹ میں ڈھل گیے۔دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔اس نے حیرت سے اپنے دہکتے ہوئے گالوں پر ہاتھ رکھا اور پھر اپنا سر جھٹک دیا۔اس کے دل کی حالت تبدیل ہو رہی تھی۔ اب اس کی مشکور نظریں آسمان کی جانب مرکوز تھیں۔ان نظروں میں اپنے رب کے لیے ایک شکر تھا۔ وہ جو دلوں کی حالتوں کو بھی تبدیل کر سکتا تھا۔

دوسری جانب محب نے سلام پھیر کر ایک نظر چارجنگ پر لگے موبائل کو دیکھا اور پھر سر جھٹک کر دعا کے لیے اپنے ہاتھ اٹھا لیے۔

"یا اللہ ! تیرا بہت بہت شکر ہے۔اے اللہ! مجھے سمجھ نہیں آتا کہ میں تیری نعمت کا شکریہ کیسے ادا کروں۔مگر اللہ تو بڑا رحیم اور غفور ہے۔دلوں کے حال جاننے والا ہے۔اے میرے اللہ مجھ سے اپنی نعمت مت چھیننا۔پلیز اللہ! مجھ سے میری خوشیاں نہ چھیننا۔"

وہ ہاتھ اٹھائے اللہ سے بات کرنے میں مصروف تھا۔

"اللہ! بابا اور افنان انکل کی مغفرت فرمانا۔آمین!" وہ اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتا کھڑا ہو گیا۔اب اس کا رخ چارجنگ پر لگے ہوئے موبائل کی جانب تھا۔

اسرا کا نمبر دیکھ کر اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔اس نے فوراً سے کال بیک کی اور بالکنی میں کھڑا ہو گیا۔اس کی نظریں بھی آسمان پر موجود چاند پر مرکوز تھیں۔

دوسری جانب اسرا کا فون بجا تو اس نے گردن موڑ کر میز کی جانب دیکھا۔جہاں سے اسے "محترم" لفظ جگمگاتا نظر آرہا تھا۔اس نے مدھم مسکراہٹ کے ساتھ کال اٹینڈ کی۔

ایک جانب اسرا کان کے ساتھ موبائل لگائے چاند کو دیکھ رہی تھی۔ جبکہ دوسری جانب محب بالکنی کی ریلنگ پر جھکا موبائل کان کے ساتھ لگائے چاند کو تکنے میں مصروف تھا۔

رات کی پر سکون خاموشی میں لمحے سرک رہے تھے۔ دونوں کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ سجی ہوئی تھی۔ یکدم اسرا کھنکاری تو محب سر جھٹک کر ہنس دیا۔

اس کی سرمئی آنکھوں میں چاند کا جبکہ تصور کے پردوں پر اسرا کا عکس گردش کر رہا تھا۔ کچھ تو تھا اس کی آنکھوں کی چمک میں! گرے رنگ کے شلوار قمیص میں کہنیوں تک کف موڑے وہ اسرا کی آواز سننے کا منتظر تھا۔

جبکہ دوسری جانب اسرا اپنی مسکراہٹ دبائے کھڑی تھی۔ سیاہ دوپٹے کے اطراف سے بالوں کی لٹیں کان کے پاس جھولے رہی تھیں۔ اس کی سنہری آنکھوں میں بھی چاند کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔

" السلام علیکم !" بلاآخر اسرا بول ہی پڑی۔ اس کی آواز سن کر محب کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

" وعلیکم السلام! محترمہ!" اس کا لہجہ انتہائی گمبھیر تھا، کچھ کہتا ہوا، ان کہی سناتا ہوا۔

"آپ کیسے ہیں؟ " ان کے درمیان اب ایک مقدس رشتہ بن چکا تھا۔اس لیے اب اسرا اس سے کوئی بھی بات کر لیتی تھی۔

" الحمداللہ !میں بالکل ٹھیک ہوں۔آپ کیسی ہیں؟" محب کو اپنے دل کی دھڑکن تیز ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔اسرا سے بات کرتے وقت اس پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔وہ اپنے آپ کو ایک حدود میں رکھ کر اس سے بات کیا کرتا تھا کہ کہیں اس کے کسی جملے کی وجہ سے اسرا کو تکلیف نہ پہنچے۔

" آپ کیا کر رہے ہیں؟" اسرا کو دوسری جانب سے ایک پر سکون سے خاموشی محسوس ہو رہی تھی۔ ایسی خاموشی جو دنیا کے بھیڑ سے کہیں دور ہوتی ہے جس خاموشی کو سننے کے لیے انسان کچھ بھی کر سکتا ہو۔

بعض خاموشیاں اماوس کے رات کے سمندر کی جیسی ہوتی ہیں بالکل خاموش۔۔ مگر کچھ خاموشیاں بدر کی رات کے سمندر کی مانند ہوتی ہیں۔ مد و جزر سے بھری ہوئیں۔کچھ کہتی ہوئیں ، چینخ و پکار کرتی ہوئیں خاموشیاں۔۔

ایسی خاموشیاں صرف وہی سن سکتے ہیں۔جن کے اندر بھی انہوں نے بسیرے ڈال رکھے ہوں۔

”ایک چاند کو دیکھ رہا ہوں اور ایک چاند سے مخاطب ہوں۔“اس کی بات پر اسرا کی دھڑکن کی رفتار تیز ہو گئی۔وہ چند لمحے کچھ بول ہی نہیں سکی۔

” پرسوں ارمان کی شادی ہے اور کل سب شادی کی شاپنگ کرنے جا رہے ہیں۔کیا آپ کل آئیں گے؟“ اس نے اپنے دل پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

”اگر آپ بلا رہی ہیں تو ضرور آئیں گے۔ویسے پھر آپ کو میرے ساتھ چلنا پڑے گا۔ہم ساتھ شاپنگ کریں گے۔“ وہ ابھی سے پر جوش ہو رہا تھا۔

”جی ٹھیک ہے۔“ اسرا کے آہستہ آواز میں کہنے پر محب مسکرایا۔

”ویسے آپ رخصت ہو کر میرے گھر کب آ رہی ہیں؟ میری سانسیں آپ کی منتظر ہیں۔“ محب کے مدھم لہجے میں کہی جانے والی بات پر اسرا کی پلکیں لرز اٹھیں، گال سرخ ہو گئے۔اس نے اپنی آنکھیں بند کر کے اپنے آپ کو کمپوز کیا۔

”کاش اس وقت میں آپ کے سامنے ہوتا۔“ سنہری آنکھوں میں تحیر چھا گیا۔

"کیوں ؟" محب نے قہقہہ لگایا۔وہ اس کی حالت سے محفوظ ہوا تھا۔

"کیونکہ مجھے معلوم ہے اس وقت آپ کا خوبصورت چہرہ شرم سے لال ہو گیا ہو گا ،ہاتھ کپکپا رہے ہوں گے اور آپ کی پلکیں بھی لرز رہی ہوں گی۔" اس کی اس قدر باریک بینی پر اسرا نے سٹپٹا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔پھر موبائل تھامے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔واقعی میں اس کے مخروطی انگلیوں والے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔اس نے اپنی آنکھیں میچنیں۔

"محترمہ! اپنی آنکھوں پر ظلم مت کریں اور ادھر ادھر نہ دیکھیں میں وہاں نہیں ہوں۔آپ جانتی ہیں کہ اس وقت میں کہاں ہوں ؟"محب کی بات پر اسرا نے جھٹ سے اپنی آنکھیں وا کیں۔

"آپ کے دل کے باہر کھڑا ہوں۔آپ نے دستک دینے کی تو اجازت دے دی ہے۔اب اندر بھی داخل کر لیں۔" محب کو پتہ تھا ابھی اسرا کو اس کے ساتھ چلنے میں وقت لگے گا۔

سب کچھ بھولنے میں وقت لگے گا۔مگر وہ جانتا تھا کہ یہ اتنا مشکل نہیں تھا۔نکاح جیسے پاک بندھن نے یہ کام آسان کر دیا تھا۔اسے یقین تھا کہ وہ کسی نہ کسی دن اسرا کے دل میں اپنی جگہ بنانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

اسرا نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔اس کی بات کا جواب اس کے پاس موجود ہی نہیں تھا تو وہ کیسے جواب دیتی؟ محب کچھ دیر تک اس کے بولنے کا انتظار کرتا رہا۔مگر پھر مسکرا کر اپنا سر جھٹک دیا۔

" محترمہ! میری سانسوں کی مہلت ختم ہونے سے پہلے اظہار کر دیجیے گا۔" اس کے مسکرا کر کہنے پر اسرا کی مسکراہٹ تھمی تھی۔

" محترم ! آپ ہر وقت موت کے باتیں کیوں کرتے ہیں؟" اس کا لہجہ انتہائی سنجیدہ تھا۔اسرا بالکنی میں ٹہل رہی تھی۔وہاں لگے چھوٹے چھوٹے پودے اس کی باتوں کو غور سے سن رہے تھے۔

" زوجہ ! موت سے زیادہ اس دنیا میں کیا کوئی چیز یقینی ہے ؟" اس کے پوچھنے پر اسرا نے میکانکی انداز میں اپنا سر نفی میں ہلایا۔

"بالکل بھی نہیں! زندگی بھی نہیں! میں آج زندہ ہوں۔کسے معلوم کہ کل زندہ رہوں یا نہ رہوں؟" اس کے ذہانت بھرے انداز پر اسرا نے اپنا سر جھٹکا۔

" تو یہ بات ہر انسان کے لیے ہے۔اگر انسان روزانہ ایسی باتیں کرنے لگے پھر اس کے اندر جینے کی تمنا کیسے پیدا ہو گی؟" اسرہ کے خفگی بھرے انداز پر محب مسکرایا تھا۔

"جینے کی تمنا تو آپ پیدا کر چکی ہیں۔اب تو بس اپ کے ساتھ جینا ہے۔" وہ ہر دو لمحے بعد ایسی بات کر کے اس کو گھبرانے پر مجبور کر دیتا تھا۔

" ایک بات پوچھوں؟" محب کے سوال پر اسرا کے چلتے قدم رکے اور کرسی کی جانب بڑھے۔

"جی!" اب وہ کرسی سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔

" میری آپ کی زندگی میں کیا جگہ ہے؟" محب کے سوال پر اسرا ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گئی۔ اس کی سنہری آنکھیں یکدم جگمگا اٹھیں۔دوسری جانب محب کو پہلی دفعہ اسرا کی خاموشی سے بے چینی محسوس ہو رہی تھی۔

" بتائیں نا۔"محب کے دوبارہ بولنے پر اسرا نے کرسی سے ٹیک چھوڑی۔

" آپ نے قران پاک کی آیت پڑھی ہے ؟

اور ہم نے تمہیں جوڑے بنایا"

اسرا نے ایک لمحے کا توقف لیا۔ محب دھڑکتے دل کے ساتھ اس کی بات سن رہا تھا۔

”جوڑا ہمیشہ دو چیزوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اگر ایک نہ ہو تو دوسری چیز بھی نامکمل رہتی ہے۔“ اس کی بات کے پیچھے چھپے مطلب کو سمجھ کر محب کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ اس کی اٹکی ہوئی سانسیں بحال ہو چکی تھیں۔

” بہت بہت شکریہ محترمہ! میں کل آپ کو کب لینے آؤں ؟“ محب کے سوال پر اسرا سوچ میں پڑ گئی۔

” نو بجے آجایئے گا۔“ محب نے اثبات میں سر ہلایا۔

” جی ٹھیک ہے۔ ویسے آپ نے کل کو کون سے کلر کا ڈریس پہننا ہے؟“ محب نے اپنا ابرو کھجاتے ہوئے پوچھا۔ اس کا دل اسے ٹین ایجرز والی حرکتیں کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔ اس کے سوال پر اسرا نے اپنے ابرو سکیڑے اور چلتی ہوئی وارڈروب کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

”پنک “ اسرا اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے بولی تو محب نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔

” نہ کریں زوجہ!“ اس کی بات پر اسرا نے وارڈ روب میں نظریں دوڑائیں۔

”براؤن“ اسرا کے کہنے پر محب مسکرایا۔

”اوکے ڈن!“

”جی ٹھیک ہے محترم! اب آپ سو جائیں۔ اللہ حافظ! اپنا خیال رکھیے گا۔“ اس کی بات پر محب مسکرایا۔

آپ آ کر میرا خیال رکھیں گی۔ فی امان اللہ! آپ بھی اپنا خیال رکھیے گا۔مجھے کل کا بے چینی سے انتظار ہے۔“ اس کی بات نے اسرا کو مسکرانے پر مجبور کر دیا۔

اسرا کچھ دیر موبائل کی سکرین کو تکتی رہی اور پھر سر جھٹک کر ہنستے ہوئے اندر کی جانب بڑھ گئی۔

جبکہ محب بالکنی کی ریلنگ پر جھکا اسرا کی باتیں یاد کر رہا تھا۔

دل اس کے روبرو ہے اور گم صم

کوئی عرضی گزاری جا رہی ہے

میں پیہم ہار کر یہ سوچتا ہوں

وہ کیا شے ہے جو ہاری جا رہی ہے

صبح ناشتہ کرنے کے بعد اسرا ڈریسنگ ٹیبل کے آگے بیٹھی اپنے بال سلجھا رہی تھی۔لمبے سیاہ بال اس کے شانوں سے پھسلتے کمر تک آ رہے تھے۔ابھی نو بجنے میں وقت تھا۔

وہ بھورے رنگ کے شلوار قمیص میں ملبوس تھی۔سادہ بھورا قمیص گھٹنوں تک آ رہا تھا۔جس پر جگہ جگہ شیشوں کا کام کیا گیا تھا۔

ان سب نے مل کر شاپنگ کے لیے نکلنا تھا اور دوپہر سے پہلے پہلے واپس بھی آنا تھا کیونکہ شام میں مہندی تھی۔ایک تو انہوں نے اتنی افرا تفری میں شادی کی ڈیٹ فکس کر دی تھی!

ابھی وہ سر جھکائے انہیں سوچوں میں گم تھی کہ یکدم کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔اس کے کمرے میں سوائے فضہ اور ڈاکٹر نیلوفر کے کوئی نہیں آتا تھا۔

"آجائیں۔" اس نے سر اٹھائے بغیر کہا۔وہ سر جھکائے بیٹھی تھی کہ یکدم کمرے میں ایک مخصوص مہک پھیل گئی۔وہ اس مہک کو پہچانتی تھی۔اس نے سر اٹھا کر آئینے میں نظر آتے پیچھے کھڑے انسان کے عکس کو دیکھا۔

محب دروازے کا ہینڈل تھامے سٹل کھڑا تھا۔اس کی سرمئی آنکھیں اسرا کے لمبے بالوں پر جمی تھیں۔اسرا محب کے عکس کو دیکھ کر سٹپٹا گئی۔اس کے کمرے میں ارمان اور نعمان میں سے بھی کوئی نہیں آتا تھا۔محب بھورے رنگ کے شلوار قمیص میں ہمیشہ کی طرح بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔وہ ٹرانس کی کیفیت میں چلتا ہوا اس کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔وہ دونوں ایک ساتھ بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔

اسرا کی سنہری آنکھوں میں شرمندگی تھی۔جبکہ محب کی آنکھوں میں کوئی انجان سا تاثر تھا۔جسے اسرا سمجھ نہیں پا رہی تھی۔اسرا نے گلے میں موجود دوپٹہ سر پر ڈالنا چاہا۔مگر محب نے میکانکی انداز میں نفی میں سر ہلایا۔اسرا نے اپنے ہاتھ نیچے کر لیے۔وہ محب کی آنکھوں میں دیکھ کر ان میں موجود تاثر کو پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔حیرت، تحیر، خوشگواریت اور تشکر۔۔نہ جانے کیا کچھ ان سرمئی آنکھوں سے عیاں ہو رہا تھا!!

محب یکدم جھکا اور اس کے بالوں پر ہلکا سا بوسا دیا۔اسرا کی نگاہیں جھک گئیں۔کچھ دیر محب ویسے ہی جھکا کھڑا رہا۔اس کی نم نگاہیں سامنے موجود آئینے میں نظر آتے اسرا کے عکس پر مرکوز تھیں۔

اسرا کے ہاتھ یکدم کپکپانا شروع ہو گئے۔چہرے پر سرخی پھیل گئی۔محب اسے دیکھ کر ہنستا ہوا پیچھا ہٹا۔تو اسرا کھڑی ہو گئی۔

اب محب نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ کھڑا کیا۔اسرا نیچے دیکھنے میں مصروف تھی کہ محب نے اپنا گلا کھنکارا۔

"محترمہ ! سامنے دیکھیے۔" محب کے کہنے پر اس نے سامنے نظر آتے اپنے اور اس کے عکس کو دیکھا۔ اسرا محب کے کندھے تک آ رہی تھی۔

" اچھے لگ رہے ہیں نا؟" دونوں ایک ہی رنگ کے لباس میں ملبوس لاجواب لگ رہے تھے۔اسرا نے ہلکا سا اثبات میں سر ہلایا تو محب مسکرایا۔

"یہ آپ کا میوٹ بٹن کیوں آن ہو جاتا ہے؟" محب کے کہنے پر اسرا نے خفگی سے گردن موڑ کر اسے دیکھا تو محب کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔محب نے اپنا ایک ہاتھ پیچھے کی جانب کر رکھا تھا۔

" آپ خود ہی ایسی حرکتیں کرتے ہیں۔" اس نے ابرو سکیڑ کر اپنی سنہری آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔"محب نے اپنے چہرے پر معصومیت سجاتے ہوئے کہا تو اسرا نے اپنا رخ پھیر لیا۔محب نے ہاتھ بڑھا کر اس کے سیاہ بالوں میں اپنی انگلیاں پھیریں۔اسرا پھر سے ساکت رہ گئی۔

" یہ اصلی ہیں نا ؟" وہ اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے بولا تو اسرا نے اپنی تیکھی نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔اس کے ایسے دیکھنے پر محب نے ہاتھ کھڑے کر دیے۔

" اوکے۔اوکے۔اصلی ہیں۔" اس کے انداز پر اسرا کھکھلا کر ہنسی۔محب نے دل میں اس کی مسکراہٹ کی سلامتی کی دعا مانگی۔

"ویسے ایک بات تو بتائیں۔" محب کی بات پر اسرا نے اس کی سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"آپ شیمپو کون سا یوز کرتی ہیں۔بہت اچھی خوشبو تھی۔" اس کے ابرو کھچا کر کہنے پر اسرا جھنجلا اٹھی۔

" محترم ! آپ مجھے تنگ کر رہے ہیں؟" اسرا کے سوال پر محب نے قہقہہ لگایا۔

"محترمہ! آپ تنگ ہو رہی ہیں۔اوکے سوری!" محب کے کہنے پر اسرا نے اثبات میں سر ہلایا۔اب اسرا کی نظر محب کے ہاتھ پر گئی۔جو اس نے پیچھے کر رکھا تھا۔

"آپ کے ہاتھ میں کیا ہے؟" اسرا کے سوال پر محب نے اپنا ہاتھ آگے کر لیا۔اس کے ہاتھ میں پیکٹ میں موجود کوئی چیز تھی۔جسے خاکی لفافے میں لپیٹا گیا تھا۔اسرا کی آنکھوں کی چمک گہری ہو گئی۔اسے معلوم تھا کہ اس کے اندر کیا تھا۔

محب نے پیکٹ کھولا اور خاکی لفافے کے اندر لپٹی ہوئی چیز کو باہر نکالا۔وہ بھورے رنگ کی کانچ کی چوڑیاں تھیں۔محب اسرا کے آنکھوں کی چمک دیکھ کر مسکرایا۔اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا جس پر اسرا نے خاموشی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

محب نہایت احتیاط سے اسے چوڑیاں پہنا رہا تھا۔جو اسے تھوڑی سی بڑی تھیں۔چوڑیوں کی چھنک کی آواز پورے کمرے میں گونج اٹھی۔محب نے چوڑیاں پہنانے کے بعد ان پر ہاتھ پھیرا۔

"ماشاءاللہ!" اس کی دودھیا کلائیوں پر موجود بھوری چوڑیاں بہت خوبصورت لگ رہی تھیں۔

"راستے میں سگنل پر گاڑی رکی تھی تو ایک عورت بیچ رہی تھی۔مجھے اچھی لگیں تو میں نے لے لیں۔

آپ کو پسند آئیں!" محب کے مسکرا کر پوچھنے پر اسرا نے ہلکا سا اثبات میں سر ہلایا۔

" آپ بیٹھ جائیں۔میں بال سمیٹ کر حجاب کر لوں۔" اس کی بات پر محب نے اپنا ابرو کھجایا۔

اسرا بال سمیٹے گیں اور تم ایسے ہی کھڑے رہو گے تو محب رضا حسین! تم پر تف ہے!

اسرا اب دوبارہ آئینے کے آگے بیٹھ چکی تھی۔مگر متذبذب تھی۔کیونکہ محب وہیں کھڑا اسے دیکھنے میں مصروف تھا۔اسرا کے ایسے دیکھنے پر اس نے ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا ہوا کنگھا اٹھا لیا۔اب اسرا کی آنکھوں میں حیرت در آئی۔

محب اب نرمی سے اس کے بال سلجھا رہا تھا۔

"محترم ! چھوڑ دیں۔میں کر لیتی ہوں۔" اسرا کی بات پر محب نے نفی میں سر ہلایا۔

"زوجہ ! آپ یہاں اتنے لمبے بالوں کو سلجھانے میں ہلکان ہوں گی اور یہ محب رضا حسین ایسے ہی کھڑا دیکھتا رہے گا پھر اس پر لعنت ہے۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا تو اسرا اسے دیکھتی رہ گئی۔محب اس کے بالوں کی چٹیا بنا رہا تھا.اب کی بار اسرا حیران ہوئی تھی۔

"آپ کو چٹیا بنانا کیسے آتی ہے؟" اس کے سوال پر محب نے قہقہہ لگایا۔

"کیا ایجنٹ ایکس ایک چٹیا نہیں بنا سکتا؟" وہ بولا تو اسرا نے نفی میں سر ہلایا۔

"کیا ایجنٹ ایکس کو چیف نے ٹارگٹ کو مارنے کی بجائے چٹیا بنانے کی ٹریننگ دی ہے؟" اسرا کے تیکھے انداز پر محب محظوظ ہوا تھا۔وہ مسکراتا چلا گیا۔"کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں۔ایک دن مام کو بناتے دیکھی تھی۔اسی دن بنانا سیکھ لی تھی۔" اب اسرا نے اثبات میں سر ہلایا۔اس کی چٹیا مکمل ہو چکی تھی۔

"راپنزل!" اس کی کمر پر جھولتی لمبی چٹیا کو دیکھ کر محب کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔اسرا نے گردن موڑ کر اس کی جانب دیکھا اور پھر اپنے بالوں کی جانب دیکھا اور یکدم وہ ہنس پڑی۔راپنزل!! ہاہاہا!!

" آپ کے بال بہت خوبصورت ہیں۔انہیں کبھی کٹوایئے گا مت۔" اسرا نے اثبات میں سر ہلا کر تعریف وصول کی۔اب وہ انہیں کیچر کی مدد سے لپیٹ رہی تھی۔

" یہ کیوں کر رہی ہیں ؟" محب کے سوال پر اسرا مسکرائی۔

”محترم! کیونکہ مجھے حجاب کرنا ہے۔اب آپ آرام سے بیٹھ جایئے اور مجھے حجاب کرنے دیں۔“ اسرا کی بات پر محب سر ہلاتا صوفے پر بیٹھ گیا۔ جبکہ نظریں اسرا کے تیز چلتے ہاتھوں پر مرکوز تھیں۔ بھورے دوپٹے کے ہالے میں اس کا چہرہ جگمگا رہا تھا۔ مگر محب کو کچھ کمی محسوس ہوئی۔وہ کھڑا ہو کر اسرا کے پاس آیا۔

”محترمہ! کیا میں آپ کی وارڈ روب دیکھ سکتا ہوں؟“ اس کے سوال پر اسرا نے ناسمجھی والے انداز میں اثبات میں سرہلایا تو محب اس کی وارڈروب کی جانب بڑھ گیا۔وہ کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔یکدم اس کی نظریں ایک جگہ پر ٹھہر گئیں۔

”پرفیکٹ۔“ اس نے ہاتھ بڑھا کر وہ چیز اٹھائی اور اسرا کی جانب پلٹا۔

محب کے ہاتھ میں کالی شال دیکھ کر اسرا کے چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی۔محب نے اسرا کے سامنے کھڑے ہو کر اس شال کو اس کے کندھوں پر پھیلا دیا۔اس کے انداز میں اسرا کو ایک مان، ایک عقیدت سی محسوس ہوئی تھی۔

محب کے ہاتھ ابھی بھی اسرا کے کندھے پر موجود تھے۔اس نے آہستگی سے اسرا کو اپنے حصار میں

لے لیا۔

" زوجۂ محب ! اب آپ بہت خوبصورت لگ رہی ہیں۔میں وہاں آپ کو دیکھوں گا یا شاپنگ کروں

گا؟" اسرا نے سکون سے اپنی آنکھیں بند کی تھیں۔پھر کچھ دیر بعد وہ پیچھے ہٹا۔

" چلیں۔"اسرا نے محب کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا۔اب وہ باہر کی جانب بڑھ رہے تھے۔

تجھ سے دوری میں بھی خوش رہتا ہوں پہلے کی طرح

بس کسی وقت برا لگتا ہے تنہا ہونا

یوں میری یاد میں محفوظ ہیں تیرے خدوخال

جس طرح دل میں کسی شہ کی تمنا ہونا

”یار کنزیٰ! معاف کر دو نا ! مجھ سے غلطی ہو گئی۔“ حارث صبح سے کنزیٰ کے پیچھے پھر رہا تھا جبکہ وہ تھی کہ اس سے بات نہیں کر رہی تھی۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی تیار ہو رہی تھی جبکہ چہرے پر نو لفٹ کا بورڈ لگا رکھا تھا۔

” کنزیٰ! ایسا مت کرو۔“آخر کار وہ جھنجھلا کر بولا۔کنزیٰ نے شکوہ کناں نظروں سے اسے گھورا جو آئینے اور اس کے درمیان کھڑا ہو چکا تھا۔

” میں کیا کر رہی ہوں؟“ کیا اندازِ بے نیازی تھا۔حارث تو اس کی معصومیت پر حیران رہ گیا۔

” واہ ! صبح سے مجھ سے بات نہیں کر رہی اور پوچھ رہی ہو کہ کیا کر رہی ہوں ! “ وہ اپنی ناک پھلاتا بولا تو کنزیٰ نے بھی اپنی کمر پر ہاتھ رکھے۔

” بات نہ کرنا بھی کچھ نہ کرنے کے زمرے میں ہی آتا ہے۔“ اب وہ آئینے کے سامنے سے ہٹی اور شوریک سے اپنی ہیلز نکالنے لگی۔

حارث تو حیران تھا کہ وہ اتنا تیار ہو کر کہاں جا رہی تھی۔

”تو کر لو نا ! کیوں نہیں کر رہی؟“ اب کی بار اس کے چہرے پر بے چارگی چھائی ہوئی تھی۔

" تو تم فیصل بھائی کے پاس جاؤ نا ! رات بھی وہیں رک جانا تھا۔اپنے گھر آنے کا تکلف کیوں کیا ؟ "

اب وہ طنزیہ انداز میں آنکھوں کو سکیڑ کر بول رہی تھی۔

" یار کنزی ! کیا تم خوش نہیں ہو کہ فیصل کو اپنا خاندان مل گیا؟ " کنزیٰ حارث اور فیصل کے بچپن کے بارے میں سب کچھ جانتی تھی۔

" میں بہت خوش ہوں۔مگر اس انتظار کا کیا۔۔جو میں نے تمہارا کیا۔کل شام کے چار بجے سے لے کر رات کے 10 بجے تک میں نے تمہارا انتظار کیا۔مگر تم نہیں آئے۔" وہ اس کا انتظار کرتی کرتی سو گئی تھی اور حارث نے بھی واپس آ کر اسے نہیں جگایا تھا۔

انتظار تو سولی پر لٹکا دیتا ہے چاہے وہ انتظار کسی ان کہی بات کے جواب کا ہو۔۔۔یا چاہے کسی نہ لوٹنے والے کی واپسی کا ، انتظار تو لمحہ لمحہ انسان کو بے چین کیے رکھتا ہے۔کیا انتظار بھی کبھی پرسکون ہوا ہے؟؟

"اور تمہارا فون بھی آف جا رہا تھا اور تو اور فیصل بھائی بھی کال اٹینڈ نہیں کر رہے تھے۔تمہیں پتا بھی ہے میں کتنا پریشان ہو گئی تھی۔"

”یار ! میرے موبائل کی بیٹری ڈیڈ ہو گئی تھی۔اب میں سوری کر تو رہا ہوں۔مجھے معاف کر دو۔تم خود بھی تو اتنے اتنے دن دوسرے شہروں میں گزار کر آتی ہو۔“ حارث کے پر شکوہ انداز پر کنزیٰ نے ابرو اٹھا کر اسے دیکھا۔

”مسٹر حارث اسلم !! وہ دانت چباتے ہوئے اس کے پاس آئی۔

”میں شوق سے اکیلی نہیں جاتی۔ہمیشہ تم سے پوچھ کر جاتی ہوں۔ہمیشہ تمہیں کہتی ہوں کہ میرے ساتھ چلو۔مگر تم نہیں آتے۔اور میں بتا کر جاتی ہوں کہ اتنے دنوں تک آجاؤں گی۔“ اس نے یہ کہنے کے بعد حارث سے رخ پھیر لیا۔

” اچھا۔اب کہاں جا رہی ہو؟ ہم نے ارمان کی شادی کی شاپنگ کے لیے نہیں جانا ؟“ اب کنزیٰ اپنا بیگ اٹھا رہی تھی۔

” جہنم میں جا رہی ہوں اور ساری شاپنگ میں آن لائن کر چکی ہوں۔“ اس سے پہلے کنزیٰ دروازے سے باہر نکلتی حارث اس کے سامنے آگیا۔اب وہ کنزیٰ کے سامنے اپنے کانوں کو پکڑے کھڑا تھا۔

”یار ! بتاؤ تو سہی کہ کہاں جا رہی ہو ؟“ اس کے انداز پر کنزیٰ کے تاثرات تھوڑے نرم پڑ گئے۔

”مام ڈیڈ آرہے ہیں۔انہیں ایئرپورٹ سے لینے جا رہی ہوں۔“ وہ سینے پر ہاتھ باندھتی خفگی بھرے انداز میں بولی تو حارث چونکا۔

”وہ جہنم سے آرہے ہیں ؟ “ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا تو کنزیٰ نے اسے گھورا۔

” سوری ! سوری! کنزی کتنی دفعہ معافی منگواؤ گی۔ویسے اس کا ان کا ارادہ تو وہیں رہنے کا نہیں تھا؟“

وہ بولا تو کنزیٰ نے اثبات میں سر ہلایا۔

”ان کا ارادہ ابھی بھی وہیں رہنے کا ہے۔ابھی وہ ایک خاص مقصد کے تحت یہاں آ رہے ہیں۔“ اب وہ دونوں دروازے پر کھڑے تھے۔

”کون سا مقصد ؟“ حارث کے پوچھنے پر کنزیٰ نے نفی میں سر ہلایا۔

”میں نہیں بتا رہی سرپرائز ہے۔اب پیچھے ہٹ جاؤ مجھے دیر ہو رہی ہے۔“ وہ کلائی میں بندھی گھڑی کی جانب دیکھتے ہوئے بولی۔جبکہ حارث سوچ میں گم تھا کہ ایسا کون سا مقصد تھا جس کی وجہ سے وہ یہاں آرہے تھے؟ خیر چھوڑو۔۔مجھے کیا ؟؟

"اچھا ہٹ رہا ہوں مگر کیا تم نے مجھے معاف کر دیا؟" حارث کے سوال پر اس نے حارث کی جانب پر سوچ نظروں سے دیکھا۔

" اب کبھی بھی چار بجے کا کہہ کر 10 بجے نہیں آؤ گے۔" کنزیٰ نے انگلی اٹھا کر تنبیہ کی تو حارث نے اپنے مسکراہٹ دبائی۔

" نو بجے آ جاؤں گا۔" اسے معلوم تھا اب کنزیٰ چینخے گی اور وہی ہوا۔

"حارث!! " اس کی چینخ پر حارث نے ہنستے ہوئے ہاتھ کھڑے کیے۔فضہ کے جانے کے بعد اس نے فیصل کی دی ہوئی میڈیسنز لینا شروع کر دی تھیں۔اب وہ اپنے آپ کو قابو میں رکھنا سیکھ رہا تھا۔ ان دوائیوں نے اس کی طبیعت پر کافی مثبت اثر کیا تھا۔اب اسے فضہ سے معافی بھی مانگنی تھی۔

"اوکے چار بجے کا کہہ کا چار بجے ہی آؤں گا۔"کنزیٰ نے اس کی بات پر اپنا سر اثبات میں ہلایا۔

"کبھی تنگ نہیں کرو گے۔"اس کی بات پر حارث نے جھٹکے سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔وہ جھنجھلا اٹھی۔

" اس بات کی گارنٹی نہیں دے سکتا اور کیوں غصہ کرتی رہتی ہو ؟"

" میں غصہ بھی نہیں کروں گی اور معاف بھی کر دوں گی۔مگر آج کا دن تمہیں میرے ساتھ گزارنا ہو گا۔" کنزیٰ کی شرط پر حارث نے لمبا سانس بھرا۔کنزیٰ کی آنکھوں میں امید کے دیپ جل رہے تھے۔وہ ان کو بجھا نہیں سکتا تھا۔

"آج ارمان کی مہندی ہے یار !" وہ بے بسی سے بولا۔

" میں نے دن کہا ہے۔رات نہیں !" کنزیٰ کی بات پر حارث نے جھٹ سے اثبات میں سر ہلایا۔ڈیل اتنی بھی بری نہیں تھی۔

" اوکے تم چلو۔میں فیصل کو میسج کر کے آتا ہوں۔" حارث کے بولنے پر کنزیٰ نے اپنی آنکھیں گھمائیں۔

"کبھی کبھار وہ مجھے اپنے دیور کم سوتن زیادہ لگتے ہیں۔تم مجھ سے زیادہ تو ان کے پاس پائے جاتے ہو۔" حارث اب دروازے سے ہٹ چکا تھا۔اس نے کنزیٰ کی بات پر قہقہہ لگایا۔سوتن!! ہاہاہا !

" میں تمہارا باہر ویٹ کر رہی ہوں جلدی آ جانا۔" کنزیٰ کے باہر جانے پر اس نے لمبا سانس بھرا۔

اب اسے کنزیٰ کی سوتن۔۔او ہو!! مطلب فیصل احمد کو اطلاع بھی دینی تھی۔فیصل کو میسج کرنے کے بعد وہ باہر آیا تو کنزیٰ پورچ میں کھڑی اس کا انتظار کر رہی تھی۔

چاند کسی کا ہو نہیں سکتا،چاند کسی کا ہوتا ہے؟

چاند کی خاطر ضد نہیں کرتے اے میرے اچھے انشا چاند !

" بھائی! اسرا لوگ مال کے لیے نکل چکے ہیں۔" وہ تینوں اس وقت اپنے گھر سے نکل رہے تھے ۔گاڑی کے دروازے کی جانب بڑھتا فیصل کا ہاتھ ساکن رہ گیا۔اس نے لمبا سانس بھر کر اپنے آپ کو کمپوز کیا اور فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔

ارمان ڈرائیونگ سیٹ پر جبکہ نعمان پیچھلی سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔نہال آن لائن شاپنگ کر چکی تھی۔

"میری پرموشن ہو گئی ہے۔" ڈرائیونگ کرتے ہوئے ارمان نے ان کے سروں پر بم پھوڑا تو ان دونوں نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

”تم نے کچھ کیا تو ہے نہیں پھر پرموشن کیسے ہو گئی ہے؟“ فیصل اسے تیکھی نظروں سے دیکھتا بولا تو نعمان نے قہقہہ لگایا۔

”یار! کیا یہ بات کنفرم ہے کہ تم میرے بھائی ہو؟“ ارمان خفگی سے بولا تو فیصل نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔

"یہاں سے تھوڑی دور ایک لیب ہے۔وہاں چلو!! پہلے یہ بات کنفرم کرواتے ہیں۔" وہ انتہائی سنجیدگی سے بولا۔اس کے اس انداز پر نعمان ہنستا چلا گیا جبکہ ارمان منہ کھول کر اسے دیکھ رہا تھا۔

"سامنے دیکھ کر ڈرائیو کرو۔" فیصل کے کہنے پر ارمان نے خفگی سے منہ پھیر لیا۔

"یار فیصل بھائی ! کاش آپ ہمیں پہلے ملے ہوتے! میں بچپن سے ارمان بھائی کے ظلم کا شکار بن رہا ہوں۔" نعمان کے شکوہ کرنے پر وہ دونوں مسکرائے۔

" اب تم فکر مت کرو اب یہ میرے ظلم کا شکار بنے گا۔" فیصل نے گردن موڑ کر نعمان کو کہا تو اس نے زور و شور سے اپنا سر اثبات میں ہلایا۔اب ارمان کی ساری توجہ ڈرائیونگ وے پر مرکوز تھی۔

یکدم نعمان کو کچھ یاد آیا۔

" فیصل بھائی ! میرے دماغ میں بہت سے سوال ہیں۔" نعمان کی بات پر فیصل نے سیٹ سے ٹیک لگائی۔

"پوچھ لو۔آج میں ہر سوال کا جواب دینے کے موڈ میں ہوں۔" اس کے پر سکون انداز پر ارمان نے ایک نظر اس کی جانب دیکھا۔اس کی بات پر نعمان خوش ہو گیا۔

" اس رات میں نے حارث بھائی کے ہاتھ میں وہی گھڑی دیکھی تھی۔مگر وہ تو آپ کی تھی نا ! اس کے پاس کیسے پہنچی؟" نعمان کے سوال پر فیصل مسکرایا۔

"وہ گھڑی میں نے ہی اسے دی تھی تاکہ وہ شاہ ولا چھوڑ جائے۔"اس کی بات پر نعمان نے اپنے ابرو سکیڑے۔

"مگر یہ کام تو آپ خود بھی کر سکتے تھے۔" ارمان بھی یہی کہنے والا تھا۔

"اگر میں کرتا تو اتنا حقیقی نہ لگتا۔ کیونکہ حارث نے گارڈ نے بے ہوش بھی کرنا تھا۔ جس نے پھر ارمان کو بیان دیا تھا۔" فیصل کی بات پر ارمان نے اثبات میں سر ہلایا۔

"مگر یہ سیریل کلر والا کیا ڈرامہ تھا؟" ارمان کے پوچھنے پر فیصل نے قہقہہ لگایا۔

" میں کچھ الگ کرنا چاہتا تھا۔ اگر سیدھا سیدھا ان لوگوں کو مار دیتا تو مزہ نہیں آتا۔ اس لیے یہ سب کچھ کیا۔" اس کی بات پر ان دونوں نے اپنی آنکھیں گھمائیں۔ اس کے مزہ لینے کے چکر میں وہ لوگ اتنا کھپتے رہے !!

"ویسے مجھے امید نہیں تھی کہ تم اتنی جلدی اس گھڑی کے راز تک پہنچ جاؤ گے۔" اب فیصل ارمان سے مخاطب تھا تو نعمان مسکرایا۔

" یہ اکیلے تو کبھی بھی نہ پہنچ پاتے۔ ہمارے پاس ایک ماسٹر مائنڈ بھی ہیں۔" نعمان کے ستائشی انداز میں کہنے پر فیصل نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"کون ماسٹر مائنڈ ؟"

"اسرا یاسر" اس کی بات پر فیصل کی آنکھیں ساکت ہو گئیں۔اس کے چہرے پر سے ایک لمحے کے لیے سایہ سا گزرا۔اس کے نام کے ساتھ کیا کچھ یاد نہیں آیا تھا! وہ ڈوبتی ہوئی شام، اس درخت کے سوکھے پتے اور وہ مسکراتا چہرہ!

" ویسے سچ میں انہیں پولیس میں یا ڈیٹیکٹو ہونا چاہیے تھا۔پتہ نہیں کیوں ڈاکٹر بن گئی؟ خیر ! "نعمان فیصل کی حالت سے بے خبر بولتا جا رہا تھا۔

" ویسے ایک بات تو بتائیں۔آپ نے انہیں مارنے کی کوشش کیوں کی تھی؟" اب کی بار نعمان کی پیشانی پر بل موجود تھے۔فیصل نے آہستہ سے آنکھیں بند کرتے ہوئے گردن موڑ لی۔اسرا یاسر پر حملہ کرنا اس کی زندگی کی سب سے غلطی تھی۔وہ کہاں اسے مارنا چاہتا تھا؟

"میں انہیں مارنا نہیں چاہتا تھا۔بس زخمی کرنا چاہتا تھا۔" اس کی شکستہ آواز گاڑی میں گونجی۔

ارمان نے اس کی آواز میں ایک ملال سا محسوس کیا۔وہ اسے زخمی کرنا چاہتا تھا۔جبکہ تقدیر نے اس کے دل کو ہی زخمی کر ڈالا تھا۔

" زخمی کیوں کرنا چاہتے تھے؟ " اس کا لہجہ تیکھا تھا۔جو نعمان اسرا کے لیے ارمان سے لڑ سکتا تھا۔وہ فیصل سے بھی پوچھ گچھ کر سکتا تھا۔

"میں چاہتا تھا کہ محب آرگنائزیشن جوائن کر لے۔" وہ ذرا تلخ لہجے میں بولا۔جیسے یہ سارا کچھ محب کی وجہ سے ہوا ہو۔

"اوہ! اچھا۔ویسے حارث بھائی کیوں نہیں آئے؟ " نعمان کے پوچھنے پر فیصل مسکرایا۔

" اس کے سسرالی آرہے ہیں۔وہ بھابھی کے ساتھ انہیں ایئرپورٹ سے لینے گیا ہے۔" فیصل کی بات پر نعمان کے کان کھڑے ہو گئے۔حارث کے سسرالی! مطلب فضہ کے پیرنٹس۔اوہ! تو اس لیے فضہ جی ہمارے ساتھ نہیں آئیں۔

اب وہ لوگ پارکنگ لاٹ میں پہنچ چکے تھے۔

"نعمان ! اسرا کو کال کرو پوچھو وہ کہاں ہیں؟" ارمان گاڑی سے نکلتا ہوا بولا تو نعمان نے اثبات میں سر ہلایا جبکہ فیصل بھی بالوں پر ہاتھ پھیرتا گاڑی سے نکل گیا۔

" اسرا وہ لوگ کب تک پہنچیں گے؟" گاڑی میں بیٹھے محب نے اسٹیرنگ وہیل بجاتے ہوئے پوچھا۔

" پتا نہیں۔" بات کرتے کرتے اسرا کو کچھ یاد آیا۔اس نے محب کی جانب دیکھا جس کی نظریں مال کے پارکنگ لاٹ میں گردش کر رہی تھیں۔

اسرا نے ایک لمحے کے لیے اسے تیکھی نظروں سے گھورا۔اسی لمحے محب نے گردن موڑی اور ہنس پڑا۔اسرا اپنی چوری پکڑے جانے پر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

"محترمہ ! آپ کو کچھ کہنا ہے؟ "محب نے اسے متذبذب دیکھ کر نرمی سے پوچھا تو اسرا نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ڈاکٹر فیصل، احمد ولا آ چکے ہیں۔" اب کی بار محب چونکا تھا۔اسے یہ بات معلوم نہیں تھی۔

"کب اور اس کا مطلب ہے کہ ارمان اور نعمان کے ساتھ وہ بھی آئے گا ؟؟" محب کے سوال پر اسرا نے اثبات میں سرہلایا۔

"جی ! وہ کل آئے ہیں۔" محب نے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

" محترمہ ! اگر اس نے آپ کی جانب دیکھا بھی تو میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔" اس کے پرشدت انداز سے کہنے پر اسرا کھکھلا کر ہنس پڑی۔

"محترم ! آپ کسی کی آنکھوں پر پہرے نہیں بٹھا سکتے ! " اس کے انداز میں ایک شرارت تھی۔

" مگر میں اس کی آنکھیں ضرور نکال سکتا ہوں۔" اس کے اندر ایجنٹ ایکس کی روح آ چکی تھی۔اسرا نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ایک لمحے کے لیے محب ساکت رہ گیا۔

"میں آپ کے نکاح میں ہوں۔آپ کو کسی دوسرے سے جلنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اسرا کے ایک جملے نے محب کے جلتے دل پر پھوار کا کام کیا تھا۔وہ ایک دم سے ٹھنڈا پڑ گیا۔محب نے اس کے ہاتھ پر اپنا دوسرا ہاتھ رکھا اور اس کی جانب نرم نظروں سے دیکھا۔

" میری زندگی میں آنے کے لیے شکریہ زوجہ ! " اسی لمحے اسرا کا فون بجا۔اسرا نے محب کی گرفت سے اپنا ہاتھ نکالتے ہوئے کال اٹینڈ کی۔

" اوکے ! ہم آ رہے ہیں۔" اس نے جلدی سے کال بند کی اور محب کی جانب دیکھا۔

" چلیں محترم! " محب نے اس کی بات پر اثبات میں سر ہلایا۔

وہ لوگ گاڑی سے نکلے تو انہیں کچھ فاصلے پر وہ تینوں نظر آ گئے۔ان دونوں کو ساتھ میں دیکھ کر نعمان اور ارمان کے ابرو ستائشی انداز میں اٹھے۔وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ،ایک جیسے لباس میں ملبوس، نظر لگ جانے کی حد تک پیارے لگ رہے تھے۔

جبکہ فیصل کا تو اسرا کو دیکھ کر سانس تک رک گیا تھا۔وہ بھورے لباس میں ملبوس۔۔شانوں پر کالی شال اوڑے نہایت پر وقار انداز میں ان کی جانب بڑھ رہی تھی۔وہ اس لڑکی کے سحر سے کبھی نہیں نکل پائے گا!

یکدم اس کی نظریں ان دونوں کے ہاتھوں پر پڑی تو اس کا جبڑا بھینچ گیا۔دماغ کی رگیں پھول گئیں۔

" السلام علیکم!" ان دونوں کے پاس آنے پر فیصل نے ان پر سے اپنی نگاہیں ہٹا لی۔مگر آنکھوں میں ایک پتھریلا سا تاثر چھا گیا تھا، دل شعلوں کی لپٹ میں آ چکا تھا۔وہ ان دونوں کو ساتھ کیسے دیکھے گا ؟

اس نے اپنا ہاتھ کمر کے پیچھے کر کے مٹھیاں بھینچ کر اپنے درد کو دبانا چاہا۔مگر درد تھا کہ دل سے ابھر کر اس کے چہرے پر عیاں ہو رہا تھا۔اس کو زندگی میں پہلی دفعہ اپنے تاثرات کو چھپانے میں مشکل پیش آ رہی تھی۔

”وعلیکم السلام ! کیسی ہیں آپ ؟ “ نعمان کے پوچھنے پر اسرا نے اثبات میں سر ہلایا۔

” الحمداللہ ! “ وہ مسکرا کر بولی۔محب کے چہرے پر ایک چمک سی چھائی ہوئی تھی۔

” اچھا باقی باتیں بعد میں کرنا۔ابھی شاپنگ کرتے ہیں۔۔“ ابھی ارمان بول ہی رہا تھا کہ منال بھی ان کے پاس آگئی۔اسے ارمان نے بلایا تھا۔

” السلام علیکم ! “ سب نے اس کے سلام کا جواب دیا۔

”چلو اب منال بھی آ گئی ہے۔میں اور منال ، اسرا اور محب اور نعمان اور فیصل اکھٹے شاپنگ کریں گے۔یاد رہے کہ دوپہر سے پہلے ہم نے گھر واپس جانا ہے۔“گھر میں مہندی کے فنکشن کی ساری تیاریاں جاری تھیں۔مہندی کا فنکشن اکٹھا رکھا گیا تھا۔

" ارمان ! مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" محب کے بولنے پر ارمان نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔ مگر محب اسرا کے سامنے ارمان سے یہ بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ محب نے اسرا اور منال کی جانب دیکھا تو اسرا اس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ گئی۔

" منال ! ہم اندر چلتے ہیں۔" اسرا، منال سے کہتی اس کے ساتھ اندر کی جانب بڑھ گئی۔

فیصل بھی اس کی بات سننے کا منتظر تھا۔ محب نے ایک نظر ان سب کے چہروں پر ڈالی۔

" بول بھی دیں۔" نعمان جھلا کر بولا۔

" میں ارمان سے معافی مانگنا چاہتا تھا۔ سوری ارمان!" محب کی بات پر ارمان چونکا۔ وہ اس سے معافی کیوں مانگ رہا تھا ؟

"کیوں ؟ کس چیز کی معافی؟" اس کے سوال پر محب نے مسکراہٹ دباتے ہوئے اپنا ابرو کھجایا۔

"کچھ دنوں پہلے تمہارا ایکسیڈنٹ ہوا تھا نا؟" ارمان نے ناسمجھی سے اپنا سر اثبات میں ہلایا۔ فیصل کو سمجھ آ گئی کہ وہ کیا کہنے والا تھا۔

”دراصل وہ ایکسیڈنٹ میں نے کیا تھا۔“ اس کے مسکراتے لہجے میں کہنے پر ارمان نے صدمے بھری نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔کتنے آرام سے بتا رہا تھا کہ ایکسیڈینٹ اس نے کیا تھا۔

”ویسے کیوں کیا تھا؟“ نعمان نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

”اس نے اسرا کو دماغی مریضہ کہا تھا۔“ محب کے سنجیدہ لہجے پر نعمان اور ارمان حیرانی سے اس دیوانے کو دیکھنے لگ گئے۔اتنی سی بات پر ایکسیڈنٹ ہی کر ڈالا۔جبکہ فیصل کے جبڑے کی رگیں پھول گئیں۔

”بہت اچھا کیا۔“ فیصل کے منہ سے بے ساختہ نکلا تو محب مسکرایا۔جبکہ فیصل پھر اس سے رخ پھیر چکا تھا۔

”جا تجھے معاف کیا !“ ارمان کے دکھ بھرے انداز میں کہنے پر وہ سب ہنسے۔

”اچھا اب اندر چلتے ہیں۔“ محب نے دیکھا تو اسرا اور منال مال کے باہر کھڑی نظر آئیں۔

وہ سب ان کی جانب بڑھ گئے۔

اسرا، محب کے ساتھ منال، ارمان کے ساتھ جبکہ نعمان اور فیصل اپنی اپنی شاپنگ کر رہے تھے۔

"زوجہ ! یہ آپ کیا کر رہی ہیں ؟ " اسرا بوتیک میں ہیوی ڈریسز دیکھ رہی تھی۔جبکہ محب کو معلوم تھا کہ اسے ہیوی ڈریسز پسند نہیں تھے۔

"فضہ کے لیے ڈریس دیکھ رہی ہوں۔" اسرا کے کہنے پر محب نے ایک نظر ان ملبوسات پر ڈالی اور پھر اسرا کی جانب دیکھا۔جو اب ایک ہلکے گلابی رنگ کے کامدار جوڑے کے آگے کھڑی ہو چکی تھی۔

اس جوڑے کو دیکھ کر اسرا کی آنکھوں میں ستائش ابھری۔

" مجھے فضہ کے لیے یہ پسند آیا ہے۔کیسا ہے ؟" محب نے اس جوڑے کو دیکھا۔سنہری اور گلابی رنگ کا امتزاج بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔

" اچھا تو ہے۔مگر آپ کو نہیں لگتا کہ فضہ اس قدر ہیوی ڈریس میں انکمفرٹیبل فیل کرے گی۔" محب کے ابرو کھجا کر کہنے پر اسرا نے نفی میں سر ہلایا۔

" وہ یہی پہنے گی۔مجھے یہی ڈریس فضہ کے لیے لینا ہے۔" محب نے اس کے ضدی انداز پر اپنے ابرو اٹھائے۔

" زوجہ ! آپ ضد بھی کرتی ہیں ؟" محب کے مسکرا کر کہنے پر اسرا نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"کیوں اسرا یاسر ضد نہیں کر سکتی؟" وہ لوگ اردگرد سے بے نیاز ایک دوسرے سے باتیں کرنے میں مصروف تھے۔

" اسرا یاسر کا تو پتہ نہیں مگر اسرا محب رضا حسین، محب رضا سے ضرور کر سکتی ہیں۔" اس کی بات پر اسرا کے چہرے پر لالی چھا گئی تو محب ہنس پڑا۔

ایک تو اس کی محترمہ کا چھوٹی چھوٹی باتوں پر شرمانا بھی کمال تھا!

" محترمہ ! یہ کل کے لیے ڈریس ہے؟" محب کے سوال پر اسرا نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کنزیٰ نے اس کی باقی کی شاپنگ کر لی ہے۔" اب محب نے سیلز گرل کو اس ڈریس کو پیک کرنے کا کہا۔

" اب ہم اپنی شاپنگ کر لیں ؟" محب نے اسرا کا ہاتھ تھاما اور مختلف جوڑے دیکھنے لگا۔یکدم وہ ایک سرخ فراک کے سامنے کھڑا ہو گیا۔اسرا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"محترم! سرخ رنگ کے کپڑے تو دلہن پہنے گی نا؟" اسرا نے عجیب سے انداز میں کہا۔جس پر محب مسکرایا۔

"محترمہ ! آپ بھی تو میری دلہن ہیں نا ؟" مگر اسرا نے نفی میں سر ہلا دیا۔وہ کل یہ جوڑا نہیں پہنے گی۔اس کے نفی میں سر ہلانے پر محب نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اس کا رخ اپنی جانب کیا۔

" محترمہ ! میں آپ کو اس جوڑے میں دیکھنا چاہتا ہوں۔کیا آپ اپنے محترم کی اتنی سی بات بھی نہیں مان سکتیں؟" محب کی سرمئی آنکھیں اس کی سنہری آنکھوں میں دیکھ رہی تھیں۔اسرا نے اس کی بات پر بے بسی سے سر ہلا دیا۔اسکے اقرار پر محب کی سنہری آنکھیں جگمگا اٹھیں۔

پھر انہوں نے سارا سامان لیا اور اب وہ دونوں ایک ریسٹورانٹ میں بیٹھے کافی پی رہے تھے۔اسرا نے کافی کا گھونٹ بھرا اور نفی میں سر ہلا دیا۔

" آپ کے ہاتھ کی کافی سے اچھی نہیں ہے۔" محب کو ایسی براہِ راست تعریف کی توقع بالکل بھی نہیں تھی۔

وہ ایک لمحے کے لیے کچھ کہہ نہ سکا۔

"کیا ہوا؟" اسرا نے اس کی سرمئی آنکھوں میں دیکھا۔جہاں تحیر چھایا ہوا تھا۔اس کے سوال پر محب نے ہنستے ہوئے اپنا سر جھٹکا۔

"کچھ نہیں محترمہ ! آپ خوش ہیں ؟"اس کے سوال پر اسرا نے اپنی آنکھیں سکیڑیں اور کپ واپس ٹیبل پر رکھ دیا۔اب وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بیٹھی تھی۔

" محترم ! آخر آپ کو کون سا ڈر لاحق ہے؟ میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جا رہی۔" وہ اس سے اتنی دفعہ پوچھ چکا تھا کہ کیا وہ خوش تھی؟ کیوں اس کا دل مطمئن نہیں ہوتا تھا۔

اسرا نے اب اپنی کوہنیاں میز پر جمائیں اور ہاتھوں کو جوڑ کر ان پر اپنا چہرہ رکھ دیا۔اب وہ اس سے دوٹوک بات کرنا چاہتی تھی۔محب تو ساکت سا اس کے انداز دیکھ رہا تھا۔

"محترم ! میں نے آپ کے ساتھ کوئی سمجھوتا نہیں کیا۔میرا اللہ گواہ ہے میں نے دل سے آپ کے ساتھ یہ رشتہ جوڑا ہے۔" اسرا کے ڈو ٹوک لہجے میں کہی جانے والی بات نے محب کے دل کی دھڑکنوں کو بڑھا دیا۔کوئی اس لڑکی کو بتائے کہ وہ اسے ایسے دیکھتے ہوئے اپنا اسیر بنا رہی تھی۔اب ان دونوں کے درمیان خاموشی چھائی ہوئی تھی۔انہیں کسی چیز کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

" آپ نے۔۔۔آپ نے مجھے دل سے قبول کیا؟" کچھ دیر بعد محب کچھ بولنے کے قابل ہوا۔اس کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

"جی محترم ! میں نے آپ کو دل سے قبول کیا۔آپ میرے اللہ کا انتخاب تھے۔پھر آخر میں آپ کو دل سے قبول کیوں نہ کرتی؟" اسرا کے نرم لہجے پر محب نے اوپر کی جانب دیکھا۔

" یا اللہ ! تیرا شکر ہے۔" اس کی آنکھوں میں تشکر کی نمی چھا گئی۔

" اللہ کے فیصلوں کو قبول کرنا اتنا آسان ہوتا ہے؟" محب سوال پر اسرا مسکرائی۔

" یہ آپ کے اور اللہ کے درمیان کے رشتے پر منحصر ہے۔اس دنیا میں سب سے زیادہ پیارا رشتہ انسان کا اور اس کے رب کا ہے۔" وہ دھیمے لہجے میں بولتی محب کو بہت پیاری لگ رہی تھی۔

"تو جو اللہ سے شکوہ کرتے ہیں ان کا اللہ سے رشتہ کمزور ہوتا ہے؟" اس کے سوال پر اسرا نے نفی میں سر ہلایا۔

”محترم ! انسان غلطی کا پتلا ہے اور جو بھٹکے نا وہ مومن ہی کیا ؟ کوئی بھی انسان ماں کے پیٹ سے مومن بن کر نہیں نکلتا۔وہ اس وقت بچہ ہوتا ہے، معصوم ہوتا ہے۔“ اسرا نے ایک لمحے کا توقف لیا۔

” جیسے جیسے وہ بڑا ہوتا ہے۔وہ اس دنیا کا مشاہدہ کرتا ہے اور پھر اس کے سامنے جو عمل کیا جاتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو اس کے مطابق ڈھال لیتا ہے۔“ محب پوری توجہ کے ساتھ اس کی بات سن رہا تھا ۔دوپہر ہو چکی تھی۔

”پھر جب وہ بڑا ہو جاتا ہے۔پھر وہ گرتا ہے ، اٹھتا ہے پھر گرتا ہے ، پھر اٹھتا ہے۔وہ اللہ سے اپنی ناکامیوں پر شکوے بھی کرتا ہے۔ چیزوں کے کھو جانے پر بھی شکوہ کرتا ہے۔“ اب کی بار اسرا مسکرائی تھی۔

”انسان کو لگتا ہے کہ اس سے وہ چیز چھین لی گئی تو اسے کچھ نہیں ملے گا۔اسے احساس ہی نہیں ہوتا کہ اگر کوئی چیز چھینی گئی ہے تو وہیں اسے کچھ عطا بھی تو کیا گیا ہے۔وہ اس عطا کی گئی چیز کا شکریہ ادا

کرنے کے بعد چھینی گئی شہ کا شکوہ کرنے لگ جاتا ہے۔" اس نے لمبا سانس بھر کر محب کو دیکھا جو آنکھوں میں اشتیاق لیے اسرا کو دیکھ رہا تھا۔

"پھر ایک وقت آتا ہے۔اسے احساس ہوتا ہے کہ شکوہ کرنے میں کچھ نہیں رکھا۔پھر آہستہ آہستہ وہ صبر کرنا سیکھتا ہے۔پھر وہ اللہ کے ہر فیصلے پر اپنا سر خم کرنا سیکھ لیتا ہے۔" اب اس کی نظریں کافی کی خالی کپ پر مرکوز تھیں۔

"جب تک اللہ کے ہر فیصلے پر سر نگوں نہ کر دیا جائے تب تک انسان کو زندگی میں سکون حاصل نہیں ہو سکتا۔" اسی لمحہ اسرا کے موبائل پر میسج کی بیپ بجی۔نعمان کا میسج جگمگا رہا تھا۔وہ انہیں پارکنگ میں آنے کا کہہ رہا تھا۔جبکہ محب خاموش بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔

"محترم! نعمان ہمیں بلا رہا ہے۔چلیں؟" اسرا کے پوچھنے پر محب اپنا سر اثبات میں ہلاتا کھڑا ہو گیا۔

وہ ابھی بھی اسرا کی باتوں کے زیرِ اثر تھا۔اب وہ سب شاپنگ کر کے گھر پہنچ چکے تھے۔

اسرا اور محب سامان یاسر ولا میں رکھ کر احمد ولا آ گئے۔جہاں اب حارث بھی موجود تھا۔منال کو ارمان نے راستے میں ہی اس کے گھر چھوڑ دیا تھا۔سب لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے کہ

حارث سب سے نظریں بچاتا فیصل کے پاس آیا۔فیصل اس وقت لان کے ایک کونے میں اکیلا کھڑا تھا ۔حارث نے اسے اکیلا دیکھ کر شکر کا سانس بھرا۔

"فیصل ! شکر ہے تم مجھے اکیلے مل گئے۔" اس کی بات پر فیصل نے اسے شکی نظروں سے دیکھا۔

"اوہو ! تم سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔وہ لڑکی تھوڑی گڑبڑ نہیں بلکہ بہت بڑی گڑبڑ ہے۔" اس نے پاکٹ سے بلوتوتھ ڈیوائس نکالی اور فیصل کو پکڑا دی۔فیصل نے اس کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔فیصل کا حلیہ اس وقت لاپرواہ سا تھا۔نیلی پینٹ شرٹ میں ملبوس فیصل اس شام کی مانند افسردہ لگ رہا تھا۔

" اسے کان میں لگاؤ۔" حارث کے کہنے پر فیصل نے اس ڈیوائس کو کان میں لگایا۔اب حارث نے موبائل سے ریکارڈنگ پلے کی۔

فیصل دھیان سے ریکارڈنگ سننے لگا۔جیسے جیسے وہ سنتا جا رہا تھا ویسے ویسے اس کے تاثرات پتھریلے ہوتے جا رہے تھے۔اس کی سرد نظریں لان میں کام کرتے آدمیوں پر مرکوز تھیں۔جب ریکارڈنگ ختم ہوئی تو فیصل نے ڈیوائس کان سے نکال کر حارث کو تھما دی۔

" اب کیا کرنا ہے ؟" حارث کے پوچھنے پر فیصل سوچ میں گم ہو گیا۔

"جو ہو رہا ہے۔ہونے دو۔" وہ سنجیدہ لہجے میں بولا تو حارث چونکا۔

"کیا مطلب؟"

"میں نے کہا نا جو ہو رہا ہے اسے ہونے دو۔"حارث نے اس کی بات پر لمبا سانس بھرا۔

" اگر تم کہہ رہے ہو تو ٹھیک ہے۔" اب وہ دونوں اندر کی جانب بڑھ گئے۔

***

کچھ فیصلہ تو ہو کدھر جانا چاہیے

پانی کو اب تو سر سے گزر جانا چاہیے

ہر بار ایڑیوں پہ گرا ہے میرا لہو

مقتل میں اب بہ طرزِ دیگر جانا چاہیے

سرخ اور پیلے پھولوں سے سجا لان بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔لان کے درمیان میں سرخ قالین بچھا کر اسے دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔قالین کے دونوں اطراف کرسیاں اور میز سجائے گئے تھے ۔قالین کے اختتام پر اسٹیج سے ایک چھوٹا پلیٹ فارم بھی بنایا گیا تھا۔

جس کے اطراف میں پھولوں کی لڑیاں لٹک رہی تھیں۔جبکہ اسٹیج کے اوپر ایک بڑے صوفے کے ساتھ دو چھوٹے صوفے بھی رکھے گئے تھے۔جبکہ سامنے پڑی میز پر مہندی کے تھال موجود تھے۔ہر چیز پرفیکٹ تھی۔

محب تیار ہونے اپنے گھر گیا تھا۔جبکہ فضہ دن میں ہی اپنے گھر جا چکی تھی۔اس نے کنزیٰ لوگوں کے ساتھ آنا تھا۔ارمان ، نعمان ، نہال لوگ سبھی اندر تھے۔کچھ ہی دیر میں اسرا تیار ہو کر احمد ولا پہنچ چکی تھی۔اسرا نے اورنج اور سبز رنگ کے لہنگے کے ساتھ سبز دوپٹہ سر پہ جمہ رکھا تھا۔وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی لان کی سجاوٹ دیکھ رہی تھی۔لاؤنج میں ابھی کچھ لوگ ہی موجود تھے۔

اندر سے کالے کرتے میں ملبوس فیصل باہر نکلا۔اسرا کی نظر لان کی جانب جبکہ قدم اندر کی جانب بڑھ رہے تھے۔جسے جیسے اسرا کے قدم فیصل کی جانب بڑھ رہے تھے۔ویسے ویسے فیصل کو اپنی

دھڑکن بڑھتی محسوس ہو رہی تھی۔اسرا فیصل سے چند قدم کے فاصلے پر رک گئی اور گردن موڑ کر فیصل کی جانب دیکھا۔

سیاہ آنکھوں میں اس کا عکس واضح نظر آرہا تھا۔ہلکے س میک اپ سے سجا چہرہ چمک رہا تھا۔فیصل کے گلے کی گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔اس سے پہلے اسرا اندر کی جانب بڑھتی وہ بول پڑا۔

" آپ کی بےاعتنائی میرے دل کو بہت تکلیف دیتی ہے۔کاش ! میں اس دل کو آپ کو چاہنے سے روک پاتا مگر نہیں روک سکتا۔" فیصل نے لمبا سانس بھرا۔اسرا کے قدم وہیں رخ پر رک چکے تھے۔

"پلیز مجھ سے ایسے اجنبیت نہ برتا کریں۔میرے دل میں بھی درد ہوتا ہے۔" اس کا لہجہ درد بھرا تھا۔وہ اپنے جذبات کو بہت مشکل سے بیان کر رہا تھا۔

اسرا نے اس کی بات پر اپنی آنکھیں بند کیں اور اپنے قدم پیچھے کی جانب لیے۔اب وہ فیصل کے سامنے کھڑی تھی۔جبکہ اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔

"کسی سے توجہ کی بھیک نہیں مانگنی چاہیے ورنہ دوسرے انسان کی نظروں میں آپکی حیثیت خاک برابر بھی نہیں رہتی۔"اس کا لہجہ ہموار تھا۔فیصل سر جھکا کر مسکرا دیا۔

”ایسا ہونا کسی حیثیت کے نہ ہونے سے تو بہتر ہی ہو گا۔“اسکی بات پر اسرا نے اپنا سر جھٹک دیا۔

”کیسے ہیں آپ ؟“ اسرا کے سوال پر وہ بے بسی سے مسکرایا۔

” میری سانسیں بھی چل رہی ہیں اور دل بھی دھڑک رہا ہے۔اگر اسے ٹھیک ہونا کہتے ہیں تو۔۔۔

ٹھیک ہوں۔“ اس کی نظریں اسرا کے چہرے پر جمی تھیں جبکہ اسرا کا چہرہ ویسے ہی سپاٹ تھا۔

” آپ ایک ماہر سائیکالوجسٹ ہیں۔آپ کو ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں۔“

”ایسی باتوں میں دماغ کی نہیں چلتی۔“ پھر اس کا درد بھرا قہقہہ گونجا۔

”اور دماغ کا ساتھ ساتھ دل کی بھی نہیں چلتی۔ہونا تو وہی ہے جو تقدیر میں لکھا ہے۔“ اس کے سر

جھٹک کر کہنے پر اسرا نے اپنی آنکھیں سکیڑیں۔

” پھر تقدیر کے لکھے کو قبول بھی کر لیں۔“ اس کے سرد لہجے میں کہنے پر فیصل اسے دیکھتا رہ گیا۔

” آپ بہت ظالم ہیں !“ اس کی بات پر اسرا کے تاثرات سخت ہو گئے۔

” ڈاکٹر فیصل احمد ! عورت کو ہر نامحرم کے ساتھ اسی طریقے سے پیش آنا چاہیے اور آئیندہ مجھے روکنے

سے پہلے یہ بات یاد رکھیے گا کہ میں محب رضا حسین کے نکاح میں ہوں۔“ وہ سپاٹ لہجے میں کہتی

اندر کی جانب بڑھ گئی۔وہ فیصل کو کسی بھی کچھ فہمی میں مبتلا نہیں کر سکتی تھی اور نہ ہی اس کا دل رکھنے کے لیے اس سے نرم لہجے میں بات کر سکتی تھی۔

پیچھے کھڑا فیصل زخمی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔اسے الگ رہا تھا کہ اسے کسی اندھیرے وادی میں بھٹکنے کے لیے اکیلا چھوڑ دیا گیا ہے اور اسے ادھر سے باہر نکلنے کے لیے راستہ کو خود ڈھونڈنا تھا۔اسے اندھیرے میں بھٹکنا تھا ، اسے اس وادی کی تنہائی کو برداشت کرنا تھا۔اگر دماغ اپنے آپ کو ہر حالت کے مطابق ڈھال سکتا تھا ہے تو کچھ بھی کر سکتا ہے۔

اسی لمحے ڈوبتی ہوئی شام میں فیصل احمد نے ایک فیصلہ کیا تھا۔اسے بھی اب اس کہرے سے باہر نکلنا تھا۔وہ اب اسرا یاسر کو دیکھ کر کبھی نہیں رکے گا۔

وہ اب اسرا یاسر کو دیکھ کر کبھی ساکت نہیں ہوگا۔پھر اس نے تھکے سے انداز میں اوپر کی جانب دیکھا۔

آج اسے اس ذات سے کچھ مانگنا تھا۔وہ پہلی دفعہ اس ذات پر بھروسہ کرنا چاہتا تھا۔سرخ ہوتی آنکھیں آسمان کی جانب مرکوز تھیں۔ان میں ایک حزن تھا، ملال تھا۔

" یا اللہ ! مجھے صبر عطا کر۔میں تجھ پر بھروسہ کر کے پہلی دفعہ تجھ سے کچھ مانگ رہا ہوں۔مجھے صبر عطا کر۔" اس کے دل کی پکار عرش تک پہنچی تھی۔

اسی لمحے فیصل کو وہ سب باہر آتے نظر آئے۔ہر کوئی مسکراتا ہوا۔۔اپنی اپنی زندگی میں خوش تھا۔ فیصل نے انہیں دیکھ کر اپنے چہرے پر بدقت مسکراہٹ سجائی۔مگر جیسے ہی پیلے اور سبز رنگ کے لہنگے میں ملبوس نہال پر نظر پڑی۔اس کے چہرے کے تاثرات پتھریلے ہو گئے۔

اب وہ سب چلتے ہوئے فیصل کے پاس آئے۔درمیان میں سفید کرتے میں ملبوس ارمان کھڑا تھا جبکہ اس کے ایک جانب نعمان جبکہ دوسرے جانب نہال اور اسرا موجود تھیں۔نعمان ارمان سے کسی چیز کے متعلق بحث کر رہا تھا۔

"بھائی ! مجھے وہاں کھڑے نہیں ہونا۔" نعمان جھنجھلا کر بولا۔جبکہ ارمان مسلسل نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

"دیکھیں فیصل بھائی ! یہ لوگ مجھے ہر دفعہ استقبالیہ پر کھڑا کرتے ہیں۔" نعمان نے دروازے کی جانب اشارہ کیا۔جہاں سے مہمان آنا شروع ہو چکے تھے۔

اب لان میں کافی لوگ موجود تھے۔کچھ ارمان کے جاننے والے تھے تو کچھ حمید خان کے جاننے والے تھے۔

باقی سب بھی بس آنے والے تھے

" ایسا کرو تم دونوں کھڑے ہو جاؤ۔" ارمان کی بات پر فیصل نے کرتے کے کف موڑتے ہوئے تیکھے انداز میں اسے دیکھا۔

" ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟ اب بڑے بھائی ہو تو بڑے بھائیوں والی ذمہ داریاں بھی نبھاؤ۔" اس کے ایسے دیکھنے پر ارمان بے فکری سے بولا۔اس پر فیصل نے ایک نظر استقبالیہ پر ڈالی۔وہ اور لوگوں کا استقبال کرے گا؟ واہ ! ڈاکٹر فیصل احمد ! یہ بھی دن آنے تھے! فیصل نے نعمان کے کندھے پر ہاتھ دھر دیا۔

"چلو نعمان ! اس کی شادی ہو رہی ہے نا۔اس لیے ہم اس کی بات مان لیتے ہیں۔" اب وہ دونوں دروازہ کی جانب بڑھ گئے۔جبکہ ارمان اسرا کی جانب متوجہ ہوا۔

"محب نہیں آیا؟ "اس کے پوچھنے پر اسرا نے نفی میں سر ہلایا۔

”ابھی تو نہیں آئے۔کچھ دیر تک آجائیں گے۔آؤ نہال ! ہم ماں جی کو دیکھتے ہیں۔“ وہ نہال سے کہتی اندر کی جانب بڑھ گئی۔

جبکہ ارمان وہاں کھڑا فیصل کو دیکھ رہا تھا۔جو چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجائے ہر مہمان کا استقبال کر رہا تھا۔اس کی زبردستی کی سجائی مسکراہٹ کو دیکھ کر ارمان کا قہقہہ چھوٹ گیا۔

” یا اللہ ! میرے بھائی کے حصے میں بھی خوشیاں لکھ دے۔“ پھر اس نے اپنے سر پر ہاتھ مارا۔

”او ہو ارمان ! تم دلہے ہو۔ابھی مہمانوں کے پاس نہیں جانا اندر چلو۔“ وہ اپنے آپ سے مخاطب ہوتا اندر کی جانب بڑھ گیا۔

”یار نعمان میرا منہ تھک گیا ہے۔“ فیصل نے اپنے چہرے پر زبردستی کے مسکراہٹ سے جا رکھی تھی۔نعمان نے اس کی حالت دیکھ کر مسکرایا۔اس سے پہلے وہ کچھ بولتا دروازے سے محب اور مسز رضا اندر داخل ہوئیں۔

محب کو دیکھ کر فیصل کی زبردستی مسکراہٹ بھی غائب ہو گئی۔ مسز رضا ان دونوں سے ملتی اندر کی جانب بڑھ گئی۔

جبکہ محب اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے انہیں دیکھا۔

" تم دونوں دربان بنے ہوئے بہت اچھے لگ رہے ہو۔" محب کی بات پر نعمان نے اپنا منہ بسورا۔

"محب بھائی! اب آپ بھی ایسا کریں گے؟" نعمان کے کہنے پر محب نے قہقہہ لگاتے ہوئے بوکے اسے تھما دیا۔جو اس نے پاس ہی پڑی میز پر رکھ دیا۔

اب محب ان کے پاس سے ہٹا اور اسرا کو تلاش کرنے لگا۔

" زوجہ ! کہاں ہیں آپ؟" وہ اِدھر اُدھر نظریں دوڑا رہا تھا۔وہ اندر نہیں جانا چاہتا تھا۔اس لیے لان میں ہی کھڑا ہو گیا۔

کچھ دیر بعد سے اپنے کندھے پر کسی کے ہاتھ کا لمس محسوس ہوا تو وہ مسکراتا ہوا پلٹا۔سامنے ہی اسرا کھڑی مسکرا تھی۔

اسی لمحے نعمان دروازے کے پاس سے بھاگتا ہوا آیا۔اب اس کے ہاتھوں میں پھولوں کا تھال تھا۔جو اس نے ان دونوں پر اچھال دیا۔اب پھولوں کی بارش میں وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

سب مہمان ان دونوں کی جانب متوجہ تھے۔فیصل نے ان دونوں کو ایک نظر دیکھ کر اپنا رخ پھیر لیا۔

"آپ بہت خوبصورت لگ رہی ہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔اسرا نے اثبات میں سر یلایا۔

" شکریہ محترم ! آپ بھی اچھے لگ رہی ہیں۔" سیاہ کرتے پاجامے میں ملبوس محب ہر نگاہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔اس کی بات پر محب اسرا کے پاس آیا اور اس کے ماتھے پر سجا سنہری ٹیکہ سیدھا کیا جو ترچھا ہو چکا تھا۔

اس کے اس قدر قریب آنے پر اسرا کا چہرہ لال ہو گیا۔اسرا کو اس کے کلون کی ہلکے ہلکی خوشبو محسوس ہو رہی تھی۔سب لوگ انہیں دیکھ رہے تھے۔جبکہ محب کو ان لوگوں کے دیکھنے کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔

"محترم ! پیچھے ہٹیں۔" اسرا کے کہنے پر محب نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اپنے ساتھ لگا لیا۔

اس کی حرکت پر اسرا سٹپٹا کر رہ گئی۔

"سب لوگ دیکھ رہے ہیں۔پیچھے ہٹیں۔" محب کے چہرے ہر مسکراہٹ سجی ہوئی تھی۔

"محترمہ ! میں اپنی زوجہ کے ساتھ ہوں۔کوئی کچھ بول کر تو دکھائے۔" وہ اسرا کا ہاتھ تھامے لان کی جانب بڑھا۔جہاں بہت سے لوگ کرسیوں پر بیٹھے تھے۔جبکہ کچھ لوگ کھڑے ہو کر انہیں دیکھ رہے تھے۔

وہ اسرا کا ہاتھ تھامتا ایک ٹیبل کی جانب بڑا اور اسے کرسی پر بٹھا دیا۔اسرا حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔اب فیصل اور نعمان کی توجہ بھی ان کی جانب مرکوز تھی۔

محب نے ایک نظر ان سب کے جانب ڈالی اور پھر اسرا کے پاس نیچے جھک گیا۔اسرا تو حیرت سے دنگ رہ گئی۔یہ کیا کرنے والے تھے؟ محب نے اپنی نرم نگاہوں سے اسے دیکھا جو نفی میں سر ہلا رہی تھی۔وہ سب لوگوں کے سامنے اسے نہیں جھکنے نہیں دے سکتی تھی۔

وہ جو خالی کمرے میں اسے اپنے آگے جھکنے نہیں دینا چاہتی تھی۔وہ کیسے یہ چاہ سکتی تھی کہ اس کا شوہر پورے مجمع میں اس کے سامنے جھکے۔اس نے کھڑا ہونا چاہا مگر محب نے نفی میں ہلا دیا۔ہر کوئی آنکھوں میں تحیر لیے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

”یہ کیا کر رہا تھا؟“ اسی لمحے حمید خان اپنے خاندان کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔مگر سامنے کا منظر دیکھ کر ان کے قدم رک گئے۔ایجنٹ ایکس اپنی زوجہ کے قدموں میں بیٹھا تھا۔

محب نے اپنی پاکٹ سے پائل نکالی اور اس کے دوسرے پاؤں میں پہنا دی۔اسرا نے اپنی آنکھیں میچ لی تھیں۔جیسے ہی اس نے پائل پہنا دی۔اسرا نے فوراً سے اپنا پاؤں پیچھے کی جانب کر لیا۔محب مسکرا اٹھا۔وہ کھڑا ہوا تو سب کو جانب دیکھتا پا کر اس کے ابرو اٹھ گئے۔

اس نے اپنے چہرے پر سرد تاثرات جمالیے۔ہر کوئی حیرانی سے اس لڑکے کی جانب دیکھ رہا تھا۔جس نے کسی کی بھی پروا کیے بغیر اس لڑکی کو پائل پہنائی تھی۔

” یہاں کوئی تماشہ نہیں ہو رہا۔یہ میری زوجہ ہیں۔میرے انہیں پائل پہنانے سے کسی کو کوئی مسئلہ نہیں ہونا چاہیے اور اگر ہے بھی تو مجھے کوئی پرواہ نہیں۔“ اس کی سرد آواز لان میں گونج اٹھی۔اس کا چہرہ خطرناک حد تک سپاٹ تھا۔

” سوری ایوری ون ! مہندی کا فنکشن شروع ہونے والا ہے۔آپ سب بیٹھ جائیں۔“ حمید خان کے کہنے پر سب نے اثبات میں سر ہلایا۔اب حمید خان کرخت تاثرات لیے محب کی جانب بڑھ رہے تھے۔منال کو نہال اور کنزیٰ لوگ اسٹیج پر لے گئے تھے۔

” تم یہ کام کمرے میں بھی کر سکتے تھے۔سب کے سامنے بچی کا تماشہ بنانا ضروری تھا ؟“ حمید خان کے ڈپٹنے پر محب نے اپنا ابرو اٹھایا۔

”میں نے ان کا تماشہ نہیں بنایا۔“ محب کے دو ٹوک انداز پر حمید خان نے اپنا سر جھٹک دیا۔

”مگر بچی تو سب کے سامنے شرمندہ ہو گئی نا۔“ ان کی بات پر محب دوبارہ سے نیچے بیٹھ گیا۔اسرا اب سر جھکائے بیٹھی تھی۔

” زوجہ! آپ شرمندہ تو نہیں ہوئیں نا ؟ “محب کے پوچھنے پر اسرا نے کوئی جواب نہیں دیا۔اس کے چہرے پر پریشانی چھا گئی۔

”بتائیں محترمہ! آپ شرمندہ تو نہیں ہوئیں؟“

”محب نیچے سے اٹھو اور۔۔۔۔“

” میں آپ سے بات نہیں کر رہا۔اپنی زوجہ سے بات کر رہا ہوں۔“ وہ ان کی بات کاٹتا درشتی سے بولا تو چیف کے تاثرات تن گئے۔وہ اتنا منہ پھٹ کیسے ہو گیا؟؟

” تم بھول رہے ہو کہ تم کس سے مخاطب ہو۔“ ان کی بات پر محب جھنجھلا اٹھا۔

”آپ کی بیٹی کی مہندی ہے نا۔۔تو آپ اس کے پاس جائیں۔مجھے کیوں پریشان کر رہے ہیں ؟ “ محب کے بولنے پر انہوں نے اسٹیج کی جانب دیکھا۔جہاں سبز لہنگے میں ملبوس منال انہیں پریشانی سے دیکھ رہی تھی۔وہ سر جھٹکتے ہوئے اس کی جانب بڑھ گئے۔محب کا کچھ نہیں ہو سکتا تھا!

حمید خان کے جانے کے بعد محب نے اسرا کا ہاتھ تھاما۔مگر اسرا ویسے ہی بیٹھی رہی۔

”ذوجہ ! میرے ساتھ چلیں۔“ اب اسرا سر جھکائے اس کے ساتھ چلتی رہی۔ مسز رضا تو اپنے بیٹے کا یہ روپ دیکھ کر حیران تھیں۔ محب اسے لان کے ایسے کونے میں لے آیا جہاں تھوڑا اندھیرا تھا۔ محب نے اسرا کی تھوڑی پر ہاتھ رکھ کے اس کا چہرہ اوپر کیا۔ اسرا کی آنکھوں میں خفگی تھی۔

”آپ مجھ سے ناراض ہیں؟“ محب کے نرمی سے پوچھنے پر بھی اسرا نے کوئی جواب نہیں دیا تو اس نے نرمی سے اسرا کو اپنے حصار میں لے لیا۔ اسرا کی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو گئے۔ اسے خود کو سمجھ نہیں آئی کہ وہ آنسو کیوں بہہ رہے تھے ؟ اسرا کو وہ نرم حصار کمزور کر رہا تھا۔ وہ اس کے سامنے کمزور پڑ رہی تھی۔ اسرا کے آنسو محب کے کرتے کو بھگونے لگے تو محب نے آہستگی سے اسے پیچھے کیا۔

”ذوجہ ! کیوں اپنے آنسو ضائع کر رہی ہیں ؟“ وہ اس کی سنہری آنکھوں میں آنسو دیکھ کر پریشانی سے بولا۔ تو اسرا نے اپنا سر نفی میں ہلایا۔

”پتہ نہیں!“ اسرا کے جواب میں محب کو حیرت ہوئی۔ اس کی سنہری آنکھیں جھیل کی طرح پانی سے بھر چکی تھیں۔

"زوجہ! خاموش ہو جائیں ورنہ میں بھی رو پڑوں گا۔" محب کو اس کی سنہری آنکھوں میں اپنا آپ ڈوبتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔اس کے ایسے بولنے پر اسرا ہنس پڑی۔محب نے اس کے چہرے سے نرمی سے آنسو صاف کیے۔

"آپ مجھے کیوں تنگ کرتی ہیں ؟" اس کے بے بسی سے پوچھنے پر اسرا نے تعجب سے اس کی جانب دیکھا۔

"میں نے کب آپ کو تنگ کیا ؟" اسرا اب رونا چھوڑ کر اسے دیکھ رہی تھی۔اس کا کاجل آنکھوں پر پھیل چکا تھا۔

"آپ تھوڑی دیر مجھ سے بات نہ کریں تو مجھے ایسا لگتا ہے کہ اس دنیا میں کوئی مجھ سے بات کرنے والا نہیں ہے۔کیوں تڑپاتی ہیں مجھے ؟" محب کے پرحدت لہجے میں کہنے پر اسرا کی پلکیں اس کے عارضوں پر جھک گئیں۔محب نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے اپنی پاکٹ سے رومال نکالا اور اس کی جانب بڑھا۔

اب وہ آہستگی سے اس کی آنکھوں پر پھیلا کاجل صاف کر رہا تھا۔

"آپ کیا کر رہے ہیں ؟" لان کے دوسری جانب مہندی کا فنکشن شروع ہو چکا تھا۔

" ان جھیل جیسی آنکھوں سے کائی صاف کر رہا ہوں۔" اس کے مسکرا کر کہنے پر اسرا کی آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں۔

" آپ نے مہندی نہیں لگوائی؟ سوری ! میں گجرے نہیں لایا۔" محب اس کے ہاتھوں کو دیکھتا بولا جہاں مہندی کے مٹے مٹے نشان موجود تھے۔مگر گجرے دونوں کلائیوں میں تھے۔

" نکاح پر فضہ نے لگائی تھی۔وہ ابھی تک لگی ہوئی تھی۔اس لیے دوبارہ نہیں لگوائی۔" اسرا کی بات پہ محب نے اثبات میں سرہلایا۔اسی وقت نعمان وہاں آ ٹپکا۔

" سوری مسٹر اینڈ مسز محب رضا حسین ! مگر آپ دونوں کو وہاں بلایا جا رہا ہے۔" نعمان شرارتی انداز میں کہتا وہاں سے چلا گیا۔اس سے پہلے اسرا اپنے قدم بڑھاتی۔محب اس کی کلائی تھام چکا تھا۔

" محترمہ ! آپ ناراض تو نہیں؟ " محب کی بات سن کر اسرا نے لمبا سانس بھرتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔

"محترم! جو سر دن میں پانچ دفعہ اللہ کے سامنے جھکتا ہے۔اسے کسی دوسرے کے آگے جھکنا زیب نہیں دیتا۔" اسرا کی بات پر محب ساکت رہ گیا۔

"ذوجہ! اللہ کے سامنے بندگی میں سر جھکایا جاتا ہے اور محبوب کے سامنے محبت اور عقیدت میں ۔"اسکی بات پر اسرا نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں نہیں چاہتی کہ آپ آئندہ میرے یا کسی کے آگے بھی جھکیں۔اگر اب آپ نے ایسا کیا تو میں آپ سے سچ والا ناراض ہو جاؤں گی۔" اس کے دوٹوک انداز پر محب مسکرایا۔

"جو آپ کا حکم ذوجہ! ویسے پہلے جھوٹ والا ناراض ہوئی تھیں۔" اس کے مسکراہٹ دبا کر کہنے پر اسرا نے اسے گھورا۔

"اچھا نا سوری ! اب ہم چلتے ہیں۔یہ نہ ہو کہ اب سارے ہی ادھر آ جائیں۔" اب وہ دونوں مسکراتے ہوئے ایک ساتھ اسٹیج کی جانب بڑھ گئے۔جہاں سب لوگوں نے اپنا قبضہ جما رکھا تھا۔ان کے آنے پر نعمان نے ہوٹنگ شروع کر دی۔پھر ان دونوں نے ارمان اور منال کو مہندی لگائی۔

اس کے بعد نعمان تو پلیٹ فارم پر ڈانس کرنے لگ گیا۔اس نے محب ،ارمان ، فیصل اور حارث کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ان کا ڈانس دیکھ کر سب کو ہنسی ہی آ رہی تھی۔کیونکہ کوئی بھی ایک جیسے سٹیپس فالو نہیں کر رہا تھا۔

بلآخر سب نے بھنگڑا ڈالنا شروع کر دیا۔اسرا اور فضہ تو حیرت سے محب اور نعمان کو دیکھ رہی تھیں۔

ڈانس کرنے کے بعد نعمان تھک کر کرسی پر بیٹھ گیا۔اس کرسی کے ساتھ ہی فضہ بیٹھی تھی۔اس نے ایک نظر اپنی ساتھ والی کرسی پر ڈالی جہاں فضہ کے ساتھ کنزیٰ اور ان کے والدین بھی بیٹھے تھے۔

وہ تو بنا دیکھے وہاں آیا تھا۔فضہ کو دیکھ کر ایک پل کے لیے وہ مبہوت ہوا۔مگر پھر اس نے اپنی نگاہیں پھیر لیں۔وہ کم از کم اس کے والدین کے سامنے ایسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔فضہ سبز رنگ کے فراک میں ملبوس سر پر سبز ڈوپٹہ جمائے پیاری لگ رہی تھی۔

" السلام علیکم ! آپ سب کیسے ہیں؟" نعمان نے فضہ کے والدین یعنی مسٹر امجد انصاری اور مسز انصاری کو دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ دونوں مسکرائے۔

"وعلیکم السلام بیٹا! ہم ٹھیک ہیں۔آپ کیسے ہو؟" نعمان کچھ دیر ان سب سے باتیں کرتا رہا۔

مہندی لگانے کے بعد سب مہمان اپنے گھروں کی جانب روانہ ہو گئے تھے۔اب لان میں احمد ولا اور یاسر ولا کے لوگ موجود تھے۔فضہ کو اس کے والدین اپنے ساتھ لے کر جا چکے تھے۔

سب لوگ اب میز کے گرد بیٹھے تھے۔محب بھی ابھی وہیں موجود تھا۔جبکہ حارث اپنے گھر جا چکا تھا۔

"کیوں نہ بیت بازی کی جائے؟" نعمان کی بات پر سب نے تھکے انداز میں اس کی جانب دیکھا۔اس وقت کسی میں بھی اس کے مطالبے کو پورا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔

"نعمان! ابھی بیت بازی کا فائدہ نہیں ہے۔میرے والی بھی یہاں نہیں اور۔۔۔" اسرا کی سخت نظروں کا کمال تھا کہ وہ جملہ اس کے منہ میں ہی اٹک گیا۔

کسی اور نے اس کی حرکت کو دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو مگر محب نے اپنے ابرو سکیڑ کر ضرور دیکھا تھا۔

"محترمہ! یہ آپ کون سی کھچڑی پکا رہی ہیں؟" محب آہستگی سے اس کے پاس جھکا۔

"محترم! کھچڑی نہیں بنا رہی۔پوری بریانی بنا رہی ہوں۔آپ کھائیں گے؟" اسرا کے جواب پر محب کا منہ حیرت کا باعث کھلا رہ گیا۔

"اچھا بھائی! جو آپ کہیں۔" نعمان نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔جبکہ فیصل اور نہال چہرے پر بیزاریت سجائے وہاں بیٹھے تھے۔

پاؤں بڑھاؤ ساتھی ہم کو چلنا بھی ہے،جلنا بھی ہے

اس جیون کے لمبے دن کو جلتے جلتے ڈھلنا بھی ہے

ارمان آئینے کے سامنے کھڑا اپنا عکس دیکھ رہا تھا۔

سنہری شیروانی میں ملبوس ارمان کے چہرے پر مسکراہٹ سجی ہوئی تھی۔اسی لمحے فیصل، نعمان اور حارث اندر داخل ہوئے اور اس کے گرد کھڑے ہو گئے۔

"یار بھائی! آپ نے میرے لیے یہ شیروانی کیوں لی؟" سفید شیروانی میں ملبوس نعمان کے پوچھنے پر ارمان پراسراریت سے مسکرایا۔

"بس مجھے اچھی لگی تو میں نے لے لی۔" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا تو نعمان نے اپنا سر اثبات میں ہلایا۔

"کیسا محسوس کر رہے ہو؟ دلہے راجہ!" حارث کے پوچھنے پر ارمان کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"بہت اچھا!" اس کے کہنے پر فیصل مسکرایا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"اپنی محبت کو سنبھال کر رکھنا۔ دنیا کی بھیڑ میں کبھی گم مت ہونے دینا۔" فیصل کے بولنے پر ارمان نے اسے گلے سے لگا لیا۔ اس لمحے اسے اپنے بابا کی یاد شدت سے آئی تھی۔

"یار فیصل! تم نے تو بابا کے ساتھ کچھ پل بھی گزارے ہیں۔ مجھے بتاؤ وہ کیسے تھے۔" اس کے نم لہجے پر فیصل بھی افسردہ ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں نمی در آئی۔

"وہ بالکل تمہارے جیسے تھے۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"تمہارے جیسی آنکھیں، تمہارے جیسے ہونٹ، تمہارے جیسی ناک۔" ان دونوں کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ فیصل کا سفید کرتا ارمان کے آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا۔

"ان کی شخصیت بہت سحر انگیز تھی۔" حارث اور نعمان کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے۔ پوری فضا افسردہ ہو چکی تھی۔ ہر کوئی افنان احمد کی یاد میں رو رہا تھا۔ حارث اور نعمان نے بھی انہیں گلے سے لگا لیا۔

”یار! وہ ہمارے بھی تو کچھ لگتے تھے۔صرف تم ہی ان کے بیٹے نہیں تھے۔انہوں نے تو مجھے بھی اپنا بیٹا بنا کر رکھا تھا۔“ حارث کے بولنے پر فیصل نے اثبات میں سر ہلایا۔کچھ دیر بعد فیصل ان سب کے کندھے تھپکتا ہوا پیچھے ہٹا۔

”ارمان! تم خود سوچو کہ وہ انسان کس قدر باہمت ہو گا جو ایک دس سالہ بچے کی پکار سن کر اپنے خاندان کی پرواہ کیے بغیر ایک طاقتور سیاستدان کے خلاف کھڑا ہو جائے۔“ حارث کی بات پر وہ سب متفق تھے۔

” اچھا! اب بس کرو۔آج خوشی کا دن ہے۔بابا کو خوشی کے ساتھ یاد کرو۔“ فیصل کے کہنے پر ان سب نے اپنے آنسو صاف کیے۔

” تم دونوں یہیں رکو۔مجھے حارث سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔“ فیصل کی بات پر نعمان نے اپنا ابرو اٹھایا۔مگر فیصل اس کے تاثرات نظر انداز کرتا باہر نکل گیا تھا۔

حارث بھی اس کے پیچھے آیا۔اب وہ ارمان کے کمرے کے باہر موجود راہداری میں کھڑے تھے۔ فیصل کا چہرہ اب بے تاثر تھا۔

”کیا اپڈیٹس ہیں؟“ حارث کے پاس آنے پر فیصل نے سنجیدہ لہجے میں پوچھا تو حارث نے اِدھر اُدھر دیکھا۔وہ دونوں ایک کونے میں کھڑے تھے۔

”شاہ سردار دلاور شاہ کی بیل کروانے کی کوشش کر رہے ہیں۔مگر اس کی بیل نہیں ہو رہی۔میڈیا اور عوام کا پولیس پر اور حکومت پر بہت پریشر ہے۔“ حارث کی بات پر فیصل سرد انداز میں مسکرایا۔

”ہاں ! اب شاہ سردار دوسرا طریقہ استعمال کرنے والے ہیں۔وہی طریقہ جو ہم چاہتے ہیں۔اور وہ اس دفعہ سیٹ بھی ہار جائیں گے۔تم الیکشن میں کھڑے نہیں ہو گے تو سیٹ ان کے خاندان کے ہاتھوں سے خودبخود نکل جائے گی۔“ اس کی بات پر فیصل کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔اب اس کی نظروں سیاہ کرتے میں ملبوس حارث کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

” مطلب سب کچھ ہمارے پلان کے مطابق ہو رہا ہے۔“ فیصل کے کہنے پر حارث نے اثبات میں سر ہلایا۔

”مگر کچھ غلط تو نہیں ہو گا نا ؟“ حارث تھوڑا پریشان تھا۔کیونکہ اگر شاہ سردار وہ طریقہ استعمال کرتے تو دلاور شاہ کے پاس ساری طاقتیں واپس آ سکتی تھیں۔اس کی بات پر فیصل نے اس کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھا۔

” میرا یقین کرو حارث ! سب کچھ پلان کے مطابق ہو گا اور میں دلاور شاہ کو اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتاروں گا۔“ فیصل کے پر یقین لہجے سے کہنے پر حارث مسکرایا۔پھر اسے کچھ یاد آیا۔

” اور نہال ؟“ اس نے آہستہ آواز میں پوچھا تو فیصل کے تاثرات پتھریلے ہو گئے۔

” وہ کام تم مجھ پر چھوڑ دو۔میں آج ہی اس کھیل کو بھی ختم کر دوں گا۔“ وہ تلخ لہجے میں بولا تو حارث نے اثبات میں سر ہلایا۔

” آجاؤ اب چلتے ہیں۔دیر ہو رہی ہے۔“ فیصل کی بات پر حارث نے اثبات میں سر ہلایا۔

”اوکے ! تم لوگ تیار ہو جاؤ۔میں بھی کنزیٰ کو لے کر آتا ہوں۔“ اب فیصل اندر کی جانب جبکہ حارث باہر کی جانب بڑھ گیا۔

اسرا ابھی تیار ہو رہی تھی کہ اسے فضہ کی کال موصول ہوئی۔اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے موبائل اسپیکر پر لگا دیا اور اپنے عکس پر ایک نظر ڈالی۔لمبے سرخ کامدار فراک میں اس کی رنگت دمک رہی تھی۔

" السلام علیکم ! اسرا ! یہ آپ نے میرے لیے کیسا ڈریس لیا ہے ؟" فضہ کی جھنجھلائی ہوئی آواز سن کر قہقہہ لگاتے ہوئے اپنے بالوں میں برش پھیرا۔

"وعلیکم السلام ! آپ کو پسند نہیں آیا ؟" اس نے اب اپنے بال سمیٹتے ہوئے اس سے پوچھا۔

" اچھا ہے۔مگر بہت ہیوی ہے۔" دوسری جانب فضہ نے گلابی کامدار لباس دیکھتے ہوئے کہا۔

" فضہ ! کچھ نہیں ہوتا۔آپ پہن لیں۔" اس نے اپنی سنہری آنکھوں کو کاجل سے بھرا۔

"اوکے اسرا ! "فضہ نے اپنے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

"اپنی بہن سے بات کروائیں ذرا۔" اسرا نے آئینے میں نظر آتے اپنے عکس پر ایک تنقیدی نگاہ ڈالی۔ ہلکی سی گلابی لپسٹک اور کاجل لگائے وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔گالوں پر قدرتی لالی موجود تھی ۔دوسری جانب فضہ نے کنزیٰ کو فون تھما دیا۔

" السلام علیکم ! کنزیٰ ! تم نے اس سے پوچھا نہیں؟" فضہ کنزیٰ کو موبائل پکڑا کر تیار ہونے جاچکی تھی۔

اب اسرا سرخ دوپٹے کو حجاب کی صورت میں سر پر سیٹ کرنے لگی۔ دوسری جانب سے جواب سن کر اس نے اپنی آنکھیں گھمائیں۔

"کنزیٰ ! دیکھ لو۔ بعد میں کوئی مسئلہ نہ بنے۔" پھر اس نے کچھ لمحوں کا وقفہ لیا۔

"ٹھیک ہے۔ تم لوگ بھی جلدی سے پہنچ جاؤ۔ ہم بھی جا رہے ہیں۔" اس نے کال کاٹ کر موبائل میز پر رکھ دیا۔ اب وہ ماتھے پر سنہری ٹیکہ سجا رہی تھی۔ پھر اس نے ہاتھوں میں چوڑیاں ڈالیں اور کھڑی ہو گئی۔ اس کی تیاری مکمل ہو چکی تھی۔ شو ریک سے سنہری ہیل نکال کر پہنی۔ ساتھ ہی پاؤں میں پہنی سنہری پائل نظر آئی۔ اسرا نے اس منظر کو یاد کر کے اپنی آنکھیں میچ لیں۔ پھر سر جھٹک کر اس نے وارڈ روب سے مہرون شال نکالی اور اپنے شانوں پر پھیلا لی۔ شال اوڑنے کے ساتھ ہی پھر سے محب کا کندھوں پر شال ڈالنا یاد آگیا۔ اس نے اپنے سر پر چپت ماری۔

"اسرا ! خیر تو ہے؟" وہ اپنے آپ پر حیران ہو رہی تھی۔ پھر اسے یاد آیا کہ اسے دیر ہو رہی تھی۔

پھر وہ ڈاکٹر نیلوفر کے ساتھ احمد ولا پہنچ گئی۔ جہاں سب تیار تھے بس حارث اور محب کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ نہال گہرے نیلے رنگ کے شرارے میں ملبوس اِدھر اُدھر پھرتی کام کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر پریشانی چھائی ہوئی تھی۔

"السلام علیکم !" اسرا لاؤنج میں داخل ہوئی جہاں سب موجود تھے۔ فیصل نے آج اسرا کی جانب دیکھنے کی غلطی نہیں کی تھا۔ اس کے دل نے بغاوت کی تھی مگر دماغ نے ڈپٹ ڈالا تھا۔

" وعلیکم السلام! تم کدھر رہ گئی تھی اور تمہارے شوہر نامدار ابھی تک نہیں پہنچے۔" ارمان کے کہنے پر وہ مسکرائی۔

"کچھ دیر تک آ جائیں گے۔"

کچھ ہی دیر بعد حارث اور محب اپنے گھر والوں کے ساتھ اکٹھے احمد ولا داخل ہوئے۔ محب تو سب سے پہلے اسرا کے پاس آیا۔ گرے رنگ کے کرتے میں ملبوس محب بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ اب سب لاؤنج سے نکل کر پورچ میں موجود گاڑیوں میں بیٹھنے لگے۔

" السلام علیکم زوجہ! کیسی ہیں آپ اور مجھے یہ پوچھنا تھا کہ بریانی تیار ہے ؟" محب کے سوال پر اسرا مسکرائی۔اب وہ پورچ کی روش میں گاڑیوں کے پاس کھڑے تھے۔

اسرا اور ڈاکٹر نیلوفر نے محب کے ساتھ جانا تھا۔فیصل کی گاڑی میں ماں جی اور بابا جان تھے۔جبکہ ارمان والی گاڑی میں نہال اور نعمان موجود تھے۔

"وعلیکم السلام ! الحمد اللہ ! جی تیار ہے۔" اسرا کے بولنے پر وہ مسکرایا اور اس کے لیے گاڑی کی فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔اب اسرا اپنا فراک سنبھالتی اندر بیٹھ گئی۔اس سے پہلے محب دروازہ بند کرتا اسے اسرا کی شال کا پلو دروازے میں اٹکا ہوا نظر آیا۔اس نے پلو اندر کی جانب کر کے احتیاط سے دروازہ بند کر دیا۔

اب ڈاکٹر نیلوفر اور مسز رضا یعنی حلیمہ بیگم بھی گاڑی میں بیٹھ چکی تھیں۔لمبی روش پر اسی وقت سب سے آگے ارمان کی سجی ہوئی گاڑی تھی۔پھر فیصل کی کالی گاڑی تھی۔اس کے بعد محب کی گاڑی اور آخر میں حارث کی گاڑی موجود تھی۔سب کے بیٹھنے کے بعد وہ سب میرج ہال کی جانب بڑھ گئے۔

وہاں ان کا نہایت خوبصورت انداز میں استقبال کیا گیا۔

ارمان اسٹیج پر بیٹھ چکا تھا۔جبکہ اسرا ،نہال ،کنزیٰ اور فضہ دلہن کے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔جہاں منال تیار ہو رہی تھی۔ان سب کو دیکھ کر منال بہت خوشی ہوئی۔کچھ دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی تو نہال دروازے کی جانب بڑھی۔باہر دروازے پر نعمان کھڑا تھا۔

" اسرا کو ارمان بھائی بلا رہے ہیں۔" اس نے گردن موڑ کر اسرا کی جانب دیکھا جو کنزیٰ کے کان میں کوئی بات کر رہی تھی۔

"کیوں؟ " نہال کے پوچھنے پر نعمان جھنجھلایا۔

" اب مجھے کیا پتہ؟ انہیں بلاؤ۔" نہال نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے دروازہ بند کر دیا۔اب وہ اسرا کی جانب بڑھی۔

" اسرا! تمہیں ارمان بلا رہا ہے۔" ارمان کے نام پر منال کے چہرے پر شرمگیں مسکراہٹ چھا گئی۔

اسرا نے کنزیٰ کی جانب دیکھ کر کچھ اشارہ کیا۔فضہ اب ان کا نین مٹکا دیکھ کر اکتا چکی تھی۔

"یہ آپ دونوں کیا اشارے کر رہے ہیں؟" فضہ کے چڑ کر پوچھنے پر وہ دونوں مسکرا اٹھیں۔

"کچھ نہیں چندہ! " پھر اسرا باہر نکل گئی تو وہ سب ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

اسرا اسٹیج پر بیٹھے ارمان کی جانب بڑھ رہی تھی۔جس کے ساتھ فیصل، محب، نعمان اور حارث بھی موجود تھے۔فیصل نے اسے آتا دیکھ کر اپنی نگاہیں جھکا لی تھیں۔اس کا دل اسرا کو دیکھنے کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔مگر وہ اس کی جانب نہیں دیکھ رہا تھا۔

محب نے ارمان کو اٹھتا دیکھ کر اپنے ابرو سکیڑے۔اب اسرا اور ارمان کچھ فاصلے پر کھڑے ہو کر بات کر رہے تھے۔جبکہ محب کی نگاہیں انہیں دونوں پر مرکوز تھیں۔کچھ دیر بعد ارمان واپس آ بیٹھا تو محب اسرا کی جانب بڑھا جو دوبارہ منال کے پاس جا رہی تھی

اس نے اسرا کا ہاتھ تھاما اور ایک کونے میں لے آیا۔

"آپ اس سے کیا بات کر رہی تھیں؟" محب کا لہجہ سنجیدہ تھا۔اسرا تو حیرت سے اس کے بے تاثر چہرے کو دیکھ رہی تھی۔محب کا چہرہ ہلکا ہلکا لال بھی ہو رہا تھا۔پھر اسرا سمجھ آگئی کہ محب اتنا سنجیدہ کیوں تھا!

"زوجہ!" محب کے بولنے پر اسرا مسکرا اٹھی۔وہ ارمان سے جل رہا تھا! اس کو مسکراتے دیکھ کر محب نے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

"آپ ارمان سے جل رہے ہیں!" اسرا کے مسکرا کر کہنے پر محب چونکا۔

"میں۔۔میں کہاں جل رہا ہوں؟" وہ بولا تو اسرا نے قہقہہ لگایا۔

"محترم! سامنے دیکھیے زرا۔" اسرا نے سامنے لگے دیوار گیر آئینے کی جانب اشارہ کیا۔محب اپنا لال چہرہ دیکھ کر ایک لمحے کو حیران ہوا۔اس نے حیرت سے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیر کر اپنے آپ کو کمپوز کیا۔

"تو آپ مجھے نہیں بتائیں گی؟" محب کے سنجیدہ انداز پر اسرار نے نفی میں سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے۔جائیں! میں بھی آپ سے بات نہیں کروں گا۔" محب نے سینے پر ہاتھ باندھتے ہوئے نروٹھے پن سے کہا۔

"محترم!۔۔" اسرا کے کچھ بولنے سے پہلے ہی محب وہاں سے چلا گیا۔اس کا ارادہ اسرا کو تنگ کرنے کا تھا۔محب کے اس طرح جانے پر اسرا ساکت کھڑی رہ گئی۔اس کی نظریں محب کی پشت پر مرکوز

تھیں۔وہ اسے اکیلا چھوڑ کر کیسے جا سکتا تھا ؟ اس کے دل میں ہلکا سا درد اٹھا۔آنکھیں نم ہو گئیں

۔اس نے اسی آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔اس کے چہرے پر ملال صاف دکھائی دے رہا تھا۔

"تو کیا مجھے ان کی عادت ہو رہی ہے؟" اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔

"محترم ! آپ مجھ سے ناراض کیسے ہو سکتے ہیں؟ آپ تو محبت کرتے ہیں نا ؟ کیا محبت کرنے والے

اتنی سی بات پر ناراض ہو جایا کرتے ہیں؟ " اس کی آنکھ سے ایک آنسو رخصار پر بہہ گیا جسے اس

نے بے رحمی سے صاف کیا۔پھر اس نے گہری سانس لے کر خود کو کمپوز کیا اور برائیڈل روم کی

جانب بڑھ گئی۔ابھی اسے ایک اہم فریضہ سرانجام دینا تھا۔

دیکھ کے مجھ کو غور سے پھر وہ چپ سے ہو گئے

دل میں خلش ہے آج تک اس ان کہے سوال کی

منال تیار ہوئی تو نکاح خواح گواہوں کے ساتھ برائیڈل روم میں داخل ہوئے۔منال نے خوشی سے

تین دفعہ قبول ہے کہہ کر اپنے آپ کو ارمان کی زوجیت میں دے ڈیا۔حمید خان کی آنکھوں میں نمی

در آئی۔وہ مسکراتے ہوئے اپنی گڑیا کو دیکھ رہے تھے۔جو ان کی نگاہوں کے سامنے اتنی بڑی ہو گئی تھی۔

پھر منال نے کانپتے ہاتھوں سے نکاح نامے پر سائن کیے۔پھر نکاح خواں اور گواہ باہر نکل گئے۔اب ارمان سے اس کی مرضی پوچھی جانی تھی۔ارمان کے تین دفعہ قبول ہے کہنے پر سب کے چہروں پر ایک مسکراہٹ چھاگئی۔اب سب لڑکیاں منال کو اسٹیج کے پاس لا رہی تھیں۔سنہری لہنگے میں ملبوس منال ، ارمان کے چہرے پر سجی مسکراہٹ کی وجہ تھی۔منال سر جھکا کر چل رہی تھی۔اسٹیج کے پاس پہنچنے پر اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ارمان اپنی بھوری آنکھوں میں چمک لیے ہاتھ بڑھائے کھڑا تھا ۔منال کی چمکتی آنکھیں ارمان کی بھوری آنکھوں سے ٹکرائیں۔تو ان دونوں کے لیے وقت تھم سا گیا ۔ان دونوں نے اپنی محبت کو پا لیا تھا۔ایک دوسرے کو چاہنے والے دو دل ایک دوسرے سے مل چکے تھے۔یکدم ان آنکھوں میں تشکر کی نمی چھاگئی۔منال نے ٹرانس کی کیفیت سے نکلتے ہوئے اپنا ہاتھ ارمان کی جانب بڑھایا۔جسے ارمان نے نہایت مضبوطی سے تھام لیا۔اب وہ ایک دوسرے کے ساتھ اسٹیج پر بیٹھے تھے۔ان کے پاس اس وقت کوئی بھی موجود نہیں تھا۔

"نکاح مبارک بیگم!" منال کا ہاتھ ابھی بھی ارمان کے ہاتھ میں موجود تھا۔وہ اس کے ہاتھ کو ایسے تھام کر بیٹھا تھا۔جیسے اگر چھوڑ دیا تو وہ کہیں غائب ہو جائے گی۔

"تمہیں بھی نکاح مبارک ایس۔پی ارمان احمد! " منال کے آہستہ آواز میں کہنے پر ارمان حیران ہوا۔ یہ خبر تو اسے گھر جا کر سنانے والا تھا!

"تمہیں کیسے معلوم؟" ارمان کے پوچھنے پر منال مسکرائی۔اس نے ارمان کی جانب دیکھا۔

" ایس۔پی ارمان احمد ! آپ بھول رہے ہیں کہ میں ایک ڈیٹیکٹو بھی ہوں۔" منال کے مسکرا کر بولنے پر ارمان نے منہ بنا لیا۔

" یار ! یہ چیٹنگ ہے۔" اس نے اپنا منہ بسورا۔سامنے کھڑی اسرا ان دونوں کو مسکراتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔دور کھڑے فیصل کی اس پر نظر پڑی۔اسی لمحے اسرا نے اس کی جانب دیکھا اور پھر اپنا سر جھٹک دیا۔

پھر اسرا نے آسمان کی جانب دیکھا۔

"بے شک اللہ جی! آپ کے فیصلے بہترین ہوتے ہیں۔" محب خاموشی سے اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور آہستگی سے اس کا سر اپنے شانے پر ٹکا دیا۔اسرا نے پیچھے ہٹنا چاہا مگر محب کا ہاتھ اس کے سر پر موجود تھا۔

"سوری زوجہ! مجھے معاف کر دیں۔" اسرا نے نفی میں سر ہلایا اور اس کے ہاتھ کو پیچھے کر دیا۔اب وہ واقعی میں اس سے ناراض ہو چکی تھی۔

" زوجہ ! مت کریں ایسا۔" اسرا اس کی بات کو ان سنی کرتی وہاں سے چلی گئ۔پیچھے محب لمبا سانس بھر کر رہ گیا۔

اب ارمان اسٹیج سے اٹھا اور اس نے نعمان سے مائک منگوایا۔ہر کوئی اس کی جانب متوجہ تھا۔

"السلام علیکم ایوری ون ! آپ سب کو لگ رہا ہو گا کہ فنکشن کا اختتام ہو چکا ہے۔مگر نہیں ! ابھی اختتام نہیں ہوا۔" اس کی نظر مجمع پر جمی ہوئی تھیں۔

" ہم دونوں کے نکاح کے بعد ہم نے ایک سرپرائز فنکشن بھی رکھا ہے اور وہ ہے۔۔۔" اس نے ڈرامائی انداز میں وقفہ لیا۔سب اس کی بات سننے کے منتظر تھے۔

"میرے چھوٹے بھائی نعمان احمد اور فضہ انصاری کی انگیجمینٹ۔" اس کی بات سن کر نعمان اپنی کرسی سے اچھلا۔ باقی سب بھی حیرت سے نعمان اور فضہ کی جانب دیکھ رہے تھے۔اس بات کا علم چھوٹوں میں سے بس اسرا، ارمان اور کنزیٰ کو تھا۔جبکہ سب بڑے اس فیصلے سے واقف بھی تھے اور متفق بھی۔

اسرا فضہ کی جانب بڑھی۔جس کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید پڑ چکا تھا۔ایک جانب اسرا اور کنزیٰ فضہ کو لے کر آ رہی تھیں۔جبکہ دوسری جانب حارث اور فیصل نعمان کو اسٹیج کی جانب لے کر جا رہے تھے ۔نعمان اب حیرت سے نکل آیا تھا۔اس کے دل کی مراد پوری جو پوری ہو رہی تھی۔جبکہ فضہ کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ آخر یہ کیا ہو رہا تھا ؟

اس نے اسرا اور کنزیٰ کے مسکراتے چہروں کی جانب دیکھا۔اب وہ اور نعمان ایک دوسرے کے سامنے اسٹیج پر کھڑے تھے۔نعمان نے ارمان کی پکڑائی گئی انگوٹھی فضہ کی جانب بڑھائی۔مگر فضہ نے ہاتھ آگے نہیں بڑھایا۔

"فضہ ! اپنا ہاتھ آگے کرو۔" کنزیٰ کے کہنے پر فضہ نفی میں سر ہلاتی اسٹیج سے اتر گئی ہر کوئی ساکن رہ گیا۔ نعمان کے چہرے کی چمک مانند پڑ گئی۔ اس کا بڑھایا ہوا ہاتھ ہوا میں ہی جھول کر رہ گیا۔ اسرا اور کنزیٰ نے پریشانی سے فضہ کی پشت کی جانب دیکھا۔ جو اب ایک کونے میں اپنے چہرے پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔ اسے اپنے چہرے پر بہت سے لوگوں کی نظریں محسوس ہو رہی تھیں۔ اسرا اور کنزیٰ اس کی جانب بڑھیں۔

اسرا نے اس کا ہاتھ تھاما اور برائیڈل روم کی جانب بڑھ گئی۔ جو اس وقت خالی پڑا تھا۔ فضہ کا چہرہ بے تاثر تھا۔ اس نے کنزا کی جانب دیکھا۔ جس کے چہرے پر شرمندگی چھائی ہوئی تھی۔

" سوری فضہ ! مجھے پہلے تم سے پوچھ لینا چاہیے تھا۔" کنزیٰ کے کہنے پر بھی فضہ نے کوئی تاثر ظاہر نہیں کیا۔

" فضہ ! کیا آپ کو نعمان پسند نہیں ہے؟" اسرا کے پوچھنے پر فضہ نے اس کی جانب دیکھا۔

"مجھے ان سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" فضہ کے آہستگی سے کہنے پر اسرا نے اس کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھا۔ فضہ کا چہرہ اب جھکا ہوا تھا۔

”پھر آپ نے انگیجمنٹ کیوں نہیں کی؟“ اس کے سوال پر فضہ نے آہستگی سے اپنا سر اٹھایا۔

”مجھے منگنی نہیں کرنی۔“ فضہ کے کہنے پر اسرا کو اس رات کی باتیں یاد آئیں۔تو وہ مسکرا اٹھی۔

”مطلب آپ کو بس یہی مسئلہ ہے ؟ نعمان قبول ہے آپ کو ؟“ اس کے مسکرا کر پوچھنے پر فضہ نے اثبات میں سر ہلایا۔کنزیٰ حیرت سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔

”یہ تم دونوں کیا بات کر رہے ہو؟“ کنزیٰ کے پوچھنے پر اسرا نے اپنی مہرون شال اپنے کندھوں سے ہٹا کر فضہ کے اوپر ڈال دی۔

”وہ منگنی نہیں نکاح کرنا چاہتی ہے۔تم انکل آنٹی سے بات کرو۔میں ارمان سے بات کر کے آتی ہوں۔فضہ! آپ یہیں بیٹھیں۔“ اسرا کے کہنے پر فضہ تیز ہوتی دھڑکنوں کے ساتھ وہاں بیٹھ گئی۔ جبکہ کنزیٰ اور اسرا باہر بیٹھ چکی تھیں۔

کچھ ہی دیر گزری تھی کہ کمرے میں نکاح خواں کے ساتھ ارمان حارث ، مسز امجد اور امجد صاحب بھی آ گئے۔نکاح خواں کے پوچھنے پر اس نے آہستگی سے قبولیت کا پروانہ دے دیا۔نکاح کے بعد امجد صاحب، ارمان اور حارث نے فضہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"سوری فضہ! مجھے معاف کر دو۔" سب اپنی باتوں میں مشغول تھے کہ حارث نے آہستگی سے فضہ کو کہا۔فضہ اب اپنا ماضی بھول رہی تھی۔وہ اب صحت مند ہو چکی تھی اور حارث اس کی بہن کا شوہر بھی تو تھا۔اس لیے اس نے اپنا سر اثبات میں ہلا کر اسے معاف کر دیا۔

باہر نعمان حیرت سے دنگ بیٹھا تھا۔پہلے فضہ کا یہاں سے جانا اور پھر نکاح کا مطالبہ کرنا۔یہ سب اسے حیرت میں مبتلا کر رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے بھی نکاح خواں کو اپنی رضامندی دے ڈالی۔اب فضہ امجد ، فضہ نعمان احمد بن چکی تھی۔

پھر نعمان کو فضہ اپنی جانب آتی دکھائی دی۔اس نے بھی کھڑے ہو کر فضہ کا استقبال کیا۔اب وہ دونوں ارمان اور منال کے ساتھ والے صوفے پر براجمان تھے۔

محب، فیصل، حارث، اسرا اور نہال سب اسے مبارکباد دے کر اسٹیج سے جا چکے تھے۔اب نعمان کی چمکتی نظریں فضہ کے چہرے پر مرکوز تھیں۔جو بری طرح پزل ہو رہی تھی۔

" میں آپ کو اپنی زندگی میں آنے کی مبارکباد دینا چاہتا ہوں۔آپ کو بہت بہت مبارک ہو فضہ جی !

"فضہ نے حیرت سے اس انوکھی مبارکباد کو سنا اور ہلکا سا اثبات میں سر ہلا دیا۔نعمان کو بھی اس سے یہی توقع تھی۔

" ویسے ایک بات تو بتائیں۔کیا میں آپ کو اتنا پسند تھا کہ سیدھا نکاح کا مطالبہ کر ڈالا؟ " نعمان کی باتیں سن کر دیکھ کر فضہ گھبرا رہی تھی۔نعمان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

" اگر آپ کو پتہ لگے کہ آپ نے ایک ویمپائر سے شادی کر لی ہے تو آپ کیا کریں گی ؟ " اس کی بات پر فضہ نے سہمی نظروں سے اس کی جانب دیکھا اور اپنا ہاتھ چھڑوانے کی کوشش کی۔نکاح کے بعد اس طرح سے کون ڈراتا تھا ؟

"ریلیکس فضہ جی! میں نے بس مذاق کیا ہے۔" نعمان نے مسکراتے ہوئے کہا تو اس کے چہرے تھوڑا پرسکون ہو گیا۔دوسرے صوفے پر براجمان ارمان اور منال اپنی باتوں میں مصروف تھے۔

"ارمان ! مجھے پانی پینا ہے۔" منال کے کہنے پر ارمان نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ابھی کھانا سرو نہیں ہوا تھا اور یہاں جو پانی تھا وہ گرم تھا۔اسی لمحے ارمان کو ایک ویٹر ان کی جانب بڑھتا نظر آیا۔

ارمان کو حیرت ہوئی اس نے تو ابھی کسی سے پانی لانے کا نہیں کہا تھا۔اس ویٹر کے ہاتھ میں موجود ٹرے میں ایک عجیب سی میٹل کا گلاس تھا۔وہ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ان دونوں کی جانب بڑھ رہا تھا۔

ارمان کے علاوہ دو اور انسانوں کی نظریں بھی اس وقت اس ویٹر پر جمی ہوئی تھیں۔ایک کی آنکھوں میں خوشی اور بے تابی تھی جبکہ دوسرے انسان کی آنکھیں گہرے سمندر کی طرح پر سکون تھیں۔

وہ ویٹر ان دونوں کے پاس پہنچ چکا تھا۔

"تمہیں کس نے بھیجا ؟" ارمان کے پوچھنے پر اس نے ایک جانب اشارہ کیا۔اس کے اشارے کے تعاقب میں دیکھتے ہوئے ارمان نے اثبات میں سر ہلایا۔ویٹر کے اشارہ کرنے پر ان دو میں سے ایک انسان کی آنکھوں میں خوشی بڑھ گئی۔جبکہ دوسرے انسان کی آنکھیں سرد ہو گئیں۔یہ کیا کر دیا ؟؟

اسی لمحے منال نے گلاس اٹھانے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا۔مگر ویٹر نے وہ ٹرے گرا دیا۔جس کی وجہ سے گلاس اور اس میں موجود پانی جیسی شہ شیشے کے میز پر گر گئی۔ویٹر فوراً سے وہاں سے بھاگا تھا ۔اب ان دونوں کی آنکھوں میں پریشانی نظر آرہی تھی۔

گلاس میں موجود مشروب جیسے ہی میز پر گرا اس میز کا شیشہ پگھلتا چلا گیا۔

اب سب کی نظریں ان پر مرکوز تھیں۔منال اور ارمان کھڑے ہو چکے تھے۔ارمان نے اس ویٹر کو ڈھونڈنا چاہا۔مگر اب وہ کہیں بھی موجود نہیں تھا۔

منال اپنے دل پر ہاتھ رکھ کے اس پگھلے ہوئے شیشے کو دیکھ رہی تھی۔اگر وہ چیز پی لیتی تو یقینا اس وقت اسکی سانسیں نہ چل رہی ہوتی۔ارمان نے اس کے گرد اپنے بازو پھیلا دیے۔

" ریلیکس ! کچھ نہیں ہوا۔" اس کا دل بھی بری طرح ڈر چکا تھا۔ابھی تو انہوں نے نئ زندگی کی شروعات کی تھی۔اسی لمحے حمید خان وہاں آگئے۔انہوں نے میز کی جانب دیکھا اور پھر اپنی بیٹی کی جانب ایک نظر ڈالی۔

"کس نے کیا یہ ؟" وہ دھاڑے۔ہر کوئی حیرت میں مبتلا تھا۔کوئی دلہن کو کیوں مرنا چاہتا تھا؟

منال نے آنسوؤں بھری نظریں اٹھائیں اور ایک جانب اشارہ کیا۔ارمان نے اپنی آنکھیں میچ لیں۔اس نے شدت سے خواہش کی کہ کاش یہ سچ نہ ہو !

حمید خان چہرے پر کرخت تاثرات سجا کر اس میز کی جانب بڑھے۔ان دو انسان میں سے ایک کی آنکھوں میں حد درجہ اضطراب در آیا۔جبکہ دوسرے کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔حمید خان کے ادھر پہنچنے سے پہلے ہی ان کے اور اس لڑکی کے درمیان کوئی آیا تھا۔

سرمئی آنکھوں والا ایجنٹ ایکس چہرے پر سرد تاثرات جمائے ان کے اور اپنی زوجہ کے درمیان کھڑا تھا۔

حمید خان تنے ہوئے تاثرات کے ساتھ اسے دیکھ رہے تھے۔اسی وقت دو آنکھیں پرسکون ہو گئیں ۔جیسے اب انہیں کسی قسم کا اضطراب نہ ہو۔

اسرا حیرت سے محب کی پشت دیکھ رہی تھی۔جو اس کے اور حمید خان کے درمیان کھڑا ہوا تھا۔

"محب ! ہٹ جاؤ آگے سے۔" وہ درشتی سے بولے تو محب نے کرتے کے بازوؤں کے کف موڑتے ہوئے اپنے ابرو سکیڑے اور پھر مہمانوں پر ایک نظر ڈالی۔

"Sorry everyone! the function is over now.You all can go from here.Thank you."

وہ بنا کسی کی پرواہ کیے بے تاثر لہجے میں بولا تو سب مہمان کھڑے ہو گئے. حمید خان کے چہرے کے تاثرات مزید کرخت ہو گئے۔

جب سب مہمان چلے گئے تو محب حمید خان کی جانب ہوا۔

”جی آپ کچھ کہہ رہے تھے!!“ وہ حمید خان کی آنکھوں میں اپنی سرد آنکھیں ڈالتا نہایت پرسکون لہجے میں بولا۔

”تمہاری بیوی نے میری بیٹی کو مارنے کی کوشش کی ہے۔سامنے سے ہٹو۔میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔“ انہوں نے اپنے دانت پیستے ہوئے کہا۔محب ویسے ہی پرسکون کھڑا رہا۔اسرا خاموش تھی، بالکل خاموش۔بے تاثر چہرہ لیے محب کی پشت کو تکتی ہوئی۔نعمان بھی کرسی سے اٹھ کر اب ان کے پاس آ چکا تھا۔اب وہاں سارے گھر والے ہی موجود تھے۔

ارمان کو بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ سب اسرا نے کیا تھا مگر اس ویٹر نے اسرا کی جانب اشارہ کیا تھا۔

"آپ کو میری زوجہ سے کچھ بھی پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔انہوں نے کچھ نہیں کیا۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیے کر کہتا ہوا انہیں طیش میں مبتلا کر رہا تھا۔

" تمہاری زوجہ کی وجہ سے آج میری بیٹی مرنے والی تھی۔" ان کے غصے بھرے انداز پر محب کی آنکھوں میں لہو اتر آیا۔جبڑے کی رگیں پھول گئیں۔

"اگر آپ نے ایک دفعہ اور میری زوجہ پر الزام لگایا تو باخدا ! میں بھول جاؤں گا کہ آپ کون ہیں۔" وہ انگلی اٹھا کر کٹیلے لہجے میں انہیں تنبیہ کر رہا تھا۔اس وقت وہ کہیں سے بھی نرم مزاج محب رضا حسین نہیں لگ رہا تھا۔اسرا اب ماؤف ہوتے ذہن کے ساتھ اب ان کی باتیں سن رہی تھی۔اس کے دماغ میں بہت سی باتیں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔اس کے حواس شل ہو رہے تھے۔اس نے پاس والے میز کا کونا پکڑ لیا۔

"تو کیا میری بیٹی جھوٹ بول رہی ہے ؟" کاٹ ڈار لہجے میں سوال کیا گیا۔

" ارے آپ کی بیٹی کیا ؟ پوری دنیا بھی اگر یہ کہے کہ اسرا محب رضا حسین نے کسی کو مارنے کی کوشش کی ہے تو میں ان میں سے کسی ایک کا بھی یقین نہیں کروں گا۔" اس کے دو ٹوک انداز پر

سب ششدر رہ گئے۔اس قدر یقین ؟ اس قدر بھروسہ؟ اسرا کی میز پر گرفت مضبوط ہو گئی۔جبکہ چہرہ بے تاثر تھا۔

"مجھے اس سے پوچھنے تو دو۔" اب کی بار وہ ذرا دھیمی لہجے میں بولے۔نعمان دائیں جانب سے اسرا کی جانب بڑھا۔

" اسرا! ہمیں معلوم ہے کہ آپ نے کچھ نہیں کیا۔مگر آپ کچھ بولیں تو سہی۔" نعمان کے فکر بھرے لہجے پر اسرا نے خالی خالی نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

اس وقت اس کا دماغ بہت شور کر رہا تھا۔اندر ہی اندر ایک جنگ چھڑی ہوئی تھی۔اس کے دماغ کو بہت سی باتیں سنائی دے رہی تھیں۔

نعمان کی بات سنتے محب نے اپنا رخ اسرا کی جانب کیا اور اس کے ہاتھ تھامے۔اس کے ہاتھ ٹھنڈے پڑ رہے تھے۔

”زوجہ ! آپ کو کسی کو بھی کوئی وضاحت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ہم یہاں سے چلتے ہیں۔“ اس کے نرمی بھرے لہجے پر اسرا نے ایک گہرا سانس لے کر اپنے آپ کو نارمل کیا۔اب اس کی نظریں ایک جانب جمی تھیں۔وہ محب کے سامنے سے ہٹی اور اس جانب بڑھنے لگی۔

اب ان دو انسانوں میں سے ایک انسان کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھ گیا۔اب لگتا تھا اصل تماش!

سب اسرا کو ایک جانب جاتے دیکھ رہے تھے۔اسرا کا دماغ ہر سچائی کو قبول کر چکا تھا۔اسے آج اس راز سے بھی پردہ اٹھانا تھا۔اس کا دل ریزہ ریزہ ہو رہا تھا۔آنکھیں نم ہو چکی تھیں۔اسرا اب اس انسان کے سامنے کھڑی ہوگئی۔

اس کی آنکھوں میں درد تھا،ملال تھا۔جیسے پوچھ رہی ہوں کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ یکدم اس کے ہاتھ میں حرکت ہوئی اور وہ سامنے کھڑے انسان کے چہرے پر اپنی چھاپ چھوڑ گیا۔

سامنے کھڑے انسان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔اسرا نے اسے تھپڑ مارا تھا! اسرا کی حرکت پر سب لوگ ساکن رہ گئے۔جبکہ کرسی پر بیٹھا انسان محظوظ ہوا تھا۔

”کیوں کیا تم نے ایسا نہال ! آخر کیوں کیا ؟ “ وہ پھٹ پڑی۔نہال کے چہرے پر حیرت چھائی ہوئی تھی۔وہ پھٹی پھٹی نظروں سے اپنے چہرے پر ہاتھ رکھے اسرا کو دیکھے گئی۔

” اسرا میری بات۔۔۔“ اسرا نے اپنا ہاتھ اٹھایا۔

”خاموش۔“ اس نے درشتی سے اپنی انگلی اٹھا کر اس کی بات کاٹی۔نہال کچھ بول ہی نہیں پائی۔

”آج صرف اسرا بولے گی۔تمہیں کیا لگا تھا کہ تم یہ سب کچھ کرو گی اور مجھے خبر نہیں ہوگی۔نہال بی بی ! اسرا اتنی بھی بے خبر نہیں تھی کہ آستینوں میں چھپے ہوئے سانپوں کو بھی پہچان نہ پاتی۔“وہ کٹیلے انداز میں بولتی سب کو جھٹکے دے رہی تھی۔

” میں تم سے ایک ہی دفعہ پوچھوں گی اور مجھے سچ سچ جواب چاہیے۔“ اس نے نہال کی بھوری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

” تم نے منال کو مارنے کی کوشش کی یا نہیں؟ “ وہ ایک شیرنی کی طرح دھاڑ رہی تھی۔سب کی آنکھوں میں تعجب ڈر آیا۔نہال، منال کو مارنے کی کوشش کیوں کرے گی ؟

اسی لمحے ماں جی اسرا کے پاس آئیں۔

”بیٹا ! نہال ایسا نہیں کر سکتی۔“ان کی بات پر اسرا استہزائیہ انداز میں مسکرائی۔

” ماں جی! پلیز۔۔!مجھے اس سے بات کرنے دیں۔آج ہم دونوں کے درمیان کوئی نہیں آئے گا۔بتاؤ نہال ! مجھے جواب دو۔“وہ دوبارہ نہال کی جانب دیکھتی سرد لہجے میں بولی۔

”نہال! میں نے پوچھا ہاں یا نا۔مجھے ایک لفظ میں جواب دو۔“ ہر کوئی نہال کی جانب متوجہ تھا۔اس نے ایک نظر سب کو دیکھا اور پھر ارمان کی جانب دیکھا۔نعمان خاموش کھڑا تھا۔

” نہال مجھے جواب دو۔“ وہ پھر سے دھاڑی۔نہال کے دماغ میں اسرا کے جملے گونجنے لگے۔

”ہاں ! ہاں ! میں نے ہی منال کو مارنے کی کوشش کی۔ہے اور ہاں میں نے ہی تم پر الزام لگوایا۔“ نہال چلائی۔اس کے اعتراف پر اسرا نے دو قدم پیچھے کی جانب بڑھائے۔اب سب فق ہوتے چہرے کے ساتھ نہال کو دیکھ رہے تھے۔

____

میرے دشمن کا کوئی تیر نہ پہنچا مجھ تک

دیکھ اب کہ میرا دوست کمان کھینچتا ہے

اب ذرا کہانی کو یہیں روک کر کچھ دیر پہلے چلتے ہیں جہاں فیصل احمد اس ویٹر کا گریبان تھامے ہال کی بیک سائیڈ پر کھڑا تھا۔اس کے چہرے کے تاثرات انتہائی خطرناک تھے۔

"بتا کیا کہا اس لڑکی نے ؟ نہیں تو !" فیصل نے دوسرے ہاتھ سے اس کے جبڑے پر مکا مارا جبکہ وہ سہما کھڑا تھا۔

"وہ۔۔وہ اس نے مجھے دلہن کو اس گلاس میں کچھ ڈال کر دینے کا کہا تھا۔" ویٹر نے اسے گلاس دیکھایا تو فیصل نے اس کا گریبان چھوڑ ڈالا۔اسے وہ ریکارڈنگ یاد آئی جس میں نہال اپنی دوست سے منال کو مارنے کے لیے کوئی ایسڈ منگوا رہی تھی۔اس نے کچھ دیر پہلے نہال کو اس ویٹر کے پاس کھڑے دیکھا تھا۔جس پر اس کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ضرور وہ کچھ پلان کر رہی تھی!!

فیصل نے پر سوچ انداز میں اپنا سر اثبات میں ہلایا۔

"ٹھیک ہے۔تم سب کچھ ویسا ہی کرو گے جیسا اس لڑکی نے کہا۔" اس کے سرد لہجے میں کہنے پر وہ ویٹر چونکا۔وہ کوئی بائیس، تئیس سال کا ایک نوجوان تھا۔

" جی سر ! میں ویسا ہی کروں گا۔کیاں میں جاؤں؟ " ویٹر کے پوچھنے پر فیصل پراسراریت سے مسکرایا۔

" پوری بات سنو۔تم یہ گلاس اس کے پاس لے کر جاؤ گے۔مگر دلہن کے ہاتھ میں پہنچنے سے پہلے ہی نیچے گرا دو گے۔" وہ سرد انداز میں مسکرا رہا تھا۔ویٹر کو اس سے خوف محسوس ہوا۔

" مگر سر ! میں پکڑا تو نہیں جاؤں گا؟" ویٹر کے پوچھنے پر فیصل نے اپنا ابرو اٹھایا۔

"تم بھاگ جانا۔تمہارے پیچھے کوئی نہیں آئے گا اور ہاں۔۔۔اگر دلہن کو کچھ ہوا تو میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔اب جاؤ۔"فیصل کے کہنے پر وہ سر ہلاتا ہوا چلا گیا۔

" نہال میڈم! اب تمہارا پول تو میں کھولوں گا۔" اس نے اپنا سر جھٹکا۔سب لوگ اسے ایسی لڑکی سے شادی کرنے کے لیے مجبور کر رہے تھے! ہنہ!

حال

”ہاں ! میں نے منال کو ایسڈ دینا چاہا۔“ نہال کی بات پر اب حمید خان اور ارمان اس کی جانب بڑھے ۔مگر اسرا نے ان دونوں کی جانب سرد نظروں سے دیکھا۔”میں نے کہا نہ ! ہمارے درمیان کوئی نہیں آئے گا تو مطلب کوئی نہیں آئے گا۔پہلے مجھے اس سے نپٹنے دیں۔“ اسرا کے تاثرات حد درجہ سنجیدہ تھے کہ ان کے قدم وہیں رک گئے۔

”نہال! آخر میرے بھروسے میں کیا کمی رہ گئی تھی؟ میری دوستی میں کیا کمی رہ گئی تھی ؟ ایک تمہیں ہی تو سب دوستوں میں سے عزیز رکھا تھا۔بتاؤ آخر کیا کمی رہ گئی تھی ؟ میرے جذبوں میں۔۔میرے احساسات میں۔۔“ بولتے بولتے اس کا گلا رندھ گیا۔آنکھیں ضبط کے مارے سرخ ہو گئیں۔

” بتاؤ آخر تم نے یہ سب کیوں کیا ؟“ محب اسرا کے پیچھے کھڑا تھا۔وہ اسے روک نہیں رہا تھا۔وہ چاہتا تھا کہ اس کے اندر کی باتیں باہر نکلیں۔مگر وہ ان سب لوگوں کے سامنے اسے کمزور نہیں دیکھ سکتا تھا۔

” بتاؤ آخر کیا کمی رہ گئی تھی ؟ “ اس کی بات پر نہال نے جھکا ہوا سر اٹھایا اور اسرا کی جانب دیکھا۔

” تم میں کوئی کمی نہیں تھی اسرا ! ساری کمیاں تو مجھ میں تھیں۔“ اس کا لہجہ نخوت بھرا تھا۔

"ہر کوئی تمہارے گن گاتا تھا۔اسرا یہ ، اسرا وہ۔۔نہال تو کہیں بھی نہیں تھی۔کہیں بھی نہیں! نہ ہی کسی کے دل میں اور نہ ہی کسی کی زندگی میں۔نہال احمد کی تو اسرا یاسر کے سامنے کوئی حیثیت ہی نہیں تھی۔" وہ بولنے پر آئی تو بولتی چلی گئی۔اسرا حیرت سے دنگ اسے دیکھ رہی تھی۔نہال کے اندر اس کے خلاف اتنا کچھ بھرا پڑا تھا۔

اس کے دماغ نے اسے بہت دفعہ نہال کے متعلق ریڈ سیگنلز دیے تھے مگر وہ ہر دفعہ اپنے دماغ کو جھٹلاتی رہی۔

" اس رات تم نے بابا جان اور ماں جی کو جگایا تھا نا؟" اسرا کچھ دیر بعد کچھ بولنے کے قابل ہوئی۔

" تمہیں لگا تھا کہ مجھے کبھی پتہ نہیں چلے گا مگر نہال احمد ! اس رات میں بابا جان کا کمرہ چیک کر کے ارمان کے کمرے میں گئی تھی۔ماں جی اور بابا جان دونوں سو رہے تھے۔تم نے انہیں جگایا تھا نا ؟"

اسرا کے بے تاثر لہجے میں پوچھنے پر نہال نے اثبات میں سر ہلایا۔ارمان اپنی جگہ پر ساکن کھڑا تھا۔

"ہاں ! میں نے انہیں جگایا تھا تاکہ ارمان تم سے بدگمان ہو جائے۔وہ تم سے بدگمان ہو گیا اور میں کامیاب ہو گئی۔" اب ایک پل کے لیے اس کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ چھائی ہوئی تھی۔اس

رات اسرا کے ارمان کے کمرے میں جانے کے بعد وہ ماں جی اور باباجان کو جگا کر ارمان کے کمرے میں گئی تھی اور یہ سب نعمان نے اپنی نظروں سے دیکھا تھا۔اسی وجہ سے آج وہ خاموش کھڑا تھا۔ اسے اپنی بہن کے بارے میں اچھے سے معلوم تھا۔

"مگر کیوں ؟ کیوں کیا تم نے یہ سب کچھ ؟ " اسرا کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔اس کے دل میں تکلیف ہو رہی تھی۔

"کیونکہ میں ارمان سے محبت کرتی تھی۔ آج یا کل سے نہیں۔۔ بچپن سے ! میں نے ہمیشہ ماں جی سے اپنا اور ارمان کا نام اکٹھا سنا تھا۔" وہ چلائی۔اس کی بات سن کر ایک لمحے کے لیے وہاں سناٹا چھا گیا۔ ارمان پاس پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔اس میں مزید کھڑا رہنے کی سکت باقی نہیں رہی تھی۔

" مگر تم بھی ارمان سے محبت کر بیٹھی۔ تمہیں تو اس کی زندگی سے نکلنا ہی تھا۔" وہ نفرت بھرے لہجے میں بول رہی تھی۔اسرا نے بے یقینی سے اس کی جانب دیکھا۔

"مطلب تم ڈاکٹر فیصل سے ؟؟" اسرا نے کرسی پر بیٹھے فیصل کی جانب دیکھا۔جس کا چہرہ بے تاثر تھا۔

”ہاں! وہ سب جھوٹ تھا۔اگر مجھے وہ پسند ہوتا تو تمہارے کہنے پر شادی کے لیے ہاں نہ کر دیتی۔“

اس کے چہرے پر شاطرانہ مسکراہٹ چھائی ہوئی تھی۔فیصل کے تاثرات پتھریلے ہو گئے۔

”ویسے ایک بات بتاؤ۔تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ ایسڈ میں نے منال کو دلوایا تھا ؟“ وہ حیران تھی۔اس کی پلاننگ فل پروف تھی۔

”ثنا! تمہاری دوست! تم نے صرف اسی کو کیوں بلایا؟ میں بتاؤں؟ کیونکہ وہ ایک کیمسٹ ہے اور ایسڈ کو دیکھ کر مجھے پہلا خیال ہی ثنا کا آیا تھا۔“ وہ دکھ بھرے لہجے میں بول رہی تھی۔

” تمہارا حسد ہماری دوستی کو کھا گیا نہال احمد !“ اس نے آنسوؤں کو روکنے کے لیے اپنے لب دبائے۔

”مجھے بتاتی تو سہی۔میں نے بھی تو تمہیں سب کچھ بتایا تھا نا؟ ہر ایک بات بتائی۔۔تم نے کیا کر ڈالا نہال! کیا کر ڈالا ؟ “ دوست کی بے وفائی تو روح کو چھلنی کر کے رکھ دیتی ہے اور اس وقت اسرا کو تکلیف ہو رہی تھی، بہت تکلیف ہو رہی تھی۔

”تم نے ہماری مخلص دوستی کو حسد کی نذر کر ڈالا۔میرے پرخلوص جذبات اپنی خودساختہ نفرت کی بھینٹ چڑھا دیے۔میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔۔کبھی معاف نہیں کروں گی۔“ وہ ہچکیوں کے درمیان بول رہی تھی۔محب نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھا۔

”نہال ! میں کہاں پرفیکٹ تھی ؟ مجھ میں ہزار خامیاں ہیں۔کوئی پرفیکٹ کیسے ہو سکتا ہے؟ “ اسرا کی باتوں پر ہر کسی کی آنکھیں نم ہو چکی تھیں۔

وہ محبت سے نکل کر دوستی میں بکھر گئی تھی۔وہ کسی کے سامنے نہ رونے والی اتنے لوگوں کے سامنے ہچکیوں سے رو رہی تھی۔وہ پوچھنا چاہتی تھی کہ جب کوئی دوست پیٹھ پیچھے وار کرے تو کوئی کیا کرے؟

” نہال ! انسانوں میں ایک تم ہی تو میری دوست تھی۔تمہارے حسد نے مجھ سے تمہیں چھین لیا۔“ اب اس میں بولنے کی سکت باقی نہیں رہی تھی۔وہ نیچے بیٹھتی چلی گئی۔محب اس کی جانب بڑھا۔مگر اسرا نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اسے اپنے پاس آنے سے منع کر دیا۔

"میں نے تم سے کچھ نہیں چھینا۔ہمیشہ تم نے مجھ سے سب کچھ چھین لیا۔مجھ سے میرا بھائی تک چھین لیا۔وہ میری بجائے تمہارے حق میں بولتا تھا۔اور ابھی بھی۔۔" اس سے پہلے وہ کچھ بولتی نعمان آگے بڑھا اور اس کا ہاتھ نہال پر اٹھ گیا۔نہال صدمے بھری نظروں سے نعمان کی جانب دیکھ رہی تھی۔

" تم نے مجھ پر۔۔اپنی بڑی بہن پر ہاتھ اٹھایا ؟" نہال کے بے یقینی سے کہنے پر نعمان کے تاثرات مزید تن گئے۔

" مجھے شرم آرہی ہے کہ میں تم جیسے لڑکی کا بھائی ہں۔شیم آن یو نہال ! جسٹ شیم آن یو ! ماں جی اور بابا جان تو ابھی تک سکتے سے باہر ہی نہیں نکلے تھے۔

اسرا سر جھکائے بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔یکدم وہ اٹھی اور نہال کی جانب بڑھی۔

"نہال احمد ! ایک بات یاد رکھو۔اسرا تمہارا دھوکہ، تمہارا حسد کبھی نہیں بھولے گی۔کبھی نہیں بھولے گی۔تم نے میرے دل سے دوستی کا اعتبار اٹھا دیا۔" اس کے آنسو ابھی بھی بہہ رہے تھے۔

" تم نے مجھے اتنے سال دھوکے میں رکھا۔" اسرا نے تالی بجائی۔

” واہ ! نہال احمد ! تم تو کمال کی ایکٹر ہو۔ تمہیں تو ایوارڈ ملنا چاہیے۔ کتنا اچھا لگے گا نا ؟“ اس کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ چھائی تھی۔

The best Actor's award goes to Nehal Ahmad for playing role of Ghadar in " drama serial Dosti. "

”اچھا لگ رہا ہے نا؟“ پھر اس نے ہاتھ سے اپنے آنسو صاف کیے اور اپنی شہادت کی انگلی اٹھاتے ہوئے اسے تنبیہ کی۔

” آج کے بعد نہال احمد ! میرے سامنے مت آنا۔“ کٹیلے لہجے میں کہتی وہ مڑ گئی۔ اب وہ ہال کے ایک کونے میں اسی دیوار گیر آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔

محب بھاگتا ہوا اس کے پیچھے آ رہا تھا۔ اسرا کی آنکھوں سے پھر سے آنسو بہنا شروع ہو گئے تھے۔ محب کو اپنے پاس آتا دیکھ کر اس کی آنکھیں مزید بھر آئیں۔ جیسے ہی محب پاس آیا وہ جھٹکے سے اس کے سینے سے جا لگی اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

کیسا غصہ ؟ کیسی ناراضگی؟ وہ تو یہ بھی بھول چکی تھی کہ وہ محب سے ناراض تھی۔

محب یکدم ساکن رہ گیا۔اس کے دل کی دھڑکن بڑھ گئی۔اس نے آہستگی سے اسرا کے گرد اپنا محفوظ حصار قائم کیا تو وہ ہچکیوں سے رونے لگ گئی۔

" اس نے میرا بھروسہ توڑ ڈالا۔اس نے مجھے کرچی کرچی کر دیا۔" اسے لگ رہا تھا کہ اب دنیا میں محب کے علاوہ اس کی بات کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔کسی اور کے کچھ کرنے سے اسے کوئی فرق نہ پڑتا۔مگر اب معاملہ اس کی بچپن کی دوست نہال احمد کا تھا۔فرق تو پڑھنا تھا۔درد کی ٹیس تو اٹھنی تھی۔جب انسان کسی ایک انسان کے لیے اپنے اصول مختلف بنا لیتا ہے تو اسے تکلیف کا سامنا کرنے کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔

" آپ کو پتہ ہے ؟ وہ میری سب سے اچھی دوست تھی۔میں نے اس پر اتنا بھروسہ کیا۔اس نے سب کچھ تباہ کر ڈالا۔سب کچھ تباہ کر ڈالا!" محب خاموشی سے آنکھیں موندے اس کی باتیں سن رہا تھا۔اسے سہارہ دے رہا تھا۔اس کے دل کی بھڑاس نکلنے دے رہا تھا۔جب کوئی ٹوٹا ہوا انسان آپ کے پاس آئے تو اسے تسلیاں مت دو بس ایک کندھا مہیا کر دو۔اسرا کا وجود لرز رہا تھا۔

"اتنے سالوں کی دوستی کو کیسے بھولا دوں ؟ بتائیں محترم ! کیسے بھولوں ؟" اس نے محب کے کرتے کو مٹھیوں میں بھینچ رکھا تھا۔کچھ دیر تک وہ اسے یونہی رونے دیتا رہا۔مگر جیسے ہی اس کی کپکپاہٹ رکی۔ اس نے آنکھیں کھولیں جو ضبط کے مارے سرخ ہو چکی تھیں۔

"ذوجہ! آپ ٹھیک تو ہیں ؟" محب کے پوچھنے پر اسرا اثبات میں سر ہلاتے ہوئے پیچھے ہٹی۔

" محترم صرف کہانیوں میں ہی لڑکیاں بے ہوش ہو جایا کرتی ہیں۔اصل زندگی میں اپنے آنسو خود صاف کرنے پڑتے ہیں۔" اسرا نے اپنے آنسو صاف کیے۔

" چہرے پر جھوٹی مسکراہٹ سجانی پڑتی ہے۔" اب اس کے چہرے پر ایک مدھم سی مسکراہٹ سجی تھی۔"اور خود گر کر اٹھنا پڑتا ہے" محب کے چہرے پر تعجب پھیل گیا۔

" چلیں محترم ! بس بہت ہو گیا یہ رونا دھونا۔اب چلتے ہیں۔منال کی رخصتی ہونے والی ہے نا۔" اسرا کے چہرے پر آنسوؤں پر کے مٹے مٹے نشان تھے۔

”یہ سب کرتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آئی ؟ تمہیں معلوم بھی ہے کہ تم نے ایک انسان کو مارنے کی کوشش کی ہے ؟ اگر وہ گلاس نہ گرتا تو میری بیٹی ابھی زندہ نہ ہوتی۔“ حمید خان کی دھاڑ پورے حال میں گونج رہی تھی۔

اب کی بار ماں جی آگے بڑھیں اور انہوں نے نہال کے چہرے پر ایک تھپڑ رسید کیا۔

”کیا میں نے تمہاری یہ پرورش کی تھی ؟ نہال ! میں تمہارے ماں باپ کو قیامت کے دن کیا منہ دکھاؤں گی؟“ پھر وہ ہاتھ جوڑے حمید خان کے سامنے کھڑی ہو گئیں۔ان کے ایسا کرنے پر انہوں نفی میں سے ہلایا۔

” بھائی صاحب ! اسے معاف کر دیں۔“ نعمان ،ارمان اور فیصل ان کی جانب بڑھے۔وہ سبھی نہال کو سخت نظروں سے گھور رہے تھے۔

”بہن جی ! معافی غلطیوں کی ہوتی ہے۔گناہوں کا تو کفارہ ادا کرنا پڑتا ہے۔“ ان کی بات پر نہال نے ڈر کر ان کی جانب دیکھا۔کہیں وہ اسے جیل تو نہیں بھیج رہے؟ نہیں ! ایسا نہیں ہو سکتا۔اب وہ مزید کوئی نقصان برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

ارمان نے ماں جی کے ہاتھوں کو پیچھے کیا اور انہیں اپنے کندھے سے لگا لیا۔

" جی انکل ! آپ اسے جو سزا دینا چاہتے ہیں۔وہ دیں۔" نعمان کی بات پر نہال نے بے یقینی سے اس کی جانب دیکھا۔اس کا اپنا بھائی یہ کہہ رہا تھا !

نعمان کی بات پر حمید خان سوچ میں پڑ گئے۔اب وہ نہال کی جانب متوجہ ہوئے۔

" اس کا سب سے بڑا ڈر یہ ہے کہ کہیں تم لوگ اسے بھول نہ جاؤ۔یہ تم سب کی بے اعتنائی اور اجنبیت نہیں سہہ پائے گی۔" انہوں نے گہرا سانس برا۔ہر کوئی ان کا فیصلہ سننے کا منتظر تھا۔

"اس کی سزا یہ ہے کہ یہ تم سب لوگوں کے ساتھ رہے گی اور تم سب کی نفرتیں سہے گی۔" ان کی بات پر سب دنگ رہ گئے کہ انہوں نے نہال کو معاف کر دیا ؟

"تم لوگ سمجھ رہے ہو گے کہ یہ تو کوئی سزا ہی نہیں ہے۔مگر میرے مطابق اصل سزا یہی ہے ۔"اسی لمحے اسرا اور محب وہاں آگئے۔اب اسرا کی آنکھیں بے تاثر تھیں۔

" ارے ! آپ لوگ ابھی بھی یہیں کھڑے ہیں ! " اس کے بولنے پر وہ سب حیران رہ گئے۔

" اب مجھے ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں۔ہال کا ٹائم ختم ہو رہا ہے۔" اسرا کے کہنے پر حمید خان ارمان کی جانب متوجہ ہوگئے۔

"میری بیٹی اب تمہارے نکاح میں ہے۔ تمہاری ذمہ داری ہے۔مجھے امید ہے کہ تم اس کی حفاظت کرو گے۔" حمید خان کے بے تاثر لہجے پر ارمان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

" جی میں منال کی حفاظت اپنی جان سے بڑھ کر کروں گا۔" پھر منال سب سے ملتی ارمان کی گاڑی میں بیٹھ گئی۔ اب کی بات نہال، فیصل کی گاڑی میں موجود تھی۔اسے کسی نے بھی مخاطب نہیں کیا تھا۔

کچھ تو ہوا بھی سرد تھی، کچھ تیرا خیال بھی

دل کو خوشی کے ساتھ ساتھ ہوتا رہا ملال بھی

بات وہ آدھی رات کی ،رات وہ پورے چاند کی

چاند بھی عین چیت کا ،اس پہ تیرا جمال بھی

واپسی پر فضہ کنزیٰ لوگوں کے ساتھ جا چکی تھی۔ جبکہ محب کی گاڑی میں اس وقت فرنٹ سیٹ پر اسرا براجمان تھی۔ ڈاکٹر نیلوفر اور مسز رضا کو ڈرائیور چھوڑنے گیا تھا۔ اسرا کا رخ باہر کے بھاگتے مناظر کی جانب تھا۔

سرخ ہوتی آنکھوں کے ساتھ وہ باہر کے مناظر دیکھ رہی تھی۔ وقت بھی تو ایسے ہی بھاگتا ہے۔ ان مناظر کے ساتھ ساتھ اس کے کانوں میں کچھ جملے بھی گونج رہے تھے۔

"بس کرو اسرا! خود کو تباہ مت کرو۔" اس نے زور سے اپنی آنکھیں میچ لیں۔

"یہ میری بیسٹ فرینڈ اسرا ہے۔" دل میں درد کی ایک لہر اٹھی۔

"بریک پر پاؤں مارو لڑکی! میرے پاس تمہارے لیے ایک خبر ہے۔" اس نے تھک کر سیٹ سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

جبکہ دماغ میں ابھی بھی جملے گونج رہے تھے۔ چیخ و پکار کر رہے تھے۔ اب تو ساتھ میں مناظر بھی دکھنے لگ گئے تھے۔

محب ہر دو منٹ بعد گردن موڑ کر اسرا کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اسے اسرا کی تکلیف اپنے دل میں محسوس ہو رہی تھی۔ مگر وہ جانتا تھا کہ اس کی زوجہ یہ سب برداشت کر لیں گی۔

"زوجہ!" محب نے اس کی بند آنکھوں کی جانب ایک نظر ڈالی اور پھر اپنی توجہ ڈرائیونگ وے پر مرکوز کر لی۔

"ہمم۔" اسرا نے بند آنکھوں کے ساتھ ہی ہنکارہ بھرا۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" محب کو اس کی خاموشی سے وحشت محسوس ہو رہی تھی۔

"الحمداللہ!" اسرا کے بولنے پر محب کے چہرے پر مدھم مسکراہٹ پھیل گئی۔ محب نے سڑک کے ایک کنارے گاڑی پارک کی اور اس کی جانب مڑا۔

اسرا نے گاڑی کے رکنے پر اپنی آنکھیں کھولیں جو ضبط کے مارے لال ہو چکی تھیں۔ گردن موڑ کر محب کی جانب دیکھا۔ محب کے چہرے پر تاسف چھایا ہوا تھا۔

"زوجہ! کیوں خود کو ایسے انسان کے لیے ہلکان کر رہی ہیں جس کی زندگی میں آپ کی کوئی جگہ ہی نہیں ہے۔" محب کی بات پر اسرا پھیکا سا مسکرائی۔

" محترم ! وہ لڑکی ساری زندگی میرے ساتھ رہی۔مجھے دھوکہ دیتی رہی اور میں چپ چاپ اس کا دھوکہ کھاتی رہی۔" محب نے اس کا ہاتھ تھاما اور اپنے انگوٹھے سے سہلایا۔

"زوجہ ! کیا آپ کو نہیں لگتا کہ یہ سب کچھ ٹھیک ہی ہوا؟" محب کی نرم لہجے پر اسرا نے اس کی جانب دیکھا۔اس کی آنکھیں تھکی ہوئی تھیں۔

" اگر آپ کو آج یہ سب پتہ نہ لگتا تو وہ ایسے ہی آپ کو دھوکا دیتی رہتی۔آپ اس پر بھروسہ کرتیں رہتی۔اچھا ہی ہوا کہ آپ کو یہ سب پتہ لگ گیا۔" محب کے دھیمے لہجے پر اسرا نے اثبات میں سر ہلایا۔وہ اسے کتنے خوبصورت انداز میں سمجھا رہا تھا۔

" اسرا ! کچھ لوگ ہماری زندگی میں ہمیں یہی سیکھانے آتے ہیں کہ کوئی بھی رشتہ مخلص نہیں ہوتا۔" اس نے گہرا سانس بھرا۔

" وقت کے ساتھ ساتھ کچھ رشتوں میں عداوتیں ، رنجشیں حسد اور نفرتیں پیدا شروع ہو جاتی ہیں اور پھر وہ کبھی بھی پہلے جیسے نہیں رہتے۔" اسرا اس کی باتیں غور سے سن رہی تھی۔

"آپ کیوں افسردہ ہیں ؟ اللہ نے آپ کی زندگی سے اسے نکال دیا۔وہ آپ کی دوست بننے کے قابل ہی نہیں تھی۔" اسرا کا ہاتھ ابھی بھی محب کی گرفت میں تھا۔

یکدم محب نے اس کی آنکھوں کے سوجے ہوئے پپوٹوں پر آہستگی سے اپنی انگلیوں کے پور پھیرے۔ اسرا نے سکون سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔محب کے ہاتھوں کی نرماہٹ اس کی آنکھوں کو سکون دے رہی تھی۔

" مجھ پر اور اپنی ان آنکھوں پر کچھ تو رحم کریں۔" اس کی اس قدر توجہ پر اسرا کی آنکھیں پھر سے بھیگنے لگیں۔اس کی بند آنکھوں کے کونوں سے نکلتی نمی کو محب دیکھ سکتا تھا۔

"بس کریں زوجہ! اس سے زیادہ میں آپ کو ایسے نہیں دیکھ سکتا۔" اس نے اسرا کا گال سہلاتے ہوئے کہا۔اسرا نے لرزتی ہوئی پلکیں کھولیں اور محب کی جانب مشکور نظروں سے دیکھا۔

"شکریہ محترم !" اس کے نرم لہجے میں کہنے پر محب مسکرایا۔

"کیسا شکریہ زوجہ ؟" اب اس کے دونوں ہاتھ اسرا کے ہاتھوں کو گرفت میں لیے ہوئے تھے۔

" بس ایسے ہی دل کیا تو کہہ دیا۔" اسرا اپنے چہرے پر مدھم مسکراہٹ سجائے بول رہی تھی۔

" ہم دونوں ایک دوسرے کے شریکِ سفر ہیں۔جہاں مجھے ٹھوکر لگے وہاں آپ بڑھ کر مجھے سنبھال لیجئے گا اور جہاں آپ گرنے لگیں گی میں آپ کو تھام لوں گا۔" چاند کی روشنی میں سڑک کے کنارے کھڑی اس گاڑی میں وہ نوجوان اپنے جذبات کا اظہار کر رہا تھا۔

اس کے اس قدر خوبصورت الفاظ پر اسرا کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔اس نے ہلکا سا اثبات میں سر ہلا کر اس کی یقین دہانی کروائی۔

" اللہ جی ! ہمیں کبھی گرنے نہیں دے گے ان شاءاللہ۔" اسرا کے بولنے پر محب مسکرا اٹھا۔سرمئی آنکھیں جگمگا رہی تھیں۔

" ان شاءاللہ ! اب آپ نہیں روئیں گی۔جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔جو ہو چکا ہے ہم اسے تبدیل نہیں کر سکتے۔مگر جو ہونا والا ہے ہم اسے بہتر بنا سکتے ہیں۔اس لیے اپنے آپ کو پر سکون کریں۔"محب نے آہستگی سے اسکے ہاتھوں کو اپنی گرفت سے نکالا اور گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔

اسرا نے لمبی سانس بھری اور اوپر کی جانب دیکھا۔

”اللہ جی ! آپ کا بہت بہت شکریہ ! آپ نے مجھے گمراہ نہیں ہونے دیا۔آپ نے مجھے اپنی ناشکری نہیں کرنے دی اور۔۔“ پھر اس نے گردن موڑ کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے محب کی جانب دیکھا۔

”اور اتنا اچھا ہمسفر عطا فرمایا۔اللہ جی ! آپ کا بہت بہت شکریہ ! “ کچھ دیر بعد گاڑی یاسر ولا کے باہر پہنچ چکی تھی۔

اسرا کے باہر نکلنے سے پہلے محب نے اس کا ہاتھ تھاما۔گاڑی سے نکلتی اسرا نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔محب نے خاموشی اس کے کندھوں سے سرکتی چادر درست کی تو اسکے چہرے پر مسکان پھیل گئی۔

”فی امان اللہ ! زوجہ ! اپنا خیال رکھیے گا اور زیادہ مت سوچیے گا۔“ اسرا نے اثبات میں سر ہلایا۔

”اللہ حافظ ! محترم ! آپ بھی اپنا خیال رکھیے گا۔“ اسرا کے جانے کے بعد محب کے چہرے کے تاثرات پتھریلے ہو گئے۔اس نے ایک نظر ساتھ والے بنگلے پر ڈالی۔

”آئی ایم سوری منال! “ ارمان اس وقت منال کے سامنے کھڑا تھا۔جس کا سر جھکا ہوا تھا۔

"اگر میری وجہ سے تمہیں کچھ ہو جاتا تو ؟"اس کی بات پر منال نے اپنی نم آنکھوں سے اس کی جانب دیکھا۔

"تم کیوں معافی نانگ رہے ہو ؟ میں تمہارے سامنے زندہ کھڑی ہوں۔" منال کے کہنے پر ارمان کی آنکھوں میں نمی چھاگئی۔

"میں بہت ڈر گیا تھا ،بہت ڈر گیا تھا۔مجھے لگ رہا تھا میری سانسیں بند ہو جائیں گی۔میرا دل بند ہونے کو آگیا تھا۔۔۔"وہ بولتا جا رہا تھا کہ منال نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"مجھے تو پتہ بھی نہیں تھا کہ کوئی مجھے اتنا چاہتا بھی ہے۔"منال کی بات پر ارمان نے اپنی آنکھوں کی نمی صاف کرتے ہوئے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔

"تم میری محبت ہو۔میں کم از کم تمہیں کھونا افورڈ نہیں کر سکتا۔"ارمان کے لہجے میں بے بسی تھی پھر منال پیچھے ہٹی تو ارمان نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے اسے بیڈ پر بٹھا دیا۔

اب ارمان اس کے سامنے بیٹھا اپنی پاکٹ سے کچھ نکال رہا تھا۔اس نے ایک باکس سے انگوٹھی نکالی اور منال کی انگلی میں پہنا دی۔

"میں اب تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا۔" ارمان کے کہنے پر منال نے سکون سے اپنی انکھیں موند لیں۔

ممکنہ فیصلوں میں ایک ہجر کا فیصلہ بھی تھا

ہم نے تو ایک بات کی اس نے کمال کر دیا

فیصل اپنے کمرے میں تھا کہ اس کے موبائل پر حارث کا نمبر جگمگا اٹھا۔اس نے ابرو سکیڑ کر موبائل کی جانب دیکھا۔

"ایک تو اسے بھی سکون نہیں ہے !" فیصل نے لمبا سانس بھرا۔وہ ابھی بھی دن والے کرتے میں موجود تھا۔کف مڑے ہوئے تھے۔سیاہ آنکھیں بے تاثر تھیں۔

" السلام علیکم!" اس کی گمبھیر آواز پورے کمرے میں گونج اٹھی۔باہر اندھیرے نے اپنے پر پھیلا دیے تھے۔

" وعلیکم السلام !" دوسری جانب حارث اپنے اسٹڈی روم میں پریشانی سے ٹہل رہا تھا۔اس کی آواز میں اضطراب محسوس کر کے فیصل چونکا۔

"کیا ہوا ؟" وہ اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

" شاہ سردار اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں۔" اس کے لہجے میں تشویش تھی۔فیصل چونکا۔

"اتنی جلدی کیسے ؟" فیصل کے بولنے پر حارث کے قدم رکے اور اب وہ اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

" پتہ نہیں۔مگر ایسا ہو گیا ہے۔اب کیا کرنا ہے ؟" فیصل کے چہرے پر پریشانی چھا گئی تھی۔اس نے یہی چاہا تھا۔مگر اتنی جلدی نہیں !

"کل ارمان کا ریسپشن ہے۔ہم اس بارے میں کسی کو نہیں بتائیں گے۔" وہ آہستہ آواز میں بول رہا تھا۔اسے ہی یہ سب کچھ ٹھیک کرنا تھا۔

"مگر وہ لوگ اب کچھ بھی کر سکتے ہیں۔فیصل !سب کی زندگیاں بہت عرصے بعد نارمل ہوئی ہیں۔ہم اب کسی کو بھی خطرے میں ڈال نہیں سکتے۔" وہ فکرمندانہ انداز میں بول رہا تھا۔سب کچھ اتنی دیر بعد نارمل ہوا تھا۔وہ اب دلاور شاہ کو ان کی خوشیوں کو برباد کرنے نہیں دے سکتے تھے۔

" تم فکر مت کرو۔جب تک فیصل احمد زندہ ہے۔دلاور شاہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔" اس کے دماغ میں ابھی بہت کچھ چل رہا تھا۔

" مگر۔۔"

" اگر مگر کو چھوڑو حارث ! ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔سکیورٹی ٹائٹ کر دو۔میرج ہال کے باہر گارڈز کی ڈیوٹی لگواؤ۔گھر کے باہر گارڈز کو کھڑا کر دو۔ابھی رات میں ہی یہ کام کرو۔" وہ عجلت میں بول رہا تھا۔

" اپنے گھر کے باہر بھی ، ڈاکٹر اسرا کے گھر کے باہر بھی، احمد ولا کے باہر بھی اور۔۔۔"وہ بولتے بولتے رک گیا۔

" اور ؟" حارث کے پوچھنے پر فیصل نے لمبا سانس بھرا۔

"محب کے گھر کے باہر بھی گارڈز کھڑے کرواؤ۔اوکے؟ " اس کے بولنے پر حارث ہلکا سا مسکرایا۔

" ٹھیک ہے اور کچھ ؟"

”حارث ! کل کا دن اچھے سے گزرنا چاہیے۔ارمان کو کچھ بھی معلوم نہیں ہونا چاہیے۔اس کے موبائل کا نیٹ ورک جام کر دو اور ہاں !!! منال کے موبائل کا بھی نیٹ ورک جام کر دو۔“ انہیں سبھی کچھ آج ہی کرنا تھا۔

” لگ جاؤ کام پر۔۔تمہارے پاس صرف دو گھنٹے ہیں۔یہ سب کرنے کے بعد مجھے انفارم کرنا۔“ اب وہ بے تاثر لہجے میں بولا۔

” اوکے باس! “ حارث کے کہنے پر فیصل نے کال کاٹ دی۔

اب اس کا رخ گھر کے لان کی جانب تھا۔یہ بات تو طے تھی کہ آج کی رات فیصل احمد نہیں سونے والا تھا۔وہ رات کا ہر پل آنکھوں میں کاٹنے والا تھا۔

وہ لان میں گھاس پر ٹہل رہا تھا کہ یکدم اسے اپنے پیچھے سے ایک آواز سنائی دی۔اس نے اپنی گن نکالی اور محتاط انداز میں پلٹا۔

سامنے سرمئی آنکھوں والا نوجوان دیوار پھلانگ کر کھڑا تھا۔فیصل غصے میں اس کی جانب بڑھا۔

”تم یہاں کیا کر رہے ہو ؟ “ اس کے درشت لہجے پر محب نے اپنے ابرو سکیڑے۔

” تم سے مطلب ؟“ محب کی لاپرواہی سے بولنے پر فیصل نے اس کے چہرے پر مکا مارنا چاہا۔ مگر محب نے اس کے ہاتھ کو روک چکا تھا۔

”تم میرے گھر میں رات کے اس وقت دیوار پھلانگ کر آئے ہو اور مجھ سے ہی پوچھ رہے ہو کہ تم سے مطلب واہ! “ وہ استہزائیہ انداز میں بولا۔

”تم اس وقت یہاں کیوں ٹہل رہے تھے؟ “ محب کے مسکرا کر پوچھنے پر فیصل جھنجھلا اٹھا۔

”میرا گھر ہے ،میری زندگی ہے۔ میں جو مرضی کروں تمہیں کیا مسئلہ ہے؟“ فیصل کے بولنے پر محب نے لمبا سانس بھرا۔

”مجھے چیف نے ابھی سب کچھ بتایا ہے۔“اس کا ارادہ نہال سے باز پرس کرنے کا تھا مگر اب فیصل کو دیکھ کر اس نے اپنے ارادے کو ملتوی کر دیا تھا۔

فیصل اس کی بات پر حیران نہیں ہوا تھا۔اسے جلد یا بدیر یہ بات معلوم ہو جانی تھی۔

” تو ؟“ فیصل کی بات پر محب نے اس کی گردن کے پیچھے سے اپنا بازو گزارا اور اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔فیصل نے اپنے آپ کو چھڑوانے کی کوشش کی مگر محب پیچھے نہیں ہٹا۔

"یار ! معاف کر دو نا ! " فیصل نے زور سے اسے پیچھے کیا۔ محب کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ جبکہ فیصل کے تاثرات جھنجھلائے ہوئے تھے۔

"یہاں سے چلے جاؤ۔ ورنہ میرے ہاتھوں ضائع ہو جاؤ گے۔" فیصل کی بات پر محب قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

" اچھا چھوڑو۔ تمہیں کبھی پھر کبھی مناؤں گا۔ مجھے کل کے بارے میں بتاؤ کیا کرنا ہے؟" اس کی بات پر فیصل کے ابرو کھڑے ہو گئے۔

"محب رضا حسین ! میں اپنے خاندان کی حفاظت کر سکتا ہوں۔ تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" اس کے سرد لہجے پر محب نے اپنے سینے کے گرد بازو لپیٹے اور اسے تیکھی نظروں سے گھورا۔

" فیصل احمد! یہ جنگ صرف تمہاری نہیں ہے۔ ہم سب کی ہے۔ تم اکیلے اپنے آپ کو مشکل میں نہیں ڈال سکتے۔ اگر مشکلات کا سامنا کرنا ہے تو اکٹھے کریں گے۔" وہ دو ٹوک انداز میں بول رہا تھا۔

"میں تمہیں مشکل وقت میں اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔" اس کی بات پر فیصل کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے نمی ٹھہر گئی۔ پھر اس نے اپنا سر جھٹکا۔

”میں ابھی ایجنسی سے گارڈز بلواتا ہوں۔“ فیصل نے نفی میں سر ہلایا۔

”بلوا چکا ہوں۔“ اب کی بار وہ دھیمے لہجے میں بولا۔لوہے پر پہلی چوٹ لگ چکی تھی۔

”گڈ اور ارمان ، نعمان ؟ “ اس نے اندر کی جانب دیکھا۔

” انہیں کچھ بھی معلوم نہیں ہونا چاہیے۔“ فیصل کی بات پر محب نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”کب معاف کر رہے ہو ؟“ محب کا لہجہ مسکراتا ہوا تھا۔اس کے سوال پر فیصل کا چہرہ بے تاثر ہو گیا۔

” کبھی بھی نہیں۔“ فیصل کی بات پر محب قہقہہ لگاتا ہوا دیوار کی جانب پلٹا۔اسے معلوم تھا کہ فیصل کا خول کسی دن ضرور ٹوٹے گا۔وہ یکدم پلٹا اور فیصل کے سینے سے لگ گیا۔

فیصل ساکت رہ گیا۔سیاہ آنکھوں میں حزن در آیا۔وہ محب کو پیچھے نہیں جھٹک سکا۔دماغ اسے پیچھے کرنے کا کہہ رہا تھا۔مگر دل جیت گیا۔اس نے محب رضا کو خود سے دور نہیں کیا تھا۔

محب نے اسے زور سے بھینچا ہوا تھا۔چاند کی روشنی میں دو بچھڑے ہوئے دوست ایک دوسرے سے گلے لگے کھڑے تھے۔مگر ایک نے دوسرے کو جھٹکا نہیں تھا تو اس کے گرد اپنے بازو بڑھائے بھی نہیں تھے۔ان دونوں کی آنکھیں نم تھیں۔

”جلدی معاف کر دینا۔یہ نہ ہو کے ساری حسرتیں لے کر اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں۔“ اس کے مسکرا کر کہنے پر ایک لمحے کے لیے فیصل کا دل تھم سا گیا۔وہ ایسا کیسے کہہ سکتا تھا؟ اس نے غصے سے محب کو پیچھے دھکیلا۔

”اچھا۔اب میں چلتا ہوں۔“ وہ دیوار کی جانب بڑھا تو فیصل نے اپنی آنکھیں گھمائیں۔

” دروازہ اس طرف ہے۔“ فیصل نے دروازے کی جانب اشارہ کیا تو محب نے نفی میں سر ہلا دیا۔

” دروازے سے جانے میں مزہ نہیں آتا۔“وہ مسکراتے ہوئے دیوار پھلانگ گیا۔

”بندر ! “ پیچھے فیصل زیر لب بڑبڑایا۔

اب اسے رات بھر جاگ کر سب کی حفاظت کرنی تھی۔اس نے لمبا سانس بھرا اور لان میں موجود کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا۔

شبِ فراق نہ تم آ سکے نہ موت آئی

غموں نے گھیر لیا تھا غریب خانے کو

نصیرؔ !جن سے توقع تھی ساتھ دینے کی

تُلے ہیں مجھ پہ وہی انگلیاں اٹھانے کو

نہال اپنے کمرے میں موجود تھی۔اس سے کسی نے بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔اور ابھی تک کسی نے کھانے کا بھی نہیں پوچھا تھا۔وہ خود بھی اس وقت کسی سے ملنا نہیں چاہتی تھی۔

یکدم اس کے دروازے پر دستک ہوئی۔

"سب لوگ میرے مجھے میرے حال پر کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟" وہ چلائی تھی۔

"بی بی ! نعمان بابا نے آپ کے لیے کھانا بھجوایا ہے۔"

نعمان کچھ بھی کہہ سکتا تھا مگر اس کا بھائی ہی تھا۔

"اسے کہو کہ مجھے نہیں کھانا۔اپنی پیاری اسرا کو کھلائے۔نہال احمد کو کسی کی ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ بدگمانی اور نفرت کی آخری حدود پر جا پہنچی تھی۔

دل تھا کہ کب سے جل رہا تھا۔ارمان اس ڈائن کا ہو چکا تھا۔اس کے پاس کچھ نہیں رہا تھا۔اس کی سالوں کی ریاضت اور خدمت ضائع ہو چکی تھی۔ملازمہ کھانے کا ٹرے لے کر چلی گئی۔

اب نہال بیڈ سے اٹھی اور آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اپنے نقوش تکنے لگی۔اس نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھا۔بھوری آنکھیں اس وقت سرخ ہو چکی تھیں۔تیکھی ناک، عنابی لب، اس خوبصورتی کا کیا فائدہ؟

اس نے غصے سے ڈریسنگ ٹیبل کے آگے پڑا سارا سامان نیچے پھینک دیا۔

"میں کیا خوبصورت نہیں ہوں یا مجھ میں کوئی کمی ہے ؟ کیوں ارمان کو میں نظر نہیں آئی ؟ " وہ چینختی ہوئی اپنے آپ سے سوال کر رہی تھی۔

"آخر کیوں ارمان نے اس منال کو چنا ؟ میں منال کو نہیں چھوڑوں گی۔ارمان صرف نہال احمد کا ہے۔صرف نہال احمد کا ! " اس نے اپنے آنسو صاف کر کے سرد آنکھوں سے اپنے عکس کو دیکھا۔

”تم دیکھنا نہال احمد !“ اس نے انگلی اٹھا کر شیشے کی جانب اشارہ کیا۔

”ارمان احمد تمہارا ہو گا۔صرف تمہارا ہو گا۔“ اب وہ ایک ہی فقرے کو دہراتی ہوئی نیچے بیٹھ گئی۔

اسرا کے کمرے میں آج اندھیرا نہیں تھا۔نماز پڑھنے کے بعد اس نے گہرا سانس بھرا اور بالکنی میں موجود کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔اس نے بالکنی میں اندھیرا کر رکھا تھا۔

آسمان پر چاند چمک رہا تھا۔مگر نہ ہی وہ آسمان کو دیکھ رہی تھی اور نہ ہی وہ دماغی طور پر وہاں موجود تھی۔آج وہ گردونواح سے بےخبر اپنے اندر غوطہ زن تھی۔آج وہ اپنے آپ سے گفتگو کرنا چاہتی تھی۔

اس نے آنکھیں موند کر خود کو پرسکون کیا۔کبھی کبھی اپنے اندر موجود انسان سے بات کرنا لازمی ہو جاتا ہے۔اس سے معافی مانگنا ، اس کو تسلی دینا، اس کا شکریہ ادا کرنا۔۔یہ سب بہت ضروری ہوتا ہے۔

اپنے سبھی پچھتاووں کو دماغ سے نکال پھینکنا ضروری ہوتا ہے۔ دماغ کو سبھی سوچوں سے خالی کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ تاکہ وہ غیر ضروری باتیں نہ سوچے۔۔ تاکہ وہ اندھیروں میں نہ بھٹکتا رہے۔ اپنے اندر سے لڑے، جھگڑے، جو کچھ مرضی کرے۔۔ چاہے خود کے برے خیالات سے باغی ہو۔ مگر اپنے دماغ سے سبھی خوف و حراس نکال پھینکے۔ اپنے سارے ڈروں کو نوچ کھائے۔

اپنی برائی کو اپنے اوپر حاوی نہ ہونے دے۔ آج اسرا کو اپنے دماغ سے سارے برے خیالات کو اور اپنے خوف کو باہر نکالنا تھا۔ اس نے اپنے آپ سے سکون سے بات کرنی تھی۔

" کیسی ہو اسرا ؟" وہ اپنے اندر سے ہی مخاطب تھی۔ انکھیں موندے ہوئے۔۔ کرسی سے ٹیک لگائے ہوئے۔۔

" تمہارا سب سے بڑا ڈر کیا تھا؟" اندر سے ایک آواز سنائی دی۔

" اکیلا پن ؟ تنہائی یہی تھا نا؟ " اب کی بار اس کے لب مسکرائے تھے۔

" مگر تم نے اس کا سامنا بہت اچھے سے کیا۔ اپنے اوپر اپنے برے خیالات کو حاوی نہیں ہونے دیا۔ ویل ڈن!" اس کی نگاہوں کے سامنے وہ راتیں گھوم گئیں۔ جب وہ تنہا روتی رہتی تھی۔ اس کے آنسو

صاف کرنے والا کوئی نہ تھا۔اس نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے آنسو صاف کیے تھے۔گر کر خود اٹھی تھی۔اپنے آپ کو سنبھالا تھا۔

" تمہارا شکریہ !" اس نے مسکرا کر کہا اور آنکھیں کھول کر آسمان کی جانب دیکھا۔اس کی نم آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

" اللہ جی ! آپ کا بہت بہت شکریہ ! آپ نے مجھے اپنے آپ سے لڑنے کی طاقت عطا فرمائی۔مجھے اپنے نفس کے تابع نہیں ہونے دیا۔مجھے اندھیروں میں بھٹکنے نہیں دیا۔آپ کا بہت بہت شکریہ!" وہ چہرہ اوپر کیے کہہ رہی تھی۔

" اسرا یاسر ! اگر تم ان اندھیروں سے نکل سکتی ہو تو تم نہال کا دھوکہ بھی برداشت کر سکتی ہو۔" اس نے پختہ لہجے میں کہا۔

" اس وقت بھی تمہارا اللہ تمہارے ساتھ تھا اور آج بھی تمہارا اللہ تمہارے ساتھ ہے۔جو ہو گیا اسے بھول جاؤ۔تم یہ کر سکتی ہو۔اسرا یاسر ! تم یہ کر سکتی ہو۔"اس نے اپنے آپ کی یقین دہانی کروائی۔

کبھی کبھار ہمیں صرف اپنی ضرورت ہوتی ہے۔کسی دوسرے کا کندھا ہمیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔جب تک ہم اپنے دماغ کو اس قابل نہ بنالیں کہ ہم سبھی کچھ سہہ سکتے ہیں۔کچھ بھی برداشت کر سکتے ہیں۔تب تک ہم نہ ہی کسی دکھ سے باہر نکل سکتے ہیں اور نہ ہی اپنے قدموں کو آگے بڑھا سکتے ہیں۔ایک ہی جگہ پر ایک ہی چیز کو تکتے ہوئے کھڑے رہتے ہیں۔

ہمارا دکھ ہمارے اندر چیخ و پکار کرنے لگتا ہے۔ہمارا سکون تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ہم جسمانی طور پر صحت مند نظر آتے ہیں مگر اندر ہی اندر کھوکھلے ہوتے چلے جاتے ہیں۔

وہ دکھ اور ڈر کوئی دوسرا ختم نہیں کر سکتا۔ہمیں خود ہی اپنے دکھوں سے ، اپنے ڈروں سے لڑنا پڑتا ہے۔

اپنے آپ کو ان سے باہر نکالنا پڑتا ہے۔

" اسرا یاسر ! تم یہ کر سکتی ہو کوئی بھی تمہیں کمزور نہیں کر سکتا۔تم اپنے آپ پر قابو پا سکتی ہو۔

نہال کے دھوکے سے تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔" اس نے گہرا سانس بھرا۔وہ کچھ حد تک نارمل ہو چکی تھی۔

اسی لمحے اس کے موبائل کی بیل بجی۔اس نے گردن سیدھی کر کے دیکھا تو فضہ کا نمبر جگمگا رہا تھا۔

اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔اس نے ہاتھ بڑھا کر کال اٹینڈ کی۔

" السلام علیکم ! دلہن صاحبہ! کیسی ہیں آپ ؟ " فضہ جو اسرا کا حال دریافت کرنے لگی تھی۔اس کی بات سن کر سٹپٹا اٹھی۔

"وعلیکم السلام ! ٹھیک ہوں۔آپ کیسی ہیں ؟ " اسے اسرا کا لہجہ نارمل لگ رہا تھا۔

"الحمداللہ ! میں بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ مسکرا کر بولی۔

" آپ سچ میں ٹھیک ہیں ؟" اس کے مدھم لہجے میں پوچھے جانے والے سوال پر اسرا مسکرائی۔

"جی فضہ ! میں بالکل ٹھیک ہوں۔100 پرسنٹ فٹ!" اس کی بات پر فضہ کو حیرت ہوئی۔

" آپ کو دکھ نہیں ہوا کہ نہال نے آپ کو دھوکہ دیا۔" فضہ کے سوال پر اس کی مسکراہٹ ایک لمحے کے لیے تھم گئی۔مگر پھر اس نے اپنے دماغ میں دہرایا۔"اسرا یاسر ! تم یہ کر سکتی ہو۔نکال پھینکو اسے اپنے دل و دماغ سے۔"

" دکھ تو ہوا تھا۔شاید ابھی بھی کہیں نہ کہیں ہے۔مگر اس کا مطلب یہ تھوڑی نہ ہے کہ میں اپنے دکھ کو اپنے دل و دماغ کے ساتھ لگا کر بیٹھ جاؤں۔" اس کا لہجہ ہموار تھا۔

"اگر دل و دماغ کے ساتھ لگا کر بیٹھ جاؤں گی تو زندگی کیسے جیوں گی اور ابھی مجھے اپنی زندگی جینی ہے۔" اس کی نگاہوں کے سامنے محب کا عکس آگیا۔اس نے لاشعوری طور پر اپنے ہاتھ پر نگاہ ڈالی۔ اسی کے ساتھ اس کا نرم گرم لمس بھی یاد آیا تھا۔

پلکیں لرزنے لگیں۔گال دہک اٹھے۔

" میں آپ کے جیسی کیوں نہیں بن سکتی؟" فضہ منہ بسورتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

" کیسی بننا چاہتی ہیں آپ؟" اسرا نے آنکھیں سکیڑ کر پوچھا۔

" آپ کے جیسی ،صبر و شکر والی، اللہ پر بھروسہ رکھنے والی ،پرسکون سی۔" اس کے پاس پوری لسٹ تیار تھی۔اسرا افسردگی سے مسکرائی۔وہ اتنی آسانی سے تو ایسی نہیں بنی تھی۔

"اپنے آپ سے لڑیں فضہ ! جب دماغ آپ کے ڈر کو آپ پر حاوی کرنے لگے تو باغی بن جائیں۔۔ ڈٹ کر کھڑی ہو جائیں۔اللہ پر اور خود پر پورا یقین رکھیں کہ آپ یہ سب کچھ کر سکتی ہیں۔" اس نے ایک لمحے کا توقف لیا۔

"جس دن آپ نے یہ کر لیا۔اس دن آپ کو خود پر فخر محسوس ہو گا۔اس دن آپ کسی کی طرح بننے کی تمنا نہیں کریں گے۔بلکہ اپنے آپ سے ، اپنی ذات سے مطمئن ہوں گی۔آپ کو میری بات سمجھ آگئی ؟ " اسرا کے سوال پر اپنے کمرے میں بیٹھی فضہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"جی ! میں آپ کو اور آنٹی کو بہت مس کر رہی ہوں۔" اس کے دکھی لہجے پر اسرا مسکرائی۔

"آپ جس وقت چاہیں یہاں آسکتی ہیں۔یہ آپ کا ہی گھر ہے۔اور صرف یہی نہیں اب تو ساتھ والا گھر بھی آپ کا ہی ہے۔"اسرا کے شرارتی انداز میں کہنے پر فضہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔اسرا کی نظر بے اختیار احمد ولا کے لان پر پڑی۔جہاں فیصل سر جھکائے ٹہل رہا تھا۔

وہ جہاں بیٹھی تھی وہاں اندھیرا تھا۔دور سے دیکھنے پر کچھ بھی نظر نہیں آتا تھا۔اس نے اپنا سر جھٹک دیا اور کرسی سے ٹیک لگا لی۔

" چلیں اب سو جائیں۔کل ولیمے کے لیے جلدی اٹھنا بھی ہے۔اللہ حافظ ! " اسرا کے کہنے پر فضہ نے

اثبات میں سر ہلایا۔

"اللہ حافظ ! " فضہ کے کہنے پر وہ کال کاٹ کر اندر کی جانب بڑھ گئی۔

نہ رہا جنونِ وفا، نہ رَسَن یہ دار کرو گے کیا

جنہیں جرمِ عشق پہ ناز تھا وہ گنہگار چلے گئے

یہ ہم ہی تھے جن کے لباس پر سرِ راہ سیاہی لکھی گئی

یہی داغ تھے جو سجا کے ہم سرِ بزمِ یار چلے گئے

"تم نے مجھے گجرے لا کر دینے تھے؟" منال آئینے کے سامنے بیٹھی میک اپ کر رہی تھی۔جبکہ ارمان

صوفے پر بیٹھا موبائل دیکھ رہا تھا۔اس کے موبائل کا نیٹ ورک کام نہیں کر رہا تھا۔

منال کی بات پر اس کی انگلیاں تھمیں اور اس نے سر اٹھا کر منال کی جانب دیکھا۔لال رنگ کے

کاسنی سوٹ میں وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

”ولیمے کے بعد لے آؤں گا۔“ اس کی بات پر منال نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

ارمان بھورے رنگ کا شلوار قمیص پہنے تیار بیٹھا تھا۔

”یار منال ! جلدی کرو۔سب انتظار کر رہے ہوں گے۔“ اس کی بات پر منال نے ڈوپٹہ اپنے سر پر جمایا اور کھڑی ہو گئی۔

ارمان آہستہ سے چلتا ہوا اس کے پاس آیا اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”میری زندگی لگ رہی ہو۔چلیں؟“ منال کے اثبات میں سر ہلانے پر وہ اس کا ہاتھ تھام تھامتا باہر نکل گیا۔

سیڑھیوں سے اترتے وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے بنے لگ رہے تھے۔

”السلام علیکم !“ وہ دونوں ڈائننگ ٹیبل کے پاس پہنچ چکے تھے۔نہال کے علاوہ احمد ولا کے سبھی لوگ وہاں موجود تھے۔ارمان اور منال ایک ساتھ بیٹھ گئے۔

پھر خوشگوار فضا میں ناشتہ کیا گیا۔

کسی نے بھی فیصل کے چہرے پر چھائی سنجیدگی کو نوٹ نہیں کیا تھا۔اس کی سیاہ آنکھیں رتجگے کی وجہ سے سرخ ہو چکی تھیں۔

یکدم اس کے ساتھ بیٹھے نعمان کی اس پر نظر پڑی۔

”فیصل بھائی ! آپ کی آنکھیں اتنی سرخ کیوں ہو رہی ہیں ؟“ نعمان کے سوال پر سب اس کی جانب متوجہ ہو گئے۔

اب ارمان بھی غور سے اس کی آنکھیں دیکھ رہا تھا۔

ان سب کی توجہ اپنی جانب پا کر فیصل نے گہرا سانس بھرا۔

”کچھ نہیں ! بس رات کو دیر سے نیند آئی تھی۔“ اس نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تھا تاکہ کسی کو بھی اس کی بات پر شک نہ ہو اور حسبِ توقع وہ سب اس کی بات پر یقین کر چکے تھے۔

ناشتہ کرنے کے بعد سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو چکے تھے۔ولیمہ دوپہر کا تھا۔فضا بھی ہلکی پھلکی تھی۔فیصل نے حارث سے سکیورٹی کے متعلق پوچھ لیا تھا۔

ابھی تک تو سب ہی کچھ انڈر کنٹرول تھا۔نہال صبح سے کمرے میں بند تھی۔مگر اس نے ملازمہ کے ہاتھ سے ناشتے کا ٹرے پکڑ لیا تھا۔

محب اسرا کے گھر پہنچا تو اس وقت اسرا اپنے کمرے میں تیار ہو رہی تھی۔محب ڈاکٹر نیلوفر سے پوچھ کر اسرا کے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

کالا اور سفید تھری پیس سوٹ پہنے وہ سنجیدہ سا لگ رہا تھا۔مسز رضا کو کوئی کام تھا۔اس وجہ سے وہ آج ولیمہ اٹینڈ نہیں کر رہی تھیں۔

محب نے دروازہ ناک کیا تو اندر حجاب کرتی اسرا کا ہاتھ تھما۔اس نے ایک نظر دروازے کی جانب دیکھا۔

”کون ؟“نہ جانے کیوں دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں۔اسرا کے سوال پر دوسری جانب کھڑے محب نے اپنی مسکراہٹ دبائی۔

باہر سے کوئی جواب نہ پا کر اسرا آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی دروازے کے پاس کھڑی ہو گئی۔اسی لمحے محب نے آہستگی سے دروازہ کھولا تو اسرا چونک کر پیچھے ہٹی۔

اب وہ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے تھے۔۔اسرا کو سفید کامدار لباس میں تیار دیکھ کر محب کی دھڑکنوں میں انتشار برپا ہو گیا۔اسرا کی سنہری انکھیں تحیر کی وجہ سے کھلی ہوئی تھیں۔ چہرے پر چھایا تعجب بہت بھلا لگ رہا تھا۔سفید دوپٹے کے ہالے میں موجود چہرے پر ہلکا سا میک اپ کیا گیا تھا۔

محب ٹرانس کی کیفیت سے نکلتا اندر آیا اور دروازہ بند کر دیا۔اسرا نے بے اختیار پیچھے کی جانب قدم بڑھائے۔اس کی حرکت پر محب دل کھول کر ہنسا۔اس کے ہاتھ میں کچھ موجود تھا۔

اسرا اب اپنے حواسوں میں لوٹ آئی تھی۔اس نے اپنے سینے کے گرد بازو لپیٹ کر اسے گھورا۔اس کے ابرو سکیڑنے پر محب مسکرایا۔

”کوئی کسی کے کمرے میں ایسے آتا ہے ؟“ اسرا نے تیکھی آواز میں کہا۔دراصل وہ محب کی بولتی نظروں سے وہ پزل ہو رہی تھی۔وہ اس کے بالکل سامنے کھڑا تھا۔اس کی آنکھوں میں اسرا کے لیے دریا محبت کا دریا موجود تھا۔

”کسی کا تو پتہ نہیں۔۔مگر محب رضا اپنی زوجہ کے کمرے میں ایسے آ سکتا ہے۔“ وہ مکمل پرسکون لہجے میں بولا تو اسرا نے اپنا منہ بسورا۔

”اب آپ مجھے ایسے ہی ڈراتے رہیں گے؟“ محب نے اسے لے کر احمد ولا جانا تھا اور پھر میرج ہال کے لیے نکلنا تھا۔

اسرا کی بات پر محب نے نفی میں سر ہلایا اور اس کا ہاتھ تھامتا آئینے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔اسے اپنا اور اسرا کا عکس ساتھ میں دیکھنا بہت اچھا لگتا تھا۔

” جب آپ کو میری مہک کی پہچان ہو جائے گی۔تب میری ہر آہٹ پر آپ کا دل گواہی دیا کرے گا۔“ محب کی بات پر اسرا مسکرائی تھی۔

اب محب نے اپنے ہاتھ میں موجود خاکی لفافے کو کھول کر اس میں سے دو گجرے نکالے۔اسرا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

محب نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما اور باری باری دونوں ہاتھوں میں گجرے پہنا دیے۔اب وہ انہیں اپنی ناک کے قریب کیے ہوئے تھا۔وہ اسرا کے ہاتھوں سے اٹھتی پھولوں کی مہک کو اپنے اندر اتارتا ہوا اسرا کو پزل کر چکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد محب نے اس کے ہاتھ چھوڑ دیے۔اب محب اسرا کی جانب جبکہ اسرا ان پھولوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔اسے اپنے اوپر محب کی نظروں کا ارتکاز اچھے سے محسوس ہو رہا تھا۔جو اس کے ہاتھ کپکپا رہا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہیں ؟" اسرا کی آواز کمرے میں گونجی تو محب کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔اسرا کی نظریں نیچے کی جانب تھیں۔مگر وہ محب سے مخاطب تھی۔

" ہمارے لان میں گلاب کے پھول کے پودے لگوانے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔" محب کی بات پر اسرا نے تعجب سے اس کی جانب دیکھا۔

"کیوں ؟"

"کیونکہ میری زوجہ کے چہرے پر ان پھولوں کی وجہ سے مسکراہٹ پھیل جاتی ہے۔" اس کی بات پر اسرا کھکھلا کر ہنس پڑی۔

"مجھے نہیں پتہ تھا کہ آپ پھولوں کو پا کر اتنا خوش ہوتی ہیں! " محب کی بات پر اسرا کی آنکھیں چمکیں اور اس نے محب کی جانب دیکھا۔

" محترم تحفے سے زیادہ یہ اہم ہوتا ہے کہ وہ تحفہ دے کون رہا ہے اور وہ کس قدر خلوص اور محبت سے دیا جا رہا ہے اور مجھے ان پھولوں میں آپ کا خلوص نظر آرہا ہے۔" اسرا کی بات پر محب کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"زوجہ ! اب ہم احمد ولا چلیں ؟ سب انتظار کر رہے ہوں گے۔" وہ باہر سے جتنا مطمئن نظر آرہا تھا۔ اندر ہی اندر آج اسے ڈر لگ رہا تھا۔محب رضا حسین احمد ولا کے لوگوں کی خوشیوں کی سلامتی کی دعا مانگ رہا تھا۔

"میں تو بھول ہی گئی تھی۔جی چلیں۔" اب وہ احمد ولا کی جانب بڑھ گئے۔

عشق قاتل سے بھی ، مقتول سے ہمدردی بھی

یہ بتا کس سے محبت کی جزا مانگے گا؟؟

سجدہ خالق کو بھی، ابلیس سے یارانہ بھی

حشر میں کس سے عقیدت کا صلہ مانگے گا؟؟

احمد ولا میں اس وقت سوائے نعمان ، فیصل اور منال کے سبھی تیار ہو چکے تھے۔حارث بھی کنزیٰ اور فضہ کے ساتھ آگیا تھا۔اور اب وہ لاؤنج میں بیٹھا فیصل کے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔اس کا دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا۔صبح سے ہی دماغ میں وسوسے پیدا ہو رہے تھے۔مگر وہ اپنے چہرے پر اطمینان سجائے بیٹھا تھا۔

اسی وقت دروازے ڈاکٹر نیلوفر ، اسرا اور محب اندر آتے دیکھائی دیے۔اسرا اور ڈاکٹر نیلوفر بھی سب سے مل کر وہیں بیٹھ گئیں۔جبکہ محب ارمان سے گلے ملتا حارث کے گلے سے لگا۔

"سب کچھ اندر کنٹرول ہے نا ؟" محب نے حارث کے کان میں سرگوشی کی تو حارث نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہال کے باہر سخت سکیورٹی موجود ہے۔کوئی پرندہ بھی وہاں پر نہیں مار سکتا۔" حارث کی بات پر محب نے سکون کا سانس بھرا۔

ارمان اس وقت گرے تھری پیس سوٹ میں ملبوس تھا۔اسی لمحے انہیں سیڑھیوں سے فیصل نیچے اترتا دکھائی دیا۔اس نے سیاہ رنگ کا تھری پیس سوٹ پہن رکھا تھا۔

نیچے آنے پر اس نے سب پر ایک نظر ڈالی۔وہاں نعمان اور منال کے علاوہ سبھی موجود تھے۔اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"نعمان اور منال کہاں ہیں؟" فیصل کے پوچھنے پر حارث اور محب نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ نعمان اور منال واقعی میں وہاں موجود نہیں تھے۔اس کے سوال پر ارمان مسکرایا۔

”نعمان منال کو پارلر سے لینے گیا ہے اور حارث ! میرا موبائل تو دیکھو نیٹ ورک کام نہیں کر رہا۔“

ارمان کی بات پر فیصل نے غصے سے حارث کو گھورا تو اس نے شرمندگی سے اپنا سر جھکا لیا۔اس نے گارڈز کو بس پہرا دینے کا کہا تھا۔کسی کے ساتھ جانے کا نہیں کہا تھا۔

” ارمان میں بعد میں دیکھتا ہوں۔۔“ حارث ابھی بول ہی رہا تھا کہ فیصل نے اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا کر دیا۔حارث بوکھلا کر رہ گیا۔سب انہیں حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

” ایکسکیوز اس ایوری ون !“ وہ سرد لہجے میں کہتا حارث کو لان میں لے آیا۔جہاں اس وقت کوئی نہیں تھا۔

”کوئی گارڈ ان کے ساتھ گیا ہے؟“ فیصل کے سخت لہجے میں پوچھنے پر حارث نے اپنا تھوک نگلا۔اس کو جواب نہ دیتے دیکھ کر فیصل نے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

” یار حارث ! تنگ نہ کرو۔مجھے بتاؤ۔ان کے ساتھ کوئی گیا ہے یا نہیں ؟“ فیصل کے بولنے پر حارث نے آہستگی سے نفی میں سر ہلا دیا۔فیصل نے اپنی آنکھیں میچ لیں۔

"ابھی نعمان کو کال کرو۔"فیصل کے پریشانی سے کہنے پر حارث نے اثبات میں سر ہلایا اور نعمان کو کال کرنے لگا۔مگر دوسری جانب سے نمبر بند مل رہا تھا۔

حارث اور فیصل اضطرابی کیفیت میں لان میں ٹہل رہے تھے۔

"کیا ہوا ؟" فیصل کے پوچھنے پر حارث کے چلتے قدم رکے۔

"نمبر بند ہے۔"

" موبائل کی بیٹری ڈیڈ ہو گئی ہو گی۔" فیصل نے اپنے آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔اسے سب سے یہ کیا ہوا اپنا وعدہ یاد آیا کہ وہ کسی کو کچھ نہیں ہونے دے گا۔

اسی لمحے اندر سے محب، اسرا اور ارمان باہر آئے۔

اسرا کے ہاتھ میں موبائل تھا۔

"حارث بھائی ! نعمان کا نمبر بند جا رہا ہے اور منال کا نمبر بھی نہیں لگ رہا۔"اسرا پریشانی سے بولی۔

ان سب نے ایک نظر اندر کی جانب ڈالی جہاں سب تیار بیٹھے تھے۔کچھ دیر میں ہال میں مہمانوں نے آنا شروع ہو جانا تھا۔ارمان کے چہرے پر پریشانی ظاہر ہو رہی تھی۔

”یار ! بتاؤ تو سہی کیا ہوا ہے ؟“ اس کے سوال پر محب نے لمبا سانس بھرا۔

” دلاور شاہ جیل سے بھاگ گیا ہے۔“ اس کی بات پر وہ سب چونکے۔ارمان کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

”کسی نے مجھے کیوں نہیں بتایا ؟“اس نے موبائل کی جانب اشارہ کیا تو حارث نے بے بسی سے فیصل کی جانب دیکھا۔

”ہم نے تمہارے اور منال کے موبائلز کے نیٹ ورک جام کر دیے تھے۔“حارث کے آہستہ آواز میں بولنے پر ارمان نے اپنے سر پر ہاتھ مارا۔

”کچھ دیر انتظار کرتے ہیں۔شاید نعمان کے موبائل کی بیٹی ڈیڈ ہو گئی ہو۔“ فیصل کے بولنے پر ارمان نے نفی میں سر ہلایا۔

”نعمان کا موبائل فل چارج تھا۔میں نے خود دیکھا تھا۔“ اسی لمحے اسرا کی نظر مرکزی دروازے پر پڑی جہاں سے نعمان زخمی حالت میں بھاگتا ہوا ان کی جانب بڑھ رہا تھا۔

ایسا لگ رہا تھا کہ کسی نے اسے بہت زیادہ مارا تھا۔وہ سب اس کی حالت دیکھ کر تڑپ اٹھے۔وہ بھاگتا ہوا ان کے پاس آیا۔

”بھائی ! بھائی ! بھابھی کو بچا لیں۔وہ لوگ انہیں مار ڈالیں گے۔“ وہ روتے ہوئے بول رہا تھا۔اس کی بات پر ارمان کا دل کانپ اٹھا۔ابھی تو اس نے منال سے کیے ہوئے وعدے بھی پورے کرنے تھے۔

نعمان گرنے لگا کہ اسے محب اور فیصل نے تھام لیا۔

” دلاور شاہ کے آدمی انہیں لے گئے ہیں۔پلیز ! انہیں بچا لیں۔بچا لیں۔۔“ نعمان بار بار اسی جملے کی گردان کر رہا تھا۔

فیصل اور محب کے جبڑے بھینچ گئے۔اسرا کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

” اسے وہ کہاں لے کر گئے ہیں؟“ فیصل کے پوچھنے پر نعمان نے نفی میں سر ہلایا۔

”مجھے نہیں پتہ۔“ فیصل حارث کی جانب متوجہ ہوا۔”اندر سب کو اطلاع کرو کہ آج ولیمہ کینسل ہو گیا ہے۔مگر کسی کو یہ اس بارے میں مت بتانا۔یہ بتانا کہ آج ہال کسی وجہ سے بند ہے اور ہم سب کہیں گھومنے جا رہے ہیں۔“ فیصل کی بات پر حارث اثبات میں سر ہلاتا اندر کی جانب بڑھا۔

ارمان اپنے حواسوں میں نہیں لگ رہا تھا۔اس کے پاؤں شل ہو گئے تھے۔دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔

" ارمان ! پریشان مت ہو۔ ہم بھابھی کو بچا لیں گے۔" محب کے کہنے پر اس نے خالی خالی نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

" وہ آپ دونوں سے اور چیف سے بدلہ لینا چاہتا ہے۔" نعمان کے بولنے پر فیصل نے اثبات میں سر ہلایا۔وہ اس بات کو جانتا تھا۔

اتنی دیر میں حارث بھی باہر آ گیا۔وہ سب کو بہت مشکل سے سمجھا کر آیا تھا۔

فیصل نے اپنی پاکٹ سے موبائل نکالا اور دلاور شاہ کا نمبر ملایا۔حارث اندر سے نعمان کے لیے پانی بھی لایا تھا وہ جسے وہ کرسی پر بیٹھا پی رہا تھا۔اس کے زخم اتنے گہرے نہیں تھے۔

دوسری جانب ایک انڈر کنسٹرکشن بلڈنگ میں اپنے آدمیوں کے ساتھ موجود دلاور شاہ کے چہرے پر مسکراہٹ چھائی ہوئی تھی۔اس کے سامنے دلہن بنی منال اپنے آپ کو رسیوں کی گرفت سے آزاد کروانے کی کوششوں میں لگی ہوئی تھی۔گرے کلر کی میکسی میں دلہن کے روپ میں تیار منال بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

”میرا شوہر تمہیں نہیں چھوڑے گا۔بلکہ میرا پورا خاندان تمہیں نہیں چھوڑے گا۔“منال کی دھاڑ پر دلاور شاہ کا قہقہہ گونجا وہ منال کے پاس آیا اور اس کی گردن کو پکڑ کر سر اونچا کیا۔منال کے منہ سے سسکی نکلی۔اس کے کھردرے ہاتھ اسے اپنی گردن پر محسوس ہو رہے تھے۔

”میں تمہارے خاندان کے ایک ایک انسان کو مار ڈالوں گا اور ابتدا تم سے اور تمہارے اس شوہر سے ہوگی ہاہاہا ! “ وہ اس کی گردن کو ایک جھٹکے سے چھوڑتا پیچھے ہٹا۔یکدم موبائل کی تھرتراہٹ نے اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔فیصل کا نمبر دیکھ کر اس کی شیطانی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔اس نے اپنی مکروہ مسکراہٹ کے ساتھ کال اٹھائی۔

دوسری جانب فیصل موبائل کو اسپیکر پر لگائے۔۔اس کے کال اٹھانے کا انتظار کر رہا تھا جو بالآخر اس نے اٹھا ہی لی تھی۔

”شہزادے! کیسے ہیں آپ؟“ دلاور شاہ کی مکروہ آواز سن کر ان سب نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔

”میری بھابی تمہارے پاس ہے ؟“فیصل بے تاثر آواز میں بولا تو دلاور شاہ کا قہقہ گونجا۔

”بالکل۔۔۔میرے سامنے کرسی پر بے یار و مددگار رسیوں سے بندھی ہوئی بیٹھی ہے۔چچ چچ !!“ وہ منال کو دیکھ کر ہنستے ہوئے بولا۔

”منال ! منال ! تم ٹھیک ہو ؟ منال! بتاؤ تم ٹھیک ہو؟“ ارمان چینخا۔اس سے صبر نہیں کیا جا رہا تھا۔ اس کی منال دشمنوں کے پاس تھی تو وہ سکون سے کیسے رہ سکتا تھا؟

محب نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اسے سنبھالا۔دوسری جانب دلاور شاہ نے ارمان کی آواز سن کر آنکھیں بند کیں۔

” آہ! یقین کرو۔تمہاری تڑپتی ہوئی آواز سن کر دل میں ٹھنڈ سی پڑ گئی ہے۔۔۔“

”کیا چاہیے تمہیں ؟“اسرا اور نعمان کے بے چین نگاہیں موبائل کی سکرین پر جمی تھیں۔

” ارمان احمد اور فیصل احمد!“ اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا محب کا پورا وجود شعلوں کی لپیٹ میں آ چکا تھا۔

”نہیں ! آپ دونوں یہاں مت آنا۔۔ یہاں بہت خطرہ ہے۔پلیز ! آپ لوگ یہاں مت آنا۔“ منال کی چینخ سن کر ارمان پھر سے بے قابو ہو گیا تھا۔وہ نیچے بیٹھتا چلا گیا۔دل ریزہ ریزہ ہورہا تھا۔اپنے آپ پر غصہ آ رہا تھا۔اس نے کیوں منال کو بغیر سکیورٹی کے بھیج دیا!!

”منال ! منال! میں تمہیں بچا لوں گا۔“اس نے اپنے دل میں اسے مخاطب کیا۔

دوسری جانب منال کی آواز سن کر دلاور شاہ کے ابرو تن گئے۔

” اس کے منہ میں کچھ ٹھونسو۔“ دلاور شاہ کے حکمیہ انداز میں کہنے پر ایک آدمی نے اس کے منہ میں رومال ڈال دیا۔اب منال کچھ بھی بول نہیں پا رہی تھی۔بس نفی میں سر ہلا رہی تھی۔اس کی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو گئے۔جب کچھ دیر پہلے دلاور شاہ کے آدمیوں نے نعمان پر بندوق تانی تھی۔تب اسے زندگی میں پہلی دفعہ اپنا ایجنٹ ہونا بیکار لگا تھا۔رشتوں کے آگے بڑے سے بڑے بہادر بھی ڈھے جایا کرتے ہیں۔

”اوکے ! تم اسے کچھ مت کہو۔ہم آرہے ہیں۔“ فیصل کی بات پر ان سب نے ایک جھٹکے سے اس کی جانب دیکھا۔

" شاباش شہزادے ! اگر اس لڑکی کو صحیح سلامت دیکھنا چاہتے ہو تو مجھے ڈھونڈو۔تم لوگوں کے پاس آدھا گھنٹہ ہے۔" اس نے ایک لمحے کا توقف لیا۔

" اور ہاں اگر پولیس یا میڈیا کو خبر کرنے کی کوشش کی تو یہ لڑکی زندہ نہیں رہے گی۔"اس کی بات پر ارمان تڑپ اٹھا۔

" ہم آرہے ہیں۔اسے کچھ مت کرنا۔" ارمان کے نم لہجے پر وہ ہنسا۔

"مجھے تم لوگوں سے یہی امید تھی۔جلدی پہنچ تم دونوں کے پاس صرف آدھا گھنٹہ ہے۔ٹک ٹاک!! ٹک ٹاک!!" دلاور شاہ کال بند کر چکا تھا۔

اب سب فیصل کے پرسوچ چہرے کی جانب دیکھ رہے تھے۔اس نے اپنی مٹھیاں بھینچ رکھی تھیں۔

"چیف کو اطلاع نہیں کرنی ؟"اسرا کی بات پر ان سب کو یاد آیا کہ چیف کو تو پتہ ہی نہیں تھا۔

"حارث ! انہیں وہی بتاؤ جو اندر بتا کر آئے ہو۔" اس کی بات پر حارث نے تھکے سے انداز میں سر ہلایا۔

”مگر وہ ہال سے بھی پتہ کر سکتے ہیں اور انہیں یہ بات بتانی چاہیے۔وہ ہماری مدد کر سکتے ہیں۔“ محب کی بات پہ فیصل جھنجھلا اٹھا۔

”یہ جنگ ہماری ہے۔ہم انہیں مزید ان چیزوں میں نہیں گھسیٹ سکتے اور ابھی منال کو ڈھونڈنا زیادہ ضروری ہے۔“اس کے غصے سے بولنے پر حارث نے چیف کو میسج کر دیا۔

” حارث ! اس نمبر کی لوکیشن ٹریس کرو۔“ اب حارث باقی گھر والوں سے چھپ کر اندر بڑھا اور فیصل کے کمرے کے اندر داخل ہو گیا۔اب وہ کام پر لگ چکا تھا۔باقی گھر والے اپنی باتوں میں مشغول تھے۔

” میں تم دونوں کو نہیں جانے دوں گا۔“محب کی بات پر فیصل کے ابرو تن گئے۔

” ہم سب آپ دونوں کو نہیں جانے دیں گے۔“اسرا اور نعمان کے بولنے پر فیصل نے گہرا سانس بھرا۔

”دیکھو تم تینوں بھی آ سکتے ہو مگر تم لوگ باہر گاڑی میں ہی بیٹھو گے۔“ آخرکار فیصل نے ان کی بات مان لی۔مگر محب اسرا کی جانب متوجہ ہوا۔

”زوجہ ! آپ نہیں چلیں گی۔“اسرا نے نفی میں سر ہلایا۔

”میں چلوں گی۔“ محب لمبا سانس بھر کے رہ گیا۔

”اوکے ! میری بات سنیں۔“محب کچھ سوچتے ہوئے بولا تو سب اس کی جانب متوجہ ہو گئے۔

”میں ارمان اور حارث پہلے جائیں گے۔آپ تینوں ہمارے پیچھے آنا۔ارمان اور فیصل اکٹھے نہیں جائیں گے۔اوکے ؟“ محب کی بات پر ان سب نے اثبات میں سر ہلایا۔

”ارمان پولیس کو انفارم کر دو ہم پولیس کے آنے سے پہلے منال کو بچا لیں گے۔“اسی لمحے حارث بھاگتا ہوا آیا۔اسے لوکیشن مل گئی تھی۔

”یہ ایک انڈر کنسٹرکشن بلڈنگ کی لوکیشن ہے۔“ حارث پرجوش انداز میں بولا تو محب نے سارا پلان اسے بتایا۔حارث نے سوالیہ نظروں سے فیصل کی جانب دیکھا۔جس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔اب ارمان ہارون کو لوکیشن سینڈ کر رہا تھا۔

اس وقت ان پانچوں کے دل ایک ڈر کے زیر اثر تھے۔نعمان ، احمد ولا کی جان تھا۔اس کے بغیر احمد ولا میں سناٹا چھایا رہتا تھا۔

اسرا وہاں موجود دو دلوں میں دھڑکتی تھی اور وہ دونوں ہی اسے کسی قسم کے خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتے تھے۔وہاں موجود ہر انسان ایک دوسرے کے لیے اہم تھا۔۔۔ایک دوسرے کی زندگی میں کوئی نہ کوئی کردار ضرور ادا کر رہا تھا۔

ان سب نے لمبا سانس بھرا اور ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔وہ سب دائرہ بنائے کھڑے تھے۔

" ہم آج دلاور شاہ کو اس کے انجام تک پہنچا کر رہیں گے۔" فیصل نے پختہ لہجے میں کہا۔

"ہم آج سالوں پہلے شروع ہوئی داستان کو اس کے انجام تک پہنچا کر رہیں گے۔" اب کی بار محب بولا تھا۔

" ہم ایک دوسرے کو کوئی نقصان نہیں پہنچنے دیں گے۔یہ ہمارا ایک دوسرے سے وعدہ ہے۔"ارمان کی بات پر ان سب نے اثبات میں سر ہلایا۔

اب فیصل ان تینوں کی جانب متوجہ ہوا۔

”آپ تینوں میں سے کوئی بھی گاڑی سے باہر نہیں نکلے گا۔اس ڈیٹ کلیئر ؟“ فیصل کے دو ٹوک انداز پر اسرا نے اپنے ابرو اٹھائے۔جبکہ حارث اور نعمان اپنا سر اثبات میں ہلا چکے تھے۔فیصل لمبا سانس بھر کر رہ گیا۔

”پہلے میں اور ارمان اندر جائیں گے۔ نعمان اندر سے اپنی کوئی ہڈی لے آؤ تاکہ میں اندر تو جا سکوں۔“ محب کی بات پر نعمان گھر کی پچھلی طرف سے اپنے کمرے کی جانب بڑھا۔جبکہ فیصل اسے غور سے سن رہا تھا۔

” وہ مجھے فیصل سمجھے گا۔اتنی دیر میں تم کسی طرح سے بھابھی کو ڈھونڈ لینا۔تب تک وہاں پولیس بھی آ جائے گی۔“ان سب کے دل بری طرح دھڑک رہے تھے۔نہ جانے اب یہ داستان کس رخ کو مڑنے والی تھی۔

اگر آج وہ سب ہار گئے تو اتنے سالوں کی کی گئی محنت پانی میں مل جائے گی۔ وہ لوگ ایسی جنگ لڑنے جا رہے تھے۔جس میں اگر وہ جیت گئے تو ان کی جیت ہزاروں معصوموں کی جیت ہو گی اور

اگر وہ ہار گئے تو سب کچھ تباہ و برباد ہو جائے گا۔وہ اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر منال کو بچانے جا رہے تھے۔

اب محب اسرا کی جانب متوجہ ہوا۔نعمان ہڈی لے کر واپس آ چکا تھا۔

"آپ گاڑی سے باہر نہیں نکلیں گی چاہے جو کچھ مرضی ہو جائے۔آپ گاڑی سے نیچے نہیں اتریں گی۔وعدہ کریں۔آپ اپنے محترم کی بات مانیں گی نا ؟" محب کے ہاتھ بڑھانے پر اسرا نے کچھ سوچتے ہوئے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اثبات میں سر ہلا دیا۔محب اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ چھا گئی۔

" تم تینوں اپنا خیال رکھنا۔" فیصل کے بولنے پر ارمان محب اور حارث اس کے گلے سے لگ پڑے ۔جبکہ نعمان اپنے آنسو صاف کر رہا تھا

پیچھے ہٹنے پر محب نے نعمان کو اشارہ کیا تو وہ روتا ہوا محب کے گلے سے لگ گیا۔

"ارے یار !کیوں رو رہے ہو ؟ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"محب نے نعمان کا کندھا تھپکا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"چلیں ؟" محب نے ارمان اور حارث کی جانب دیکھا۔تو انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔محب نعمان کی ہڈی پہن چکا تھا۔اب وہ تینوں محب کی گاڑی کی جانب بڑھے۔

ان کے جانے کے بعد فیصل ، نعمان اور اسرا بھی گاڑی کی جانب بڑھ گئے۔فیصل اور محب کے درمیان ایئربڈ کے ذریعے سے رابطہ ہو رہا تھا۔سب سے پہلے محب لوگ اس بلڈنگ کے پاس پہنچے ۔انہوں نے اس بلڈنگ سے تھوڑا دور گاڑی پارک کی۔

"ہم دونوں اندر جاتے ہیں۔تم یہیں رہنا۔"محب حارث سے مخاطب تھا جس نے اس کی بات پر اثبات میں سر ہلایا۔ان سب کے پاس اپنے اپنی گنز موجود تھیں۔وہ سب بہت اچھے فائٹر تھے۔وہ دلاور شاہ کے آدمیوں کا مقابلہ کر سکتے تھے۔

محب نے ایک نگاہ دور سے ہی بلڈنگ پر ڈالی تھی۔اب اس کا چہرہ نظر نہیں آرہا تھا۔اس کا قد کاٹھ فیصل کے ہو بہو تھا۔اب ارمان اور محب ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے بلڈنگ کی جانب بڑھ رہے تھے۔ان کے پاس وقت بہت کم تھا۔

فیصل لوگ بھی پہنچ چکے تھے۔فیصل نے محب کی گاڑی کے ساتھ اپنی گاڑی پارک کی اور ایک نظر نعمان اور اسرا کی جانب دیکھا۔

"آپ دونوں میں سے کوئی باہر نہیں آئے گا۔ہم لوگ منال کو واپس لے کر ہی آئیں گے۔"وہ بے تاثر لہجے میں کہہ رہا تھا۔اب ارمان اور محب بلڈنگ کا مرکزی دروازہ پار کر چکے تھے۔

محب کو فیصل ہدایات بھی دیتا جا رہا تھا۔انہیں دیکھ کر بلڈنگ کے سیکنڈ فلور پر کھڑے دلاور شاہ کے چہرے پر مکروہ مسکراہٹ چھا گئی۔اس نے منظور علی کو اپنے پاس بلایا اور اس کے کان میں کچھ کہا تو منظور علی نے سر ہلا دیا۔

اب منال تھک چکی تھی اس کی آواز گلے میں ہی اٹک کر رہ گئی تھی۔اسے ارمان کی یاد شدت سے آرہی تھی۔اس نے ابھی تو ارمان کے ساتھ نئی شروعات کی تھی۔اگر اسے کچھ ہو گیا۔۔۔نہیں! اس نے اپنے آپ کی نفی کی۔"کچھ نہیں ہو گا ارمان آتا ہی ہو گا۔وہ مجھے بچا لے گا۔" اس کی آنکھوں سے آنسو نکلنا شروع ہو گئے۔اب منظور علی منال کے سامنے کھڑا تھا۔جبکہ دلاور شاہ باہر کی جانب بڑھ گیا۔

بلڈنگ کے سامنے بہت بڑا میدان تھا۔اب ارمان اور محب اس میدان میں موجود تھے۔

”ارمان ! اپنی آنکھیں کھلی رکھو۔“ اب محب ہڈی اپنے سر سے اتار چکا تھا۔میدان میں نہ ہی کوئی گارڈ موجود تھا اور نہ ہی کوئی آدمی۔اسی لمحے انہیں دلاور شاہ سامنے سے آتا نظر آیا۔مگر وہ ارمان کے ساتھ ایک اور نوجوان دیکھ کر ٹھٹک کر رک گیا۔

” تم کون ہو اور فیصل کہاں ہے ؟ میں نے فیصل کو بلایا تھا“ وہ محب کو دیکھتا چلایا تھا۔اسے دیکھ کر محب کے جبڑے بھینچ گئے۔

” میں وہ ہوں جو تمہارے ہر کارنامے سے واقف ہے۔“ محب کی سرد آواز اس میدان میں گونجی۔ اس نے ابھی بھی ارمان کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔

”میں محب رضا حسین ہوں۔“محب کی دھاڑ پر دلاور شاہ حیرت سے دنگ رہ گیا۔یہ رضا حسین کا بیٹا تھا!! پھر اس نے زور سے قہقہہ لگایا۔

” چلو اچھا ہوا تم بھی آگئے۔۔۔تمہارے باپ کی طرح آج تمہارا بھی کام تمام کر ڈالوں گا۔“ دلاور شاہ کی بات پر محب کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

”کام تمام میرا نہیں تمہارا ہو گا دلاور شاہ ! “ دوسری جانب فیصل گاڑی سے اترا۔اب وہ بلڈنگ کی پچھلی جانب جا رہا تھا تاکہ وہ کسی طریقے سے چھپ کر اندر داخل ہو سکے۔

”میں پچھلی طرف سے اندر جا رہا ہوں۔اسے باتوں میں لگاؤ۔“ فیصل نے محب کو کہا تو دوسری جانب محب نے ہلکا سا اوکے کہا۔

”جانتے ہو میں نے افنان احمد اور رضا حسین کو کیسے مارا ؟؟۔۔۔“ اس کی مکروہ آواز سن کر وہ دونوں شعلوں کی لپیٹ میں آ چکے تھے۔

” دونوں بیچارے بہت اچھے دوست تھے۔۔ایک دوسرے کی بہت مدد کیا کرتے تھے۔اس رات میں نے افنان احمد کو آگ میں جھلسا کر مارا تھا اور بیچارا رضا حسین تو بے موت ہی مارا گیا۔ چچچ چچ !! افسوس ہوا !!“ اس نے اپنے چہرے پر مصنوعی تاسف سجایا۔

” میری بیوی کہاں ہے ؟“ اب کی بار ارمان حلق کے بل دھاڑا۔اس کے ہاتھوں کی رگیں ابھر چکی تھیں۔ارمان کے سوال پر دلاور شاہ نے دوبارہ قہقہہ لگایا۔

”اتنی بے تابی کس بات کی ہے؟ دونوں میاں بیوی کو ایک ساتھ ہی اوپر بھیجوں گا۔ پھر ایک دوسرے سے ملتے رہنا۔“ اس کی بات سن کر محب اور فیصل دونوں کا دماغ گھوم اٹھا۔

فیصل بلڈنگ کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا۔اس کے راستے میں آنے والا ہر آدمی اپنے انجام تک پہنچتا جا رہا تھا۔

”میں اندر داخل ہو چکا ہوں۔اسے میں اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتاروں گا۔تم اس پر حملہ مت کرنا۔“ فیصل کے کہنے پر ایک لمحے کے لیے محب کے چہرے پر ناگواری پھیل گئی۔

اسی لمحے دلاور شاہ نے ہوا میں ہاتھ ہلایا۔تین !! گولی کی آواز گونج اٹھی۔آواز بلڈنگ کے اندر سے آئی تھی۔ارمان تڑپ اٹھا۔اس نے محب کا ہاتھ چھڑوانے کی کوشش کی۔مگر محب اس کا ہاتھ نہیں چھوڑ رہا تھا۔بلڈنگ کے اندر موجود فیصل کا دل لرزا۔اس کے قدم لڑکھڑا گئے۔دو!!!

اسی لمحے اندر سے دوسری گولی کے چلنے کی آواز سنائی دی۔گولی کی آواز باہر موجود حارث، اسرا اور نعمان تک بھی پہنچی تھی۔وہ تینوں جلدی سے باہر نکلے اور بلڈنگ کی جانب بھاگے۔انہیں کوئی وعدہ۔۔کوئی یقین دہانی یاد نہیں رہی تھی۔

"مجھے جانے دو محب !" اس کا دل رک رک کر چل رہا تھا۔اس کی منال کو کچھ ہو تو نہیں گیا تھا۔وہ مسلسل اپنا ہاتھ چھڑوانے کی کوشش کر رہا تھا۔دلاور شاہ نے جب اپنے سامنے کھڑے محب اور ارمان کی توجہ اپنی جانب سے ہٹتی تو اس نے ارمان پر نشانہ باندھا۔ایک !!!!!

گولی کی گونج کے ساتھ ہی ایک انسان زمین بوس ہوا تھا۔بلڈنگ کا دروازہ پار کرتی اسرا کے قدم سامنے گرتے محب کو دیکھ کر تھم گئے۔وہ لڑکھڑا کر گر پڑی۔گولی محب کے سینے میں پیوست ہو چکی تھی۔اندر موجود فیصل کا دل ڈوب کر ابھرا تھا۔

"محب ! تم۔۔۔ تمم ٹھیک ہو؟ " دوسری جانب سے کوئی جواب نہ پا کر وہ باہر کی جانب بھاگا۔محب کو اپنے آگے گرتا دیکھ کر ارمان نے طیش کے عالم میں اپنے بندوق نکالی جبکہ بندوق دیکھ کر بزدل دلاور شاہ اندر کی جانب بھاگ چکا تھا۔اب ارمان عجب کشمکش میں کھڑا تھا کہ وہ محب کو بچائے یا اندر منال کو بچانے جائے۔

آہ! دنیا دل سمجھتی ہے جسے ،وہ دل نہیں

پہلوئے انسان میں اک ہنگامئہ خاموش ہے

دھندلاتی ہوئی بصارت کے ساتھ محب نے ایک چہرے کو دیکھنے کی شدت سے خواہش کی تھی۔ تصور کے پردوں پر کچھ مناظر گھومنے لگے۔ شعور کسی اندھیرے میں گم ہو رہا تھا۔

سارے مناظر دھندلاتے جا رہے تھے۔ سینے میں اٹھتا درد حد سے سوا ہو رہا تھا۔

" اللہ ! آخری دفعہ اسرا کا چہرہ دکھا دیں۔ پلیز اللہ! میں مرنے سے پہلے ایک دفعہ انہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔" زمین پر گرے شعور اور لاشعور کے درمیان بھٹکتے محب نے اللہ سے گزارش کی تھی۔

بند ہوتی آنکھوں کے کونوں سے آنسو کے چند قطرے زمین پر گر کر بے مول ہو گئے۔ لمحہ بہ لمحہ وہ اپنے ہوش گواہ رہا تھا۔ موت اس کے سر پر منڈلا رہی تھی۔ اسی لمحے دھندلاتی ہوئے بصارت کے پار سفید لباس میں ملبوس لڑکی اسے اپنی طرف آتی دکھائی دی تھی۔ اس کے چہرے پر مدھم مسکراہٹ چھا گئی۔ سینے سے خون رستا چلا جا رہا تھا۔ وہ آخری دفعہ اپنی محترمہ کو قریب سے دیکھنا چاہتا تھا۔

اسرا بھاگتی ہوئی محب کی جانب بڑھنے لگی۔ اس کے دل کی حالت عجیب تر ہوتی چلی جا رہی تھی۔ آنکھوں سے لاشعوری طور پر آنسو بہنا جاری ہو گئے تھے۔

”میں آپ کی لائف میں انٹرفیئر نہیں کرنا چاہتا بلکہ آپ کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔“ سماعت میں کسی کے الفاظ گونجنے لگے۔اس نے بے دردی سے اپنا گال رگڑا۔

وہ اب محب کے پاس پہنچ چکی تھی۔ارمان نے ان تینوں کو وہاں دیکھ کر سکون کا سانس بھرا اور اندر کی جانب بڑھ گیا۔اس کا دل کسی انہونی کی پیش گوئی کر رہا تھا۔

اسرا نے محب کا سر زمین سے اٹھا کر اپنے گود میں رکھ لیا۔

” محترم ! اٹھیں۔۔۔دیکھیں!! آپ کی زوجہ آئی ہے۔“ وہ نم لہجے میں بول رہی تھی۔

” اٹھیں۔۔۔دیکھیں نا!! میری طرف دیکھیں۔“ محب اسے سن پا رہا تھا۔مگر سینے میں اٹھتے درد کی وجہ سے خاموش تھا۔

”آپ مجھے اپنا عادی بنا کر ایسے نہیں جا سکتے۔“وہ ہچکیوں سے رو دی۔اس کا دل محب کی ایسی حالت دیکھ کر پھٹ رہا تھا۔اس کے کان میں محب کے جملے گونجنے لگے۔

” محترمہ ! کوشش کیجئے گا کہ آپ اظہار اس وقت سے پہلے کریں۔جب میرے پاس سانسوں کی مہلت موجود نہ ہو۔“ آنسو اس کی آنکھوں سے نکل کر محب کے چہرے پر گر رہے تھے۔

” آپ اٹھ جائیں۔۔دیکھیں!! میں اظہار کر رہی ہوں۔اٹھیں نا۔۔۔“ اس کے لہجے کی تڑپ وہاں موجود ہر انسان محسوس کر رہا تھا۔

”اسرا محب رضا اپنے محترم کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ پلیز ! مجھے اکیلا چھوڑ کر مت جائیں۔پلیز ایسا نہ کریں۔ابھی تو آپ نے میرے لیے گلاب کے پودے بھی لگوانے تھے۔“ وہ گڑگڑا رہی تھی۔

” اسرا ! ان کی حالت خراب ہے۔انہیں ہاسپٹل لے کر جانا چاہیے۔“ نعمان کی بات پر حارث نے بھی اثبات میں سر ہلایا۔

اسی لمحے محب نے آہستگی سے اسرا کا ہاتھ تھاما اور اپنے لب ہلائے۔اسرا نے جب دیکھا کہ وہ کچھ بولنے کی کوشش کر رہا تھا تو اس نے اپنا کان محب کے چہرے کے پاس کیا۔محب کے منہ سے نکلنے والے لڑکھڑاتے الفاظ کو سن کر اسرا دنگ رہ گئی۔

”الھدف من الحیات ھو الموت

(زندگی کا مقصد موت ہے)“

”آپ کو کچھ نہیں ہو گا۔محب رضا حسین کو کچھ نہیں ہو گا۔“وہ ایک یقین کے ساتھ بول رہی تھی۔

بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ محب نے آخری دفعہ اسرا کی سنہری آنکھوں میں دیکھا تھا۔جن میں محب رضا حسین کا عکس جگمگا رہا تھا۔جہاں آج محب رضا حسین کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔

باہر کی جانب آتے فیصل نے اپنے راستے میں آتے ہر انسان کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔یکدم اندر آتا دلاور شاہ اسے دیکھ کر ٹھٹک کر رک گیا۔فیصل احمد کے ہاتھوں کی رگیں پھول گئیں۔

"کس پر گولی چلا کر آئے ہو ؟" فیصل نے خونخوار نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔اس کے تاثرات دیکھ کر دلاور شاہ ایک لمحے کے لیے گھبرا گیا۔

مگر پھر اپنے ہاتھ میں موجود بندوق کو دیکھ کر شکر کا سانس بھرا۔

"میں نے پوچھا کہ کسے مار کر آئے ہو؟" فیصل کی دھاڑ پر اس نے اپنا تھوک نگلا۔فیصل کو اس کی ہر زیادتی یاد آرہی تھی۔اس کا حارث کی دادی اور باپ کو مارنا ، اس کے گھر میں آگ لگانا۔۔اس کے بابا کا قتل کروانا۔۔محب کے بابا کا قتل کروانا !!! یہ سب یاد کر کے اس کی آنکھیں لہو ٹپکانے لگیں۔

”محب رضا حسین کو۔“ دلاور شاہ کی بات کا سننا تھا کہ فیصل کو لگا کہ اس کا دل دھڑکنا بھول چکا تھا۔

دلاور شاہ کے گناہوں میں ایک اور گناہ کا اضافہ ہو چکا تھا۔اس نے اپنے ہاتھ میں موجود بندوق کو دیکھا اور دلاور شاہ کے اوپر نشانہ باندھا۔دلاور شاہ کے ہاتھ سے بندوق نیچے گر گئی۔

”شہزادے!! میں نے تمہیں پالا ہے۔تم مجھے نہیں مار سکتے۔“ اسے موت اپنے سر پر کھڑی نظر آرہی تھی۔فیصل نے اپنی آنکھیں بند کیں تو اس کے بابا اور محب کے چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے آگیا اور پھر اس پوری بلڈنگ نے گولیوں کی بوچھاڑ کی آواز سنی تھی۔

فیصل احمد اپنی بندوق کی ساری گولیاں دلاور شاہ کے سینے میں اتار چکا تھا۔دلاور شاہ کا بے جان جسم اب اس کی نگاہوں کے سامنے پڑا تھا۔

”انا للہ وانا الیہ راجعون“

ابھی خوشیاں منانے کا وقت نہیں تھا۔اس نے دلاور شاہ کا خاتمہ کر ڈالا تھا۔سالوں پہلے شروع ہونے والی داستان آج اختتام پذیر ہو چکی تھی۔مگر اپنے اختتام کے ساتھ بہت سے دکھ ان کے لیے چھوڑ گئی تھی۔بہت سے ایسے زخم جنہیں وقت بھی بھر نہیں پائے گا۔

وہ بھاگتا ہوا باہر کی جانب بڑھا۔باہر محب کا سر اسرا کی گود میں دیکھ کر وہ لڑکھڑا گیا۔اس کے کانوں میں اپنے ہی کہے گئے جملے گونجنے لگے۔

"میں اسے مار ڈالوں گا۔" فیصل کی آنکھوں سے آنسو نکلنا شروع ہو گئے۔اسے اپنی کوئی ناراضگی یاد نہیں رہی تھی۔۔۔یاد رہا تو اتنا کہ محب رضا حسین کا جسم اس کے سامنے نیم جان پڑا تھا۔

" اگر آئندہ وہ میرے سامنے آیا تو آپ یہ بات یاد رکھیے گا۔۔میں اپنے پسٹل کی ساری گولیاں اس کے سینے میں اتار ڈالوں گا۔" وہ اس محب کے سینے میں گولیاں اتارنے کی بات کر رہا تھا ؟؟ اسے اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہوا۔

"آپ کیوں چاہتی ہیں کہ میں اسے اپنی گولیوں سے چھلنی کر دوں؟" اس کا سانس سینے میں اٹک چکا تھا۔اسرا محب کو دیکھ کر روتے ہوئے کچھ کہہ رہی تھی۔

"کب معاف کر رہے ہو؟" اس نے روتے ہوئے اپنی آنکھیں میچ لیں۔

" جلدی معاف کر دینا۔یہ نہ ہو کہ ساری حسرتیں لے کر اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں۔" اس انسان کی ہر بات اسے یاد آرہی تھی۔وہ تو اس کی زندگی کے ہر موڑ پر اس کے ساتھ تھا۔چاہے اس

نے اپنے آپ کو عیاں کیا تھا یا نہیں !!! مگر یہ بات سچ تھی کہ محب رضا حسین، فیصل احمد کے ساتھ پہلے دن سے تھا۔اس کی غلطیوں کا احساس دلاتے ہوئے۔۔اسے برائیوں کے راستے سے نکالتے ہوئے۔۔۔محب نے ہر پل اس کا ساتھ دیا تھا۔

" میں مشکل وقت میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔" اس نے فیصل سے کہا تھا کہ وہ اسے اکیلا نہیں چھوڑے گا اور اس وقت فیصل کا دل کر رہا تھا کہ وہ چیخ چیخ کر اس سے کہے کہ اب کیوں اکیلا چھوڑ گئے ہو ؟؟ اس کا دل کر رہا تھا کہ وہ اسے جگائے اور سینے سے لگا کر کہے فیصل احمد نے تمہیں معاف کر دیا۔فیصل تو کبھی تم سے ناراض ہو ہی نہیں پایا تھا۔اٹھ جاؤ۔۔۔محب!! اٹھ جاؤ!!

یکدم اسرا کی نظر فیصل پر پڑی۔اس نے محب کا سر آرام سے اپنی گود سے ہٹایا اور فیصل کا گریبان تھام لیا۔فیصل تو پہلے ہی صدمے بھری نظروں سے محب کے جسم کی طرف دیکھ رہا تھا۔اسرا کی سنہری آنکھیں آنسو بہانے کی وجہ سے لال ہو چکی تھیں۔

"آپ نے وعدہ کیا تھا کہ آپ کسی کو کچھ نہیں ہونے دیں گے۔پھر میرے محب کو گولی کیسے لگی؟" وہ دھاڑی تھی۔اس کی آواز پورے میدان میں گونج رہی تھی۔

"میں اسرا محب رضا آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ اگر محب رضا حسین کو کچھ ہوا تو میں کسی کو نہیں چھوڑوں گی۔" اس نے فیصل کا گریبان چھوڑا اور محب کی جانب بڑھ گئی۔

دروازے سے اندر آتے انسپیکٹر ہارون نے ایک نظر محب کی جانب ڈالی اور پھر فیصل کے ہاتھ میں موجود گن کو دیکھا۔ پھر اس نے اپنے پیچھے موجود آفیسر کو اشارہ کیا۔جس نے بھاگ کر فیصل کو ہتھکڑی لگا دی۔

حارث اور نعمان تو یہ دیکھ کر حیرت سے دنگ رہ گئے۔"تمہیں اس نوجوان پر حملہ کرنے کے جرم میں گرفتار کیا جاتا ہے۔" فیصل اپنے دفاع میں کچھ نہیں بولا تھا۔اس نے خاموشی سے اپنے ہاتھوں پر لگی ہتھکڑی کی جانب دیکھا۔

" آفیسر ! آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" حارث کے بولنے پر انسپیکٹر نے اپنا ہاتھ کھڑا کیا۔

"ہمیں کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی۔" پھر اس نے محب کے ناک کی پاس اپنا ہاتھ رکھا۔

اندر ارمان مختلف راہداریوں سے گزر رہا تھا۔اس کے راستے میں آتا پر انسان مر چکا تھا۔یکدم وہ ایک کمرے کی جانب بڑھا۔جہاں منال کرسی سے بندھی ہوئی تھی۔

اس کا رخ دوسری جانب تھا۔جبکہ منظور علی ایک سائیڈ پر کرسی ڈالے بیٹھا تھا۔ارمان نے ایک بھی پل کی تاخیر کیے بغیر اس کے اوپر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔وہ وہیں بے جان ہو کر گر پڑا۔

"منال ! شکر ہے تم مجھے مل گئی۔" وہ مسکراتے ہوئے اس کی جانب بڑھا۔مگر جیسے ہی منال کو دیکھا وہ وہیں گر پڑا۔خون میں لت پت منال دلہن کے روپ میں اس کے سامنے بے جان پڑی تھی۔

"منال!" اس کی چینخ گونج اٹھی۔وہ اس کے پاس گیا۔۔اس کے چہرے کو تھپکا۔

" منال! منال !!اٹھو پلیز۔۔۔اٹھ جاؤ۔منال ! ابھی تو میں نے تمہیں گجرے بھی پہنانے تھے۔" منال کا چہرہ ایک طرف کو ڈھلک گیا۔وہ اس کے پاس وہیں زمین پر بیٹھ گیا۔

سینے میں درد محسوس ہو رہا تھا۔آج ارمان کو سمجھ میں آیا تھا کہ پا کر کھونا کسے کہتے تھے؟ ابھی کل ہی تو ان کی شادی ہوئی تھی اور آج وہ اس دنیا سے رخصت ہو چکی تھی۔

اسے لگا تھا کہ اسے اس کی محبت آسانی سے مل گئی مگر وہ تو اسے پوری ہی زندگی کے روگ میں مبتلا کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر جا چکی تھی۔ارمان کے حواس مفلوج ہو چکے تھے۔اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اسے تقدیر نے کہاں لا کر کھڑا کر دیا تھا۔

اس نے اپنے کانپتے ہاتھوں سے منال کے رسی سے بندھے ہاتھ پیر کھولے۔اس کا گرے سوٹ خون سے داغدار ہو چکا تھا۔وہ اپنی منال کی حفاظت نہیں کر پایا !! اس نے تو حمید خان سے وعدہ کیا تھا۔مگر وہ اپنا وعدہ نہیں نبھا سکا۔

اس نے بے جان منال کو اپنے بازوؤں میں اٹھایا اور لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے باہر کی جانب بڑھ گیا۔راستے میں اسے دلاور شاہ کا بے جان جسم نظر آیا۔یقیناً فیصل اسے مار چکا تھا۔وہ دلاور شاہ کے چہرے پر تھوکتا باہر کی جانب بڑھ گیا۔

”اوہ گاڈ !! اس کی تو سانسیں چل رہی ہیں۔اسے ہاسپٹل لے کر چلو۔“ اس کی بات پر ان سب نے چونک کر محب کی جانب دیکھا۔

"چلیں۔۔۔انہیں ہاسپٹل لے کر چلتے ہیں۔" اسرا کے بے تابی سے کہنے پر حارث محب کی جانب بڑھا

۔

اسی لمحے انہیں ارمان اندر سے آتا دکھائی دیا۔اس کے چہرے پر شکستہ تاثرات چھائے ہوئے تھے۔وہ سب آنکھوں میں صدمہ لیے منال کے بے جان جسم کو دیکھ رہے تھے۔

ارمان کی آنکھوں سے لگاتار آنسو بہہ رہے تھے۔انسپیکٹر ہارون اندر دلاور شاہ اور اس کے آدمیوں کو ڈھونڈنے کے لیے آفیسرز بھیج چکا تھا۔اندر کچھ ہی آدمی موجود تھے۔باقیوں کو تو ارمان اور فیصل مار چکے تھے۔

"میں نے دلاور شاہ کا انکاؤنٹر کر دیا ہے۔" ارمان کی بات پر وہ سب چونکے۔پھر ارمان کی نظر فیصل کے ہتھکڑی لگے ہاتھوں پر پڑی۔

"اسے کیوں اریسٹ کیا ہے ؟"وہ ہارون سے بے تاثر لہجے میں استفسار کر رہا تھا۔منال ابھی بھی اس کے بازوؤں میں موجود تھی۔

”سر! اس نے اس نوجوان پر حملہ کیا ہے۔“ہارون نے محب کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ جس پر ارمان نے نفی میں سر ہلایا۔

”جی سر ! میں نے ہی محب رضا حسین پر قاتلانہ حملہ کیا ہے۔ مگر کیا آپ سب ان کے مرنے کا انتظار کر رہے ہیں ؟“ فیصل کے سرد لہجے میں کہنے پر وہ سب چونکے تھے۔وہ سارا الزام اپنے اوپر کیوں لے رہا تھا؟؟ اس کی بات پر ارمان خاموش رہ گیا۔جب وہ خود اعتراف کر رہا تھا تو کوئی دوسرا کیا کر سکتا تھا؟

اب ارمان۔۔نعمان اور حارث کی جانب متوجہ ہوا۔

”نعمان ! حارث ! محب کو ہسپتال لے کر جاؤ۔میں منال کو گھر لے کر جا رہا ہوں۔“ اس کا سینہ وزنی ہو رہا تھا۔دل سے خون رس رہا تھا۔

اس کی بات پر نعمان نے نفی میں سر ہلایا۔

”حارث بھائی! آپ ارمان بھائی کے ساتھ جائیں۔میں محب بھائی کو لے کر جاتا ہوں۔“ وہ یہ کہتے ہوئے محب کی جانب بڑھا۔جبکہ حارث۔۔ارمان کے ساتھ اس کی گاڑی کی سمت جا رہا تھا۔

اب محب کو نعمان نے تھام اٹھا رکھا تھا۔فیصل نم آنکھوں سے وہ منظر دیکھ رہا تھا۔اس نے اپنے لیے اس سزا کا انتخاب خود کیا تھا۔

اب انسپیکٹر ہارون اسے پولیس وین میں بٹھا کر پولیس اسٹیشن لے گیا۔

احمد ولا کے باسیوں نے اس دن ایک عجب منظر دیکھا تھا۔کل کی آئی دلہن آج اس دنیا سے رخصت ہو چکی تھی۔وہ جس کی کل بارات آئی تھی آج اس کی میت اٹھ رہی تھی۔

ہر طرف آہ و بکا کا سماں تھا اپنے کمرے میں موجود نہال کو جب باہر سے شور سنائی دیا تو وہ باہر کی طرف بھاگی۔باہر آ کر اس نے جو منظر دیکھا وہ اس کے پیروں تلے سے زمین نکال لینے کے لیے کافی تھا۔

سفید کفن میں موجود منال گھر کے آنگن میں بے سدھ پڑی تھی۔ارمان اس کی چارپائی کے پاس بیٹھا آنسو بہانے میں مصروف تھا۔حمید خان نے جیسے ہی یہ خبر سنی تھی۔وہ اپنے ہوش گنوا بیٹھے تھے۔اس

وقت وہ احمد ولا کے گیسٹ ہاؤس میں بے ہوش پڑے تھے۔ان کا تو سبھی کچھ ان کی بیٹی تھی۔جو آج انہیں اس دنیا میں اکیلا چھوڑ کر چلی گئی تھی۔

نہال صدمے کی کیفیت میں منال کی میت کے پاس آئی اور پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

ارد گرد محلے کی عورتیں، حمید خان کے رشتہ دار، ماں جی اور بابا جان موجود تھے۔ان سب کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

وہ نفی میں سر ہلاتی وہاں سے اپنے کمرے کی جانب بھاگی تھی۔اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ دروازہ بند کرتی وہ پلٹی تو قالین سے پاؤں اٹک گیا۔جس کی وجہ سے وہ منہ کے بل گر پڑی۔اب تو آنکھوں سے آنسو بھی بہنا شروع ہو چکے تھے۔

ندامت کا لمحہ قریب آ چکا تھا۔اس کے دل میں ڈر بھر گیا تھا۔اسے لگ رہا تھا کہ ہر کوئی اسے منال کا قاتل کہہ رہا تھا۔اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیا۔وہ دیوانوں کی طرح اپنا سر نفی میں ہلا رہی تھی۔سارے بال چہرے پر بکھر چکے تھے۔

”نہیں!!چپ کرو۔۔میں نے منال کو نہیں مارا۔وہ خود مری ہے۔میں نے اسے نہیں مارا۔“ وہ چلا رہی تھی۔مگر کوئی اس کی آواز نہیں سن رہا تھا۔اس نے اپنے آپ کو گہرے اندھیرے میں پایا۔جہاں کوئی بھی اس کی پکار سننے والا نہیں تھا۔اس کا دل پتے کی مانند لرز اٹھا۔

” اللہ! میں نے اسے نہیں مارا۔آپ جانتے ہیں نا۔۔میں نے اسے نہیں مارا۔مجھے معاف کر دیں۔میں اپنی محبت میں اندھی ہو چکی تھی۔غلط راستے پر چل پڑی تھی۔مجھے معاف کر دیں!! “ ہاتھ جوڑ کر وہ اللہ سے معافی مانگ رہی تھی۔آج اس کے دل میں ڈر بیٹھ چکا تھا۔اگر کل منال مر جاتی تو؟؟

اس نے نفی میں سر ہلایا۔نہیں!! وہ قاتل نہیں تھی۔۔

قیامت سر پہ جو ٹوٹے،مصیبت دل پہ جو آئے

حقیقت میں اسے ہم مرضیِ مولا سمجھتے ہیں

لگا دی تہمتِ بادہ کشی ان پر بھی واعظ نے

نصیرؔ ان کی نظر کو جو مئے و مینا سمجھتے ہیں

رک رک کر چلتی دھڑکن کے ساتھ اسرا اس وقت نعمان اور مسز رضا کے ساتھ آپریشن تھیٹر کے باہر ساکت بیٹھی تھی۔وہ جس وقت محب کو یہاں لائے تھے۔اس کی حالت بہت خراب تھی۔

ڈاکٹرز اس کے زندہ ہونے پر حیران تھے۔ان کے مطابق گولی دل کے بہت قریب لگی تھی۔اسرا کرسی پر سر جھکائے آنسو بہانے میں مصروف تھی کہ اندر سے ایک ڈاکٹر باہر نکلا۔

اسرا نے جھٹکے سے سر اٹھایا اور اس ڈاکٹر کی جانب لپکی۔

" ڈاکٹر ! میرے شوہر ٹھیک تو ہیں؟" اس کے نم لہجے سے پریشانی اور بے تابی جھلک رہی تھی۔مسز رضا بھی بے چینی سے ڈاکٹر کے بولنے کا انتظار کر رہی تھی۔

" دیکھیں ! آپ جس حالت میں ان کو یہاں لائے تھے۔وہ انتہائی تشویش ناک تھی۔ہم تو ان کی ول پاور پر حیران ہیں کہ ایسی حالت کے باوجود ان کے اندر جینے کی امید باقی ہے۔۔"اندر موجود سبھی ڈاکٹرز محب کی ول پاور دیکھ کر تعجب کا شکار تھے۔اکثر لوگ تو مرنے سے پہلے ہی اپنی ہمت چھوڑ دیتے تھے۔مگر وہ نوجوان موت کے منہ میں کھڑا ہو کر زندگی کے لیے لڑ رہا تھا۔"

"ڈاکٹر! میں نے پوچھا کہ وہ کیسے ہیں؟" اسرا نے ڈاکٹر کی بات کاٹی تو اس نے لمبا سانس بھرا۔

" اندر سرجنز اپنا کام کر رہے ہیں۔گولی دل کے انتہائی قریب لگی ہے۔ہم انہیں بچانے کی پوری کوشش کررہے ہیں۔آپ دعا کریں۔" ڈاکٹر یہ کہتا وہاں سے چلا گیا۔جبکہ اسرا ہاسپٹل کی سرد فضا میں کھڑی رہ گئی۔

" نہیں ! اس کے محترم کو کچھ نہیں ہوگا۔۔وہ اپنے اللہ جی سے دعا مانگے گی۔ہاں! اس کے اللہ اس سے محب کو نہیں چھینیں گے۔"

" میں پرئینگ ہال جا رہی ہوں۔" وہ نعمان اور مسز رضا سے کہتی ہال کی جانب بڑھ گئی۔ہاسپٹل کے مرمریں کاریڈور میں اس کی ہیل کی ٹک ٹک گونج رہی تھی۔سفید لباس پر جگہ جگہ داغ لگ چکے تھے

۔

اسے ہاسپٹل کی راہداری انتہائی سرد محسوس ہو رہی تھی۔اعصاب کو منجمند کر دینے والی !!! موسم میں تبدیلی آ رہی تھی۔اب فضا میں کافی خنکی تھی۔

" ایک چاند کو دیکھ رہا ہوں اور ایک چاند سے مخاطب ہوں۔"وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں چل رہی تھی۔

”اگر آپ نے ایک دفعہ اور میری زوجہ پر الزام لگایا تو میں بھول جاؤں گا کہ آپ کون ہیں۔“ ہال کے باہر وضو کرنے کا انتظام کیا گیا تھا۔اسے ارد گرد کا کوئی ہوش نہیں تھا۔دنیا اس کے لیے جامد ہو چکی تھی!!!

” زوجہ! خاموش ہو جائیں۔ورنہ میں بھی رو پڑوں گا۔“ وہ اب وضو کر رہی تھی۔وضو کے پانی کے ساتھ آنسوؤں کا پانی بھی شامل ہو چکا تھا۔

”کیوں تنگ کرتی ہیں مجھے ؟“ تنگ تو وہ کر رہا تھا۔صبح سے سب کو سولی پر لٹکا رکھا تھا۔دل تھا کہ عجیب طرح سے دھڑک رہا تھا۔اب وہ کانوں کے اطراف سے نکلتی بالوں کی گیلی لٹوں کو سائیڈ پر کر کے بے جان ہاتھوں سے حجاب کر رہی تھی۔

”آپ تھوڑی دیر مجھ سے بات نہ کریں تو مجھے ایسا لگتا ہے کہ اس دنیا میں مجھ سے بات کرنے والا کوئی نہیں ہے۔کیوں تڑپاتی ہیں مجھے ؟“ کوئی انسان اتنے کم وقت میں اس قدر عزیز کیسے ہو سکتا تھا ؟؟

اب وہ خود آپریشن تھیٹر میں خاموش پڑا تھا۔مگر اسرا کا دل چیخ رہا تھا کہ مان لو تم اپنے محترم کے بغیر نہیں رہ سکتی!!!

" محترمہ! میں اپنی زوجہ کے ساتھ ہوں۔کوئی کچھ بول کر تو دکھائے۔" اس کے کہے جملے اسرا کے کانوں میں گونج رہے تھے۔اب وہ اندر ہال کی جانب بڑھ رہی تھی۔

ہال اس وقت خالی پڑا تھا۔سرخ قالین پر ننگے پاؤں چلتی اسرا اس وقت اپنے آپ کو بے بس محسوس کر رہی تھی۔

" آپ شیمپو کون سا یوز کرتی ہیں ؟ بہت اچھی خوشبو ہے۔"

" یہ اصلی ہیں نا ؟" وہ آہستہ آہستہ چلتی ایک کونے میں بیٹھ گئی۔

" زوجہ ! آپ یہاں اپنے اتنے لمبے بالوں کو سلجھانے میں ہلکان ہوں اور یہ محب رضا حسین ایسے ہی کھڑا دیکھتا رہے تو پھر اس پر لعنت ہے۔" اسرا نے اب اپنے سر کو جھٹکا اور نماز کی نیت باندھ لی۔

نماز پڑھنے کے بعد اس نے دعا کے لیے اپنے ہاتھ اٹھائے۔آنکھوں کے آگے چھائی دھند نے سامنے کا منظر دیکھنے میں رکاوٹ پیدا کر دی۔

" اللہ جی ! محب کو ٹھیک کر دیں۔صرف آپ ہی ان کو ٹھیک کر سکتے ہیں۔پلیز! انہیں ٹھیک کر دیں۔" وہ بے تحاشہ رو رہی تھی۔

"اللہ جی! مجھے پتہ ہے آپ انہیں مجھ سے نہیں چھینیں گے۔ہمیں تو ابھی ساتھ میں زندگی گزارنی ہے نا!! آپ نے ہمیں ملوایا پھر آپ انہیں مجھ سے کیسے جدا کر سکتے ہیں؟ پلیز ! انہیں ٹھیک کر دیں۔مجھے پورا یقین ہے کہ انہیں کچھ نہیں ہو گا۔آپ انہیں کچھ ہونے ہی نہیں دیں گے۔" اس نے تقدیر کے ہر فیصلے پر سرنگوں کیا تھا۔اللہ نے جس موڑ پر لا کر کھڑا کیا تھا اس نے وہیں سے اپنے قدم بڑھانے شروع کر دیے۔

" اللہ جی ! میں ان کو کھونا کیسے برداشت کروں گی؟ اللہ جی ! دیکھیں میرے دل میں درد ہو رہا ہے۔۔۔مجھے ان کی عادت ہو گئی ہے۔پلیز ! انہیں مجھ سے مت چھینیے۔" وہ اللہ کے حضور ہاتھ باندھے رو رہی تھی۔گڑگڑا رہی تھی۔

"اے اہل ایمان ! مدد حاصل کرو صبر سے اور نماز سے۔بے شک اللہ صابرین کے ساتھ ہے۔" یکدم وہ ساکت رہ گئی۔اس نے گردن موڑ کے پیچھے دیکھا تو ایک بوڑھی خاتون کو اپنے آپ کو دیکھتا پایا

۔سفید لباس میں ملبوس اس خاتون کا چہرہ پر نور تھا۔وہ اسرا کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔اب اسرا تعجب بھری نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔وہ یہاں کب آئی تھیں؟؟

" جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائے اسے کبھی مردہ نہ کہنا۔۔وہ زندہ ہے لیکن تمہیں ان کا شعور نہیں ہے۔" اسرا کو اپنے دل کی دھڑکن کی آواز کانوں تک سنائی دے رہی تھی۔وہ خاتون اسے قران پاک کی آیات کا ترجمہ سنا رہی تھیں۔

" اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے۔۔۔خوف سے ، بھوک سے ، جان ، مال اور پھلوں کے نقصان سے ۔" اسرا سانس روکے ان کی شیریں آواز سن رہی تھی۔

" اور اے نبی ! بشارت دیجیے صبر کرنے والوں کو کہ جب ان پر کوئی تکلیف آئے۔۔۔" انہوں نے ایک لمحے کا توقف لے کر اسرا کے فق ہوتے چہرے کی جانب دیکھا۔

" وہ یہ کہیں کہ

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہم اللہ کے ہی ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔" اسرا کا دل ڈوب کر ابھرا۔وہ یہ کیسے بھول گئی۔وہ تو صبر کرنے والوں میں سے تھی۔

"کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کے یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔۔۔چھوڑ دیے جائیں گے ؟؟ اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی۔"

ہاں یہ اس کی آزمائش ہی تو تھی۔اسے اس آزمائش پر پورا اترنا تھا۔اسے اللہ پر یقین رکھنا تھا۔وہ سب ٹھیک کر دے گا۔اس کے دل میں امید نئے سرے سے پیدا ہونی شروع ہو گئی۔

"یہاں تمہارا کون ہے ؟" خاتون کی جگمگاتی آنکھیں اسرا کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔اسرا ان کا چہرہ دیکھے گئی۔۔کتنا پر سکون ، پر نور سا چہرہ تھا!! "شوہر۔" اس نے یک لفظی جواب دیا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

" اللہ پر بھروسہ نہیں ہے۔" ان کے چہرے پر مدھم مسکراہٹ چھائی ہوئی تھی۔اسرا گردن موڑ کر ان کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"ہے۔" اسرا کے پر یقین لہجے پر وہ مسکرا اٹھیں۔

"پھر پریشان کیوں ہو؟"

" دل گھبراتا ہے۔"اسرا کا لہجہ مدھم تھا۔اس کی بات پر انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"دل کو قابو مت کرو۔دل پر صرف اللہ کا اختیار ہے۔تم صرف دعا کرو بیٹا! " ان کے الفاظ اسرا کے دل میں سکون پیدا کر رہے تھے۔

" آپ کون ہیں؟ " اسرا نے الجھی الجھی نظروں سے انہیں دیکھا۔

" مسافر ہوں۔۔۔کبھی کبھار یہاں آ جاتی ہوں۔" اس کے مسکرا کر کہنے پر اسرا نے تعجب سے ان کی جانب دیکھا۔

" مگر میں نے تو آپ کو یہاں کبھی نہیں دیکھا۔۔۔۔"

" اسرا !! اسرا ! " اسی لمحے نعمان بھاگتا ہوا دائیں جانب کے دروازے سے اندر داخل ہوا۔خواتین والے حصے میں مردوں کا داخلہ ممنوع تھا۔مگر خبر کچھ ایسی تھی کہ نعمان کو کچھ یاد ہی نہیں رہا تھا۔

اسرا نے گردن موڑ کر دروازے کی جانب دیکھا۔

"اسرا ! محب بھائی کا آپریشن سکسیس فل ہو گیا ہے۔" نعمان کے مسکرا کر بولنے پر اسرا نے اوپر کی جانب دیکھا اور نم آنکھوں سے مسکرا دی۔

" یا اللہ ! تیرا شکر ہے۔" پھر اس نے بائیں جانب دیکھا تو وہاں کوئی نہیں تھا۔اس پر سکتہ طاری ہو گیا

۔

"کیا ہوا اسرا؟" اس کو ساکن دیکھ کر نعمان نے سوال کیا۔

"یہاں۔۔یہاں ایک عورت تھی۔" اس کے بولنے پر نعمان نے نفی میں سر ہلایا۔

" اسرا! یہاں کوئی نہیں تھا۔چلیں؟" اسرا اس جگہ کو دیکھتی کھڑی ہو گئی۔جہاں کچھ دیر پہلے وہ عورت موجود تھی۔اس نے اپنا سر جھٹکا اور نعمان کے ساتھ چل دی۔

۔۔۔۔۔۔

تیری مشکل نہ بڑھاؤں گا چلا جاؤں گا

اشک آنکھوں میں چھپاؤں گا چلا جاؤں گا

اپنی دہلیز پہ کچھ دیر پڑا رہنے دے

جیسے ہی ہوش میں آؤں گا چلا جاؤں گا

وہ بھاگتی ہوئی آپریشن تھیٹر کے باہر پہنچی اور مسز رضا کو گلے سے لگا لیا۔اس کی آنکھوں میں شکر کے آنسو بہہ رہے تھے۔مسز رضا مسکراتے ہوئے اس کا سر تھپک رہی تھی۔

" بیٹا ! اللہ نے ہماری دعائیں سن لیں۔" اسرا ان کے گلے سے لگ کر ہچکیوں سے رو رہی تھی۔اسے لگ رہا تھا کہ محب کی بجائے اسے نئی زندگی سے نواز دیا گیا تھا۔جس کے لیے وہ جتنا بھی شکر ادا کرتی کم تھا۔

پھر وہ پیچھے ہٹی اور دروازے سے جھانک کر اندر دیکھا مشینوں میں لپٹا محب رضا حسین بے ہوش پڑا تھا۔

"ڈاکٹرز نے کہا ہے کہ انہیں کچھ دیر تک روم میں شفٹ کر دیا جائے گا۔" نعمان کے کہنے پر اسرا نے اپنے آنسو صاف کیے اور نعمان کی جانب دیکھا۔جو اس کے ساتھ سر جھکائے کھڑا تھا۔اب مسز رضا پیچھے کرسی پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

" انہیں ہوش کب آئے گا ؟" اسرا نے بے تابی سے پوچھا تو نعمان ہلکا سا مسکرایا۔

”اگلے 24 گھنٹوں کے اندر اندر آجائے گا۔ان شاءاللہ !!“ اسرا نے اثبات میں سر ہلایا۔

”ان شاءاللہ!“ سہ پہر ہو چکی تھی۔انہوں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا۔

”پانچ بجے بھابھی کا جنازہ ہے۔“ نعمان کے مدھم لہجے سے کہنے پر اسرا چونکی۔وہ تو بھول ہی چکی تھی ۔پانچ بجنے میں کچھ ہی وقت باقی تھا۔اس نے ایک نظر اندر مشینوں میں جکڑے محب کی جانب دیکھا اور پھر مسز رضا کی جانب دیکھا۔وہ ان کی جانب قدم بڑھا رہی تھی۔

” آنٹی ! منال کا جنازہ ہے۔کیا میں تھوڑی دیر کے لیے چلی جاؤں ؟“ جنازے کے بعد فوراً آ جاؤں گی۔اسرا کے سر جھکا کر کہنے پر مسز رضا نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

” جاؤ بیٹا ! میں یہی ہوں۔“ اسرا کا دل محب کو چھوڑ جانے پر مطمئن نہیں تھا۔مگر وہ منال کے جنازے پر جانا چاہتی تھی۔دلاور شاہ مرتے مرتے ان کا بہت بڑا نقصان کر کے گیا تھا۔

پھر اسرا اور نعمان احمد ولا کی جانب بڑھ گئے جہاں منال کی میت پڑی تھی۔حمید خان کو ہوش آ چکا تھا۔مگر وہ گم صم سے ایک سائیڈ پر بیٹھے تھے۔اسرا کا دل کٹ کر رہ گیا۔نہال بھی ایک جانب بیٹھی رو رہی تھی۔

ارمان نے مفلوج ہوئے حواسوں کے ساتھ منال کی میت کو کاندھا دیا۔ ہر انسان منال کی مغفرت کی دعا مانگ رہا تھا۔ سب لوگوں کے چلے جانے کے بعد ارمان اور نعمان قبر کے پاس کھڑے تھے۔ اسرا احمد ولا میں نعمان کا انتظار کر رہی تھی۔

"بھائی ! چلیں؟" نعمان کے پوچھنے پر ارمان نے تھکے سے انداز میں نفی میں سر ہلایا۔

"تم جاؤ۔ مجھے کچھ دیر یہیں رہنا ہے۔" نعمان کوئی دوسرا سوال کیے بغیر وہاں سے چلا گیا۔ ڈوبتا ہوا سورج، کھنک ہوا، درخت کے پتوں کی سرسراہٹ۔۔۔ ارمان کو ان میں سے کچھ بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ وہ منال کی قبر کے پاس پاؤں کے بل بیٹھا تھا۔

"تم نے مجھے گجرے لا کر دینے تھے۔" منال کی قبر سرخ پھولوں کی پتیاں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ ارمان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ کوئی اتنی جلدی چھوڑ کر جاتا ہے؟

اس نے نیچے پڑے خاکی لفافے میں سے کچھ نکالا اور منال کی قبر پر رکھ دیا۔ وہ سرخ پھولوں والے گجرے تھے۔ اسے اپنا آپ بہت بد نصیب محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے محبت کی ، محبت پائی مگر وہ اپنی محبت کی حفاظت نہ کر پایا۔

اسے اپنے ایس۔پی ہونے پر بڑا ناز تھا۔مگر وہ ایس۔پی ارمان احمد اپنی منال ارمان احمد کی حفاظت نہیں کر پایا۔اس نے سمجھا تھا کہ دلاور شاہ جیل میں تھا تو اب کوئی انہیں نقصان کیوں پہنچائے گا ؟ مگر اسے کیا معلوم تھا کہ تقدروں کو پلٹنے والی ذات کچھ بھی کر سکتی تھی۔

”منال ! یار ایسا تو نہیں کرنا تھا۔تمہیں نہیں پتہ تھا کہ تمہارا ارمان تمہارے بغیر نہیں رہ پائے گا۔“ وہ تو ایک عام سا انسان تھا۔ایک روایتی انسان !!! جس نے کبھی چیزوں کی گہرائی میں جانے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔

اس کی سوچ ہمیشہ سطحی رہی تھی۔وہ تو عام سا نوجوان تھا۔اس کے پاس نہ ہی فیصل احمد جیسی ذہانت تھی اور نہ ہی محب رضا حسین والا حوصلہ!!

”کہاں سے لاؤں اتنا صبر ؟؟ اتنا حوصلہ !! ہم نے تو ساتھ جینا تھا نا پھر تم مجھے دنیا میں اکیلا چھوڑ کر کیوں چلی گئی؟ کیوں چلی گئی؟ “ اس کا لہجہ انتہائی مدھم تھا۔تھکا ہوا۔۔

” اب میں تمہارے بغیر کیسے جیوں گا ؟ کوئی طریقہ تو بتا کر جاتی۔۔منال یار ! اٹھ جاؤ۔۔۔مجھے نیند سے جگاؤ اور کہو کہ یہ ایک ڈروانا خواب تھا۔“ اس نے لمبا سانس بھرتے ہوئے کہا۔

ڈوبتی ہوئی شام نے اس نوجوان کو اپنی مرحوم بیوی کی قبر کے پاس بیٹھا دیکھا تھا۔وہ بھی افسردگی سے مسکرائی تھی۔درختوں سے گرتے سوکھے پتے بھی ارمان کے دکھ میں روئے تھے۔ہوا کی سر سراہٹ بھی بین کرتی سنائی دے رہی تھی۔

اسرا جب واپس ہاسپٹل پہنچی تو محب کو روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔وہ ابھی بھی بے ہوش تھا۔اسرا نے نعمان اور مسز رضا کو گھر بھیج دیا تھا۔وہ اپنے محترم کی دیکھ بھال خود کر سکتی تھی۔نعمان گھر جانے کی بجائے کسی کو ایک خبر پہنچانے گیا تھا۔۔دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اسرا نے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئی۔کچھ عرصہ پہلے بھی وہ ایک ایسے ہی کمرے میں داخل ہوئی تھی ۔مگر تب دل کی حالت ایسی نہیں تھی۔اس دن اس کے سامنے ایک نامحرم تھا۔مگر آج اس کے سامنے اس کا شوہر بے ہوش پڑا تھا۔وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی محب کے پاس پہنچ گئی۔

اسرا کو آج اس کی بند سرمئی آنکھیں بالکل بھی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔خون بہنے کی وجہ سے اس کی رنگت زرد پڑ چکی تھی۔اسرا چند لمحوں کے لیے اس کے بے ہوش چہرے کو تکتی رہی۔پھر آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس نے محب کی پیشانی پر بکھرے سیاہ بالوں کو اپنے پوروں سے پیچھے کر دیا۔

اسرا کے چہرے پر مدھم مسکراہٹ سجی ہوئی تھی۔وہ کمرہ فلی فرنشڈ تھا۔جس کی ایک جانب صوفے موجود تھے۔جبکہ دوسری جانب دو کرسیاں پڑی تھیں۔اس نے صوفے پر بیٹھنے کی بجائے کرسی اٹھا کر محب کے دائیں جانب چہرے کے پاس رکھ دی۔اب وہ محب کو دیکھتی اس کرسی پر بیٹھ گئی۔

محب اس وقت ہاسپٹل کے نیلے لباس میں ملبوس تھا۔اسرا کی نظریں اس کے ہاتھ پر پڑیں۔سبز اور نیلی رگوں والا ہاتھ آج اسے بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔اسے محب آج اللہ کی نعمت محسوس ہو رہا تھا ۔اس نے آہستگی سے جھک کر محب کے ہاتھ کو اپنے گرفت میں لیا اور اس پر اپنے لب رکھ دیے۔ چند آنسو آنکھوں سے ڈھلک کر رخسار پر بہہ نکلے۔

” اگر آج آپ کو کچھ ہو جاتا تو اسرا محب رضا حسین زندہ نہیں رہتی محترم ! “ اس نے محب کے ہاتھ پر اپنا چہرہ رکھ دیا۔اس انسان سے اس کے دل کا عجب رشتہ بن چکا تھا۔

جب محب اسے اپنی آنکھوں کے سامنے گرتا نظر آیا تھا تب اسے لگا کہ اسے محب کی عادت ہو چکی تھی۔ مگر اب اسے اس سرمئی آنکھوں والے اپنے محترم سے عقیدت محسوس ہو رہی تھی۔

اس کے ہاتھ پر اسرا سر رکھ کر کب نیند کی وادیوں میں گم ہو گئی اسے پتہ ہی نہ چلا۔

رات کے کسی پہر محب کو اپنا دماغ جاگتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ چند لمحے بند آنکھوں کے ساتھ پڑا رہا۔ اسے اپنے سیدھے ہاتھ پر کسی چیز کا وزن محسوس ہو رہا تھا۔ جبکہ سینے میں درد اٹھ رہا تھا۔

اس نے بہت کوششوں کے بعد اپنی آنکھیں کھولیں تو مدھم روشنی نے اس کا استقبال کیا۔

اس نے دائیں جانب دیکھا تو اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔ اس کی محترمہ اس کے ہاتھ پر سر دھرے ارد گرد سے بے نیاز سونے میں مصروف تھیں۔ ڈوپٹہ سر سے سرک چکا تھا۔ بالوں کی چند لٹیں اس کے روشن چہرے پر ڈھلک رہی تھی۔

محب حرکت نہیں کر پا رہا تھا۔ ورنہ وہ اپنے ہاتھ سے ان گستاخ لٹوں کو پیچھے کرتا۔ وہ اس کے چہرے کو مدھم مسکراہٹ لیے تک رہا تھا۔ یہ وہ چہرہ تھا جس کی خاطر اس کے دل نے جینے کی خواہش کی تھی۔

جس کے لیے اس کا دل تڑپا تھا۔

محب کی نظروں کی تپش اس قدر تھی کہ اسرا نیند میں کسمسائی۔اسے اپنے اوپر کسی کی نظروں کا مظبوط ارتکاز محسوس ہو رہا تھا۔اس نے آہستگی سے اپنی آنکھیں کھولیں تو محب کو اپنے آپ کو تکتا پایا۔

وہ چند لمحے آنکھوں میں تحیر لیے اسے تکتی رہی۔اس کا سر ابھی بھی محب کے ہاتھ پر موجود تھا۔

محب کی نگاہیں بول رہی تھیں۔

اسرا حواسوں میں لوٹی تو جھٹکے سے پیچھے ہٹی اور دوپٹہ سر پر جمایا۔محب اسے ویسے ہی تک رہا تھا۔

ساکن !!! جامد !!!

جیسے اپنی آنکھوں میں بسا لینا چاہتا ہو۔چند لمحے خاموشی کی نذر ہو گئے۔اسرا کو سمجھ نہیں آئی وہ کیا بولے۔وہ محب کی نظروں سے حد درجہ نروس ہو چکی تھی۔

یکدم اسے محب کے گرنے کا منظر یاد آیا تو اس نے اپنے ابرو سکیڑ کر اس کی جانب دیکھا جو آنکھوں میں نرمی ، محبت، عقیدت، تشکر لیے اسے تک رہا تھا۔

اگر اس سے پوچھا جاتا کہ اس کے لیے اللہ کا سب سے بڑا انعام کیا ہے ؟ تو وہ بلا جھجک اسرا محب رضا حسین کا نام لیتا۔

"آپ نے اپنے آپ کو گولی کیوں لگنے دی ؟" اب وہ اس کی نظروں کو نظر انداز کیے تیکھے لہجے میں اس سے استفسار کر رہی تھی۔محب دلچسپی سے اس کا یہ انداز دیکھ رہا تھا۔

"آپ کو معلوم نہیں تھا کہ آپ کے کوئی رشتے بھی اس دنیا میں موجود ہیں۔آپ کو تھوڑا سا بھی خیال ہے کہ میں۔۔۔" اس نے اپنی زبان دانت تلے دبائی۔اس کی حرکت پر محب کی مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی۔

" میرا مطلب ہے کہ ہم سب کتنا پریشان ہو گئے تھے۔ہمارا سانس سینے میں اٹک گیا تھا۔ایسا لگ رہا تھا کہ ابھی روح نکل جائے گی۔مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ میں مر جاؤں گی۔۔۔" اعتراف کر دیا گیا تھا ۔مگر اس جملے پر محب کی مسکراہٹ تھمی تھی۔

" محترمہ! آپ نے آج مرنے کی بات کر لی۔آئندہ مت کیجئے گا۔"اس کا لہجہ یکدم سے بے تاثر ہو گیا تھا۔اسرا کی آنکھوں میں نمی چھا گئی۔

” اور آپ جو مجھے چھوڑ کے جا رہے تھے !!! ہر وقت زوجہ !! زوجہ !!محترمہ !! محترمہ !!! کرتے رہتے ہیں۔مگر اس وقت اپنی محترمہ کا تھوڑا سا بھی خیال نہیں آیا تھا جو جھٹ سے گولی کے آگے کھڑے ہو گئے۔“ وہ نم لہجے میں شکوہ کر رہی تھی۔محب کے چہرے پر پھر سے مسکراہٹ پھیل گئی۔اسے اپنے بے ہوش ہونے سے پہلے اس کا کیا گیا ہر اعتراف یاد تھا۔وہ بنا حرکت کیے اسرا کے چہرے پر ابھرتے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

”نہیں ! اپ نے اپنے آپ کو سمجھ کیا رکھا ہے ؟؟ آپ کوئی آئرن مین ہیں !! جو گولی آپ کا کچھ بگاڑ نہیں پائے گی!! “ اسرا تو سارے حساب بے باق کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

” ارے زوجہ ! “ وہ کھسیانہ سا بولا تو اسرا نے اسے سخت نظروں سے گھورا۔

”کیا زوجہ ؟ آپ خاموش رہیں۔۔نہیں بتائیں آپ آئرن مین ہیں یا سپر مین ؟؟ “ اسرا کے طنزیہ انداز میں کہنے پر محب کا قہقہہ گونجا۔مگر ساتھ ہی سینے میں درد اٹھا۔جسے وہ ضبط کر گیا۔اسرا اس کے قہقہہ لگانے پر صدمے بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

”ایسے مت ہنسیں۔درد ہو گا۔“ وہ محب کی آنکھوں میں ابھرنے والے درد کو دیکھ چکی تھی۔

”محترمہ ! میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ آپ کو کارٹونز اتنے پسند ہیں!!! “ اس کے مسکراہٹ دبا کر بولنے

پر اسرا کا منہ کھلا رہ گیا۔

”آپ کو میری پرواہ نہیں ہے! “ اسرا کے شکوہ کرنے پر محب نے بے یقین نظروں سے اسے دیکھا۔

”زوجہ ! محب رضا حسین کی ساری پرواہ آپ کے لیے ہے۔“

”پھر آپ نے ایک دفعہ بھی یہ نہیں سوچا کہ اسرا محب رضا حسین کا کیا ہو گا !! “محب مسکرا اٹھا۔

” زوجہ لگتا ہے آپ مجھے خوشی سے بے ہوش کروانا چاہتی ہیں۔“ محب کی بات پر اسرا خاموش رہ

گئی۔

”منال ؟؟؟ “ محب کے پوچھنے پر اسرا نے سر جھکا لیا۔

”محترم! منال اب اس دنیا میں نہیں رہی۔“اس کے مدھم لہجے میں بولنے پر محب ساکت رہ گیا۔

”میں ڈاکٹر کو بتا کر آتی ہوں کہ آپ کو ہوش آ گیا ہے۔“ اسرا اس کو چھوڑتی باہر نکل گئی۔

کہا تھا کس نے کہ عہد وفا کرو اس سے

جو یوں کیا ہے تو کیوں گلا کرو اس سے

نصیب پھر کوئی تقریب قرب ہو کے نہ ہو

جو دل میں ہوں وہی باتیں کہا کرو اس سے

”فضہ بات سنو۔“فضہ لاؤنج میں کنزیٰ اور باقی گھر والوں کے ساتھ بیٹھی تھی کہ نہال نے اسے بلایا۔

فضہ اسے الجھن بھری نظروں سے دیکھتی کھڑی ہو گئی۔اسے نہال بہت بری لگا کرتی تھی۔

”جی!! “ نہال اس کا ہاتھ پکڑتی کچن میں لے گئی اور ایک ٹرے اسے تھما دیا۔جس میں چائے اور ٹیبلٹ رکھی ہوئی تھی۔

”یہ نعمان کے کمرے میں لے جاؤ۔“نہال کے کہنے پر فضہ کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔

” جی؟؟“ اس کے تعجب سے پوچھنے پر نہال نے تاسف سے سر ہلایا۔فضہ نے ایک نظر نہال کے سراپے پر ڈالی۔وہ صبح سے سارے گھر کو سنبھال رہی تھی۔آنکھیں رونے کی وجہ سے سرخ ہو چکی تھیں۔وہ کہیں سے بھی کل والی نہال نہیں لگ رہی تھی۔وہ کسی کا بھی سامنا نہیں کر پا رہی تھی۔

”تم اس کے نکاح میں ہو۔اس کے کمرے میں جا سکتی ہو۔سیڑھیاں چڑھ کر لیفٹ سائیڈ پر پہلا کمرا اسی کا ہے۔شاباش !! جاؤ۔“ اسے ہدایات دے کر وہ چولہے پر تیار ہوتی چائے دیکھنے لگی۔

متذبذب سی فضہ ٹرے ہاتھ میں تھامے سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر وہ اب نعمان کے کمرے کے باہر کھڑی تھی۔اس نے لمبا سانس بھرا اور دروازہ ناک کیا۔

مگر اندر سے کوئی آواز سنائی نہیں دی۔اس سے پہلے وہ پیچھے کی جانب قدم بڑھاتی اندر سے یس کی آواز سنائی دی۔وہ تو چاہتی تھی کہ نعمان دروازہ نہ کھولے اور اسے اندر نہ جانا پڑے مگر اب۔۔۔!!

اس نے ہمت جمع کرتے ہوئے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا۔دروازہ خود بخود کھلتا چلا گیا۔اندر کمرے میں روشنی تھی۔نعمان صوفے پر بیٹھا تھا۔اسے دیکھ کر چونکا۔

فضہ بھی نعمان کی حالت دیکھ کر تعجب کا شکار ہوئی تھی۔اس کی آنکھیں رونے کی چغلی کھا رہی تھیں۔وہ جو باہر سب کو تسلیاں دے رہا تھا۔اندر سب سے چھپ کر اپنا دل ہلکا کرنا چاہتا تھا۔

”آجائیں فضہ!!“ اسے ایک ہی جگہ پر جامد دیکھ کر نعمان تھکے سے انداز میں بولا۔فضہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے آگے آئی اور ٹرے اس کے سامنے میز پر رکھ دیا۔

"آپ ٹھیک ہیں ؟" اس کے سوال پر نعمان ہلکا سا مسکرایا۔

"کیا آپ کچھ دیر میرے پاس بیٹھیں گی ؟ " اس کے مدھم لہجے میں پوچھنے پر فضہ جھجکتے ہوئے اس کے پاس صوفے پر بیٹھ گئی۔

نعمان چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا اور پھر یکدم اپنا سر اس کے کندھے سے ٹکا کر رو پڑا۔فضہ بوکھلا کر رہ گئی۔وہ نوجوان اس کے کندھے پر سر رکھے ہچکیوں سے رو رہا تھا۔

"آپ کو پتہ ہے سب کہہ رہے تھے کہ میں بہت بہادر ہوں۔"اسے اس وقت صرف ایک سامع چاہیے تھا اور محرم سے بہتر سامع کون ہو سکتا تھا؟؟

" مگر فضہ! میں بہادر نہیں ہوں۔نعمان بالکل بھی بہادر نہیں ہے۔" اس کے آنسو فضہ کے کندھے پر گر رہے تھے۔وہ خاموشی سے نعمان کو سن رہی تھی۔

" جب محب بھائی کو گولی لگی تو میرا دل کانپا تھا۔جب بھابھی کی وفات ہوئی۔تب مجھے بہت رونا آیا تھا ۔" وہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا رہا تھا۔ارمان تو پہلے ہی صدمے کے زیرِ اثر تھا۔نعمان یہ ساری باتیں اس سے نہیں کر سکتا تھا۔

"جب میں نے بھائی کو بھابھی کے لیے روتا دیکھا تو یہاں درد ہوا تھا۔"اس نے فضہ کا ہاتھ اپنے دل کے مقام پر رکھا جو ابھی بھی بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

" میں نے بہت دعائیں کی تھیں کہ منال بھابھی کو کچھ نہ ہو مگر ہماری دعائیں آخر کیوں رد کر دی جاتی ہیں ؟ کیوں انہیں سنا نہیں جاتا ؟" اس کے شکوہ کرنے پر فضہ نے نفی میں سر ہلایا۔وہ اتنے دن اسرا کے ساتھ رہی تھی۔اس نے اسرا سے کچھ نہ کچھ تو ضرور سیکھا تھا۔

"نعمان ! ہماری دعاؤں کو کبھی رد نہیں کیا جاتا۔جو ہمارے حق میں بہتر ہوتی ہیں۔انہیں قبول کر لیا جاتا ہے اور جو قبول نہیں ہوتیں۔۔" اس نے ایک لمحے کا توقف لیا۔

"انہیں آخرت کے لیے سنبھال کر رکھا جاتا ہے۔ہمیں ان کا اجر قیامت کے دن دیا جائے گا۔" اس کی بات پر نعمان نے لمبا سانس بھرا۔

" مگر رشتوں کو کھونا بہت مشکل ہے۔ارمان بھائی اپنے آپ کو کیسے سنبھالیں گے ؟" وہ پیچھے ہٹ چکا تھا۔

" انہیں صبر کرنا پڑے گا۔۔۔"

"مگر اللہ نے بھابھی کو ان سے کیوں چھین لیا؟" اس کے سوال پر فضہ ہلکا سا مسکرائی۔

" ہر کام میں اللہ کے مصلحت ہوتی ہے۔شاید منال بھابھی کی موت کے پیچھے بھی بہت سے ایسے مقاصد چھپے ہوں۔جو ہمیں نظر نہ آرہے ہوں۔" اس کی بات پر نعمان سوچ میں پڑ گیا۔ان سب نے گھر والوں کو یہ بتایا تھا کہ راستے میں کچھ ڈاکوؤں نے ان پر حملہ کر ڈالا۔جس کے نتیجے میں محب زخمی ہو گیا اور منال موت کے منہ میں چلی گئی۔

"کون سے مقاصد ؟" وہ تعجب سے بولا۔

"یہ تو آپ کو خود تلاش کرنے پڑیں گے۔۔"

مگر بھابھی کا کیا قصور تھا ؟" وہ بے بسی سے بولا۔

" جانے والوں کا کوئی قصور نہیں ہوتا۔۔۔سارا قصور ہی پیچھے چھوڑے گئے لوگوں کا ہوتا ہے۔خیر !! آپ کی چائے ٹھنڈی ہو گئی ہے۔میں دوبارہ بنوا کر بھیجتی ہوں۔" فضا کے کھڑے ہو کر بولنے پر نعمان نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں ! پہلے سر میں درد تھا۔ مگر اب نہیں ہے۔ آپ کا بہت بہت شکریہ !! " نعمان کی بات پر وہ مسکراتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

اس وقت احمد ولا کے گیسٹ روم میں دو انسان بالکل خاموش بیٹھے تھے۔ایک نے اپنی محبوب بیوی کو کھویا تھا تو دوسرے نے اپنی کلوتی بیٹی کو۔۔۔

"آئی ایم سوری انکل !! میں منال کی حفاظت نہیں کر پایا۔" اس کے لہجے کی نمی حمید خان کو محسوس ہو رہی تھی۔حمید خان بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔جبکہ ارمان بیڈ کی پائنتی والی سائیڈ پر بیٹھا تھا۔حمید خان نے اپنی آنکھیں موندی ہوئی تھیں۔جبکہ ارمان سر جھکائے اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو گھور رہا تھا۔

"تمہاری غلطی نہیں ہے ارمان ! یہ سب ایسے ہی ہونا تھا۔منال کی موت ایسے ہی لکھی گئی تھی۔" چند لمحوں بعد حمید خان کی غم میں ڈوبی آواز کمرے کی فضا میں گونج اٹھی۔

”غلطی ہماری بھی ہے انکل ! ہم لوگوں نے اپنے آپ کو بہت بڑی چیز سمجھ لیا تھا۔ہمیں لگا تھا کہ یہ سب کچھ بہت آسان ہے۔“ اس نے لمبا سانس بھرتے ہوئے ایک لمحے کا توقف لیا۔

”ہم سب کو ہماری غفلت ، ہماری جلد بازی کی سزا ملی ہے۔ہمیں آپ کو بتانا چاہیے تھا۔ہمیں اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے تھا۔مگر ہم نے ایسا نہیں کیا۔“ اس کا لہجہ بوجھل تھا۔وہ منال کی موت کو قبول کر رہا تھا۔اسے اللہ کی مصلحت سمجھ آ رہی تھی

”مجھے بھی اپنی بیٹی سے ایسے غفلت نہیں برتنی چاہیے تھی۔خیر!! ہمیں منال کی موت کو قبول کرنا ہوگا۔ہمیں صبر کرنا پڑے گا۔“ ان کی بات پر ارمان نے اثبات میں سر ہلایا۔

”محب اور فیصل ؟؟“ چیف کے سوال پر ارمان کو بلڈنگ کے باہر کا منظر یاد آیا اور اس نے زور سے اپنی آنکھیں میچ لیں۔

” مجھے بچاتے بچاتے محب کو گولی لگ گئی اور فیصل نے سارا الزام اپنے سر پر لے لیا۔“ اس کی بات پر حمید خان نے جھٹ سے اپنی آنکھیں کھولیں اور سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

”فیصل نے یہ کیوں کیا؟“ ان کے سوال پر ارمان نے فکر مندی سے نفی میں سر ہلا دیا۔

”پتہ نہیں مگر اس نے پولیس کے سامنے یہ اعتراف کیا ہے کہ محب پر گولی اس نے چلائی ہے۔“

اس کی بات پر حمید خان کے چہرے پر تاسف چھا گیا۔

” اور ہارون نے میڈیا کے سامنے اپنا بیان بھی دے دیا ہے۔“

”محب کیسا ہے ؟“حمید خان نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

” اس کا آپریشن سکسیس فل ہو گیا ہے۔“ ان کی بات پر حمید خان نے اثبات میں سر ہلایا۔

” اب صرف محب ہی فیصل کو بچا سکتا ہے۔ خیر !! تم جاؤ۔۔۔ آرام کرو۔ ہم کل محب اور فیصل سے ملنے چلیں گے۔“ چیف کی بات پر ارمان لمبا سانس بھرتا کھڑا ہو گیا۔اب آرام بھی کہاں میسر تھا؟؟

ہجوم درد میں کیا مسکرایئے کہ یہاں

خزاں میں پھول کھلے بھی تو کون دیکھتا ہے؟

ملے بغیر جو مجھ سے بچھڑ گیا محسنؔ

وہ راستے میں رکے بھی تو کون دیکھتا ہے؟

ابھی ارمان اپنے کمرے میں آیا ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔اس نے دروازہ کھولا تو سامنے نہال کو کھڑا پایا۔وہ اس کے سامنے سر جھکائے کھڑی تھی۔کل والے واقعے کے بعد ان کی ایک دوسرے سے بات نہیں ہوئی تھی۔

ارمان دروازے سے ہٹ گیا تو وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اندر داخل ہو گئی۔ارمان ایک کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔جبکہ نہال اس کے سامنے متذبذب سی کھڑی تھی۔

”کیا دیکھنے آئی ہو ؟ “نہال اس کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

”مجھے معاف کر دو۔میں غلط راستے پر چل پڑی تھی پلیز !! مجھے معاف کر دو۔“ اس کی آواز سن کر ارمان نے کرسی پیچھے کی جانب گھسیٹی۔

”کھڑی ہو جاؤ۔“ ارمان کے بے تاثر لہجے پر وہ فوراً سے کھڑی ہو گئی۔اب ارمان جامد نظروں سے اسے تک رہا تھا۔

”کس چیز کی معافی مانگ رہی ہو نہال احمد؟“ اب کی بار اس کا لہجہ انتہائی سرد تھا۔

"منال کو ایسڈ دینے کے لیے معافی مانگ رہی ہو ؟" ارمان کے سوال پر نہال نے جھٹ سے اثبات میں سر ہلایا۔

"افسوس نہال ! تم نے بہت دیر کر دی۔ جس سے معافی مانگنی چاہیے تھی۔وہ تو اب اس دنیا میں نہیں رہی۔" وہ تھکے ہوئے لہجے میں بول رہا تھا۔

"تو تم معاف کر دو۔ دیکھو! مجھے احساس نہیں تھا کہ اس کے مرنے کے بعد یہ سب کچھ ہو گا۔" اس کی بات پر ارمان استہزائیہ انداز میں مسکرایا۔

" نہال احمد ! ذرا سوچو تم ایک قتل کرنے والی تھی۔ایک زندہ انسان سے اس کی سانسیں چھیننے والی تھی۔" نہال رو پڑی۔ یہی تصور تو اسے چین نہیں لینے دے رہا تھا۔

" میں بھٹک گئی تھی۔ زندگی میں تم بھی تو کبھی بھٹکے ہو گئے۔ پلیز !! منال کی خاطر مجھے معاف کر دو ۔"اب وہ ہاتھ باندھے اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"مجھ سے معافی مانگنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔تم نے دو انسانوں کے ساتھ برا کیا۔۔ایک سے معافی نہیں مانگ سکتی تو دوسرے سے مانگ لو۔شاید وہ تمہیں معاف کر دے۔" ارمان کی بات پر نہال نے نفی میں سر ہلایا۔

"وہ مجھے معاف نہیں کرے گی۔میں نے اس کے ساتھ بہت برا کیا ہے۔" اس کی بات پر ارمان ہلکا سا مسکرایا۔

" وہ اسرا محب رضا ہے۔نہال احمد!! وہ لوگوں کو بھول جانے کا ہنر بھی رکھتی ہے اور معاف کر دینے کا بھی۔۔جاؤ۔اس سے معافی مانگو۔" ارمان آنکھیں موند چکا تھا۔جبکہ نہال سوچ میں گم تھی کہ کیا اسرا اسے معاف کر دے گی؟؟

"کیا تم اب ساری زندگی اکیلے رہو گے؟" نہال نے کسی موہوم سی امید کے تحت پوچھا تو ارمان نے اپنی آنکھیں کھولیں۔اب کی بار اس کی بھوری آنکھیں سرخ تھیں۔

" نہال احمد ! مجھے زندہ رہنے کے لیے منال کی مختصر سی یادیں کافی ہیں۔میں قیامت تک اس کا انتظار کروں گا۔" اس کا لہجہ انتہائی سرد تھا۔

"میں قیامت سے پہلے بھی اس کا ہوں اور قیامت کے بعد بھی اسی کا رہوں گا۔اس لیے تم اپنے دل میں کسی قسم کی کوئی امید زندہ نہ رکھو۔" اس کی بات پر نہال بے بسی سے مسکرا دی۔

" تم فکر مت کرو۔نہال احمد آج ادھر ہی اپنی ساری حسرتیں چھوڑ کر جائے گی۔" پھر اس نے لمبا سانس بھرتے ہوئے اس کمرے کی جانب دیکھا۔سفید اور گرے رنگ کے امتزاج میں سجا یہ کمرا بہت خوبصورت تھا۔

" ارمان ! اس کمرے کی قسمت بہت عجیب ہے۔یہاں قدم رکھنے والی ہر لڑکی اپنے حسرتوں کو یہیں دفن کر کے جاتی ہے۔اللہ تمہیں صبر عطا فرمائے۔" وہ ارمان کو ساکت چھوڑتی باہر نکل گئی۔

ارمان اب اپنے کمرے کو دیکھ رہا تھا۔اسے یہاں منال کی خوشبو محسوس ہو رہی تھی۔یہ بات تو طے تھی کہ اب وہ کسی لڑکی کو اس کمرے میں داخل نہیں ہونے دے گا۔

پھر اس نے نم آنکھوں سے اوپر کی جانب دیکھا۔

”اے اللہ ! میں تیرے فیصلے کو قبول کر رہا ہوں۔مگر ایک دعا ہے۔اللہ !! پلیز مجھے آخرت میں اس کا ساتھ نصیب فرمانا۔۔۔پلیز !!“پھر اس نے گہرا سانس بھرا۔کانوں میں ایک لڑکی کے کہے ایک جملے گونجے تھے۔

”کاش اسرا !! اس رات تم نے ہمارے ساتھ رہنے کی دعا بھی دی ہوتی۔مگر خیر۔۔۔“ اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تھی۔

اللہ !! مجھے تجھ سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔بس تو آخرت میں ہم دونوں کو ایک دوسرے کا ساتھ عطا فرمانا۔کیا ہوا جو اس دنیا میں ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ نہیں رہ پائے۔ہم آخرت میں ساتھ رہیں گے۔میں صبر کروں گا۔اے اللہ!! میری منال کی مغفرت فرمانا۔اے اللہ ! اسے بتانا کہ اس کا ارمان اسے بہت یاد کرتا ہے۔اسے یہ بھی بتانا کہ وہ قیامت تک بھی اور قیامت کے بعد بھی اسی کا ہے۔“وہ ہلکا سا مسکرایا۔

”آپ کو پتہ تو ہے وہ کتنی جلدی جیلس ہو جاتی ہے۔“ پھر اس نے اپنی آنکھیں موند لیں۔

”اسے بتانا کہ ارمان احمد صرف اور صرف اس کا ہے۔“ وہ اللہ سے مخاطب تھا۔

"اے اللہ! آپ بس منال کو میرے خوابوں میں بھیجتے رہنا۔ویسے بھی وہ تصور سے تو نہیں جائے گی ۔مگر خواب میں مجھ سے بات تو کر پائے گی نا !! آپ اسے میرے خواب میں بھیجنا۔" وہ مسکراتے ہوئے بول رہا تھا۔

"منال !! ہماری داستان ادھوری نہیں رہی۔۔۔تم دیکھنا ہم قیامت کے دن ملیں گے۔میرا انتظار کرنا۔

زمیں پہ نہ سہی تو آسماں میں آ مل

تیرے بنا گزارا اے دل !!! ہے مشکل "

اب تصور میں وہ تھا اور اس کی منال تھی۔ارد گرد موجود چیزیں ہلکا سا مسکرائی تھیں۔آج ارمان احمد نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا سبق پا لیا تھا۔یہ تو طے تھا کہ اب منال اس کے ساتھ ہر وقت تصور میں رہے گی اور ارمان بھی اللہ کے ہر فیصلے کو قبول کر چکا تھا۔اسے سمجھ آ چکا تھا کہ جو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں ان کے لوٹ کر آنے کی دل میں کہیں نہ کہیں امید باقی رہتی ہے۔مگر جو مر جاتے ہیں ان پر صرف صبر ہی کیا جا سکتا ہے۔آج تقدیر بھی ارمان کو دیکھ کر مسکرائی تھی۔

پولیس اسٹیشن میں موجود فیصل پہلی دفعہ اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا۔کچھ دیر پہلے اسے نعمان نے محب کے آپریشن کے سکسیس فل ہونے کی خبر دی تھی۔تب سے اس کی آنکھوں میں شکر کے آنسو موجود تھے۔مگر اس کی زبان گنگ تھی۔اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ اللہ کا شکر کیسے ادا کرے !!

"اللہ مجھے معاف فرما دے۔" اپنے منہ سے نکلنے والے پہلے جملے پر ہی وہ دنگ رہ گیا۔اس کا دل اللہ سے معافی مانگنا چاہتا تھا۔اسے معلوم تھا کہ اس نے غلط راستہ چنا تھا۔اسی وجہ سے اس نے محب پر گولی چلانے کا اعتراف کیا تھا۔

محب نے اسے بہت سمجھایا تھا مگر وہ ہر دفعہ اس کی بات کی نفی کرتا رہا۔آج اس کی وجہ سے منال مر گئی، محب کو گولی لگ گئی۔مگر بس اب اور نہیں !!! وہ اللہ سے توبہ کرے گا۔وہ اللہ سے معافی مانگے گا۔اللہ کا شکر ادا کرے گا کہ اس نے محب کو ٹھیک کر دیا۔

وہ نیچے زمین سے اٹھا اور سلاخوں کے پاس کھڑا ہو گیا۔باہر حوالدار پہرا دے رہا تھا۔

"مجھے وضو کرنا ہے۔" فیصل کی بات پر حوالدار نے جھٹکے سے فیصل کی جانب دیکھا۔جو سلاخوں کے پار سر جھکائے کھڑا تھا۔وہ ملگجے سے حلیے میں موجود تھا۔ایک لمحے کے لیے اسے فیصل پر ترس آیا۔

"ٹھیک ہے۔میرے ساتھ چلو مگر بھاگنے کی کوشش کی تو گولی مار ڈالوں گا۔" حوالدار کی بات پہ فیصل کا دل کیا کہ وہ قہقہہ لگا کر ہنسے۔وضو کرنے کے بعد اس نے حوالدار سے جائے نماز مانگی۔اس کے ساتھ موجود مجرم اسے حیرت سے تک رہے تھے۔جو اب جائے نماز بچھائے ایک طرف کھڑا اسے تک رہا تھا۔

پھر اس نے لمبا سانس بھرا اور جائے نماز کے اوپر کھڑا ہو گیا۔یکدم اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ریلا بہنا شروع ہو گیا۔وہ اپنے دل کی کیفیت سے ناواقف تھا۔

تکبیر میں اٹھے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔قیام میں کھڑی ٹانگیں بھی کپکپاہٹ کا شکار تھیں۔دل میں سکون سا اترتا محسوس ہو رہا تھا۔

سجدے کی حالت میں موجود فیصل کے آنسو جائے نماز پر گر رہے تھے۔وہ سجدے میں ہچکیوں سے رو پڑا۔اسے وہ ذات اپنے بہت قریب محسوس ہو رہی تھی۔نماز ادا کرنے کے بعد اس نے اپنے ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے۔

” اے اللہ ! تو ہی میرا رب ہے اور مجھے تیری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے۔میں یہ بات بھول گیا تھا ۔مجھے معاف کر دے۔“ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے تھے۔

” اے اللہ! مجھے پتہ ہے کہ میرے یہ ہاتھ تیرے بندوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔مگر تو رحیم ہے۔۔تو رحمٰن ہے۔تو مجھے معاف کر سکتا ہے نا۔۔پلیز ! مجھے معاف کر دے۔میں اپنی سزا بھگتوں گا ۔“ اس نے ایک لمحے کا توقف لیا۔

”میں پھر کوئی برا کام نہیں کروں گا۔پلیز !! مجھے معاف کر دے۔“ پولیس اسٹیشن کی تاریک کالکوٹڑی نے رات کے اس پہر ایک نوجوان کو توبہ کرتے دیکھا تھا۔

ہزاروں جان دیتے ہیں بتوں کی بے وفائی پر

اگر ان میں سے کوئی باوفا ہوتا تو کیا ہوتا؟

ہسپتال کے سرد کمرے میں محب کے دائیں جانب اسرا، نعمان جبکہ بائیں جانب حمید خان ،ارمان اور حارث بیٹھے تھے۔وہ سبھی کسی سوچ میں گم تھے۔

محب بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ صبح مسز رضا اور ڈاکٹر نیلوفر ان کے لیے ناشتہ لے کر آئی تھیں۔

"فیصل کو چھڑواؤ۔ پلیز!!" حارث کے کہنے پر ارمان نے لمبا سانس بھرا۔

"اس نے اپنے آپ کو بہت برا پھنسایا ہے۔" حارث نے اپنے ماتھے پر تیوری سجا کر ارمان کو تیکھی نظروں سے گھورا۔ حمید خان خاموش بیٹھے تھے۔

"تو تم ایس۔پی کس کام کے ہو؟ جو اپنے بھائی کو جیل سے رہا نہیں کروا سکتے۔" اس کی بات پر ارمان بے بسی سے مسکرایا۔ کسی زخم پہ چوٹ کی گئی تھی۔

"یہ ایس۔پی تو اپنی بیوی کو نہیں بچا پایا۔۔ خیر !! میں بہت جلد ڈیزائن کرنے والا ہوں۔" لہجہ انتہائی مدھم تھا۔ اس کی بات پر وہ سب چونکے تھے۔ حمید خان نے بھی گردن موڑ کر اپنے ساتھ بیٹھے ارمان کو دیکھا۔

"کیوں بھائی ؟" سب سے پہلے نعمان کی طرف سے سوال پوچھا گیا تھا۔ ارمان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”جب میں اپنی بیوی کو نہیں بچا پایا تو دوسرے لوگوں کو کیا بچا پاؤں گا ؟“اس کا ضمیر اسے ملامت کر رہا تھا۔

اس کی بات پر کمرے میں چند لمحوں کے لیے خاموشی پھیل گئی۔ہر کوئی پریشان تھا اور ان کی پریشانی کی وجہ جیل میں موجود فیصل احمد تھا۔

”منال کے لیے بہت افسوس ہوا۔“ محب کی آواز نے کمرے میں چھائے جمود کو توڑا۔اس کی بات پر حمید خان اور ارمان کی نظروں کے سامنے کفن میں لپٹی منال کا بے جان جسم آگیا۔ان دونوں نے اپنی آنکھیں میچ لیں۔

” برخوردار ! زندگی اللہ کی امانت ہے۔جو اس دنیا میں آیا ہے۔اسے ایک نہ ایک دن واپس ضرور جانا ہے۔“ انہوں نے لمبا سانس بھرتے ہوئے ایک لمحے کا توقف لیا۔

” ہم تو صرف دعا اور صبر ہی کر سکتے ہیں۔“ ارمان اب سر جھکائے بیٹھا تھا۔ان کی بات پر ان سب نے اثبات میں سر ہلایا۔

”فیصل بھائی کو جیل سے باہر کیسے نکلوانا ہے؟“ نعمان کے سوال پر وہ سب سوچ میں گم ہو گئے۔

" محب ! اگر تم فیصل کے خلاف کیس نہیں لڑو گے تو وہ کچھ دنوں تک کلوز ہو جائے گا۔"ارمان کی بات پر محب نے اثبات میں سر ہلایا۔

" میں فیصل کے خلاف کوئی مقدمہ لڑنا بھی نہیں چاہتا۔"اس کا لہجہ پختہ تھا جبکہ حارث خاموش بیٹھا تھا۔

اسے معلوم تھا کہ فیصل ایک بار جس چیز کا تہیہ کر لے اس سے پیچھے نہیں ہٹتا۔

" اچھا برخوردار !!اب ہم چلتے ہیں۔"حمید خان کے بولنے پر وہ سب کھڑے ہو گئے۔

" آپ فیصل سے ملنے جا رہے ہیں؟" محب نے بے چینی سے سوال کیا تو حمید خان نے اثبات میں سر ہلایا۔"اس سے بات کروایئے گا۔"وہ سب محب کی بات پر مسکرا اٹھے۔

" ٹھیک ہے۔برخوردار !! تم جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ۔" ڈاکٹرز نے اسے ایک ویک کا بیڈریسٹ بتایا تھا ۔جس پر اس نے بہت برا منہ بنایا تھا۔

" اللہ حافظ !" ان سب کے جانے کے بعد کمرے میں محب اور اسرا کے اکیلے رہ گئے۔اسرا نے نیلے رنگ کے شلوار قمیص کے ساتھ نیلا دوپٹہ سر پر جما رکھا تھا۔

جبکہ محب کے چہرے پر اب جھنجھلاہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

اسرا نے ٹیبل پر بڑے سامان میں سے سوپ نکالا اور محب کے پاس بیٹھ گئی۔

" زوجہ ! مجھے نہیں پینا۔"محب کے جھنجھلا کر کہنے پر اسرا ہلکا سا مسکرائی۔

"محترم ! آپ کی صحت کے لیے اچھا ہے۔" وہ صبح سے ہی کھانے کے معاملے میں بہت ضد کر رہا تھا۔

" میری صحت کے لیے صرف آپ اچھی ہیں۔آپ میرے پاس رہیں۔میں ایک دن میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔"وہ یہاں سات دن بالکل بھی نہیں رہنے والا تھا۔

"آپ بات کو مت گھمائیں اور یہ پئیں۔" اسرا نے سوپ سے بھرا ہوا چمچ محب کے منہ کے قریب کیا۔جس پر محب نے ایک نظر اس مرغوبے پر ڈالی اور پھر اسرا کے ہاتھوں کو دیکھا۔

"اگر آپ اپنے ہاتھوں سے پلائیں گی تو کون بدنصیب انکار کرے گا۔" مسکرا کر کہتے ہوئے اس نے سوپ پی لیا۔اسرا اپنا سر جھٹک کر رہ گئی۔

" ڈاکٹر فیصل جیل سے رہا ہو جائیں گے؟" اسرا کے پوچھنے پر محب نے لمبا سانس بھرا۔

”پتہ نہیں۔“اسرا کی آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں۔ایجنٹ ایکس کہہ رہا تھا کہ اس کو پتہ نہیں تھا۔

”کیوں ؟“اسرا کے چمچ آگے کرنے پر محب نے اپنا منہ کھولا۔

”کیونکہ اس دفعہ پلان بنانے والا جیل میں بیٹھا وہ فیصل احمد ہے اور مجھے کچھ گڑبڑ لگ رہی ہے۔“

محب کی بات پر اسرا نے اثبات میں سر ہلایا۔

”اب بس کریں۔“ اس کے پھر سے چمچ بڑھانے پر محب نے اپنا چہرہ دوسری جانب کر لیا۔اسرا لمبا سانس بھر کر رہ گئی۔

میں خود زمین ہوں مگر ظرف آسمان کا ہے

کہ ٹوٹ کر بھی میرا حوصلہ چٹان کا ہے

یہ اور بات عدالت ہے بے خبر ورنہ

تمام شہر میں چرچہ میرے بیان کا ہے

وہ سب ارمان کے آفس میں بیٹھے فیصل کا انتظار کر رہے تھے۔کچھ دیر بعد کانسٹیبل وقاص فیصل کو لے کر اندر داخل ہوا۔فیصل کا چہرہ بے تاثر تھا۔جبکہ آنکھیں جامد تھیں۔

" ہتھکڑی کھولو۔" ارمان کے حکمیہ انداز پر وقاص نے فیصل کی ہتھکڑی کھول دی اور باہر چلا گیا۔

اب فیصل ایک طرف ساکت کھڑا تھا۔وقاص کے جانے کے بعد وہ سب فیصل کے سینے سے لگ پڑے۔فیصل کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے مسکراہٹ پھیل گئی۔

" محب کیسا ہے؟" اس کے منہ سے نکلنے والا پہلا جملہ ہی اس انسان کے بارے میں تھا۔جسے وہ کبھی قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

" ٹھیک ہے۔آؤ بیٹھو۔" اب ارمان کے سامنے پڑی دو کرسیوں پر حمید خان اور فیصل بیٹھے تھے۔جبکہ دائیں اور بائیں جانب نعمان اور حارث براجمان تھے۔

" تم نے ایسا کیوں کیا ؟"اب فیصل کا سر جھکا ہوا تھا۔حمید خان کے سوال پر وہ بے بسی سے مسکرایا۔

" مجھے سزا ملنی چاہیے۔" اس کے مدھم لہجے پر ان سب نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

" آپ نے گناہگاروں کو سزا دی ہے۔کوئی گناہ نہیں کیا۔" اب فیصل کرسی سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

”ڈاکٹر حمنہ اور قاضی ذوالفقار نے کسی کا قتل نہیں کیا تھا۔۔“

”مگر وہ گنہگار تھے۔“حارث نے اس کی بات کاٹی۔

”تم لوگ کیوں نہیں سمجھ رہے۔میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہے۔اگر مجھے سزا نہیں ملی تو میں اس بوجھ تلے زندہ نہیں رہ پاؤں گا۔“اس کی آنکھوں میں عجیب سی بے بسی تھی۔

کل جب وہ اللہ کے حضور کھڑا ہوا تھا تو اس کا دل شرمسار تھا۔اس کا ضمیر چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ تم نے اس کے بندوں کا قتل کیا تھا۔وہ کیسے بغیر سزا کے زندہ رہ سکتا تھا۔

”پلیز ! مجھے سزا چاہیے۔مجھے سزا دلواؤ۔ورنہ میں اپنے آپ سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہوں گا۔“ اس کے جڑے ہاتھ دیکھ کر وہ سب حیران رہ گئے۔اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔وہ کفارہ ادا کرنا چاہتا تھا۔ارمان نے فوراً سے اس کے ہاتھ پکڑے۔

” تمہیں چار سال کی سزا ہوگی۔“ ارمان کے بولنے پر فیصل مسکرایا۔

”صرف چار سال ؟؟ ارمان ! چار سال میرے گناہوں کے کفارے کو ادا کرنے کے لیے بہت کم ہیں۔“ وہ سب اس کی بات سمجھ رہے تھے۔

حمید خان نے لمبا سانس بھر کر محب کا نمبر ملایا۔اب صرف وہی فیصل کو سمجھا سکتا تھا۔

دوسری جانب محب بیڈ سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے بیٹھا تھا۔جبکہ اسرا صوفے پر بیٹھی اخبار کا مطالعہ کر رہی تھی۔یکدم کمرے کی فضا میں محب کے موبائل کی بیل گونجی۔

اسرا نے سائیڈ ٹیبل سے موبائل اٹھا کر محب کو پکڑایا اور خود دوبارہ صوفے پر آ بیٹھی۔چیف کا نمبر دیکھ کر محب کے چہرے پر مسکراہٹ چھاگئی۔وہ لوگ یقیناً فیصل کے پاس پہنچ چکے تھے۔

اس نے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ کال اٹینڈ کی۔

" السلام علیکم !"محب کی آواز سن کر چیف نے موبائل سامنے میز پر رکھ دیا۔فیصل نے لمبا سانس بھرا

۔

"وعلیکم السلام !" فیصل کو معلوم تھا کہ محب اسی سے مخاطب تھا۔

"تم ٹھیک ہو ؟ تم نے یہ الزام اپنے آپ پر کیوں لیا فیصل!!" محب بے چینی سے بولا تھا۔فیصل کے چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی۔

" میں ٹھیک ہوں۔ تم۔۔۔ تم کیسے ہو؟" ساری ناراضگیاں کہیں دور دفن ہو گئی تھیں۔ محب کو بے ہوش دیکھ کر فیصل کو لگا تھا کہ کسی نے اس سے سانسیں چھین لی تھیں۔

"میں اس ہاسپٹل والی جیل سے رہا ہو جاؤں پھر تم سے ملنے آؤں گا۔ دیکھ لینا کیسا ہوں !!" اس نے آنکھیں گھما کر کہا تو اسرا مسکرا اٹھی۔ دوسری جانب فیصل نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔

" اور ہاں !! میں تمہارے خلاف کوئی مقدمہ نہیں لڑ رہا۔" اس کی بات پر فیصل کی مسکراہٹ تھم گئی۔

" تم لڑو گے!" وہ پختہ لہجے میں بولا تو محب نے اپنی بھنویں سکیڑ لیں۔

"اور میں ایسا کیوں کروں گا ؟" ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے پوچھا گیا۔

" اگر تم نے ایسا نہ کیا تو میں یہ اعتراف کر لوں گا کہ ڈاکٹر حمنہ اور قاضی ذوالفقار کا قتل میں نے کیا ہے۔" اس نے ایک لمحے کا توقف لیا۔ سب ہونق بنے فیصل کے بے تاثر چہرے کی جانب دیکھ رہے تھے۔ دوسری جانب محب بھی ساکت ہوا تھا۔

" پھر مجھے چار سال کی قید نہیں بلکہ پھانسی ہو گی۔اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔چار سال کی قید یا پھانسی۔۔۔؟" اب اس نے اپنی بات مکمل کر کے کرسی سے ٹیک لگا لی۔

"کیوں خود کو برباد کرنا چاہتے ہو ؟"محب کے بے بس لہجے میں پوچھے جانے والے سوال پر فیصل مسکرایا۔

" محب رضا حسین ! میں اپنے آپ کو بدلنا چاہتا ہوں۔اور اس سے پہلے میں سزا پانا چاہتا ہوں تاکہ میرے دل کو تھوڑی سی تو تسلی رہے۔" اس کا انداز عجیب تھا۔

" تاکہ قیامت کے دن میں سر اٹھانے کے تو قابل رہوں۔تم پہلی دفعہ یہ جاننے میں غلطی کر رہے ہو کہ میں کیا چاہتا ہوں ؟" آفس میں فیصل کی آواز گونج رہی تھی۔

"کیا چاہیے تمہیں ؟" محب کے سوال پر حارث کو چند دن پہلے کا منظر یاد آگیا۔جب اس نے فیصل سے یہی سوال کیا تھا۔اس کا جواب سوچ کر اس نے جھر جھری لی۔اس نے شدت سے دل میں دعا مانگی کہ فیصل کا جواب وہ نہ ہو۔

"ہدایت!!" اس کے یک لفظی جواب پر وہ سب چونکے تھے۔فیصل احمد اس دفعہ ہدایت کا متلاشی تھا ۔اسے نہ ہی کوئی محبت چاہیے تھی اور نہ ہی کوئی دوسرا رشتہ !! اب وہ صرف ایک ہی ذات سے تعلق استوار کرنا چاہتا تھا۔

اسے بہت زور کی ٹھوکر لگی تھی اور اکثر ایسے ٹھوکروں کے بعد صرف اللہ ہی یاد رہتا ہے۔ہر دوسرا انسان دل سے فراموش ہو جاتا ہے۔دنیا اور باقی ساری چیزیں ثانوی رہ جاتی ہیں۔

"وہ تو تم باہر رہ کر بھی پا سکتے ہو۔" محب کی بات پر فیصل نے لمبا سانس بھرا۔

" مگر اس دل کا کیا کروں گا۔جو کل سے ہر لمحے مجھے چین نہیں لینے دے رہا۔پلیز !! محب!! مجھے اس ندامت سے نکلنے دو۔"

"چار سال بہت زیادہ ہیں۔" فیصل نے نفی میں سر ہلایا۔

" میرے گناہوں کے آگے چار سال بہت کم ہیں۔" اس کی بات پر محب سوچ میں پڑ گیا۔

"چیف!! ارمان !! کیا آپ دونوں سائیڈ پر آئیں گے؟؟" محب کو معلوم تھا کہ موبائل اسپیکر پر لگا تھا ۔اس کی بات پر حمید خان اور ارمان نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

" آئیں۔" ارمان حمید خان کو لے کر باہر راہداری میں آگیا جہاں اس وقت کوئی موجود نہیں تھا۔ جبکہ نعمان اور حارث۔۔فیصل سے باتیں کر رہے تھے۔

" بولو!!" چیف کے کہنے پر محب نے لمبا سانس بھرتے ہوئے موبائل اسپیکر پر لگا دیا۔ وہ اسرا کو بھی یہ باتیں سنانا چاہتا تھا۔

" ہمیں فیصل کی بات مان لینی چاہیے۔" اس کی بات پر ان دونوں کے چہرے پر تاسف چھا گیا۔

" یہ اس کے ساتھ زیادتی ہوگی۔ وہ ساری زندگی اپنے خاندان سے دور رہا ہے۔ کیا اب بھی سب سے دور رہے گا؟" اب اسرا محب کے بیڈ کے ساتھ موجود کرسی پر بیٹھ چکی تھی اور ان کی باتیں دھیان سے سن رہی تھی۔

"کیا آپ لوگوں نے نہیں سنا کہ اسے کیا چاہیے ؟؟ وہ ندامت کا شکار ہے۔ اسے اس ندامت سے باہر نکلنا ہے اور بنا سزا کے وہ ندامت سے باہر نہیں نکل سکتا۔" وہ جانتا تھا کہ اگر اب فیصل کی بات نہ مانی گئی تو وہ قتل کا اعتراف کرنے سے بھی باز نہیں آئے گا۔ اسرا اپنے ابرو سکیڑے محب کے ہاتھ میں موجود موبائل کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"کیا وہ ساری زندگی تنہا رہے گا ؟" ارمان کے سوال پر محب پراسراریت سے مسکرایا۔

" نہیں !! یہی تو میرا پلان ہے۔۔۔"اس کے کہے گئے اگلے جملے پر اسرا بھی ہونقوں کی طرح محب کے مسکراتے چہرے کی جانب دیکھ رہی تھی۔

" وہ نہیں مانے گا۔۔"

" اس کو منانا میرا کام ہے۔آپ بس انتظام کروائیں۔" اسرا اب تیکھی نظروں سے محب کی جانب دیکھ رہی تھی۔

" اوکے!! ہم اندر جا رہے ہیں۔تم اس سے بات کر لینا۔"وہ دونوں اب آفس میں داخل ہو چکے تھے۔

" ٹھیک ہے فیصل !! ہم تمہاری بات ماننے کے لیے تیار ہیں۔مگر تمہیں بھی ہماری بات ماننی پڑے گی۔" محب کی بات پر فیصل سوچ میں پڑ گیا کہ اب یہ اس سے کیا منوانا چاہتا تھا ؟؟

"کیا؟؟"

”تمہیں نہال احمد سے نکاح کرنا ہوگا۔وہ بھی آج۔“ اس کے بعد پر حارث اور نعمان نے بھی جھٹکے سے موبائل کی جانب دیکھا۔فیصل کے چہرے پر ناسمجھی پھیل گئی۔

”مگر میں شادی نہیں کرنا چاہتا۔۔“

”دیکھو تم دونوں ایک دوسرے کے لیے پرفیکٹ ہو۔“ ارمان اسے بتا چکا تھا کہ نہال اپنے کیے پر نادم تھی۔

”چار سال تمہارے اور اس کے لیے کافی ہوں گے۔تم دونوں ہی اپنے کیے پر ندامت کا شکار ہو۔تم دونوں نے ہی اپنی اپنی محبت کو کسی اور کا ہوتے دیکھا ہے۔“ اس نے ایک لمحے کا توقف لیا۔فیصل کا چہرہ بے تاثر ہو گیا۔

”تم دونوں کو ایک دوسرے سے زیادہ کوئی نہیں سمجھ پائے گا۔“ اس کی بات پر فیصل نے لمبا سانس بھرا۔

”میں اسے قبول نہیں کر پاؤں گا۔“

"کیا اس لڑکی کو قبول نہیں کر پاؤ گے جو چار سال تمہارا انتظار کرے گی۔" فیصل نے کرسی سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔دونوں جانب خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

" ٹھیک ہے۔میں تیار ہوں !"چند لمحوں بعد وہ بے تاثر لہجے میں بولا تو سب کے چہروں پر مسکراہٹ چھا گئی۔

"آپ لوگ نکاح کا انتظام کریں۔میں پھر کال کروں گا۔" اس نے کال بند کی تو اسرا کو اپنے آپ کو گھورتا پایا۔

"کیا ہوا ؟ مزید زخمی کرنا چاہتی ہیں؟" اس نے ابرو کھجاتے ہوئے مسکراتے لہجے میں پوچھا تو اسرا نے اپنے سینے کے گرد بازو لپیٹے۔

" محترم ! آپ اتنے سیدھے بھی نہیں ہیں۔جتنے نظر آتے ہیں۔" اسرا کی بات پر محب کا قہقہہ کمرے کی فضا میں گونجا۔

" دیکھیں۔۔فیصل نے مجھے معاف کر دیا۔آپ بھی نہال کو معاف کر دیں۔اس نے بھی اپنی محبت کھوئی ہے۔" محب کی بات پر اسرا کے سامنے میرج ہال کا منظر آگیا۔

"آپ اپنے کیے پر نادم تھے۔وہ اپنے کیے پر نادم نہیں ہے۔جس دن اس نے مجھ سے معافی مانگ لی

۔میں اسے معاف کر دوں گی۔" وہ بے تاثر لہجے میں بولی تو محب مسکرا اٹھا۔

" زوجہ!! میں نے ٹھیک کہا تھا کہ آپ بہت نرم دل انسان ہیں۔۔"

" اسی لیے لوگ اس انسان کا دل توڑتے ہیں۔"اس کی بات پر محب نے اس کا ہاتھ تھاما۔

"میں اب آپ کا دل ٹوٹنے نہیں دوں گا۔" اس کے لہجے کی نرمی پر اسرا مسکرا کر رہ گئی۔

"محترم ! کیا آپ نے درست فیصلہ کیا ہے ؟" اس کے سوال پر محب مسکرا اٹھا۔

" زوجہ ! وقت یہ بات ثابت کرے گا کہ یہ فیصلہ بہترین ہے۔" اس کی بات پر اسرا نے ابرو سکیڑ کر

اسے دیکھا۔

"اور اگر ایسا نہ ہوا تو ؟؟"

"ایسا ہو گا!! محب رضا حسین کا دل کہتا ہے کہ وہ دونوں ساتھ میں خوش رہیں گے۔" محب کی بات پر

اسرا نے اپنا سر جھٹکا۔

"آپ کل بھی عجیب تھے اور آپ آج بھی عجیب ہیں۔" اس کی بات پر محب کی سرمئی آنکھیں جگمگائیں۔وہ اسرا کی جانب جھکا اور سر کو ہلکا سا خم دیا۔اس کا انداز ساحرانہ تھا۔اسی انداز پر تو اسرا کا دل دھڑک اٹھتا تھا۔

اسی لمحے ڈاکٹر نیلوفر، مسز رضا کے ساتھ اندر داخل ہوئیں۔وہ دونوں صبح اکٹھی آئی تھیں اور پھر ڈاکٹر نیلوفر مسز رضا کو ہاسپٹل دکھانے لگ گئیں۔

اب وہ دونوں صوفے پر بیٹھ کر باتوں میں مصروف ہو چکی تھیں۔

محب نے اسرا کو پاس آنے کا اشارہ کیا تو اسرا الجھن کے تاثرات لیے اس کے پاس جھکی۔

" یہ عورتیں اتنی باتیں کیوں کرتی ہیں؟" اس کے پوچھنے پر اسرا نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تو ڈاکٹر نیلوفر اور مسز رضا ان کی جانب متوجہ ہو گئیں۔اسرا دوبارہ سے کرسی پر بیٹھ گئی۔

اس کے قہقہہ لگانے پر محب نے خفگی سے اسرا کی جانب دیکھا۔

"صرف ایک سوال ہی تو کیا تھا!!" محب کے منہ بسورنے پر اسرا نے اپنی مسکراہٹ دبائی۔

” مما ! آنٹی ! محب آپ سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔“ اسرا کی بات پر محب نے حیرت سے منہ کھول کر اسے دیکھا۔جبکہ ڈاکٹر نیلوفر اور مسز رضا اب دوبارہ سے ان کی جانب متوجہ ہو چکی تھیں۔

” ہاں بیٹا ! پوچھو۔۔“ ڈاکٹر نیلوفر کی بات پر محب نے جلدی سے نفی میں سر ہلایا۔

” نہیں۔۔آنٹی!! مجھے کچھ نہیں پوچھنا۔“ایک تو یہ محترمہ ایجنٹ ایکس کو بھی بوکھلانے پر مجبور کر دیا کرتی تھیں۔

محب کی بات پر اسرا دوبارہ سے اس کی جانب جھکی۔

” چغلیاں کرتی ہیں!! آپ نے کرنی ہیں ؟ “ اسرا نے شرارتی انداز میں کہا۔

”لاحول ولا قوۃ !! “ اب کی بار ان دونوں کے قہقہوں کی آواز کمرے کی فضا میں گونجی تھی۔ڈاکٹر نیلوفر اور مسز رضا نے ان کی خوشیوں کی سلامتی کی دعا مانگی۔

یہ داستان بناتے ہوئے کی مرضی ہے

کسے نکالے کسے داستان میں رکھے

میری امان میں رہتے تو ٹھیک تھا لیکن

خدا اب آپ کو اپنی امان میں رکھے

احمد ولا کے لاؤنج میں اس وقت ارمان ، ماں جی اور بابا جان کے قدموں کے پاس قالین پر بیٹھا تھا۔ جبکہ ماں جی اور بابا جان متذبذب سے صوفے پر براجمان تھے۔نعمان، ارمان کے پیچھے کھڑا تھا۔وسیع لاؤنج میں اس وقت خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

" ماں جی ، بابا جان !! آج میں آپ کا بیٹا بن کر نہیں آیا۔بلکہ فیصل احمد کا بھائی بن کر آیا ہوں۔" وہ آنکھوں میں مان لیے بابا جان کے چہرے کی جانب دیکھ رہا تھا۔بابا جان اور ماں جی کو معلوم تھا کہ منال کی موت کیسے ہوئی اور فیصل اس وقت کیوں جیل میں تھا!!!

" ارمان ! کیا کہنا چاہتے ہو ؟ صاف صاف کہو !"بابا جان کی بات پر ارمان نے لمبا سانس بھرا اور اپنے پیچھے کھڑے نعمان کی جانب دیکھا۔جس نے آنکھیں بند کر کے اسے تسلی دی تھی۔

" میں فیصل کے لیے نہال کا رشتہ مانگنے آیا ہوں۔" اس کی بات پر ان دونوں پر سکتہ طاری ہو گیا ۔ماں جی اور بابا جان نے ایک دونوں ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔

"ارمان ! یہ تم ہم سے کیا مانگ رہے ہو ؟ " یہ ممکن نہیں ہے۔"ماں جی کی بے بس سی آواز لاؤنج میں گونجی۔ابھی تو کل ہی اس کی بیوی کا انتقال ہوا تھا اور آج وہ فیصل کے لیے نہال کا رشتہ مانگ رہا تھا !!

"ماں جی ! یہ ممکن ہے۔پلیز !! میں بہت امید لے کر آیا ہوں۔پولیس اسٹیشن میں سب ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔" ارمان کی بات پر ان دونوں کو حیرت کا دوسرا جھٹکا لگا۔

"کیا مطلب ؟" بابا جان اس کی بات پر الجھے تھے۔

" مطلب یہ کہ ہم آج ہی ان دونوں کا نکاح کروانا چاہتے ہیں۔" بابا جان نے نفی میں سر ہلایا۔

"یہ تم لوگ کیا کر رہے ہو ؟ ایسا بھی کوئی کرتا ہے؟؟ ابھی منال بیٹی کو اس دنیا سے گئے ہوئے دو دن نہیں ہوئے اور تم اپنے بھائی کا نکاح کروا رہے ہو۔" بابا جان تو غصے میں آ چکے تھے۔

" فیصل کو چار سال کی سزا ہونے والی ہے اور ہم اس سے پہلے اس کا نکاح کرنا چاہتے ہیں پلیز !! میری بات مان لیں۔" اب ارمان بے بسی سے بولا تھا۔

"فیصل کو چار سال کی سزا کیوں ہوگی؟" ماں جی نے تڑپ کر پوچھا۔

”کیونکہ وہ خود ایسا جاتا ہے اور اگر اب اس کا نکاح نہ ہوا تو وہ جیل سے واپس آکر بھی نہیں کرے گا اور مجھے اپنے بھائی کی زندگی میں خوشیاں دیکھنی ہیں۔“ اب اس کا لہجہ پختہ تھا۔جس پر بابا جان سوچ میں گم ہو گئے۔

”کیا وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ خوش رہ پائیں گے ؟“ بابا جان کے سوال پر ارمان نے لمبا سانس بھرا۔

” بابا جان ! نکاح میں کم از کم اتنی طاقت تو ہوتی ہے کہ وہ دو انسانوں کے دلوں کو جوڑ کر رکھے ۔۔محبت نہ ہو۔۔مگر عادت تو ہو سکتی ہے اور جب عادت ہو گئی تو دونوں خوش بھی رہ لیں گے۔“

ارمان کی بات پر بابا جان اور ماں جی نے اثبات میں سر ہلایا۔

” جاؤ نعمان !! نہال کو لے کر آؤ۔“ نعمان نہال کے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔کل رات نہال ماں جی اور بابا جان سے بھی معافی مانگ چکی تھی۔

”کیا آپ دونوں نکاح میں شرکت کریں گے؟“ارمان کے پوچھنے پر انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

”تم ہمیں وہیں سے کال کر لینا۔“اب وہ لوگ نہال اور نعمان کا انتظار کر رہے تھے۔

نعمان نہال کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ دعا مانگنے میں مصروف تھی۔حجاب کے ہالے میں لپٹا چہرہ آنسوؤں کی وجہ سے گیلا ہو چکا تھا۔اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

نعمان آہستگی سے چلتا ہوا نہال کے پیچھے زمین پر بیٹھ گیا۔وہ اپنی بہن سے بہت پیار کرتا تھا۔مگر جب اسے اسرا والی بات کا معلوم ہوا تھا۔وہ نہال سے دور رہنے لگ گیا تھا۔نعمان نے کبھی بھی نہال کو اپنے دل کی بات بتائی ہی نہیں تھی۔نہال اس سے بات کرنے کی کوشش کرتی رہتی تھی۔مگر وہ ہر دفعہ اسے جھڑک دیا کرتا تھا۔اسے آج نہال کے ایسا بننے میں اپنا قصور بھی نظر آ رہا تھا۔

اس نے کبھی بھی اپنی بہن کی بات کو اہمیت نہیں دی تھی۔ہمیشہ اسرا کے قریب رہا۔برے بھی کبھی اچھے ہوا کرتے ہیں۔وہ کسی نہ کسی وجہ سے برا بن جاتے ہیں۔مگر جو توبہ کر کے لوٹ آئے۔وہی اصل انسان ہوا کرتا ہے۔

ہر قدم پر نہال کو احساس دلایا گیا کہ اسرا اس سے بہتر ہے۔اس لیے اس کے دل میں اسرا کے لیے حسد اور بدگمانیاں پیدا شروع ہو گئیں۔مگر وہ کبھی بھی اسرا کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتی تھی۔وہ تو سب کو یہ احساس دلانا چاہتی تھی کہ کوئی نہال احمد بھی ان کی زندگیوں میں موجود تھی۔

وہ ان لوگوں میں سے تھی جو نتائج کی پرواہ کیے بغیر کوئی بھی کام شروع کر دیتے ہیں۔اس نے بھی کچھ سوچے بنا منال کو ایسڈ دیا تھا۔مگر اس کا کھیل اسی پر الٹ کر رہ گیا تھا۔اگلے ہی دن منال کی موت نے اسے بہت بڑے صدمے میں مبتلا کیا تھا۔اس کی روح تک کانپ گئی تھی۔یہ خیال ہی سوہانِ روح تھا کہ وہ اسے مارنے لگی تھی۔

کل سے لے کر آج تک کوئی بھی پل ایسا نہیں گزرا تھا جس میں اس نے اللہ سے معافی نہیں مانگی تھی اور رو رو کر اس کی آنکھیں سوجن کا شکار ہو چکی تھیں۔سر تھا کہ درد کے مارے پھٹ رہا تھا۔

وہ کب سے روئی جا رہی تھی۔اسے نعمان کی آمد کا احساس بھی نہیں ہوا تھا۔نعمان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونکی۔پیچھے گردن موڑنے پر نعمان کو اپنے آپ کو تکتا پایا۔نعمان نے اس کا سر اپنے سینے سے لگایا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

" نعمان ! لوگ کسی ایسے انسان کو قبول کیوں نہیں کرتے جو توبہ کر چکا ہوتا ہے؟" وہ نم لہجے میں نعمان سے سوال کر رہی تھی۔وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی کوئی ایسے انسان کو کہاں قبول کرتا ہے؟؟

"کیوں اس کی ماضی کی غلطیوں کا اس کے سامنے ذکر کیا جاتا ہے؟ آخر کیوں اسے قبول نہیں کیا جاتا؟؟ یہ دنیا اتنی ظالم کیوں ہے؟" نعمان کی آنکھیں بھی نم ہو چکی تھیں۔

" یہ دنیا قبول کرے یا نہ کرے۔۔اللہ اس انسان کو ضرور قبول کرتا ہے۔وہ اپنے بندے کو کبھی نہیں دھتکارتا۔تم اللہ سے دعا مانگو!! وہ تمہیں معاف کر دے گا۔" نعمان کی بات پر وہ پیچھے ہٹی اور آنکھوں میں امید لیے نعمان کو دیکھا۔

" کیا وہ سچ میں مجھ جیسی گنہگار کو قبول کر لے گا۔کیا وہ نہال احمد کو معاف کرنے کے بعد اس کے ماضی کے گناہوں کو اس کے سامنے نہیں لائے گا ؟ " وہ نم آنکھوں سے نعمان کو دیکھتے ہوئے سوال کر رہی تھی۔

"وہ ہمارا پروردگار ہے نہال !! اس کے در کو کھٹکھٹاتے انسان کے گناہ اگر سمندر کی جھاگ کے برابر بھی ہوں تب بھی اس کی رحمت اس انسان کو واپس لوٹانا گوارا نہیں کرتی۔" اس نے ایک لمحے کا توقف لیا۔

" انسانوں سے امیدیں وابستہ کرنا چھوڑ دو۔۔ یہ امیدیں جب ٹوٹتی ہیں تو بہت درد ہوتا ہے۔ تم اللہ سے امیدیں وابستہ کرو۔ اس کے ہر فیصلے کو قبول کرنا سیکھو۔ جیسے اسرا نے سیکھا، جیسے اب ارمان بھائی سیکھ رہے ہیں۔" اس نے نہال کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"کیا تم اللہ کے فیصلے کو قبول کرو گی؟" نعمان کے سوال پر نہال نے جھٹ سے اثبات میں سر ہلایا۔

"پھر میرے ساتھ چلو۔ آج تمہارا اور فیصل بھائی کا نکاح ہے۔" نہال نے ایک جھٹکے سے نعمان کی جانب دیکھا۔ اسے لگا کہ اسے سننے میں غلطی ہوئی تھی۔

"کیا کہا تم نے ؟"

"میں نے کہا کہ آج تمہارا اور فیصل بھائی کا نکاح ہے۔" اس کی بات پر نہال نے لمبا سانس بھر کر اوپر کی جانب دیکھا۔ اس نے ابھی تو کہا تھا کہ اسے اللہ کا ہر فیصلہ قبول تھا۔

وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں کھڑی ہوئی اور بے جان ہاتھوں سے جائے نماز لپیٹی۔اب وہ شل ہوتے قدموں کے ساتھ نعمان کے پیچھے چل رہی تھی۔

نیچے لاؤنج میں پہنچنے پر اس نے ایک نظر وہاں موجود لوگوں پر ڈالی۔اب ارمان بھی ماں جی اور بابا جان کے ساتھ والے صوفے پر بیٹھا تھا۔ماں جی نے نہال کو اپنے پاس بلایا تو وہ ساکن ہوتی آنکھوں کے ساتھ ان کے پاس بیٹھ گئی۔وہ اس سے کچھ پوچھ رہی تھیں۔اس کے کان سائیں سائیں کرنے لگے۔

اس کی بے توجہی دیکھ کر ماں جی نے اس کا کندھا جھنجھوڑا۔جس پر اس نے سر جھٹک کر اپنے آپ کو حواسوں میں لانے کی کوشش کی۔

"کیا تمہیں فیصل کے ساتھ نکاح قبول ہے؟" نہال نے ان کے سوال پر ایک نظر ارمان کی طرف دیکھا اور پھر سر جھٹک دیا۔پھر اس نے اپنا سر اثبات میں ہلتے ہوئے محسوس کیا تھا۔

سب کے چہروں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

ماں جی اب اندر کی جانب بڑھ گئیں۔پیچھے ارمان، نعمان اور بابا جان فیصل کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔اسے بس ایک ہی بات سمجھ آئی تھی کہ فیصل کو چار سالوں کی سزا ہوگی۔مطلب اسے چار سال اس انسان کا انتظار کرنا تھا۔اتنی سزا تو بنتی تھی!!

کچھ دیر بعد ماں جی واپس لوٹیں تو ان کے ہاتھ میں لال دوپٹہ اور زیورات کا ایک ڈبہ تھا۔انہوں نے وہ لال دوپٹہ اسے اوڑھا دیا اور کنگن نہال کے ہاتھوں میں پہنا دیے۔پھر اس نے اپنے آپ کو نعمان اور ارمان کے ساتھ گاڑی کی جانب بڑھتے دیکھا تھا۔

کڑی مسافتوں نے کس کے پاؤں شل نہیں کیے

کوئی دکھاؤ جو بچھڑ کے ہاتھ مل نہیں رہا

ارمان کی گاڑی میں اس وقت خاموشی چھائی ہوئی تھی۔نہال باہر کی جانب دیکھ رہی تھی کہ یکدم اس کے دماغ میں ایک خیال آیا۔

" ارمان ! مجھے پہلے اسرا سے ملنا ہے۔" اس کی مدھم آواز نے وہاں کی خاموشی توڑی تو ارمان نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے گاڑی ہاسپٹل کی جانب موڑ لی۔

نہال کا دل کانپ رہا تھا۔پتہ نہیں اسرا اسے معاف بھی کرے گی یا نہیں !!

ہاسپٹل کے سرد کاریڈور میں وہ تینوں ایک ساتھ چل رہے تھے۔نہال نے بھورے رنگ کے شلوار قمیص کے ساتھ ماں جی کا دیا ہوا لال دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔وہ محب کے کمرے میں داخل ہوئے تو اسرا اور محب کے ساتھ ڈاکٹر نیلوفر اور مسز رضا بھی موجود تھیں۔ان سب نے تعجب سے نہال کے حلیے کو دیکھا تھا۔

اسرا نے اسے ایک نظر دیکھ کر اپنا رخ پھیر لیا۔

" السلام علیکم!" ان کے سلام پر سب نے جواب دیا۔کھڑکیوں سے سورج کی روشنی کمرے کے اندر داخل ہو رہی تھی۔ اسرا محب کی دائیں جانب بیٹھی تھی جبکہ ڈاکٹر نیلوفر اور مسز رضا صوفے پر براجمان تھیں۔

نہال نے اسرا کی جانب قدم بڑھائے جبکہ نعمان اور ارمان ایک جانب موجود کرسیوں پر بیٹھ چکے تھے۔"اسرا!" اس کی پکار پر اسرا کے دل کو کچھ ہوا مگر وہ ویسے ہی رخ پھیرے بیٹھی رہی۔

" اسرا !" نہال نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دوبارہ بلایا۔اسرا اس کا ہاتھ جھٹک چکی تھی۔

" یار اسرا !! " اب کی بار اسرا کی آنکھوں میں نمی پھیل گئی تھی۔کیوں لوگ اتنا مجبور کر دیتے ہیں؟؟

" دیکھو !! آج میرا نکاح ہے۔پلیز !! مجھے معاف کر دو۔" ڈاکٹر نیلوفر اس کی بات پر چونکی تھیں۔

"کیوں معاف کر دوں؟" اب کی بار اسرا نے بے تاثر چہرے کے ساتھ اس کی جانب دیکھا۔نہال کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"نہیں بتاؤ کیوں معاف کر دوں؟؟ اور کس چیز کے لیے معاف کر دوں ؟"اسرا کرسی سے کھڑی ہو چکی تھی۔اس کا لہجہ بے تاثر تھا۔جبکہ آنکھوں میں نمی چھائی ہوئی تھی۔

" تمہارے دھوکے کے لیے معاف کر دوں؟؟ یا حسد کے لیے معاف کر دوں ؟ بتاؤ نہال احمد !! کس کس چیز کے لیے معاف کروں؟ " وہ چینخی تھی۔

”یار مجھ سے غلطی ہو گئی۔پلیز معاف کر دو۔“ اب وہ اسرا کے سامنے ہاتھ باندھے گڑگڑا رہی تھی۔

اس کے جڑے ہاتھ دیکھ کر اسرا کا دل ڈوبا تھا۔وہ اس کی بچپن کی دوست تھی۔اس کی ہر یاد کے ساتھ وہ، نعمان اور ارمان جڑے ہوئے تھے۔وہ اسے کیسے بھول سکتی تھی؟

” دیکھو ! مجھے سزا مل رہی ہے نا؟ میرا دل مجھے چین نہیں لینے دے رہا۔مجھے کل ساری رات نیند نہیں آئی۔پلیز!! مجھے معاف کر دو۔میرے دل پر بہت بڑا بوجھ ہے۔اسے ہٹا دو پلیز!! “ اب کی بار وہ اسرا کے قدموں میں گر گئی۔محب خاموشی سے اسرا کے چہرے کی جانب دیکھ رہا تھا۔جس پر اب حزن ، ملال، دکھ نظر آنا شروع ہو چکا تھا۔ہاسپٹل کے کمرے میں افسردگی سی چھا گئی تھی۔

اسرا نے ایک نظر نیچے بیٹھی نہال کو دیکھا اور پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔پتھر ٹوٹ چکا تھا۔

وہ اسی کے ساتھ نیچے بیٹھ گئی۔اب وہ دونوں ہاسپٹل کے فرش پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھی رو رہی تھیں۔

"کیا گارنٹی ہے کہ تم دوبارہ ایسا نہیں کرو گی؟" نہال نے اپنا سر اٹھایا اور اسرا کی جانب دیکھا۔جس کی سنہری آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔

" میں۔۔۔میں توبہ کر چکی ہوں!! سچی توبہ!" اس کی بات پر اسرا نے ایک لمبا سانس بھرا۔وہ بار بار لوگوں کو مواقع فراہم نہیں کیا کرتی تھی۔مگر سامنے بیٹھی لڑکی نہال احمد تھی۔وہ اس کو رعایت دے سکتی تھی۔

وہ آگے بڑھی اور نہال کو گلے سے لگا لیا۔اب وہ دونوں پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں۔اگر نہال احمد توبہ کر سکتی تھی ، اسرا سے معافی مانگ سکتی تھی، اپنے کیے پر شرمسار ہو سکتی تھی تو اسرا محب رضا میں بھی اتنا ظرف تھا کہ وہ اسے گلے سے لگا کر معاف کر دیتی۔وہاں موجود ہر انسان کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

" میں نے تمہیں معاف کیا۔مگر دوبارہ اپنے آپ کو بھٹکنے مت دینا۔اپنے اوپر اپنے برے خیالات کو حاوی مت ہونے دینا۔" اسرا کی بات پر نہال نے اثبات میں سر ہلایا۔

" شکریہ اسرا ! " اب وہ ایک دوسرے کا ہاتھ تھامتی کھڑی ہو گئیں۔

" میرے نکاح میں شرکت کرو گی؟" نہال کے پوچھنے پر اسرا نے محب کی جانب دیکھا۔

" نہال ! ہم یہیں سے ویڈیو کال کے ذریعے شرکت کریں گے ۔اب آپ لوگ جاؤ۔ سب انتظار کر رہے ہوں گے۔" محب کہنے پر نہال، ڈاکٹر نیلوفر اور مسز رضا سے ملی اور پھر ارمان ، نعمان کے ساتھ باہر نکل گئی۔

ارمان کے آفس میں اس وقت باقی لوگوں کے ساتھ نہال اور نکاح خواں کا اضافہ ہو چکا تھا۔نہال ایک طرف نعمان کے ساتھ صوفے پر سر جھکائے بیٹھی تھی۔فیصل ارمان کی کرسی کے سامنے بیٹھا سوچ میں گم تھا۔اس نے سبھی کچھ اللہ پر چھوڑ دیا تھا۔ویڈیو کال کے ذریعے سے باباجان اور اسرا لوگ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

" نہال احمد ولد ارسلان احمد آپ کا نکاح فیصل احمد ولد افنان احمد سے باعوض دو لاکھ روپے حق مہر سکہ رائج الوقت طے پایا ہے کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟" نہال نے اپنی آنکھیں میچ لیں۔ایک دم

سے دل دھڑکا تھا۔نعمان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔نہال احمد!! تمہیں یہ کرنا ہے!

”قب۔۔ قبول ہے۔“ اس نے لڑکھڑاتے لہجے میں کہا۔اس کی آواز فیصل کے کانوں تک بھی پہنچی تھی۔(تم سزا ہو یا نعمت مجھے نہیں معلوم۔۔مگر میں تمہیں قبول کر رہی ہوں۔)

نکاح خواں کے دوبارہ پوچھنے پر اس نے پھر سے قبول ہے کہہ دیا۔(مجھے نہیں معلوم کہ تم میرے دل میں جگہ بنا پاؤ گے یا نہیں۔۔مگر میں تمہیں قبول کر رہی ہوں۔)

نکاح خواں کے آخری دفعہ پوچھنے پر اس نے قبول ہے کہہ کر اپنے آپ کو فیصل احمد کی زوجیت میں دے دیا۔(میں اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ یہ فیصلہ ہم دونوں کے حق میں بہتر ہو۔آمین!)

پھر اس نے کانپتے ہاتھوں کے ساتھ نکاح نامے پر دستخط کر ڈالے۔اس کے دستخط کرنے کے بعد نعمان نے اس کا سر اپنے شانے سے ٹکا دیا۔یہ منظر دیکھ کر اسرا کی آنکھیں مسکرائی تھیں۔

اب نکاح خواں فیصل کی جانب متوجہ ہوا۔فیصل کو کمرے میں گھٹن محسوس ہو رہی تھی۔

"فیصل احمد ولد افنان احمد آپ کا نکاح نہال احمد ولد ارسلان احمد سے باعوض دو لاکھ روپے حق مہر سکہ رائج الوقت طے پایا ہے۔کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے ؟" فیصل نے نظر اٹھا کر سر جھکائے بیٹھی نہال کی جانب دیکھا اور پھر اوپر کی جانب ایک نگاہ ڈالی۔

" قبول ہے !!" اس کا لہجہ پختہ تھا۔(میں تمہیں دل سے قبول کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔)

جملے دہرائے گئے۔

"قبول ہے !" (میں فیصل احمد تمہارے سارے حقوق پورے کرنے کی کوشش کروں گا۔)

آخری دفعہ قبول ہے کہنے پر ہر انسان کے چہرے پر مسکراہٹ چھاگئی۔(میں تمہیں خوشیاں دینے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔تمہارا ماضی تمہیں کبھی یاد نہیں دلاؤں گا۔)

نکاح نامے پر دستخط کرنے کے بعد وہ سب سے گلے ملا۔نکاح خواں تو یہ دیکھ کر حیران تھا کہ عجیب لوگ تھے۔جو پولیس اسٹیشن میں نکاح کروا رہے تھے۔پھر وہ سب آفس سے باہر نکل گئے۔

اب کمرے میں صرف نہال اور فیصل موجود تھے۔

فیصل نے لمبا سانس بھرا اور نہال کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا۔نہال سر جھکائے اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھ رہی تھی۔ان دونوں کے چہرے بے تاثر تھے۔

" مجھے قبول کرنا مشکل ہوگا نا؟" ابتدا فیصل کی جانب سے کی گئی تھی۔نہال نے اس کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔

"تمہیں چار سال میرا انتظار کرنا ہوگا۔کر لو گی؟" اب کی بار نہال نے اثبات میں سر ہلایا۔

" ممکن ہے آج جو فیصل احمد تمہارے ساتھ بیٹھا ہے۔چار سال بعد وہ نہ ہو۔" اس کی بات پر نہال نے گردن موڑ کر اس کی جانب دیکھا۔سیاہ آنکھیں ، ہلکی ہلکی داڑھی، پرکشش نقوش !! اتنا بھی برا نہیں تھا!! نہال نے دل میں سوچا۔

" چہرے کی بات نہیں کر رہا۔دل کی بات کر رہا ہوں۔" اس کے بولنے پر نہال نے دوبارہ سے اپنی نگاہیں جھکا لیں۔

" ہمارے نکاح کا فیصلہ محب نے لیا ہے۔یقیناً سوچ سمجھ کر ہی لیا ہوگا۔" فیصل کی بات پر نہال نے محب کو صلواتیں سنائیں۔

” اونہوں !! اسے گالیاں مت دو۔ بیچارہ پہلے ہی ہاسپٹل کے بیڈ پر پڑا ہے۔“ اس کی بات پر نہال سر جھٹک کر رہ گئی۔ تیس مار خان !!

”اب سے تم میری عزت ہو۔ عزت ہی بن کر رہنا۔ ذلت مت بننا۔“اس کے جملے پر نہال ایک لمحے کے لیے ساکت ہوئی تھی۔ نہیں!! وہ اس کی ذلت نہیں بنے گی۔

” میرا انتظار کرنا۔ میں بھی تمہارا انتظار کروں گا۔“ نہال کی آنکھوں میں نا سمجھی ابھری۔ وہ اس کا انتظار کرے گا!!

” میں ایک نئی نہال فیصل احمد کا انتظار کروں گا۔ جو اللہ کے ہر فیصلے کو قبول کرنا جانتی ہو۔“ فیصل نے اپنے جملے کی وضاحت کی۔

”یہ مت سمجھنا کہ تم مجھ پر مسلط کی گئی ہو۔ جب تک مرد نہ چاہے تب تک کوئی چیز اس پر مسلط نہیں کی جاسکتی۔ میں نے تمہیں قبول کر لیا ہے۔ تمہاری بہتری بھی اسی میں ہے کہ تم بھی مجھے قبول کر لو۔“ آفس میں اس وقت صرف فیصل کی گمبھیر آواز گونج رہی تھی۔

" اور اگر قبول نہ بھی کرو۔تو اب ہم میاں بیوی ہیں۔اللہ نے ہمیں ایک رشتے میں باندھ دیا ہے ۔اس لیے ہمارے پاس کوئی دوسرا آپشن نہیں ہے۔" وہ مدھم لہجے میں نہال کو سمجھا رہا تھا۔

" ہاں !! مجھے تم سے محبت نہیں ہے۔۔نہ ہی میں تمہیں پسند کرتا ہوں۔بلکہ تم مجھے اچھی بھی نہیں لگتی تھی۔" وہ کچھ زیادہ ہی صاف گو تھا۔اس کی بات پر نہال نے سر اٹھا کر تیکھی نظروں سے اسے گھورا۔

" تو میں کون سا تمہارے لیے مری جا رہی تھی؟" اس کے جل بھن کر کہنے پر فیصل کی آنکھوں میں ایک لمحے کو تحیر چھا گیا۔اس پورے قصے میں وہ پہلی دفعہ بولی تھی۔ تحیر پھر خوشگواریت میں تبدیل ہو گیا اور پھر۔۔۔پھر کمرے کی فضا میں فیصل کے قہقہے کی آواز گونجی تھی۔وہ پیٹ پر ہاتھ رکھے بری طرح ہنس رہا تھا۔وہ نہال کی بات پر محظوظ ہوا تھا۔جبکہ نہال ہونقوں کی طرح اسے دیکھ رہی تھی۔

بھلا اس نے ایسا کیا کہہ ڈالا تھا؟؟ جس پر وہ ایسے ہنس رہا تھا!!

”یہ تو بہت اچھی بات ہے۔اکٹھے بیٹھ کر دل کا بوجھ ہلکا کریں گے۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولا تو نہال نے تحیر بھری نظروں سے فیصل احمد کی جانب دیکھا۔جیسے اس نے کوئی انوکھی بات کر ڈالی ہو۔

”ڈن کرو!!“ فیصل کے ہاتھ آگے کرنے پر نہال نے ایک نظر اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ پر ڈالی اور پھر کچھ سوچتے ہوئے اس پر اپنا ہاتھ رکھ ڈالا۔جس پر فیصل نے دوبارہ قہقہہ لگایا تھا۔پھر وہ یکدم سے سنجیدہ ہو گیا۔

”میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میرا نکاح ایسے ہو گا۔خیر !! میں جیل سے باہر نکل کر تمہارے لیے اچھا سا تحفہ خریدوں گا۔تم میرا انتظار کرو گی نا؟“ نہال کا ہاتھ ابھی بھی فیصل کی گرفت میں تھا۔

فیصل کی بات پر نہال نے اثبات میں سر ہلایا۔

”اللہ تمہاری اور میری آزمائش آسان فرمائے اور ہمیں ہدایت عطا فرمائے۔آمین ! “ نہال نے بھی زیر لب آمین کہا تھا۔

بچھڑ بھی جائے مگر مجھ سے بدگمان بھی رہے

یہ حوصلہ ہی کہاں میرے بدگمان کا ہے

قفس تو خیر مقدر میں تھا مگر محسنؔ

ہوا میں شور ابھی تک میری اڑان کا ہے

صبح سویرے سورج کی نرم گرم کرنیں ہر سو پھیلی ہوئی تھیں۔جو نیلے اور سفید رنگ کے امتزاج میں سجے اس کمرے کی دیوار گیر کھڑکیوں سے اندر داخل ہو کر زمین پر تکون بنا رہی تھیں۔ڈبل سائز بیڈ پر دو بچے بیٹھے ہوئے اپنے سامنے کھڑے انسان کو پٹر پٹر دیکھ رہے تھے۔جو گرے رنگ کے تھری پیس سوٹ میں اِدھر سے اُدھر ٹہل رہا تھا۔

اس کے قدموں کے ساتھ ہی ان دونوں بچوں کے سر بھی حرکت کر رہے تھے۔یکدم اس کے پیروں کی حرکت تھمی اور وہ بیڈ کی جانب بڑھا۔اب وہ بیڈ پر کہنیوں کے بل جھکا ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔پھر اس نے اپنی سرمئی آنکھوں والی گڑیا کی جانب دیکھا جو آنکھیں کھولے اسے دیکھ رہی تھی۔

”گڑیا ! آپ دیکھ رہی ہیں نا ؟ آپ کی مما ہمیں دیر کروا رہی ہیں۔“ اس دودھیا رنگت، تیکھی ناک اور سرمئی آنکھیں اسے باقی بچوں سے ممتاز بناتی تھیں۔وہ اس وقت گرے رنگ کے باربی فراک میں ملبوس تھی۔

” جی بابا !“ اس نے مدھم آواز میں کہا۔جبکہ اس کے ساتھ بیٹھے اس کے بھائی کے چہرے پر خفگی چھاگئی۔اس نے اپنے بابا کی کہنی کھینچی تو وہ اس بچے کی جانب متوجہ ہوا۔

”اوہ! میرے بچے! میں آپ کو نہیں بھولا۔آپ تو میری جان ہیں۔“ اس نے ان دونوں کو گلے سے لگا لیا وہ دونوں بچے اس کے جگر کے ٹکڑے تھے۔

اسی لمحے وہ چینجنگ روم سے باہر نکلی۔گرے رنگ کی میکسی میں ملبوس وہ آج بھی چار سال پہلے جیسی خوبصورت تھی۔دودھیا رنگت اور وہ سنہری آنکھیں جو اس کے شوہر کو بہت پسند تھیں۔

” زوجہ ! جلدی کریں۔“ اس کے کہنے پر اسرا نے ایک نظر ان تینوں نفوس پر ڈالی۔وہ اس کا خاندان تھا۔چار سال پہلے ہی اس کی رخصتی کر دی گئی تھی۔

اسرا اب جلدی سے اپنے بال سمیٹ رہی تھی۔

”یہ آپ کی شہزادی اور شہزادے ہمیشہ دیر کرواتے ہیں“ اس نے ایک نظر ان دونوں بچوں کی جانب ڈالی تو محب نے آیت اور آفان کے سر پر بوسہ دیا۔وہ دونوں جڑواں تھے۔دونوں کے نقوش کافی حد تک ملتے تھے۔مگر آیت کی آنکھیں سرمئی جبکہ آفان کی آنکھیں سنہری تھیں۔

تین سال پہلے ان کی آمد نے سب کی زندگیوں میں رنگ بھر دیے تھے۔سرمئی آنکھوں والی آیت پر سب اپنی جان چھڑکتے تھے۔وہ دونوں آج کل کے بچوں جیسے شرارتی نہیں تھے۔ہمیشہ سنجیدہ سے رہتے تھے۔آفان ہر وقت اپنی بہن کے ساتھ رہتا تھا۔کبھی کبھار دل کرے تو باقی بچوں کے ساتھ کھیل لیا کرتا تھا۔

اب اسرا حجاب کر کے تیار کھڑی تھی۔محب اس کے ساتھ آ کر کھڑا ہو گیا۔ان چار سالوں میں اس کی محبت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔وہ آج بھی اپنی محترمہ کا محترم تھا۔

”محترم !! ہٹیے۔سب انتظار کر رہے ہوں گے۔“ اس کی بات پر محب نے قہقہہ لگایا۔محب نے ان سب کو احمد ولا چھوڑنا تھا اور پھر ارمان لوگوں کے ساتھ مل کر جیل سے فیصل احمد کو گھر لانا تھا۔

محب ہنستا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔چار سال پنکھ لگا کر اڑ چکے تھے۔ان چار سالوں میں ہر کسی نے فیصل احمد کی کمی کو محسوس کیا تھا۔مگر انہیں یقین تھا کہ اب چار سالوں بعد ہر کسی کی زندگی میں صرف خوشیاں ہی خوشیاں ہوں گی۔اب وہ سب گاڑی کی جانب بڑھ گئے۔

جیل کے باہر کھڑے وہ چاروں نفوس کسی کا انتظار کر رہے تھے۔وہ سبھی گرے رنگ کے تھری پیس سوٹ میں ملبوس تھے۔یکدم اندر سے ایک شخص باہر نکلتا نظر آیا۔سیاہ آنکھیں ، بڑھی ہوئی شیو اور۔۔۔اور جھکی ہوئی نگاہیں۔اس کا سر سامنے کی جانب تھا جبکہ نگاہیں زمین کی جانب تھیں۔

چار سالوں بعد وہ آخر کار اپنے ضمیر کے بوجھ سے آزاد ہو چکا تھا۔آج اس کا دل مطمئن تھا۔اس نے ایک نظر سامنے کی جانب ڈالی تو ان چاروں کو پا کر اس کی سیاہ آنکھوں میں چمک در آئی ،چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ان سب کے پاس پہنچا تو وہ اس کے سینے سے لگ گئے۔کتنا کچھ تبدیل ہو چکا تھا۔ارمان نے پولیس ڈیپارٹمنٹ چھوڑ کر بزنس جوائن کر لیا تھا اور آج وہ ، نعمان اور حارث

بزنس کی دنیا کے بڑے نام تھے۔محب آج بھی حمید خان کی نگرانی میں ایجنٹ ایکس کے نام سے اپنے فرائض سر انجام دے رہا تھا۔

ان سب نے بہت کچھ کھویا تھا اور بہت کچھ پایا بھی تھا۔مگر ایک چیز تھی جو تبدیل نہیں ہوئی تھی اور وہ تھی ان کی دوستی !!

”شکریہ محب! تمہاری وجہ سے آج میں اپنے ضمیر کے بوجھ سے آزاد ہو گیا۔“اس کی بات پر محب نے اس کا کندھا تھپکا۔ارد گرد سے گزرتے لوگوں نے ان پانچ نوجوانوں کو آنسو بہاتے دیکھا تھا۔آج ان کے سروں پر کسی دلاور شاہ کے نام کی تلوار نہیں لٹک رہی تھی۔

” بس کرو!! باقی گھر جا کر مل لینا۔“فیصل کی بات پر وہ سب مسکراتے ہوئے پیچھے ہٹے۔وہ سب ہر ہفتے اس سے ملنے آیا کرتے تھے۔مگر فیصل نے ماں جی اور نہال کو یہاں لانے سے منع کر رکھا تھا۔

اب وہ پانچوں گاڑی کی جانب بڑھے۔

وہ سب ارمان کی گاڑی میں آئے تھے۔اب فیصل پیسنجرز سیٹ پر محب اور حارث کے ساتھ بیٹھا تھا جبکہ نعمان فرنٹ سیٹ پر براجمان تھا اور ارمان گاڑی چلا رہا تھا۔ان سب کے پاس فیصل کو سنانے کے لیے بہت سی باتیں تھیں اور وہ انہیں خاموشی سے سن رہا تھا۔

”بچے کیسے ہیں ؟“ فیصل کے پوچھنے پر ارمان نے قہقہہ لگایا۔

” تم سے ملنے کو بے تاب !! “ارمان کسی بھی بچے کو جیل نہیں لایا تھا۔مگر فیصل کو ان کے قصے سناتا رہتا تھا۔

”میں بتاتا ہوں!!“ اب کی بار نعمان بولا تھا۔وہ ایک خوبرو مرد بن چکا تھا۔مگر اس کی شخصیت ویسی ہی تھی۔اس نے اپنی خاصیت کو نہیں کھویا تھا۔

” افنان احمد اور حیدر اسلم ، نعمان احمد کی طرح شرارتی۔“ وہ سوچ سوچ کر بول رہا تھا۔

”آفان رضا ، محب بھائی کی طرح پراسرار۔“ اس کی بات پر محب کا قہقہہ گونجا۔

”آیت رضا ، فیصل احمد کی طرح سنجیدہ اور انشرح احمد، کنزیٰ بھابھی کی طرح نکچڑی!! “حارث نے اسے آنکھیں دکھائی تھیں۔جنہیں اس نے نظر انداز کر دیا۔اب کی بار گاڑی میں سب کے قہقہوں کی گونج اٹھی تھی۔زندگی سے بھرپور قہقہوں کی گونج !!

یکدم فیصل کی نظر باہر کی جانب پڑی۔اسے راستے یاد تھے۔مگر وہ چونکا تھا۔

”یہ تم مجھے کہاں لے کر جا رہے ہو ؟“ اس کے سوال پر ارمان نے مرر سے محب اور حارث کے درمیان بیٹھے فیصل احمد کی جانب دیکھا۔

”اپنی بیوی سے چار سال بعد ایسے حلیے میں ملو گے؟“ اس کے سوال پر فیصل کی نظروں کے سامنے نہال کا چہرہ گھوم گیا۔

” تو میں کون سا تمہارے لیے مری جا رہی تھی؟“ ساتھ ہی اس کی تیکھی آواز بھی کانوں میں گونجی تھی۔ان چار سالوں میں اس نے نہال کو دل سے قبول کر لیا تھا۔وہ اس لڑکی کو کیسے قبول نہ کرتا جو اس کے نام پر چار سالوں سے اس کے کمرے میں رہ رہی تھی۔جس نے ان چار سالوں میں ہر ہفتے

اس کے لیے اپنے ہاتھ سے بنا ہوا کھانا بھجوایا تھا۔اب تو فیصل احمد کو نہال فیصل احمد کے ہاتھ کے ذائقے کی بھی پہچان ہو چکی تھی۔

اب ارمان لوگ اسے ایک سیلون لے کر گئے۔وہاں سے نکل کر وہ چار سال پہلے والے فیصل احمد سے زیادہ پر کشش لگ رہا تھا۔

"آؤ چلیں۔تمہاری دلہن تمہارا انتظار کر رہی ہوگی۔" دلہن لفظ پر وہ مسکرایا تھا۔مگر پھر اس نے اپنا سر جھٹک دیا۔

"پہلے مال چلو!!" فیصل کی بات پر وہ سب چونکے۔مگر پھر ارمان نے گاڑی مال کی جانب موڑ لی۔

بچھڑتے وقت سے اب تک میں نہیں رویا

وہ کہہ گیا تھا یہی وقت امتحان کا ہے

مسافروں کی خبر ہے ، نہ دکھ ہے کشتی کا

ہوا کو جتنا بھی غم ہے وہ بادبان کا ہے

اس وقت نہال گرے رنگ کے کامدار فراک میں ملبوس ڈریسنگ ٹیبل کے آگے بیٹھی تھی۔جبکہ اس کے ارد گرد اسرا، فضہ، کنزیٰ موجود تھیں۔جو اس کو تیار کر رہی تھیں۔

”نہیں!! یہ نہیں! یہ کلر لگاؤ۔“ اسرا نے فضہ کو ٹوکا جو نہال کی آنکھوں پر آئی شیڈ لگا رہی تھی۔ان سب کے بچے نیچے ماں جی اور باقی لوگوں کے ساتھ موجود تھے۔

**

ہال نے ان چار سالوں میں ہر پل فیصل احمد کا انتظار کیا تھا۔وہ فیصل کے کمرے میں رہ رہی تھی۔ہر ہفتے وہ نہایت اشتیاق سے اس کے لیے کھانا بناتی تھی۔اس کے ڈریسنگ روم کو نئے سرے سے سیٹ کرتی تھی۔اس کے ٹام فارڈ کی مہک کو اپنے ارد گرد محسوس کرتی تھی۔

پہلے سال ہی اس نے اپنے آپ کو یہ سمجھا لیا تھا کہ اب فیصل احمد ہی اس کا ساتھی تھا۔اسے فیصل کو قبول کرنا ہی تھا۔

فیصل کی باتیں ہر لمحہ اس کے کانوں میں گونجتی رہتی تھیں اور وہ بے ساختہ اسے سوچنے لگ جاتی تھی۔ان چار سالوں میں فیصل احمد اس کے ساتھ نہ ہو کر بھی اس کے ساتھ ہی تھا۔

نہال کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔اب اسرا اس کا دوپٹہ سیٹ کر رہی تھی۔ جبکہ فضہ اور کنزیٰ اسے تنگ کر رہی تھیں۔

”ویسے نہال ! آج تم کچھ زیادہ خوش نہیں لگ رہی؟ کیوں فضہ؟ “کنزیٰ کے کہنے پر فضہ نے بھی اثبات میں سر ہلایا۔نہال کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

” میرا شوہر چار سال بعد واپس آ رہا ہے اور میں خوش بھی نہ ہوں!! “ اس کی تیکھی آواز پر ان سب نے قہقہہ لگایا تھا۔

اسی لمحے سب بچے اندر داخل ہوئے۔ایک سالہ انشراح کو نجمہ نے اٹھا رکھا تھا جو گلا پھاڑ کر رونے میں مصروف تھی۔

” فضہ بی بی !! اسے پکڑیں۔ یہ کسی کو بھی چین نہیں لینے دے رہی۔“ فضہ نے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے انشراح کو اٹھا لیا۔جو اب ماں کی گود میں آتے ہی خاموش ہو گئی تھی۔

” نہال ! آپ اپنی بھتیجی کو دیکھیں۔مجھے سکون کا سانس تو لینے ہی نہیں دیتی!! “ وہ سیاہ آنکھوں والی انشراح کو دیکھتے بولی تھی۔

حیدر اور افنان نے سارے سامان کو چھیڑنا شروع کر دیا تھا جبکہ آیت اور آفان بیڈ پر خاموشی سے بیٹھے اپنی مما کو دیکھ رہے تھے۔

" حیدر ! افنان ! مت کرو۔۔ذرا آیت اور آفان کو دیکھو۔کتنے آرام سے بیٹھے ہوئے ہیں۔حالانکہ تم دونوں سے چھوٹے ہیں۔" کنزیٰ کے ٹوکنے پر سات سالہ افنان نے ان دونوں کو دیکھ کر اپنا ناک چڑھایا۔

اسرا نے ایک نظر اپنے بچوں پر ڈالی اور مسکرا اٹھی۔بھئی اس کے بچوں کی تعریف ہو رہی تھی!! اپنی مما کو اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ دونوں بھی مسکرائے تھے۔

اسی لمحے انہیں گاڑی کے ہارن کی آواز سنائی دی تو نہال کا دل زور سے دھڑکا۔ان سب نے شریر مسکراہٹ کے ساتھ اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھا تھا۔

" چلو بچوں !! آپ کے چاچو آگئے۔" چاچو کے نام پر سب بچے مسکرائے تھے۔وہ سب فیصل کے نام سے واقف تھے۔

”دلہن صاحبہ ! آپ اپنے دلہے کا انتظار کریں۔وہ یہیں آئیں گے۔“ وہ سب بچوں کو لے کر باہر نکل گئیں تو نہال نے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر اپنے عکس کو دیکھا۔گرے رنگ کے کامدار لباس میں ہلکا میک اپ کیے وہ کافی خوبصورت لگ رہی تھی۔اس کی پلکیں لرز رہی تھیں۔

وہ اپنا فراک سنبھالتی کھڑی ہوگئی۔دیوار گیر کھڑکی کے آگے لگے گرے کرٹنز پیچھے کیے تو پورچ کی لمبی روش کا منظر واضح ہوا۔جہاں وہ بابا جان سے مل رہا تھا۔گرے تھری پیس سوٹ میں ملبوس وہ پہلے سے زیادہ ہینڈسم لگ رہا تھا۔

اب دوسری جانب ماں جی سے ملتے فیصل احمد کو اپنے اوپر کسی کی نظروں کا ارتکاز محسوس ہوا۔اس نے بے ساختہ ہی سر اٹھا کر اپنے کمرے کی کھڑکی کی جانب دیکھا جہاں وہ دلہن بنی کھڑی تھی۔ایک لمحے کے لیے سیاہ آنکھیں بھوری آنکھوں سے ٹکرائی تھیں۔مگر اگلے ہی لمحے اپنی چوری پکڑے جانے پر نہال پیچھے کو ہٹی۔اس کی حرکت پر فیصل کے چہرے پر دلفریب مسکراہٹ چھاگئی۔

اسرا کو آج فیصل احمد کی نگاہوں میں حیا محسوس ہو رہی تھی۔اسرا نے اسے سلام کیا تھا جس کا جواب فیصل نے اس کی جانب دیکھے بنا دیا تھا۔اس نے ایک دفعہ بھی وہاں موجود کسی لڑکی کی جانب نہیں

دیکھا تھا۔وہ فضہ اور کنزیٰ سے بھی نگاہیں جھکا کر بات کر رہا تھا۔اسرا مسکرا اٹھی۔فیصل احمد نے وہ پا لیا تھا جس کی اسے تلاش تھی۔اس نے ہدایت پا لی تھی۔

”جس شخص کو اللہ چاہتا ہے کہ ہدایت بخشے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔“

اب وہ سبھی وسیع لاؤنج میں بیٹھے تھے۔پورے لاؤنج میں گرے اور گولڈن رنگ کے غباروں اور ربنز سے سجایا گیا تھا۔آج کی پارٹی کا انعقاد محب نے کیا تھا۔

”جاؤ فیصل ! نہال بیٹی کو لے کر آؤ۔“ بابا جان کے کہنے پر وہ اثبات میں سر ہلاتا کھڑا ہو گیا۔اس نے نعمان کی جانب دیکھا۔جس نے اسے ایک پیکٹ تھما دیا۔اب وہ سیڑھیاں چڑھتا اپنے کمرے کی جانب بڑھ رہا تھا۔

دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھے فیصل احمد کے چہرے پر ایک مسکراہٹ تھی۔اسے اسرا کے سحر سے نکلنے میں نہال کے صرف ایک جملے نے بہت مدد کی تھی۔

اس ایک جملے کو اس نے جیل کی تاریک کالکوٹری میں اپنے ارد گرد گونجتے محسوس کیا تھا۔

ڈریسنگ ٹیبل کے آگے بیٹھی نہال اس کے جوتوں کی دھمک کو محسوس کر کے کھڑی ہو گئی۔فیصل اب آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا اس کے قریب آرہا تھا۔

نہال سر جھکائے کھڑی تھی۔جبکہ فیصل اسے تک رہا تھا۔اس کے سامنے دلہن بنی نہال اسے اچھی لگ رہی تھی۔

"مجھے تم پسند آگئی ہو۔" فیصل کے مسکراتے لہجے پر نہال نے آنکھوں میں تحیر لیے اسے دیکھا۔

"ہاں !! محبت ابھی بھی نہیں ہوئی۔مگر زندگی ایک ساتھ گزاری جا سکتی ہے۔" اس کے جملے پر نہال نے اپنا منہ بسورا۔

اس کے کچھ نہ بولنے پر فیصل نے اپنے ہاتھ میں موجود پیکٹ کھولا۔نہال حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی۔فیصل نے ہاتھ میں اب ایک خوبصورت لال رنگ کا دوپٹہ تھا۔جس کے اوپر انتہائی نفیس نقش نگاری کی گئی تھی۔وہ نہال کی آنکھوں میں چھپی پسندیدگی دیکھ سکتا تھا۔

اب اس نے وہ لال دوپٹہ نہال کے سر پر پھیلا دیا اور کندھوں سے پکڑ کر اس کا رخ آئینے کی جانب کیا۔

”کیسا ہے؟ مجھے اس سے خوبصورت کچھ لگا ہی نہیں۔۔اسی لیے یہ خرید لیا۔تمہیں پسند آیا؟“ اس کے سوال پر نہال نے اثبات میں سر ہلایا۔

”چار سال کیسے گزرے؟“ اب وہ اس کا ہاتھ پکڑتا اسے اپنے ساتھ بیڈ پر بٹھا چکا تھا۔

” مجھے یاد کیا ؟“اس کے سوال پر نہال نے گردن موڑ کر اس کی جانب دیکھا۔وہ پوچھ رہا تھا کہ نہال احمد نے اسے یاد کیا !!

”بہت!“ یک لفظی جواب پر فیصل کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔عورت بہت نازک ہوتی ہے۔اگر اسے عزت اور توجہ دو تو وہ اپنی محبت بھی بھول سکتی ہے۔

””تمہارا ایک ہی جملہ ہر وقت میرے کانوں میں گونجتا رہتا تھا۔خیر!! تمہارے ہاتھوں میں بہت ذائقہ ہے۔“ فیصل نے اس کے ہاتھوں کو تھامتے ہوئے کہا تو نہال مسکرا اٹھی۔

” آپ کو میری یاد آئی ؟ “ وہ ”تم“ سے ”آپ“ پر آ گئی تھی۔نہال کے پوچھنے پر وہ سوچ میں گم ہو گیا۔

" تھوڑی تھوڑی !! "اس نے اپنے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کو جوڑتے ہوئے کہا تو نہال نے خفگی سے اس کی جانب دیکھا۔فیصل نے قہقہہ لگاتے ہوئے اس کا سر اپنے شانے سے ٹکا دیا۔

"چلو جتنے شکوے کرنے ہیں کرو!! میں سن رہا ہوں۔جس کی شکایت لگانی ہے لگاؤ ! "فیصل کی بات پر ایک لمحے کے لیے نہال کی آنکھوں میں نمی آگئی۔صبر کا پھل میٹھا ہو یا نہ ہو۔مگر اس کے انتظار کا پھل بہت میٹھا تھا۔

"مجھے اب کسی سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔" اس کے نم لہجے پر فیصل ہلکا سا مسکرا دیا۔وہ سچ میں چار سال پہلے والی نہال نہیں رہی تھی۔اس کے ساتھ اس کے کندھے سے سر ٹکائے وہ اس کی ہمسفر نہال فیصل احمد تھی۔

اسی لمحے نہال کے موبائل کی بیپ بجی جو سائیڈ ٹیبل پر موجود تھا۔اس نے فیصل کے کندھے سے سر ہٹا کر موبائل چیک کیا تو اس پر نعمان کا میسج جگمگا رہا تھا۔

" نعمان ہمیں نیچے بلا رہا ہے۔" اس کی بات پر فیصل کھڑا ہو گیا۔اب وہ ایک دوسرے کا ہاتھ تھامتے سیڑھیوں سے نیچے اتر رہے تھے۔نیچے اترنے پر ان پر پھولوں کی بارش شروع ہو گئی۔ہر چہرے پر ایک مسکراہٹ سجی تھی، ہر سو اجالا تھا ، احمد ولا کے لاؤنج میں بچوں کی کھکھلاہٹیں گونج رہی تھیں۔

سب بچے قالین پر کھیل رہے تھے۔جبکہ بڑے ان کے ارد گرد ہی موجود تھے۔

اسی لمحے نعمان ایک بڑا سا کیک لایا۔وہ چاکلیٹ فلیور کیک تھا۔جس پر جگہ جگہ پھول بنے ہوئے تھے۔اس نے ٹرالی لاؤنج کے وسط میں رکھ دی۔

" سب نوجوان یہاں تشریف لے آئیں !" اس کے ہاتھ میں نو چھریاں تھی۔جو اس نے ان سب کو تھما دیں۔

محب کی گود میں آفان جبکہ اسرا کی گود میں آیت تھی۔افنان ارمان کی گود میں موجود تھا اور حیدر کو حارث نے جبکہ انشرح کو نعمان نے پکڑ رکھا تھا۔

وہ سب اس کیک کے ارد گرد کھڑے تھے۔ماں جی، بابا جان، مسز رضا ،ڈاکٹر نیلوفر اور حمید خان نم آنکھوں سے وہ منظر دیکھ رہے تھے۔

ارمان نے ایک نظر اوپر کی جانب ڈالی اور پھر افنان کو دیکھا۔اب اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔افنان کو اس نے باپ بن کر پالا تھا۔ارمان نے اسے تین سال پہلے ایک یتیم خانے سے اڈاپٹ کیا تھا۔اب تک وہ اس کے ساتھ ہر پل تھا۔منال بھی اس کے تصور میں ہر وقت اس کے ساتھ تھی اور وہ آج بھی ہر ہفتے اس کی قبر پر دو سرخ گلابوں کی گجرے لے کر جایا کرتا تھا۔ارمان نے مسکراتے ہوئے اپنا سر جھٹک دیا۔

بیک گراؤنڈ میں میوزک کی ہلکی سی آواز گونج رہی تھی۔

"دکھ مل کر سنواریں سکھ مل کر گزاریں

یار یاروں سے ہوں نا جدا"

ان سب نے مسکراتے ہوئے کیک کاٹا۔

"ہماری دوستی کے نام !!"نعمان چلایا تو وہ سب مسکرا اٹھے۔یہ ان کی دوستی ہی تو تھی جس نے ان سب کو جوڑ رکھا تھا۔ان کے رشتوں میں بہت سے اتار چڑھاؤ آئے تھے۔وہ سب گرے بھی تھے اور ایک دوسرے کو اٹھایا بھی تھا۔ان کے درمیان بدگمانیوں اور نفرتوں نے بھی جنم لیا تھا۔مگر ان سب

نے مل کر ان نفرتوں کو شکست دی تھی۔خود اپنے دل و دماغ سے لڑے تھے۔تنہا وادیوں میں بھٹکے تھے۔اپنے آپ کو گہرے کنوؤں میں پایا تھا۔مگر ان سب جگہوں سے باہر بھی نکلے تھے۔

انہوں نے امید کا ، صبر کا اور شکر کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا تھا اور آج ان سبھی آزمائشوں کے بعد وہ سب اکٹھے تھے۔

آج ان کے درمیان کوئی عداوتیں نہیں تھیں۔آج ان کے درمیان کوئی دلاور شاہ نہیں تھا۔

ان سب نے دلاور شاہ کو شکست دینے کے ساتھ ساتھ اپنے برے خیالات کو بھی شکست دی تھی اور ان کے مقدر میں فتح لکھی گئی تھی۔

اب وہ سب ایک بڑے میز کے گرد کرسیاں ڈالے باتیں کرنے میں مصروف تھے۔یکدم حارث کو کچھ یاد آیا تو اس نے اپنا گلا کھنکارا۔

” فیصل ! شاہ سردار کی ایک سال پہلے موت ہو چکی ہے۔“اس کی بات پر فیصل نے اثبات میں سر ہلایا۔یہ بات تو اسے معلوم تھی !!

”وہ اپنی اور دلاور شاہ کی ساری جائیداد تمہارے نام کر کے گئے ہیں۔“ اس کی بات پر وہ سب چونکے تھے۔

” میرے نام ؟“حارث نے اثبات میں سر ہلایا تو فیصل سوچ میں گم ہو گیا۔

”بیچ دو !! سب کچھ بیچ دو۔“ فیصل کی بات پر سب کو جھٹکا لگا۔

”بیچ کر کیا کرو گے ؟“ ارمان کے سوال پر فیصل کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”یتیم خانہ بنواؤں گا تاکہ میرے جیسے فیصل احمد، فیصل شاہ نہ بن سکیں۔“ اس کی بات پر وہ سب مسکرائے تھے۔آج اتنی آزمائشوں کے بعد ان سب نے اپنے اپنے مقصد کو پا لیا تھا۔

”فنائے ہجر“

ان کے نام جنہوں نے اندھیرے دیکھے

جنہوں نے اپنے آپ کو اکیلا پایا

جنہوں نے بھٹک کر خود کو تلاش کیا

جنہوں نے اندھیروں میں بیٹھ کر رب کو یاد کیا

جنہوں نے اپنے ضمیر کو نفس سے لڑنے دیا

جنہوں نے اپنے آپ کو برے خیالات کے تابع نہ ہونے دیا

ان کے نام جن سے جب پوچھا گیا کہ بتاؤ یہاں تمہارا کون ہے؟؟

تو ان کے دل سے ایک ہی صدا نکلی۔

"اللہ!!" صرف اللہ !!

****

ختم شد